

حق طبع محفوظ ہے

اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلَى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا

الاے آنکہ از غفلت ز قرآن بغیر ماندی : و ہمہ علمت علم رسمیاں بگذشت تا دانی
علوم رسمیاں با علم قرآن تاجہ می ارزد : و کزین حیرت بیفزاید فداں غافل بانی
چہ جائے علم رسمی پیش علم احمد مرسل : و خستہ خردوار جو خواہد کیسے خوان بورانی
بخوشید و خشاں کر یک شتاب بنانی : و تقویر داشت اے ناسر اوار مسلمان
برنج از حرف تلخ من اگر صبر است گر غفل : و خوشنیش نگ جانے کہ پوشش کسود وانی

نسخہ تبرک

مافی الاسلام

جلد اول

مؤلفہ خاکسار اصغر علی روحی معلم دیانات ادبیات اسلامیہ کالج لاہور

۱۳۵۰ھ ہجریہ علی صاحبہا التحیۃ باہتمام عملہ منظور عام لکچر ہوسٹل الطباعہ
قیمت فی جلدہ روپے

مافی الاسلام حصہ اول

(فلسفہ اسلام اور اس کی تشریح)

رد سر سید احمد خان نیچری

رد فلسفہ ڈارون تھیوری

رد خوارج و روفض و معتزلہ

از - پروفیسر اصغر علی روحی علیہ رحمہ

فہرست مضامین مافی الاسلام جلد اول

نمبر	نام مضمون	نمبر	نام مضمون
۳۷	اسد لال پر وجود ذات	ط	مناجات پر درگاہ حق جل و جہ
۳۸	حقیقت مادہ کے متعلق جدید تحقیقات	ی	تفسیر عربیہ فی لغت اشعار علی اسرار
۴۲	الدرائط والاسباب		تفسیر فارسیہ
۴۶	تجربہ و مشاہدہ	۹	اندر زمین نیت
۵۲	واقعات کا علم اور عقل		باب اول
۵۷	فائیت العقل	۱۲	ادہ کی حقیقت نامعلوم ہے
۶۰	دہریت	۱۵	ادہ کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتا
۶۸	نیجہریت	۱۵	تمام اشیائے ادبیہ متعلقہ اصل ہیں
۶۸	افراط و تفریط		سلسلہ نظام عالم ایک قانون کلی کے
۷۵	ہمارے فطری معذوری	۱۶	زیر اثر چل رہا ہے
۷۶	اس معذوری کا مہیا	۱۷	اشیائے کائنات سب کی سب حادث ہیں
۷۶	وحی آسمانی ہیں اس باب میں کیا تعلیم	۱۸	ہر ایک حادث فاتی ہے
	درستی ہے	۱۸	سلسلہ کائنات لامتناہی نہیں ہو سکتا
	عقل ہستی کے محدود ہونے کی	۱۹	تمام اشیاء مدغم سے وجود پذیر ہونے کی ہیں
۷۶	مثال اس میں بھی موجود ہے	۲۰	خواص اشیاء کا حصر ناممکن ہے
۷۶	مخالف عقل و انوار عقل	۲۱	ربط سبب و سبب
	میکر لاپرواہی کو بہ الترتیب	۲۳	حقائق غیر ادبیہ یا اموال مادہ
۷۶	کی راستے	۳۰	منبر

نام مضمون	نمبر صفحہ	نام مضمون	نمبر صفحہ
العقوبات والہدایات	۱۳۵	پیچیدہ دین اسلام کے کتب	۱۳۵
السلام والاستدلال	۱۳۶	کرت چلے آئے ہیں	۱۳۶
معیاری و باطل	۱۳۷	نیچریت ادب قومی کا اصل سبب	۱۳۷
الراخون فی العلم	۱۳۸	ملت اور سبب ہیں امتیاز	۱۳۸
ضرورت نبوت و مذہب	۱۳۹	{باب دوم}	
ضرورت نبوت	۱۴۰	صانع عالم کا اثبات	۱۴۰
نبوت احمدی ہے نہ کہی	۱۴۱	عکس ادب انبیاء علیہم السلام کا اتفاق	۱۴۱
ضرورت شریعت	۱۴۲	احمد صانع پر	۱۴۲
نشیات شریعت	۱۴۳	عالم پر مزید بحث	۱۴۳
نئی اور قلمی میں فرق	۱۴۴	توحید ذات باری عز اسے	۱۴۴
ادیان عرب قبل از اسلام	۱۴۵	مسئلہ صفات پر بحث	۱۴۵
خدا پرست	۱۴۶	مسئلہ تشریح و تشبیہ	۱۴۶
تہذیب ستی کا آغاز کیونکر ہوا	۱۴۷	مسئلہ رویت ذات باری عز اسے	۱۴۷
لاندہی	۱۴۸	{باب سوم}	
صاحبین	۱۴۹	کیا انسان طبعاً آزاد ہے	۱۴۹
یود	۱۵۰	انسان و شرف اللہ کائنات ہے	۱۵۰
پیسائی	۱۵۱	انسان کا وجود کسی غایت مقصود پر موقوف	۱۵۱
نقویہ	۱۵۲	انسان ابتداء انسان پیدا ہوا ہے	۱۵۲
مجوس	۱۵۳	{باب چہارم}	
ختم نبوت	۱۵۴	انسان و انقل	۱۵۴

نمبر صفحہ	نام مضمون	نمبر صفحہ	نام مضمون
۲۹۰	نوح علیہ السلام	۱۸۱	ولایت تدریج نبوت ہے
۲۹۱	ابراہیم علیہ السلام	۱۸۳	الوحی والالہام
۲۹۲	یوسف علیہ السلام	۲۳۸	الوحی والافاسد
۲۹۳	یسرہ علیہ السلام	۲۴۰	مکاشفہ
۳۰۱	موسیٰ علیہ السلام	۲۴۱	حقیقت الروایہ
۳۰۲	یونس علیہ السلام	۲۴۲	حقیقت روایہ سے افکار نہیں چوکتا
۳۰۳	داؤد علیہ السلام	۲۴۵	نویا کے اقسام
۳۰۴	سلیمان علیہ السلام	۲۴۵	قسام مذکورہ بالا میں وجہ امتیاز
۳۰۵	جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	۲۴۶	روایہ صحیحہ کے مختلف اقسام
۳۱۶	باب پنجم		روایہ صحیحہ کا ذکر کی وجہ احادیث
۳۱۷	قوانین فطرت و مہجرات	۲۴۷	سے
۳۱۷	قوانین فطرت کیا چیز ہے	۲۴۸	ارواح کا باہم جتنا
۳۱۷	قوانین فطرت سے صالح مطلق	۲۴۹	استغاثہ اعلام
۳۱۸	کی پستی کا ثبوت	۲۵۰	نویا کے متعلق چند واقعات
۳۱۸	قوانین فطرت کی نوعیت	۲۵۱	صحت انبیاء علیہم السلام
۳۱۸	فطرت معلم اقل ہے	۲۵۲	اشکافہ مارج و ثبوت علیہم السلام
۳۱۸	کیا فطرت میں کسی قسم کی فعلی	۲۵۳	نبوت کمالی فطری ہے یا کبھی یا دہری
۳۱۸	داخل ہو سکتی ہے	۲۵۴	نویا علیہم السلام اور مانتہ اس میں
۳۱۸	انسان صرف قانون فطرت کی پیروی	۲۵۵	امیر الامتیار
۳۲۰	میں کمال حقیقی کو پہنچتا ہے	۲۵۶	حضرت ابوالیثر علیہ السلام
۳۲۰	قوانین فطرت لاتنا ہی ہیں	۲۵۷	

نمبر صفحہ	نام مضمون	نمبر صفحہ	نام مضمون
	منکرین کا خیال ہے کہ خدا نے		قوانین فطرت میں تضاد واقعی ممکن
	اپنے تئیں قوانین فطرت کا پابند	۳۲۱	نہیں
۳۲۸	کتاب ہے		جو لوگ حقیقت فطرت سے آگاہ ہوتے
	منکرین آئیہ و لہن یحید لسنہ اھلہ		ہیں انہیں تعلیم انبیاء کے قبول
	تبدیل سے بھی تشکک کیا		کر لینے میں کچھ دقت پیش نہیں
۳۲۸	کرتے ہیں	۳۲۱	آنی
۳۲۸	سجرات کی تقسیم حسی اور عقلی میں	۳۲۸	اسلام میں نظرۃ اللہ ہے
	کیا فرق عقلی سجرات نبوت کے	۳۲۳	قانون فطرت کے مفہوم کی توسیع
۳۲۸	لئے کافی حجت نہیں		قانون فطرت کے نئے نقطہ آیت
	سجرات حسی کے لئے کون امور		کا استعمال قرآن مجید میں تین
۳۲۱	کا قبیلہ کرنا ضروری ہے	۳۲۸	طرح پر ہوا ہے
۳۲۲	سجرات اقتراجیہ وغیرہ قدرہ		کیا سجوزہ جزو نبوت ہے یا لازم
	منکرین پر منطقی طور پر اتمام	۳۲۸	نبوت یا غیر لازم نبوت
۳۲۶	حجت		کس طرح سجوزہ منصب نبوت
	اس مضمون کی دوسرے لفظوں		سے دلیل و مدلول کا تعلق رکھتا
۳۲۹	میں توضیح	۳۲۱	ہے
	بعض فلسفیوں نے غرق عادت		کیا سجرات قوانین فطرت کی حد
	کو اصولی تجرید و مشاہدہ کے ذیل	۳۲۶	سے خارج نہیں
۳۲۸	میں نے کی کوشش کی ہے		کیا سجوزہ انقلاب بہیت پر معنی
۳۲۶	بیتہ صاحب نے ایسا کیوں کیا	۳۲۶	ہے

نمبر	نام مضمون	نمبر	نام مضمون
۱۷۹	امور کا بظاہر خرق عادات سے مشابہ	۳۵۳	علوم جدیدہ کیوں خرق عادات کا
۱۸۰	ہوتا	۳۵۴	روکوتے میں
۱۸۱	معراج نبوی	۳۵۵	کیا ان پر وہ امور کا رد ممکن ہے
۱۸۲	باب ششم	۳۵۶	مشکلات خرق عادات کے متعلق ایک
۳۸۵	ایمان یا ملانکہ و اثبات توحید میں	۳۵۷	فاضل کی راستے
۳۸۶	سائل میں اختلاف کا استدلال	۳۵۸	اہل باطن کے طریق پر ثبوت خرق
۳۸۷	اور عقیدہ میں نسبت اختلاف زیادہ ہوتا	۳۵۹	عادات
۳۸۸	ہے	۳۶۰	اہل باطن کے استدلال کی بنا کس
۳۸۹	انکار خرق کے وہ طریق ہیں	۳۶۱	امر پر موقوف ہے
۳۹۰	أصول معتقدات میں عدم تقلید	۳۶۲	خرق عادات کے طالب کس قسم
۳۹۱	معتقدات کی بابت حقیقت و حقیقت	۳۶۳	کے لوگ پہنچتے ہیں
۳۹۲	تحقیق لفظ ملانکہ	۳۶۴	منکرین خرق عادات کا آیات قرآنیہ
۳۹۳	حقیقت ملانکہ میں اختلاف	۳۶۵	سے ضعف استدلال
۳۹۴	انکار ملانکہ کا اثر	۳۶۶	خرق عادات انبیاء و اولیاء میں کیا
۳۹۵	منکرین حقیقت ملانکہ پر سوال	۳۶۷	فرق ہے
۳۹۶	ملانکہ کا جسم ہوا ثبوت و حقیقت	۳۶۸	شیخ صاحب کی ایک فاضل غلطی حضرت
۳۹۷	حقیقت روح انسانی پر غور کرنے	۳۶۹	شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے متعلق
۳۹۸	سے ملانکہ کا ثبوت	۳۷۰	شیخ اکبر محمد الدین امین عربی کے
۳۹۹	ملانکہ کی قطع پر کیا کام نہیں	۳۷۱	متعلق مبتدع صاحب کا آیتہ اذخار
۴۰۰	ایسے وسائل کا ثبوت	۳۷۲	علم سمرزم اور شیعہ و اہل ذریعہ

نمبر صفحہ	نام مضمون	نمبر صفحہ	نام مضمون
۲۶۳	المقادیر	۲۶۳	آیات قرآن مجید سے لاکھ کے قوی
۲۶۴	التقدیر الاول	۲۶۴	فطر یہ ہونے کا رد
۲۶۵	تقدیر ثانی	۲۶۵	اس مذہب پر اصول اعتراض
۲۶۶	احتمال آوم و موسیٰ علیہ السلام	۲۶۶	کتب سماویہ سے قدرت لاکھ کا ثبوت
۲۶۷	تقدیر ثالث	۲۶۷	حدیث صحیحہ سے لاکھ کا ثبوت
۲۶۸	تقدیر رابع	۲۶۸	اہل تصوف کے طریق پر لاکھ کا ثبوت
۲۶۹	تقدیر خامس	۲۶۹	مذہب متکلمین
۲۷۰	نتیجہ	۲۷۰	یہ صاحب کے بعض اقوال پر غلط فہمی
۲۷۱	مراتب القضا والقدر	۲۷۱	جناب امیر المومنین علیؑ سے نقل شدہ
۲۷۲	علم	۲۷۲	الایمان بین الجبر والقدر
۲۷۳	کتابت	۲۷۳	مبتلا جبر و اختیار
۲۷۴	مشیت	۲۷۴	مفہوم قدرۃ
۲۷۵	خلق	۲۷۵	مفہوم حکمت
۲۷۶	ایمان بالبعث بعد الموت	۲۷۶	تفاوت قدرت و حکمت
۲۷۷	مسئلہ خیر و شر	۲۷۷	ایک اعتراض کا جواب
۲۷۸	سعاد و شقاوت	۲۷۸	شک و گمان میں غلط فہمی کی اجتناب
۲۷۹	حکمت یہود حضرت ابوالخیر آدمؑ	۲۷۹	مختلف العقائد فرقی پیدا ہو گئے
۲۸۰	موت انسان کے لئے موجب کمال ہے	۲۸۰	اثبات مذہب اہل حق
۲۸۱	مراتب ہفتہ	۲۸۱	سعاد و شقاوت کا الہی مقدور
۲۸۲	سعاد	۲۸۲	ترک عمل اور ترک اعتقاد کا مستلزم نہیں
۲۸۳	سعاد	۲۸۳	النسب و الجبر

نمبر صفحہ	نام مصنف	نمبر صفحہ	نام مصنف
۵۳۵	کیا ایصالِ ثواب کے لئے تکلف ضروری ہے	۵۳۵	حقیقتِ روح
۵۳۶	ہر یہ یا ہر کے لئے کون سا عمل افضل ہے	۵۳۶	روح انسانی پر ایک قسم کی موجودات کا اور آگ کر سکتی ہے
۵۳۷	ہر یہ ثواب بخیر یا بیکار	۵۳۷	روح فانی نہیں
۵۳۸	علیہ السلام	۵۳۸	روح کی حالت بعد الموت
۵۳۹	استحبابِ دعا	۵۳۹	سوالِ قبر
۵۴۰	اسباب کی اہمیت	۵۴۰	سوالِ قبر روح اور بدن ہر دو سے بہتر
۵۴۱	دعا کی ضرورت	۵۴۱	سببِ میت
۵۴۲	شرطِ استحبابِ دعا	۵۴۲	عام مومنین اور شہداء
۵۴۳	دعا اور اسباب	۵۴۳	غذایہ قبر
۵۴۴	استحباب کی مختلف صورتیں	۵۴۴	تساخِ الارواح
۵۴۵	دعا کی فضیلت اور اس کی ترقی	۵۴۵	حیوانات کا قتل و ذبح
۵۴۶	آدابِ دعا	۵۴۶	عالمِ برزخ
۵۴۷	اسبابِ نظر حق ہے	۵۴۷	ایصالِ ثواب
۵۴۸	جنت و جہنم	۵۴۸	مسئلہ کورہِ بلا کی مزید تحقیق
۵۴۹	میزان	۵۴۹	ایصالِ ثواب کی دو صورتیں ہیں
۵۵۰	صراط	۵۵۰	ایصالِ ثواب صدقہ
۵۵۱	اسلامی توبہ و عفو	۵۵۱	ایصالِ ثواب موصوم و مرج
۵۵۲	مسئلہ شفاعت	۵۵۲	عبادت مالی و دینی
۵۵۳		۵۵۳	نافعین و وصولِ ثواب کے واسطے

نمبر صفحہ	نام مضمون	نمبر صفحہ	نام مضمون
۴۰۹	آپ کا عرصہ قیام اور وفات	۴۸۷	علامات قریب قیامت
۴۰۷	خروج ذیجرج و ما جرج		بیان اشراط الساعة
۴۰۸	۱۰۱۹ لوگ کون ہونگے	۴۸۷	حکمت
۴۰۸	اس قوم کی صورت اور سیرت	۴۸۷	امارات صغریٰ
	نزول مسیح پر بعض خبریں	۴۸۷	امارات متوسطہ
۴۱۰	امور	۴۸۷	امارات کبریٰ
			ہندی موعود کا نسب و
		۴۸۵	ولادت وغیرہ
		۴۸۶	امام ہندی کیا کچھ کریگے ؟
		۴۸۷	علامات و امارات ظہور ہندی
			شیخ اکبر صاحب فتوحات کی
		۴۸۵	تہتیک در بارہ خروج ہندی
		۴۸۲	ایک نظریہ ناسدہ کا رفع
		۴۸۲	ہندی اٹا عیسیٰ ابن مریم
		۴۸۷	وقت و قبیل
		۴۸۸	دقیال کون ہے ؟
		۴۰۲	نزول مسیح علیہ السلام
		۴۰۵	عیسیٰ کا ظہور اور سیرت
			آپ کے نزول کا وقت
		۴۰۵	اور محل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مناجات به درگاه حق جل و علا

محیط رحمتا بے کس تو ازا
 به امید کرم ما بندگانت
 قوی آرام جان بیقراران
 بهشت استوانم فار فار است
 منور کن حرم سینہ ام را
 بدر خود مرا و بستی ده
 بجز درد تو غروب است و گرزخت
 ز دل گرمی بجوشان سینہ من
 خداوند از پندار یکہ داریم
 الهی گرچه ما صذر منت کاریم
 خداوند بنده در سینہ ام نور
 تلف شد ماضی و عالم زبون است
 کرامت گر کنی توفیق طاعت
 خدا چون معصیت برافشا کرد

به هنگام مصیبت چاره سازا
 سر اقتادگی بر آستان
 تسلی دل امید واران
 شربت پند زارم را بکار است
 محبت کن ز زنگ آمینہ ام را
 و زان و بستی دل خستلی ده
 کند آمینہ دل را چو انگشت
 بخورشیدی بر آ آئینہ من
 نگون سار و پریشان را زگاریم
 کرامت را هنوز امید داریم
 بپاکی غیر کن از خاطر دفع
 نیدانم کہ مستقبل چگونه است
 درست افتد بها نقض شفاعت
 عجز را شفاعت خواه ما کرد

زیادش روحی از بند ذرولب
 بکام دشمنش بردار یا رب

فِي نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِنَفْسِي أَنْتَ لَيْسَ لَكَ الْوَفَاءُ
رَحَلْتَ وَمَا رَحِيلُكَ عَنْ تَرْضٍ
كَبَرِيٍّ خَلَبَ وَعَدًا وَوَصَلَ
يَمْسَانِ مِنْ لَقَائِكَ فَأَرْجَيْتَنَا
لَقَدْ نَادَى بِفِرْقَتِنَا غَمْرَابٌ
كَانَ الْقَلْبَ مَعِيَ يَوْمَ بَأَنْتَ
دَعَا ذَكَرَ الشَّبَابِ إِلَى التَّهَابِ
يَبَابٌ هَالٍ فَهِيَ ذُو شُجُونٍ
وَمَا فِي الدَّهْرِ أَظْلَى مِنْ كَيْبٍ
وَمَا فِي الْعَيْشِ خَيْرٌ مِنْ رَجِيهِ
سَنَلْتُ الدَّهْرَ عَمَّا أَرْجِيهِ
تَرِيدُ الْخَفْضَ فِي عَيْشِ هَبِيهِ
طَوَيْتُ الْكُشْمَ عَنْ خِلِّ مَلَامِي

إِلَى مَاذَا التَّجَافَى وَالْجَنَاءُ
وَلَكِنْ مَلْنَا مِنْكَ الشَّوَاءُ
كَمِ شَحْرِ قَلْبٍ حَسَنٍ وَمَاءُ
مَوَاعِدِكَ الَّتِي تَعِدُ الْبُشَاءُ
فَرَاغَ الْقَلْبَ بِالْبَيْنِ التَّجَاءُ
كَمِ نِشَاتٍ تُطِيرُ بِهَا الْخَلَاءُ
وَهَلْ عِنْدَ التَّهَابِ لِي لِمَسَاءُ
وَكَلَّتْ نَاقَتِي وَوَهِيَ السِّقَاءُ
أَلَا دَعْضُكَ حَمَّ لَهُ الْبُكَاءُ
وَلَا فِيهَا أَلَسَّ بَتَ لَكَ الْبَقَاءُ
فَقَالَ إِلَيْكَ مَا هَذَا الْهَرَاءُ
فَأَمَّ فِي النَّاسِ مَنْ يُعْيِيهِ دَاءُ
يُذَكِّرُنِي حِينَ يُجِزُّهُ الْفَقَاءُ

وَيَفْتِي كُلَّ حَبِّ فِيهِ غَشٌّ
فَدَعِ حَبَّ الْغَوَانِي وَهُوَ عَمٌّ
وَلَكِنْ حَبٌّ نَجِلٌ مَا شَرِيحِي
عَمَّا يَا لَا يَمُنُّ بِهَا عَلَيْنَا
أَتَيْتُ بِمَا يَحَارُ الْفِكْرُ فِيهِ
كِتَابٌ نَاطِقٌ بِأَلْوَحِي حَقًّا
بِالْفَاظِ تَكَوَّبَهَا الْمَعَانِي
كِتَابٌ لَا يَدُ اخْلَعُ أَرْتِيَابُ
كِتَابٌ قَدْ بَدَأَ تَمَسُّ وَبَدَأَ
تَأْمَلُ فِي الْغَوَامِضِ وَالْمَزَايَا
صَوْتُكَ إِلَى الْمَكَارِمِ وَالْمَعَالِي
وَقَدْ كُنْتُ أَقْدَرْتُ بِهِمْ جَمِيعًا
وَعَيْنِ مَاءٍ هَارَتِ وَطِينُ
بَلَغَتْ مَكَانَهُ مَا لَمْ تُرْمَهَا
وَمَنْ فِي النَّاسِ أَفْصَحُ مِنْكَ لَفْظًا
تَمَّامٌ تَسْتَمِيلُ بِهَا قُلُوبًا

وَيَفْتِي مَا يَخَاهَرُ الصِّفَاءُ
وَدَامَ الْغَيْ يُخْدَعُهُ الدَّوَاءُ
أَتَيْتُ لَهُ مِنَ الرَّبِّ الشَّنَاءُ
فَنَشْكُرُ مَنْ لَهُ عَنْهُ الْغِنَاءُ
لَهُ فِي الْأَبْتِلَاءِ لَهُ الْفِتْنَاءُ
يَا يَاتِ فَهِنَّ لَنَا الشِّفَاءُ
بِحَايَتِهَا فَلَيْسَ لَهَا الْقِسَاءُ
وَلَا فِي جَذْمٍ مَعْنَاهُ الرِّيَاءُ
تَجَلَّى مِنْهُ نُورٌ أَوْضِيَاءُ
يُخْدَعُهَا فَوْقَ مَا بَلَغَ الْعِلْمُ
سَبَقَتْ وَقَدْ تَذَكَّرَ الْأَنْبِيَاءُ
فَتَسْبِقُهُمْ جَمِيعًا لَا مِرَاءُ
وَعَيْنُكَ لَا تُشْرَقُّهَا الدَّلَالَةُ
مَلَا ذِكْرُ الشَّنَاءِ الْأَصْفِيَاءُ
وَأَبْلَغُ مِنْكَ مَعْنَى يَسْتَضَاءُ
قَتْلُكَ بِالْخَطَابِ فَمَا تُفَاءُ

فِيَا كَهْفَ الْوُدَى يَا مَرَّجَانَا
وَأَثْبَتْنَا الذُّنُوبَ فَلَا بِنَا لِي
قَضَيْنَا مَا تَوَيْتَنَا مِنْ مَتَانَا
أَلَوْتُ وَلَوْ عَلَى كُرْهِ قَانِي
أَلَمْ يَلِي الطَّوَارِقُ لَوْ أَلَمْتُ
وَنَائِمَةً رَجَوْتُ النَّاسَ فِيهَا
تَقَسَّدَتِ النَّفْسُ فَلَا تَبَا لِي
لَقَرَدَ كُلُّ ذِي دَائِي بَرَائِي
وَلَا يَأْتُونَ خَيْرًا مَا اسْتَطَاعُوا
أَهْلِيلَ الْعَصْرِ اتَّبِعُوا هَوَاهُمْ
فَجَلَّ الْقَوْمُ أَجْدَافَ طَعَامٍ
إِذَا مَلَكَ نَاسٌ لَمْ يَأْتُوا فُسَادًا
أَلَا مَاذَا التَّسَبَّتْ نَفْسُ دَرِي
وَأَذْهَى مَا دَهَانًا مِنْ دَوَاهٍ

لَدَى الْعَرَصَاتِ إِذْ عَظُمَ الْبَلَاءُ
فَإِنَّ اللَّهَ يَخْتَصِمُ مَا يَشَاءُ
فَجَعَلَ حُطُوطِنَا مِنْهَا شِقَاءً
أَحَاطَ بِي الظَّلَامُ فَلَا الضِّيَاءُ
بِصَهَاءٍ لَعَادَ لَهَا الْهَبَاءُ
بَلَوْتُهُمْ فُجَابَ لِي الرِّجَاءُ
كَيْتَابُ اللَّهِ تَحْلُ أَمْرَ الْكَلَامِ
وَإِنَّ الرَّأْيَ فِي الدِّينِ الْغَنَاءُ
وَلَا يَأْتُونَ شَرًّا مَا أَسَاءُوا
وَإِنَّ الدِّينَ عِنْدَهُمْ رِيَاءُ
فَخَيَّرَ النَّاسَ فِيهِمْ خَنَفَاءُ
فَعَالِمُهُمْ رَجَاهِلُهُمْ سَوَاءُ
لَسَوْفَ تَرَى إِذَا انْكَشَفَ الْغُطَاءُ
أَكْمَالَ الْمَرْءِ يَسْرُهُ الْخَفَاءُ

مَضَعْتُ الشَّيْءَ وَالْقَيْصُومَ لَكِنْ
بَعِثْنِي حَاسِدِي شِعْرِي قَلَاءُ

وَأَمَّا الْبَلَاءُ فَهُوَ الْبَلَاءُ
وَأَمَّا الْبَلَاءُ فَهُوَ الْبَلَاءُ
وَأَمَّا الْبَلَاءُ فَهُوَ الْبَلَاءُ

قصیدہ ذو طلعین

مطلع اول در وصف قرآن حکیم

طیبت مارا کہ از قرآن فخر ساختند

طاعت زیادت سنت رحمت در بر ساختند

نست دارد بقدر قرآن سنت غیر البشر
لے کتاب اللہ کے کز آفتاب بخت
سعد طبعان زمان را این کہ از راه غرور
دادے دور فلک کیس بے درد غن خور
کاروان حکمت از ملک بدم جنگیر کرد
در ضوحت گاہ وقت چوں حق کردی نزل
تا تو در میدان است لال پا افشردہ
رمز اجمال تو آمد جان پاکر ^{مطالع}
لفظ معنی ہر دو کا سا دھاقا گفت اند
معنی انسان کہ مرضے بود از علم قدیم
شان تو چون چرخ اعظم شد محیط عالم
گر ترا بے دولت نشان خستہ آگر می
تا فتنی چوں بر دو با ہم جان آب دگل

ز ان میان ہر دو بطر شیر و شکر ساختند
ظلمت آبا و جہان جان منور ساختند
محبت تنزیل افسانہ یاد رساختند
برقی خرمین سوز را و رشید نور ساختند
منزل خوش منظر جان نش مقرر ساختند
محبت باطل پستال را مقرر ساختند
عزمہ گیتی جبرائت مسخر ساختند
نقش تفصیل زمین تا چرخ فخر ساختند
مشنگال را از زلال کام و لب تر ساختند
در حجاب لفظ تنزیل مستر ساختند
ہفت منزل را بتان ہفت اختر ساختند
اہل ایمان مرتزا با جان برابر ساختند
مشرق و رشید یان را رنگ فاوہ ساختند

مرحلت کشف علمیں گذار لطف ازل
 سے پناہ بے پناہ داد کے گم گشتگان
 عقل جزئی در نہا بد کنہ اعجاز ترا
 اسے شجک با بر صوف تو تکلف بر طرف
 سے بچن لایزال برودہ دلمہ از دست
 تو عیاں تر از عیانی و نہاں تر از نہاں
 شکل از ہر شکل و آسان تر از آسان
 اسجد از قبض ازل با انبیا بختیدہ اند
 تشریف دکر چشم مار معین پا بہ نشان
 بگذر از مدد و قیامی صیحت نامو ستیان
 خرم گس طبعال کہ حقیقت شان از علم حق
 ہوائے بر تیرہ دونوں کز سیر جہل و غرور
 فلسفہ گرد ہست خواہی مل نہ باشد از انک
 تو چہ دانی حقیقت قرآن - اسے زمینی بے خبر
 پیچ دانی حقیقت قرآن - حجت دین بین
 خود پرستان محرف سچا احیاء یہود
 ایکہ آگہ نیستی از سہد ہستی ہنوز
 حق بچر بل ایمن داد - اوبہ جہد اودہا
 عقل جزئی کز نہ تا بد روزی میجا مولست
 از فکر غیبات تو حیراں ملائک بر فلک

عاصیان نہ جز ہول روز محشر ساختند
 عاقلان سوئے منز لگاہ رہبر ساختند
 عقل کل را لہ دراکش مصور ساختند
 در نظر و دیدہ و راں را مشک و ہبہ ساختند
 چو نتو طرفہ نازیں را تاجہ دلیر ساختند
 اہل دل این صفا بہت بہ داور ساختند
 در وضو و در خفا بر تر زہر تر ساختند
 بیگماں در سحر تنزیش مقدار ساختند
 گو چہ پاک ہست از شمار اراکدہ ساختند
 کہیں دخل بازاں فضل اندہ چہ ہی نہ ساختند
 فاسد ماہ مشال و حی از ہر ساختند
 کہ مک شب تاب را ہمہ طور ساختند
 اہل آتش خوشیق را بر تر از شہر ساختند
 شیراں مسلی بجان پاک مضمر ساختند
 کز برائے محو باطل شکل جنہر ساختند
 امر بالمعروف حق را نہی منکر ساختند
 بر معادوت از کجا مرید ضرور ساختند
 جبہ اسناد کز جرحش مسلمہ ساختند
 حوی از شمشیر بارانش مہر ساختند
 خود کیا نامقنتی را غیر و رفور ساختند

الحمد لله رب العالمین و صلی علی سیدنا محمد و آلیہ و سلمہ
 قرآن از نقلی عجا ئبہ ۱۰۰۰

نمود و آن خداوند و دامن آگهی
بر دنیا بد که آثار شکوت است عجب

کش ز شمع مصطفیٰ مهر نیت و نور خشن
قلب پر از آینه تا چه مظهر ساختند

مطلع دوم در نعت نبی صلی الله علیه وسلم

چون تو فتح جامه او ممبر ساختند
مفروده اتمام نعمت تا دهر با علی
سلطت او چون بیدان جهاد آورد و
احمد مرسل که خیم رحمت بر دامن بدست
آنچه از تو برگرفتند از رخ عجل تمیز
کو دین قبول بخت گرفت مراد و نیت
خانی ما بر صراط و ادبی ما بر صراط
حمد آیتی از انزل ناصر پابان اید
آن یکے بر طور آن دیگر تیغ و تو بعرش
است بر نگب محض وحدت و یاس ابلنگ
امی و قرآن تعالیٰ اند که مرغ عقل را
قرنها بر فو دامن قیل آدم رفته بود
آن یکے جلوه طراز دامن و در عتبه قریش
شخصه نیض تر است ایرتیسان گرم
نازیانت دشمن دین را بیدان و فنا

اور و طامع و منیع احسانش مخیر ساختند
امی از آل ما شمر را بعبیر ساختند
کسو کسو و پیکرش آمله آگهی ساختند
را نه هستی را نبات او معبر ساختند
بحر را با قله باران مفسر ساختند
عاطان علویش پامال هر در ساختند
گوشتا را زین چنیں را ز خنجر ساختند
چون که آمد کش از قلب تو نور ساختند
دیگرت را مانده اند پندارند همسر ساختند
جلیک تیغ را ز تو در کام اثر در ساختند
در مهر است قلم آن بے بال و بے پناختند
کز تو بید توجه است را مبدل ساختند
است که از کس تیغ تو در وجه ساختند
انزول عارف صدف کردند و گوهر ساختند
چون پر کاست بر دهن با هم صبر ساختند

له کمد یمنی گز ۱۲ از سده اشاره بکشد او دبی علی صراط مستقیم ۱۲

سده اشاره بکشد انک ملین الم سلین علی صراط مستقیم ۱۲

تج شان در دست سحرین بزدان و فلان
 انچه وقع فساد ناسزا را این جهود
 دانش قس ناپا اند و پیش حکمتهاے تو
 شور سنجے گزدار و بهره از انعام کو
 بادہ شندے کہ جو شید از خم عرفان حق
 نعت احمد و صفی قرآن هر دو معنی ہے
 روحی لب تشنه را دریا بے ابر کرم
 سوز دواز سوختن دیگر نہ بیند چاره
 پائے بوس تو طبع وار و ہر ذرہ و پس

حق پرستوں میں چسپاں دیں وہ مطلقاً حق
یہ برکات راہِ جبارِ خیر ساختند
نورِ سبحان دریں رقعہ تابند
اسود و احمر ز جودت جاغی خور ساختند
ساقیانِ فضل تو دقتِ ساغر ساختند
انہی اجمالِ یک تفصیل دیگر ساختند
اے کہ فیضِ اہلِ بیت تسنیم و کوثر ساختند
ز انکہ داغِ عشقت آتشِ دل نمد ساختند
اے کہ یارِ است سکونِ قلب مضطر ساختند

در هیات من چو تشنه ام از راه حید
چو از دم گرم گریس از من در شکبم هر ساقی

مذہب مؤلف

نردیں دارم بنجو کمال شد مرا بس + باوان دل گویم بهر کس
 کتاب و سنت و اجماع اقامت + قیاس مجتهد و رچار قمت
 فروغ شمع ال و اصحاب + کز و غیرت بر و هر جہا کتاب
 ویریں راہ گامزن شوبے خطر باش + زخوالاں در رو دیں پر صدر باش
 کے گر منکرے را کمتسب شد
 خداوندش بمحشر مقسب شد

لے رہا ہے۔ جہاں - اہل عرب و سرکاز عرب و جزوقانی کی گردنہ حضرت امیر المومنین و جنگاں
جزوقانی کو اندھا کر کے قتل کیا۔ یہاں تک کہ عرب ہندوستان تک اٹھ کر آیا۔ اشارہ حدیث
طریقۃ الیقین کان حقیقۃ القرآن - ۴۰۰

دیس

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَمَنْ اَتَّبَعَهُ مِنْ اَهْلِ الْیَقِیْنِ

مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں جو بے اقدار الیاں ایک عرصے سے نظر آ رہی ہیں ان کی نوعیت موجودہ زمانہ کے علوم و ادب کی ان غیر معمولی ترقیات کا نتیجہ ہے جو ایک سیلابِ ظلم کی صورت میں روئے زمین کے ایک کثیر حصہ پر پھیل کر مختلف اقوام کی مذہبی عقائد کی بنیاد کو ہوا کر رہی ہیں۔ انکشافاتِ جدیدہ نے جو یوں مافیہ و ربوہ بگڑتی ہیں دنیا بھر کے عقائد و دل کو درپردہ حیرت میں ڈال رکھا ہے اور آئینہ استقبال میں اپنی چشم بصیرت سے آنے والے واقعات کو ایک خطرناک صورت میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اختیار کا تو کیا ذکر ہم پہلے اپنے بھائیوں کی حالت مذہبی کا موازنہ کرتے ہیں کہ وہ صحیح معنی میں کہاں تک اسلام کے معزز لقب کے ساتھ متصف ہوئے گا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس موازنہ کی حکایت کا اہم مشق صرف اس امر پر موقوف ہے کہ کوئی صاحبِ فہم و فراست قرونِ اولیٰ و حضراتِ صحابہ و تابعین و متبع تابعین اس کے عقائد اور علمی حالت کا باطنِ عمیق مطالعہ کر کے بعد موجودہ مسلمانوں کے عقائد اور علمی حالت کا صحیح صحیح نقشہ اپنے سامنے رکھ لے۔ ان ہر دو طبقہ کے مسلمانوں کے مذہبی حالات کا مقابلہ کرنے

سے اُسے معلوم ہو جائیگا کہ ع

ہیں تعلوت رام از کجاست تا بہ کجا

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی مذہبی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے۔ سوائے ایک
 قلیل امتداد جماعت کے مختلف اطراف ممالک میں عقائد و احکام اسلام کی پابندی
 انیسویں صدی کی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔ قوم میں مختلف طبقات کے لوگ نظر آتے
 ہیں مگر یہ سب کے سب مرکز اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ پہلا طبقہ تو
 قوم کے امار و اخیال ہیں جن کی نسبت یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ ان کے خیال میں مذہب
 کی ضرورت صرف عوام الناس کے لئے ہے لہذا ماشاء اللہ اگر اس کی تصدیق کرنا
 منظور ہو تو فرضیہ نماز کی پابندی کا حال مساجد میں دیکھ لینا کافی ہے گویا قوم میں ماریت
 و ثروت کی بڑی علامت یہ ہے کہ ایسے اصحاب مساجد سے علیحدہ رہا کریں کیونکہ ان
 کی دستداری اور آرام طلبی اور شغل و نیوہ نہیں اجازت نہیں دیتے کہ وہ عامہ الناس
 کے ساتھ مسجدوں میں دوش بدوش کھڑے نظر آئیں۔ ہاں شاؤ فدا جس طبقہ کے
 بعض اصحاب ایسے بھی ہیں جو اپنے گھر پر فرضیہ نماز ادا کر لیا کرتے ہیں مگر ان میں
 اکثر اصحاب ایسے ہیں جو تہذیب و ترقی کا بہار و منصب کی ادھیڑ میں گئے
 بستے ہیں اولیں۔ دوسرا طبقہ مروجہ تعلیم کے فانیغ تحصیل نوجوانوں کا ہے جن کی
 حالت ایک کشتربے مہار کی سی ہے۔ ان میں بعض تو مذہب اصال مذہب کو
 نہایت ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور باوجود پابندی احکام سے
 سبکدوش رہنے کے اسکول و احکام مذہب پر نکتہ حسنی اور اعتراض ان کا دستور اعلیٰ
 ہے اور وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر اپنے تئیں مذہب کی ضرورت سے مستغنی خیال کرتے
 ہیں اور بعض کسی حد تک مذہب کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور گاہ و بگاہ کسی
 حکم کو غور و بجا لاتے ہوئے بھی دیکھ جاتے ہیں مگر ایک غیر منظم اور مخالف سنت طریق

پر گویا ان کے خیال میں یا نہی احکام ایک اور اختیار ہی ہے۔ ان لوگوں میں اکثر
 اصحاب ایسے ملتے جوتے تھے جنہوں نے غرضات مغرب کی طرف مائل ہو کر اسلام کو دیکھا
 یہ معلوم نہیں کہ جس سادہ ورے لاکھ اسلام کی جہاد کے لیے تھے وہ کتنے ہی تھے۔ ان کی
 دلی تعلیم کے مقابل میں مسیحیوں کی تعلیم کے خلاف تھی۔ ان کی تعلیم کے خلاف
 کرام کا ہر ملک میں بھی مختلف قسم کے اصحاب نظر آتے ہیں۔ بعض وہ لوگ ہیں جو
 اعتقاد رنگ میں قصص موضوعہ اپنے غلطوں میں بیان کر کے اپنی شکم پروری کرتے
 ہیں۔ ان میں سے بعض کے اندرونی حالات نہایت قابل شرم ہیں اور ان کا وجود
 قوم کے لئے سخت مضرب ہے۔ ہاں اس طبقہ میں بعض اصحاب اہل علم بھی ہیں مگر وہ
 راست گوئی کی توفیق نہیں رکھتے۔ مقتضائے وقت کے مطابق ماضی کے
 میلان خاطر کو ملحوظ رکھ کر آیات و احادیث سے وہی امر ثابت کر دکھاتے ہیں
 جہاں کے مستفیدین کو خوش کر کے۔ کیونکہ حق گوئی کی صورت میں انہیں ہر غرضی
 کے وجہ سے گر جانے کا خیال و انگیز ہوتا ہے اور بعض بزرگوارانِ دین و اہل علم
 ایسے بھی ہیں جو اخلاص فی الدین کی توفیق کو رکھتے ہیں مگر باوجود ایک قسم کی غلبہ
 کا علم رکھتے ہوئے خاموش بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی اصحاب کے بارہ میں کسی بزرگوار
 کا یہ قول ہے۔

فَلَمَّا نَامَا فَانْزَلْنَا مِنْهُمَا نَبِيًّا - وَهَمَّ عَلَىٰ صَافِيَةٍ ذُنُوبًا كَثِيرًا

انقرض امر بالمعروف اور نہی منکر جو انہی بزرگواران کا فرض تھا مگر وہ اس
 ہو گئے ہیں۔ چوتھا طبقہ حضرات متصفذ کرام کا ہے جن میں مالِ خل متبع کتاب
 و سنت نظر آتے ہیں اور ان کا وجود عامہ اہل اسلام کے لئے باعث صلاح و
 فلاح ہے مگر انہی حضرات کے رنگ میں اکثر ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے پیری و
 مریدی کو محض جلب منفعت اور حصول مناسبت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اس اوقات

ان میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو منوعات شرعیہ کا کھٹے بندھن انکباب کرتے اور
 وہ بھی وہاں سے منفرق نظر آتے ہیں۔ پانچویں طبقہ عوام کا اذخام کا ہے۔ ان لوگوں
 میں بعض ایسے ہیں جو تعلیمی طور پر اپنے اباؤ اجداد کی قدیم روش پر قائم ہیں مگر
 اکثر ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہیں عقائد و احکام مذہب کی ضرورت کا بھی بخوبی سے
 خیال تک بھی نہیں آیا۔ وہ بیات میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔

مسلمانوں کے مذکورہ بالا لطیفات کی نسبت جو کچھ عملاً لکھا گیا ہے وہ لیکن
 حقیقت نفس الامر ہی ہے اور کسی شخص کو اس کے تسلیم کرنے میں اقبال نہیں چھوکتا
 اس لئے ایک صحیح عقل آدمی مسلمانوں کی مذہبی حالت کا نہایت آسانی کے ساتھ
 موازنہ کر سکتا ہے مگر گنگوہیہ ہے کہ ایسے نگوار حالات میں اصلاح کی کیا صورت
 مقصود ہو سکتی ہے؟ چونکہ قوم کی مذہبی حالت کے فاسد ہو جانے پر ان کے
 اخلاقی اور تمدنی حالات میں بھی ایک نمایاں فرق عائد ہو گیا ہے۔ اس لئے
 جب تک ان کے خیالات کی تصحیح اور عقائد باطلہ کا ازالہ نہ کیا جائے ناممکن ہے
 کہ اسلامی تنظیمیں یا قومی پھر ارجح یا جراند و اخبارات ان خرابیوں کا انسداد کر سکیں
 کیونکہ ان ذرائع اور وسائل سے آج تک مفاسد شرعیہ کی اصلاح میں کوئی
 کامیابی نظر نہیں آئی اور نہ آئندہ کوئی صورت کامیابی کی نظر آتی ہے اور اصلاح
 ہو بھی تو کیونکر ہو کیونکہ قوم کے نقطہ کا استعمال بالکل غلط معنی میں کیا جاتا ہے
 قرآن مجید میں حضرت انبیاء کی زبان پر یہ لفظ جاری ہوا ہے اس لئے قوم کو
 من حیث المجموع عقائد و احکام شرعیہ کے تسلیم کرنے پر خطاب کیا گیا مگر مذکورہ
 بالا اصلاحی تجاویز میں عقائد و احکام شرعی کا کوئی جزو بھی شامل نہیں اور بالکل
 ان تجاویز کو پیش کرنے کے متعلق ہیں ان میں اکثر اصحاب ایسے نظر آتے ہیں
 جو خود عقائد و احکام کی پابندی میں عوام الناس سے بھی زیادہ گریے ہو گئے ہیں

چونکہ احکام کی پابندی فقائد صحیحہ کا نتیجہ ہے اس لئے سب سے اہم و مقدم تصحیح
 فقائد کا مسئلہ ہے سو جب تک مسلمانوں کو فقائد صحیحہ سے آگاہ ہونے کا موقع نہیں
 مل سکتا پابندی احکام کی قطعاً کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ امر اچانکہ اس ضرورت
 کے سمجھنے میں نسبتاً زیادہ قاصر اور غافل ہیں اس لئے اس طبقہ کے اصحاب نہ
 صرف اپنی ذاتی کوتاہی کے خد کے حضور میں جوابدہ ہیں بلکہ عوام الناس کی کوتاہی
 کی جوابدہی کا الزام بھی اکثر حالات میں انہی کی طرف عائد ہوتا ہے۔ قرآن مجید
 نے اکابر مجرمین کے الفاظ سے میرے اس خیال کی طرف اشارہ کیا ہے۔
 مگر مشعل یہ ہے کہ ان لوگوں کو ان کی دنیوی وجاہت ایک آن کے لئے بھی یہ
 اجازت نہیں دیتی کہ وہ کبر و نخوت کے دام سے رہائی پا کر ملتے راسخین سے
 مسائل شرعیہ کا استفادہ کر سکیں اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ اس طبقہ کے اصحاب کا
 وجود تو مومن حریف القوم کے لئے کچھ بھی مفید نہیں۔ رہا حضرات علماء کا معاملہ۔
 سوائے ان میں اکثر اصحاب ایسے نظر آتے ہیں جو فروعی مسائل میں تفصیح اوقات کر کے
 تفریق بین المسئیین کے سوا اور کچھ کام نہیں کرتے اور وہ اسی کو اپنے خیال میں
 تبلیغ شریعت سمجھے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں سے اصلاح ملت کی توقع رکھنا
 ایک بے معنی خیال ہے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ عباسی علماء میں لکچر اور واعظین ملت صالحین
 کے علمی اور مذہبی کارناموں پر مؤرخانہ حیثیت سے بحث کیا کرتے ہیں۔ اور
 صالحین کو ان کی سی روش پر چلنے کے لئے منوجہ کرنے میں کوئی دقیقہ اشا
 نہیں رکھتے مگر حق یہ ہے کہ یہ کوشش صرف گفت و شنید کے دائرہ سے
 باہر نہیں جاسکتی یعنی عملی طور پر اس کا کوئی مستند یا مستترتب نہیں ہوتا کیونکہ ملت
 کے کارناموں کو تاریخی حیثیت میں جان لینے سے شکل زیر بحث کا حل بہت دور

ہے بکفر کرنے سے معلوم ہو گا کہ جب قوم پر ایہ عمل سے غاری ہو چکی ہے تو اس طریق سے غیروں کے سامنے جھکنا ہی کرنا ہے۔ ع۔

عالم ہمدان آباد وادو وایہج

علمی حالت اعتقادی حالت کے تابع ہے مگر جب ہم اعتقادی حالت کی توجہ لگاتے ہیں تو ناخواندہ افراد کو چھوڑ کر ناخواندہ اصحاب یا اشتنائے افراد مضبوط سمت گرمی ہوئی حالت میں نظر آتے ہیں۔ وجود ذات باری اور اس کے صفات کاملہ اور اس حقیقت تو حید سے جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے محض ناآشنا پائے جاتے ہیں حالانکہ یہی ایک مستند مذہب کا اصل اصول ہے حقیقتِ نبوت کو فطری سلامتِ روی کے مفہوم سے زیادہ کچھ وقعت نہیں دی جاتی اور نبی اللہ کو ایک رہنما سے جو بمقتضائے ضرورتِ زمانہ قوم کی مناسب اصلاح کا مشغل ہو کچھ زیادہ امتیاز نہیں دیا گیا۔ وحی کو قوتِ عقیدہ کے اس مثل سے تعبیر کیا جاتا ہے جو تشبیہ و مستعارہ کے رنگ میں بصورتِ الفاظ عامہٴ الناس کے سامنے لایا جاتا ہے۔ ترقیِ عادت (معجزہ یا کرامت) اس کا مفہوم محض ایک خوش اعتقادی تک محدود رکھا جاتا ہے حالانکہ تو اسے فطریہ کا نام ہے۔ ثواب و عقاب اور عالمِ اخروی کے دیگر حقائق محض عامہٴ خلائق کو تحدیر کے لئے سنائے جاتے ہیں۔ بشریاتی کا مسئلہ علوم و فنون جدیدہ نے باطل ثابت کر دیا ہے۔ احکامِ شریعت کی پابندی عوامِ الناس کے لئے محض ایک مصلحتِ وقتی پر مہمول کی جاتی ہے اور اس کی ضرورت کو پیش کرنے والے پر تنگ خیالی کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت نے جو معیارِ اخلاق قائم کیا ہے مروجہ تمدن اور معاشرت کی بنا پر اب اسے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاَنَا الْیَہِ سَاجِدُونَ۔ تعلیم یافتہ طبقہ کی یہ اعتقادی حالت

ایک امر واقع ہے جس کو میں اپنے سالہا سال کے ذاتی تجربے سے قلمبند کر رہا ہوں۔ ایسے حالات میں کوئی توقع نہیں ہو سکتی کہ کوئی ایسی مقدس سچی جو منجانب اللہ مؤید ہو کر غالباً بوجہ اللہ احیائے سنت کا فرض اہم سمجھا لائے اور جس کی آواز پر قوم بولتیک کہے پر تیار ہو اس طرح ملت کی تکفل ہو سکے۔

خزاں رسید و گلستاں با آں چل نمائد - سدائے میل بیدل برفت و حال نمائد
 تشنہ لالہ این بارغ از کرمے برسی - برو کرد آنچه تو دیدی بجز خیال نمائد
 میں خیال کرتا ہوں کہ میں جو کچھ کہ رہا ہوں یہ بھی محض ایک قسم کی میری ہوسناکی ہے یا یوں کہو کہ میری غیرت ایمانی کا نتیجہ ہے ورنہ مجھے ہرگز یہ امید نہیں رکھنا چاہئے کہ میری اس کتاب "مافی الاملاہ" کی اشاعت سے قوم کی بے گلام ہمتیاں راہ راستہ پر گامیگی کیونکہ ابتدائے غلویت سے سن رشد و تمیز تک جن دلوں میں اعلیٰ و مذکورہ کی لکھت و دانیال اپنا کام کر چکی ہیں۔ انہیں تو کیا دنیا میں کوئی ثبوت سے بڑا علم و فضل کا مسلم الاستعداد و فضل بھی راستی کے مرکز پر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر انہیں یہ علم ضرور ہو جائیگا کہ مقدس اسلام نے دنیا کے سامنے کیا عقائد پیش کئے اور کس راستہ کی طرف توجہ دلائی اور ہم کیا سمجھے بیٹھے ہیں اور کس طرف جا رہے ہیں۔ جن عنوانات پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے وہ موجودہ حالات میں سیرت نزدیک نہایت اہم سمجھے گئے ہیں ورنہ بعض دیگر مسائل ضروری بھی اس کتاب کے مقاصد میں داخل تھے جو اس کتاب کے معمول سے زیادہ طویل ہو جانے کی وجہ سے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ میں نے اثنائے عبادات میں کہیں کہیں ایسے الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے جو ممکن ہے کہ بعض لطائف پر شق گذریں مگر میرا ہمیشہ یہ شہو رہا ہے کہ میں نے سچی اور وسیع حق گوئی اور غیرت ایمانی

کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھو۔ اس مع نذا ایسے الفاظ کے مخاطب اور مہر و ہی
لوگ ہیں جو بسا اوقات اپنی بدعتیں کی وجہ سے مذہب اور اہل مذہب کو
ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کے علاوہ ہتک آمیز کلمات بھی اپنے
منہ سے نکال پھیلا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں بعض دیگر اہل علم کے قلم سے
نکلے ہوئے بھی عبارات ایک اقل مقدار میں موجود ہیں۔ مگر تحریر کے ناظرین کو
خود ان کا پتہ چل جائیگا۔ بالآخر میں اپنے بادران اسلام سے قوی اُمید رکھتا ہوں
کہ وہ اس کتاب کے مطالعہ میں اس امر کو مد نظر رکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا
وہ صرف فرقہ و تباہی اہل سنت والجماعت کے قیادین پر ہے۔ اگر دیگر فرقہ اسلامی کے
اصحاب اپنے عقائد کے برخلاف کوئی امر یا میں تو خاکسار کو عرضہ ضمن قلم نہ ہیں
دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں جو تمام افراد انسانی کے خیالات کے ساتھ اپنے
خیالات کو مطابقت دے سکے۔ و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت
والہداینب

تایخ طباعت کتاب "مافی الاسلام" از نفاک سوائف (کان اللہ لہ)

بمدا اللہ کہ اس فرخندہ مجموعہ - بہ آئین زرین گردید مطبوع

خرور مسکب حق باز جوید - چو دریا بد رو باطل نہ پوید

کسے گرد از سر حق بر نہ خیزد - زہر باطل کہ پیش آید گر یزد

بنیوں گر ہوس طری تقرب - بینشال دامن از گرد تصب

گہر بائے کہ سقم یا مشقت - ز قعر بحر قرآن است و سقت

بسال طبع اس دلکش طرازے - شنیدم مسجد م از پاکبانے

کہ میوں مصرعہ مخاطر آمد - بہار بوستان شریع احمد



اخلاص نیت

انما الاكفال بالنیات وكل امرئ مالوفی... الخ

عزیز کی حدیث صحیح کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کی صحت اخلاص نیت پر موقوف ہے۔ اور ہر نیک آدمی اپنے
 عمل سے اپنی خیر خواہی کا مستحق ہوتا ہے جس کی اس نے نیت کی۔ یہ حضور علیہ السلام کا مذکورہ بالا جہادی کلام ہے جس کے مطابق
 وصافیت پر مشتمل ہے۔ یوں کہ جو ملک تمام اہل جہاد پر انصاف سے سنبھل جاتا ہے اس عام حکم کے ذیل میں
 داخل ہے کیونکہ یہ ضرورت کے خلاف جی طور پر کسی امر کا انکار نہیں کرتے جب تک ہمارا اللہ اور قصد اپنے نفس نہیں
 ہیں کہ ضرورت میں کیا دودھ اور قصد کے حصول میں مختلف احوال کا ذکر کیا جائے جو ان ہر دو میں تعاون تھا کہ
 اس کے لئے وہ کلام شریف کے بیان میں صحت غلطی کے اعتبار کیا گیا ہے۔ اسی لئے غمناک نے بھی نہیں ہولناک
 غلطی ادا وہ کام نہ ادا کرتے کہ یہ ہے۔ اور یہ کافی ہے۔ ہاں اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ اگر شرائط حدیث
 نے غلط بالنیات کے صحت یا سبب کا مفہوم اختیار کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ صحت اول
 میں نیت عمل کا جزو بھی جائز اور دوسری صورت میں نیت عمل سے خارج ہوگی کیونکہ نیت سبب ہے تو عمل
 اس کا مستند ہے گا اور صحت سبب ایک نہیں ہو سکتے۔ چونکہ چاہئے تو عمل میں نیت متبرکہ اس لئے جہاد عرض ہے
 کہ ہم خاص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کریں۔ وہ نہ بدعمل اس کے غلط اعمال خدا کے ہاں بہرگز موجب ثواب
 نہیں ہو سکتے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ خاص نیت نہایت مشکل کام ہے اور نفس کو چاہو کہ بغیر ہرگز ممکن نہیں
 ہوتا۔ نفس ایک ایسا نافرمان ہے کہ کوئی بھی اس کے قابو سے باہر نہیں جاسکتا۔ الاما شاہ اللہ

فزون میری کے برابر کی بنا انھیں نیت چنی ہے اور بعد ازاں تمام اعمال کا اس سے جائز ہے اور خدا
 کے ہاں کوئی تخریر مرتب نہیں ہو سکتی بلکہ ایسے اعمال کو تخریر و جواز میں سے تشبیہ دینا چاہیے کیونکہ کثرت
 میں ہی اعمال موجب اندوہ و حسرت ثابت ہوتے۔ اور یہی اعمال طلب کی مختلف صورتوں میں عمل کے
 سامنے پیش کیے فزون میری نے ایسے اعمال کو ایک نہایت عمدہ اور میں میں بیان کیا ہے۔

اور اس حد کہ ان تکون للجنة من تحیل و اعصاب تجری من تحتها کافضار له

فیما من کل الخیرات و اسالیہ اللہ و لہ ذمیرہ متعارفہ و اسالیہ اللہ فیہ تالیف حقیقت ام

ایمانداری کو اس آیت کے الفاظ میں خوب طور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں نہایت واضح طور پر یہ ظاہر
 کیا گیا ہے کہ جو صدقات انھیں نیت کے ساتھ ادا نہیں کئے جاتے وہ بالکل بے سود اور رائیگاں جاتے
 ہیں بلکہ ان سے سوائے اندوہ و حسرت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک ہرے بھرے میرے ہار
 باغ کا کئی شخص کے بڑھاپے کی حالت میں جبکہ وہ گمانے سے رہ چکا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے
 بچے بھی ہوں جن کی تربیت کا وہ مشغول ہو یا ایک تباہ و برباد ہو جانا میں صدمہ کا باعث ہوتا ہے اس کا
 اندازہ صرف ہی شخص کر سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو تمام عمر بظاہر اعمال صالحہ بدوں انھیں نیت کرنا
 رہا ہو ان اعمال کے نتیجہ مقصود سے بروقت محروم یعنی آخرت میں بالکل محروم رکھا جائیگا اور
 حقیقت یونہی ہونا چاہیے کیونکہ کسی نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص کام کو زیادہ کرنا ہے اور آخرت محروم
 سے طلب کرنے لگے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذات والاقرنی تعلیم کا
 اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھی جس کی نظیر انسانی دنیا میں ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث مشہورہ
 کان خلقہ القرآن کے متعلق بعض اکابر دین نے یہ فرمایا ہے کہ اگر بالفرض قرآن مجید خداوند کریم
 کی طرف سے دنیا میں نازل نہ ہوتا تب بھی حضور علیہ السلام کی ذات کامل الصفات اعلیٰ حق میں
 ویسا ہی نمونہ ہوتی جیسا نازل ہونے کی صورت میں کامل نمونہ تھی۔ یہ فقہ کا کوئی رسول اللہ ﷺ

ملکہ یہ تفسیر سے کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ انھیں ایک ایسا باغ عظیم ہی قرار دے گا کہ وہ ان کے ہاں اور اس میں شروع ہونے والی
 اور اس میں ہر ایک کو کہ وہ وہاں موجود ہیں اور وہ شخص جو اس کو بولے اور اس کے لئے ہے جو نے اپنے ہاں تفسیر کوئی آدمی
 کے ہاں ہی ہوا وہ باغ بزرگ کہ بولے۔ ہر مذہب کے عقائد میں ان کے لئے وہ مذہب کے عقائد کا ایک ایک کوئی آدمی

۱۔ کہ اللہ و ملائکہ فی ذلک حصول ایسا جہاں کہ وہاں امن و رب العالمین و لکن لا شریک لہ فی الطلب
 فلا مطلب بعد سواہ۔ اور آیہ و ما امر و الا لیجسدوا اللہ فقل ینزلہ الدین میں جو ما
 حرف فی اواخرت امتشاہ شغل ہے غور کرو کہ کس نور کے ساتھ عبادت کو اخلاص نیت پر ضرر رکھا
 گیا ہے جس کا مریخ منہ نہیں ہے کہ جس عبادت میں اخلاص نیت نہیں وہ عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں
 جیسا کہ اس عبادت سے نکلے والا سوال کا قفسی جواب مل گیا ہوگا اس لئے میں کوشش کرنا چاہیے
 کہ ہم اخلاص نیت پیدا کریں و نہ بدل اس کے بلکہ سب اخلاص نیت میں موجب خیال ہو گئے خدا جل جلالہ
 مسئلہ کو توفیق دے۔ آمین۔ اس آیت کے الفاظ انا اول المسلمین میں بھی کافی غور کرنا چاہیے کیونکہ ملکات
 میں حضور علیہ السلام کی پیروی کیے کا علم منسوخ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اول ہی اول جس کسی
 روش پر چلتا ہے وہ بد میں اس روش پر چلنے والوں کے لئے تزیینت ہے جو ہر ایک طرح کا مل ہوتا چاہیے



علیہ میں جو کہ اپنی زندگی کیلئے کرتا ہوں وہ مقصود اللہ نہیں بلکہ وہ امور کو کہ عبادت نامی ہے جسے محمد و سادات
 میں۔ اسی طرح میں جو کچھ اپنی عزت کیلئے کرتا ہوں وہ عزت کی طلب اور دولت سے ہے کیلئے نہیں بلکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی
 رضا و تقاضا کیلئے ہے کہ میں اللہ کی رضا و تقاضا کیلئے ہوں کہ میں اللہ کی رضا و تقاضا کیلئے ہوں کہ میں اللہ کی رضا و تقاضا کیلئے ہوں
 انہی میں سے جو کہ اپنی زندگی کیلئے کرتا ہوں وہ مقصود اللہ نہیں بلکہ وہ امور کو کہ عبادت نامی ہے جسے محمد و سادات

باب اول

مادہ کی حقیقت نامعلوم ہے

مسمومات خارجیہ مادیاتیہ کے مجموعہ کا نام ہے اور مادیاتیہ میں کسی نہ کسی جسم کی صورت میں مسموم ہوتی ہیں مادہ جسمانی ہے تو چند عوارض مثلاً رنگ شکل مقدار وغیرہ کی مجموعی حیثیت کا نام ہے۔ اس امر میں حکماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ عوارض ایجابی صورت میں جسم کی حقیقت کو پورا کر دیتے ہیں یا انکے معکوس ہیں کوئی اور چیز بھی ایسی ہے جو کہ یہ عوارض جمعی صورت میں ملتی ہیں اور جس کا نام مادہ ہے۔

حکماء کے ایک فرق کا خیال ہے کہ عوارض کے مجموعہ کے ساتھ جسم میں کوئی اور حقیقت نہیں پائی جاتی اس لئے مادہ ان عوارض سے علیحدہ کوئی اور چیز نہیں۔ مگر حکماء کا ایک دوسرا فرق یہ کہتا ہے کہ عوارض مذکورہ بالا کے سوا ہمیں ایک اور حقیقت بھی شامل ہے جو بذات خود تمام عوارض سے خالی ہے اور اس میں ذرات تسلل پائے جاتے ہیں نہ انتقال اور اسی کا نام مادہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جسم کو عوارض سے خالی ہم محسوس نہیں کر سکتے اس لئے اثبات مادہ کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔

وجود مادہ کے انکار کی صورت میں جسم صرف عوارض کے مجموعہ کا نام ہے اور وجود مادہ کے تسلیم کر لینے پر ہم مادہ اور عوارض سے ایک مرکب حقیقت کا نام ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر وہ صورت میں ہیں جس کی حقیقت کے ادراک کرنے میں سخت وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے ہم بالیقین دہویہ مان سکتے ہیں کہ عوارض کے علاوہ جسم میں کوئی اور شے مثلاً مادہ نہیں پائی جاتی اور نہ یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ عوارض سے علاوہ کوئی ثانیہ چیز جسم میں شامل ہے جس کو یہ عوارض لائق سمجھتے ہیں حکماء کے ہر دو فرق اپنے اپنے مذہب کے اثبات میں دلائل قطعی پیش کرتے ہیں مگر حق یہ

ہے کہ دلائل قطعیہ کے پیش کرنے سے ہر دو فریق عاجز ہیں۔ اس لئے ہم ہر دو فریق کے دلائل سے قطع نظر کرتے ہیں۔ ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم کائنات میں مختلف قسم کے اجسام کا احوال کہتے ہیں مگر ہم ان کی ماہیت اصلی کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہماری تحقیق کی غایت یہ ہے کہ ہم کسی جسم کو کیسا ہی مسئلہ یا خزانہ میں حاصل کر سکتے ہیں مگر یہ ان اجزاء میں وہی گنگناہاری ہوگی جو پہلے مرکب کی حالت میں۔ بقدر کسی مقام پر پہنچ کر ہم اپنی بے بسی کا اقرار کرنا پڑے گا اور بے ساختہ یہ ماننا پڑے گا کہ ”سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیہم العلیہم“

مادہ کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتا

اگر ہم بعض کی حیثیت کو تسلیم کر لیں تو ہمیں اس امر کا تسلیم کرنا ضروری ہو جائیگا کہ مادہ بذات خود کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتا کیونکہ علت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں مستقل طریق پر ثابت و قائم ہو چونکہ عوارض کے بغیر اس کے وجود پر تحقیق ہونا مستحسن نہیں اس لئے وہ اپنی ذات میں مستقل وجود نہیں رکھتا اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی معلول کی علت نہیں ہو سکتا اور وہ بدیع و عوارض کے عین میں اور آثار کی قابلیت رکھتا ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ ہم اس کو تسلیم کر لیں کہ مادہ میں قوت فعل نہیں پائی جاتی ۛ

تمام اشیاء مادیت الازل ہیں

ہم مختلف قسم کے اجسام کا احوال کہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مختلف قسم کے آثار و خواص کا مصدر ہیں مگر بائیں ہمہ استقامت و وجود الازل ہیں کیونکہ خواص اور آثار ان کی ذات میں داخل نہیں بلکہ مختلف عوارض ہر وقت کے لاحق ہونے سے اجسام مختلف آثار و خواص کا مصدر قرار پاتے ہیں مگر ان بیرونی عوارض سے قطع نظر کر لیں تو ان سب کی اصلیت ایک ہی تسلیم کرنی پڑیگی۔ خاصہ ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں اسی تبدیل ہر بیرونی عارض کی وجہ سے وقوع میں آتی ہے۔ بیرونی عوارض اپنی کیفیت اور کیفیت میں مختلف ہوتے ہیں اس لئے اجسام کے آثار و خواص

بھی مختلف ہی ہونگے مثلاً معدنیات کو لو اور غور کرو کہ مختلف قسم کے بیڑنی عوامی ارضی اوصاف ہی کے
 اختلاف کی وجہ سے کس طرح ایک ہی مادہ مختلف قسم کی موٹیریں جتنا چاندی ستانیا چٹیل۔ لوہا وغیرہ اختیار
 کر لیتا ہے یہی حال نباتات کا ہے ایک ہی فصل یا بیج سے ایک تناور اور خشک مختلف اجزائیں پہلنا
 پہلنا ہے اس کے پتے میں وہ ذوق نہیں جو اس کے پھل میں پایا جاتا ہے اور اس کے پتوں
 میں وہ خاصیت نہیں جو اس کی جڑوں میں پائی جاتی ہے حالانکہ ان کا منبع وہی ایک گھٹی یا بیج ہے
 وحی کا لفظی تعلق متجسسات من اعصاب و ذروع و جنین متوازن و غیر متوازن یعنی بسا۔ و لعلہ
 و بفضل بسمتہ اعلیٰ بعض فی اکمال۔ ان فی ذلالت کائنات القوم یعقلون *

سلسلہ نظام عالم ایک قانون کلی کے زیر اثر چل رہا ہے

سرری طور پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ نظام عالم میں مختلف اشیاء مختلف قسم کے
 قوانین کے زیر اثر قائم ہیں گویا ہر شے کو ایک خاص قانون ہوتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ہی قانون کلی
 بلا استثنا تمام اشیاء عالم پر متصرف ہے۔ یہی ایک قانون مختلف طوروں میں مختلف آثار اور نتائج کا
 موجب بنتا ہے جیسے ایک ہی تین سے جو ہر برقی سے کام کر رہی ہو مختلف قسم کے عمل ابور میں آتے
 ہیں ایسی طرح عالم کائنات پر خواہ اشیاء ارضی ہوں یا سماوی خواہ چاروں سول خواہ نباتی یا حیوانی
 سب کی سب ایسی ایک قانون کلی کے ماتحت مختلف قسم کے آثار کا حامل ہیں۔ اس قانون کلی کو ہم
 قانون فطرت کہے گا ہم سے تعبیر کرتے ہیں اسی قانون فطرت کو تبدیل ہے مگر ان کا نتیجہ تبدیل ہوتا اس
 امر کا مستلزم نہیں کہ کوئی ایسی صورت عمل وقوع میں نہ آئے جس کے اسباب کا ہمیں
 علم نہیں اور ہم ظاہری سے اسے قانون فطرت کے برعکاس سمجھ لیں۔ اس کی تفصیل ہم
 آگے چل کر قوانین فطرت کے زیر عنوان بیان کرینگے۔ اس لیے کہ لایزال علیہ الخلق اللہ
 ہر حالت میں صبح اور صبح ہے *

اشیاء کائنات سب کی سب حالت ہیں

ہر ایک ایسی شے حادث کہلاتی ہے جو اپنے موجود ہونے سے پہلے معدوم تھی چوتھ حادث اپنے وجود کے لئے کچھ علت نہیں ہو سکتا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے وجود کی علت کوئی ایسا امر ہو جو اس کے موجود ہونے سے مقدم اور اس کی ذات سے خارج ہو۔ اسباب مناسبہ کی موجودگی پر علت کسی شے کے وجود کا فاعل کرتی ہے۔ اکثر لوگ سبب اور علت میں امتیاز نہیں کیا کرتے۔ اور انہیں اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ علت کسی شے کو معدوم سے وجود میں لانے کا کام کرتی ہے اور اسباب عمل علت کہہ سکتے ہیں لہذا علت اس کی اپنی جیب تک اسباب مناسبہ موجود ہوں علت اپنا عمل نہیں کرتی۔ اسی علم اعتقاد کی وجہ سے بعض لوگ اسباب کو علت کی حیثیت سے ملاحظہ کر کے کسی قسم کی تعلیوں میں پڑ جایا کرتے ہیں اور ان اسباب کو ایک کا فاعل قطعی قرار دے لیتے ہیں حالانکہ یہ ممکن ہے کہ کسی شے کے علم سے وہ وہیں آئیے اسباب مختلف ہوں اور ضروری نہیں کہ علت کسی خاص سلسلہ اسباب میں اپنے عمل کی پابند ہو اس لئے علت کے عمل کو ہم بھی کسی خاص سلسلہ اسباب میں محدود نہیں کر سکتے مثلاً حرارت کے پیدا کرنے کے لئے مختلف اسباب ہیں۔ ان اسباب کے مینا ہونے پر اگر علت اپنا عمل کرے تو خیر معتینہ نہیں پڑے گا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ اسباب کے مینا ہونا پڑے یا کسی خیر معتینہ نہ ہو یہ دیکھئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر کوئی سبب خفیہ خیر کے ظہور پذیر ہونے سے منع ہوتا ہے جس کا ایسا اوقات میں علم نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علت خیر معتینہ کے ظہور میں لانے سے عاجز ہے بلکہ یہ امر قانونِ فطرت کی حدود کی تحدیدِ انتہا پر مبنی ہے۔ بلکہ ہم غیر متبدل کہ چکے ہیں اسی علتِ فہمی کے منع کرنے کے لئے مستثنیٰ کو یہ جملہ مشہور ہے :-

”لولا الاسباب لما استتاب مرتاب“ یعنی اگر لوگ سلسلہ اسباب میں نتائج دیکھنے کے عادی نہ ہوتے تو کسی شخص کو بھی (مستثنیٰ) الہیہ کے وجود میں شک نہ ہوتا۔

ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ عالم کائنات یعنی ہر ایک شے حادث ہے کیونکہ وہ اپنے

موجود ہونے سے پہلے صدقہ تھی اسلئے ہم ہر ایک شے کو مخلوق تسلیم کرتے ہیں خواہ اس کی مدت دو جہیز ہو
 امریکہ کے سالوں کے لئے ہزاروں کی حد تک ہیں اور اسلئے وہ مخلوق ہیں کیونکہ ہر ایک شے کا زمانہ تیز و آفتاب کے
 نزدیک تر ہونے سے خارج نہیں ہوتی۔ قدیم نہیں ہو سکتا یا اور کیونکہ ہر ایک مخلوق شے کے بننے کوئی
 نہ کوئی ابتداء سے زمانی ہے کیونکہ قدیم شے تیز و انقلاب قبول نہیں کر سکتی اور یہی مطلب ہے کہ تخلیق اسسٹون
 خلافت کا۔

ہر ایک حادثہ قانی ہے

کسی شے کا حادثہ ہونا اس امر پر دل ہے کہ اس کے وجود کے لئے دوام دیتا تھا اس بلکہ قنا
 کی طقت اس ہے۔ قنا سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر ایک شے کی ہیئت ترکیبہ قابلِ فنا ہے اور جب
 یہ امر عالم کائنات کی ہر ایک شے کے لئے علیحدہ علیحدہ طور پر ثابت ہے تو کل عالم کائنات کا فانی
 ہونا ایک یہی امر ہے اور آئیے ہم اس شے حاکم الاوجہ کا اسی امر کی طرف اشارہ ہے +

سلسلہ کائنات لائقِ فنا ہی نہیں ہو سکتا

جو لوگ عالم کو قدیم مانتے ہیں وہ سلسلہ کائنات کو فنا ہی کہتے ہیں یعنی ان کا خیال یہ ہے کہ سلسلہ
 کائنات کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ یا یوں کہو کہ عالم کو ابدی اصالہی مانتے ہیں مگر خیال
 سراسر باطل ہے کیونکہ سلسلہ کائنات کا فانی سبب و مسبب سے ثابت ہے ہم کسی مادہ یا واقعہ
 کا بلا سبب ظہور نہیں آتا تسلیم نہیں کر سکتے اور نہ فطرتِ انسانی اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ سلسلہ
 اسباب و فروع کی طرف آنا قدر پر لا جائے کہ کسی کی ایسے سبب پر اس کا تازہ نہ ہو جو تمام اسباب کا
 سبب و فروع کے سلسلہ کو تیار کر رہا ہو۔ فطرت خود بخود شہادت دیتی کہ سلسلہ کائنات کو فنا ہی
 تسلیم کرنا ایک عجیب و گہرے کھدکا ہے جس کا کوئی منہم حاصل نہیں ہو سکتا۔ کوئی ایسا امر جس کے
 قبل کرنے سے فطرتِ انسانی عاجز ہو کر نہ قابلِ قبول نہیں اس لئے سلسلہ کائنات کا لائقِ فنا ہی ہونا خواہ
 ازلا ہو خواہ ابتدا ایک ایسا معتد بہ جس کا کل فطرتِ انسانی کے دائرہ عمل سے خارج ہے مع ہذا سلسلہ

کائنات کے انتہائی ماننے والوں کے پاس کوئی قطعی دلیل ہی موجود نہیں جو ثابت دعویٰ ہو چیک
یہ امر قابلِ بحث ہے کہ سبب اولین جس کو ہم اصطلاحاً علتِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں سلسلہ کائنات سے
ایک علیحدہ مابیت کائنات ہے جس کی بحث ہم آئندہ صفحات میں کر گئے آیت "وما یصلکنا الا اللہ" میں
اسی زعمِ باطل کا رد ہے +

تمام اشیاء عدم سے وجود پذیر ہوتی ہیں

بعض کوتاہ فہم لوگوں کا خیال ہے کہ ہر ایک چیز کسی دوسری موجود چیز سے وجود پذیر ہوتی ہے۔
جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز مست نہیں ہو سکتی۔ اس امر میں وہ صرف اپنے خیال کو جو کج
السنہ تھا کہہ کر وہ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے اور ایک گھوڑا دوسرے گھوڑے
سے وجود پذیر ہوتا ہے مگر یہ خیال اصلاً حکت کے متافی ہے اور بیش حکماء اور متعین اہل یمنوس و
اسکندریہ ثابت کیا ہے کہ کسی شے کا عدم محض سے وجود پذیر ہونا ایک امر واقع ہے جس دعویٰ
کے ثبات میں ہم حسبِ قیاسِ تقریر کر سکتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اشیاء محسوسہ کی صورتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے مگر محل (ادو شے
جس پر صورت طاری ہوتی ہے) بذاتہ غیر متبدل ہے۔ اشیائے مادیہ کی شکلیں اور صورتیں سب کی
سب کسی نہ کسی صیغہ میں پائی جاتی ہیں جو ان کے لئے محل ہے اور جو اصل جبل کے وقت تین محل سے
خالی نہیں کہہ کر یا تو صورت کے اصل تبدل کے وقت پہلی صورت کے باقی رہنے کے ساتھ دوسری
صورت بھی باقی رہتی ہے۔ یا وہ صورت کسی دوسرے محل کی طرف منتقل ہو گی یعنی وہ محل نہیں رہتا۔
یا پہلی صورت باطل یا اصل ہو کر اس پر دوسری صورت عام ہوتی ہے +

پہلی صورت تو باطل یا اصل ہے کیونکہ متضاد صورتیں اور مختلف شکلیں ایک ہی آن میں ایک
محل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور دوسری صورت بھی نامکن ہے کیونکہ نقل مکانی محل کے لئے تو ممکن ہے
مگر صورت کا منتقل ہونا بغیر محل کے ایک محال امر ہے اور یہ امر باطل واضح ہے۔ اب صرف

تیسری صورت بتاتی ہے اور یہ ہے کہ پہلی صورت اصل ہونے سے اپنے اصل سے باہر دوسری ایجاد ہو جاتی ہے اور اس صورت میں کیا باہر نکلتا ہے پہلی صورت خود سے عدم میں مل گئی ہو کہ پہلی کی نسبت میں ہم نکلتے ہیں کہ وہ وجود سے عدم میں مل گئی ہو تو دوسری کی نسبت میں ہم نکلتے ہیں کہ وہ عدم سے وجود میں آگئی ہو یعنی پہلی صورت تیسری صورت ہو گئی اور اگر ہم یہ نہ مانیں تو یہیں پہلی صورتوں میں سے ایک کا قائل ہونا پڑ گیا مگر وہ دونوں باطل ثابت ہو چکی ہیں اس لئے تیسری صورت بجا ہے خود صحیح ہے کہ صورت اور دیگر کیفیات کے بعد دیگرے عدم سے وجود میں آتی رہتی ہیں بلکہ ابداع کے بھی معنی یہی کہ چونکہ اگر خالق حیاتی کسی وجود پر کو کسی دوسری موجود چیز سے پیدا کرتا تو اس طرح پیدا کرنے کو ابداع نہیں کہیں بلکہ ایجاد کا لفظ بولا جاتا تھا۔ ابداع اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جبکہ کوئی شے عدم سے وجود میں آئی جائے اور نہ کرنے سے یہ امر باطل واضح ہو سکتا ہے کہ چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حیوان مادہ مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور مادہ مٹی سے تیسری صورت حیوانی اختیار کرتا ہے اور اپنی پہلی صورت سے کسی دوسری صورت کو قبول کرتا ہے اور مادہ مٹی کا اصل خون ہے اور غلہ غذائے اور قاتلہا سے اس نباتات خاصہ سے پیدا ہوتی ہے اور خاصہ نباتہ اگر کسی کسی مقام پر پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے بڑی اور سمٹ کا مقام اور بڑی اور سمٹ تمام موجودات سے پیدا ہوتی ہیں بلکہ ایک دوسرے کے وجود ممکن ہے اور بعض چیزیں ایسے ہیں کہ جن میں ممکن ہے اسے ہر شے دنیا پر نکلتا ہو اور عدم سے وجود پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے

خواہ اشیاء کا حصر ناممکن ہے

کسی ایک شے کو لے لو اور اس میں غور کر کے دیکھو کہ وہ کن خواہش کی حامل ہے ہر عمل حرکت کے خواہش میں شمار کیا جاسکتا ہے مگر ہر بار اہل ایک میں سے زیادہ خواہشیں نکلتی ہیں اس لئے ہر پاس کوئی ایک ہی خواہش نہیں جس سے ہم نتیجہ خواہشیں نکلتے ہیں اگر کسی چیز کے خواہشیں آثار فعلیہ ممکن ہیں تو یہ احتمال ہر خواہش باقی رہ گیا کہ جسے مجوزہ خواہشیں شمار کریں یا نہ کریں آثار کلامیہ یا باطنی ممکن ہے کہ ہر خواہش ہر خواہش کا حصر ناممکن ہے اس لئے ان خواہش کے اس شے پر لائق ہونے سے خواہشیں آثار کلامیہ ناممکن ہے

یہ وجہ ہے کہ ہم باوجود ہیست سی ترقی علوم و فنون کے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ خلیفہ کے عہد میں آثار
کی اہمیت محصورہ ناممکن ہیں۔ اور اس امر کی صداقت پر بحث کرنے کی ہمیں زیادہ ضرورت نہیں
علوم و فنون کی نسبت ہمارا مشاہدہ ہے کہ وہ یوں اُنموماً ترقی پذیر ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ
کائنات کے عہد میں وائیک کے متعلق ہماری تحقیق ابھی تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی +

رابط سبب و مسبب

انسان کا فطری قاصد ہے کہ وہ کسی واقعہ یا حادثہ کو کسی یکسی سبب کے ساتھ تعلق دیتے بغیر
مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے چکر و پیش بلکہ وہ اپنے جسم میں حوادث کو واقع ہوتے دیکھتا
ہے اور ان کے اسباب کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے یہ عمل بطور قاعدہ کلیتہ کے اس کی طبیعت
میں متخل طور پر وجہ یقین کو پہنچ چکا ہے کہ ہر ایک واقعہ کا کوئی کوئی سبب ہونا چاہیے۔ بلکہ سبب
کوئی واقعہ نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سبب و مسبب کا رابطہ ایک جہاں
ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عادت الیہ اس امر پر جاری ہے کہ ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ ظہور پذیر
ہو اس میں حکمت یہ ہے کہ انسانی فطرت اسلئے نظام عالم میں اسباب سے مستیات کے وجود میں آنے
کے ساتھ مانوس رہتی ہے۔ اور اس کی امید اُنہی کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔ انسانی فطرت
میں جو قوی و دھیرت رکھے گئے ہیں ان کو ان قوتی کے ساتھ جو عالم کائنات میں مل کر رہے ہیں ایک
گوئے مناسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو عالم اسطر اور عالم کائنات کو عالم اکبر کہا گیا ہے۔
امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں :-

وتمز عرمانت جبرہ صغیر و وفیات العلوی الذلک لاکبر

اسی مناسبت پر انسان کی کام کی پیش رفت کے لئے ہمیشہ اسباب کی توجہ میں لگنا چاہیے
مگر اسباب کی پابندی سے کسی تو کامیاب ہو سکتا ہے اور کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے ہم
بغیر نفع حاصل کر سکتے ہیں کہ اسباب بڑا ہوتا ہے نہ نہیں :- اسلامی عقائد کی رُو سے اس کا جواب یہی ہونا چاہیے

کہ اسباب بذاتہا مؤثر نہیں بلکہ حقیقی مؤثر ذاتہ باری کا امداد و اتالی ہے اور اسباب صرف عاۃ اللہ کے مطابق اپنا کام کرتے ہیں۔ مگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اسباب کسی موافق تجربہ کے پیدا نہ ہونے کی وجہ سے حقیقی کہ وہاں کچھ ایسے اسباب خفیہ بھی عمل کر رہے ہوتے ہیں جو اسباب مقہودہ کو ان کے عمل سے روک دیتے ہیں اور یہ ہیں ان اسباب خفیہ کا علم نہیں ہوتا اس لئے تجربہ موافق نہیں ہوتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ایسے اسباب خفیہ کے وجود کا اقرار کر لیتے ہیں جس پر بھی یہی کہیں گے کہ وہ اسباب خفیہ ارادۂ اتالی کے تابع ہیں اور ان کا تجربہ معتقد سے ملے ہوئے حکمت خداوندی پر مبنی ہے اس امر کو تجربہ بہر صورت اعتراض کے ذمہ ہے کہ اسباب بذاتہا مؤثر ہیں +

بیشک عام طور پر جب ایک واقعہ دوسرے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو واقعہ پہلے وقوع میں آتا ہے بعد میں وقوع میں آنے والے کا سبب ہے مگر اسلامی عقیدہ کی روش سے سبب بذاتہ مؤثر نہیں مگر حکمت خداوندی متقاضی ہو تو وہ جو سبب پر سبب وقوع میں آسکتا ہے وہ یہ ممکن ہے کہ سبب ہوا اور سبب ظہور میں آئے (خواہ وہاں اسباب خفیہ عمل کر رہے ہوں یا نہ) اور سبب موجود ہو اور اس کا سبب وجود نہ ہو مثلاً یہ امر کہ آگ جسم کو جلا دیتی ہے اور پانی پانی کو بجھا دیتا ہے یہ سبب سے قریب ہے مگر بطریق عاۃ اللہ و بطریق تاثیر ذاتی۔ کیونکہ آگ اور پانی میں کوئی چیز بذاتہا مؤثر نہیں بلکہ آگ اور پانی کا فعل امداد اتالی کے تابع ہے کیونکہ یہ امر بدلائل قاطعہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام حوادث عالم کائنات میں ارادۂ ذات باری کے مطابق وجود پذیر ہوتے ہیں مگر اسباب کو بذاتہا مؤثر مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ ملحق حوادث ہیں مگر مصدق خالقیت مولیٰ قاطق حقیقی کے کسی غیر کی ہوت نہ سبب نہیں کی جا سکتی کیونکہ جو چیز غیر اللہ ہے وہ مخلوق ہے اور مخلوق کبھی خالق نہیں ہو سکتا عاۃ و ایزم دیکھتے ہیں کہ امور حادثہ میں ان کے عامل کے علم و قدرت و حکمت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اور ان معنات کو کوئی عقل و ہوش کا آدمی مادہ کی طرف جو ان معنات سے بالکل غافل ہے کبھی نسبت نہیں کر سکتا۔ غور کرو کہ ایک ہی جے سے ایک ہی جے پیدا ہوتا ہے جو مختلف حصص تناہشی تشکیل دیتا ہے چل پھول دائرہ۔ ہو۔ رنگ۔ خاصیت اور دیگر آثار پر مشتمل ہوتا ہے۔

کیا یہ اندازہ ہی حقائقِ مادیہ پر غور و خوضِ حقیقی ہو گئے؟ حاشاؤ فلا بلکہ خود مادہ کے پیدا کرنے والی
ذات بھی وہی حقیقی کی ذات ہے جس نے مادہ کو اس قابل بنایا کہ اس پر مذکورہ بالا آثار مرتب ہو سکیں
مادہ پناہ جو کچھ بھی ہو تمام اشیاء کے لئے اصل ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اشیاء کے قوس و آثار کو
ان اشیاء کی ذات سے کس چیز نے مختص کیا ہے؟ اگر مادہ کی ذات کو سببِ قیاس مانا جائے تو
چونکہ مادہ سببِ اشیاء کا ایک ہی ہے اس لئے تمام اشیاء کو ایک ہی قسم کے آثار و خواص کا مصدر
ماننا چرچا بگڑے گا۔ احتیاجِ باطل ہے۔ لہذا حقائقِ حقیقی کے ارادہ و آرزو کا اثر اس کے بغیر کوئی پاس نہیں
اگر اس کا ارادہ معبود، عادات کے برخلاف مادی برہنہ قوس میں کوئی عمل محض لازم آتا ہے زیادہ
سے زیادہ مخالفت یہ کہہ سکتا ہے کہ عادتِ اشد کے برخلاف عام طور پر کبھی کوئی واقعہ پورے پورے
سواں کو ہم حقیقی تسلیم کرتے ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سببِ عادیہ جدا تھا مگر ہر ایک رعایتِ اشد
کے برخلاف کوئی عادت واقعہ میں نہیں آسکتا۔ "یفعل اللہ ما یشاء و یجحد ما یرید"۔

حقائقِ غیر مادیہ یا ماوراء المادۃ

زندہ مال کے حقیقین کی طرف سے جو ہر ایک امر میں اشتغالِ عقلی کے دلائل و دلیلیں ہیں یہ سوال اکثر
سننے میں آیا کرتا ہے کہ آیا ہم ہر ایک حقیقت کو جو ہمارے تصور میں آتی ہے اور دیکھ سکتے ہیں اور کیا
ہر ایک حقیقت کے حقائق ہمارے علم کا ل ہے؟ اس سوال کو یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ آیا ان مادی
اشیاء کے علاوہ جن کا ہم بذریعہ قوس اور دیکھ سکتے ہیں کوئی اور بھی ایسے حقائق فی الواقع موجود ہیں جن
ہم بذریعہ حواس میں نہیں کر سکتے؟ انہیں حقائقِ ناممکن یا حقائقِ غیر مادیہ ہے۔

اس سوال کے جواب میں ہم نہیں لوگوں کے ایک نہ منقولہ کو پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ
"انسان کی حقیقت کا منہج اس قدر محدود ہے کہ جو کچھ آج تک معلوم ہو چکا ہے بقایا اس نامعلوم کے جو
اسی تک خیر خفایاں پڑے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو ایک قلم کو جو ناپید کائنات سے ہو سکتی ہے۔"
بے شک یہ منقولہ صاحبِ امر واضح ہے اور منقولہ قرآنیہ "وَمَا أُوتِیْتُہُ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا مَلِیْلًا" کے ساتھ

پاگل صاحب ہاں خیال کہ متصور نہ ہوئے، یکساں انسان پسند مسمیٰ کی کسی یہ سلسلہ نہیں ہوئی ہے کہ جو جتنی
 "عالم اسعد" ملاحظہ کروا "جس چیز کی حقیقت کا احاطہ نہ کر کے سرے سے اس کے وجود کا انکار کرتے
 کیونکہ یہ علم ہے کہ کسی چیز کے ہلنے اور نہ اس سے خارج ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز وائبرو وچہ
 سے بھی خارج بھی جائے اور اعلیٰ الہی کا مقولہ ہے کہ ایسے بیویں متناقض ہیں جن کے وجود کا بے یقین ہے مگر
 کوئی دلیل میرے پاس موجود نہیں اور دلیل نہ ہونے کے مختلف وجوہ ہیں اقل تو یہ کہ جلدی تو یہ ناکارہ
 ان کی تیسری کی طرف مائل نہیں ہوئی جس سے یہ خیال عام طور پر دماغ میں چمک گیا کہ اس عالم مادی کے سوا
 اور کوئی عالم موجود نہیں۔ وہم یہ کہ میں ایسے عقائد پر آگاہ ہونے کی بابت کوئی دلیل نہیں مل سکتی۔
 مسموم حکم ہے کہ ایسے مسائل حل سے پاس ہو رہے ہیں جو اس عالم کے سوا کسی دوسرے عالم تک ہیں
 پہنچا سکیں۔ بحث کہہ رہا ہے کہ اختلافات سے پہلے کون اس کے وجود اور انکار کا قائل تھا؟ حالانکہ
 اس کا اختلاف علم طبیعیات کے تجربہ کار خیر ہے مگر باہر ہر وہ ایک تک بھی ہم پر ایسی ہی تھی ہے کہ ہم اپنے
 آپس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے حواس سے اس کے آثار
 کا احساس کرتے ہیں اور اگر ہم ان لوگوں کے اس قول کو کہ جو چیز حواس سے محسوس نہیں ہو سکتی ہم اس کی
 تصدیق نہیں کر سکتے عام طور پر تسلیم کر لیں تو میں کہی ایک واقعہ پر اس کے خلاف بھی چلنا چڑھنا ہے مثلاً
 ایٹم کو جس کا وہ اس سے احساس نہیں ہو سکتا مگر اس کے وجود سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روشنی کے
 پھیلنے کی تشریح صرف ایتھر کے اثبات و وجود پر موقوف ہے۔ علاوہ ازیں لوگوں کی ایک قسم کی اشیاء ہیں کہ
 جن کے احوال سے چلتے ہیں جو اس قاصر ہیں ان کی دوسری صورت میں ان کے وجود کا اقرار کرنا چاہیے
 مثلاً ایسی موجودات جن کو صرف غور میں کے ذریعے سے ہم اور ان کہہ سکتے ہیں جب عالم مادی میں غفلت
 اس کا حال ہے تو اس میں عالم مادی سے بالاتر عقائد کا جو اس کے احوال سے خارج ہونا کوئی

حالہ اس کے لیے کہ میں ہے وہ خود نہیں کہی ہوئی ہے اور وہ نہ اس کے چاہے تک کوئی دوسرا ہم سے مراد
 نہ ہے جس طرح ہر کسی کو کہہ دیا کہ تو جہاں تک پہنچاتی ہے اسی طرح پھر روشنی کو تو جہاں تک پہنچتی
 ہمارے تک پہنچا ہے اور ان لوگوں کا خیال ہے کہ تو اسے کیا وہی وارث اور کہہ رہا ہے وہ مقابلیہ پھر کی مختلف
 حرکات کا نتیجہ ہیں۔ اور ایتھریں ان میں سے کوئی کہہ دے روشنی کے ساتھ ترکیب و تہذیب کا واسطہ ہے۔ ۱۳۰۲ء

نئی بات ہے؛ مگر ہم نفس انسانی کی حیثیت کو غیر محسوس تسلیم کر سکتے ہیں تو کوئی دوسرا مانع نہیں کہ عالم
مادی سے بالاتر کوئی اور ایسا عالم بھی موجود ہو جس کو ہم نے محسوس نہیں کر سکتے۔

ہر ایک شخص غلط فہمی اپنے آپ سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر وہ خدا کے خالق السموات والارض
کے وجود اور اس کے صفات کا دل پر ایمان نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے عروجاتی جذبات اور بے انتہا دلچسپی
سے کوئی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب اگر وہ لبرائی تائزات سے غلط اور محض
لوگوں کی آراء فلسفہ سے خالی الذہن ہو کر اختیار کرے گا تو یقیناً نفی میں ہو گا کیونکہ انسانی
فطرت کے لائق کمال کی کائنات کی منزل پر کسی خاص دستور العمل کی پابندی کے طے نہیں ہو سکتی۔

اس دستور العمل کے لئے ضروری ہے کہ قواعد و ضوابط کے تائزات سے بالکل بری ہو اور یہ عامہ دون
تسلیم دہی کے کہیں نہیں پایا جاتا۔ اس خیال کی موجودہ زمانہ کے بعض مغربی فلاسفہ نے بھی بالآخر
پیش قدم کے ساتھ تائید کی اور میرے خیال میں ہر ایک شخص کو خواہ وہ کیسا ہی منکر کیوں
نہ ہو بعض مغربی اسباب کے پیش آئے پر اس مرکز تحقیق پر پہنچ جانے کا موقع ضرور ملتا ہے۔
اصیہ اس نور فطرت کا نتیجہ ہے جو انسان کی جبلت میں خداوند کریم نے ودیعت رکھا ہے۔

یورپ کا مشہور فلاسفر رومیو گلسا ہے کہ میں یہ گمان کیا کرتا تھا کہ انسان وجود خالق کا
انوار کتبہ غیر بھی انسانی اعلیٰ کمالات کی منزل تک ترقی کر سکتا ہے مگر بالآخر مجھے یقیناً مسلم
ہو گیا کہ میرا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ بدو ایک حقیقی مہود کے انسان حقیقی مسرت کا بھی
مالک نہیں ہو سکتا اور یہ خیال نہایت صحیح اور تیز ہے جس کے برعکاس ہمارے فطرت کسی بات
کو صحیح نہیں سمجھ سکتی۔ یہی مطلب ہے آئی انی اللہ شاک فاطمہ السموات والارض میں کا یعنی
کیا اللہ تعالیٰ کے وجود میں بھی کچھ شک کی گنجائش ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کر نیا
ہے؟ اس آیت میں الفاظ فاطمہ السموات والارض جو ترکیب نوی کی رو سے صفت
واقع ہوئے ہیں وجود ذات باری کے اثبات میں بمنزلہ حجت قاطعہ کے ہیں جس کا مطلب
یہ ہے کہ آیا فطرت انسانی اس سلسلہ کائنات کے بلا کسی صلح کے موجود ہونے کو بھی تسلیم

کر سکتی ہے ۱ ہرگز نہیں یہ طرز بیان صرف قرآن مجید ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ ایک سادہ
سادہ بیان میں حقیق سے حقیق خفسہ کو بھر دیتا ہے اور یہی اس کے اعجاز کی ایک مثال
ہے +

موجودہ زمانہ میں یودیہ کے دو بڑے مشہور فلاسفوں کے درمیان اثباتِ مائعِ عالم کے
مسئلہ پر جب گفتگو ہوئی تو ایک طویل بحث کے بعد منکر کے سامنے یوں استدلال کیا گیا تھا کہ اگر ہم
مادہ کو غیر مخلوق تسلیم کر لیں اور یہ مان لیں کہ اس میں تمام وہ قوتیں موجود ہیں جن کے ذریعہ سے وہ
نور ہی انسان کا تعلق ہو سکتا ہے تو عقل اس امر کو کیسے صحیح باور کرے گی کہ ایک غیر مدسکتہ ہی جو کسی
عمل کی غایت کا علم نہیں رکھتی اپنے عمل کی نیت کو غور سے بدل کر نہ کر کی طرح ایک موت کو پیدا
کرتی ہے اور نہ کہ نہ گراہ موت میں پورا تشابہ پایا جاتا ہے مگر باوجود اس کے ان میں ایک
تاریاں فرق بھی موجود ہے کیا یہ تشابہ اور تضاد اس امر کی لفظی دلیل نہیں کہ کوئی نہایت ہی بلی
عقل مستحق اس مسئلہ ایسا پرکھتا ہے جس کی کمال قدرت۔ کمال حکمت۔ کمال علم اور کمال ارادہ
کے نتائج نہایت واضح طور پر نظامِ کائنات میں مشاہدہ ہو رہے ہیں +

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا ذیل بالکل ایک معمولی دلیل ہے جو ہر ایک فطرتِ معلیم کا نتیجہ
ہو سکتی ہے۔ آیاتِ قرآنیہ پر غور کرو کہ ضرورتِ صلح پر شکاروں مختلفہ مظاہر قدرت کے استدلال
کر کے منکرین کے دانت کھٹے کئے ہیں مگر جنہوں نے تدبیر نہیں کرتا اور تحقیق حق کی ضرورت نہیں سمجھتا
اس کے لئے کوئی دلیل بھی کافی نہیں۔ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل فلسفہ نے اپنی فلاسفی سے
کوئی ایک دلیل بھی ایسی پیش نہیں کی جس کو قرآن مجید نے نہایت معمولی طرز بیان میں ادا نہ کر دیا ہو مثلاً
اس دلیل کو کہ اگر ہم وجودِ صلح کی ضرورت کو تسلیم کریں تو مادہ کا خود طبع ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ
مگر مادہ میں ایک غیر مدسکتہ ہی کا نام ہے اس لئے وہ کسی مدسکتہ ہی (انسان) کے وجود کی علت
نہیں ہو سکتا قرآن مجید نہایت لطیف اور سادہ پیاری میں یوں بیان کرتا ہے :-

”لَا تَدْرِي لَهُ أَلْبَاصًا وَهُوَ يَدْرِي لَكَ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ“

نیوٹن انگلستانی اپنی تحقیق کے آخری مرحلہ پر یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ اس نے وجودِ صالح کے سوال پر یہاں کو یہ جواب دیا کہ صرف ایک اندھی ضرورت کے وجود کو مؤثر ماننا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یعنی یہ خیال کہ عالم کا سننا میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ ایک قسم کی مادی طبی ضرورت کا نتیجہ ہے بالکل باطل ہے کیونکہ یہ تنوع (گونا گونی) اور مخالفت ایک ہی بدست و دلیل ہے وجودِ صالح حکیم پر۔ یعنی اشیاء کا وجود اور تیز اثرات جو بلحاظ اعتدال زمان و مکان و قیاس پذیر ہوتے ہیں کئی بدست حکمت پر مبنی ہیں اور حکمت کا وجود بدوں کسی حکیم کے پایا نہیں جاسکتا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ گذشتہ تین صدیوں سے مادی فیسٹیوں نے یورپ میں بہت ترقی کی ہے اور بالخصوص انشادیں اور انیسویں صدی کے محققین عنائے مادے نے قریباً قریب اتفاق کیا ہے کہ جو کچھ ہے مادہ ہی مادہ ہے اور اس سے بالاتر اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وجہ ہے کہ یورپ میں اتحاد اور زندگی کو اس قدر ترقی ہوئی کہ پادری لوگ اس کا کچھ بھی مقابلہ نہ کر سکے ایسے پرخطر وقت میں روح اور اس کے عجائبات اور قلاب و عقاب وغیرہ امور کے پیش کرنے کے لئے مفقوت تجاویز قرار دی گئیں چنانچہ انیسویں صدی کے آخری نصف میں کئی ایک

لے مادی مذہب سنبھلنے کے بہانہ پر اس قدر ترقی کی کہ انیسویں صدی کے وسط میں لایا تمام یورپ بالخصوص جرمنی غرض کہ ان کے ہاں بالکل یہی ہو گئے۔ چنانچہ جس علمی عقائد پر یہ حکم تعلیم مادی کا کنٹریکٹ کیا تھا جگہ و دن اور کلاب و قلاب وغیرہ امور کو عقلی بشریت کے متعدد کا فخر قرار دیا جاتا تھا اس عقائد کے تیزی کا مقابلہ کرتے ہی پچھلے غرضی بالکل مایوس تھے۔ یہی انشادیں میں انہیں نے مادی تعلیم پر جو حرکت شروع کیا۔ کیونکہ یہ سبائیت اس غرضی عقائد کو کہنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ہاں یہ عقائد کثرتِ ممکن کی تحقیق تھے۔ بات پڑے ثبوت کا یہ پادری کہ حکمت کی روح سخت گمراہ لوگ ہیں اور روح جسم انسانی سے ایک غلطو فہمیت صحت کا نام ہے۔ یہ سبک و سہرہ مشہور ہے اور وہ چیز و طرح عقلی کا کسب کسبی ہے اور اس کے عملی نتیجے تک پہنچنے کے لئے یوم آخرت کا تسلیم کرنا ناہی ہے۔ گوہر میں کی کثرتی حقیقت کا علم دیکھتے ہوں مگر اس کی طبیعت میں کی ضرورت سے ہرگز متاثر نہیں بلکہ یقین اس کے اس کا کمال پورا نہیں ہوتا۔ اس خیال کو پہلے پہل پر مبنی کے ایک شہرہ نواس سفر کاروں نے اپنے ایک علمی پر مبنی فرما دیا تھا۔ ایک عربی مہر پروردہ اس کے عقل کو اپنے غاوس میں زبردست کرتا ہے۔

میں منعم البلیغہ قد قیادت علمی انکسار و مخلوق النفس فدا قسما اللہ علی حکم علی جان نگوں ہی قسما اللہ علی لیکر علی ذلک الخلود و البلیغہ انقطاع مبنی علوم بلیغہ کی نہ لکھی اور اس کے دعاء سے انکار نہ لگ گئے نہ سوائے عقلی کے نہ سزاوی کہ مادی و دینی اور اس کی بقا پر عقلی غلطیوں کی کہتے نظر آتے ہیں۔

مبنی علوم بلیغہ کے اس کے کہ انکار کریں اس ضرورت کو سمجھتے کرتے ہیں۔ ۱۲۔

انہیں حقیقتِ روح اور اس کے عجائبات کی تحقیق کے لئے قائم ہوئے جنہوں نے مدوح اور
اس کے عجائبات کی بڑے نصرت سے تصدیق کی۔ ان آئینوں میں سے سب سے زیادہ مشہور
آئین وہ تھی جو قسطنطنیہ میں بمقام لندن منعقد ہوئی اس آئین کے ارکان شب بے اکابر ملے
فلسفہ ہندو، تالیخ طبیعیات، ریاضیات، انبیات و تاریخ پائے جن میں شاہیرہ لوگ تھے۔
جہاں لبک کھلے لولس۔ القزوریل و لاس و ارون۔ سر جان فابری۔ جہاں لوگس۔ کمون
پر و فیسرو غیرہ۔

اس آئین کی یورپ میں بڑی دھماک پڑ گئی تھی اور لوگ اس کی آخری تحقیق کے منتظر
تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس آئین کا فیصلہ آخری اور قطعی ہو گا جن کا پہلے کہیں نہیں ہو سکیگا۔
چنانچہ اس آئین کے اجلاس میں تو تقریباً چار سال تک ہوتے رہے اور بڑے بڑے پختہ و علمی
مباحثہ اور اعتراضات کے طے ہونے پر اس آئین کا مفقہ فیصلہ حسب ذیل تقابلیں کو ایک
عربی مصری اصلاح کے ایڈیٹر نے ترجمہ کیا ہے:-

ثم ان الجمعية انصرفت في تقريرها على الاعمال التي شاهدها كل الامضاء معاً
كاشت محسوسة لشاعهم و كانت مصتها مقترنة بالبرهان القاطم۔ ان اربعة
انماس الاعضاء ابتداءوا البحث وهم في اشد درجيات الاكثار لهذا الاشياء
و معتقدون قطبا و قالوا انما ليست الا نتيجة النش او هو او با كامل نتيجة ان
الاضطرابي للاغصاب ولكن بعد ان دخلت لهذا الاشياء و منوها تكماني
شروط فنت كل تلك المفروض و بعد تم ارب و حقيقة جدا انكم هرت مراراً
يوهوا و الاغصاب المتكشرون بعد امن اعتقاد ان هذا الخوارق حقيقة و ان الغصبة
اس صابت كاخلاصيه ہے کہ اس آئین نے انہیں اہل تکلفی کا کافی گو محدود رکھا جو
محسوس ہو سکتے ہیں اور جن کا صحیح ہونا قطعی دلیل سے ثابت ہے اس مجلس کے سچے ارکان
نے اس عظیم الشان بحث کو ایسی حالت میں شروع کیا کہ مدوح اور مدبر روحانیہ کی بابت سخت

انکار کرتے تھے۔ اور ظاہرِ باطن میں اس امر کے قائل تھے کہ یہ باتیں محض ایک قسم کا دھوکا ہیں یا قوتِ دھوکا یا قوتِ تیرس یا اگر ان کی کچھ حقیقت ہو سکتی ہے تو اسے نظامِ عینی کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔
 (الغرض مادہ سے علیحدہ کوئی اور حقیقت ناممکن ہے) لیکن جب ان لوگوں پر نہایت وضاحت کے ساتھ ان امور کی حقیقت شکست ہو گئی اور ان کے خیالات فاسدہ زائل ہو گئے اور پھر ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ بار بار ان حقائق کو تجربہ و مشاہدہ میں لاکھتے تو انہیں اس امر کے یقین کرنے میں کچھ تاخیر نہ آئی کہ حقائق روحانیہ فی الحقیقت مادہ سے علیحدہ بجائے خود ایک مستقل موجودات ہیں۔
 مشہور اکثر کمر و کس جب انگلستان کی رائل سوسائٹی کا پریزیڈنٹ مقرر ہوا تو اس نے اپنے پہلے لکچر میں جو وقت تقریر اس نے پڑھا تھا یہ ظاہر کیا کہ میں پہلے عرصہ میں سال سے نہ صرف اس امر کا مستعد ہوں بلکہ بذریعہ دلائل اس کو پایہ ثبوت تک پہنچا سکتا ہوں کہ عالمِ فطرت میں ایک زبردست قوتِ عقلی حکومت کر رہی ہے جو مادہ سے بالاتر ہے۔ اسی طرح فاکٹر ملبر وڈ جو درمیانِ روحانیات کو جنوں اور پاگل کہا کرتا تھا اپنی تحقیقات کے آخری حصہ میں اس نکتہ پر آپہنچا کہ جو کچھ اس نے سمجھ رکھا تھا بالکل غلط تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے رویں ایک کتاب لکھی جس کے آخر میں وہ دوسروں کو بطور نصیحت خطاب کرتا ہے۔ میں اس دعوئی سے ہمیشہ چپا چاہے کہ ہم بڑے لطیف اور دقیق عقل کے آدمی ہیں اور تمام مدعیانِ روحانیت (انبیاء علیہم السلام وغیرہم) کے دعوئی کو باطل نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اپنے تئیں کامل عقل سمجھ کر ان لوگوں کی تقسیم سے مستفید نہ ہونا سخت گمراہی ہے۔ یہی حال دیگر بعض اکابرِ علمائے یورپ کا تھا کہ وہ عقل منکرہ چکنے کے بعد حقائقِ حسی سے بلیں سکھیں۔ چیمبرلین وغیرہ منکرین تھے جو بعد میں آپ اپنا رد کرنے لگے۔

یہ روپ کے کٹر محققین کا شیوہ ہے کہ اپنی عقلی کا اقتدار غور کیا کرتے ہیں اور اس کی انشیر بھی نہیں کھاتے۔
 جس قدر کہ تو یہ دعوت دینی سلامت شیخ کا نتیجہ ہے وہ نہایت معجزہ علامتِ اسلام میں اکثر ایسے اصحاب موجود ہیں کہ باوجود ولایتِ علمی سے انکاد ہو جانے کے بھی اپنی بات پر اپنے ذمہ نہ ہٹتے بلکہ ملتحمی۔ گویا مخالفت کی بات انہیں لینے کو پہنچ چکے سمجھا جاتا ہے مگر قرینِ ادبی کے سلاطین کا شیوہ نہیں تھا۔

حق پر چھو تو قرآن مجید کی تعلیمی تعلیم تمام مال اور روپ میں شائع نہیں ہوئی اور اگر چند ایک شخص اس نے اپنی ذاتی تحقیق سے کچھ سمجھا بھی ہے تو بالکل ناکافی ہے کیونکہ اسلام اور شارع اسلام اور شریعت اسلام کے متعلق ابھی تک یورپ کے تعلیم یافتہ طبقہ کے علاوہ لوگوں میں بیشمار غلط فہمیاں مروج ہیں بلکہ اسلامی مسلمانوں کی طرف سے کوئی انتظام اشاعت کا کیا جانے تو یقیناً نہایت ہی مفید ہو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی دشمنی وہ کام نہیں کر سکتی جو نہایت ذلیل مسلمان کے شانہ کرنے سے متصور ہو سکتا ہے ۔

حقائق غیر مادیہ یا مادیہ اور اراء المادہ

بہشت انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع از فیض انسان سے جاری ہے کیونکہ نوع انسان کے اس گروہ بزرگ کا وجود انسانی فطرت کی تکمیل تربیت کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے اس کی حیوانی تربیت کے لئے مواد غذائی کا وجود۔ اگر اس بزرگ جماعت کے افراد دنیا میں شکر نہ لاتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے متعلق ہو کر فرع انسان کی تربیت کے متکفل نہ ہوتے تو دنیا مادہ پرستی اور ظلمت شرک سے کہیں باہر نہ آتی کیونکہ انسان چاروں طرف سے مادیات کے اثر سے گھرا ہوا ہے اور پھر مادہ اور مادہ کے تنازعات کے کسی چیر کا احساس نہیں کر سکتا اور وہ اپنے علوم و معارف کی بنیاد اپنے تجربہ اور مشاہدہ پر قائم کیا کرتا ہے اور اس سے زیادہ کسی چیز کا علم اسے نہیں ہو سکتا اور نہ خود بخود اس کو کسی ایسی پاک اور مطلق حقیقت کا علم حاصل ہو سکتا ہے جو اس تمام دائرہ کائنات پر اپنے صفات کاملہ سے احاطہ کئے ہوئے ہے علما و کلام گروہ جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں خود کرنے سے ایک مدت تک ان سے متفق بھی ہو جا رہے تھے تربیت انسانی کے لئے کافی نہیں ہو سکتا بلکہ اس گروہ میں وہ لوگ جو مادیات پر خود پرور داشت کیا کرتے ہیں اور اس لئے وہ مادی فلسفی کے نام سے مشہور ہوتے ہیں دنیا کو ہمیشہ بغیرت اور ہریت کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ نیا چہرہ وجود صلاح ذرات باہمی کا اقرار کرتے تو ہیں مگر اس کو مصلح قرار دیتے ہیں مبنی وہ یہ کہتے ہیں کہ

صانع نے عالم کو پیدا کیا ہے۔ اشیائے عالم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بے تعلق ہو چکا ہے۔ اشیاء کی اسے
 علیحدہ علیحدہ قدرت مقرر کر دی ہے جس کے مطابق ان میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور یہی
 چلا آتا ہے۔ مگر وہ بہت اس سے آگے بڑھ کر صانع کی ضرورت سے بھی انکار کرتی ہے۔ ان
 کے نزدیک عالم قدیم ہے نہ کوئی اس کا خالق ہے اور نہ کوئی مخلوق اشیاء خود بخود اپنی لمبی
 حالت کے مطابق بنی ہوئی ہیں۔ انہیں اشیاء میں حضرت انسان بھی ہے جو دیگر اشیائے عالم کی
 طرح پیدا ہوتا ہے اور مگر خاک ہو یا گاہے اوریں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر دو مذہب
 باطل ہیں۔ پہلے مذہب میں صفات کا ملکہ ذات باری کا انکار لازم آتا ہے اور اس لئے منافی
 اسلام ہے اور دوسرے میں سرے سے ذات باری کی ضرورت سے ہی انکار ہے اس لئے
 عقیدہ اسلام کے تحت مخالفت ہے۔ اسبابہم عندہ تعالیٰ ذیل میں ہر دو مذہب کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔
 (۱) نیاجہ جو صانع عالم کو مطلق قرار دیتے ہیں اور اس وجہ سے انہیں ذات باری کے صفات
 کو انکار لازم آتا ہے اپنے استدلال میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ طبیعت اشیاء کو مؤثر مستقل تسلیم کرتے
 ہیں مگر ان کا طبیعت اشیاء پہلے خود کوئی مستقل علت نہیں کیونکہ اول تو طبیعت اشیاء کا
 وجود ہی مسخر بہت ہے یعنی ختم کو حق ہے کہ وہ طبیعت کا انکار کر دے نہ چری کے پاس بجز
 اس کے کیا دلیل ہے کہ وہ اشیائے خاص کو ایک مستقل روش پر اپنے تجربہ و مشاہدہ کے تحت
 تسلیم کرتا ہے۔ مگر یہ تجربہ و مشاہدہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی نہیں کہ طبیعت اشیاء کا
 وجود ہے اور اگر بالقرض ہم مان بھی لیں کہ طبیعت کا وجود ہے تو یہ کیونکر ثابت ہوا کہ مستقل
 مؤثر ہے یعنی وہ کس دوسری راہ و طاقت (امادۃ انلی) اس کے تابع نہیں۔ ہم صرف اشیاء کے
 آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ ان آثار کے کہہ کا سبب خود اشیاء کی ذات ہیں
 موجود ہے یا کوئی خارجی امر ہے؛ چونکہ ہم بالبدہت جانتے ہیں کہ اشیاء کی ذات ان اشیاء
 سے کوئی علیحدہ چیز نہیں اس لئے اگر اشیاء کو ہم آثار کی علت قرار دیں تو لازم آئے گا کہ وہ
 آثار بھی اشیاء کی ذات کے ساتھ ہی موجود ہوں کیونکہ معلول اپنی علت سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آثار و تقدیر میں اپنی جگہ بد و نیکو کے نمود پزیر ہوتے ہیں اس لئے مضر و مفید ہے کہ اشیاء کی ذات غفلت آشکار نہ ہو بلکہ ان آثار کا مبداء کوئی ایسا امر ہے جو ذات و شیا سے خارج ہے۔ چنانچہ اشیاء اور اس کے مستند آثار کا یہ خاص ترتیب و نظام پر جا رہی ہیں اس لئے مضر و مفید ہے کہ وہ مبداء کوئی عقلی استیلا ہو جو تمام صفات کا ملکہ کی جامع ہے یہی معنی ہیں ایک شکل پر مبنی ہو فی شان اے کے۔ یہ آیت نیا چہ کی گردن پر شیر پڑا ہے۔

واضح ہو کہ نیا چہ جو طبیعت اشیاء کو علت مستقل مانتے ہیں اپنے باطل مذہب کے دوسے قصا و قدر کے شکر میں اور اس لئے ان کا مذہب صریح طور پر تسلیم شرک ہے کیونکہ غیر اثنائہ کو مؤثر و متاثر ہی مبداء اشکوک ہے۔

(ب) دوسرے کے برخلاف ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم طبیعت اشیاء کو مؤثر حقیقی تسلیم کر لیں تو کچھ شک نہیں کہ انسانی دائرہ علم کی دست برداری سے زیادہ کسی چیز پر محیط نہیں ہو سکتی اور اس رت میں انفاق فاضلہ کے لئے کوئی صحیح معیار قائم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اخلاق فاضلہ کا مائدہ انسانی مادی قدرت نہیں بلکہ مادی جمیع و ترتیب اشیاء سے مستخرج معیوہ عقلیہ کے پیدا کرنے کی قابلیت نہیں اس لئے مضر و مفید ہے کہ انفاق فاضلہ کا تحمل کوئی امر غیر مادی ہو۔ اسی کو اصطلاح میں نقص یا ردع بولا کرتے ہیں۔

(ج) خواب کی حالت میں ہمارے تمام حواس بیرونی منقل ہو جاتے ہیں مگر عمل اور اہل بستہ جاری رہتا ہے۔ سوال یہ مایہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی چیز ہے جو اشیاء کی جمیع و ترتیب میں لگی رہتی ہے۔ کیونکہ اگر اس عمل کی علت صرف کسی مادی حیثیت کو قرار دیا جائے تو یہ سوال مایہ ہوگا کہ جیساں بیرونی مسئلہ ہے اور باہر کی اشیاء بھی اپنا اثر نہیں ڈال سکتی ہیں تو ترکیب عمل کے لئے کوئی چیز علت ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ قوائے دماغی خود بخود اس عمل کی علت ہیں تو صحیح نہیں ہوگا کیونکہ قوائے دماغی ہمیشہ ایک اعتبار سے وجود ہے فی حد ذاتہ ان کا کوئی وجود نہیں اور کوئی دلیل پہلے پاس نہیں کہ جس شرک و علقہ تخیل و غیرہ کوئی حقیقی وجود رکھتی ہیں کیونکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

موت ایک ہی دفعہ ہی ہے جو مختلف احوال کو نہایت تیزی کے ساتھ سر بہم دیتا ہے اسی کو ہم نفس نابوح کے فنا سے تعبیر کرتے ہیں +

(۱۵) انتخاب کی حالت میں ہم ایسے واقعات کا بھی ہم لوگ کیا کرتے ہیں جو زائد آئندہ کے مستحق ہو گئے ہیں اور ان کے اسس کا یہ فی جوس پر پہلے سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے پر ہمیں تین ہوجا سکتے کہ یہی واقعات میں بن کائنات خواہ ہیں اولیٰ ہو چکا ہے۔ چونکہ یہ امر ہر ایک شخص کے اپنی ذاتی تجربہ پر موقوف ہے اس لئے اس کے ثبوت میں میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سوال موت یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ کے واقعات کا علم جب کسی مادی حیثیت کا کام نہیں تو پھر ایسے واقعات کے بحال خراب کثافت ہونے کی علت کسی غیر مادی حیثیت کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں ہم اس واقعہ کی کوئی وجہ تو یہ نہیں کہہ سکتے +

(۱۶) امدادی فطرت میں لمبا خیال مرکب ہے کہ ہم کافی نہیں دے سکتے بلکہ میں صرف موت ہے اپنی وضع فطرت کے انقلاب کا یقین ہوتا ہے فنا کے مطلق کا۔ امدادی خیال ایسا قوی ہے کہ اس کا برہنہ ہم کبھی تجویز نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی طبیعت کی حالت کے رُوسے آئندہ اپنی بہتری کے خواہشمند ہوتے ہیں حتیٰ کہ مرنے کے بعد ہم اپنے آرام و لذت کے امیدوار ہوتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ گویا ہماری طبیعت کی صورت مجددہ یعنی کی سی نہیں ہوگی بلکہ کوئی نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ صورت ہوگی جو موجودہ زندگی کے لوازم سے بالکل بری ہوگی اگر ہم اپنی ذات اور اس کے عمل اور اس سے عمل نہیں ہو گئے۔ خود کرنے سے معلوم ہوگا کہ جس طرح دیگر اشیاء کا مادہ بنی خلائق نہیں ہوتا بلکہ صرف تفسیر و انقلاب ہوتا ہے اسی طرح انسان اپنی فطرت کے رُوسے فنا کے مطلق کو قبول نہیں کر سکتا بلکہ اس کا آئندہ کسی دوسری صورت میں تکب ہوتا ضروری ہے اور اگر ہم انسان کو صرف ایک مادی حیثیت تسلیم کریں تو کچھ شک نہیں کہ اس کو دیگر اشیاء عالم پر کوئی فوقیت نہیں ہو سکتی اور اس طرح انسان کی وہ شرافت اور عزت جو اس کو دیگر موجودات عالم پر بالبابہ حاصل ہے بالکل باطل ہو جاتی ہے لہذا اس صورت میں اس امر کا قائل ہونا چاہئے کہ اس کی مذکورہ بالا افہام کسی ایسی غیر مادی حیثیت کا نتیجہ ہے جو اپنے صفات اور لوازم سے اشیاء مادی

سے باہر ہے اور وہی حقیقت نفس یا روح کے نام سے موسوم ہوتی ہے ۔

اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اس سلسلہ کائنات کے آغاز کے متعلق کوئی فیصلہ قطعی تو یہ جو فیصلہ نہیں کر سکتے جو
 ہوتے مشاہدات و تجربات کی بنا پر صحیح تسلیم کی جا سکے کیونکہ ہر طرح اس سلسلہ کے آغاز کی کیفیت ایک امر
 مجہول ہے اسی طرح اس کے حکیم اور لامتناہی ہونے کو بھی عقل انسانی باوجود اس کی وسعتی اور جن لوگوں نے
 عالم کو قدیم مانا ہے یہ ان کی سلسلہ حیات ہے ۔ کیا فطرت میں کوئی اصل قطعی ایسا موجود ہے جس پر انسانی
 کائنات کا قدیم ہونا ہی کیا جائے ۔ آج کل کا فلسفہ قدیم عالم نے کوئی صحیح توہید اس مسئلہ کی نہیں کی مگر ہم
 یہ بھی عیناً مانتے ہیں کہ عالم کے حادث کا مسئلہ بھی ایسا سہل تسلیم نہیں کہ فکر کو اس کے برعکس کچھ
 نہ کہہ کہے کا موقع نہ ملے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر جو ہم صداقت پسند اور عظیم الفطرت ہوں تو اس قدیم
 کے خیر نہ ہونے کا حادث عالم پر بھی ایسے بہت سے دلائل مل سکتے ہیں جو مجموعی طور پر حادث
 عالم کے ثبات کو قطعی ثابت کرتی ہیں ۔ چونکہ قدیم اور حادث ہونا متضاد مفہوم ہیں اس لئے ضروری ہے
 کہ عالم یا تو قدیم ہو یا حادث لیکن قدیم ہونے کا خیال ایسا ناممکن تسلیم ہے جس کو انسانی فطرت محض
 بطور فرض کے تسلیم کر سکتی ہے نہ بطور حقیقت نفس الامر کی ۔ کیونکہ ہمارے فطرت بلا کسی خارجی اثر کے
 اور خود اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جو حادث واقعہ بلا کسی علت کے نہیں ہو سکتا اس لئے وجود عالم
 جو ایک نفس الامر حقیقت ہے ۔ کیونکہ یہ علت ظاہر ہو کر حادث کے قائل ہونے کی صورت میں ہم زیادہ
 سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی قطعی اور حقیقی توہید کا علم نہ ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حقیقت
 اس کے حادث کی کوئی توہید نہیں ہو سکتی لہذا ہمارے حادث عالم کے متعلق کسی توہید پر کلام نہ ہو سکتا ہم
 یہ قدیم عالم کے قائل ہونے کو واجب نہیں کر سکتا ۔ اس توہید کا حاصل یہ ہے کہ حادث عالم کا قائل ہونا
 کسی شخص کے لئے قدیم عالم کے قائل ہونے کی نسبت زیادہ آسان ہے کیونکہ اس سے ایک گنجائش
 ہو سکتی ہے مگر قدیم عالم کا قائل ہونا ایک ایسا ناممکن خیال ہے جس کو انسانی فطرت ایک انسان کے لئے
 پسند نہیں کر سکتی ۔ خداوند تعالیٰ وید کے لئے خود کہہ کہ انسان کا سلسلہ یہی اصل ہے اگر وہ اس تسلیم کا
 یعنی اگر ہم یہ مانیں کہ انسان کے لئے یہ ہونے کا کوئی سبب انہیں تو کیا ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انسان کی

پیدا ہونے کی کوئی قوت نہ تھی۔ ہم سلسلہ ثانی میں تو کسی حد تک اس پر طے ہاں مگر ہماری فطرت بالآخر ہمیں
موجود کیسے کی کہ کسی قاصر پر اس سلسلہ کا قیام نہ ہوتا چاہے کیونکہ عالم ادیان میں کوئی چیز انتہائی سبب نہیں
احدیہ امر بچائے خود ہاں ہے تخریر اور شاہدہ سے تسلیم کیا جا چکا ہے ۔

جب موجود نہانہ کے اکثر فلاسفان اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر ایک امر جو تجربہ و مشاہدہ کے
دور سے باہر ہو قابل تسلیم نہیں تو کیونکر ہم انسانی سلسلہ وجود کسی دیگر مادی کائنات کو تسلیم نہیں
کر سکتے ہیں اور انتہائی پر دلیل ہی کیا ہے ؟ کیونکہ صرف لیکن انسان ناسد کو ملتا ہے کونئی عقلی حجت
نہیں بلکہ حواشی کا آنا فنا و وجود ہم عالم کے حدوث کی دلیل ہے کیونکہ تیز و انقلاب کسی قدیم وجود
کا ناسد نہیں ہو سکتا ۔

یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مادہ کے اشکال۔ الوان و غیرہ عوارض حادث ہیں مگر مادہ
خود قدیم ہے۔ مذکور بالا دلیل سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ عوارض متغیر ہوتے ہیں مگر مادہ
پہ ستر موجود رہتا ہے۔ مادہ اس لئے اس کے حدوث پر کوئی علویہ دلیل قائم ہونی چاہئے۔ ہم کہتے
ہیں کہ مادہ بلا عوارض نہ ہو نہیں ہو سکتا بلکہ بعض اہل فلسفہ نے تسلیم کیا ہے کہ مادہ حقیقت کوئی چیز
نہیں کیونکہ ہمیں بجز موجود عوارض کسی دیگر چیز کا احساس و ادراک نہیں ہوتا اس لئے ہمارے پاس
کوئی دلیل نہیں کہ عوارض کے علاوہ کوئی چیز بھی موجود ہے بلکہ ہمیں موجود عوارض کا نام جسم ہے
گویا مذہب ایک بدیہی امر کا انتخاب ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر ہم عوارض سے جوہر کے
جسم کی حقیقت کا ادراک کرنا چاہیں تو یہ ایک امر ناممکن اور محال عقلی ہے اس لئے جب ایک شے
کی ہستی اور اس کے حصین وجود ہی ہم نہیں کر سکتے تو اس کے قدیم و حادث ہونے کو ہم کیاں تک
سے کر سکیں گے ؟ یہ محض ہوشیاری کی لوگوں کی ایک وہی ترس ہے کہ مادہ قدیم ہے۔ حقیقت ہے
کہ مادہ وجود کی حقیقت کے لحاظ سے محال انسانی قاصر ہے۔ جب کبھی لوگ اس کے متعلق بحث
کیا کرتے ہیں تو محض ایک فرضی وجود کو مد نظر رکھ کر کہتے ہیں۔ وہ اگرچہ اس سے یہ سوال کیا جائے
کہ یہ اسکی حقیقت کا پتہ تو وہ تو کچھ شک نہیں کہ وہ اس سوال کے جواب میں بہت ہو کر دیا جائے گا ۔

(۱) اشیاء کی حقیقت کا اور ایک یہ نہیں کہ اصل تفصیل و ترکیب کے خدیوہ سے ہم اس کے اجزاء کا
 علم حاصل کریں مثلاً اگر کوئی شخص کسی خاص جسم کے اجزاء کو طویل و کھلاوے اور اس عمل سے
 اس کے چند ایک خواص کا بھی اسے علم حاصل ہو جائے تو محقق کے نزدیک کسی بھی جسم پر اس شخص
 کو مادہ کی حقیقت کا علم حاصل ہو گیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہی مادہ کی حقیقت کا مطلق
 علم نہیں ہو سکتا اور ہم فالتو مادہ کی نسبت (در شریک) ہم مان میں کہادہ کافی حد ذاتہ کا کوئی وجود ہے
 کیونکہ اس کے ساتھ بلکہ جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ صرف اجسام کے چند ایک خواص ہیں اور اس سے اور یہ
 معلوم خواص بھی بقابلہ و استثنائی خواص و اسرار کے جو عالم مادی میں یعنی یہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے
 اور اگر کوئی شخص کچھ خواص سے بولے کہ معلوم ہو چکے ہیں یا آئندہ معلوم ہوں مادہ کے متعلق
 کسی زیادہ حقیقت کے علم کا مدعی ہو تو وہ کچھ اس کرتا ہے۔ مثلاً فی بقیرہ و شاہدہ کا دائرہ اس سے زیادہ
 پر مطلق ہو سکتا۔ لیکن ہم صرف سے سوال کرتے ہیں کہ اس عالم کائنات کی حقیقت یہی ہے جس کو مادی
 خواص کے ساتھ ہم نے صحت کیا ہے؟ مگر یہ خیال ایسا صحیح و باطلان ہے کہ اس کو کوئی ذی ہوش کی صحت
 ہی تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ حقائق اشیاء کے متعلق علم خواص کا قدرہ و سترقی ہونا تفصیلی دلیل ہے انسان
 کے بعد اس علم ہونے پر اور یا اس بہ ترقی اگر موجود حالت سے مدد یا ان زیادہ معلومات کا دائرہ وسیع ہو سکتا
 تو ہم ہر بھی اس امر کے متنبی نہیں کر سکتے کہ ہم نے حقیقت کا آخری مرحلہ تک کر لیا ہے یا حقائق اشیاء
 کا اور ایک حاصل کر لیا ہے کیونکہ ہم علم خواص اشیاء سے زیادہ کوئی ترقی نہیں کر سکتے اور یہی ہمارے تجربہ
 و مشاہدہ کی انتہائی منزل ہے اور اس سے آگے جانے کا کوئی طریق چلتے ہوئے مستور نہیں مگر ہر قدر
 یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ہم نے خود صفات کا علم رکھتے ہیں اور صفات اپنے وجود سے علیحدہ
 ہو کر وجود نہیں ہو سکتے انہیں وہ صفات کو جو شکست و حلاوت مثلاً رنگ و شکل۔ طویل و عرض و وزن وغیرہ
 کے پردہ میں یعنی یہ دیکھ لیا حقائق اشیاء کا علم کہلاتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو تجربہ و مشاہدہ کے ذریعہ
 سے تخلیق ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا اس علم کا حصول ممکن بھی ہے؟ دہری کو اس مقام پر پہنچ کر حقیقت
 مشکل پیش آتی ہے اور وہ ایسا ماننے آتا ہے جیسا کہ ایک گدھا کچھ نہیں جانتے۔ دہری کے لئے

یہ تمام حیرت ہے اور غایت کے لئے مستم خیرت *

استدلال بر وجود ذات | اس مقام پر ہم دہری کو ایک نہایت باریک استدلال کی طرف توجہ

دلاتے ہیں اگر کسی صلاحت منہ کو تو قین لڑنی یا دہر ہو تو وہ یقیناً

راہ راست پر آجاتا ہے۔ نہ انکار کا میدان بہت وسیع ہے ہم عالم کائنات میں غولوت (افعال) کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دعوتِ افعال بلکہ افعال میں ایک خاص سلسلہ نظام کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں جو خاص خاص اسباب اور نتائج پر مشتمل ہے اور یہ ایک ایسا خارج امر ہے کہ جس کو ہر ایک طبقہ کی عقل کا آدمی تسلیم کرے۔ یہ سلسلہ نظام میں ہم افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں صفات کا جذبہ ہے یعنی جب تک ہم علم اداوہ۔ قدرت اور حرکت کا وجود بطور حلت کے تسلیم نہ کریں ہیں افعال کا وجود میں آنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ امر حلت ہے بلکہ کسی واقعہ کو بطور حلت تسلیم نہیں کر سکتے۔ منکر غراہون افعال کی حلت کچھ بھی مگر ضروری ہے کہ افعال بدون صفات نہیں پڑیں نہیں ہوتے اب ہم منکر سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کوئی شے ہے جو ان صفات کی حلت ہے؟ کیا یہ منکر صفات بدون کسی موصوت کے وجود نہیں رکھتے۔ یہ ایک خطرہ امر ہے کہ ظلم کسی عمل سے جس کو عالم کہتے ہیں قائم رہ سکتا ہے۔ اسی طرح اداوہ کسی مرید سے اور قدرت کسی قاور سے اور حرکت کسی حکیم سے..... علیٰ ہذا ایسا جس سے کہ کوئی خیرم موصوں کر شک نہیں ماننا پڑے گا کہ وہ کسی موصوت کے ساتھ قائم ہے یعنی اسی اثرات کی موصوت ہے جو مشقت ہو سکے اب ہم لوں سوال کرتے ہیں کہ وہ موصوت یعنی ذات کون ہے؟ ظاہر ہے کہ اب..... اگر اس ذات سے خود نہیں دنیا کی ذات حوالی جاتے ہیں کہ کوئی خارجی امر حلت قرار نہ دیا جائے تو کچھ شک نہیں کہ گردہ حلت خود اس شے کی ذات ہی ہے تو کیا یہ ہے کہ اس کا مطلب اپنی دہر ہے اب مترجہ ہوا ہے پہلے سے موجود نہ تھا کیونکہ طول کبھی اپنی حلت سے جدا نہیں ہو سکتا تاہم ایک شے خود ہی حلت اور خود ہی معلول نہیں ہو سکتی اس لئے ضروری ہے کہ اس حال اور حالات کی حلت کوئی امر خارجی ہو یعنی کوئی ایسا امر ہو جو دنیا کی ذات سے خارج ہو۔ اب یہ امر خارج کوئی مادی مخلوق تو ہو نہیں سکتا کیونکہ کوئی شے جو مخلوق ہو مستعد صفات کا نہ نہیں

ہو سکتی اس لئے ضروری ہے کہ وہ لہر کوئی ایسی ذات ہو جو مخلوق نہیں موجد مخلوق نہیں تو وہ ذات جو ہم پر
 زہیم کی کوئی وصف اور اس لئے وہ قہیم ہوگی اور بقا نہ خود موجود ہوگی۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ
 کامل الصفات ہو اور اس کے صفات بھی اس کی ذات کے ساتھ موجود ہوں یعنی کسی غیر سے استفادہ نہ
 ہوں کیونکہ جب تک وہ ذات کامل الصفات نہ ہوگی وہ ذات قزاق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ
 اشیائے کائنات کا خالق وہ ذات وحدہ لا شریک ہے جو تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہے۔
 اور اس کے صفات اپنی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ ہر امور کسی مخلوق کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں ان
 سے اس کی حکمت بری ہے۔ وہ کامل علم۔ کامل ارادہ اور کامل قدرت اور کامل حکمت کا مالک ہے
 اور اس کے ان صفات کے آثار یہ موجودات ہیں جن سے ایک مخلوق صاف طور پر اس ذات کے لیے تاکہ
 توحید کے اقرار پر مجبور ہو جاتا ہے ہم اس ذات کے بے چون و چوں کی نسبت کوئی شے توڑ نہیں کر سکتے
 کیونکہ ہمارے دائرہ اور گامیں بیکر مایات اور ابراہیم مادیات کے کوئی اور چیز داخل نہیں۔ ہاں ان
 آثار کا وجود خود اس کے وجود حقیقی پر شہادت دے رہا ہے۔

و فی کل شیئ لہ ایتۃ ۛ یبدل علی اللہ واحد

حقیقت مادہ کے متعلق جدید تحقیقات

سائنس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ کسی لہر زیر بحث کے ان ممکنہ واقعات کے متعلق حیرت کا جس علم
 حاصل ہو تو اسے مدد کیا ہو یا نہ کئے جائیں۔ جب کوئی واقعہ (فیکٹ) اور نظریہ (تھیوری) ہر دو میں
 میں تضاد مل جائے تو ہمیں یا تو واقعہ انکار کرنا ہوگا یا نظریہ کا نظریہ کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے
 کہ وہ واقعات کے اصل بدل اعلان کے عمل کی صحیح تکمیل پر بدلنا چاہتا ہے۔ چنانچہ نیوٹن کی تھیوری
 (کشش ثقل) کو اینسٹائن نے کسی حد تک بدل دیا ہے۔ نیوٹن کے نظریہ کے مطابق غلطے مطلق
 موجود ہے۔ ہر وقت نقطہ کا مجموعہ ہے مگر ماش نے فیسیوں صدی کے اخیر پر غلطے مطلق کا
 انکار کر دیا۔ سہی طرح آج سے پہلے اور آج بھی مادہ اور ذرہ کو علیحدہ علیحدہ حقیقت خیال کیا جاتا تھا۔

موجودہ حقیقتات سے تعلق و وحدت (جو بعض اسلامی فرقہ اہل تقوت میں تسلیم کیا گیا ہے) اکی بنا
پر مادہ اور روح کو متحد الاصل قرار دیا ہے کیونکہ ہائے احساسات مادہ کا جز ہیں۔ بہر حال جو چیز
سائنس کے زعم سے بڑی امتیاط سے کہتے ہیں کہ ان میں کوہ دست ہوں بشرطیکہ بشرطیکہ
الطبیعت کو فرض کر لیا جائے مگر یہ بھی ہم نہیں یقینی طور پر تسلیم نہیں کر سکتے۔

یہ مادہ علیحدہ مادی اشیا میں جو متناہی صورت میں واقع ہوتی ہیں مادہ اور قوت برقی کلام کر
ایک ہی ہے مثبت برقی اذنی برقی قوتوں کے ساتھ ممکن ہے کہ کوئی تیسری چیز کی ترکیب کو قائم
کرتی جو جسم کے ہر ایک ذرہ کا ایک مرکز ہے جو اسی قوت کا ایک چھوٹا جزو ہے جس کے گرد دوسرے
چھوٹے جزو حرکت کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس چھوٹے جزو کا ایک مرکز ہے جس کے گرد
دوسرے چھوٹے ذرات حرکت کرتے ہیں اور اسی طرح آگے یہ سلسلہ حرکات جاری رہتا ہے جس
طرح دیگر سیارات آفتاب کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ یہ مثبت اذنی برقی قوتیں کثرت پختہ ہیں
تو قوت منفی طبعی اور کمر لانی کے اصول مترزل ہو جاتے ہیں۔ یہ بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ
کہاں قوت اسلئے احساس کرتی وہاں مادہ موجود ہوگا ہو اور سائنس سے جس کی طبیعت حقیقت کا
خیال پیدا ہوتا ہے اور اس سے گئیں اور گئیں سے ایچر کا تصور پیدا ہوتا ہے اس ترتیب کو ملحوظ
رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خلا میں جو تیز و تبدیل پیدا ہو رہا ہے ایچر کا نتیجہ ہے جہاں شمس وہ
موجود نہیں وہاں بھی گئی کی گئی ترکیب کے وجود کا یقین ہے۔ شمس مادہ میں بھی بعض ایسی ترکیب
ہوتی ہیں جن کی نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان میں مادہ کے جوہر کا کوئی تعلق نہیں اور باہر ہے۔
مادی اور غیر مادی میں فرق ظاہر کر سکتے ہیں۔ مادہ اور خلا کے قوانین میں ہی فرق ہے جو قوانین حرکت
و مسلسل ہیں۔ یہ پر تو اثر و اوقات کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ بھی نہیں کہ مادہ میں کوئی جوہر ایسا ہے
جو خلا میں نہیں۔

مادہ کے علم کی دو صورتیں ہیں اول اشیا کے مسومات کی قوت کا غیر مربوط علم دوم مسومات
کی صفات کا مربوط علم میں یہ قواعد کلیہ وضع کئے جاتے ہیں سائنس میں اکثر اشیا کی ترکیب کا پتہ

دے سکتی ہے مگر بعض جگہ وہ بالکل غامض رہتی ہے مثلاً کسی چیز کے اجزائے اولیہ کے متعلق اسرار
 کے جواب میں کہ آیا ان اجزاء کا پھر تجزیہ ہو سکتا ہے یا نہیں سائنس بالکل غامض ہے لہذا اس
 تک سائنس ہمارا رقیب سفر ہے اور اس کے آگے نہیں جا رہی قطری شہادت یہ ہے کہ ہم تجزیہ کا پھر تجزیہ
 کریں مگر ہم کیا ناس حد تک پہنچ کر بے دست و پا ہو جاتے ہیں سائنس عقلی طور پر کئی ایک سوالات
 کے جواب سے عاجز ہے مثلاً ذہنی برقی قوتوں پر مادہ کی موجودہ تحقیق ختم ہو چکی ہے مگر ممکن ہے کہ
 اس سے آگے کچھ اور حقیقت کھلے :۔

بائنس تا انتخاب بلوہ کستہ کیس ہنوز از منتی سحر است

مادی اجسام کی ترکیب قدیم الایام سے اجزائے ذیرۃ الطبیعیہ سے ملنے چلتے ہیں ان
 اجزائیں کمرہ رایت پائی جاتی ہے جنہیں الیکٹرونز و مثبت برقی قوت (کیتے میں تگمہ شائے عالم
 کی ترکیب) برقی قوت کے اجزاء کا مجموعہ ہے۔ یہ الیکٹرونز حرکت کی صورت میں مادہ میں وجود میں آتے
 حرکت کا انحصار دو متضاد قوتوں پر ہے یعنی قوت جاذبہ اور قوت دافحہ اور ان دونوں کے مشترک
 عمل سے سلسلہ نظام عالم قائم ہے۔ ہم اس قانون کا نام قانون تلافی کہتے ہیں +

اس تقریر کا محال یہ ہے کہ مادہ و مائل مثبت اور ذہنی برقی قوتوں کی لہروں کے اتصال سے
 پیدا ہوتا ہے یا یوں کہو کہ مادہ و مائل مذکورہ بالا دو قوتوں سے پیدا ہوتا ہے جو از بھی قوت کی صورت
 میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہنر بھی کی نسبت پہلے یہ خیال تھا کہ وہ فنا نہیں ہوتی چنانچہ اس کے غیر وقتی ہونیکے
 مسئلہ کو مسئلہ تخلیق قوت کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا مگر یہ ترین تحقیقات کے رُوسے یہ ثابت ہوا
 ہے کہ ہنر بھی فنا ہوتی ہے۔ انہر بھی اچھر کے ذیو ایک جسم سے دوسرے جسم میں گزر کر فنا ہوتا
 ہو جاتی ہے اسی خیال کے رُوسے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ زمین کی حرکت یلہ و جہتی ثانیہ کے حساب
 سے فنا ہو رہی ہے چونکہ شائے عالم الیکٹرونز سے مرکب ہیں جو دراصل حرکت ہے اور حرکت فنا
 ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسرے مقلوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مادہ فنا ہو رہا ہے۔ ریڈیم کے متعلق
 ہوبلر کی تحقیقات کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیم کا کچھ حصہ ایک نہایت ہی اندیشہ

اور طبیعت مقدسہ میں فنا ہو رہا ہے کسی اور صورت یا ہیئت میں متعلق نہیں ہوتا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا
 ہے کہ مادہ اشکال اور صورتوں میں ہیئت کی یہ تبدیلی کرتا رہتا ہے مگر فنا نہیں ہوتا لیکن یہ یہیم پر
 بالخصوص بات کہنے کے لئے ہیں ان سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہیم کا ایک خفیف جزو خارج ہو کر طوری
 وجود سے منقطع ہو جاتا ہے جس کا چھوٹی نشان باقی نہیں رہتا۔ مادہ و حقیقت ازلی (وقت)
 ہے اور قوت کی صحیح حقیقت تا حال حقیقت نہیں ہو سکی۔ متن وغیرہ علویں مادہ جو مادہ کی طرف سے
 کہے جاتے ہیں ان میں قوت نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ قوت کے بعض آثار اور علامات ایسے ہیں
 جن سے مادہ کی حقیقت اور ہر پرکھ دیکھنی پڑتی ہے کیونکہ قوت کی ہی ترکیب قوتوں سے مادہ بنتا
 ہے۔ اور قوت خلقی ہے لہذا مادہ بھی خلقی ہے گو اس کے فنا ہو سکی مقدار بہت خفیف ہے مگر
 وہ فنا ضرور ہوتا ہے یہیم ایک چمکی اور براق وحیات ہے اگر اس کو سبک و سکوپ (آرڈر) والوں نے
 میں دیکھ کر دیکھیں تو انہی کی کرنیں اٹھتی ہوئی نظر آئیں گی حقیقتات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کرنیں
 برقی چمکیاں ہیں جو بہت آہستہ یہیم سے نکل کر نامعلوم حالت میں پہنچ جاتی ہیں بالوں کہو کہ فنا
 ہو جاتی ہیں اس نظریہ سے جو تجربہ کے رُست قائم کیا گیا ہے مادہ کافی ہونا ثابت ہوتا ہے۔
 جرم خاص فرسٹل کا جو مادی وحدۃ الوجود کے قائل ہیں یہ خیال ہے کہ ارادہ انہی سے حرکت اور
 حرکت سے حرارت اور حرارت سے برقی قوت اور برقی قوت سے ذرات اور ذرات کے ترکیب
 تشکیل سے نظام شمسی (قانون تدارک) اور نظام شمسی سے تمام اشیائے عالم کا وجود ظہور میں آیا۔
 اس سے معلوم ہوا کہ تمام عالم کائنات نظام شمسی کے تحت چل رہا ہے اور نظام شمسی کی علت اصل
 ارادہ انہی ہے۔ مادی وحدۃ الوجود کے قائلین اس مادہ انہی کو جوہر اور اصل مادہ کہتے ہیں۔
 حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہیں اور ارادہ انہی سے قوت یافتہ مادہ اور اشیائے
 بعض مادی وحدۃ الوجود کے قائلین کا خیال ہے کہ ارادہ انہی میں مشور تھا اور بعض اس کا انکار
 کرتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ مشور اس میں بالقہ تھا اور ایک لفظ گندہ سے پرہیز اس میں بالفضل
 موجود ہو گیا۔ جدید تحقیقات کے رُست یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ قوت ارادی اجسام کو پیدا کرتی ہے مگر

ان اجسام کی کینیت بنایت طبیعتی ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ متشابہت اپنی تعقیقات کو اسی مرکز پر ملاحظہ ہیں جس کو صوفیائے کرام عالم مثال کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مادی وحدۃ الوجود اور روحانی وحدۃ الوجود کو مقرب بقدر الحقیقت سمجھا جائیگا اور اس منطبق تحقیق پر پہنچ کر ان لوگوں کو جو مادی کو غیر غائی مانتے ہیں معلوم ہو جائیگا کہ آیہ مکمل شیئی حالت کلا وجہۃ شئی کی کیا تفسیر ہے +

الوسائل والاسباب

جب امر یکے بعد دیگرے وقوع میں آتے ہیں تو انسانی فطرت ان میں کوئی نہ کوئی رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ گو سر و ست یہ نہ کہا جاسکے کہ یہ پروہ امر باہم سبب مسبب ہیں مگر جب بار بار ایسا ہوتا دیکھا جائے تو ایک کثیر التعداد مثالوں کے مشاہدہ کر لینے پر پروہ کا رابطہ ہونا یقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اس رابطہ طبعی کے قائم کرنے میں اہل مذہب اور اہل فلسفہ صدیوں سے باہم لڑتے چلے آئے ہیں۔ مجبوراً اہل مذہب کہتے ہیں کہ سبب مسبب میں لزوم ضروری نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ جن دو امور کے درمیان ہم نے رابطہ طبعی قائم کیا ہے وہ ایک کے وقوع پر اس طرح لازمہ لازم ہوں کہ سبب پہلے امر مسبب اور وقوع میں آئے تو دوسرا سبب (امی ضرور وقوع میں آجائے بلکہ ممکن ہے کہ سبب کے وجود پر سبب موجود نہ ہو۔ اہل فلسفہ کہتے ہیں کہ سبب مسبب کے وجود پر سبب موجود نہ ہو تو کوئی اندرونی یا خارجی ملحق اثر کو دیکھنے والا ہواں ضرور موجود ہوگا۔ سبب کے وجود پر سبب کا وجود ضروری ہے۔ اہل مذہب کی طرف سے اس کا یوں دیکھا گیا ہے کہ ہر گاہ یہ خیال مغضن امن پر مبنی ہے اس لئے ہم عقلی حویر کسی یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ سبب مسبب میں ایک غیر متفک ضرورت کا ملحق ہے کیونکہ تجزیہ یا مشاہدہ سے ہیں یہ ترتیب یا کہ (ا) اسلوب اس سبب مسبب کا رابطہ ہے کہ پروہ ہیں متعلق لزوم کی کیا دلیل ہے؟ تجزیہ و مشاہدہ سے اس لزوم کا ثابت ہونا ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے کسی قاضی دلیل کی ضرورت ہے مگر ایسی خارجی دلیل کے پیش کرنے میں اہل فلسفہ آج تک اہل مذہب کے معروض ہیں اور مقروض رہ گئے +

اولیٰ سلام میں غزالی ایک ایسے شخص میں نہیں نے اس سکین اہل فلسفہ کی کلمہ کلام مخالفت
کی ہے چنانچہ اپنی کتاب تہافت الافلاک میں انہوں نے اس کے متعلق حسبِ قیاسی تقریر کی ہے
"این هذا الاقتران المشاهد فی الوجود بین السبب والمسبب اقتران تلذذ مر بالضرر
فلیس فی المقدور ولا وجود المسبب دون السبب وانما یجب علینا ان نطرح هذا القول
علیه یمتنع بہ اثبات المعجزات الفارقة للعادة من قلب العواشیانا وحبیب المونی رتبی
یعنی ہم بلاشبہ کہ اس اسل کے ساتھ ہرگز اتفاق نہیں کرتے کہ سبب و مسبب میں جو اتصال کیا جاتا
ہے یہ اس قسم کا ہے کہ طرفین کبھی کسی صورت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے اس لئے کوئی
مسبب یا سبب وقوع میں نہیں آسکتا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے جس قدر کہ ہم اس لئے انکار کرتے ہیں
کہ اس اسل کے صحیح مان لینے سے اثبات معجزات مثلاً عیسا کا اترنا بن جانا مردہ کا زندہ ہونا اور چاند
کا بیت بابا فیر من ہو جائیگے چنانچہ اہل فلسفہ نے اسی شکل کو یہ تصور رکھ کر معجزات سے یا تو انکار کر دیا
ہے یا کسی نہ کسی ایسی تاویل کے کمال ہوئے ہیں جو سلسلہ سباب میں سیارہ تجربہ مشاہدہ پر صحیح اثر
کے جتنا استدلال کے پختہ جانے کو عالم کائنات کے ایک قانون میں اور وجود کا نتیجہ قرار دیتے ہیں
اگرچہ اتفاقاً قرآن مجید احکام سبب سابقہ میں خیال کو نہایت زور کے ساتھ غلط قرار دیتے ہیں۔ غزالی
کہتے ہیں کہ سلسلہ سباب میں ایک لڑکا کا موتا دوسرے واقعہ کے ساتھ مربوط ہونا تو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر
ہم ہر وہ کے باہم لزوماً ہمیشہ اسٹاء اقام ہونے کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے۔ خلاصہ ان کے مذہب
کی یہ ہے کہ یہ ہم سبب ہو اور مسبب نہ ہو۔ یا مسبب ہو اور سبب نہ ہو ان کے نزدیک اس
اسل کی تمام علوم میں یکساں طور پر وقت کی جاسکتی ہے۔ سبب و مسبب کے مسائل میں
ہم اس کی اسیت کو برابر تسلیم کرتے ہیں مثلاً آگ اور دھواں کو طے کا یہ نتیجہ ہو گا کہ دھواں بل جاسکتی مگر یہ
کہ اس سے ضرور نہ آگ آگ و حقیقت جواہریت کا نسل کرتی ہے۔ یہ بات صرف حلقہ کثرت مشاہدہ کا نتیجہ
ہے اس لئے حلقہ ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو چکی ہے کہ آگ جلنے کی طرت ہے۔ بلکہ اہل حقیقی معنی
اللہ تعالیٰ کا الودہ ہے اور اگر حسبِ مشیت اس الودہ کو نافذ کرتے ہیں خواہ یہ ارادہ کسی واقعہ کے

ہوئے کے متعلق ہونا ہوتے کے چنانچہ اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

ہذا ثبت ان اسما علی خلق لا حریف باسراوند عند ملاقاتہ العنقۃ قالہ ممکن فی العقل ان
لا یصلح مع وجودہ للاحاقۃ - یعنی جب یہ ثابت ہو کہ قائل حقیقی رونی اور آگ کے باہم ملنے پر اعتراض
دہل جانے کو وقوع میں آتا ہے تو چونکہ اپنی آزاد مرضی کا پابند ہے اس لئے فقہانہ امر باطل ممکن ہے
کہ آگ سے رونی کے ملنے پر احتراق کو وقوع میں نہ لانے ۔

پھر خود ہی اپنی اس تقریر پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں غلط یہ کہ کتاب کے قریب
کلیفیاں صیح مانا جاوے تو ان اشعہ جانیلی اسلئے یہ بھی ممکن ہو گا کہ ایک شخص اپنے غلام کو رات کے
دست آدمی پائے اور صبح کے وقت وہ گدھان جانے اور کہیں کتاب لکھی ہو وہ گھوڑا میں جانے اگر
اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ ایسا ہونا واجب ہے بلکہ ہم مرث اسکاں کے قائل ہیں یعنی
ہمارا موقف یہ دعویٰ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ایسا کروے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے کیونکہ آزاد
مرضی کے یہی معنی ہو سکتے ہیں ۔ اور چونکہ پیدا ہوتے ہی ہم رونی اور آگ کے ملاپ کا نتیجہ دیکھنے کے
عادی ہو چکے ہوتے ہیں ہمارے طبع پر یہ امر راسخ ہو جاتا ہے کہ ایسا ہی ہو گا مگر کوئی مسجد دار
آدمی کثرت مشاہدہ سے اس نتیجہ کے لزوم و وجوب یا ضرورت کا قائل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ضرورت
کے متعلق ہلکے پاس کوئی دلیل نہیں ۔

ہم نے مذکورہ بالا دلیل کو غزالی کی کتاب ہدایت الفلاسفہ سے اقتد کیا ہے مگر ناہن حال کے
ایک غزالی نو سفر نے بھی اس مسئلے کی تصدیق کی ہے ۔ چنانچہ ایک مگر مریضی مصنف لکھتا ہے کہ
سیوم الفلاسفہ فی فاسطرا کے زمانہ سے پہلے تمام فلسفیوں کی یہ رائے تھی کہ علت اور معلول کے تصور
میں طاقت اور اتصال کا تصور نہ تھا بلکہ یہ کہ یہی علت میں معلول کے پیدا کرنے کی طاقت ہے اور
اور علت اور معلول میں ایک ضروری اتصال ہے ۔ مابین انش اور غزالی وغیرہ چند فلسفی طاقت کے
وجود کے قائل ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ طاقت علت کی طاقت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے
زمانہ حال کے فلاسفہ میں پہلے اول سیوم نے طاقت اور ضرورت کے وجود پر اعتراض کیا ۔ اور کہا

کائنات اور صورت کا تشکیک اس سے پیدا ہوا ہے اس لیے موصول کے صاف تجربہ کو شاہد بنا ہے اور کہتا ہے کہ عالم ظہری اور عالم دہنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حادثہ کے بعد دوسرا حادثہ پیش ہوا مستقل پیدا ہوتا ہے اور ارادہ کے بعد اعضا میں حرکت ضرور پیدا ہوتی ہے لیکن اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ پہلے حادثہ میں دوسرے حادثہ کے پیدا کرنے کی کائنات مطلق یا ان میں ضروری اتصال ہے!

یہی ہم غلط فہمی کی اس تقریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعینہ وہی تقریر ہے جس کو اس سے پہلے دوسرے غرضی گھر کیے ہیں۔ اور حقیقت غرضی کا یہ مقراض یہی اسلوب ہے کہ کوئی خاص سفر ہوگا اس کا وہ نہیں دیکھتا۔ ہاں ہم یہ بھی ظاہر کئے دیتے ہیں کہ غرضی کے اس نہج پر یہ اثر افسانہ نہیں ہو سکتا کہ سلسلہ اسباب بال ہی بظاہر ناقابل اعتقاد ہے کیونکہ ان کا ہرگز نہ مطلب نہیں۔ دوسری علت و موصول کے رابطہ اور اتصال کو ضروری نہیں مانتے یہی وجہ ہے کہ وہ معجزات کو نہایت آسانی کیساتھ منکرین کے ساتھ ثابت کر سکتے ہیں۔ وہ نفسیہ و خیالی پر محال ہے کہ کوئی شخص معجزات کا عقلی ثبوت دے سکے۔ کیونکہ تجربہ و مشاہدہ کے اصول معجزات پر مبنی نہیں غرضی کے مذکورہ بالا مذہب کے یہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حسب مشیت و تبت کو بدون اسباب کے اور نیز لوہائے اسباب بھی پیدا کر سکتا ہے مگر ہم مثلاً "بدن اسباب" کے یہ معنی بھی لے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلق کو پیدا کرنے کی اس حادثہ کے لئے مختلف قسم کے اسباب قرار دیے ہیں بعض تو ان میں محمود اور مستحق ہیں جن کے دیکھنے کے ہم عادی ہو چکے ہیں اور بعض غیر محمود اور غیر مستحق مصلحت میں اسباب محمود کے مطابق اس سلسلہ عالم کا جو تمام ہے اور ثبات قدرت کاملہ کے لئے اسباب غیر محمود و مختصہ اس کے مطابق کسی امر کو قوت میں لایا کرتا ہے۔ مثلاً افریق حادثات کے موقع پر دنیاں کسی نبی اللہ کے ہاتھ پر قائم جنت مقصود ہوتا ہے۔ غرضی کے مذہب کی یہ تاویل کسی صورت میں قطعاً نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی حادثہ کے اسباب کا ذکر کرنا انسانی عقل سے بالاتر ہے اور اگر فرق حادثات یا حشر اسباب کے اسباب میں علم ہو جائے تو تبلیغ وحی کی حکمت باطل ہو جائی۔ یعنی فرق حادثات لوگوں کے لئے حجت نبوت نہ ہوتا اور حشر اسباب پر ایمان انانیت قسم ایمان یا غیب رجحان جاتا +

نظریں اس امر کو بھی غلط کہیں کہ مرزئی مذہب کے مسلمانوں نے غرضی ابو الولید ابن رشد سے
 امام غزالی کے مذہب یا مذہب کی بڑے نصرت مخالفت کی ہے غزالی نے جن مذہبوں کا اعتقاد
 کسی تہی تمام اور معجزہ مانا ہے ابن سینا اور فارابی کے غلط ارسطو پر لوگوں کی توجہ مبذول
 ہو رہی تھی غزالی نے اس کتاب سے فرائض کے مسائل کو بروج شامہ کر کے دین حق کی صحت
 کو قائم رکھا۔ کیونکہ ان دونوں اہل عرب میں غزالی جیسا مستحکم کوئی شخص موجود نہ تھا۔ مگر حضور انا
 بعد اندلس و مراکش میں ابن رشد ابن کھلیل ابن سینا مشہور فلاسفہ اسلام پیدا ہوئے اور
 قرطبہ اور قیروان بعد ان کے قائم مقام بن گئے اہل لوگوں نے فلسفہ کی حمایت میں ان کو مارا۔
 چنانچہ ابن رشد نے غزالی کی دعویں تہافت التہافت کہی اور اس میں فلاسفہ کے مذہب
 کی تائید کر کے یورپ کے اہل مذہب میں ایک ہنگامہ مچا دیا مگر اہل اسلام نے اس کے
 فلسفہ کو وقت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اگرچہ کہیں کہیں اس کے ہم دراز اب تک بھی بعض
 غزالی مخالف اسلام کی وہی صورت دکھاتے ہیں اس کو شروع علیہ السلام نے اہل علم کے سامنے
 پیش کیا اور ابن رشد کا دلیل تخیل کے پابندی میں ہے ان کا طریق مذہب خدائے اشد
 ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص بن اصول کی صحت کا قائل ہوتا ہے انہیں کے مطابق وہ اپنی تحقیق
 کے متعلق زور لگاتا ہے۔ چونکہ ابن رشد کے مذہب کی تائید ظاہر کتاب و سنت سے نہیں ملتی
 اس لئے اسلام کی اصل صورت دیکھنے کے لئے ان کی تحقیقات پایہ اعتبار سے سامنے رکھنی
 پڑیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تجربہ و مشاہدہ

(سبحانک لا ادرکک لانا الاما علمتنا انک انت العلیٰ العظیم)

(۱) تجربہ و مشاہدہ قریباً قریباً دو مترادف لفظ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تجربہ میں ہمارا
 اصل خود کسی سلسلہ علت و معلول کا علم حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً کوئی کوئی مشہور عالمی

ہے جب دوسری بخار کے لئے ہم بار بار استعمال کر کے اس تجربہ تک پہنچ جائیں کہ اس سے بخار
خود جاتا ہے تو ہمارا یہ عمل تجربہ کہلاتا ہے اس لئے کارخانہ قدرت میں اگر ہم کوئی ایسا سلسلہ
علت و معلول کا پائیں جو انسانی عمل سے برتر ہو تو اس کے متعلق جو علم ہمیں حاصل ہو گا اسے تجربہ
نہیں بولیں گے بلکہ وہ مشاہدہ ہے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی بغیر پادوں کے مینہ نہیں برستا اس لئے
کہ زمین پر بھی ایک تجربہ ہے مگر پلٹنے والے سے غلط ہے لیکن عام طور پر لوگ کسی کبھی اس مشاہدہ کو
بھی تجربہ کے تحت سے تفسیر کر دیا کرتے ہیں مگر تجربہ وہ مشاہدہ کے صحیح معنی میں ہے جو اوپر لکھائے
گئے ہیں +

۱۲ تجربہ وہ مشاہدہ کی صحت کا معیار اس امر پر موقوف ہے کہ تجربہ وہ مشاہدہ کرنے والا شخص
سبچہ انصاف اور تسلیم اتوری ہو مگر یہ امر کہ سبچہ انصاف اور تسلیم اتوری کس شخص کو تسلیم کیا جائے
ایک مشکل کام ہے کیونکہ فطری لطافت اور کدورت اور قوی کے نقصان و کمالات کا عام طور پر کوئی
ایک خاص معیار مقرر نہیں مگر عام شہادت پر تجربہ وہ مشاہدہ کی صحت کا تقریباً یقین حاصل ہو جاتا ہے ۔
یہی وہ ہے کہ وہ چاہتا دیوں کے تجربہ سے کبھی یقینی ظلم کمال نہیں ہوتا اگرچہ تجربہ کرنے والے کو
جائے خوب یقینی ظلم حاصل ہو جائے +

۱۳ تجربہ وہ مشاہدہ ہے جس میں جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی نسبت ہم ہر حالت میں کمال
یقین ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے ہاں وہ ایسا علم ہو گا جس میں ہم تجربہ متینہ کی وجہ سے جانب کو
راجح کر سکتے ہیں تجربہ وہ مشاہدہ کے متعلق اس خیال کی توجہ چاہی کہ کرنا چاہیے کیونکہ اس پر یقین
کی نفسی حیاتیات کی بنیاد قائم کی گئی ہے عوام الناس بے سوچے سمجھے تجربہ وہ مشاہدہ کو بہر حال اس میں
قطعی اداس لئے قابل حجت سمجھ کر اکثر صدائوں کا انکار کرتے ہیں عجیب ہے کہ اکثر یہ شہادت کو
پر تجربہ یقین کا موجب ہر سستی ہے : غرض یقین کا کیونکر لوگ قطعی ذائقہ سمجھ لیتے ہیں مالاکن علت و
معلول میں مدعی لزوم ہونا آسان سمجھ نہیں گرا اکثر یہی فلسفہ کا یہ خیال ہے کہ علت تاہم ہمیشہ
تجربہ معینہ پیدا کریگی مگر یقین کی سائے اس کے برخلاف ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں علت و معلول کے

وجود پر صرف ایک نتیجہ مبینہ ہی منقول کے وہ دو یقین تو حاصل ہو جاتا ہے مگر اس بات کی دلیل کوئی نہیں کہ پہلے ماقہ فی حق کے ساتھ دوسرے ماقہ فی حق منقول کا وجود لازمی امر ہے۔ دوسرے منقول میں یہاں سمجھا کہ میں یہ تو یقین ہے کہ نتیجہ مبینہ (منطوق) علت معلومہ سے پیدا ہوتا ہے مگر یہ یقین کس طرح حاصل ہو کہ نتیجہ مبینہ اور علت مذکورہ میں ایسا قسطنطنی اور یقینی لازم پایا جاتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے نتیجہ علت مذکورہ سے ملتا رہتا ہو گا۔ اس کے متعلق صرف یہ ہی کہنا کافی نہیں ہو گا کہ لازم کا یقین قانون طبیعی ہے کیونکہ کسی امر میں تو بحث ہے کہ آیا ایسا ہونا ضروری ہے اور جب یہ ثابت ہوئے تو میرے کہہ سکتے ہیں کہ ہاں ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ یہ قانون طبیعی ہے اور نہ یہ کہنا کافی ہو سکتا ہے کہ علت و معلول میں لزوم کا یقین فطری شہادت پر موقوف ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہی کہتا ہے کہ شہادہ واحد و کا چارہ نہ تھا تو یہ شک فطری شہادت سے مسلم ہے جس کے یہ خلاف عقل کسی تجویز نہیں کر سکتی۔ برغلاف اس کے آگ کا لکڑی کو جلانا یا گو عادتہ اللہ کے مطابق بھی ہے مگر وہ لزوم نامعلوم مثال میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فطرت انسانی نتیجہ مبینہ کے قطعی ہونے پر شہادہ ہے ہی ہے اور یہ بات پہلے نتیجہ پر موقوف نہیں مگر مثال ثانی میں یہ بات یہی ہے کہ میں قدر ضرورت آگ سے لکڑی کے جل جانے کے ہمہ نے دیکھے ہیں اس میں ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے لیکن اس کے قاعدہ کلیہ ہونے کا او مانع و اصل ہے کیونکہ وہ لزوم ثابت نہیں۔ مثال میں اگر وہ لزوم فطری شہادت پر موقوف ہوتی تو آگ کے لکڑی کو جلا دینے کا حکم کسی نہ ہوتا مگر بدین امثالہ اکثر وہیں یہ بات محال نہیں ہوتی۔ ہماری یہ تقریر مذکورہ واللہ برب فطرتی کی ایک کڑی ہے۔ اہم اگر مذکورہ بالا مثالوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ قانون فطرت اور قانون مادی ایک نہیں ہو سکتے مگر جن میں مزید التماس و تشریح کی ضرورت ہے۔ واضح ہو کہ قانون فطرت ایسے قانون کو کہ جس میں کائنات عقل کسی تجویز نہیں کر سکتی اور قانون مادی ایسے قانون غیر قطعی کو کہ جس میں جبر خلاف اسید از عقل ہو یعنی عقل کو اسانی اس کا خلاف تسلیم نہیں کر سکتی مگر اس کے احکام کو تسلیم کرتی ہے کیونکہ ماقہ عقل ایک قاعدہ کی پابند ہوتی ہے اس لئے اس کا خلاف تسلیم کیلئے میں

اسے کچھ حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ تقسیم کر لینے میں کوئی وجہ سوائے حادث کے معلوم نہیں ہوتی اسلئے مجموعہ اسے
 اس کے مطابق ہوا قرار کرنا چاہئے مثلاً مکمل اپنے بڑے سے بڑا ہوتا ہے تاکہ ایک چیز ایک ہی آن میں
 موجود و معدوم نہیں ہو سکتی "تاکہ ایک ایسا عدد ہے جو وہ برابر صحیح عددوں میں تقسیم ہوتا ہے۔" کوئی
 مسئلہ بدعت نہیں ہو سکتا۔ "کسی مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہے" وغیرہ
 وغیرہ ایسے قوانین فطرت میں جن کے تسلیم کر لینے میں عقل انسانی محدود ہے اور ان کا خلاف محال ہے۔
 اعداد جاتی ہے پٹانی میں سین پٹا جاتا ہے۔ "اگر پتھر اوپر کی طرف پھینکا جائے تو زمین کی
 کشش ثقل اسے نیچے کی طرف کھینچے گی۔" بادشہ بلبل کے آنے پر ہوتی ہے۔ "وہ چیزیں کے
 رگڑنے سے زراعت پیدا ہوتی ہے۔" وغیرہ حسن قوانین طبع میں جن کا خلاف محض بیدار عقل
 ہے نہ محال ہے۔

اس خیال کو دوسرے پہلو میں یوں بھوکا انسان کو یہ عقد جو اس فکر کے فدیہ سے علم حاصل
 ہوتا ہے وہ علم صرف جزئیات یعنی خارجی اشیاء کے متعلق ہو سکتا ہے اور جو علم خارجی اشیاء کے متعلق ہو
 اس سے عقل کسی غیر متبدل عقلی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اقول تو علم و معلول میں ہمیشہ کے لئے
 و میاں و ماکا معلوم ہونا چاہئے خود معلول ہے۔ و چونکہ عقد اشکال میں گی وہ بہر صورت محدود و ہی ہوگی چہرہ
 کوئی کلی حکم عقلی طور پر ہرگز مترتب نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۵) اشیاء مادی کے متعلق بذریعہ تجربہ و مشاہدہ میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ محدود ہوگا
 مثلاً ہم پانی کے متعلق صرف چند ایک خاص باتوں کا علم رکھتے ہیں اہل بدیع عقل جلیل ہم اس کے بڑا بڑا
 مثلاً وہ کھاسکتے ہیں کہ اس سے ہمیں کسی حیثیت اسلیہ کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ محال شدہ اجزاء میں
 ہم ہر وہی کلام کرینگے جو پہلے مرکب میں کی تھی اور اگر بالفرض اجزاء کے اجزاء میں ہم دیکھ سکیں تو ہر وہی
 تشکوہ باقی ہے جو پہلے تھی یعنی کہ جس کسی ایسی حقیقت کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا جس پر آئندہ سوالات کا
 سلسلہ بند ہو جائے یہی وجہ ہے کہ آج تک مادہ کی نسبت کچھ نہیں کھلا کہہ کیا جاتا ہے !
 اشیاء کو اس کا حصہ نامکن ہے اسلئے اگر کسی شے کے متعلق کوئی مہول خواص دریافت ہوگی تو

ہر دست و قوسم پوپت ملو سے اور کر سکتے ہیں نہ انکار یہ بھی ممکن ہے کہ جو نوں کسی ایک شے کے
 متعلق دروخت ہوں ان کا وجود مقید ہو یا مطلق مثلاً مقناطیس میں قوت جاذبہ کا ہم علم رکھتے ہیں مگر
 اس بات کا حیرت ہو چکا ہے کہ زلزلہ آنے کے وقت اس کی قوت جاذبہ باطل حدود میں ہو جاتی ہے اب
 بقا ہر زلزلہ کے آنے اور مقناطیس کی قوت جاذبہ کے شامل ہونے میں کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا یعنی کوئی
 سائنس دان پیش نہ کر سکا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یا مقناطیس کی قوت جاذبہ کا عمل ایک عام بات ہے
 جو شاہدہ میں آچکی ہے مگر یہ عمل مقناطیس کی ذلی کے ہر دو سطحوں پر تو موجود ہوگا لیکن اگر اس کے نقطہ عمل
 پر امتحان کیا جائے تو ہرگز نہیں ملے گا کہ اس کے تمام اجزائیں قوت جاذبہ کا خاصہ موجود ہے چنانچہ
 ۱۔ ج ایک مقناطیس سلاخ کو لیکر دیکھو کہ ہر دو نقطہ ۱ اور ۲ جو قوت
 جاذبہ اپنا عمل کر گئی مگر نقطہ ۲ پر نہیں اور اگر اس کو نقطہ ۳ پر منتقل کر کے تو دیا جائے تو ہر نقطہ
 ۲ پر بھی قوت جاذبہ اپنا عمل کرنے لگے گی +

۲۔ یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ مادہ تمام اشیائے مرکبہ کا ایک ہی ہے اور عمل کیا سے ہیں صرف
 انکی تحلیل و ترکیب کا علم حاصل ہوتا ہے مگر انکی حقیقت کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ
 کہیں خاص مسئلہ خاص کا فلاں شے سے مخصوص ہے؛ البتہ عقل حکم نکاتی ہے کہ اشیاء کی ترکیب میں
 اجزاء کی کیفیت اور کمیت یعنی مقدار کی ایک خاص مناسبت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جس سے انکی صورت و اشیاء
 اس کے متعلقہ آثار و خواص میں ہم ایک نیاں تعلقات کہتے ہیں چنانچہ بدیہہ علم کیا بسا اوقات بعض اشیاء
 کے اجزاء کی مناسبت کو اس قدر اشارہ میں ظاہر کر دیا کرتے ہیں مگر اس سے آگے اہد کچھ بھی نہیں کہہ سکتے
 کہہ نہ کیات تو ہم نے دیکھ لی کہ فلاں شے کے اجزاء کیا ہیں اور وہ کس نسبت سے اس میں شامل ہیں مگر
 ان کی حقیقت اس کے مسئلہ خاص کی علت ہم ہرگز نہیں بتا سکتے اہد جب ہم یہ نہیں بتا سکتے تو ہم
 کبھی اس امر کا دوسری بھی نہیں کر سکتے کہ کسی شے کا کوئی بھول خاصہ ہائے نہیں تو اہد کے دوست
 اس میں موجود ہے یا معدوم ہے جن کی ہم تحقیق کر چکے ہیں +

۳۔ انچہر و شاہدہ کے اصول پر عالم مادیات میں لاکھوں تصرفات ہو رہے ہیں اور ان میں اصل

پر ہم ان کے علی تسلیم کا پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ نئے نئے ایجادات اور علوم و فنون کی ترقیات سے
 سب تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہیں اس لئے عام طور پر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ شاید کئی کو دیکھ کر ہم ایک
 قاعدہ کلیہ وضع کر سکتے ہیں اور اسکو علی طور پر احتمال کو کے آئندہ تحقیقات کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں
 مگر نہایت باریک بینی سے تحقیقات کی روش سے ہماری بات یہ کہی قاعدہ کلیہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ برہنوں اس
 کے حقیقت میں قواعد کلیہ کی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اشیا کے مادیہ کے متعلق ہمارا
 علم اضافی ہے اور اضافی رہے گا۔ اضافی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مادیہ اشیا کا اور ملک ہیں جنہیں
 حواس ظاہری حاصل ہوتا ہے جن کا عمل بہر صورت محدود تسلیم کیا گیا ہے۔ علاوہ انہیں بعض ایسی شرائط
 مثبتہ یا منفیہ کی صحت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں جن کے بدن تجزیہ میں ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔
 اس لئے گو ہم عام طور پر کسی قاعدہ کی حکیت کو تسلیم کر لیں مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شے مادیہ کے
 بعض خواص کا ظہور کسی خاص زمانہ یا جگہ یا وضع پر بالکل مخالفت ان خواص کے ہو جو پہلے ہماری تحقیقات
 میں پایہ ثبوت تک پہنچ چکے ہیں مثلاً بعض سیارات کی رفتار میں ہوتی ہے جس سے کسی خاص نتیجہ
 کو متعلق کیا جاتا ہے اور جب وہ اپنے کسی خاص مدار میں جس کو کہ کئی صدیوں کے بعد پیدا کرنے
 میں حرکت کرنے لگتے ہیں تو مذکورہ بالا نتیجہ کا ظہور رک جاتا ہے اس طرح ہماری تحقیقات میں علم
 اور ہم مادیہ کے متعلق ایک اور اضافہ ہو جاتا ہے اور ہم اس کو بطور قاعدہ کلیہ تسلیم کرتے ہیں لیکن
 کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ آئندہ ان سیارات کے بعض اوضاع ایسے پیدا ہونے ممکن نہیں جو ایسے
 نتائج کے متضام ہوں جو تمام بالترتیب سے مختلف ہیں اس لئے جو پہلے حالات کے پیدا ہونے پر
 ضروری نتائج ظہور میں آتے گئے ہیں اور ہم کہیں کہ جب اس قسم کے حالات پیدا ہونگے تو ایسے نتائج
 ظہور میں آئینگے۔ اسی لئے یہ قاعدہ کلیہ ہے مگر قاعدہ کلیہ کے لئے صرف چند ایک مشاہدہ کا دیکھنا
 کافی نہیں ہو سکتا یہی جی میں اس جگہ کے کہ اشیا کے مادیہ کے متعلق ہمارا علم اضافی رہتا ہے اور اسی
 کی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیا ہے۔ "وَمَا أُوتِیْتُہُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیلًا" (الفرص

ہم تجھ کو دشا ہم کے عزیز پر چڑھتے ہیں ان کو کرنا چاہتا ہوں کہ تو ہم ایک دیر اور پڑھ گئے ہیں مگر شہد
حقیقت کے لئے ہیں رفیق اولیٰ کا معاملہ ویدیشی ہے نہ

سری الامام علی بن ابی طالب - فصیح و آخضر - اول

(۸) تجربہ و مشاہدہ کے بہ حالت میں فیہ فیہ یعنی ہونے پر ایک میل یہ ہے کہ ہم غور و تنقید کے تمام جہات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا پرواز صرف اسی قدر ہے کہ ہم فطرتاً ہی ایک کھٹا قدر کی حالت تلاش کئے بغیر نہیں رہ سکتے جیسے کہ فی و بگمان غالب مثلاً کثیرہ کے ٹیکے سے پائے غیوت تک پہنچ جاتی ہے تو ہم ایک قاعدہ کلیہ فریبہ وضع کر لیتے ہیں جب ہم اس کے برخلاف کسی اور حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم اس کی وجہ کے متلاشی ہوتے ہیں حالانکہ حالت مذکورہ سے پہلے ہی اسی وجہ کی ضرورت کا خیال ہی رہتا تھا مثلاً متناہیس کی یہ خاصیت کہ وہ زلزلہ کے آنے سے کچھ وقت پہلے مسلوں کی خاصیت ہو جاتا ہے جب تک میں معلوم نہ ہوتی تھی کہ کبھی گمان ہی نہیں گذرتا تھا کہ کوئی حالت ایسی بھی ہو سکتی ہے جس میں یہ خاصیت بالکل نفاذ ہو جائے۔ پھر جب یہ حالت مشاہدہ کر لی تو پوری تحقیقات کی ذہانت میں ایک ایک قاعدہ کلیہ کی مدد پر صوابی گئی۔ اس قدر پر ہمارے بصر ہمارا دوسرا پرواز یہ ہے کہ مثلاً ماویہ میں جب دو واقعات کو وقوع کے لحاظ سے ہم متحد اللہ ان باستعداد الزمان دیکھتے ہیں تو ہم ان کو قیاس کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کا تعلق ہونا چاہیے اسلئے ہم کسی دیکھی پہلو میں ان دونوں میں ایک تعلق کا ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر اپنی آئندہ تحقیق کی بنیاد قائم کرتے ہیں اور اس تحقیق کو اس وقت تک قطعی سمجھتے ہیں جب تک کہ ہمیں کسی برعکاس حالت کا علم حاصل ہو جائے۔ علی بن ابی طالب ہم یہ کہ تو اپنی سابقہ تحقیقات کو نئی شرائط سے مشروط کرنا چاہتا ہے یا بالکل ان کا رد کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس پر سلسلہ کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اسی امر کی طرف ایک متفق فاضل نے جملہ ذیل میں اشارہ کیا ہے۔

1

[illegible]

(۹) یہ بات یہ شدہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہماری حقیقتات ثلث لگوں کے تجربات و مشاہدات کا مجموعہ ہے جس مجموعہ میں ہمیشہ ترمیم و ترقی کے لئے کافی گنجائش موجود رہتی ہے۔ الشکلی مغز میں نئی نئی ایجادات کا موجب بنتی ہیں اس لئے سنت و حرفت کے حصول میں تمدن و معاشرت کی مہموت کو بے نظر نہ کرتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی رہتی ہے مگر اس سے اشیاء کے حقائق اصلیت کا پتہ لگانا محال ہے اس سے تو فقط ادنیٰ اشیاء کو ختمات حصول اصالتوں میں تدریج دینے سے غرض حاصل نتائج کا علم حاصل ہو سکتا ہے اور یا مرنے کو کسی زمانہ سے مخصوص ہے نہ کسی ملک سے نہ کسی قوم سے بلکہ تمدن انہی اسی امر کا مستقانی ہے کہ انسانیت کو ہمیشہ غیر متزلزل رکھے۔ یہ ہماری فطرت ہے کہ جہاں کسی امر کی علت کو ہم جان جاتے ہیں (تواء و علت واقعی ہو یا فرضی) تو ہمارا کام استنباط نائل ہو جاتا ہے اور ہم ایک گونا گونا لینان پالیتے ہیں۔ یہی وہ ہے کہ گذشتہ تمام ایجادات ہماری نظروں میں معمولی معلوم ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا خیال کے رُوسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس مادی دنیا میں صرف اسی قدر تصرف کر سکتے ہیں کہ اشیاء کے اسباب و روابط و نتائج کی تحقیقات سے صنعت و حرفت میں یوں فواید متنی کسے ہیں کہ انسان کے ظاہری کمالات کے لئے صرف اسی قدر مزدوری ہے۔ حقائق اشیاء کے متعلق ہم ہم کوئی قطعی نتیجہ نہیں کر سکتے کیونکہ اسکے لئے ایک دوسرے سلسلہ قوی کی ضرورت ہے۔

(۱۰) مذکورہ بالا تقریر کا حاصل یہ ہے کہ۔

(۱) ہمارا علم دو قسم کا ہے۔ فطری۔ کہی۔

(۲) ہم کسی علم بذریعہ تجربہ و مشاہدہ حاصل کرتے ہیں اور فطری یا بقصدائے فطرت ہیں۔

حاصل ہوتا ہے۔

(۳) تجربہ و مشاہدہ میں ہم کسی سلسلہ علت و معلول کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔
 (۴) علت و معلول میں ہم اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ علل معلول کی علت کیا ہے مگر وجہ لازم
 یہ قطعی طور پر مدعی ہونا باطل ہے۔

۱۰ ہم انسانی بعض غموں کا علم حاصل کر سکتے ہیں مگر میں حقیقت انشائیہ کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔
 ۱۱ ہم اس بسا اذقات و مشروط بشرط ظاہر کرتے ہیں اور شرائط مثبتہ اور ضمیمہ ہو سکتے ہیں مگر میں
 حجب شرعیہ کا علم حاصل ہوتا ناممکن ہے اس لئے ممکن ہے کہ کسی چیز کا کوئی خاص کسی خاص ایسی شرط سے
 مشروط ہو جو ہلکے علم سے متعلق ہے پس اس کا انکار جائز نہیں۔

۱۲ اقوامین فطرت لیے اس کا نام ہے بن کائنات محال عقلی ہوا اور قوانین علویہ ایسے قوانین کو
 بولتے ہیں جو محال نہیں مگر تحریر اور مشاہدہ سے بطور ظن غالب ہم ان کو خواہ حد کلیہ تسلیم کر لیتے ہیں
 لیکن حقیقت وہ کلیہ نہیں ہو سکتے۔

۱۳ (ح) ہمارا علم اضافی ہے یعنی کسی کمال نہیں ہو سکتا۔ بذریعہ حواس ہم صرف انشائیہ مادیات
 تعریف کر سکتے ہیں اور اس سے

العلم للرحمن جبل جلالہ - وسواہ فی غمراتہ یتغیضہ
 مال للشراب وللعلوم وانا - یسعی ليعلمہ انشد لایعلمہ

واقعات کا علم اور عقل

(یہ دونوں بچے ایمان کے ملازم ہیں)

اصل یہ ہے کہ قرآن شریعت دوسری مذہبی کتابوں سے اسلئے ممتاز ہے کہ وہ ہم مقام
 کے بارہ میں عقل کو مخاطب کرتا ہے اور غلات و فنا و کی صورت میں ہی کو حکم قرار دیتا ہے اسلئے
 جس عقیدہ کو ثابت کیا ہے یا میں کا رد کیا ہے دلیل عقلی سے کیا ہے۔ دوسری اور کوئی
 کتاب ہے جس نے محدث عالم پر احرام مادی کی حرکات سے دلیل پیش کی ہے مثلاً سورۃ انعام
 میں اپنی قوم کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دلیل پیش کی ہے اس کو یاد کرو اور حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی احوال ہم سب کو دالے ہر کمال ہے اسلئے کہ اس علم کے جس میں غلطی محال ہے۔ پہلا آدمی
 ایک شبہ خاک ہے کیا علم حاصل کرے اس کی تمام کوشش کا نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ جان لے کہ کچھ نہیں جانتا۔ ۱۲ مذہ

اور مہربانی اللہ علیہ السلام کے عبادت کرنے والوں کی رو میں اس آیت میں خود کرو۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے
 عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسے آدم۔ خدائے نہیں پیدا کیا اور پھر فرمایا موجد اور پھر
 یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے کو اہمیت کی دلیل ٹھہراتے تھے۔
 اثباتِ نبوت میں اس آیت کو دیکھو۔ یا کہتے ہیں وہ تو باقی بنانا ہے نہیں وہ ایمان نہیں لائینگے۔

اچھا آگے بڑھیں تو ایسی ہی ایک بات وہ بھی بنالائیں اور یہ آیت میں پہلے بھی تم میں ایک مدت روکا
 ہوں۔ سمجھتے نہیں "اور یہ آیت" تم کوئی پوتھی کتاب بھی نہیں پڑھتے اور ہاتھ سے لکھ سکتے تھے
 ایسا جتنا تو دل بالکل اور بھی شک میں پڑ جاتے۔ اور عرش کے محال نہ ہونے کی دلیل یہ آیت
 تمہارے آسمان بنائے۔ زمین پیدا کی کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان کے مثل پیدا کر سکے۔ بیشک وہ
 قادر ہے بڑا پیدا کرنے والا ہے اور دان ہے۔ اسی طرح کی اہمیتیں جو علم کلام کی بنیاد ہیں +

صرف عقائد ہی کے متعلق دلیل قاطعہ کرنے پر نہیں کفایت کی جگہ غالباً تم کسی سرورہی کو پاؤ گے
 میں کی دلیل نہ بتائی ہو بغیر معرفت سبب کے تو تسلیم و تقید کو پسند نہیں کرتا مثلاً فرمایا ہے "روزہ
 تم پر فرض ہوا ہے جس طرح کہ تم سے قبل لوگوں پر فرض تھا شاید تم پر ہر گامی کرو۔" یعنی روزہ
 جو مادہ کو قوی کرتا ہے۔ مراقبہ الہی پر نفس کی تربیت کر لے گا نہ الٰہیت پر اس نعمت کی قدس
 شناسا کہ تک پر ہر گامی کا بڑا دلیل ہے تعزیرات کی بابت بتایا ہے کہ اسے ذی عقل لوگوں کو پہلے
 لئے قصاص میں حیات ہے۔ "علاق کے متعلق ہائیتا کی ہے۔" شکی اور بدی یا ہم برابر نہیں۔ کسی
 بہتر طریق سے نالوں طرح جس کو تم سے صلوات ہے ہی تمہارا مہربان دست مودت لگا۔ اسی طرح کی
 اہمیت سی آیتیں جو قرآن کے سوا اور کسی کتاب میں نہیں۔ قرآن کا کوئی مسخرہ تم کو جس قسم کے اقوال
 سے خالی نہ ملے گا شاید تم عقل سے کام لو سوچو۔ اسے اہل عقل۔ اہل دانش جملہ کیلئے وغیرہ
 وغیرہ۔ علم و علم کی شان میں بہت سی آیتیں اتنی ہیں کہ اسے عالم ہی سمجھتے ہیں۔ خدا سے اسکے
 عالم بہت ہی اعلیٰ ہے۔ اس کا مطلب خدا جانتا ہے اور نہ دست اہل علم۔ کیا برابر ہو سکتے ہیں
 جو ذی علم ہیں اور جو ذی علم نہیں۔ ان کے بعد اب مسلمانوں کو کسی ایسے عقیدہ کی کوئی پروا نہ رہی علم صحیح

کے خلاف یا حکم قتل کے متناقض ہو یہی مصلحتیں کفر ایک غیر مسلم کو دیکھو گے کہ وہ ایک ایسے اعتقاد کے آگے سر جھکا رہا ہے جس کو وہ سمجھتا ہے اور نہ سمجھنے کے قابل بنا سکتا ہے بلکہ اعتقاداً ملن کر پھر نواز دیا گیا وہ میں شمول ہوتا ہے تاکہ یہ عقیدہ وہیں میں داخل ہو جائے۔ مسلمان کو قسم سے مصلحت میں ڈپے گئے کہ وہ اپنے فکر سے حجاب کو چاک کر رہا ہے اور اپنی کتاب کے اس قتل پر مل کر کے حکومت اعلیٰ میں ترقی کر رہا ہے۔ کہ دیکھو تو اسلاف اور زمین میں کیا ہو رہا ہے۔

قرآن کسی سے قطعاً حجت اور خوارق عادات کے قیضے میں آگے ایمان کو مصلحت نہیں کرتا بلکہ جو کہتا ہے اس میں غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا اہل قتل گئے ہیں؟ اس طرح پر قرآن نے تمام دوسری کتابوں سے امتیاز کر کے قتل کے لئے ایک وسیع دروازہ کھل دیا کہ قرآن کی باتوں میں بحث کی جائے۔ کیا قلعی طور سے ثابت ہو جائے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی کتاب تصدیق کرنا ایک امر محال ہے۔ قرآن کا یہ طریق نہیں کہ ان کہاں کے شمار کرنے سے فائدہ حاصل ہو اور یہ بد کہ جس سے کوئی قوم غالی نہیں کر اپنے بائیان نہ جھٹکے ایسے انسان نے منسوب کئے ہوں بیوقوف مثلاً حضرت عیسیٰ سے (اگر روایت صحیح ہے) ان قصوں کا انکار پایا جاتا ہے حضرت عیسیٰ فرشتے ہیں۔ یہ شرابی و فاسق لوگ انسانی ہی معجزہ کے خواہشمند ہیں ان کو یہ نہیں سمجھیں حضرت یونس کے معجزہ کے علاوہ اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا جائیگا۔ مطلب یہ کہ جس طرح شہر بنیوہلی کے لوگ حضرت یونس پر فقط ان کے وعظ سے ایمان لانے لہذا اسی صورت سے جو کسی معجزہ کے لوگ مجبور ہو ہی ایمان نہیں اور اس کے بعد جو یہ قتل ہے کہ اس نے کہ میں علی بن ابی طالب کے شکم میں تین دن رات رہے تھے اسی طرح انسان کا دینا بھی زمین کے اندر تین رات دن رہے گا۔ تو اس کی نسبت خود عیسائی مصنفین کا قول ہے کہ یہ کہیں کہیں جانے کی طرف سے شریح ہے یہ قول دو سو دو قتل سے غلط ہے۔ اولاً اس لئے کہ حضرت عیسیٰ زمین کے اندر صرف ایک دن اور وہ رات رہے۔ صراحتاً تمام کتب میں یہ تصریح ہو چکی ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ حضرت عیسیٰ اپنے رفیع کے بعد ان عالموں سے نہ کو کسی پر ظاہر ہوئے اور چند عورتوں اور بعض متغذیوں کے علاوہ نہ اور کسی نے اس کو دیکھا۔ پھر یہ کہ یہ کفر مخالفین کے لئے کافی معجزہ ہو سکتا ہے و خلاصاً

یہ کہ عقل کی اس عبادت سے حضرت عیسیٰ کے تمام موجودات باطل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر زیادہ جرح سے کام لیا جائے جب ہی فقط ایک معجزہ زمین کے اندر بننے کا باقی رہ جاتا ہے جس کا حال تم اچھی سن چکے۔ یہی حالت تمام ایسے مذاہب کی ہے جن کے پاس کوئی ایسی دلیل اس قسم کے قصوں اور عجوبوں کے خلاف نہیں ہے کیا ایسے مذاہب کا مقابلہ اس مذہب کیا جاسکتا ہے جس کا کوئی عقیدہ کوئی امر کوئی نبی اور کوئی حکم ایسا نہیں جس کی عقلی دلیل خود اس کی آسمانی کتاب سے نہ ملتی ہو؟ کیا اچھا این ہے کہ باپ مذاہب عقل کو مردہ کر چکے تھے مگر اس نے زندہ کیا۔ اور علم کو دفن کر چکے تھے مگر اس نے پھر جان ڈالی۔ اس سے بڑی اور کیا اصلاح ہوگی؟

غایت عقل

انسانی عقل جز یہ محسوسات مادی سے باہر نہیں جاسکتی اور ہمارا تمام علم مادی شیا کے تجربہ و مشاہدہ تک محدود ہے مگر ہم بدیہ و عقلی مطلق جو تمام انواع انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور محبت نازل کی گئی اس امر کو یقین کر سکتے ہیں کہ مادی وجودات سے باہر بھی ایک سلسلہ موجودات کا وجود ہے۔ اسی طرح اپنی رستی کا مالک ہے جس طرح مادی شیا کا سلسلہ اور وہ سلسلہ موجودات جس سے ہمارے مادی سلسلہ شیا کی طرح قوانین مخصوصہ کا پابند ہے۔ لیکن یہ حال یہ عامہ ہوتا ہے کہ آیا ہر سلسلہ فلسفہ و طبیعیات ہم ایسے سلسلہ موجودات کا ادراک حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا بھلا جواب تو یہ ہے کہ نہیں مگر اس حال کو ذرا تفصیلی طور پر استدلالی صورت میں اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہم ہر وقت اپنے ذہن میں عقل و ادراک کے پابندیوں اور عقل اور ادراک کا پابند ہونا انسانی حسی کے فزائیکی دلیل ہے۔ مگر ہم کوئی دوسری عقل ایسا نہیں کرتے مگر ہر ایک محسوسات مادیہ نہ ہوں یعنی جن مختلف امور کو ہم بدیہ و عقل و تفکر و ترتیب دیتے ہیں وہ سب کے سب خارجی اشیا کے مادیہ سے ماخوذ ہوتے ہیں خواہ وہ مادیہ یا فزائیکی مادیہ کے لازم ہوں یا عوامی دیگر۔ اور انہیں امور پر ہمارے قیاسات و براہین کے نتائج کا مدار ہوتا ہے۔ ہم کوئی ایسا دوسری عقل نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں جس کے اجزاء یا تو عوامی اشیا کے مادیہ نہ ہوں یا ان کے کسی قسم کا عقلی نہ ہو سکتے

ہوں کیونکہ جو چیز ہمارے دوسرے میں نہیں آتی وہ کسی طرح ہمارے علم میں نہیں آ سکتی۔ حدود لفظ۔ خط۔
 وحدت وغیرہ امور علم ذہنی کا معمول بنتے ہیں مگر کون کہتا ہے کہ ان امور کے مستحقات اشیا باہر نہیں ہیں
 ہم غواہ حقیقتات کے میدان میں کسی حد تک ترقی کر باقیں مگر اشیا غیر معمول ہمارے علم ذہن کا معمول
 نہیں بن سکتیں پس ایسے امور کے وجود تسلیم کرنے انسان کی حیثیت پر ایمان لانے کے لئے ہمارے
 پاس بجز تعلیم وحی کے کوئی ذریعہ نہیں۔ پس بے بس لوگوں کا خیال ہے کہ حقائق غیر مادیہ بشک و گو
 ایسے سدا بہار و ثواب وغیرہ کو اصول مسئلہ و سائنس پر مانگنا چاہئے یہ نہایت ہی احمقانہ خیال ہے
 جس کی تائید بجز کسی دوسری یا بیخبری کے کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اور اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو یقیناً بہشت
 انبیاء علیہم السلام کی کچھ ضرورت نہ تھی کیونکہ انسانی تجربات و مشاہدات سے یہاں دوسرے بزرگوں
 اور انھوں نے نئے نئے ایسا کات ترقی پذیر ہو رہے ہیں آخر ایک نایک دن ان امور کا وجود بھی پایہ ثبوت
 تک پہنچ جائیگا مگر بالکس جس قدر مادی ایجادات روز بروز ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں اسی حقائق
 غیر مادیہ کا انکار بڑھتا چلا جا رہا ہے اور یہ مسلم ہے کہ انسان جس قدر مشاغل مادی میں لیا ہوا مستغرق ہوتا
 ہے اسی قدر روحانی پہلو اور اس کے خوابات کے علم سے دور جاتا رہتا ہے اور روز بروز ہاں متعلق
 ہو کر عالم روحانی اور اس کے عبادت و حقائق کا انکار کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تعلیم وحی
 اور نبوت کو ایک فرضی انسان یا کسی مصلحت وقتی کا نتیجہ کہنے لگتا ہے۔ خود بائبل میں فرما کہ مگر یہ سب
 خوابی اس امر کا نتیجہ ہے کہ انسان اس اوقات اپنے ضعف فطرت کا اندازہ نہیں کرتا اور اپنے محدود اور
 نہایت ہی ناچیز علم پر اس قدر گمنان کرنے لگتا ہے کہ جہاں ایسے چند ایک مسائل کا پتہ لگایا مفلحت لوگوں
 کے لئے غیب سے آواز ہو گیا تو یہوں سمجھ دیتا ہے کہ از عرض بریں تا عرض زمین مفسدہ کائنات
 کی حقیقت اور اشیا کے رابطہ طبعی کا اسے علم حاصل ہو گیا ہے مگر وہ ایک نابل دل کے اس قفل سے باہر
 نوا وقت ہوتا ہے کہ اگر انسان اپنے ذاتی معلومات کو ان معلومات سے علیحدہ کر دے گے جو لوگوں سے
 اس نے مستعار لئے ہوں یہی تو غالباً اس کا علم سفر کے حد تک آ رہے گا۔ بہر صورت یہ ہمارے تعلیمی

فلسفی ہے کہ ہم اپنی عقل جزئی کے دائرہ میں کچھ تک کر لیں اور کبھی ایسا چاہتے ہیں جو افاقہ عقل میں
 نہ تھا اب عقل عقل سلیم ہم کو نہوت اور ہی کی معرفت کا پتہ دیتی ہے مگر ہر متعلق کا علم جو جنسوں تعلیم ہی
 میں ہی ہوتا تعلیم ہی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے لہذا یہی اسی امر کی طرف ایک حقیقت میں نے دلیل لکھا
 خدا کیا ہے۔

العقل سر قتی الی سر البطالطبا یخ ولا یر قتی الی ما و سلا عھا من الذم لفع سے
 نہ ہر جائے مرکب تو اس تناحقن - کہ جا با سپر باید انداختن

دہریت

جب ہم کسی مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متعلق ہم تمام ایسے اسباب کی تلاش کرتے ہیں
 جو ہماری تحقیق میں بالواسطہ یا بلا واسطہ کچھ نہ کچھ دخل رکھتے ہوں مثلاً اگر میں یہ معلوم ہو کہ فلفلسفہ عام
 کے قانون تہذیب کی حقیقت کو ہمیں تو یہیں ضروری ہو گا کہ ہم اصول طبیعیات کی طرف رجوع کریں اور
 اس فن کی کتابوں میں قانون مذکور کے متعلق جس قدر تحقیق کی گئی ہے اس پر ہم مطلع ہونگے اسی قدر ہماری تحقیق
 صحیح اور قابل اطمینان ہوگی اسی طرح اگر ہم یہ چاہیں کہ کسی خاص سیلے کی مقدار حرکت اولیٰ اپنے مدار میں اس کے
 اوضاع مختلفہ کی کیفیت کا اندازہ لگائیں تو جب تک ہم علم سیست کی کتب کی طرف متوجہ ہو کر
 قواعد ضروریہ سے بخوبی واقفیت حاصل نہ کریں مسئلہ مذکور میں ہم کو کوئی صحیح جواب نہیں دیا سکتے علیٰ ہذا
 یہ بات ہر حالت میں مسلم ہے کہ کسی مسئلہ کی تحقیق کیسے ہیں اس کے مسئلہ علوم و فنون کی کتابوں پر کافی مبہوت
 ہونا چاہئے۔

مگر یہ بات بالکل ایک معمولی اور سرسری خیال ہے جس کی صحت میں کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا مجھے
 اس پہلو کو نظر انداز کر کے اس امر کی طرف توجہ کرنا مطلوب ہے کہ ہر علم و فنون کی کتابوں سے ہم کسی مسئلہ
 کی تحقیق کے لئے قواعد ضروریہ اور اصول اولیہ کو یکسر سکھتے ہیں وہ علوم و فنون کی نگار گزشتہ بڑے بڑے مسائل

سلسلہ جزئی مادی مشائیں میں سب سب کا حق دریافت نہ کر سکتی ہے مگر یہی وہ سبب نہیں ہو سکتی۔ ۱۰

کا جواب معلوم اور سر پر نہیں بلکہ نہایت دقیق فکر اور غور پر مبنی ہے۔ انسانی دنیا میں جن ملک جس قدر بلاد اور
قانون کے متعلق تحقیقات کا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے ان میں سے کسی ایک علم جن کو لو اور اس کی کیفیت وین
پر نظر کرتے ہیں باآخر معلوم ہو جائیگا کہ انسانی تحقیقات کی بناء علیہ اس نوع فطرت کا نتیجہ ہے جس کو حکیم مطلق
نے اپنی حکمت کاملہ سے پہلے اندر ولایت رکھا ہے اور یہ وہی نوع فطرت ہے جس سے حضرت انسان
نے و شرف المخلوقات کا مرکز و قلب حاصل کیا اور ایک جاندار مخلوق ہونے کے لحاظ سے انسان اور دیگر
حیوانات ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی نوع فطرت ہے جس کو قوتِ عالم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے +
چونکہ قوتِ عالم تمام فضا میں موجود ہے گو اس کے طبع مختلف ہیں اسے یہاں طبعاً
سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قوتِ عالم جس کو عقل انسانی بھی کہہ سکتے ہیں ہر ایک امر کی تحقیق کے لئے کافی ہو سکتی
ہے تو پھر تعلیم و وحی کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ یہ بات تو مسلم ہے کہ اگر کسی خاص امر کی تحقیق سے فائدہ - مورد
بکہ فائدہ مند وہی تو کیا ضرورت ہے کہ تمام افراد انسانی مذکورہ قرار دیئے جائیں اور جیکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی
عقول ہمیشہ اپنے دن نہایت عجیب و غریب محکمات علیہ سلسلہ پیش کرتی ہیں تو بالیقین ہیں اس امر کا اقرار
کر دینا لازمی ہو جاتا ہے کہ انسانی عقل کے لئے ہم ایک ایسی خاصیت کا پتہ نہیں لگا سکتے جس کی نسبت ہم
قطعیاً یہ فیصلہ کر سکیں کہ عقل انسانی اس سے آگے تجاوز نہیں کر سکتی اس کی تائید علومِ عبیدہ کی معتاد فروع
حقائق کے دیکھنے سے اور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں مالک و مغربی کے حکماء نے ایک قسم کی ایسی ہی
گروہوں کو جس سے کسی تحقیق کی ہے جو جسم کی دوسری طرف کو نمودار کر سکتی ہیں اور اس طرف کے آدمی کو
دوسری طرف کی تمام کیفیات کا شاہدہ برابر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آلہ سے ڈاکٹر ول نے جسم کے شعاعی
انسانی جلیلیوں کی تحقیق میں ایسی مدد حاصل کی ہے۔ یہ اور ایسی قسم کے دیگر بہت انگیزہ عجائبات عبیدہ
کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج جن امور کو اسرارِ غیبیہ کہا جاتا ہے اور جس کی نسبت اکثر موجد و ماسٹر گزنیال
ہے کہ وہ ان تعلیم و وحی حاصل نہیں ہو سکتے کسی آئندہ زمانہ کی تحقیقات سے مختلف علومِ مروجہ کے اصول میں داخل
ہو جائیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جبکہ فی امر کسی شاہدہ یا تجربہ کی ذیلیں آتو تہا ہے اور اس کے مسئلہ سبب
پر ہم علی طور پر بحث کر سکتے ہیں تو اس کے متعلق ہمارا اہم تحریر اور استنباط زائل ہو جاتا ہے۔ عرب کے

شعراؤں اور محضے افریقہ کے وحشیوں کو اگر آپ سے دو سو سال پہلے یہ کہا جاتا کہ تار برقی بحساب سائے
 سائنس کی سیکشہ حاصل کرتی ہے تو وہ کسی باور رکھتے مگر آج وہی لوگ ہیں کہ یہ تمام تفاسیر ان کے لئے
 معمولی باتیں بھی جاتی ہیں گو وہ خود ابھی ان سے مستغنی نہیں ہو سکے انہیں حیرت انگیز ایجادات نے دنیا
 سیر کی قوموں کو کونکر دیا ہے اور جن جن ممالک مغربی لاسطیعے زمین پر پھیلا چلا جاتا ہے وہاں
 کی قومیں اس کی طرف جھکتی چلی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر تسلیم و حسی کے ماننے والوں کے پاؤں ڈھنگا گئے
 ہیں۔ اور مذہب کو برائے نام صرف بطور امتیاز ضروری سمجھتے ہیں ہم لوگ یہاں بیٹھے اس امر کو
 کافی افسوس کے ساتھ تسلیم کر لیتے ہیں کہ مغربی ممالک کی قومیں اس امر کے دھپے ہو رہی ہیں کہ مذہب کی
 خصوصیت تمام اقوام عالم سے اٹھادی جائے کیونکہ انہیں یقیناً معلوم ہے کہ مذہبی عقود کی پابندی
 قوموں کے عام احتلاط کی تحت ملاحظہ ہے اس لئے گو کسی ملکی قانون میں اس امر کو بالمشترک ملحوظ نہ
 رکھا گیا ہو کہ مذہبی امتیازات کو الٹا دیا جائے مگر مغربی ممالک کی قانونی روش کے علیٰ متنازع ہر ایک
 مذہب کے کمزور کر دینے میں پورا پورا قبضہ و تصرف رکھتے ہیں۔ اسی طرح سلسلہ تصنیف و
 تالیف کی بناء پر بھی ممالک مغربی میں قیود مذہبی کے اٹھا دینے پر قائم کی گئی ہے جس کی تائید میں اکثر
 فاسطہ عمر جو سرگرم رہے۔

(سوال) اگر کیا مذکور بالا اہم باتیں جدیدہ کا رضاء فزوں ترقی پر ہوتا دھاتی اس امر کی تفسیر
 دلیل ہے کہ مسانی دنیا کسی آئندہ زمانہ میں تعلیم ہی کی ضرورت سے سبکدوش ہو جائیگی؟

(جواب) یہ سوال اس سے موجودہ زمانہ میں بافصوص قابل فریبہ ہو گیا ہے کیونکہ مغربی تعلیم
 کے لوگ تو بڑا قریباً اس کی اہمیت پر جھک رہے ہیں اور بعض تو حکم کلام اس امر کا اقرار کر چکے ہیں
 کہ ہم ایک ایسے ہندوب اور الال زمانہ ترقی تک پہنچ چکے ہیں کہ اب جنت و جہنم وغیرہ امور کے وعدہ
 و وعید کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ باتیں عوام الناس کے لئے صرف اس زمانہ میں ضروری تھیں
 مگر تیسری صدی انسانی تمدن و ماضیت کے متعلق کسی قسم کی ترقی ہندوب کا آغاز نہیں ہوا تھا اب
 جبکہ علوم و فنون جدیدہ نے ہر شے کے لئے تمام ترقی کی راہیں کھول دی ہیں اور ہم اپنے ہر ایک متعلقہ

کے اصول کا یہ گم گیا ہے اور شائستگی اور تہذیب کو پورے طور پر ہم سمجھنے لگ گئے ہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ دو وعید سے جو صحت فرضی اور دوسری باتیں ہیں جو مسلمان زمانہ نمازیں نے عام یا اہل کو مجتہد بنانے کے لئے بطور مصلحت مان رکھی تھیں انگوٹوں کو اطلاق و تہذیب کی طرف متوجہ کیا جائے ۔

ناظرین غالباً سمجھ گئے ہونگے کہ اس اصول کی بنا غلط و بہت پر قائم ہے جس کا جائز یا حرام عید نے رد کیا ہے کیونکہ جو شخص انسان ہستی کے لئے مرنے کے بعد کسی دوسری زندگی کا اقرار کرتا ہے وہ باستانی تعلیم ہی کی ضرورت کو قبول کر سکتا ہے اور ایک امن کے لئے بھی اس صریح کفر کو نہیں مان سکتا۔ اس قطعی کی وجہ یہ ہے کہ وہ کچھ نہیں کہ مسترضین نے انسانی ہستی کی حقیقت اور اس کی غایت پر حقائق کو نہیں کی بلکہ انسان کو صرف ایک ایسا ذی شعور حیوان تسلیم کر لیا ہے جو اس دنیا میں مخلوق انسانی اور لذات جسمانی سے متعلق ہو کر خاک میں ملاتا ہے جس کا بعد میں کوئی اثر و نشان باقی نہیں رہتا۔ اس لئے میں صرف حقیقت انسان اور اس کی غایت پر بحث کرتا ہوں کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مرنے کے بعد اس کو کسی نئی زندگی میں اپنے اعمال نیک و بد کا جواب دینا ہے تو اس بات کا ماننا لازمی ہو جائیگا کہ آئندہ زندگی کی اصلاح کے لئے انسان کو تعلیم دینی کیلئے کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ آئندہ زندگی کے حالات ایسے ہوں اور موت اور لگ سے غلبہ ہیں اس لئے ان کی تصدیق انسانی مشاہدہ و تجربہ کے اصول پر ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اس کی تردید کو بذریعہ قتل دیکھ سکتے ہیں اور اس سے نیا وہ کچھ نہیں کر سکتے ۔

انسانی حقیقت کے سمجھنے کے لئے پہلے اس امر کا فیصلہ کر لیتا چاہئے کہ موجودات و اصولی مادی اور فیزیکی میں کس قسم کے مادی اور فیزیکی قریباً پیچیدہ مادی اس امر کا انکار کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک تمام موجودات صرف مادی اشیاء میں منحصر ہیں لیکن حق یہ ہے کہ کوئی ایسی قطعی دلیل بخیر و ہم نمونہ کیلئے ہندی کے ترجیح ان کی طرف سے نہیں مل سکی جس پر فطرت انسانی جو بعداً دریافت عمل پر مبنی ہوتی ہے قانع نہ ہو سکے۔ فرض کرو کہ اگر ہم مقصود ہی دین کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیں کہ سلسلہ کائنات کا کوئی ایسا صانع حکیم مطلق جو تمام صفات کا مل سے مستغنی ہو نہیں ہے تو لازماً

ایک اندہ فی شہادت بلکہ اس خیال کی تکذیب کرتی ہے اور کسی بالذات کی تلاش رہتی ہے کیونکہ
 جب ہم سلسلہ نظام کائنات میں کل فہم کرتے ہیں تو ہمیں ایک جڑی زبردست اعتقادی اہمیت ملتی ہے
 یعنی کریمہ لازمی ہو جاتا ہے اور یہ شہادت ایک ایسی عقلی اور غیر متبدل حجت ہے جس کا ہر ایک
 کو باطن آدمی کے کوئی انکار نہیں کر سکتا پس یہ ایک زبردست دلیل ہے جس کا بدلے آفرینش
 سے آج تک انبیاء و صلوات علیہم السلام اور دوسرے زمین کے اہل علم ہستی ذات داری کے متعلق پیش کرتے
 چلے آئے ہیں۔ اور میرے خیال میں ہرگز اس کے اور کوئی دلیل اس موضوع کو پایہ ثبوت نہیں چھو سکتی
 یہ دلیل اس اسلحہ پر مبنی ہے کہ تسلی فطرت کسی واقعہ کو بدون اس کے سبب کے نہیں دیکھ سکتی کیونکہ
 جب اسے کسی واقعہ کا سبب معلوم ہو جاتا ہے تو وہ بقدر علم مطمئن ہو جاتی ہے وہ نہیں۔ چونکہ یہ
 شہادت محض فطری شہادت ہے اس لئے میں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر کوئی باطن آدمی کے
 اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ہر طرح بعض لوگ عاجز و بے بصارت پیدا ہوتے ہیں اسی طرح
 بعض لوگ غفلت و بے بصیرت بھی پیدا ہوتے ہیں سو ان کے لئے کسی کے پاس کوئی چارہ نہیں
 بلکہ مذکور بالا فطری شہادت کا انکار کرتے ہیں اور حقیقت ایک بڑی بھاری عقلی میں جتنا جوتے
 ہیں کہ مذکورہ اشیائے موجودات کا ایک خاص سلسلہ نظام و ترتیب میں واقع ہونا اور ہر ایک کا اپنے طبعی
 خاصہ کے دائرہ میں محدود رہنا کوئی ایسا سرسری امر نہیں جس کو صرف مادی انقلابات کی تسلسلہ و
 رکھا جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ منکر اس ترتیب و نظام اور خواص اشیاء کو اگر صرف مادی انقلابات
 کا نتیجہ تسلیم کرے تو امر زیر بحث کا سلسلہ منقطع نہیں ہو جاتا کیونکہ مادی انقلابات بجائے خود کوئی علت نہیں
 ہو سکتے مادیات صرف قوت منفعلہ محض ہیں۔ قوت فاعلہ یعنی اشیائے مادی میں صرف کسی دوسری
 شے سے اثر قبول کرنے کا خاصہ پایا جاتا ہے اور خود کسی دوسری چیز میں اثر پیدا نہیں کر سکتیں۔
 بیشک یہ صحیح ہے کہ وہ چیزوں کے اتصال سے ایک خاص نتیجہ پیدا ہوتا ہے مگر مشکور یہ ہے کہ یہ
 اتصال ہاں سے پیدا ہوا ہو کہیں دوسری دو خیالات کے متصل سے وغیرہ یہاں نہ ہوا! اگر کوئی شخص اس
 سوال کا یہ جواب دے کہ کیا اتصال ان کی شکیبائش کا نتیجہ ہے تو ہم کہیں گے کہ اوپر دو چیزیں تو علیحدہ علیحدہ

دوسری خلقت کے آدمی کو کبھی کسی بات پر یقین حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہیشہ شک و تردید کی حالت میں خاص
 ورجان مبتلا ہے کیونکہ حق صرف مسدود عید سے حاصل ہوتا ہے جس سے دل مرکز صداقت پر نہایت مضبوط
 طرے اپنے پاؤں چلا رہا ہے مگر تو سیکس سے مل سکتی ہے قرآن مجید سے ہر جامع ہادی برحق
 جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کو خزانہ رحمت امتنا ہی سے بفرض ہدایت عالمین عطا ہوا۔
 "ذَٰلِكَ مَقْضٰی اللّٰهِ یٰۤاٰدِمَہُ مِنْ اِیْشَہُ وَاللّٰہُ ذُو الْمُنْتَلٰی الْعَظِیْمُ"

دوسرے کا آغاز اس امر سے ہوتا ہے کہ انسان سلسلہ نظام ہدایت کو اشیا مادیہ کا ایک طبعی خاص
 تصور کرنے لگتا ہے یعنی وہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ ایک مادی چیز دوسری مادی چیز میں قطعاً اپنا اثر پیدا
 کرتی ہے اور دوسری چیز اس کے اثر کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح تمام سلسلہ کائنات میں اشیا کے اندر
 اس کے طبعی خاص کی روتے تاثیر و تاثر کا عامل مادی ہے اور کوئی ایسی الخلق طاقت اس تاثیر و تاثر
 کو اپنے قبضہ قدرت میں نہیں رکھتی جس کو خدا تعالیٰ کا واسطہ کے نام سے پکارا جاتا ہے مگر ایسے بدو
 کو اتنی سہولت نہیں ہوتی کہ اس امر کو وہ بالکل دلیل گردانتا ہے اسی کی تہ میں ہستی ذات مادی کے وجود
 کی قطعی دلیل موجود ہے جو وہ زمانہ میں سلسلہ اسباب پر لوگوں کی توجہ زیادہ مبذول ہو رہی ہے اور یہی
 امر موجب شذوذ تعلیم ہے۔ کسی اہل حق نے کیا ہی کہا ہے "لو کلا الاسباب لما استتب مرتابہ"
 یعنی اگر یہ سلسلہ اسباب عوام الناس کی نظروں میں نہ ہوتا تو کوئی شخص بھی کبھی شک میں نہ پڑتا سلسلہ اسباب
 کی ہستی اور عزت سے تو ہمتی کسی کو شمار نہیں کر رہے اور شرکیہ فرق ہی ہے کہ وہ تو سلسلہ اسباب
 کو واسطہ سمجھتا ہے اور ذات مادی کو قائل مؤثر اور شرک کی نظر واسطہ سے آگے تھا وہ نہیں ہوتی مگر اس
 خیال باطل کی تائید تو خلقت انسانی کر سکتی ہے نہ تعلیم اسلانی ۔

دوسرے کے رد میں آج تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر وہ بالاسطہ میں اس مذہب کے
 ابطال کا شہوت پیش کیا گیا ہے مگر یہ جزئی مزید اہمیت اسی خیال کو زیادہ تصحیح کے ساتھ بیان کیا جاوے
 (۱) علامہ غیبی کہ ہم جو ابھہ میں ایک نظری خیال ہے اور انگریزوں کا ایک ہی علم ہے اس کا تجزیہ
 ہو سکتا ہے کہ ایک تو علم ہی جب کوئی اسلام کرتا ہے جو کسی کی مرضی کے برخلاف ہو لاگو اس کو اس کے

کرنے کی ممانعت نہ کی گئی ہو مگر پھر بھی اس کو جو ایسی کائناتیں رہنما ہے اس فطری خیال سے ہم نتیجہ نکال
سکتے ہیں کہ ہر طرح ہادی بمانی بناوٹ میں قتل کا وجود پہلے ہے اسی طرح سلسلہ کائنات میں قتل کا وجود
پہلے ہے اور حدیث نبویہ علیہ السلام میں اس کی تائید موجود ہے حدیث قال "اول ما خلق الله متعلق
اس خیال سے یہ مستند ہوتا ہے کہ سلسلہ کائنات میں کسی غلیم انسان متولد ہوا ہے اس متولد ایک نسل سے
اس لئے کائنات ایک نئی متولد ہوا ہے ۔

اب آج تک سلسلہ کائنات کی ابتدا کا ہم کو کچھ علم نہیں اس لئے قتل کا اس سلسلہ میں تسلیم کرنا
ہمیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں قتل کا وجود پہلے ہے اور چونکہ قتل ایک آزاد طاقت ہے اس لئے
وہ کسی مادی قوانین کے تابع نہیں ہو سکتی کیونکہ مادی قوانین تعصید سے باہر نہیں جا سکتے گویا قتل حکم ہے
اور اسی قوانین اس کے حکم پر چونکہ انسان کی قتل جنی جی مادی تصرفات کی علت ہے اس لئے سلسلہ
کائنات کے لئے بھی ایک قتل ہی کا وجود اس کا اصل ہونا ضروری ہے ۔

(ج) سلسلہ کائنات کے وجود کے متعلق ہمارا علم دو حصوں میں محدود ہے (۱) یہ کہ کائنات کا کوئی
آغاز نہیں ہوا کہ اس کا کوئی آغاز مطلق ہے۔ مگر خدا کرنے سے معلوم ہو گا کہ ہر وہ کائناتی شے جس نے
قوانین پر مشابہہ و مشابہہ محال ہے لیکن یہ ہر وہ خیال ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور سلسلہ کا وجود نہ کہ نہ تو
اجتماع نقیضین صحیح ہے اور نہ ارتقاع نقیضین یعنی اقترام ہر وہ کو بالکل قرار دے سکتے ہیں نہ ہر وہ
کو حق مگر ہماری فطرت اس شکیہ حالت پر قائل نہیں ہو سکتی اس لئے ہم اپنی ذات کی طرف رجوع کرنے لگے
ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم ایک قتل آزاد ہادی کے ماتحت ہیں یعنی ایک اخلاقی اور آزادانہ عمل علیہ اندر موجود
ہے جو کسی عامل کی ذات سے قائم ہے۔ اور ہمارا یہ خیال ایک فطری عمل ہے یعنی اکتسابی نہیں اس لئے
ہم بالکل سلسلہ کائنات میں بھی ایک اخلاقی اور آزادانہ عمل کا وجود ضرور تسلیم کرتے پر مجبور ہیں
اور اسی لئے ہم سلسلہ کائنات کے آغاز مطلق کو تسلیم کرتے ہیں گو کہ ہمیں اسکی کبھی تفصیلی علم نہ ہو ۔
ملاحظہ کریں ایک ایسے سلسلہ کی تسلیم میں میں اور غیر متشکل قوانین کا تو کہہ سکتے ہیں انسانی نفس مادہ
کو اس ذات نہیں کہتی کہ وہ حقیقت آزاد ہادی کو سمجھ سکے کیونکہ اس بات کے تسلیم کر لینے سے کہ تمام

حکایات پابند بقید ہے اور کسی عامل عقلی کی مکمل نہیں ہیں صداقت کی لانا جہا تلاش کی طرف سے باطل
 رکھ دیتا ہے اور میرے خیال میں ایسا دشمن بجائے خود قوانین فطرت سے زیادہ مل جل جوبہا ثابت کیونکہ
 کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ اطمینان حقیقی صداقت کی ضد ہے گویا وہ اپنے انکار سے یوں ثابت کرتا
 ہے کہ دنیا میں حقیقی صداقت کا کوئی نمونہ نہیں مل سکتا کہ یہ خیال باطل باطل ہے۔ تاہم کو یہ بات فراموش
 نہ کرنی چاہئے کہ علماء مشرقین یا علم الہیات کے جاننے والوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کو خدا کی
 برحق اور اس کے لامتناہی اسرار و معارف کا علم مادی قوانین فطرت تک محدود رہنے سے کبھی حاصل
 نہیں ہو سکتا کیونکہ قوانین فطرت کی قید انسان کو مادی موجودات سے زیادہ اشراف ثابت نہیں ہونے دیتی
 کیونکہ اس پر ہے کہ قوانین مادی کو تین سو سی صدی کا خیال کر کے حقیقت سے الٹی حاصل کریں اسلئے
 کرام کا یہی مسلک ہے اچھا بھلا اقلوں کا قول ہے کہ قوانین فطرت کو افضل قرار دینے کی غلطی نے
 خدا کے اعتقاد کو آڑا دیا ہے +

کینٹ جبر میں فلسفی کا قول ہے کہ مادی دنیا بشری طرح کو اختیار اور قافی خلقت کرتی ہے مگر عالم انوار
 میں کی فضیلت برساتا ہے اور اس کا اس چند فرقہ نہ نہ گی کے بعد باقی رہتا پسند کرتا ہے۔ جگونی
 کا قول ہے کہ قدرت یعنی مادی قدرت خدا کو مخفی رکھتی ہے اور انسان خدا کا مظہر ہے اور یہ بات کہ
 خدا صرت الہامی کتابوں سے کتاب ہے حق ہے۔ شجرت ذات باری کے متعلق قرآن مجید نے وقیم
 کے دلائل پیش کیے ہیں :-

اول۔ دلائل آفاق یعنی ایسے دلائل جو عالم قاری کی سمیت میں نہ رکھنے پر مبنی ہیں۔

دوم۔ دلائل انفس یعنی ایسے دلائل جو انسان کو اپنی سمیت ذات میں نہ رکھنے پر مبنی ہیں۔

لے کہ شہر پر جو قوم کا ہوا تھا اس میں ایک غلط کو خوب زور رکھا تھا ایک مذہب کا اس کے گھلن پر جو قوم تھی اس نے اس کی
 قرآن میں اس کو سب سے زیادہ زور دیا اور میرے دلی کہی تم کی قیام فکر کا مودہ و قائل میں نہ تھا۔ شریعت سے پہلے کہ کسی
 عورتان میں نہیں اور کہنے لگا کہ مجھے اپنے خیال میں بہت پیچیدہ تھا کہ میری طبیعت میں جو غلطی تھی کہ وہ گھلن رہتا
 تھا کہ میری طبیعت میں کوئی فرق نہ تھا کہ میں کوئی جلد ہو تو نہ تھا۔ یہ بات کہ ایک مذہب کا تہ تو میرے ذات
 لے کہ وہ مذہب میں جو قوم کا ہوا تھا اس میں ایک غلط کو خوب زور رکھا تھا ایک مذہب کا اس کے گھلن پر جو قوم تھی اس نے اس کی

ان ہر دو قسم کے وظائف کو آیہ "وَفِي الْأَمْثَلِ آيَاتٌ لِّمُؤْمِنِينَ ذِي الْأَلْبَابِ" میں بیان کیا گیا ہے مگر جو لوگ فطری کچھ نہیں ہوں ان کو بعد ازاں دست کر سکتا ہے۔
 فانها لا تمنى الا بصار وكن تمنى القلوب التي في الصدور لا اله الا الله *

منجربیت

العقل الہ اعطيت لذلك العبودية لا لتفرد في الربوبية

عقل ایک کتبہ جو حقیقت عبودیت کے سمجھنے کیلئے عطا کیا گیا ہے نہ نبوت میں تصرف کے کیلئے
 افراط و تفریط انسان کا عقلی خاصہ ہے اور اس کے کمال حقیقی تکلیف پہنچنے میں ہمارے ساتھ

ہو جاتا ہے یہی افراط و تفریط ہے اگر افراط و تفریط کا مندرجہ مذکور ہے کہ انسان اپنے علمی
 عمل میں کثرت یا کمیت کو غور نہیں کرتا بلکہ عد و اعتدال سے یقیناً پورے پورے کو جاننا ہے۔ مگر
 معتدلات و حیات میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ہی اسلامی شریعت کے مقصد کو پورا کرنا ہے۔ چنانچہ ہر فرد
 پانچ و چھ اہم اصول المستقیہ کہتے ہیں جو کل منہج پر اس کے کچھ نہیں کہ ہم نبوت شریعت و خضوع
 کے ساتھ جناب باری عز و جل سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اعتدالات اور عمل کی اس روش پر چلنے
 جو الذین النعمت علیہم یعنی انبیاء مدینین شہداء اور دیگر صالحین کو حاصل تھی جو کداس مراط
 مستقیم شریعت پر چلنا انسانی زندگی کا اہم و اشرف مقصد ہے اس لئے خداوند کریم نے محض اپنے
 فضل بے پایاں سے ہمیں وہ دو عالمین فرمائی ہے جو ہماری تعلیم دینی و دنیوی مصلحتوں پر مشتمل ہے۔ تمام
 اہل علم نے اس سے باہر اتفاق اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ سے برسرِ کمر آج تک کوئی مومن کلمات
 کسی مطلق کتاب میں نہ پائے گا۔ چنانچہ بعض علمائے ربانی نے لکھا ہے کہ ما بعد دنیا عظیم اسلام
 کی تمام کتب منزلہ کالباب قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کی تعلیم کالباب یہ سورۃ فاتحہ ہے جس

سورۃ میں ہر حق کہتے ہیں کہ جسے وہاں توحیدات باہمی اور میں اختیار توحید ہی ہے کہ کیا قرآن میں کہتے ہیں کہ سورۃ
 ہے ان لوگوں کی تعمیل کسی نہیں کہ جس کے دل اس میں ہے۔ فاعوذ باللہ من الخۃ۔ سورۃ *

کے فتنے کی ہے نہ تباہی کا سبب تھا سید و مملویش میں مرقوم ہیں۔

چونکہ مستحکات اور اعمال میں لازماً تفریق کا ملولہ کتنا سخت و شدید ہے اس لئے خداوند کریم نے ہم پر احکامات جنہاں محتاج کو ذوق نہیں دیا ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ بصورتِ کامل اتہار ہم ہر ہادی کے روجہ سے سبکدوش ہو کر خیرِ ابدی کے ایک ہوا جائیگے۔ خدا کوئی شخص خواہ وہ کسی پاپ کا حکیم و دانشمند ہو اپنی کس مستحکات و اعمال میں لازماً و قہراً لٹے غالی نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی انسان کی صفتِ فطرت کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے تھوڑے قدر پر استغور و مجبور کر لیتا ہے۔ کہ وہ اپنے تئیں شریعتِ حق کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے کر اپنے نفس اور غلطی سے خیالات کو بجا بل شریعت زیادہ قابلِ اعتبار بن کر رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عقلِ ناممالک ایک بہت بُری آفت اس کے پیچھے لگی ہوئی حالانکہ یہ مسلم ہے کہ عقلِ جزئی جو ہر ایک فرد بشر کو عینہً عینہً ملیدہ و کچھ دیکھی ہے صرف اسی حد تک اس کے ساتھ جے سکتی ہے جس حد تک فطرت اس کو پہنچانا چاہے۔ اور اپنی حد سے آگے اس کا تجاوز کرنا خیالِ مضی ہے۔ یہی طرح ضروری حد تک ذوقِ نفس سے کام نہ لیتا بھی مخالفتِ فطرت کرتا ہے۔ پس میں سوچ کرنا چاہیے کہ انسانی فطرت کی بہترین تقدیر کیسے عقل کا محکم بدلے و سنگیری کر سکتی ہے؟

ہماری فطری معذوری | ہم اپنی فطری معذوری سے کبھی عینہً نہیں دیکھتے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم معذوری

ہیں اس لئے اگر ہم اپنے قوا سے اس کی ذاتی قابیلیت سے زیادہ کام لینا چاہیں گے تو اس کا نتیجہ ہماری ہلاکت ہو گا مگر اس امر کا بھی موازنہ کرنا کہ ہم کہاں تک اپنے قوی سے کام لے سکتے ہیں سخت مشکل ہے۔ اسی ایک ظلمی کا نتیجہ ہے کہ بعض اوقات اکثر سبیل اپنے جسمانی قوی پر غنا کا رُجھو چھوڑ دیتے ہیں جس کا نتیجہ کوئی جسمانی فعل یا موت ہو تا ہے۔ اور اسی طرح اکثر سبیل غصہ جو

حکومتِ مملویش میں ممکن کے مستحکات میں کس قسم کا ہے۔ یہ باتیں اصل میں ہیں کہ بعض میں کی قوتِ اہم کا رُجھو کرنا چاہیے۔ خداوندی سے لڑائی کی حالت میں بھی کہ تو باطل و الضمن فطری سے سبکدوش ہو کر کس قسم کی شہادتِ انسانی میں مستثنیٰ اور بخشش سے اور بعض ایسے میں کہ جس کے مستحکات و اعمال میں تو کس قدر صلاحِ حق کی علامات کے میدان میں ایک قدم بھی چل سکے۔ ان کے اس صفت ایک انسانی حالت کا پابند بنانا کافی ہوا گیا تھا مگر یہ سب صفت ہیں۔

تو وہ دماغی کو ایسے مہر میں لگاتے ہیں کہ مزید عقل سے بااثر ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کے غلط خیالات کے مستعد ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہ ان کی مدد عقلی ہدایت ہے لیکن اگر ہم اپنی معذوری کی حد کا صحیح اندازہ لگائیں تو ہم ہر ایک طرح باطن و امان زندگی بسر کر سکتے ہیں +

اس معذوری کا معیار | جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن انسانی ذہن حاسن عقل و فطرت میں

تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ قرآن انسانی ذہن میں ہم عقل کا کوئی خاص ایسا بچہ قائم نہیں کر سکتے ہیں کی نسبت یہ یقین ہو جائے کہ اس درجہ سے آگے عقل انسانی کا کوئی درجہ ممکن نہیں بلکہ یہ خیال کہنے کی گنجائش ہر حالت میں ہوتی ہے کہ کسی خاص غلط درجہ سے آگے بھی کسی وجہ عقل کا وجود ممکن ہو سکتا ہے لیکن جب ہم یہ نظریہ اجمال فقیر کسی خاص فرد کی حالت پر غور کرنے کے ایک عام نظریہ انسانی فطرت پر غور کرتے ہیں تو ہم یقین ہو جاتے ہیں کہ کوئی خاص حد عقل جنونی کی نہیں معلوم نہ ہو سکے مگر یہ قضیہ ہر حالت میں صحیح ہے کہ کوئی انسانی عقل ناقص عقل کی ہدایت میں جو سکتی ہے جب یہ دو مستقل خیال علم و ایمان کے ساتھ ساتھ موجود ہیں تو فیصلہ کا ایک طریق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا عقلی معیار نہیں جس پر عقل کی محدودیت کا اندازہ لگا سکیں اور اگر کوئی شخص اپنی طرف سے تجویز کر لے گا تو وہ اس کی اپنی عقل کا نتیجہ ہو گا جسکی پابندی دوسروں پر لازم نہیں مگر یہ جواب جو بالکل قطعی میں دیا گیا ہے سو فیصلہ اسی حد تک صحیح ہے کہ اس کو کسی عقل انسانی کا فیصلہ قرار دیا جائے اور اگر دینی آسمانی سے اس اپنی محدودیت کا پتہ لگ جائے تو ہمیں عقلی اس کی پابندی لازم ہو جائیگی یعنی ہم صورت میں وہی آسمانی جیسے عقل کی حد کا پتہ دیکھیں تو ہمیں لازم ہو گا کہ ہم اس حد کی تعمید داشت کریں پس وہی آسمانی ہماری معذوری کی مدد کر دینے کے لئے ایک صحیح معیار ہے جس سے ہمیں کسی طرح گریز نہیں +

وحی آسمانی ہیں اس باب میں کیا تعلیم دیتی ہے | تاہم ان آپ خوب جانتے ہیں کہ صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو میں جیسے مختلف

موجودات میں آواز خود ہی طاقت کر کے نتائج میرا انداز کرنے کی تعلیم دیتی ہے اور اگر ہمارے لئے

اس تعلیم کو دیا گیا ہے کہ اسباب و صورت وہی کا قرار کر رہا ہے جس پر پائیدہ بحث ہوگی +

محکمات میں قسم کی طرف توجہ ہوں تو وہ یقیناً دوسری حقیقات سے دستبردار ہو جائیں۔ مگر انہیں کہیں
 ان ہولناکیوں کی کچھ قدر میں کیا ہم اہل اسلام کیلئے کچھ کم فکر کی بات ہے کہ ہم ایک ایسی جانت اور مکمل
 کتاب کے مالک ہیں جس کی انھیں نے زمین کی تمام اقوام میں ناپید ہے۔

یہ حقیقی سچ ہے کہ وہی آسمانی ہیں حقائق موجودات کی طرف ہوتے زور سے توجہ کرتی ہے اور اس
 امر پر اہل ہے کہ خداوند کریم نے ہماری فطرت میں حقائق کی قابضیت و ولایت رکھی ہے۔ مگر وہی وہی آسمانی
 دین بھی چھاتی ہے کہ وہاں وہی قدیم من السلام کا عقیدہ اور تمہیں تھوڑا علم دینے لگے ہوا اس سے
 مستحکم ہوا کہ وہ حقائق حقائق کے فیضان میں کسی حد تک ترقی کر جائیں۔ مگر ہم بھی ہمارا علم اضافی ہے جس کی
 تکمیل بھی نہیں ہو سکتی۔ اس بات میں قطعاً اللہ سے علم حقائق موجودات یا علم معرفت ذات باری طرف
 توجہ کرنے سے محروم ہو گا۔ کہ جس علم حاصل ہوا انسانی کے لئے ممکن ہے۔ اسکی طرف میں متوجہ بھی کیا گیا ہے
 انہیں اور کی قابضیت ہماری فطرت میں ولایت نہیں رکھی گئی ان سے ہمیں قطعاً روک دیا گیا ہے۔ مثلاً
 ذات و صفات باری اور اسم میں ہیں ہدایت کی گئی ہے جو کہ شائع علیہ السلام سے بہک رہی ہے۔ چنانچہ اس سے
 آگے توجہ نہ کریں اور اگر کوئی شخص دیکھتا ہے کہ یہ تو یقیناً گمراہ ہو گا۔ مستر اور صبر فرمائیے۔ اس علم کو تو
 توجہ نہ ہو کہ کسی سے صفات کی نفی کر دی کسی نے تعلیم کا اٹھا کر دیا کوئی جبر کا قال ہوا کوئی خدا کو معقول
 سمجھنے لگا کسی نے نہ کیا ہے انسان کی طرح انسان و فیروز تجزیہ کے علی بدعات میں لوگوں نے اپنی عقل کو
 بے عمل مستقل کرنا شروع کیا وہ گمراہ ہو کر جہنم کا ایندھن بن گئے۔ ماحول فرما کہ یہ شیاطین انسان اپنی ہڈ
 یہ جیتے ہے کہ ہم کو یہ سمجھتے ہیں وہی حق ہے۔ اور یہ دیکھ کر شیطان نے ان کو دھوکے سے کہا ہے اور
 وہ مصطفیٰ ہیں یہ گمراہ بقیعتہ بحسبہ الظہان ماحول اذ لعنا اللہ یحیدہ شیعہ کہ حدیث
 کے یہ الفاظ ہیں۔ ان میں سبوح الناس یسألون حق لیتوا اھذا اللہ خلق کل شیء من خلق
 عز وجل (ہماری) اس حدیث کا منہم یہ ہے کہ لوگ ایسی باتوں میں غل دینے لگے کہ ان کی قابلیت

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ سب کچھ ہماری عقل سے بالاتر ہے اور یہ اس کے نزدیک ہے تو کچھ بھی نہیں دیکھا
 کہ لوگ بیشک نہایت سچے سے سوال کر رہے ہیں مگر ان کی عقل کی قوت نہایت کم ہے۔ ان کو اس سے زیادہ

اور کیا ہو سکتی ہے کہ علم اس حد تک پہنچا جاسکے جسے جب غیر معمولی بوجھ ان پر ڈال گیا تو وہ
 ناکارہ ہو گئے پس عقل جزئی سے اگر کوئی شخص ایسے محتاط کا اور کم کرنا چاہے گا جو عادات سے باور
 ہیں تو اس کا نتیجہ بجز اس کے کیا ہوگا کہ اس کی عقل باطل ناکارہ ہو جائے اور صحیح عقل سے رک جائے
 پس جن لوگوں نے اصول و فروع اللہیات کو اپنی عقل جزئی پر رکھنا چاہا ہے انہیں عقلی مشاہدات اور فہم
 کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ یاد رکھو کہ جن لوگوں نے حکمِ اعلیٰ میں مغیرہ امور کا ذکر کیا ہے ایسی وجہ یہی تھی کہ
 مخالف عقل و بافوق عقل

انہیں اس امر کو نظر انداز نہ کریں کہ اکثر محدثین نے عقائد مختلف عقل
 اور بافوق عقل میں تمیز نہیں کی کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ حکم
 معجزہ اعلیٰ میں مغیرہ محتاط عقل جزئی کے عمل سے بالاتر ہیں۔ اور اسی لئے ہم انکو نقطہ بافوق عقل سے
 تمیز کرتے ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ مخالف عقل ہیں۔ کیونکہ نقطہ مخالف عقل میں اس امر کا مفہوم بھی
 عقل ہے کہ فیہ اصول لغو استدلال و تجربہ و مشاہدہ سے قائم کئے گئے ہیں کوئی امر زیر بحث یا ممکن ثابت
 ہوا مگر ہم تو سرے سے ہی اس امر کا اصول تجربہ و مشاہدہ پر مانتے ہیں تسلیم نہیں کرتے پھر ناممکن کیا۔
 مخالف عقل ہوتا تو ہم آج بھی امر زیر بحث اصل تجربہ و مشاہدہ کی ذیل میں نہ لے سکتے اعلیٰ فلسفہ میں
 عقل کی کئی دفعے جو صفت ایسے امور کا دلالت کرتی ہے جو عادی کا کثرت سے بالاتر ہیں مذکورہ بالا امور
 بالکل ثابت شدہ محتاط اور عقل کی کل ضرورت اور اس کی دستِ عمل سے انکار کرنا سراسر حماقت اور
 نہایت ہے کیونکہ ایسا منکر کلمات و عقلی اور کلماتِ عادی میں کچھ تمیز نہیں کرتا۔ اور اگر یہ بات ہوتی
 تو جو جس گدے سے بل کوئے کو حاصل ہوتی ہے وہی حضورِ انسان کو تو چاہئے تھا کہ گدھا اور بیل بھی
 عارفِ ربانی بننے ہوتے پس یاد رکھو کہ نیا چرچین اکثر مشائخِ شریعہ کا انکار کرتے ہیں وہ بافوق عقل
 ہیں نہ مخالف عقل۔

حکیم ابوعلی مسکویہ المتوفی ۷۴۰ھ کی رائے | حکیم ابوعلی مسکویہ اسلامی حکیم غنی شریعت پر
 خود کر کے حسب ذیل کہتا ہے :-

وهذا الموضع الغامضة التي هي غير معتادة لا كثر الناس من اواخر الحكماء

وایں تحقیقها العامة کلاهم انما يعرفون الحس وما يلزم منه عن الوهم بكل ما لا يحصل
 لهم من هذا الوجه لم يلقوا اليه وذنوبه بالجلالة فهم لا يرونها اذ كانت العين
 التي تبصر بها هذه الاشياء ليست موجهة وبينهم وبين الحقائق حجب كثيفة من
 الحواس والحقائق بعيدة وبعيدة فاقوا وارباب البصائر ورجحونهم كما رجحوا العميان
 ورجحوا يد وحق مقامات جاکثر لوگوں کیلئے غیر معمولی میں حکمت الہیہ کے آخری و قدس احد عالم لوگوں
 کے نزدیک ثابت نہیں کیونکہ وہ دوسری صورتوں اور اس کے متعلق امور مشقوت و ہمہ کے حدکات کے سوا کچھ
 نہیں جانتے سوائے اس پر نگہ غیر دوسری امور کے اور ان کی استعداد نہیں ہوتی اس لئے وہ ان کی طرف متوجہ
 نہیں ہوتے بلکہ ان امور کو باطل سمجھتے ہیں و جو اسکی یہ ہے کہ انہیں وہ انگہ ہی نہیں ہے ان اشیا کو دیکھنا جاتا
 ہے انہیں حقائق کے حقیق حواس ظاہری کا پر وہ مائل ہوتا ہے۔ اور ان حقائق کو خود مائل کرتے
 ہیں اور انہیں بصائر انہیں ان اشیا ان لوگوں کو ان سے کچھ کر ان کو قابل رہم جانتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں
 ولذالک لا تزال تسع من لا طبقة له في هذا العلم اذا اشيا اليه شي
 من تلك الالات الخرجة التي ليست في مراد ليقولون هذا وصفنا العلم وهذا
 شيء وهذا غير موجود کفری انہ غیر موجود فی الحواس التي يلبسونه فيها ولكن
 موجود حق الوجود وليس هو كالأدوی البصار اذ قد هتك واملاه برى الوجود
 حقاً وانہ یبقیات یثقل علیہم بالشر حسنة کما یثقل علی الکلمة الخ
 ترجمہ: اور یہی وجہ ہے کہ جو حقائق ان لوگوں سے نہیں اس علم میں کچھ دخل نہیں جب ان کے پاس غیر دوسری
 اشیا کی نسبت کچھ ذکر کیا جاتا ہے یہ منیگا کہ یہ باتیں تو مفسر فرضی میں جھکا کچھ جو نہیں اور مجھے اپنی جان
 کی قسم ہے کہ وہ ان کے حواس میں جن سے وہ انہیں اور ان کو نہ پا رہتے ہیں واقعی مدد میں مگر فی حقائق
 وہ خود مائل بالذات ہیں اور یہ بچا ہے بے بصیرتی کی وجہ سے انکا انکار کر رہتے ہیں

نیا چہ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے چلے آئے ہیں
 کر نبیاء علیہم السلام کی مخالفت

کرتے تھے مگر ابھی لوگ تھے۔ اور اب بھی وہی ہیں جس عالم علمی کے سلسلہ اسباب کی طرف زیادہ ضرورت
 لازم ہے اور جو اس دنیا کے سلسلہ اسباب کی تحقیق میں محکوم دی اور حقائق غیر اور کو جو پہلے بعیر قی کے معنی
 افتاد ہاں اس کے سلسلہ اصول تجربہ اور مشاہدہ پر اسباب کو علت موثر سمجھتے تھے اب نئی وہ اس مرکز سے
 اور جو حرکت نہ کر سکے اسباب معلوم ہی پر سلسلہ انتظام کائنات چل رہا ہے اور یہ کہ خداوند تعالیٰ اس
 دنیا میں شہیت و قدرت کی نہ تک انسانیت قدرت ہرگز نہیں پہنچ سکتی و معرفت اپنی چند قوانین کا پابند ہے
 جن کا آج تک انسان دنیا میں مشاہدہ ہو چکا ہے اور ان قوانین کے علاوہ قدرت خداوندی کی اس پر حاوی
 نہیں چنانچہ یہ سب خیالات بالمدان معدن کی تحریرات میں عاجز موجود ہیں انہیں خیالات پر وہ تمام ان
 حقائق کا انکار کر دیا کرتے ہیں جو بنیاد پر وحی مطلق ہم تک پہنچ چکی ہیں۔ گویا یہ لوگ یہ کوشش کرتے ہیں
 کہ قدرت ذات باری کو اپنی ناقص عقل کے دائرے میں محدود کر لیں مگر ان کم عقلوں کو یہ بھی معلوم
 نہیں کہ ان کی تمام عمر طر و علول کی بکواس میں بسر ہو گئی مگر یہ منہ پر جی نہ کھلا کہ وہ خود کیا ہیں
 تو بر اوں فلک چہ دانی چیست - چوں ندانی کہ در سرانے تو کیست

کیا کوئی با عقیدہ پیغمبر ہی آج تک صاحب مقام دیکھا یا شاگرد ہے حاشا و کلا اس کی وجہ ہرگز اسکے
 کچھ نہیں کہ یہ لوگ خدا کے تابع فرمان نہیں ہوتے بلکہ اپنی بردش سے خدا کو اپنا بکر کرنا چاہتے ہیں۔

سلسلہ اسباب یا وحی کو علت موثر سمجھنے کا نیل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے سخت مخالفت ہے
 کیونکہ ان کی تعلیم توحید الہی ہوتی ہے جو سلسلہ اسباب کی علت کے نقش کو دل پر سے محو کئے بغیر حاصل نہیں
 ہو سکتی۔ اور اہل حق کہ لوگ اپنی عبادت میں توحید ہی مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے
 جب اپنے تئیں ایک قانون کا پابند کر لیا ہے اس کے برخلاف نہیں کر سکتا بسا کوئی ایسے یادہ گوے یہ
 تو دیانت کرے کہ خداوند و عدل الزمیل خدا نے کب قبضہ سے یہ راز کھدیا تھا میں کی نصرت تو اس نے

سلسلہ کوئی صاحب یہ بھی کہ جو سلسلہ اسباب کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ایک ایسی واضح ضرورت کا
 کوئی نقش ہرگز نہیں میں مٹتے یہ عقوہ ہے کہ سلسلہ اسباب الہی کے علاوہ ایک سلسلہ اسباب دہلی بھی ہے۔
 جس کی حقیقت سے انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقررین مذکورہ آگاہ ہو سکتے ہیں۔

بنیادیں سے قائم ہو جاتی ہے۔ باقاعدہ کھانا پہلے نہ ہوگا کہ اہل اسلام کے تنزل کی اہلی وہ
ہوئی تہذیب کے لیے سلسلہ اسباب کو علت و موثرہ سمجھنا۔

علت و سبب میں امتیاز

تہذیب اور تہذیب ہر دو کی بنیاد اس باطل خیال پر قائم کی گئی ہے کہ اشیائے اپنے
مذہبی خواہیں کے رُوح سے متاثر ہیں۔ عوام الناس کے دماغ میں اگر اس خیال کی صداقت تسلیم کر لی
جائے تو کچھ حرج نہیں لیکن ایک مستبصر محقق کی میزان تحقیق میں اس خیال کا کوئی وزن نہیں کیونکہ
علت کا ہجوم جو فن تعلیقات کے ولادہ اصحاب تجویز کیا کرتے ہیں یہ ہے کہ ایک شے دوسری
شے کو عدم سے وجود میں لاتی ہے مگر خود کرنے سے معلوم ہوگا کہ کوئی شے عالم کائنات میں غنہ
کابینہ میں پیدا ہوتی ہے فی حقیقت علت نہیں کہہ سکتی بلکہ ایک واقعہ کے بعد جب دوسرا واقعہ پیش
ہو جاتا ہے تو ہم پہلے واقعہ کو دوسرے واقعہ کا سبب قرار دے سکتے ہیں
یعنی پہلا واقعہ ایک ایسا واسطہ ہے جس کی وسالت سے ثبوت الہیہ یا اللہ اولیٰ دوسرے
واقعہ کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اس لئے صحیح طور پر ارادہ انہی ہی ہر ایک واقعہ کی علت ہے
اور تمام اشیائے کائنات سلسلہ سبب و مسبب میں وابستہ ہیں۔ عام لوگ پہلے واقعہ کے بعد
دوسرے واقعہ کو وقوع میں آنے دیکھ کر ان میں علت و معلول کا ربط قائم کر دیتے ہیں
مگر سراسر غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ میں سبب کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر علت کا
لفظ استعمال میں نہیں لایا گیا۔ حدیث نبوی میں ایک دعا کے یہ الفاظ ہمارے اس دعاوی
کی تائید کے لئے کافی حجت ہیں حدیث قابل حیدر اسلام :-

"اللهم ما اصبحت في من نعمته اوليت من خلقت فمنك وحدثت
لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر"

خدا کشیدہ الفاظ کے مفہوم میں غور کریں کہ صاف طور پر عیاں ہے کہ تیرے

مشتی انہی کے واسطے ہر ایک نعمت بندہ دل کو حاصل ہوتی ہے۔ کوئی مخلوق بذاۃ
 کسی قسم کی نعمت کے لئے ملت نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا اعتقاد شرکِ مض ہے۔ وہ اس کی
 یہ ہے کہ ہر ایک مخلوق محتاج ہے کیونکہ میں کو فنا اعلاہ کئے ہوئے ہے اور احتیاج اور فنا
 وہ ایسے امر ہیں جو کسی چیز کو دوسری چیز کی علت ہونے سے مانع ہیں۔ کتاب اللہ کے
 الفاظ "خالق کل شیئ" اور "کل شیئ ہالک کلا وجہہ" اہل بصیرت
 کے لئے کافی حجت ہیں۔

اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ مادی اللہ مخلوق ہے اور کوئی مخلوق بوجہ احتیاج
 و قائلت کہانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمارے اس صلِ غنیم کی صحت کا اقرار کر لیا جائے
 اور اقرار کئے بغیر چارہ بھی نہیں، البتہ یہی اُن مشکلات کا حل ہو جاتا ہے جو عقلیات کے
 دلائل و گمان کو گاہ بیگا و پش آیا کرتی ہیں۔ بالخصوص ترقی و ادوات کا مسئلہ نہایت آسانی سے
 حل ہو جاتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اس کے متعلق ہم کچھ لکھ آئے ہیں۔



باب دوم

صانع عالم کا اثبات

یہ امر صاف اور واضح ہے کہ شرعیہ آفرینش سے کج تک تمام انبیاء علیہم السلام اور مکمل اور
 صانع عالم کے وجود کو تسلیم کرتے چکے ہیں اور اپنے اپنے طریق پر اس دعویٰ کے ثبوت میں
 دلائل پیش کرتے ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صانع عالم کے ثبات و وجود کی طویل و دقیق
 سلسلہ دلائل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی خیال پر اکثر مکمل کا اس امر پر اتفاق ہے کہ
 صانع عالم کا وجود تمام اثباتی کائنات کے وجود سے زیادہ واضح و زیادہ ظاہر اور زیادہ وسعت ہے
 چنانچہ قرآن مجید نے اس امر کی طرہ آیت "فی اللہ شلت فاطر السموات والارض" میں
 اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اور تو اور کیا اللہ تعالیٰ کے وجود میں بھی کسی قسم کا شک
 ہو سکتا ہے جو زمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا ہے ؟ مگر اکثر کوتاہ فہم لوگ غلط استدلال کی
 وجہ سے شکوک اور دساوس کے دلدل میں پھنس کر صانع عالم کے وجود کا انکار کر دیتے کرتے ہیں
 اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان دو اہم اصول کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اول یہ کہ ہر ایک واقعہ یا حادثہ
 کے لئے کسی یا کسی علت کا وجود ضروری ہے۔ دوم یہ کہ طبیعت اشیا بالاستقلال مؤثر ہے مادہ کی طبیعت
 اشیا جوئے اور مصلول ہے۔ لہذا ان ہر دو اصول کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو جوہر و صانع کے اثبات
 میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی ۔

سلسلہ کائنات جو اثباتی ارتقائی و تدریجی شکل ہے ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نسبت
 جوہر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں تکرر وجود پذیر ہوا ؟ اس سلسلہ

کائنات میں ہم صفت قسم کے افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں یا یوں کہو کہ مختلف قسم کے تیز اثرات افعالاً
 کا ایک غیر متبادل سلسلہ ہر ایک آن میں ملنے سے ملتا ہے۔ انہیں تغیرات و انقلابات کو ہم نے
 افعال کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور افعال تغیر ہی صفت کا اس لیے ضروری ہے کہ فعل کا
 حامل اس صفت سے مقصد جو جس صفت کا نتیجہ کسی فعل کا ظہور قرار پایا ہے۔ مثلاً زید جب تک
 وصفت کتابت سے مقصد تسلیم کیا جائے اس سے فعل کتابت ہرگز صادر نہیں ہو سکتا۔
 یا سارے جب تک وہ فن تعمیر کا ماہر نہ ہو کسی جڑی یا چھوٹی عمارت کا کھڑا کروکھانا مستعد نہیں
 علیٰ ہذا ہر ایک فعل کسی صفت کا نتیجہ اور صفت کسی ایکسی موسوت کی ذات سے قائم ہوتی ہے۔
 وصفت کتابت بغیر وجود کتاب کے اور وصف طبابت بغیر طبیب کے بجائے خود کوئی حقیقت نہیں
 رکھتی بلکہ کتابت اور طبابت ایسے امور ہیں جو کتاب اور طبیب کے وجود کی ضرورت کی طرف
 اشارہ کرتے ہیں۔ عالم کائنات میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک مستقل سلسلہ کون و فساد افکار
 جاری ہے یا یوں کہو کہ بشیائے عالم نباتی اور ہرگزتی رہتی ہیں اس بنے اور گرنے کو ہم صفت
 کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور صفت ایک فعل ہے جس کا وجود بجز مصلحت کے ناممکن ہے۔
 دلیل کا حاصل یہ ہے کہ عالم مختلف مصنوعات پر مشتمل ہے اور ان تمام مصنوعات کے لئے کسی
 صانع کی ضرورت ہے جسے ہم صانع عالم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حکماء اور انبیاء علیہم السلام کا اتفاق موجود صانع پر

یہ امر قابلِ فکر ہے کہ وجود صانع اور اس کے صفات کا طے کے اثبات پر ہمیشہ تمام حکماء
 اور انبیاء کا اتفاق رہا ہے کیونکہ ہر ایک کائنات میں توحید اور یساست و افعال کی ضرورت کے متعلق
 ہر دو فرقہ اپنے اپنے طریق کے مطابق اہل عالم کو متعین کرتے چلے آئے ہیں البتہ ہر دو کے مابین
 جدا جدا ہیں اگرچہ میں ہر دو متفق ہیں۔ حکماء عالم کدایت میں غور و خوض کر کے برہان و استدلال سے
 کام لیتے تھے ہیں جن کی بنا اصولی تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی

تعلیم کا نامزدی الہی ہے۔ جو ہر ایک قسم کے شک و شبہ کی آمیزش سے پاک اور صاف ہوتی ہے۔
 یہ بات استدلال کے عمل میں ممکن ہے کہ کسی قسم کی عقلی طاقت ہو جائے کیونکہ تجربہ اور شاہدہ بیرونی ہیں
 کا کام ہے جن کے لوازمات برحالت میں قیاسی نہیں ہو سکتے مگر تعلیم وحی میں اس قسم کے استقامت کا ہرگز
 امکان نہیں استدلال و بات سے معافی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور وحی معافی سے مادیات کی طرف
 اس کی مثال حق و غیور کی ہی ہے جن میں سے ایک تو کسی سطح پر نیچے سے اوپر کو آئے اور دوسرا
 سطح سے اتر کر نیچے کو آئے ظاہر ہے کہ ہر دو ایک ہی تسلسلے کے نیچے گریجے سے اوپر کو جانے
 میں جو تعین پیش آتی ہے وہ اوپر سے نیچے کی طرف لے کر نہیں آتی۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں
 جو سہولت اور آسانی دیکھی گئی ہے وہ حکما کی تعلیم میں نہیں پائی جاتی۔ انبیاء کے طریق تعلیم سے جاہل
 سے حکیم تک سب یکساں طور پر مستفید ہو سکتے ہیں گو جاہل کا علم نتیجہ حقیقت کے متعلق زیادہ مفصل
 نہیں ہوتا اور حکیم کا علم تفصیل ہوتا ہے اس کی مثال یحییٰ اسی ہے جیسے ایک شخص جو فن طبابت
 سے ناگل ہے بہرہ ہے اور ایک طبیب ماہر جو اصول طب سے پوری طرح آگاہ ہے۔ خدا ہر دو کے
 معیار میں یکساں طور پر فہم قبول کرتی ہے اور اس کے نتیجہ سے دونوں یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔
 مگر اصول طب سے ناواقف تو کینیت فہم خدا اور اس کے مختلف اجزاء میں فہم ہونے کے علم سے عقل
 بے غریب کو طبیب ماہر اس کی کینیت فہم کی تفصیل سے پورے حیرت انگیز ہے بر خلاف اس کے
 حکما کے طریق استدلال سے علم ہر دو میں مستفید ہو سکتے ہیں۔ جگہ بہا اوقات و سادوں اور شکوک و دبل
 میں کس جگہ ہیں مع ہذا انبیاء علیہم السلام کی تعلیم چونکہ عقلی ریاضات پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے اس کا
 نتیجہ غالب ہدایت کے حق میں بہت جلد مترتب ہو جاتا ہے اور یہ بات حکما کے طریق استدلال
 میں علم و ما نہیں پائی جاتی۔

حدوث عالم پر مزید بحث

قبل اس کے کہ ہم حدوث عالم کے منکرین کے خیال کو باطل ثابت کریں مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ ان کے مذہب یعنی قدامت عالم کو افضل تسلیم کیا جائے۔

جو لوگ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں ان کا خیال ہے کہ تمام اشیائے ارضی و سماوی کی اصل حرکت و اوہم ہیں۔ مادہ اوہم کی قوت یا حرکت۔ اسی وہ اصل قدیم میں جو ایک دوسرے کے کبھی جمے ہوئے نہیں ہو سکتے۔ مادہ سے مراد ایسے ذرات متشابہ غیر منقطع ہیں جو ایک دوسرے جیسا ہی جیسے ہوتے ہیں اور ذرات سے مراد مذکور بالا اجزاء کی حرکات ہیں اور یہ حرکت خود ان اجزاء کی ذات سے پیدا ہوتی ہے اور اس حرکت کی بدولت مادہ نے مختلف اجسام ارضی و سماوی کی صورت اختیار کر لی۔ اسی عمل کشش کبرائی کے مطابق پیدا ہوا اس کشش کبرائی سے اجزاء نے ایک کرہ کی صورت اختیار کر لی جو اپنے محور پر حرکت کرنے لگا۔ بعض دیگر قوانین کے عمل سے اس کرہ میں اشتعال پیدا ہوا جس پر وہ کرہ سورج کی شکل میں متغیر ہو گیا۔ اور سورج کے دوران سے دیگر سیارات اس کے چم سے ہوتے چنے گئے جو کرہ کی صورت میں اپنے اپنے محور پر گردش کرنے لگے۔ مگر ان کے ایک سیارہ وہ کرہ ہے جس کو ہم زمین کہتے ہیں اور جس پر نفع انسان آباد ہے۔ یہ کرہ ایک طویل زمانہ تک گردش کرتا رہا اور تندرستی اچھی ہوئی سطح سے سرد ہوتا چلا گیا اور طبقات کی صورت اختیار کر لی اور اجزاء مادہ میں حرکات مختلفہ سے خاص خاص کیفیات ظاہر ہوئیں جن سے مختلف قسم کے اجسام مادی۔ حیوانی۔ نباتی متولد ہوئے اور ہم طبقات الارض کے جدیدہ کشفیات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ سب سے بڑی طبقہ زمین حیوانات اور نباتات کے آثار سے ظاہر ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر چکا ہے جبکہ اس میں اجسام حیوانی کی قسم کی کوئی چیز موجود نہ تھی مگر اس کی یاد کی بعد کی بحث اور کشفیات سے یہ امر پابہ ثبوت ملتا ہے کہ یہ قدیم حرکات اجزاء نے مادہ میں ایک ایسا خاص صورت پیدا ہوئی اور ان سے عناصر جو پدید ہوئے جو ساتھ سے زیادہ کی تعداد تک پہنچ چکے ہیں اور ان اجزاء مادہ میں ایک نسبت مخصوصہ کے ساتھ استرلاب پیدا ہوا جس سے صدقہ اور حیوانات وجود پذیر ہوئے۔ اور یہی مادہ مختلف صورتوں میں ترکیب پاکر اجسام عضوہ کی شکل میں ظاہر ہوا جو حیوانات اور نباتات کی شکل میں نظر آتا ہے اس لئے حیات زندگی، انہیں عناصر کے فعل انفصال

اور کیا وہی اعتراض کہ تائید سے ایک کچھ انکار کا نام ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز جس کو خیال
 کیا گیا ہے جس سے کوئی تعلق نہیں ملتی۔ پھر ان اجسام حیوانیہ اور نباتیہ سے منسلک تو اقداری پیدا۔ یہ منسلک
 چارہ جان طبی کے ماتحت جاری ہے اول قانون تباہی و افزائی کے دوسرے ہر ایک فرد ایک دوسرے
 سے متاثر ہوتا ہے مثلاً ایک نڈ کر ہے تو دوسرا ہونٹ۔ دوسرا قانون اتصال تباہی جس کے
 تحتے اول میں قوی اور ضعیف اور دیگر خواص خارجیہ کا مہر ہوا۔ سوم قانون تضاد و اشتقاق بین الافراد
 جس کے تحت قوی ضعیف پر غالب اگر ضعیف کو ہلاک کر دیتا ہے۔ چہاں سوم قانون انخاب طبی جس کے
 ذمہ سے طبیعت افراد میں اور اکل کی مخالفت کرتی ہے۔ یہ قوانین اگرچہ لاکھوں صدیوں تک اپنا
 عمل کرتے رہے اور اجزائے مادہ کی استطراری حرکت کی ذیل میں جس میں موجودہ حالت کچھ نہ گئے مگر
 انسان بھی انہیں فراہم ہوا ہے جس سے ایک فرد ہوا انخاب طبی کے قوانین کے مطابق ترقی کرتے کرتے
 موجودہ حالت تک پہنچ گیا ہے اور چونکہ اسے بندر کے ساتھ ایک گود مشابہت ہے اس لئے ہم کہہ سکتے
 ہیں کہ انسان اور بند کی اصل ایک ہی ہے مگر انسان نے بند پر ترقی کرتے کرتے فوقیت حاصل
 کر لی۔ اور وہ مقام انواع حیوانات میں سے سب سے آخری حیوان ہے جو لاکھوں صدیوں سے ترقی
 کرتے کرتے اس صورت میں نمودار ہوا ہے اور بے شمار انواع حیوانات اس کے اس حد تک پہنچنے
 سے پہلے موجود ہو چکے ہیں اور اس کی اصل اور ادراک مادہ کے اجزائے متحرک کے مثل و اتصال
 کا نتیجہ ہے کہ اصل مادہ اور حرکت کے اندر مثل و ادراک موجود نہ تھے۔ علاوہ انہیں اس کی اصل و دیگر
 حیوانات کی عقل سے فی نفسه مخالفت نہیں۔ ہاں ان کی پیشی کا فرق ضرور ہے۔ رہا بشریت و اسلام کے
 دیگر مسائل کا قضیہ۔ مثلاً انسان کا مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا اور بہشت و دوزخ اور وجود خدا
 اور جن اور آسمان اور عرق اور کرسی اور لوح و قلم و غیر ذلک۔ سوچنے کے متعلق جیسے علوم عقلیہ
 کے میدان میں کوئی وقت نہیں اور خدا کے متعلق کوئی عقلی دلیل پائی گئی ہے اس لئے ہم ان طبیعت
 ان کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان عقائد میں اکثر ایسے ہیں جو کہ عقل طبی کے دوسرے نام ممکن تسلیم کئے گئے
 ہیں اور ہم ان طبیعیات کے مجاہد کی یہ آخری رائے ہے ۵

یہ تقریر مدنیہ عالم کے منکرین و مصلحان عالم کے وجود کو ضروری نہ سمجھتے تھے ان کے مذہب کا خلاصہ ہے ہم فیضہ تعالیٰ اس کو باطل شمار کرتے ہیں۔ قادی کو چاہئے کہ وہ بنیائیت خود اور توحید کے ساتھ مطالبہ کرے :-

مذکورہ بالا مذہب کی بنیاد اس امر پر قائم کی گئی ہے کہ مادہ عالم قدیم ہے اس لئے اسے کسی مصلح یا خالق کی ضرورت نہیں بلکہ چونکہ منکرین ارضی و دایۃ العقوبات اور بغیرت کا شاہدہ کرتے ہیں جن سے یہ صرف ظاہر ہے کہ ان تیزات و العقوبات کے آثار عادت ہیں۔ اور یہ امر بھی واضح ہے کہ ان تیزات و العقوبات کی علت مادہ کی ذات نہیں ہو سکتی کیونکہ مادہ میں نبات خود یہ صلاحیت نہیں اس لئے یہ لوگ جمود مادہ کے اجزائیں حرکت کے وجود کے قائل ہو گئے اور مادہ اور حرکت سے مذکور بالا آثار کے ظهور کو تسلیم کرنے لگے۔ اور اگر یہ لوگ مادہ کو حادث مان لیتے تو انہیں جو مصلح کی ضرورت سے کبھی انکار نہ ہوتا۔ اور انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ میں ذات قدس سے مادہ کو پیدا کیا ہے وہی آثار مادہ کا بھی موجب ہے اس صورت میں انہیں یہ ضرورت پیش نہ آتی کہ مادہ اور حرکت کے اجتماع سے جن میں نہ تو رادہ ہے نہ اولیٰ نہ تدبیر مذکورہ بالا عجیب و غریب آثار جن کو دیکھ کر ایک سلیم عقل آدمی کسی مصلح کا کل العقیدہ اور کامل الحکمت کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کر سکتا اتفاقاً یہ طور پر ظہور پذیر ہوئے +

منکرین مصلح کے مذہب کی بنیاد مفند ذیل ترین امور پر ہے جن کی صحت کی نسبت قطعی طور پر بنیائیت مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں مادہ کائنات میں ان کی صحت کا دعویٰ ناممکن ہے۔ اقل یہ کہ وہ مادہ کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح اجزائے مادہ کی حرکت کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مادہ اور حرکت اجزا ہر دو قابل سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ دوم یہ لوگ مانتے ہیں کہ مادہ کے مختلف قسم کے آثار ارضی و سماوی اشیاء میں حادث ہوا ہے اور طبیعت و نباتات میں کیونکہ طبقات الارض کی نئی تعمیرات سے انہیں یہ معلوم ہوا ہے کہ نباتات اور حیوانات کے مختلف انواع زمین میں پہلے موجود تھے بلکہ کئی لاکھوں صدیوں بعد وہ پیدا ہوئے اور انسان

ان سب میں اتنی وجود پذیر ہوا کہ چونکہ زمین کے نیچے کے بلقوں میں اس کے آثار نہیں پائے گئے
 مگر یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ مادہ کے مختلف آثار حرکت اجزا کی وجہ سے نمود پذیر ہوئے
 اور حرکت ازل سے مادہ کے ساتھ لازم ہے۔ اور مادہ اور حرکت ہر دو مادہ اور ادراک سے غالی
 ہیں۔ یا اس وجہ سے قائل ہیں کہ یہ آثار مادہ اور حرکت ہر دو کے ابتداء سے بطور ملل کے نمود
 پذیر ہوئے +

ان ہر سرقتنایا کے برخلاف ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات مسلم ہے کہ حصول اپنی علت سے کبھی
 مختلف نہیں ہوتا یعنی علت کے وجود کے ساتھ ہی معلول کا وجود پایا جاتا ضروری ہے جس کا یہ مطلب
 ہے کہ اگر علت حادث ہوگی تو معلول بھی حادث ہوگا اور اگر قدیم ہوگی تو معلول بھی قدیم ہوگا اور اگر زمین
 مادہ اور حرکت کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان ہر دو کو آثار مادہ کے لئے علت تسلیم کرتے ہیں
 اس لئے معلول یعنی آثار بھی قدیم ہونگے مگر یہ لوگ اپنے علوم جدیدہ کی بنا پر ان آثار کو حادث
 مانتے ہیں لہذا انہیں لوگوں کے اصول پر یا تو مادہ و حرکت کا حادث ہونا لازم آتا ہے یا آثار
 کا قدیم ہونا۔ مگر یہ لوگ ان ہر دو صورت کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں +

اس انکار کی صورت میں مخالفت کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے استدلال کے البطلان کا
 مدعی ہو مگر ہم ایک دوسری صورت میں بھی ان لوگوں کو ملزم قرار دے سکتے ہیں جس کی تحریر
 یوں ہو سکتی ہے :-

کہ حرکت کا وجود کبھی حرکت کے نہیں پایا جاسکتا کیونکہ حرکت ایک امر عارض ہے اور اس
 کے مادہ کو عارض ہونے کی صورت میں کسی علت کی ضرورت ہے مگر مادہ میں علت ہونے کی قابلیت
 نہیں اس لئے حرکت کے قدیم ہونے کا دعویٰ سراسر باطل ہے اور جب حرکت کو قدیم قرار دینا باطل
 ثابت ہوا تو یہ سوال عائد ہوتا ہے کہ حرکت کے مادہ کو عارض ہونے سے پہلے مادہ کس حالت میں تھا
 اور اس کے اجزاء میں حرکت کیونکر پیدا ہوگئی؟ اور یہ کہنا کہ حرکت ایک مادہ کی منظر پرانی حالت
 کی وجہ سے ہے تو اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس منظر کو کیا ثبوت ہے؟ اور یہ انتظار

ماہ کی مدت میں انہی ہے یا غیر انہی! اگر انہی ہے تو مختلف قسم کے آثار بھی جو مادہ پر مشرب ہوتے ہیں
 حشر انہی ہونگے مگر یہ لوگ ان آثار کو حادث مانتے ہیں لہذا مادہ کی حرکت اضطرابی انہی سے ہو سکتی
 اور غیر انہی ہونے کی صورت میں حرکت کا حادث ہونا تسلیم کرنا چاہیے گا اور اس صورت میں بھی
 حادثہ عمومی بدلہ دہلی ثابت ہے +

لیکن ہم ایک دوسری صورت میں مادہ کے حادث ہونے کو یوں ثابت کر سکتے ہیں کہ مادہ
 کا وجود بجز صورت کے نہیں پایا جاسکتا اور جب مادہ اور صورت وہ عظیمہ حقیقتیں ہیں تو ان
 کے اتصال کی علت کیا ہے؟ کیونکہ مادہ بجز صورت اور صورت بجز مادہ کے ناممکن الوجود امر ہیں۔
 اسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مادہ اور صورت کے اتصال کی علت کوئی امر خارجی ایسا ہے جو یہ دو حقیقت
 سے خارج ہے اور وہی علت صانع عالم کے وجود کو ظاہر کرتی ہے جس نے اپنے آنا و ادا و سے
 ہر وہی اتصال پیدا کیا اور اس اتصال سے پہلے نہ تو مادہ کا وجود تھا نہ صورت کا۔ گویا مادہ کا
 صورت قبول کرنا اس کا عدم سے وجود میں آنا ہے۔ اور یہی مادہ و صورتی ہے لہذا مادہ کسی صورت
 میں بھی قدیم نہیں ہو سکتا +

پہلے یہ حال پیدا ہوتا ہے کہ جب صانع عالم کا وجود قدیم ہے اور وہ وجود مادہ کی علت
 بھی ہے تو معلول اپنی علت سے کبھی مخلوق نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ لڑکا ہے اس لئے مادہ بھی
 قدیم ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں صورت یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مادہ معلول ہے اور معلول
 اپنی علت کا محتاج ہوتا ہے اور یہ چیز محتاج ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتی۔ معلول کا علت سے مخلوق
 ہونا اس صورت میں لازم آسکتا ہے جبکہ مادہ کی کوئی وجودی صورت تسلیم نہ کی جائے۔ ہم
 کہہ سکتے ہیں کہ مادہ اپنی خلدی ماہیت سے پہلے صانع عالم کی علتی صورت میں وجود رکھتا تھا اور
 یہ علتی ماہیت بیشک قدیم ہے اور اس کے قدیم ماننے سے مادہ کی خلدی حقیقت کا قدیم
 ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ واضح رہے کہ مادہ کی علتی ماہیت معلول نہیں بلکہ معلول اس کی خارجی
 حقیقت ہے اور اس کیونکہ علیم ثابت باری قدیم ہے +

توحید ذات باری عنہ

اثبات توحید مثلاً اسرار میں سب سے پہلا مسئلہ ہے اور بنیاد و قیاس عقل انسانی و یگانگت اس کے وجود کی ضرورت کا چہ تو وہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر اس کی حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ نہ ہم کسی چیز کی حقیقت کا علم جب بندہ لفظ عقل حاصل کرتے ہیں تو ان دلائل کی دنیا ہمیشہ ایسا سوچ رہی ہوتی ہے جو ہمیں تجربہ اور مشاہدہ کے دائرہ میں پہلے سے آئے ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ہم سے تجربات و مشاہدات محسوسات مادہ کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتے اور جب وہ ذات اقدس "ایس" کا مسئلہ شئی ہے تو ہم اسے عقل حاصل نہیں کر سکتے کہ اس کی حقیقت کا چہ وہ ہیں یا تو حقیقت وہ ہشت سال دیکھنے یا غلط ہے پہلے جاکر شکر کا نہ عقائد تک پہنچا دینگے۔ یعنی خالق حقیقی کے صفات کو حقوق کے صفات پر قیاس کرنے لگیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں عقلی استدلال کرنے والوں کے پیچھے غائب پیدا ہو گئے ہیں جن میں کوئی بھی اذکار و تعذیل سے خالی نہیں اس لیے بہتر ہے کہ عقلی استدلال سے جو اس مسئلہ پر کچھ کام نہیں دے سکتا اور اس کے صحت کتاب اللہ کو حجت قاطعہ تسلیم کر لیا جائے عقلی استدلال کے دائرہ سے ہم مثبت پہلو میں جس امر کو اس کی ذات اقدس کے ساتھ نسبت کرینگے (تو چوں کہ اس کا مادہ محسوسات خارج ہے ہی ہوگا) ذات باری اس سے ہی ہوگی۔ اس لیے اگر کچھ کام دے سکتا ہے تو معرفتی پہلو جسٹ اگر ہم فطرت باری کو "سبح و بصر" کہیں تو لوگ اس کی صفات "سبح و بصر" کو انسانی "سبح و بصر" پر قیاس کر لیتے ہیں مگر حقوق کی "سبح و بصر" آیت باری کی محتاج ہیں۔ اس لیے یہ استدلال کا پہلو کچھ مفید نہیں بلکہ میں شکوک ہے۔ البتہ معرفتی پہلو میں ہم یوں کر سکتے ہیں کہ وہ "سبح و بصر" ہے مگر اس کی "سبح و بصر" کی حقیقت نہیں جو عقلی کی "سبح و بصر" کی حقیقت ہے اس مسئلہ کی توحید کے لئے ہم جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے ایک غلبہ کا ذیل میں کچھ اقتباس کرتے ہیں جو مسئلہ توحید کے سمجھنے کیلئے اس میں مفید ہے عموماً "سب تعریف اس ذات اقدس کے لئے ہے کہ جس کی سر کی عاقبت کو اب اس میں نہیں پہنچ سکتے۔"

اور جس کی نعمتوں کا شمار ہلکا نہیں کر سکتے۔ اور عبادت اور عبادت والے اس کا حق عبادت بجا نہیں
 لاکتے وہ عیسائی بزرگت ہے کہ تھوڑے فکر کی اس تک صلی نہیں اور اس میں کوئی پاس کی
 صفت کے لئے کوئی صفت نہیں اور اس کے لئے کوئی بھگت ہے جو شمار ہو سکے اور کوئی مہلت
 مقررہ اس نے موجودات کو معنی اپنی قدرت کامل سے پیدا کیا اور پوٹوں کو اپنی رحمت سے چھپا یا اور
 سطح زمین کو پناہوں کی مینوں سے مضبوط کیا۔ زمین کی پہلی بات اس کی معرفت ہے اور کامل معرفت
 اس کی تصدیق ذات پر اور کامل تصدیق اس کی توحید پر اور کامل توحید اس کے انکسار پر اور کامل
 انکسار اس امر پر موقوف ہے کہ تمام ان صفات کی اس کی ذات سے نفی کی جائے (جن صفات
 کے ہم اشیائے موجودات میں آثار دیکھتے ہیں) کیونکہ صفت اور چیز ہے اور موصوف اور
 فن آثار شاہد پر اس کی صفات کو تیس کیا جائے تو ذات میں ترکیب لازم آگئی جو مافیٰ توحید
 ہے۔ جو شخص اس کی ذات کو ان صفات سے موصوف کرتا ہے وہ اس کی ذات کو غیر ذات
 کا قرین بناتا ہے اور جس نے اس کو غیر کے ساتھ قرین بنایا اس نے اس کی ذات کو مرکب قرار
 دیا اور جس نے مرکب قرار دیا اس نے اس کو قابل تقسیم بنا دیا اور جس نے قابل تقسیم بنایا وہ اس
 سے جاہل رہا اور جو اس سے جاہل رہا اس نے مادی اشیاء کی طرح اسے قابل اشارہ بنا دیا اور
 جس نے اسے قابل اشارہ بنایا اس نے اسے محدود کر دیا کیونکہ ہر ایک مادی چیز مکان و
 زمان میں محدود ہے (اور جس نے اسے محدود کیا اس نے اسے قابل شمار کر دیا اور قابل
 شمار ہونا کثرت کی فرع ہے نہ وحدت کی) اور جس نے کہا کہ وہ کسی چیز میں ہے تو اس نے اسے
 کسی چیز کے اندر قرار دیا اور جس نے کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے اس نے اسے اس عالم سے باہر
 کر دیا (یعنی وہ اندرون و بیرون سے بالاتر ہے کیونکہ یہ مادیات کا فاصہ ہے) وہ ہست ہے پر
 مادیات نہیں موجود ہے پر عدم کے بعد موجود پذیر نہیں ہوا (بلکہ تالی ہے) وہ ہر ایک چیز کے ساتھ
 ہے مگر ایسے نہیں جیسے وہ چیزیں آپس میں ملتی ہیں۔ وہ ہر ایک چیز کا غیر ہے مگر ایسے نہیں کہ اس
 سے علیحدہ ہے۔ وہ ہر ایک چیز کا فاعل ہے مگر اس کے فعل کے لئے حرکت اور قائل کی ضرورت نہیں

اس وقت ہی بصیرت باری کوئی مبصر نہ بنا تھا۔ وہ نہ تھا جبکہ کوئی غیر جس کے ہوتے پر افس اور
 نہ ہونے پر وحشت پیدا ہونے کے لیے ہو نہ تھا۔ اس نے قدرت کو لازماً توبہ نہ پیدا کیا بعد کی کسی
 سوچی سمجھی یا تجربہ بخشی کے اور بغیر کسی حرکت کے جس کو اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر ہر کام نقص کے جس
 کی اس نے قدرت اعلیٰ کوئی ہو نہ تھا گو میں ان کے اوقات حین پر غم سے وجود میں لایا اور مختلف اشیاء
 کو باہم مبادی ان کی فطرت میں ہیں قائم کیں اور ان فطرتوں کو ان کے اجسام کے ساتھ لازم
 کر دیا۔ ان اشیاء کو ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی بنانا تھا اور ان کے حدود و قیاس پر
 وہ محیط تھا۔ اور ان کے مشابہات اور مخالفت سے ان کا وہ تھا۔

مذکورہ بالا اقباس سے ذات باری کے مختلف فعل معانی کا پتہ لگتا ہے :-

اول قدرت کیونکہ اشیاء کائنات ازنی ہوں یا اسلوسی ایک مضبوط آواز وغیرہ تبدیل
 قانون کے تابع ہیں اور ان تمام اشیاء کا انسانی فطرت کی ضرورتوں کے ساتھ میں مطابق ہونا
 اس کے کامل قدرت ہونے کا تین ثبوت ہے۔ "وہو علی کل شیء قدیر"۔

دوم علم کیونکہ تمام اشیاء کائنات مخلوق ہیں اور مخلوق کے لیے مخلوق کا عالم ہونا
 ضروری ہے چنانچہ قرآن فرما کائنات کو اس کا علم احاطہ کئے ہوئے ہے "وہو علی کل شیء علیہ"
 اس کی صداقت پر شاہد ہے۔

سوم حیوۃ کیونکہ حوزات اقدس علم و قدرت سے منتفع ہے وہب میات اس کے
 لیے غرض و تائید ہے۔ "وہو الحی القیوم"۔

چہارم ارادہ۔ وہ آواز وادہ کا ایک ہے اور ایک حادثہ اس کے ارادہ سے صادر
 ہوتا ہے۔ "فعال الحایر بیدار"۔

پنجم روح و بصیرت وہ دلیں کے پوشیدہ رازوں کو دیکھتا اور اندھیری رات میں شمس چرخ
 یار چرخوں کے رینگنے کی آہستہ کو بھی متنبہ ہے "وہو السميع البصیر"۔

ششم کلام۔ وہ ایسے کلام کے ساتھ تکلم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس میں

صوت اور رنگ کو فاضل نہیں اور نہ کسی غیر کے کلام سے مشابہ ہے اور وہ دیگر صفات کی طرح قدیم ہے اور اس میں تغیر اور تبدل کو کچھ دخل نہیں۔ البتہ وہ کلام اپنی بکثرت بناوید میں تودت کیا جاتا ہے حادث ہے مگر وہ کلام جو سلف بنیاد پر جاری ہے وہ کلام غنی ہے اور عاقبت اور وقت پاک ہے۔

مسئلہ صفات پر بحث

صفات ذات باری کا مسئلہ موسمی عقائد و اصول کے دعوے سے ایک نہایت اہم اور دقیق مسئلہ ہے۔ علماء اسلام نے اس میں نہایت طویل و مبسوط مسائل جمع کئے ہیں اور جس قدر اختلاف اس مسئلہ میں پایا جاتا ہے غالباً کسی دوسرے مسئلہ میں نہیں پایا جاتا۔ اسی مسئلہ کے اختلاف نے برہمنوں کے متعدد مذاہب قائم ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ مذاہب سب کے سب فلسفیانہ نظریات پر مبنی ہیں اور متافیزکس کے لئے تشریح دہن کا موجب ہیں اس لئے ہم اس مختصر میلان میں چنانہ پسند نہیں کرتے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ ظاہر کتاب و سنت سے ثابت ہو سکتا ہے اسی کو بھیج مذہب قرار دینا چاہئے۔ اور ایک طالب حق کے لئے جو اپنے عقائد کو بغیر واسطہ سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے اسی قدر کافی سمجھنا چاہئے۔ طبع صالحین کا مدار صرف کتاب و سنت کے لفظوں پر تھا وہ اس میں بہت احتیاط سے کام لیا کرتے اور اپنی ذاتی رائے پر اکتفا کرنے سے بیعت اختیار کیا کرتے۔ +

واقع ہو کہ کتاب و سنت میں سرعہ عقائد ذات باری کے صفات کا ذکر پایا جاتا ہے اس لئے ہم کسی صورت میں صفات سے انکار نہیں کر سکتے جیسا کہ معتزلہ فرقہ کے عقائد سے تاویل کر کے صفات کی نفی کر دی ہے۔ ہم عالم کائنات میں سلسلہ افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسا کہ غیر متناہی کائنات کی زیر عمل قائم ہے اور ہم پہلے بیان کرتے ہیں کہ افعال صفات کا نتیجہ ہیں اور صفات کا ہیروانات کے یہاں نمود کوئی درجہ نہیں۔ صفات ہمیشہ کسی نہ کسی ذات کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ کتاب اللہ میں اسی غیر متبدل قانون کی پر اثبات صفات کی بابت استدلال کیا گیا ہے۔ اور

کتاب اللہ کے کلام الہی ہونے پر قطعی دلیل ہے کہ اس نے عالم کائنات کی ہر ایک شے کو
مثلاً استدلال قرار دیا ہے

وفي كل شيء لداية - تدال علی الله واحد

اجرام معلومہ کے منطوق وجہ علم ہست کے علماء کا خیال ہے کہ ہر ایک تیارہ اپنی خاصیات میں
دوسرے تیاروں کی نسبت نمایاں امتیاز رکھتا ہے بعض تو بہت ہی چھوٹے ہیں اور بعض بہت
بڑے یعنی کہ بعض کی نسبت تو ان کا یہ خیال ہے کہ بلا کر وہ زمین اس کے سامنے وہی نسبت رکھتا
ہے جو ایک بیت کے ذمہ کو اس کروے نسبت ہو سکتی ہے جس کا قطر ایک ہاتھ ہو۔ زمین کا قطر
آٹھ ہزار میل اور اس کا محیط قریباً چھ سو ہزار میل قرار دیا گیا ہے اور آفتاب کا قطر آٹھ لاکھ ہزار
پانچ سو ستی میل اور اس کا محیط قریباً چھ سو لاکھ ہزار پانچ سو میل ہے اور بعض تیاروں
ہم سے بہت قریب ہیں اور بعض لاکھوں اور کروڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اور بعض اپنے
مدار میں بہت آہستہ رفتار کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور بعض اس قدر تیز رفتار ہیں کہ ایک
گھنٹہ میں تیس ہزار میل کا فاصلہ طے کر جاتے ہیں۔ اور بعض سرخ رنگ کے ہیں اور بعض زرد۔
اور بعض سفید۔ بعض کی روشنی ذاتی ہے مثلاً سورج اور بعض کی انعکاسی مثلاً چاند اور بعض دیگر
سیارات بعض حرارت سے بالکل خالی ہیں اور بعض جاسیت گرم۔ اور اپنی گردش میں کتاب سے
بعض برف قریب ہوتے جاتے ہیں اور بعض دیگر برف برف لپیڈ۔ بعض کی روشنی گھٹی بڑھتی رہتی ہے
بعض کا چہرہ کسی خاص وقت میں ہوتا ہے اور ایک خاص مہلت کے بعد چھپ جاتے ہیں۔ بعض
کی روشنی ہم تک نہیں پہنچتی جس کے بعد پہنچتی ہے جیکہ آفتاب کی روشنی آٹھ گھنٹہ میں ہم تک
پہنچ جاتی ہے۔ اور بعض کروڑوں کی طرح آجوں ہیں اور بعض آبادی سے بالکل خالی ہیں۔ بعض کی
سمت شمالی ہے بعض کی جنوبی۔ اور بعض کا ہوتے ہیں اور بعض کموت بعض قافز کشش ثقل
سے نکلیں قائم ہیں۔ مگر محققین علم ہست کی اس تحقیق کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال عامہ
ہوتا ہے کہ جب ان اجرام کا وہیہ کا اسل بلا وہ ایک ہے اور جس مادہ اس امر کا مقتضی نہیں کہ ہر ایک

ایسی خصوصیات کے ساتھ متعین ہو جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ تو ان خصوصیات کے اپنے اپنے ابراہمت متعین ہونے کی علت کیلئے ہے؟ اس کا جواب ان محققین کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ ان خصوصیات کی علت جو ایک عیب غریب نظام پر مشتمل ہے اور جو مخلوقات کے مصلح اور منافع اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور جسے مادہ کی حرکت ہے جس میں نہ تو اور ایک اور ادا دیا جاتا ہے نہ امتیاز اور تدبیر بلکہ اس کا صحیح جواب یہ ہونا چاہئے کہ ان اجرام کے اس صورت موجودہ میں قائم کرنے کا حقیقی قائل وہ ذات قدس ہے جو اپنے علم۔ ارادہ۔ قدرت اور حکمت میں کامل ہے۔

اسی طرح جب ہم فضا کے اندر کی کائنات میں غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام فضا ہوائ سے پر ہے جس سے نباتات اور حیوانات کی حیات کا سلسلہ جاری ہے اور چونکہ ہوا تمام اشیاء سے حیات کے لئے زیادہ ضروری سمجھی گئی ہے اس لئے وہ ایک کثیر مقدار میں موجود ہے جس کے مائل کرنے میں کئی قسم کی دقت پیش نہیں آتی۔ یہی حال ہر ایک شے کا ہے کہ جس قدر اس کی حاجت نباتات و حیوانات کے لئے کم و بیش ہے اسی قدر اس کی مقدار میں بھی کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ ایہ عمل شیخی سندھ بمقدار کے یہی معنی ہیں۔

مختلف قسم کی بادلوں کے چلنے اور ان کے منافع اور خصوصیات میں غور کرو کہ وہ کس طرح مختلف چیزوں سے خاص خاص وقتوں میں ملتی ہیں۔ کوئی مریطوب ہے اور کوئی یابس۔ اور ایک خاص ہے تو دوسری بارو۔ ایک تند ہے تو دوسری نرم۔ ایک رات کو ملتی ہے تو دوسری دن کو۔ بادلوں کی ماہیت میں غور کرو کہ کس طرح بنتے ہیں اور ہوائیں ان کو کس طرح ایسے قطعات زمین تک پہنچا دیتی ہیں جہاں ان کے برسنے کی ضرورت ہوتی ہے؟ اور ان میں معدودہ برقی پائے ملتے ہیں جن کی حرارت اور حرکت سے بادلوں میں تھوڑی سیسا ہوتا ہے جس سے پانی کے اجزاء میں تحلیل پیدا ہوتی ہے جس سے وہ برسنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اپنے پانی سے مراد زمین کو زندہ کرتا ہے جس سے مختلف قسم کے خوب نکلتے و نباتات جن پر انسان اور دیگر حیوانات کی زندگی کا انحصار ہے پیدا ہوتے ہیں۔

اسی طرح روشنی کا حال ہے جو ایک نہایت عجیب طریقہ قافلوں کے ماتحت نکلتی ہوئی ہے
 اور مختلف رنگوں میں پھلتی ہے۔ موجودہ زمانہ کے محققین نے روشنی کے اصول پر بڑے بڑے لمبے
 سیارے نکلتے ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ نباتات و حیوانات کی زندگی کا آغاز
 اور ان کی نشو و نما اور صحت اور تندرستی جراثیم کے ہلکے کرنے اور بھارت کے دکھائی دینے کا مددگار ہے
 روشنی پر ہے اور عظیم کائنات کی نظم و نسق میں جس قدر فائدہ روشنی سے حاصل ہوتے ہیں ان کا شمار
 ناممکن ہے۔ مگر باوجود روشنی کے اس قدر آئندہ مشاہدہ کرنے کے بھی اس کی باہیث ابھی تک نامعلوم
 ہے اور حال اس کی کوئی تسلی بخش تشریح نہیں ہو سکتی۔ ایک بڑے مشہور محقق کی روشنی کے تعلق
 یہ رائے ہے کہ وہ نہایت چھوٹے ذرات کا نام ہے جو کسی روشن جسم سے علیحدہ ہو کر پھرتے ہیں مگر
 بعد کے محققین نے واکل کے ساتھ اس مذہب کو مردود قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بقیہ
 کے اجزاء کی حرکت کا نام ہے جو غیر محدود فضا میں پسپا ہوا ہے اور اس وقت تک جہور کی حالت
 میں ہی مذہب صحیح قرار دیا گیا ہے۔ مگر ایک مخالفت کو سکت ہے کہ کیا وجہ ہے کہ بقیہ کے اجزاء
 کی حرکت ایک صاف، شفاف اور قدر اور بقیہ کے نقطہ میں نفوذ کر کے تحت کے دوسری طرف
 ظہور پذیر ہو اور جیسا ہی نقطہ کے ایک طرف سیاہی پھیلے تو نہ گمراہ بلکہ اجزاء کی حرکت نقطہ
 نفوذ کے ساتھ حالانکہ سیاہی کا نہایت باریک پردہ چھوٹا ہی نہیں ہے بلکہ اولیٰ نفوذ کے قابل
 تھا اور اس سوال کا یہ جواب کہ رنگ بلحاظ حرکت اجزاء کا مانع ہے صحیح نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا
 ہونا ممکن نہ ہو سکتی ہے بلکہ نہیں لیکن اس امر کی توجیہ تھا کہ ذمہ ہے کہ کیوں حرکت اجزاء
 ایک ششوں ذرات نقطہ میں تو نفوذ کرے اور باریک پردہ چھوٹا ہی نہیں ہے بلکہ اولیٰ نفوذ کرنے سے عاجز ہے
 موجودہ زمانہ کی نئی ایجادات میں ایک قسم کا روغن ایجاد کیا گیا ہے کہ جب اسے چند منٹ کے
 لئے صدف کی روشنی میں رکھیں تو اندھیری رات میں جابر جتنا ہلکا ہے جس کی توہین یوں کیا کرتے
 ہیں کہ فضا کی روشنی سے روغن میں ایک قسم کی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر سوال یہ فائدہ ہوتا ہے
 کہ روغن میں یہ حرکت کس طرح جاری ہو سکتی ہے! جبکہ صدف کی روشنی اس سے منتقل ہو چکی ہو۔

اور بخاطر یہ بات قافلانِ انکس کے برعکس ہے۔ ان واقعات میں فہم کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مثیلے منکوحہ بالائیں من کی مستلذہ خصوصیات کی کشمکش کی کیا علت ہے؟ اور یہ امر ایسا سرسری نہیں کہ چونکہ ان ہشیا کے متعلق نباتات و حیوانات کے اس قدر منافع و مصالح و اجزائیں ہیں جن سے کوئی عقل و ہوش کا آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا اجڑے مادہ کی حرکت کو ملت قراد و گے یا اقتضائے طبیعت و ضرورت کو؟ مگر ایسے جوابات سے جو ہم اوپر ملے ہیں کوئی محقق کہیں تک مطمئن ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں بلکہ تو کچھ دل کے ساتھ اقرار کر دو کہ مذکورہ بالا عجیب طریقہ پتہ اور نوامیس کا تجویز کرنے والا وہی عظیم حکیم اور خیر قدیر ہے جو ان ہشیا کو علم سے وجود میں لایا اور خاص خاص آثار و خصوصیات کو ان سے تعلق دیا۔

اسی طرح زمین اور اس کی جزئی طبیعت میں فہم کر دہ جس کے تین چوتھائی حصہ کو بحر محیط احاطہ کئے ہوئے ہے اور صرف ایک چوتھائی مختلف قسم کی معدنی۔ نباتی حیوانی مخلوقات کے لئے باقی رہ جاتی ہے جس طرح پانی کے اندر بے شمار مخلوقات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح زمین کے مختلف حصوں میں مختلف قسم کی معدنی۔ نباتی اور حیوانی مخلوقات پائی جاتی ہے اگر کوئی شخص ان تمام بڑی و چھری مخلوقات کا حصر کرنے لگے اور مختلف قسم کی اشیاء کی بناوٹ اور ان کے آثار و خصوصیات اور ان کے مصلح و منافع کا اندازہ لگانا چاہے تو ناممکن ہے کہ وہ ابد تک آباد تک ان میں بھی عہد بردار ہو سکے۔ اور یہی مطلب ہے آئیے۔ اعلیٰ کی شیخہ خلقہ بشر ہدائی کا۔

اس کو خاک کی ماہیت میں فہم کرو کہ کس طرح اس کی سطح پر پیڑ۔ دریا۔ میدان۔ فیتان اور غایب اور اسے پائے جاتے ہیں اور یہ سب چیزیں انسان کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ پیڑوں کو کھجور کن کے وجود کے ساتھ کس قدر انسانی ضرورتیں وابستہ ہیں۔ ان کی تہ میں سے پانی پھوٹتا ہے جس سے نباتات اور حیوانات سیراب ہوتے ہیں مختلف قسم کے جانور اور وحوش کے لئے پناہ ہیں اور غارتی و ٹکڑی اور ایندھن اور مختلف قسم کے

یعنی پتھر اور وحاشیہ پیدا ہوتی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود انسان کی زندگی کے لئے ضروری
 بھی گئی ہے۔ لیکن کہ تلافی مطلق نہیں یہی سبب و ادویاں بھی پائی جاتی ہیں جہاں رنگارنگ کے
 پھول اور پھل اور درختان سرسبز اور جلدی پتھے اور خوش آواز پرندوں کی سُرنی آوازیں اور
 پلوں کے جسم کے شہتہاں ہیں کی یاد دلاتے ہیں اور انسان کے سرور و غماز اور تشریح و حمد
 کے لئے ایسے قدرتی مناظر کی جو مروت و محبت ہوتی ہے وہ خود ظاہر ہے +

انسان کی حیثیت میں خود کو جو کئی ایک قسم کے حیوانات کے لئے مستحکم پناہ گاہوں کا کام
 دیتی ہیں۔ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کی تہ یا گہرائیاں تو سرد ہو جاتی ہے اور عاتسے کے ٹھون
 میں گرم۔ اس لئے ایسے حیوانات جو سخت سردی یا گرمی کی تاب نہیں دے سکتے ان کی تہ میں اپنا
 ٹھکانا بنا لیتے ہیں +

میدانی زمین کے مصالح میں خود کو کھان میں بعض میں کسی خاص قسم کی نباتات پیدا ہوتی
 ہے جو کسی دوسرے حصہ زمین میں پیدا نہیں ہو سکتی اسی طرح میدانی علاقوں میں بعض تو بہت
 سخت اور خشک ہوتے ہیں جو عورت کے کام آتے ہیں اور بعض نرمی اور نرمی میں مٹھوٹے ہوتے
 ہیں جو کھیتی باڑی کے کام آتے ہیں +

معدنیات میں خود کو زمین کی تہ میں ایک ہی اور سے کس طرح سے مختلف قسم کی فلزات
 تیار ہوتی ہیں جن سے سطح زمین پر بہنے والے بے شمار منافع حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض
 تو ہمارے اور بعض سال ہیں اور بعض خشک ہیں اور بعض نرم۔ اور بعض پتھر و ریزہ ہو سکتی ہیں اور بعض
 نہیں ہوتیں۔ اور بعض لگی ہوئی ہیں اور بعض نہیں لگی ہیں۔ بعض جو جمل ہیں اور بعض لگی۔ کوئی نادر
 رنگ کی ہے اور کوئی سفید۔ کوئی سرخ اور کوئی سیاہ۔ انسان انہیں مختلف طریق پر اپنے استعمال
 میں لاتا ہے بعض کو کھانے پینے کے کام میں لاتا ہے بعض کو دوا کے طور پر اور بعض سے مختلف
 پریشانیوں کے اسلحہ اور آلات تیار کرتا ہے اور بعض محض زیب و زینت کا کام دیتی ہیں۔ بالخصوص میں
 اور ہاتھن و معاشرت کی مختلف صورتوں میں سب سے بڑھ کر کارآمد چیز ہے۔ کتاب اللہ میں

اس کا فکر خاص طور پر مذکور ہے چنانچہ فرمایا: **وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فَبَدَأَ بِذَاتِ بَعْلٍ حَلْاسٍ**۔
 اگر کوئی محقق ان سب کے عجیب غریب خواص کا پتہ لگانا چاہے تو بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ
 وہ ان کے حصے عاجز ہو کر رہ جائے۔ مثلاً اس کے طور پر متناہیس کو جو چاہے کو جذب کرتا ہے
 کیا قہر کی قوت بتائیں؟ اگر ہم یہ جواب دو کہ اس کی قوت وہ حرکت ہے جو متناہیس کے
 اجزاء اور اس کی خاص ترتیب سے پیدا ہوتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ فی الواقع یہ جذبہ
 ہو سکے۔ یہ ایک جسم اور اس قابل امتیاز جذب ہے کیونکہ اقل یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکور بالا
 کی خصوصیت متناہیس ہی اجزاء کے ساتھ کیونکر ہو گئی؟ اور دوسری مثالوں کے اجزاء میں ایسی حرکت
 کیل پیدا نہیں ہوتی! دوہم یہ کہ جب متناہیس کو لوہے کی ایک دوسری سطح سے چپان
 کر دیا جائے تو اس سطح میں بھی وہی متناہیسی قوت جذب پیدا ہو جاتی ہے۔ اس جذبہ متناہیس
 کے ساتھ چپان ہے اس میں قوت جذب بڑھ جاتی ہے۔ اس جذبہ وہ عظیم ہو جائے تو وہ
 قوت اس سطح سے نائل ہو جاتی ہے۔ یہ قوت اس کے یکے ایک فوائدی سطح متناہیس سے
 چپان ہو تو اس میں بھی قوت جذب پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر متناہیس سے علیحدہ کر لی جائے تو
 اس سطح میں قوت جذب بدستور موجود رہتی ہے۔ اور اس نائل نہیں ہوتی۔ کیا ہم اس امر کی کوئی
 سمجھ تو جہ بنا سکتے ہو کہ وہاں فوائد کی مذکورہ بالا خاصیتوں میں وہ امتیاز کیا ہے؟ سوم یہ کہ
 متناہیس کے دونوں کناروں پر قوت جذب موجود ہے۔ اور اس کے وسط میں یہ قوت باطل
 معدوم ہوتی ہے۔ اور اگر وہی متناہیس ٹکڑے کو اس کے وسط سے توڑ دیا جائے تو اس کے
 دونوں کناروں پر پھر وہی قوت جذب بدستور پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا ہم اس کی سمجھ تو جہ بیان
 کر سکتے ہو؟ نیز متناہیس میں تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ زلزلہ کے آنے پر اس کی قوت جذب
 بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ اور زلزلہ کے ٹکڑے ہونے پر پھر وہی قوت لوٹ آتی ہے۔ چنانچہ اسی
 اصل پر وہ لٹیرا کیا گیا ہے جو وقوع زلزلہ کے قرب کا پتہ دیتا ہے۔ ان سب سوالات کا جواب
 بجز اس کے اور کیا دے سکتے ہو کہ یہ متناہیس کی انہری خاصیت ہے۔ مگر ایک سمجھ امتیاز سلطان

نبات کی اولاد میں ان کے ساتھ ہی کوئی لگا کر ان آثار کی تھیں اور ان نوں کی تجویز ایک ایسے
اولاد کے اور کمال علم و حکمت ذات کے قبضہ قدرت میں ہے جو چیزوں کا خالق بھی ہے ۔
انسان سے کہو کہ تہا سی توجہیات تہا میں ہیں یا یہ جواب : ۵

آؤ فلان زمین کی مخلوقات نبات میں بھی فرق کر اور ان کے عجائب و مراتب آثار اور مختلف قسم کے
اشغال والوں کو دیکھو کہ کس انتظام کے ساتھ ان میں ایک غیر متبدل اسرار و حکم کا سلسلہ قائم کیا گیا
ہے : ایک چھوٹا بیج مٹی اور پانی اور ہوا کے اجزا کو اپنی طرف جذب کرتا ہے اور منہ سے ہی
دونوں اس میں بخار و فاکے آثار ظاہر ہوتے گئے ہیں اور وہ بتدریج اجزائے عناصر کو اپنی طرف جذب
کرتے کرتے ایک جسم ہلکی بن جاتا ہے جس میں حیات نباتی پائی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ ایک نئی
بن جاتا ہے ۔ یہ ایک جسم نباتی ہے جس میں قوت اذہ اور ایک منقود ہے بلکہ وہ جسم جمادی کے
مشابہ ہے لیکن زمین کے پیٹ میں اس کی جڑوں کے پھیلنے اور فاصلت قدامت حاصل کرنے کے
رُت سے وہ ایک جسم بیوی سے مشابہ ہے ۔ جسم نباتات کے متقیقین کے نزدیک یہ امر پائے قیوت
تک پہنچ چکا ہے کہ نباتات میں بھی ایک ایسی نوع ہے جس کی وجہ سے جسم نباتی بعض ایسے آثار
کا مصدب ہو جو ان کے ساتھ منہوس ہیں ۔ علامتیں آنندی جو موجودہ طبقہ علمائے مصر
میں ایک مستند عالم ہیں اپنے رسالہ تحفہ میں لکھتے ہیں ۔

میں نے اپنی آنکھوں سے بیروت کے منہا میں ایک قسم کی نبات کا مشاہدہ کیا
ہے کہ اس میں ایک زور رنگ کے پرندے کی شکل کے شکو فے پائے گئے اور اس میں سر اور
آنکھیں اور چونچ اور گردن سینہ اور وہ پیلے ہونے بازو و عینہ و عینہ نظر آتے تھے اور وہ
مرغ کی طرح اپنے پاؤں پر قائم تھے شکو ذ کے پیٹ کے نیچے کی طرف شہد کی کمی کی صورت
نظر آتی تھی جس کا منہ اس کے پیٹ پر رکھا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ چوس رہی ہے
اور کبھی کا سر اور آنکھیں اور منہ شہد اور وہ بازو و عینہ و عینہ نظر آتے تھے ۔ الغرض شہد کی کمی
اور مذکور بالا صورت میں کچھ تفاوت معلوم نہیں ہوتا تھا ۔ وہاں کے لوگ اس شکو کو زہرۃ الخلد

ہوتے تھے۔ کیا اس قسم کی نباتات سے معرض وجود میں آنے کی محنت ماہرین علم نباتات میں ان کو رکھیں گے انہیں ہرگز نہیں۔ ہاں ایک صحیح عقیدہ مسلم یہ جواب دے کر کہ اس کو مصلحت کا سامنے ایک کامل القدرۃ اور کامل الحکمتہ و العظمۃ ذات القدرۃ و العزۃ مادہ اور تمام نباتات کے صحیحہ قوت سے کوئی شخص قائل نہیں پاکستان

بعض نباتات میں قوت جس سے اس طرح پانی جاتی ہے جیسے حیوانات میں۔ چنانچہ مشہور نباتات سطلہ دیوئی موئی میں قوت جس میں وہ تک پانی جاتی ہے کہ اگر اسے کوئی چھو دے یا جھٹکے تو وہ مکر جاتی ہے اور اس کے پتے باہم اکٹھے ہو کر مل جاتے ہیں۔ اور ایک قسم کی نباتات ہے کہ اگر کسی اس پر بیٹھا جائے تو وہ کبھی کو ایسے طور پر جلو کر لیتی ہے کہ وہ اڑ نہیں سکتی اور اس کا سارا خون پس لیتی ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ نباتات کسی خارجی چیز کے حرکت دینے سے متحرک ہوتی ہیں مگر ایک قسم کی نباتات ہے کہ وہ بذریعہ کسی قسم کے خارجی اثر کے خود بخود حرکت کرتی رہتی ہے۔ اس کے تین پتے ہوتے ہیں ایک بڑا جو درمیان میں ہوتا ہے اور دو اس کے دونوں طرف وہ نباتات دونوں طرف وادی میں برابر حرکت کرتے رہتے ہیں۔ ایک پتہ اوپر کو اٹھتا ہے تو دوسرا نیچے کو آتا ہے۔ اور ایک قسم کی نباتات ہے کہ اس کے درمیان کا پتہ حرکت بھی وہاں کو حرکت کرتا ہے اور اس کے دونوں طرف کے پتے باہم دونوں طرف متضاد حرکت کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس قسم کی نباتات دریائے گنگا کے کنارے پر بھی ملتی ہے جس کے پتے ایک منٹ میں ساٹھ گز حرکت کرتے ہیں۔ ہندو لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور ایک قسم کی نباتات ایسی ہے کہ آفتاب کی حرکت کے ساتھ ساتھ اس کا شکوہ بھی حرکت کرتا رہتا ہے۔ عرب میں کو "غالب الشمس" اور ہند میں اسے "سومرج نکھی" کہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنا رخ آفتاب کے سینہ مقابل پھیرتی رہتی ہے۔ ملک امریکہ میں ایک ایسا درخت پایا گیا ہے کہ جب کوئی حیوان اس کے قریب جائے تو اس کی شاخوں میں ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ حیوان کو ایک نہایت قوت جذب کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جہاں سے وہ

دائیں نہیں نکلتا اور باقی وہ جس میں رہتا ہے۔ ایک شمس ہند بھی ستیج نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس نے اپنے حالات مغربی کھسارے کے کھل کے جانے اس وقت کے پاس بھی نہیں بھیجتے۔ عربی زبان میں اس وقت کا ترجمہ شجرۃ الموت کیا گیا ہے۔

نباتات میں بعض جیسے جیسے مولد عرض کے وقت بھی پانے جاتے ہیں جن کا محیط نہتے کو تک پایا گیا ہے اور بعض کا طول تین سو یا چار سو کروڑ تک پہنچ گیا ہے۔ ماہرین علم نباتات نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی عمر ملتی ہزار سال سے ہرگز کم نہیں۔ امریکہ اور کات لینڈ میں ایسے وقت دیکھنے میں آتے ہیں۔ کینیڈا میں ایک صنوبر کا وقت ہے جس کا طول تین سو کروڑ اور محیط تیس کروڑ ہے۔ اس کی عمر کا اندازہ چھ ہزار سال لگایا گیا ہے۔ بحرہ اوقیانوس کے بعض جزائر میں ایک وقت پایا گیا ہے کہ لگ بھگ آدھی اپنے باقی پیدا کر رہے تھے کا اضافہ کرنا چاہتے تھے کہیں اور باد جو دیکھ اس کی عمر کا اندازہ کئی ہزار سال لگایا گیا ہے مگر ابھی تک وہ ویسا ہی بڑھ رہا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اس کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔

اور بعض نباتات اس وقت تک چھوٹی ہیں کہ وہ موسم خود میں کے محسوس نہیں ہو سکتیں۔ نباتات میں ایسے بھی اقسام نبات پائے جاتے ہیں جن کی حالت باہم متضاد واقع ہوتی ہے اور ان کے اشکال۔ پتے۔ ٹھونے۔ پھلوں اور بیجوں اور بولہ اور الفاغیر اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بعض گرم گرم گرہیں بعض موسم سرما میں بعض موسم بہار میں اور بعض خزاں میں پھلتے چھوٹتے ہیں اور بعض میدانوں اور بعض پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض بارش کے پانی سے نشوونما پاتے ہیں اور بعض پانی کی ضرورت نہیں رکھتے۔

اور نباتات میں سب سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ایک خاص نبات کو بولہ اس کے نمک اجزاء کا استکان کرو۔ جو خاصیت اس کے پھل میں پانی جاتی ہے وہ اس کی جڑوں اور پتوں میں نہیں اسی طرح بالکس بھی والا کہ اس نبات کا وہ ایک ہی ہے اور ایک ہی پانی

سے سیلاب ہوتی ہے اور ایک ہی ہوا اپنی اور دھنی سے حریت پاتی ہے۔ کیا یہ عجائبات کسی مبدع
 قادر عظیم، قادر و عظیم کی قدرت کا نہ کافجہ ہیں یا محض اتفاقیہ طور پر پھیلنے پڑ سکتی ہیں؟ نہیں بلکہ
 یہ یقین جتنی رحمت و تعالیٰ کی طرف سے نہ نہیں ہیں ان کا تو شمار ہو سکتا ہے اور ان کا شکر یہ ادا
 کیا جا سکتا ہے۔ **سوالن تقد و العتہ اللہ لا یختصروہا۔**

عالم نباتات میں محققین نے بعض جزئیں ایک ایسے وقت کا پتہ لگایا ہے جس کا پھل کی
 ہوئی روئی کی طرح گول ہوتا ہے اور جس کا بدن چھ میں قدام کے برابر اندازہ لگایا گیا ہے۔ یعنی میں
 اس کو شجرۃ الغیر کہتے ہیں۔ ان جزائر کے لوگ اسے تو کوڑیے ہی کہتے ہیں جیسے صنوی کی
 ہوئی روئی کھاتی جاتی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں ایک قسم کا درخت پایا گیا ہے
 جس کے تنے میں شگاف کرنے سے گلے کی دودھ کی طرح تازہ دودھ بہتا ہے۔ اسی طرح جزائر
 میں ایک درخت پیدا ہوتا ہے جس کے پھل کا دس پھول کا سا ہوتا ہے اور اس کے تنے سے نہ
 اور نید دودھ نکلتا ہے جو وہاں کے لوگوں کی بہترین غذا ہے۔

الارض عالم نباتات کے عجائبات انتہی و انتہی میں تین کی تفصیل ہوائے ان کے
 خائن جتنی کے کوئی نہیں جانتا ہے

تأمل فی نباتات الارض وانظر - لئ اناسر ما منع الملیل
 علی قنصل الشہر حید شاعدا - بان اللہ لیس لہ شریا
 یعنی زمین کی مختلف قسم کی نباتات میں غور کر اور ان عجائبات و غرائب آثار کو دیکھو جو ایک عجیب
 و بردست کامل القنصل ذات القدس کو یہ ہیں۔

وہ آٹماپنی زبان مال سے نہیں دیکھ سکتا کہ کاسبرنگ کا قیمتی پتھر ہشتافوں پر اس علم
 کی بابت بھی شہادت دے رہے ہیں کہ اس خائن جتنی کا کوئی شریک نہیں۔
 اللہ اس کے ان ہر و شعر کی شہادت کرتا چاہو تو کسی جہت نگز میں شہادت دے رہے
 مختلف قسم کے پھولوں کے عجائبات میں غور کرو۔ یہیں ہمیں پھول ایسے بھی ملنے جن کی بیجوں کے

مختلف حصوں کے تھیں فکرت رنگ قزاقی گئے۔ ایک متبحر محقق کے لئے جس میں ایسی ایک چٹی بہرہ
کامل کا کام دے جاتی ہے شیخ شیراز نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بگ بگ خدمت ان سبزو نظر پوشدار - ہر وقت و فرست معرفت کردار

اب آؤ عالم ہر آثار میں خود بخود کریں اور کہیں کہ سطح زمین پر کس قدر میثاق حیوانات لکھ
آئے ہیں۔ ان کا وجود پذیر ہونا اسی قانون کلی کے تابع ہے جو عالم نباتات میں عمل کر رہا ہے
یعنی جس طرح نباتات غذا حاصل کرتی ہیں اسی طرح عالم حیوانات کی نشوونما بھی مادہ غذائی پر
محصوس ہے۔ ان میں سے انسان کو لو۔ وہ تھو کو سنہیں پہتا ہے اور وہ مادہ میں پیچ کر فطر قبیل
کرتا ہے جس سے قوائے طبیعیہ اپنے حیرت انگیز عمل سے مادہ غذائی کو علیحدہ کر کے بدن کے
مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور فطرت کو اس کے راستے سے باہر پھینک دیتے ہیں۔

مادہ غذائی پاک و صاف ہونے کے بعد دو دھان خون کے ذریعہ سے ہر ایک عضو میں پھنک
دیا جاتا ہے۔ اسی مادہ غذائی کے ایک حصے سے مادہ منی تیار ہوتا ہے جو رحم میں چھپ
بصورت عقد متخیر ہوتا ہے اور بعد میں ایک عضو کی شکل قبول کر لیتا ہے اور بتدریج نشوونما
پاکر انسانی صورت میں آجاتا ہے جس میں تمام اعضا منتظم ہوتے ہیں اور مدد رفتہ جب اس
کے ایام تربیت پورے ہو جاتے ہیں تو اس میں حیات حیوانی جو حرکت کا موجب ہے پیدا ہو
جاتی ہے اور مدت معینہ کو پورا کرنے کے بعد باہر آتا ہے اور پستان مادہ سے محض بہ اہرام
نباتی اپنی غذا حاصل کرتا ہے اور بتدریج اس کے قوائے جسمانی اور قوت اور تک ترقی کرتے
گتے ہیں اور بالآخر وہ مختلف مراتب تربیت کو طے کر کے ایک عاقل حکیم محقق انسان بن جاتا
ہے اور عالم کائنات کی نعمات و اشیا میں انصاف کرتے پر قادر ہوتا ہے۔ "فعلیلاً اللہ حسن الخلقین"
یہی اصل دیگر انواع حیوانات کی پیدائش کا ہے مگر یہ ہیں انسان کی بعض جسمانی
حصوں کی بناخت پر مختصر طور پر بحث کرتے ہیں جس سے انسانی اعضاء کی ترکیب کے مصالح
اور مصلحہ سمجھیں آجائیں۔ مگر ہر ایک عضو کی بناخت کے متعلق حکمتوں اور مصلحتوں پر

بحث کی جائے تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائیگا۔ ایک تبصرہ محقق غور کرنے سے بے شمار مصلحتوں پر آشکار ہو سکتا ہے۔

سارے جتنی نے مہم میں کو ایک ہی ہڈی سے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا پہل بہت سی ہڈیوں سے تیار ہوا ہے کیونکہ اگر ایک ہی ہڈی سے بنایا جاتا جو سر سے پاؤں تک سخت کڑی کی طرح ہوتی تو اس کا تمام بدن کھمبا ہو جاتا۔ لیکن بہت سی ہڈیوں سے مرکب ہونے کی صورت میں کسی ایک کے ٹوٹ جانے پر دوسری کو اثر نہیں پہنچتا۔ مثلاً سر کی ہڈیوں میں غور کرو کہ اس کی صورت کدالی میں کس قصبے شکل مکتب میں مندرج ہیں مثلاً سر کو گول پیدا کیا ہے کیونکہ مدور شکل ذوالاضلاع شکل سے کسی پتھر یا لکڑی کے گٹے سے نسبتاً زیادہ مفید ثابت ہے آدمی کے سر کا کاسہ بہت سی ہڈیوں سے جو ایک خاص اندازہ و ترکیب سے باہم جلی گئی ہیں مرکب ہے تاکہ وہ نجاست جو معدے و دماغ کو صدمہ دے میں ہڈیوں کے جوڑوں سے خارج ہوتے ہیں اور صحت مند رہے۔ اسی طرح جرم دماغ کے گرد و آورو ایک با ایک جلی پیدا کی گئی ہے تاکہ جرم دماغ اور سر کی ہڈیوں کے درمیان عامل ہے اور بیرونی صدموں سے دماغ بامقارہ ہو۔ اور بہت سی با ایک گیس اس جلی سے غلطی گئی ہیں جو سر کی ہڈیوں کے جھنڈوں سے ملی ہوئی ہیں اور یہ گیس جذب ہلہ بہت کام کرتی ہیں۔ کاسہ سر کی ہڈیاں اس طرح جوڑی گئی ہیں چارہ پوری اور چھت کی شکل میں بھی گئی ہیں۔ علم تشریح الاطباء کا ماہران ہڈیوں کی ترتیب و صورت سے کوئی آگاہ ہے اسی طرح نگاہوں کی بناوٹ میں غور کرو کیونکہ موجودہ بناوٹ کس قدر مثلاً مصلحتوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک گلی متعدد ہڈیوں سے مرکب ہے۔ اگر آگلی کی بناوٹ ایک ہی ہڈی سے ہوتی تو خیال کرو انسانی کا یہ میں کس قدر نفل پیدا ہوتا۔ اور اگر دو ہڈیاں ہوتیں تو پھر بھی موجودہ سہولت پیدا نہ ہو سکتی مگر۔ دونوں ہڈیوں کو ملائے سے ایک پیاد کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وضع سے انسان جتنے کام کر سکتا ہے وہ سب کو معلوم ہیں اگر جہتلی کی ہڈیوں کو موجودہ تمام ترکیب میں نہ رکھا جاتا تو خیال کرو کہ کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا

بہتر کی انہیں سے گہرا ایک نغمی یا مخصوص آگوشا نشان بوجھنے کو دنیا کے کاروبار میں انسان ایک
 کوئی جتنی بھرا جائے۔ اور اگر سوہوہ قلام کو بدل کر ان ہڈیوں کو کسی دوسری صورت میں ترکیب
 دیا جائے تو پھر بھی انسان کوئی کام نہ کر سکتا ہوگی۔ اور اس حکمت میں خود کرو کہ ہڈیوں کے
 وہاں طرف رہا قات پیدا کر دیتے ہیں تاکہ ایک ہڈی دوسری سے مضبوط طور پر وابستہ رہے
 اور اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے۔ انھیں کے سروں پر ناخن کے پیدا کرے پھر بھی خود کرو کہ چونکہ
 انسان اپنے ناخن کو بدن کے کھینچنے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کے چھیننے میں مشغول کرتا ہے
 اور جتنے شغل ہوتے سے عروسی عقار کو جس جایش اس نے حکمت ہی متقاضی ہوئی کہ وہ ہمیشہ
 رہتے ہیں پھر انہیں کی قوت ہا میں خود کرو۔ بالخصوص انگشت سبب جو اس قوت میں سب
 انہیں سے ممتاز ہے اور یہ اس لئے ہے کہ انسان سر و یا گرم یا نہنگ شیا کا امتحان کر سکے۔
 اس طرح دیگر اعضائے انسانی کی بناوٹ اور مصالح میں خود کرو۔ جیسے حکم و اسرار اپنی
 کا ایک بجز زخار نظر آئے گا جن کو دیکھ کر عقل انسانی رنگ رہ جاتی ہے۔ اگر کوئی مصنف آثار
 کی بناوٹ اور اس کے مسلک اور مشافہ میں خود کرے تو اسے یقین ہو جائیگا کہ سوسو کے وہ
 کے برابر انکس کی تہی میں زمین و آسمان جیسے وسیع مخلوقات کا کھسک اس طرح صحیح ادا کا کا واسطہ
 رہتا ہے۔ انسان کی عقل اس کی امت کے کھینچنے سے قاصر ہے اور یہ اختیار زبان سے نھتا
 ہے۔ "تبارک الله احسن الخالقین"۔

منہ میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس کا نام زبان ہے اور اس میں قوت شوق رکھ دی گئی
 ہے۔ ان کے ذریعہ ہم انہماک مالی الغیر کرتے ہیں اور دنیا کے کاروبار کا افسلہ اسی گوشت کے
 ٹکڑے پر قرار دیا گیا ہے۔ کیا کسی کو اس القدرۃ والحکمتہ صالح کی تجویز کے بغیر یہ سارے متاع انسانی
 تسلیم کر سکتی ہے؟۔ ضبصان من خلق الانسان وعلمہ الیمین۔

الغرض مگر انسان کی زبانی بناوٹ پر غور و خوض کیا جائے تو اس کو قائل حسی کی حکمت کا کار
 پائین ہونے پر کوئی چارہ نہیں۔ صدق الله تعالیٰ۔ "وفی الفسکما افلا تبصرون"۔

عالم جبرائیل میں ہم مختلف جنم کی مخلوقات کا مشاہدہ کرتے ہیں بعض تو بہت بڑے ہیں مثلاً
 باقی اور بعض اس قدر چھوٹے کہ وہ خوردبین کے بغیر محسوس بھی نہیں ہوتے۔ سپر گراں کی توانائی
 بناوٹ اور پیدائش اور حصول غذا اور صحت و عمر اور ان کے دیگر آثار و خواص کے امتیازات پر غور
 کیا جائے تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ یہ قدرت و حکمت صرف اسی خدائی و مدبر عالم کی ذات
 اقدس سے مخصوص ہے جس کی صفات کا وہ لامتناہیہ کا اندازہ لگانا قفل انسانی کا کام نہیں اور
 جس پر کوئی قانون مکران نہیں اور نہ کوئی ضرورت اسے مجبور کرتی ہے۔ عاجز انسان کو بجز اپنے علم
 و قصور کا اعتراف کرنے کے کوئی چارہ نہیں۔ اس صانع حقیقی کے حیرت انگیز افعال کا اندازہ اور
 اس کی لامتناہی صفات کی حقیقت کا ادراک کرنا ایک سیر محال کو ممکن بنانے کا وہ ماکرنا ہے
 شیخ شیراز نے سچ فرمایا ہے اور ہر ایک عارف باطن کا یہی مذہب ہے اور ہوتا چاہئے۔ ہند
 اسے برتر از خیال حقیاں میں گمان و دھرم + ضہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
 و فرہام گشت و بیاباں رسیدہ عمر + ما پختاں در اول وصف تو مانده ایم

مسئلہ تنزیہ و تشبیہ

قرآن خالص تو حید اور مطلق تنزیہ سے کرنا چاہیے اور نہ ہا ہے کہ خدا الیک ہے۔ آنکس
 اس کا غلط نہیں کر سکتیں۔ اور وہ آنکسوں کا محیط ہے۔ اس کے مانند کوئی چیز نہیں۔ معادہ
 کی ضرورت اور مدترہ کے علاوہ جن باتوں سے کہ تشبیہ و تجسیم کا گمان ہو سکتا ہے قرآن نے ان
 سب سے کنارہ کیا حتیٰ کہ اس قول میں کہ اس پر (خدا پر) بیت آسمان ہے مخلوقات کیساتھ
 چونکہ بظاہر مشابہت معلوم ہوتی تھی اس لئے اس کے ہمپہ کہ دیا۔ کہ اس کی مثال بیت
 اعلیٰ ہے۔ اس باب میں قرآن تمام دوسری کتابوں سے جو تشبیہوں اور ادنیٰ و بزرگی مشابہتوں
 سے بھری ہیں فانی ہے۔ اس نے اس قسم کے اقوال سے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا کی جیسی
 جمیع نہ کرتی ہو اور آسمان و زمین میں کوئی ایسا نہیں جو خدا کا بندہ نہ ہو۔ بتا دیا کہ شجر و حجر و بشر

جتنے ہیں خدا کے ہر کسی کی پوش جانز میں۔ یا اللہ ہم پر ہی ہی رحمت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے
 مدد مانگتے ہیں اس سے انسان کو اس کی حقیقت حال سے شناسا کر دیا کہ اُسے یہ لائق نہیں کہ
 مخلوق کے ہر کسی اور سے فخر اور ہر طرف سے جو اس کو توہمت گھیرے ہوئے تھے ان
 سے اس کو نجات دے دی۔ اس کے بعد اے اس کو ایسٹن دکھ کر یہ بھی بتا دیا کہ ہر ماں
 رحمت کرنے والی ہیں۔ ماں لڑکے سے جس قدر محبت کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ میں انسان
 پر شفقت کرتا ہوں۔ انسان کی شاہد گ سے بھی قریب ہوں اور یہ وہ دعا کرتا ہے تو میں
 اس کی دعا قبول کرتا ہوں اس کے ان احسانات پر ایک مسلم باوجود اس کے غفلت قبول
 کے اس کا قیاس کر لیتا ہے۔ اور نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ
 سے شرم خیال کر کے اسے پیار کرتا ہے اور مخالفت کی صورت میں اس کے عذاب سے ڈرتا
 ہے۔ یا اس ہدایت فرمائی کہ نے پر بھی انسان اگر اس کی ہر رجوع کرے تو اس کے دروازہ کو
 کھلا ہو اور اس کی مغفرت کو وسیع پائیگا۔ چنانچہ فرمایا کہ اے میرے بندو کہو بے اعتدالیان
 کہ بچے ہو خدا کی رحمت سے تا امید نہ ہو جاؤ۔ خدا نام کتابوں کو بخش دیا اور یہی بخشے والا ہر ان
 ہے۔ اللہ اکبر کہ اس میں متحمل عقاب وہ کہاں ان لوگوں کا گمان باطن کہ جب تک انسان اپنے
 گناہ کا کفار و خود سے خدا اس سے رحمت نہیں کر سکتا۔ گو وہ انکار کریں لیکن اس غلو نے ان
 کو شکرت میں اور تشبیہ و تمثیل میں اور مخالفت قتل و قتل میں مبتلا کر رکھا ہے۔ افراد ہو چکا۔ اب اس
 عقاب و اعتدال کا ان لوگوں کی قریب سے مقابلہ کیجئے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ان سے
 قس ہے اسے ان کی پروا نہیں اور ان کے ساتھ بھلائی کرتا نہیں چاہتا۔

عیسائی پادریوں میں جن میں عدین علم کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی کتاب میں کوئی ایسی آیت
 نہیں جو بندوں سے خدا اور خدا سے بندوں کی محبت پر دلالت کرتی ہو۔ اس میں جو کچھ
 ہے اور وحشت کی باتیں ہیں البتہ اس مقام پر میں اس مطلب کی باتیں قرآن مجید سے لے کر
 دور کرتا ہوں کہ وہ کہہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا ہی تم سے محبت

کرتے گا۔ ایا خدا خدا سے بڑی محبت رکھتے ہیں مگر قریب خدا ہی تو تم کو لایا جو خدا سے
محبت رکھتی ہو اور خدا ان سے۔ خدا کی محبت پر مال دیتے اور خدا کی محبت پر کھانا کھاتے ہیں۔
ان آیتوں میں رہنمائی۔ مہربانی۔ رحمت اور مغفرت کے تذکرے ہیں جن کی شان خود یہ نبیوں
کی کتاب میں بھی موجود نہیں۔ یہی کافی ہے کہ قرآن ہر ایک نوبت کو ہم پر عین و رحمت سے شروع کرنا
ہے۔ تو کیا یہ جیسا نہیں کہتے ہیں مسلمانوں کا مسجد منکسر ہے: اصل یہ ہے کہ تائب اور معاف
یہو بنایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس اعتقاد صحیح کی وجہ سے روئے زمین سے بہت پرستی اور عبادت
کی جو سبب ثابت پرستی سے مختلف ہیں مگر حقیقتاً اس سے متعلق ہیں پختہ ہی بیخ کنی ہو گئی اور عقل
ان تمام شہادت و ذراعات سے جو دوسری قوموں کو گھیرے ہیں پاک و صاف ہو گئی۔ اس سے
جیسی اور کیا اصلاح ہوگی!

الغرض تفسیر کا منہم یہ ہے کہ ذات باری کو ان تمام صفات سے پاک انا جائے جو مخلوق
میں پائے جاتے ہیں اور تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ اس کے لئے ان تمام صفات کو ثابت کیا جائے
جو مخلوق کے لئے ثابت ہیں مگر تو تفسیر کا یہ مطلب ہے کہ صفات کی بالذات نفی کی جائے اور
تشبیہ سے یہ مقصود ہے کہ اس کی صفات کی حقیقت مخلوق کی صفات کی حقیقت کا عین بھی جائے
بلکہ اس میں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ ذات باری صفات کا طے ہو سوتا ہے نہ کہی کہ اور حقیقت مخلوق
کی صفات تکلیف نہیں۔ آئیے۔ لیں کہ مثلہ شئی سے اگر تفسیر کی طرف اشارہ ہے تو اس کے لئے
مصدقہ ہو السامع البصیر میں تشبیہ کا اشارہ پایا جاتا ہے مگر یہ تشبیہ صرف لفظ سمع و بصر کے
خالق و مخلوق پر موقوف ہونے سے مقصود ہوتی ہے نہ ہر دو کے سمع و بصر کے یکساں ہو جسے
اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ ذات باری کے صفات پر نہیں الفاظ کا اطلاق کیا جاتا ہے جو مخلوق
کے صفات پر اطلاق کئے جاتے ہیں مگر ہر دو کے صفات کی حقیقت ایک نہیں۔ وہ یکو قرون مجید
میں ذات باری کے لئے یہ۔ وجہ۔ استثنائی و غیرہ صفات کا ذکر آیا ہے مگر ہم ان کی کنز کے متعلق

یہ نہیں کہہ سکتے کہ مکہ و مہرق کے یہ۔ وجہ استثنائی پر عمل نہیں کئے جاسکتے! ایسے آیات کو تشابہات
بولتے ہیں اور ان کے متعلق بھی نہ یہ ہے۔

مقتضایہ تجاویز و رد و ماویز - و فضیلت پیہ و بکرین

مسئلہ روایات باری عزائم

مسئلہ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آیا کوئی شخص ذات باری کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟
اس کی تین صورتیں لاکھتی ہیں:-

پہلی یہ کہ کوئی شخص دنیا میں دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق ائمہ اہل سنت
والجماعت کا اتفاق ہے کہ ذات باری کو آنکھوں کے ساتھ دیکھا جانا دنیاہ آخرت میں عقلاً
جائز ہے اور عالم آخرت میں سماعتاً و نظراً امر واقع ہے۔ لہذا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ شرعاً
دنیا میں روایت ذات باری جائز ہے یا نہیں۔ اس صورت کو بعض نے تو جائز رکھا ہے اور
بعض نے انکار کر دیا ہے۔ تو جو لوگ دنیا میں اس کے اثبات کے قائل ہیں انہوں نے صرف
صورۃ علیہ السلام کے لئے مشابہہ میں روایت کا فتویٰ دیا ہے اگر صحیح یہ ہے کہ آپ نے
روحانی طور پر شرف روایت حاصل کیا تھا ہر آنکھوں سے۔ اس لئے اگر کوئی شخص خواب
کی حالت میں روایت کا دعویٰ کرے تو بعض علماء کے نزدیک جائز ہے کیونکہ خواب کی حالت میں
محقق کا انکشاف تصور ذات شالیہ کی صورت میں ہونا ممکن ہے اور بیداری کی حالت میں
حسی کا ایسا دعویٰ باطل ہے کیونکہ بیداری کی حالت میں جس بصر کے ساتھ صرف ادویات کا
ادراک ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر بیداری کی حالت میں اذیہ صفات اور آثار معنویات کے مشاہدہ
کا دعویٰ ہو تو یہ صورت ممکن نہیں جیسا کہ بعض اکابر مہرقیات کرام کی نسبت مروی ہے۔ لہذا
تقریباً جن تصوف میں ایک بے فکر کتاب ہے اور جس کی نسبت مٹنی فارسی کہتے ہیں کہ جن
تصوف میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی کہتے ہیں کہ اکابر مشائخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو

شخص دنیا میں ان انکھوں کے ساتھ ذات باری کی مٹوہیت کا دعویٰ ہو وہ سخت گمراہ اور مجھوتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے اس نے خدا کے کوشاقت نہیں کیا۔ اگر کسی بزرگ سے غیب سکری میں بے اختیارانہ اس قسم کے الفاظ منہ سے نکل گئے ہوں تو ان کی تاویل کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ غایت استغراق و اشتغال کی حالت میں فاشاب حاضر معلوم ہو۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے: "الاحسان ان تعبد الله کانفاً سواہ" یعنی آسان کے یہ معنی ہیں کہ تو خدا کی عبادت ایسے کرے گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ انہوں نے طاہرہ طواف کعبہ کے متعلق فرمایا: "لناستراخی اللہ" یعنی ہم حکم کھانا کھائے قتالی کو کہتے تھے۔ صاحب عرواۃ لمانہ اپنی کتاب اعلام الصداغی و معتقد قوام باب الحقی میں لکھتے ہیں کہ ان انکھوں سے نہایت ذات باری عالم دنیا میں دشوار ہے کیونکہ دنیا دار القلب ہے اور آخرت دار البقا۔ اکابر علماء کو اس دنیا میں ہم یقین کا وہبہ حاصل ہو سکتا ہے اور آخرت میں انکے لئے یقین کا نہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس امر پر جمیع علماء امت کا اتفاق ہے کہ ان انکھوں سے دنیا میں کوئی شخص ذات باری کو نہیں دیکھ سکتا۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی نسبت علماء کا اتفاق ہے اور اس میں سے لگ کر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے کہ وہ شرعاً واجب آسمان ہے کیونکہ وہ پھر ہی علیٰ حدیث اور پھر ہی علی اللہ سے بڑھ کر کوئی شخص ظالم نہیں ہو سکتا اور وہ شرعاً ایسا شخص کافر ہے۔ فغانکی کتابوں میں یوں ہی لکھا ہے۔ مقابلہ منقولہ کے اشعار ذیل اس پر شاہد ہیں۔

ومن قل فی الدنیا یا ابعینہم + فذلک من ندیق الحق المتدیر
وخالک کثرت للہ والہرسل کھما + وشرائع عن المشرع التشریع وکجدا
وذلک ممن قال فیہ الہنا + یری وجہہ یوم العیامۃ اسودا
ترجمہ یہ شخص یہ کہتا ہے کہ دنیا میں اپنی آنکھ سے خدا قتالی کو دیکھتا ہے سو وہ زندیق

و کبریا ہے اور جمیع کتب سماویہ اور مدلولوں کی مخالفت کرتا ہے اور شریعتِ حق پرست و نور
 باری کا ہے یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دُویا
 اُٹھیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ رویتِ ذاتِ باری اولیا۔ اللہ کے لئے اس دنیا میں جائز نہیں کیونکہ
 یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رک رک دیتے گئے تھے جیسا کہ فی اللہ
 کا کیا ٹھکانا ہے ہم اور کھڑے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت علامہ کا حقا
 ہے۔ بہر صورت اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو اس صورت اگر اس کی تاویل کا قائل ہو تو ممکن
 ہے اور وہ قابلِ ترمیم نہیں بصورتِ دیگر وہ گمراہ اور تفریق ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بہ حالتِ خواب رویت کا دعویٰ ہو سوائے رویتِ
 بلا کیفیت اور بہت من لوازم مادیات سے پاک ہو تو اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ
 ایک طویل واقعہ میں امام ابو نعیمہ شافعی نسبتِ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت
 رب العزت کو تانوائے وفدِ خواب میں دیکھا ہے اور اس کے ہمہ پھر ایک وفد دیکھا جس
 سے توفیق کا دیکھنا پورا ہو گیا۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل کی نسبت مروی ہے کہ آپ نے
 فرمایا کہ میں نے حضرت رب العزت کو خواب میں دیکھا جس نے عرض کیا کہ خدا یا تیرا اقرب
 کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ ارشاد ہوا اے احمد! میرے کلام سے۔ میں نے عرض کیا کہ
 خدایا خواہ تیرے کلام کا کسی کو فہم ہو یا نہ ہو۔ فرمایا۔ فہم اور عدم فہم ہر دو صورت میں۔ اور
 ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سماعتِ ربی فی المنام
 اور بعض دیگر سلفِ صالحین کی نسبت بھی ایسا مروی ہے۔ اور ایک فہم کا مقام ہے جو ظاہر
 متوجہین کو قلب کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ انکار نہیں ہونی چاہئے کہ یہ ممکن
 کسی شخص کا اپنا اختیار ہی امر نہیں۔ اہل علم و اہل تائید القیاس میں کہتے ہیں کہ نبی اللہ
 کا اللہ تعالیٰ کو کسی منسوب صورت میں خواب میں دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ دنیا کی حالت میں توفیق

کا نصف عالم مثال میں ہوتا ہے۔ اور اکثر مشائخ کرام کا اتفاق ہے کہ عالم آخرت میں بت باری
فصلت صدقوں میں تقبیات فرمائیگا +

تیسری صحت یہ ہے کہ عالم آخرت میں حقیقت رویت کی تصدیق کی جائے سو اس
پر تمام ائمہ اہل سنت و الجماعت کا اتفاق ہے جیسا کہ کتاب اللہ میں وارد ہوا ہے :- "وَجُودُ
یَوْمَئِذٍ مُّضَاهٍ لِّیَوْمَئِذٍ اَلْیَوْمِ اَلْاَوَّلِ" یعنی قیامت کے دن اہل جنت کے چہرے
تر و تازہ ہوں گے جو اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور احادیث صحیحہ میں ایسی تصریحات
بکثرت موجود ہیں مگر متزلزل رویت کا انکار کرتے ہیں +



باب سوم

کیا انسان طبعاً آزاد ہے؟

جو چیز مخلوق ہے وہ محتاج بھی ہے اور جو چیز محتاج ہے وہ آزاد نہیں کہہ سکتی۔ کیونکہ
 انسان محتاج ہے اس لئے وہ طبعاً آزاد نہیں ہو سکتا اس امر کی دلیل کہ ہر ایک مخلوق محتاج ہوتا
 ہے صاف ظاہر ہے کیونکہ مخلوق معلول ہے اور معلول اپنے وجود میں علت کا محتاج ہے۔ لہذا یہ
 قہر کہ محتاج آزاد نہیں ہو سکتا یہ بالکل واضح ہے کیونکہ امتیاز آزاد ہی میں باہم ضدیت کی
 نسبت ہے اس لئے اگر آزاد ہی کے یہ معنی لئے جائیں کہ انسان جن امر کی خواہش کرے اسکو
 بار وکام لوگ کر کے تو یہ سراسر باطل ہے کیونکہ بے شمار ایسے امور ہیں جن پر انسان قدرت نہیں
 رکھتا پھر وہ آزاد کیسے کہہ سکتا ہے اور جب آزاد نہیں تو قابلِ قدر یہ امر ہے کہ ایسی آزاد ہی کے
 کوئی مطابقت مانع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مخلوقیت ہی فیہد کئے دیتی ہے کہ وہ قطعاً
 آزاد نہیں پیدا کیا گیا اس لئے اس کا محدود الّا قلیل ہونا اس کے فاق کے ارادہ تسلیم پر مبنی
 ہے جس سے اپنی حکمت کا طے اس کو ایسے قوی دیتے جن کا عمل ایک مدین سے متجاوز
 نہیں ہو سکتا۔ اے یہ ان اہل شیخی خلیفہ بغداد یعنی میٹک ہم سے ہر ایک شے کو ایک
 انسان مدین پر پیدا کیا ہے جب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ انسان طبعاً آزاد نہیں پیدا کیا گیا تو اس کا
 حرج ہی خیر یہ ہے کہ اس کی محدود قتل ایک مدین سے باہر نہ جاسکے۔ اس لئے یہ لزوماً تسلیم
 کرنا پڑے گا کہ ایک متناہی حق (انسان) ایک غیر متناہی حق (خدا، ہادی) کا کبھی پروردگار
 و مظلوم نہیں کر سکتی اور نہ وہ اس کے صفات و افعال کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھ سکتی ہے۔

اگر آزادی کے یہی معنی ہیں جتنے کہ انسان اپنے محدود قومی کے عمل میں آزاد ہو سکیں گے
 ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر ہر ایک انسان کو ملے یا بطبع قرار دیا جائے یعنی اس کے طریق عمل پر
 کسی قسم کی رکاوٹ مائدہ کی جائے جس سے کہ وہ عقیدہ ہو کر اپنی رکاوٹ زندگی پر چلا کرے تو
 سلسلہ نظام عالم ایک ہی آن میں وہم پریم ہو جائے اور سلسلہ تمدن و معاشرت جو انسانی زندگی
 کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کا خیر اثر منتشر ہو جائے۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ انسانی فحشائے
 عقلی و جسمانی کے طریق عمل کی نوعیت قائم کرنے کے لئے کسی ایسے قانون عمل کی ضرورت ہے
 جس سے نظام عالم بہترین صورت میں قائم رہ سکے۔ ہم آئندہ اوراق میں انشاء اللہ تعالیٰ
 اس امر کو ثابت کرینگے کہ وہ قانون عملی صرف قانون شریعت ہی ہے اور بس۔

اس موضوع پر ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر بعض اوقات مغربی خیالات سے
 متاثر ہونے والے جہاں تعلیم یافتہ سے سنا جاتا ہے کہ آزادی انسان کا طبعی حق ہے
 جس کا وہ یہ مطلب لیا کرتے ہیں کہ قانون شریعت کی پابندی ضروری نہیں۔ ہمارے
 خیال میں دوسرے لفظوں میں اس جملہ کے یہی معنی ہیں کہ انسان کو انسان بننے کی ضرورت
 نہیں۔ مگر ان جاہلوں سے اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب انسان بلحاظ آزادی جہنم
 کی دہ سے قانون شریعت کی پابندی سے آزاد ہو سکتا ہے تو کیوں وہ قانون عملی سے
 آزاد نہیں ہو سکتا؟ قانون عملی خواہ مخفی ہو یا جمہوری ہر دو صورت میں انسان کو اپنے
 ملکی قانون کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے اور عدم پابندی کی صورت میں جو نتیجہ حاصل
 ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے مگر حق یہ ہے کہ قانون عملی کی پابندی وقت سے کے زور سے کرائی
 جاتی ہے اور قانون شریعت کی پابندی جہاں نے اختیار ہی قرار دے رکھی ہے تعویب ہے
 کہ قانون شریعت کے یہ جبر موانع پر تو انسانی آزادی کے سلب ہونے کا اعتراف مانہ
 ہوتا ہے۔ مگر جب قانون عملی کا ذکر آتا ہے تو بجز تسلیم ہم کئے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔
 عرصہ کا قول بالکل صحیح ہے کہ تمام اقسام کے سلطان اکثر معاشرے انسانی ہیں۔ یعنی جن امور

کی ایک تمام حکومت وقت کر سکتی ہے ان کی تعداد قرآن مجید کی ہر ایک تمام کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے +

یہ جو اکثر سنا جاتا ہے کہ مذہب کے باب میں ہر ایک شخص کو آزادی کا حق حاصل ہے مگر یہ سخت جاہلانہ خیال ہے جو سترہویں مغرب کی وجہ سے پختہ دہائی میں عام طور پر صحیح تسلیم کیا گیا ہے مسئلہ یہاں کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس خیال کی غیوریت اور اعلان کا کاروبار دھول کر دکھائیں گے + "والتوفیق من اللہ تعالیٰ"

انسان شرف الکائنات

اگرچہ مسئلہ بہت قدیم نہیں مگر کسی قدر شریح کا محتاج ہے انسان کی باہریت کو فقہ کتب مذہب میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا :-

"انّی خالق البشر من طین فلذا سویت ولغنت فیہ من سرور حی ففعلوا الذمیرین"

اس شخص تعالیٰ سے ذات فی باہریت کا وجہ سے مرکب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جز اول کا نام جسم ہے اور غلط طین اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جز دوم تو یہ ہے جس کا سرشتا وہ سب جلدیں ذکر فرمایا اور تیسرے جہوں جس کو مسجود مانا گیا۔ قرآن دیا۔ جس سے انسان کے اشرف کائنات ہونے کی طرف اشارہ کرتا مقصود ہے اور یہ امر اس خالق حقیقی کی حکمت کامل کا نتیجہ ہے کہ اس نے محض اپنی رحمت الہی سے ایک میں اضافہ مل چیز کو ایک شریف اور پاک پیر کے ساتھ خلق بنایا اور ہر دو کی ترکیب سے ایک ایسا مخلوق پیدا کیا جس میں عالم مادی کی کثیف اور عالم روحانی لطیف ہر دو کے فوہ اور جہر قابلیت موجود ہیں۔ جز ثانی کی حیثیت سے وہ شہادت اور نشاندہ کا منصب ہے اور جز روحانی کی حیثیت سے وہ کمال علم معرفت کا مستحق۔ اور ان ہر دو اقتصادیتوں پر مادی ہونے کی قابلیت کسی دوسرے مخلوق میں موجود نہیں۔ گویا انسان ایک نیک کبریٰ ہے جس میں ہر دو جہت کے آثار و خواص پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کو

یہیں میدان کہ ماچندیں غائب - دیہر یک دل مینا ترساویم

انسان جس میں اپنے سلوکات میں ترقی کرنا چاہتا ہے اس کی ضرورتوں کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے۔
 پہلے ادب و ہشیار استعمال میں نہیں آتے۔ سب انسانی زندگی کیلئے ضروری بھی جائے۔ معاشرے آج سے
 چند سو سال پہلے عورتوں کے لئے جاتے تھے مگر پوری انکھوں کے سامنے ہی ہاتھ نہ دیکھ کر کام نہ کرنے گئے
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے کیا کیا بات سیکھیں۔ یہ ہے انسان کی اشریت کی دلیل بھلا دی بہت کے
 اب آداس کی اشریت پر دھانی بہت سے استدلال کریں۔ ایک سے دھانی جسم ہونے کی
 بہت سے انسان کو دیگر حیوانات پر کوئی وجہ ترجیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح دیگر حیوانات
 ضرورت تھیں اور تھیں اور بقائے نوع اور دیگر ضروریات حیوانی کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ یہی
 طرح انسان بھی ان میں ضرورتوں کے زیر اثر رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ میں
 ان لوگوں کی مذمت وارد ہوئی ہے جو نوع انسان کا ایک فرد ہو کر مذکورہ بالا میں ضروریات تک
 محدود رہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "یا کلون کما تامل کما افکار" یعنی گائے بکری ماؤں کی طرح
 پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا: "اولئک کما افکار"۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر
 انسان اپنے فرائض کو اسی حد تک محدود رکھے تو وہ چوپایہ حیوانوں سے بھی زیادہ خیر نہیں ہو جاتا ہے
 قربت جانی میں اس کی اور شہوت اور غضب اور شہوت میں دیگر دوزخ اور لاشی حیوانات انسان سے کہیں زیادہ
 امتیاز رکھتے ہیں۔ اگر انسان نہیں حیوانی گوارہ مذکورہ تک ہی محدود رہنا تو انسانی ترقی کا سلسلہ
 اس پر ہر صورت تک پہنچ سکتا نہیں۔ جلد ماہریت انسانی کا صحیح معیار جو ہر فعل میں مضرب ہے۔ یہ جو ہر
 وہ دور ہے جو فطرت انسانی میں طبعیت رکھا گیا ہے جس کے خدیوہ و حقائق شیا کا ادراک کرنا اور نیک
 چاہوں میں امتیاز کرنا ہے۔ اور اس کو فطرت پر "لنی جاعل فی الارض خلیفۃ" اس کو مخلوق
 اللہ کے منصب پر مقرر کیا گیا ہے اور اسی منصب پر مبعوث ہو کر اس کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ
 کائنات اللہ و مادی کی ہر ایک چیز میں معرفت کر کے جمیع غریب علوم و فنون کو ترتیب سے
 جیسے کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر انسانی کائنات میں معرفت کر کے علوم و فنون کی ایجاد و ترویج انسان

کی حقیقی غایت نہیں کہہ سکتی بلکہ یہ علوم و فنونِ حیرت اس کی لامنی زندگی کو بہترین صورت میں لانے کے لئے ہولناکی پیدا کر سکتے ہیں۔ یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حصولِ غایت کے لئے جتنی کہ وہاں ہیں اس مقام پر یہ سوال مبعثِ اہمیت ہے کہ انسان کے وجود کی غایت کیا ہے یا یہ کہ انسان کے وجود سے مقصود بالذات کیا امر ہے؟ قبل اس کے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے ہیں یہ واضح کر دینا چاہئے کہ امر مقصود بالذات کی حقیقت کیا ہے۔ واضح ہو کہ امر مقصود بالذات اس امر کو کہتے ہیں کہ جس کے حصول پر آئندہ کسی امر کے حاصل کرنے کی غرض باقی نہ رہے اور جو امر مقصود بالذات کے حاصل کرنے کے لئے واسطہ ہو یا بمنزلہ شرط ضروری سمجھا جائے اسے مقصود بالعرض کہتے ہیں۔ اس تشریح کے رُوسے غور کر کے دیکھ لو کہ اگرچہ عالم ہول چال میں دنیا میں کئی امور ایسے ہیں جن کو ہم مقصود بالذات کہتے ہیں مگر وہ اصل وہ مقصود بالذات نہیں ہوتے۔ ہر ایک امر یا ہر ایک فعل جو ہم سے صلہ ہوتا ہے کسی آئندہ دوسرے امر یا فعل کے لئے واسطہ یا شرط سمجھا جاتا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تمام امور جو ہماری دنیوی زندگی میں پیش آتے ہیں مقصود بالذات نہیں اور غرض کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ تک جاری دنیوی زندگی کا سلسلہ جاری ہے ہم مقصود بالذات کو کہہ نہیں پا سکتے۔ اس مقام پر یہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ انسان کے وجود سے مقصود بالذات کیا چیز ہے؟ دوم یہ کہ اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ اگر ان ہر دو سوال کا صحیح جواب مل جائے تو انسان کے اشرف کائنات ہونے کا سلسلہ خود بخود صاف ہو جائیگا۔

انسان کا وجود کی غایت مقصودِ پرال ہے

اگرچہ آیہ ”وَمَا خَلَقْتُ هَذَا الْبَاطِلَ“: ”اور میں نے کچھ بے وقعت کو مخلوق نہیں کیا“ میں غور و فکر کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے اور جس کی طہارح حکم ”یَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ ہمیشہ حقیقتِ قطعیہ کے مطالعہ میں مشغول رہتی ہیں مگر یہ امر مسلم ہے کہ کسی علمی نتیجہ کی فضیلت و شرافت اس کے موضوع کی فضیلت و شرافت پر منحصر ہوا کرتی ہے۔ خذ ایک لمبی بیٹا کی نسبت زیادہ شریف

بھاجاتا ہے کیونکہ طیب انسانی امراض کا علاج ہے اور بیمار بیمار کے امراض کا جو کر انسان افضل
و مشرف ہے اسے طیب بھی افضل ہونا چاہئے اس لئے حقیقت انسان کا متقی و دیگر اشیائے
کائنات کے متقی کی نسبت زیادہ شریف بھاجاتا ہے۔ آیہ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویہ"
انسان کی بہانی اور اعلیٰ برودیت کی تفصیل پر وال ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ خالق حقیقی نے
میں طرح بہم کی انسانی بنات و دیگر حیوانات کی نسبت کم و صواب و کم فاضل و کم و مشرف و اعلیٰ
پیدا کی ہے اسی طرح اس کی روحانی اور معنوی صورت کو بھی معرفت حقائق اشیاء کے ذریعے آراستہ
کیا ہے۔ لہذا اس صورت معنوی کا کمال جس پر فقط انسان کا اطلاق حقیقی طور پر کیا جاتا ہے اس کے
غنی و اعلیٰ کمالات پر فخر ہے۔ اس آیت کا استشانیہ ترجمہ "الا الذین امنوا و عملوا الصالحات"
ہے اس غنی کی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ ایمان اور اعمال صالحہ انہی ہر دو قوت کمال علم و عمل پر
والدیت کرتے ہیں۔ اور لفظ حکمت سے بجا یہ "ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا" میں
دار و بڑا ہے۔ کمال علم و عمل ہی مراد ہے کیونکہ خیر کثیر کا وجود بخیران و بر و کمال کے متصور نہیں مگر کمال
علم و عمل کا مغرب کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے۔

ایک حدیث قدسی میں دار و بڑا ہے "كنت كنساً مختفياً فلجبت ان اعرف فخلقت الخلق"
یعنی میں ایک پوشیدہ و خزانہ ستار میں چھپا ہوا تھا تو میں نے مخلوقات کو پیدا کیا، اب کہنا
یہ ہے کہ میں معرفت الہی کا ستار وار کو شائق ہوں ہے! اس سوال کا جواب بھی خود کلام الہی میں دیا گیا ہے
"انما ننزل الامانة علی السموات والارض والجهل فابین ان یعلمنها و یستحق منها"
خود علم انسان انہ کان اول ما جھولا یعنی ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں
کے سامنے پیش کیا وہ انہیں نے اس کے امانت سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور حضرت انسان
نے اسے امانت پر شک انسان بڑا ہے الفات اور ثانی نادان ہے۔ لفظ امانت کی تفصیل میں
مفسرین کے مختلف اقوال ہیں مگر قریباً قریباً متفقہ مشترک سب میں پایا جاتا ہے۔ توحید ذات باری
محبت اشیاء میں ملامت غفلت قبیحہ کہو مگر خلق الہییت اور عبودیت کی حقیقت کا عقیدہ تمام

وجود مذکور میں کیاں طریقہ موجود ہے اور اسی کا نام معرفت ذات باری ہے جس کی حقیقت مقام عبودیت میں مشکف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ کیفیت سراج نبوی کے بیان کرتے وقت لفظ "عبودیت" کا استعمال فرمایا۔ حیث قال سبحن الذی اسرئ العبدۃ اور اس آیت شریفہ میں لفظ "عبودیت" سے حضور علیہ السلام کے کمال عبودیت کی طرف اشارہ مقصود ہے اور اسی مقام عبودیت کی طرف فرود ہر انسان کو ہی دعوت دی گئی ہے چنانچہ فرمایا: "وہر الخلق العبد والانس الا لعبادۃ"۔

واجب برکات اور عبودیت اگرچہ دو متضاد لفظ ہیں مگر اصطلاحاً دونوں کا مفہوم ایک نہیں کیونکہ عبودیت خیریت کے اہام و لواہی کے بجائے کلام ہے جن میں اعشاء اور جوارح کو عمل میں لایا جاتا ہے اور یہی عمل جب اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے آثار "عبودیت" کے ظاہر اور باطن میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور جن جن معرفت مشقت کا علم وسیع ہوتا جاتا ہے اور عقل و جبلت اپنی کلاس کے عقب پر چلے جاتا جاتا ہے اور اپنے تئیں اس کی رحمت اور ربوبیت کا مونس دیکھنے لگتا ہے تو وہ اپنے تمام اداؤں اور افعال کو عقل کے مولیٰ کے تابع کر دیتا ہے اور ہر چیز مشیت ازلہ کے اپنے ظاہر اور باطن اور اسی طرح عالم ظاہری کے ایک ایک قدم میں کسی غیر کو موثر نہیں دیکھتا اور سلسلہ اسباب کو جو خیال کی نظر میں نظر آتا ہے بالکل ماقولاً لا اعتبار سمجھتا ہے۔ اور منہ تمام اشیائے کائنات کو ارادہ ازلہ کے سامنے حضور و مغلوب پاتا ہے اور "و ما تشاؤون الا ان یشاء" اعتقاد کی حقیقت اس پر مشکف ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر غیبات نفس کے عدل سے مقام اہمیتان تک پر اس کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اس مقام کے بعد کے اعمال و واردات جو قلب عبودیت مشکف ہوتے ہیں اس قابل نہیں کہ انہیں ضبط تحریر میں لایا جائے۔

حدیث مشہد کہ انوار شعلی است۔ سخن دارم منے ناگفتن اولی است

• ہے عباد کامل کا مقام عبودیت •

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اگر عبادت مقام عبودیت کا ابتدائی مرحلہ ہے جب تک کوئی شخص تمام درجات میں مستقل حاصل نہیں کر لیتا عبودیت کی منزل کاٹنے کرنا اس کے لئے

ناممکن ہے ۔

داخل ہو کر مقام عبودیت کا کمال صرف حقیقت یقین کے منکشف ہونے پر منحصر ہے عینک
 یقین کے ۔ کہ نہ مانع پر ترقی حاصل نہ ہو عبد کو عادت کامل ہونا نصیب نہیں ہوتا ۔ پہلا درجہ
 علم یقین کا ہے مثلاً دوسرے لوگوں کی شہادت سے کسی کو بھی یقین حاصل ہو کہ آگ جلایا کرتی ہے
 دوسرا درجہ یقین کا ہے مثلاً وہ شخص آگ کو کسی چیز کو جلاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ
 لے ۔ تیسرا درجہ حق یقین ہے مثلاً وہی شخص اپنا اٹھ آگ میں بھرنے کے شکار ہے کہ ان پر
 سرتب یقین میں غایاں فرق ہے اور سب سے آخری درجہ یقین کا حق یقین ہے جس سے آگے
 اور کوئی درجہ یقین کا باقی نہیں رہتا ۔ اولیں و سارا عبادان قرینۃ شکوک اور وادس کو
 صرف علم یقین کی حالت میں فعل ہو سکتا ہے ۔ ہر ایک عام لوگوں کی اعتقادی حالت مشابہہ میں
 آتی ہے ۔ اور اسی حالت میں استدلال کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ اس سے آگے استدلال ساقط
 ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ حکم مشابہہ میں استدلال کے کچھ معنی نہیں ہیں ۔ آیہ و اعداء ربک حتی یا اہل
 اہل یقین میں مندرجہ یقین کی تفسیر موت سے کی ہے اور حقیقت بھیجے ہے کیونکہ یقین کا
 آخری درجہ صرف کیفیت موت کے عاری ہونے پر کامل ہوتا ہے جس کا اشارہ آیہ ۔ فلکشفنا
 عنک غطاءک فبصر الیوم حدید میں کیا گیا ہے کہ خاص خواص کے لئے ممکن ہے
 کہ کیفیت موت کے عاری ہونے سے پہلے ہی اس مقام پر داخل ہو جیسا کہ امیر المؤمنین علی
 ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرمایا ۔ لم کشف العطاء لعماد الزودت یقینا ۔ یعنی اگر طالب بشریت
 بھی سے اعتقاد دیا جائے تو میرے یقین میں کچھ ترقی نہ ہوگی یہی مقام عبد کامل کے لئے کمال
 عرفان کا مقام ہے جس کی کیفیت کے بیان کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ۔ اور نہ
 ماسداس کے لفظ ہیں اس قابل ہیں کہ ان حقائق کو بذریعہ الفاظ اخذ کر لیں ۔ ایک حدیث
 میں وارد ہوا ہے ۔ تکلموا بالناس علی قدامت عقولکم ۔

ممکن ہے کہ ایک نئی استدلال کا دائرہ ہو ان کیفیت سے مطلق بے بہرہ ہو انسان کے

ان علاج کمال تک ترقی کرنے کا مقصد نہ ہو مگر ہم ایسے اصحاب کو اس امر میں فکر کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ جس طرح الکیٹ دی تحقیق کی تحقیق کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ کھاتی ہستی العمر میں ہی تحقیق کی آخری منزل تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح ایک عارف ربانی عرفان کے ویشائی بیان میں جس منزل پہنچتا ہے وہ ہنوز ابتدائی منزل پر کھڑا نظر آتا ہے۔

لے برادر بے نہایت درجے سے - ہرچہ کا تجا میری بروے مایست

انسان کی فطرت اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ اس کی ہستی ایک ویشائی ترقی کی قابلیت اپنے ساتھ رکھتی ہے اسی ترقی کی کسی خاص فرد انسانی کی ذات سے محض نہیں بلکہ اس کا تعلق حقیقت ذریعہ انسانی کے ساتھ ہے۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے لئے مقصد بالذات تعلق الہیت اور عبودیت کا سمجھنا ہے جس کو معرفت ذات باری کہتے ہیں۔

اب ہم دوسرے سوال کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:-

جب یہ معلوم ہو چکا کہ کمالی معرفت انسان کا مقصد و مقصدی ہے تو اس مقصد کے حاصل کرنے کی ضرورت بھی انسان کا فطری آسانا ہے۔ مگر یہ آسانا ئے فطرت ایسا اوقات جذبات نفس کے غلبہ میں غائب نہ ہو سکتا ہے اس لئے وہ ہمہ گیر مغلوب نفس رو کر اس سعادت غلبہ کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ جوہر قابلیت مختلف مدارس پر ہر ایک فرد بشر کی حیثیت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ مگر جب تک اس کو مناسب تدابیر سے معروض غلبہ میں نہ لایا جائے انسان جذبات نفس کے چنڈے سے ہرگز نجات نہیں پاسکتا۔ بلکہ اس کی وقعت مطلق حیوان کی وقعت سے کچھ لیاوہ قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ آئیہ قد اعظم من نہ رکھا وقت نہایت من و نہایت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی مثال میںہ فوہ کی ہی ہے کہ جس میں روعن موجود تو ہوتا ہے مگر جب تک مناسب تدابیر کو عمل میں نہ لایا جائے روعن حاصل نہیں آتا۔ واللہ اعلم بالصواب و اذینا اللہ یسمیہ۔

صلوات سے مراد طور پر ظاہر ہے کہ حصول معرفت ذات باری کے لئے ریاضت و عبادت

کی ضرورت ہے۔ یہی بنا پر ملت اسلام میں عبادت کی تعلیم اور تین بتائی گئی ہیں جن پر کام بہ ہونے سے انسان اپنے مقصد حقیقی کو پا لیتا ہے۔ عبادت کے مسئلہ احکام شریعت اسلام میں مکمل دیئے گئے ہیں جو کہ شریعت قانون الہی کا نام ہے جو ہر آدمی کو اپنی ناطق بنی معصوم کے ذریعہ بنی آدم کو پہنچائی گئی ہے۔ اس لئے ریاضت و عبادت کا طریق و مندرجہ شریعت سے اندک یا کم ہوتا ہے۔ بنی اللہ اس ریاضت و عبادت کا بہتر سے بہتر نمونہ عملی پیش کیا کرتا ہے اور وہی طالب مقصود کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ ایہ نقد کان لکھ فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ ہم اسی بہترین نمونہ کو پیش کیا گیا ہے جس کو اصطلاحاً اتباع سنت سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا قل لن کنتم تعبدون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۝

مسئلہ شرف انسان میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ تمام اشیائے کائنات بالواسطہ یا بلا واسطہ انسان کی خدمت میں لگی ہیں اس لئے تمام اشیاء بحیثیت مجموعی انسان کے لئے مقصد حقیقی کے حاصل کرنے میں بمنزلہ اسباب کے ہیں چونکہ یہ امر صاف اور واضح ہے لہذا اس کی تفصیل کی کچھ ضرورت نہیں ۝

شیخ شریاز کے اس قطع میں غور کرو :-

اے باد و مہو خورشید و فلک و کارلند
تو تونے بکھٹ آری و بختلختی
ایں ہمہ پیر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نیا شد کہ تو قرآن نبرہ

انسان ابتداء انسان پیدا ہوا ہے

انیسویں صدی عیسوی میں سرزمین مغرب کے ایک مافیضی نے جس کا نام ڈارون تھا ایک نظریہ قائم کیا کہ انسان اپنی ابتدائی پیدائش میں انسان پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کا آغاز مادہ وسیط سے ہوا جو بتدریج عناصر کی شکل میں تبدیل ہوا اور عناصر سے مادہ حیرانی کی صورت (پروٹو پلازم) میں

پھر انسانی وجود کے حیوان کی صورت میں پھر ترقی کرتے کرتے بند کی صورت میں پھر پر انسانی
 کی شکل میں اداۃ خردشان کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس نظریہ کی تائید یہ حکم کل جلیلا لذیذ
 اور نادر سے بہت سی مادہ پرست طبیعتیں مجبک ہیں بالخصوص وہ لوگ جو قیود مذہب سے
 آزاد ہیں اس کی تصحیح پر آمادہ ہو گئے۔ ڈارون کے اس خیال کی اصل قانون ارتقا پر مبنی ہے
 جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مرکب شیا اپنی ابتدائی پیدائش میں اس موجودہ شکل و صورت میں
 نہیں تھیں بلکہ مختلف قسم کی صورتوں میں مقلد ہوتے ہوئے بالآخر اپنی اپنی موجودہ صورتوں تک پہنچ گئیں
 نظریہ کی اصل تو یہی ہی ہے مگر جو دلائل اس کے متعلق دئے گئے ہیں وہ تعلیمات سے تعلق
 رکھتے ہیں کہتے "ان الظن لا یعنی من الحق شیاء" قوانین منطقی کے دوسرے تعلیمات
 تعلیم سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ بھی غلطی ہو کر رہتا ہے۔ ہم اہل اسلام اپنے عقائد کی بنیاد قیاساً یا فلسفہ
 پر قائم نہیں کرتے اور میں یہ فخر حاصل ہے کہ بقابلہ دیگر مذاہب صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے
 جس نے ہر ایک عقیدہ کی بنیاد مقدمات یقینیہ پر قائم کی اور میدان مستقل میں نظر کر کے اپنے
 مخالفین سے کہا "خالقوا رہا انکم ان کما صدقین" یعنی اگرچہ ہو تو اپنے دعویٰ
 میں محبت قطعی پیش کرو۔ چونکہ کتاب اللہ میں مذکور بالا عقیدہ کی صحیح تفسیر موجود ہے اس
 لئے ہم اس نظریہ کے تائید کے خلافات کو سراسر منکر و باطل سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید جو مذہب
 ایک باطل مذہب کے رو کا متکفل ہے اور قیامت تک متکفل ہے گا مذکورہ بالا نظریہ کے
 رویہ ارتقا و فنا ہے "ما اشاءتھم خلق السموات والارض ولا خلق الفسہ"
 یعنی میں نے انہیں آسمان اور زمین اور خود انہیں پیدا کرتے وقت گواہ نہیں بنایا تھا یعنی یہ
 لوگ جو زمین و آسمان اور انسان کی پیدائش کے متعلق جو کہتے ہیں مفسرین اور مکمل سے کہتے ہیں کیا یہ
 پیدائش کو وقت پہنچنے سے دیکھتے تھے یا کہ زمین کی ابتدائی پیدائش کی کیفیت کے متعلق آج تک تیرا
 شائیں نہ بقیہ ہم جو کہیں گران میں سے کوئی ایک بھی قطعی حجت چنی نہیں بلکہ سب مفسرین کا پرنسپل ہے
 انسان کی ابتدائی پیدائش کے متعلق قرآن مجید سے صاف عقائد میں فرمایا ہے "وَبَدَأَ الْخَلْقَ

انسان میں طبعی ایمان کا جو مروج ہے یہ کہ انسان کی ابتدائی پیدائش کا آغاز خاک سے ہوا قرآن مجید
 میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا ذکر بار بار آیا ہے چنانچہ فرمایا: یا ایہا الناس انظروا ربکم الذی خلقکم
 من نفس واحدة وخلق منھا زوجھا وبعث منھما رجلاً لکثیراً ولسانہ یعنی اسے لوگوں پر بکا
 سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور اسی نفس سے اس کا جوا
 پیدا کیا (خوا) اور عن دونوں سے بیت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا اس نفس قلمی سے
 آدم علیہ السلام کا انسان اول ہو کر پیدا ہوا ثابت ہوتا ہے آدم علیہ السلام کی پیدائش کی نسبت
 کہی میں "کا لفظ کبھی صلصال کا انحصار کا لفظ کبھی تراب کا لفظ اور کبھی حسا مسنون
 کا لفظ لیا اور فرمایا ہے اور ان الفاظ سے آدم علیہ السلام کے مادہ جسمی کے خیر کے مختلف
 مایع میں منتقل ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے
 حضرت طینہ آدم پیدا ہوئی اربعین مہینا یعنی آدم علیہ السلام کی سنی کو میں نے
 اپنے ہاتھوں سے پالیں صغیر تک گزرھا۔ پیدائی کا لفظ قرآن مجید میں بھی واقع ہوا ہے اور
 اس سے آدم علیہ السلام کے ایک بزرگ مخلوق ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے آدم علیہ السلام کی
 پیدائش کے بعد ان کی اولاد کی پیدائش کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ ہم نے انسان (آدم) کو مٹی سے
 پیدا کر کے پھر انسان کی پیدائش لفظ سے اور لفظ کو منصف گوشت کا لفظ (مشر) کی صورت میں
 اور پھر اس منصف سے ہڈی بنائیں پھر ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھایا۔ کتاب مشک کی اس توضیح
 سے انسان کی ابتدائی اور بعد کے مایع پیدائش کی ترتیب کا صحیح پتہ لگتا ہے۔ اگر انسان کی
 پیدائش کی ترتیب کے لئے کوئی دیگر مایع بھی پیش آئے ہوتے مین کا ذکر دوسرے تفسیر ہی میں پر
 آچکا ہے تو قرآن مجید کہ ان کے بیان کرنے میں کیا حرج تھا؟ ہم کتاب مشک کی ان توضیحات
 کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان اپنی ابتدائی پیدائش میں مستقل طور پر پہلے ہی انسان پیدا ہوا تھا
 نہ یہ کہ وہ بعد بن کر پھر انسان بنا۔ یہ خیال ہم صرف انسان ہی کی پیدائش کے متعلق ظاہر نہیں کرتے
 بلکہ وہ اس ثلاثہ یعنی حیوانات و نباتات اور حیوانات ہر قسم کے مہم مرکب کے متعلق ظاہر کرتے ہیں اور

یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ موجدیت بقاۃً متعینہ جس صورت میں وہ لب وجود میں آئی صورت وہ ابتدائی پیدا
 میں بھی وجود پذیر ہوئے۔ ہاں یہ مان سکتے ہیں کہ انسان اپنی ابتدائی پیدائش میں تشابہت
 نہیں سمجھتا کہ ایک لیل زما کے گزرنے پر تدریجاً جذب ہوتا چلا گیا اور یہ بات انسانی
 تاریخ کے واقعات پر جاننا کہ ہم چہ گاہ سکتے ہیں بالکل صحیح اور درست ہے۔ شیا کے مرکب کی نسبت
 پہلی ترکیبی صورت جو عناصر کے اجتماع سے وجود میں آئی وہ جمادات کی صورت میں نمودار ہوئی جمادات
 نقصان کمال کے درجے مختلف درجہ پر نظر آتے ہیں ان میں سے کمال ترین جمادی جسم کے خواص اشیاء
 نباتات کے ابتدائی مرکبات سے ملنے ملتے ہیں اور اسی طرح نباتات بھی نقصان کمال کے درجے
 مشغول ہیں ان میں سے کمال ترین نباتی جسم کے آثار و خواص حیوانی جسم کے ابتدائی مرکب کی مانند ثابت
 رکھتے ہیں اور پھر حیوانی مرکبات بھی نقصان کمال کے درجے مختلف درجہ پر نظر آتے ہیں چنانچہ حیوانی جسم کمال
 ترین فرد اور وہ جس میں نفس ترین انسانی کی مانند بنائیت مشابہت رکھتا ہے جیسے بن مانس جسکی
 بنائیت جانی اور دیگر کدیم وحشی انسان کی مانند یہی مشابہت رکھتے ہیں بلکہ ممکن ہو کہ کوئی جانور ان
 انسان کو ایک ہی نوع مخلوق کے درجہ قرار دے لے جیسا کہ مسٹر ڈارون کو دھوکا لگا ہے
 دنیا میں ان تشابہ کے درجے بہت سے مختلف انواع کے اور کو دیکھ کر ایسا دھوکا لگ سکتا
 ہے۔ مسٹر ڈارون کے خیال کی مطابق غرضی ہے کہ موجودہ دنیا میں جو بندہ وجود میں وہ مرد و زن و بچہ و بزرگ
 انسان چنانچہ اجداد طرح بندہ کی نوع دنیا سے بالکل مطہر ہو جائے مگر کسی چیز کی نوع جنکٹ یا موجود ہے
 مطہر مانس ہو سکتی ہیں بلکہ مثال فلسفہ کا اتفاق ہے کہ ان انواع کے درجے غرضی حقائق میں ان کی
 تدریجی ترقی کچھ ایسے لغز و جانیہ کا بھی نتیجہ دیتی ہے جیسا کہ انسانیت مطلق حیوان انسان کے بین بین ہوتی یعنی
 وہ ان کو تو حیوان مطلق سمجھتے نہ ہیں۔ انسان ایسے افراد کے پورا انسان بنے کہ ان کو انسانی و انسانی سمجھتا
 مگر ایسے افراد کا پایا جاتا ہے ان غرضی تھاگرد تو موجودہ زمانہ میں ان کی گشتہ نہاد ہیں ایسے افراد کا پتہ ہے
 تمام ان فلسفہ سبب پر متفق ہیں کہ حیوان ایک جنس ہے جس کے مفہوم میں مختلف قسم کے افراد و حیوانات
 مثلاً انسان گدھا گھوڑا بیل۔ لومڑی شیر اور بھیرا وغیرہ پائے جاتے ہیں اور انکی حصول (رؤفوشیا) انہیں

ایک دوسرے سے تیار ہوتی ہیں۔ ان میں سے کسی کو طبیعت بنیضول کہتے ہیں اور کسی کو کلدیہ کہتے ہیں۔ ان کے گزرنے پر جو بات
 کے فعلی تعلق پر کو انسان کی فعلی نفس میں تعلق ہو جائیگی جس کا مطلب ہے کہ اس حیوان کی باہر سے تعلق ہو جائیگی
 اور وہ باہر سے تعلق ہو جائیگی۔ اس کے نزدیک فلسفہ کے نزدیک حال ہے اس لئے قانون تعمیر نفسی اصول پر صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔
 اس تعمیر ہی کے موافق یہ مسئلہ حل ہونے لگا ہے۔ ان باتوں پر مبنی ہے جن سے جو اس کے کہ ایک
 متعلقہ امر کو متیقن خیال کیا جائے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ان باتوں کی بڑی دلیل قانون ارتقا
 کے مطابق ہے۔ یہ کہ حیوانی اظم بقعات الوض اس کے لئے کشتافات سے یہ بات پانچ ثبوت کو پہنچ
 گئی ہے کہ ان کے حسب نچلے طبقہ میں اعلیٰ درجہ کے نباتات اور حیوانات کے آثار پائے جاتے ہیں
 اور اس سے اوپر کے طبقہ میں نباتات اور حیوانات کے ایسے آثار پائے جاتے ہیں جو نچلے طبقہ کے نباتات
 و حیوانات کے آثار سے کچھ ترقی یافتہ نظر آتے ہیں۔ اسی نسبت پر اوپر کے طبقوں میں نباتات و
 حیوانات کے آثار نچلے کے طبقات سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور سب سے اوپر کے طبقہ کے آثار
 نباتات و حیوانیہ کائنات نچلے طبقات والے نباتات و حیوانات کے نباتات سے بعد کلام ماہر ہے جو ان
 جوں نباتات و حیوانات کی جہانی ترکیب کی گئی اعلیٰ درجہ کے حیوانات و نباتات قضا
 ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ نباتات و حیوانات کی موجود صورت قائم ہو گئی۔ اگر ان ہشیائے انوار ابتداء
 مستقل طور پر ایسے ہی پیدا ہوتے جیسے کہ اب ہیں تو نچلے اور میانہ طور پر کے طبقات کے آثار کیساں
 پائے جاتے۔ چونکہ مشاہدہ ان آثار کے کیساں ہو چکی تاہم نہیں کرتا اس لئے ہم موجودہ عالم کی پیدا کش
 کے متعلق یہ نظریہ قائم کر سکتے ہیں کہ نباتات و حیوانات اپنی ابتدائی حالت میں اس موجودہ صورت
 کی نسبت میں نہ تھے بلکہ قانون تنازع بقا کے رُوسے اعلیٰ اور قوی کے وجود پر اعلیٰ اور ضعیف
 قضا ہوتے چلے گئے اور اسی طرح یہ سلسلہ ارتقا جاری رہا اور اشیائے ابتدائی انواع سے موجودہ
 انواع کی صورت اختیار کر لی اور یہ قانون ارتقا چار اصول پر مبنی ہے اول قانون درشت جس
 کا مطلب یہ ہے کہ فروغ میں اصل کے صفات پائے جاتے ہیں۔ دوم قانون تباہی جس کا مطلب یہ
 کہ فروغ میں بعض صفات ایسے بھی ہوتے ہیں جو اصل کے صفات سے متضاد نہیں ہوں۔ سوم قانون

متناسق البتہ جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض انواع دیگر انواع پر اسباب معیشت میں سبقت
 کر کے قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا ہے۔ چہاں ہم قانون انتخاب یعنی جس کا مطلب یہ
 ہے کہ قوی اور غریبی یا کمزوریتا ہے اور ضعیف اور غریبی فنا ہو جاتا ہے ۔
 واضح ہو کہ مذکورہ بالا دلیل اور چارگانہ قانون کو اگر استدلال کے معیار میں من کیا جائے
 تو یقیناً کہنا چاہیگا کہ انکا کوئی وزن نہیں۔ اہل استدلال کا مسلک قاعدہ ہے کہ اولیٰ و لاحقہ
 بطل کلاست نہ کلال یعنی جب کسی دلیل میں جانب مخالفت کا احتمال پیدا ہو تو پھر وہ دلیل
 دلیل نہیں رہتی اس قاعدہ کو یہ طابق نباتات اور حیوانات کے آثار کا ذکر و بالاعتیال ایک نعن
 فاسد سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو نباتات اور حیوانات کا اپنی وجہ
 سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی پانا صرف بعض آثار میں ثابت ہوا ہے نہ صحیح آثار میں اور ممکن ہے
 کہ ان بعض آثار کی اس تدبیر کی ترقی کے اسباب وہ نہ ہوں جو ہم سمجھے ہو اور اگر ہم ان آثار
 کو علیحدہ علیحدہ ان کی مستقل ابتدائی پیدائش کا نتیجہ قرار دیں تو بتلائے اس میں کیا جمع ہے؟
 مثلاً ایک قسم کے سانپوں کے منحنی ثابوت ہوا ہے کہ وہ پاؤں رکھتے تھے اور اس کی تائید
 بعض روایات سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابن عباس اور ابن وہب سے قصداً آدم علیہ السلام
 میں مروی ہے "فاجبٹھا اللہ لعلانی الی الارض و مسح صوره فقاو قد کانت تحت
 الصوره ذات قوائد اربع" (کہ انی قلب کلاسرہ یعنی خدائے تعالیٰ نے سانپ کو
 زمین کی طرف اتارا اور اسکی صورت کو پلٹ دیا اور یہ ایک خوبصورت حلقہ تھا جسکے چار پاؤں تھے
 کیا اس میں ایست کے مطابق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قسم کے سانپ ایک مستقل نوع رکھتے تھے؟ اگر
 مذکورہ بالا قانون وراثت صحیح ہو تا تو موجودہ حالت میں بھی سانپ کے پاؤں دیکھے جاتے اور اگر
 اب بھی کہیں ایسے سانپ پائے جاتے ہیں تو پھر بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ پاؤں رکھنے والے
 سانپوں سے ایک علیحدہ نوع کے سانپ ہیں اپنی وجہ کے نباتات و حیوانات کا اعلیٰ درجہ کے
 حیوانات و نباتات تک ترقی کرنا محض ایک غلطی اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسکی وجہ کے

مرکبات کو اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر ایک شے قرار دیا ہے اور اس کے بعد اعلیٰ درجہ کے مرکبات بنی و حیوانی
 کو ایک سری مستقل نوع قرار دیا گیا اور اس کو اپنے سے پہلے ادنیٰ نوع کیساتھ کسی قسم کا تعلق نہ ہو جب یہ
 احوال ترقی طور پر وجود پے تو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ ایک ہی نوع تدریجی ترقی سے ادنیٰ حاصل
 اسی سنگین پہنچ گئی۔ طبقات الاعلیٰ کی جدید تصنیفات ہمارے اس احوال سے ہرگز تعلق نہیں رکھتیں
 بلکہ ہم ایسے تاثرات یہ اور خیالات کی نسبت یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک شے کے آثار مستقل طور
 پر اپنے اپنے وجود نامی کی ضرورت اور نسبت پر مبنی ہیں چنانچہ ہم ہر مسئلہ میں امر کا شاہدہ کو تسلیم کریں کہ
 حیوانات و نباتات کو ہم درجہ ان کے گزر جانے اور ہم پر بار کے آنے پر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جب
 پہلے ادنیٰ درجہ کی نباتات پیدا ہونے شروع ہوتی ہے پھر تدریج اعلیٰ قسم کی نباتی اور حیوانی مخلوق کا نظر آنے
 لگتی ہے مثلاً پھر کبھی پتوں اور دیگر صورتیں میں رہنے والے جاندار شروع شروع میں پیدا ہوتے ہیں اور تدریج
 اعلیٰ نباتی اور حیوانی مرکبات وجود پذیر ہوتے ہیں بعد میں گریمری برحق مٹی بنتی ہے اسباب حید سے وہ خوب
 ہلکے ہوتے چلے جاتے ہیں اور تدریجاً ہم گریمری بڑے بڑے مرکبات کو دیکھتے ہیں جو قانون انتظام طبیسی کا نتیجہ
 ہیں۔ اس کا نہ حالات طبیعیہ کی ضرورت ہے واضح ہو سکتا ہے کہ طبقات الاعلیٰ کی نئی تحقیقات کی مطابقت یہی
 اصل ماننا کہ جب مختلف طبقات زمین میں ادنیٰ اور اعلیٰ مرکبات کی صورت میں نظر آتے ہیں یعنی ہم
 زمین طبعیہ طبعیہ مستقل اقسام کی پیدائش قرار دیتے ہیں نہ یہ کہ وہ ایک ہی نوع کے افراد کی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہیں
 و باقوان حیدر کا نہ مذکورہ بالا جن پر قانون ارتقاء مبنی سمجھا گیا ہے یہ بجائے خود دلیل نہیں ہیں
 بلکہ نباتی اور حیوانی مرکبات کی تدریجی ترقی کیلئے ایک قسم کی توجیہ کا واسطہ ہیں کیونکہ قانون ارتقاء
 جسے ہم یہی اصل کیساتھ کچھ مخالفت نہیں کرتا بلکہ ہم اسے ممکن الحصول سمجھتے ہیں یہی حال ان تدریجی طبقات
 کا ہے جس کو ہم مثلاً کے دوسرے صحیح تسلیم کر سکتے ہیں مگر ہر دو قانون جس طرح تہہ سے قانون ارتقاء کی
 صورت میں صحیح ہیں اسی طرح طبیعت اس عقیدہ کے مطابق بھی صحیح ہیں کہ مرکبات کی انواع علیحدہ
 علیحدہ مستقل طور پر وجود پذیر ہیں اور قانون تباہی کیسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نوع میں آثار تباہی کے پائے
 جاتے ہیں جن میں جو نہیں ہیں سے ایک نوع اور دوسری نوع کی طرف متقل اور تغیر پر منحصر ہی نوع بننا ہم

دیکھتے ہیں کہ فرع اپنے اصل سے متغایر ہوتی ہے اور کثیر الخیرانی اور بنیاتی میں اس کا بڑا پریشاں ہونا کیا جانتا ہے اور کیا
 ہونا حکمت خداوندی پر مبنی ہے کیونکہ اگر کسی نوع کے تمام افراد ایک ہی صورت رکھتے اور ان میں کسی قسم کا
 تغایر نہ ہوتا تو ان افراد میں اشتباہ اور القباس پیدا ہو کر سلسلہ نظام عالم ختم ہو جاتا ہوتا تو کوئی شخص اپنے
 بیٹے کو دوسرے کے بیٹے سے کبھی تمیز نہ کر سکتا اور اپنی صورت کو کسی دوسری صورت سے حتیٰ کہ
 نزدیک کی جگہ پہنچی جڑ بھلیا جاتا اور عمر و فالعمر کی خواہ و وصل کر لیتا علیٰ ہذا انتظام عالم میں اس
 قدر خل و ضل و غلو ہوتا کہ تمدن و معاشرت کا وجود ناممکن نظر آتا۔ قانون تیار کیا ایک ایسا
 قانون ہے کہ جس کا ظہور ہم عالم کائنات میں نظر آتا ہے حتیٰ کہ ایک کارنگر کی ایک ہی قسم کی
 وقتیاں کی مٹی پر جس کی کچھ کامل طور پر مشابہتیں ہو سکتیں خواہ وہ کارنگر اپنی صنعت میں کتنا ہی
 کمال رکھتا ہو مگر یہ حکمت خداوندی کا نتیجہ نہ ہوتا بلکہ ہم مادہ پرستوں کے خیال کے مطابق اصل
 طبیعت کا نتیجہ ہوتا تو تھا اسے قانون وراثت کے رُوسے ضروری تھا کہ فرع میں اصل کی سطح
 وجود پذیر ہوتی اور اصل کے تمام صفات باکمال و کلاست اس میں پائے جاتے اور دونوں میں
 کسی قسم کا تغایر نہ ہوتا اور قانون چہا دم کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قانون بھی ہماری مٹی
 کے بنائی نہیں ہے کہ تمام انواع ابتدائی پیدائش میں متعلق طور پر وجود پذیر ہوئے ہیں کیونکہ یہ جائز
 ہے کہ پہلے ادنیٰ درجہ کے مرکبات پیدا ہوئے ہوں اور پھر اعلیٰ درجہ کے انواع مستقل طور پر
 وجود پذیر ہوئے ہوں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہم اعلیٰ نوع کو ادنیٰ نوع کی ترقی یا فتنہ صورت
 تسلیم کریں؟ اور اسی طرح اس سلسلہ انواع مرکبات کو علیحدہ علیحدہ متعلق پیدائش پر مبنی کریں؟
 الغرض مذکورہ بالا چہا دم کا نہ تو زمین کی اصلیت اور علم سے دہریہ یا مستقل انواع میں کسی قسم
 کی منافات نہیں۔ کیا قانون ارتقاء کے پس کوئی ایسی عقلی دلیل ہے جس سے ایک نوع
 کا تدریجی حالت میں ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت تک ترقی کرنا ثابت ہو سکے؟ ہنشا و کلا
 بلکہ ان لوگوں کے عقل صرف فلسفیات کی حد تک محدود رہ سکتے ہیں مگر یہ مقابلہ نفسوں
 شرعیہ جو قدیم و جدیدی اطلاق ہم تک وصول ہوئی ہیں ہم ان کی کیا قد قویت سمجھتے ہیں اسے ہم اس قانون ارتقاء

کے لئے کسی تجویز نہیں کر سکتے کہ انسان اور ہند کی اصل واحد سے متعلق ہیں۔ محض ہر دو کی بعض
 امور میں مشابہت کی بنا پر ہم اس دعویٰ کو یقینی تسلیم نہیں کر سکتے۔ اگر یہ خیال صحیح بن لیا جائے تو کیا
 وجہ ہے کہ انسان اپنی شریعت و ولادت میں عقلی اور جسمانی طور پر نہایت کمزور و بکدر و شے محض ہوتا ہے۔
 کیونکہ نہ تو وہ چل سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو سمجھ سکتا ہے اور نہ وہ نیک و بد کو پہچانے و
 سمجھیں کہ امتیاز کر سکتا ہے مگر بتدریج وہ عقلی طور پر اس حد تک ترقی کرتا ہے کہ تمام دیگر حیوانات
 سے قدرت سے ملتا ہے اور عیب و فیض معلوم و فہم کا موجب بنتا ہے اور جملہ خوبی بھی وہ اس وسیع
 پہنچ جاتا ہے کہ بڑے بڑے عالیشان عمارات عالیہ کا پانی قرار پاتا ہے بر خلاف اس کے بند پیدا
 ہوتے ہی چند دن کے بعد اپنے منقذ اور حضرت اور حرکت اللہ ہی میں پورے طور پر قادر نظر آتا
 ہے حالانکہ انسان کے بچہ میں یہ بات کئی سال کے بعد نظر آنے لگتی ہے۔ اگر قانون ارتقاء کے
 مطابق انسان اور ہند کی اصل واحد ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ انسان کا بچہ ولادت کے وقت
 مذکورہ بالا صفات میں بندہ سے کم و درجہ پر ہو حالانکہ آدمی کا بچہ ہند کی ترقی یافتہ حالت میں پیدا ہوا
 ہے؟ جب دونوں کی اصل ایک ہے تو کیوں انسان کا بچہ ہند کے بچہ سے قوت اور ادھیکار نقص
 دیکھا جاتا ہے بلکہ ولادت کے وقت انسان کے بچہ میں یہ صفات باطل نفی کے وجہ پر نظر آتی ہیں؟
 انہی میں ہم کو قانون ارتقاء کے قائلین کی طرف سے دو اہل تفسیر کا کچھ پتہ نہیں۔ لہذا اس قانون کی
 بنا پر جتنے نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ بنیاداً الفاسد علی الفاسد سے کچھ زیادہ وقعت نہیں
 رکھتے۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ ایک عرصہ کا انہی میں جانا تو منطوق قانون قدرت قرار دیا جاتا ہے
 اور ہند کا انسان جتنا جائز رکھا جاتا ہے۔ ان ہذا کلاشی عجباً!۔
 قانون ارتقاء کے غور خیال میں بھی یہی کہنا بہت کچھ باقی ہے مگر متناسق مقام میں اس سے
 زیادہ کی اجازت نہیں دیتا۔



اتمسام

لعقل والنقل

میں نے محض کرنا یہ تجربہ و مشاہدہ میں گریہ مرث اسی صفت میں کہ کوئی واقعہ بلا واسطہ
 میں اس چٹان کے سامنے موجود ہو۔ ایسے امور جن میں ہمارے قیاس و واسطہ اس میں نہیں کر سکتے۔ یا
 اس میں اس کی کمالیت نہیں کہتے تجربہ و مشاہدہ کی مدد سے خارج ہیں۔ ایسے واقعات کی
 تحقیق کے لئے ہمارے پاس عقل سلیم اور نقل صحیح و وفایہ موجود ہیں جنکی ضرورت سے کوئی قائل ہی
 انکار نہیں کر سکتا۔ مسرت اسلام مقدس ہی ایک ایسا مذہب ہے جو عقل سلیم اور نقل صحیح کو معیار تحقیق
 قرار دیتا ہے۔ دوسرے مذاہب اس خوبی سے قلعہ محروم رکھے گئے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام
 فلسفہ مذاہب میں مقتولات اور عقیدات کا بتا بلکہ اسلام پاک کے عشرہ عشر کے برابر بھی نہیں۔
 اسلام پاک میں ہمیں ایک بھی ایسا مسئلہ معلوم نہیں ہو سکا جس کو عقل اور نقل کے معیار پر نہ
 مانچایا ہو۔ اور بات ہے کہ ہم خود کسی وقت اس معیار کی مدد سے کچھ مبالغہ نہ کر سکیں کہ وہ
 کھنگو غصہ اللہ کی بابت ہے نہ یہ دعویٰ وغیرہ کی تحقیق کے متعلق بہر صورت جب مقدس اسلام سے
 بنی آدم کی اصلاح دینی و دنیوی کا ذکر کیا تو اس فرض کی دنیا و ایک ایسی مضبوط چٹان پر قائم کی
 جو دنیا کی مدد العمر تک کسی بیرونی صدمات سے کبھی متہدم نہ ہو سکیں۔ لایا یتیم اباہیں میں جن
 یندینہ و کلاموں میں شایعہ لا خرافہ سے دیکھو اور معتزلی ویر کے لئے غالی الذہن ہو کر اس مسئلہ کی
 حقیقت میں امعان نظر سے کام لو کہ کس زور کے ساتھ ایک ایسا عظیم الشان دعویٰ کیا گیا ہے
 جس کی نظیر روئے زمین پر کے تمام مذاہب میں ملنی محال ہے۔ یہی وہ حقیقی نور ہے جسکو فدا کی

کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی توہمات بالکل کا جو نظاہر دلربا کرنا یا سیدار و غیرہ سے
برگز کام نہیں ہو سکتا۔ یہ خالص خالق السموات والارض کا اذوال مرشد نور ہے جو ابدان پاک کی
قائم ہے۔

بندہ پیر خرد با تم کلفش و اتم است - درہ الملعون شیخ و زاهد گلچست کا فہیت

آج جو لوگ تہذیب مغربی پر مرتع ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام پاک نے خود ان کے
گمراہوں پر کیا کیسی بقی رہی کا دھکی نہ پیدا رکھا ہے جسکو وہ بوجہ شہر چینی کے دیکھ نہیں سکتے
اور اصرار کو صرف کی تلاش میں ایسے ملے پھرتے ہیں۔ ہیں آج تک مغرب کی طرف سے کوئی ایسی
آواز سنائی نہیں دی (بشرطیکہ وہ آزادانہ قومی انسانی فطرت کی کھاتے ہوئے جو قبل ازین سرزمین عرب
کے وسیع بیابانوں میں ایسے نانگ دشت میں بلند کی گئی ہو جیکہ نیلگی فی آسمان اور دوسرے زمین کے
جادو اور اسرار انہما برحق سے نموش ہو رہے تھے۔ مگر یہ چاہئے سمجھیں کہ چونکہ جب قرآن کریم کو
کبھی امتحان کر بھی نہ دیکھا ہو تو وہ پندرہ سال بیدار است نہیں پیر گرمی و راست کے مسلکی سے

آفتاب اندرون خانہ دلا - درید میر ویم قدہ مثال

علماء اگر کسی مجلس میں خیال کو ظاہر بھی کریں تو انہیں یہ خیال رہتا ہے کہ شاید یونہی مقصی
جمع وغیرہ دیکھا ہے۔ مغربی روشنی چلنے لگے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اس مبارک سے
ظاہر ہرگز مطلب نہیں کہ مغربی ممالک کی قایمات ایسی نئی باتیں نہیں جن سے انسانی دنیا میں ایک
حیرت خیز ترقی کا نقشہ ہمارے سامنے موجود نہیں کیونکہ نفس الامر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا بلکہ
معتدل اہل امر میں ہے کہ ہمارے بعض نو تعلیم یافتہ جو جو تا واقعیت بسا اوقات اس قدر تھوڑے کر جاتے
ہیں کہ سرے سے اسلام پاک ہی کی ضرورت سے انکار کرنے لگ جاتے ہیں اور غور کرو تو وہ
ترقیات بھی تسلیم کرتا ہی کا نتیجہ جس کیونکہ وہ حقائق موجودات میں خود پر دست کرنے سے حاصل ہوتی
ہیں کہ اس کی قرآن مجید جابجا نکلیے کرتا ہے۔ انہیں انہی قیادت کے استعجاب نے ہمارے بعض اہل
کو یہاں تک گرویدہ کر رکھا ہے کہ اگر یورپ میں کوئی سائنس دان یا فلاسفر یا مخالف چھوڑ دے تو

ہم سے بعض خوش ماہر کے مشہور علم میں نفاذ نامہ کا کلام دیتا ہے۔ ہمارے مطلب یہ ہے کہ اہل روپ کی کسی امر میں بھی تسلیم نہ کی جائے گی۔ کیونکہ جو اہل عقیدہ نے ضرورت زمانہ لازم قرار دی گئی ہے بشرطیکہ وہ منافق شریعت نہ ہوں ان کے کہنے میں کیا قہاحت ہے؟ آخر خروج آفرینش سے قومیں لین دین کرتی ملی آتی ہیں مگر ضروریات زمانہ اور احکام مذہب میں ایک حد فاصل قائم ہونی چاہئے ہر فرد کو گروہ کر دینا موجب مندرجات ہے۔ اگرچہ یہ ہے کہ احکام مذہب میں کوئی ایسی بات نہ ملے جو موجودہ علوم و فنون سے روکتی ہو۔ اگرچہ ایک علوم ایسے بھی ہیں جن کا اثر طبع پر اہم و کفر کا رنگ چڑھا دیتا ہے تو ان کا خوف انہی صورت میں ہے جہاں تسلیم قرآن سے بالکل منقطع اختیار کر لی جاتی ہے۔ آخر یہ علوم پہلے بھی تو مرقع ہی تھے گو کسی دوسری صورت میں ہی مگر چونکہ عام طور پر تسلیم مذہب کا حاصل کرنا لازم قرار دیا گیا تھا اس لئے ان کا کچھ ڈر نہیں تھا۔

اب ہم اہل طلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ کسی بات کی حقیقت اصلیہ دریافت کرنے کے لئے جو بلا واسطہ یا تو جاسے جو اس کے احکام سے بالاتر ہے یا اس موجودہ حالت میں ملے جو اس سے غائب ہے اس وقت وہ بھی طریق ہو سکتے ہیں جن کو عقل سلیم و عقل صحیح کے عنوان سے ظاہر کیا گیا ہے بعض امور میں عقل اور بعض میں صرف عقل اور اکثر میں عقل و نقل ہر دو قدریہ رسول علم ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے اپنے موقع پر استعمال میں لانا ہر ایک کی حد معرکہ کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے اور اس اہل عقیم کی خلاف ورزی سے ہم سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ عقل ایک محدود طاقت ہے یعنی وہ ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکتی اور وہ کوئی حد ہوتی نہ ہر جگہ مرکب ہاں نامتناہی۔ کہ جیسا سپر بائیہ اندام متناہی

اس لئے ایسے امور میں جو مافوق عقل ہیں سوائے عقل صحیح کے کوئی چارہ نہیں اور عقل لعل اگرچہ صحیح ہو تو بہ نسبت عقل کے اقرب الی اصواب ہے اور اگر غلط ہو تو موجب مندرجات۔ مگر یہ کوئی امر بند یہ عقل صحیح پائے ثبوت تک پہنچ جائے اور عقل سلیم اس کی شہادت دینے میں متردد ہو تو اس کے عقلمی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ داخل نہیں ہو سکتا۔ اور یہی طریق علوم حقیقیہ کے

سے گئے تھانہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض امور میں کی حقیقت کو بعض عقل کلی دریافت کر سکتی ہے حالانکہ کما کے بارے میں سے بالاتر ہوں۔ اگر کوئی دلیل برہان اپنی عقابیت سے اس حقیقت کا اظہار کرے تو اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ ایک عقلی ہی بات ہے کہ جب ظاہری علوم و فنون میں لوگوں کے کمالات مختلف ہوا کرتے ہیں تو علومِ نبوت کے حصول بعدِ بدیہ اولیٰ ان کا محقق ہونا ضروری ہے۔ یہی سراسر حقیقت ہے کہ کسی حقیقت کا بعض میں وہ سے انکار کیا جاتا ہے کہ وہ حقیقت شکرین کے قبضہ سے بالاتر ہے جن لوگوں نے سمجھو۔ بلکہ جن دنیائیں کا انکار کیا ہے انہوں نے اسی ایک عقلی ہی کی بنا پر مرکز حق سے انحراف کیا ہے۔ انہیں جب عروجِ علوم کے اصول پر ان امور کا کوئی ثبوت نہ ملا تو سخت مضطرب ہوئے کہ یہ کونسا ایسا اصول کا انکار کریں جن کے انہوں نے بے بنیاد سے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر انہوں نے طرح طرح کی تاویلیں اور دوامتیاس توہمات بیان کرنا شروع کر دیں اور اتفاقاً قرآن مجید کو خلافِ اصول تو مزبور ذکر اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے نتیجہ یہ ہوا کہ ہوائے نفس نے انہیں گمراہ کر دیا۔ انھیں اگر عقل جزئی پر ایک حقیقت کے لئے حجتِ قطعی ہوئی تو اس میں شریعت کی ایک بات بھی صحیح طور پر نہ پہنچی کہ جب عقل کو میرا قطعی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر سوال پیدا ہوا کہ کس کی عقل؟ آیا کائناتانِ فروش کی یا فرانسس سکن کی؟ غائبانہ اس عقل کو دنیا بھر کے تمام مسافر بھی مل کر عمل نہ کر سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ کے اقوال ان ایک ہی روش اختیار کر چکے ہیں کہ کسی بات کو کسی بلحاظِ عقل کے ہر علوم ہر وجہ کے لئے مسلم ہو چکے ہیں تسلیم نہیں کرتے اور اسی ضرورت پر زمانہ حال کے بعض مصنفان قوم نے قرآن مجید میں مذکور کیے حتیٰ الوسع مسائل کو انہیں اصول پر جانچنا چاہا اور وہ کامیاب ہوئے یا نہ ہوئے، مگر چونکہ علومِ مزبور کی حقیقتات محمول جزئیہ کا نتیجہ ہے، اس میں صحیح اور غلط طریقاً اللہ شہد ہوئے ہیں اس لئے ہم یہ نظر احتیاط اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں گے کہ جہاں کہیں ابظاہر کسی مسئلہ مذہبی اور اصولی ہو جس مسئلہ اختلاف نظر اسے کتاب اللہ کو مقدم سمجھا جائیگا کیونکہ وہ وحیِ مطلق ہے اور باقی ہر منتظرِ پیشگی کے گمراہی کسی زمانہ میں مطابقت پیدا ہو جائے گا وہ

زمانہ کشمیری لکھل ہو یہ ہماری سراسر غلطی ہوگی کہ مروجہ حقیقتات کی ہر ایک بات کو ایسا قطعی سمجھ لیں کہ اس میں غلطی کا کسی طرح بھی احتمال نہیں۔ ہزاروں منہ علم ہیت کے اسی ایک ہی صدی میں ثابت بھی ہوئے اور پھر اس کی غلطی بھی تسلیم کر لی گئی۔ اگر ہم کسی علمی تحقیق کو قطعی ثابت ہو جانے پر پس از میرزا لفاظی قرآن میں تحریف کرنے کی ضرورت داعی ہوگی اور اس طرح کتاب اللہ ایک باجریچہ لغوی قرار پائے گی *

یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر اصول معلوم مروجہ کے قطعی تسلیم کئے گئے ہیں کتاب اللہ کسی ان کے خلاف تعلیم نہیں دی مگر ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو معلوم مروجہ کے ساتھ علوم دینیہ میں بھی کامل جہاد رکھتے ہوں۔ آج تک جن لوگوں نے معلوم مروجہ کو تعلیم اسلامی میں مطابقت کی کوشش کی ہے وہ سب کے سب ایک ہی جانب کے آدمی تھے یا ہر وہ جانب میں نامکمل رہے۔ ہر حال ہندوستان میں ایسا جامع آدمی پیدا نہیں ہوا۔ شاید آئندہ کسی زمانہ میں کوئی مرد خدا ایسا نکل آئے جس میں ہم مشرک کو طے کر کے لیکن اس شکل کا پورا کرنا دیکھو کسی خالص مولوی کا کام ہے اور نہ کسی معلوم مروجہ کے ماہر کا *

بہر صورت جب یہ امر تسلیم ہے کہ بلا مذہب ملاحن کی قومیت ناکم ہے تو قوم گزشتہ تمدنی قائم رکھنا چاہتی ہے تو اسے ایک ان کے لئے بھی تعلیم قرآن و سنت سے عظیم ہو کر اپنا ہم و نشان قائم رکھنا حال بھنا چاہئے۔ اور اگر بلا مذہب ممکن ہے تو مذہب رنگ و عار خداوند کریم اور دیکھو کہ بغیر مذہب کے ہماری کیا عزت ہو سکتی ہے؟ اور ملاحن کی چیز ہے جو ہیں ایک وحدت کی بدخبر جس بزرگ ایک فرد واحد کی سمت میں قائم رکھ سکتی ہے صرف اسی قرآن و سنت کی طفیل ہم نے دنیا میں خیر لامح کا لقب پایا۔ کیا فکر و ہمت و ایمانی و غیرہ قبل ان اسلام عظمت ممالک کے سکھاؤ ملنا نہ جانتے تھے؟ یہ معلوم تو ہیں اور دیکھو کہ کیونکہ دنیا کے کاروبار اور انسانی

سلسلہ میں صاحب کے مشق کو اب محض انک کا یہ خیال نہایت صحیح ہے جو قرآن ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اس نے آپ سے قانون قدرت کو کھانا کھا لیا اس کی بات قرآن کو - ۱۶ - منہ *

زندگی کی ضروری ہولناکیوں کا یہ نہیں بچہ رن کی صورت سے کون انکار کر سکتا ہے؛ مگر گفتگو تو معنی بہت
کرتا ہے۔ یہ صورت اور الحاقیت کی لپیٹ میں یہ حد مقرر کرنے اور ہر فرد کے درمیان حقیقت تحقق کے پہلے اور
اندھ زندگی کی اس طرح کے لئے یہ معلوم ہیں کیا کام دے سکتے ہیں۔ اس کا جواب بچہ رن کی زندگی کے کوئی
شخص مثبت حفاظت میں نہیں دے سکتا۔ فرض کرو کہ ہم اعلیٰ ریاضیات کو پڑھیں اور علم حقیقت کے مسائل
سے نمونہ وقت ہو جائیں اور طبیعیات کے تجربوں میں کافی دستک دہم پہنچائیں۔ یا دیگر معلوم حقیقت کی
شناخت میں سے کسی نیا کام کو کال اور پریکٹس مگر ان کا نتیجہ کیا ہو گا؟ کیونکہ نباتات اور حیوانی ماحول
تو یقیناً ان علوم پر مبنی نہیں۔ یہ فانی فائدہ سوا اس سے کسی کو انکار نہیں دے سکتے، مگر کوئی شخص صرف
علوم حقیقیہ کو اپنے حق میں کافی سمجھ کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ معلوم حقیقیہ یعنی تفاسیر و عادات سے متعلق
ہے تو وہ ایک بھاری غلطی کے اندر مبتلا ہے۔

نذیب ہیں کی عزت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا صرف منقولات صحیحہ کے وارث ہیں نذیب
ہے۔ ہاں جس کسی نذیب کے عقائد اور احکام کے مستحق ایسے واثق اور دھوکے کا ذخیرہ ہیں
ہرچا سکتی ہے جو کسی پابند نذیب کیلئے اس امر کے امتیاز کے ضروری ہوتے ہیں کہ وہ نذیب
اس لئے اختیار کر رکھا ہے وہ صحیح ہے وہ عقل بشان تعلیم و حیائے خود مشفق کو کسی حقیقی منزل تک
پہنچانے کے لئے ہرگز ایسی نہیں کر سکتی یہ صرف اس امر پاک ہی کا خاصہ ہے کہ اس لئے نہ تو عقل کو
سچ نہ نفسی حیا قرار دیا ہے اور نہ ہی اسے عقل مطلق سمجھا ہے بلکہ عقل کے چاروں تہذیبوں
کا وہ من و دل کو انسانی فطرت کو سرافقہ تعلیم کی ہدایت کی ہے اور یہی کسی نذیب کی اصلیت کا
قطعی معیار ہے *

..ہی ایک حق و مانع ہے جس کی طرف آئمہ مختصین گئے ہیں۔ رسالہ اصولی فقہ میں لکھا ہے۔
فمن جمل ائمن عند مروجۃ یتبع الشیخ بقولہ فلا ھلیل لہ لیتدی علیہ ومن اعاد

[illegible]

الذين هموا القرآن وحسن رسول الله صلى الله عليه وسلم وما احسن عليه الصحابة رضي الله عنهم
والسالمون واصحاب الجديك عصر عصر الذين طهروا لانا نروا وعلوا اهل محمد قد فعلوا بحمد الله
بذلعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

یعنی اسے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ سے قود اللہ سے قود اللہ اپنے دین کی حفاظت کرو اور ہم تمہیں
انکے جامع ہیں یا ہم میں بتلاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن و سنت رسول اور سنت اصحاب و تابعین
عالمین بالحدیث کلام ہم پر ہے و نہ گفت نہ قول میں صحت حدیث نبوی کے چیلے ایک ہے ہیں اور
ہر ایک کی حق بات کو جو مختلف شریعت ہو پورہ و کریمہ کی بات بات ہے اور بدعت گواہی
گمراہی سے جس جہنم کی راہ دکھاتی ہے۔ خدا ہر ایک مسلمان کو توفیق بخشنے۔ آمین

العقليات الدينية

کیا یہ ہر وقت کسی ایک ہی چیز کے وقت نہ ہو میں بیان کا مفہوم ایک دوسرے سے
معلوم ہے ہر سوال کا جواب غالباً اس مسئلہ کو زیر بحث لے کر دیا جاسکتا ہے کہ فلسفہ اور مذہب
کی تعلیم میں یا ہم کیا نسبت ہے؟ ہیں یہ مسئلہ یا وہ پیچیدہ مہم نہیں ہوتا بلکہ بالکل سادہ اور واضح ہے
فلسفہ اسلامی دنیا میں کج رنگ جو کچھ کیا ہے اس کو بقا بلکہ مذہب و کیسٹنا چاہئے کہ کج چھانگ
قوموں کی ترقی و تہذیب کا پتہ دیتی ہے میں معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ میں مذہب کے پیرو پہلو چلا ہے
اور ہمیشہ اپنی بنیادیں مذہب سے جلا رہے ہیں اور کہیں اس نے اس کو اپنا رفیق نہیں بنایا بلکہ بسا
اوقات ہر دو میں مخالفت بڑھ چکی تھی کہ سولیں وقت کو کسی نہ کسی کی حمایت میں مشورہ ہوا پڑا۔
جو کج تعلیم معلوم ہے ان دونوں کا کسی زمانہ میں بھی اتفاق نہیں ہوا جس سے صاف ظہر پر معلوم ہوتا ہے
کہ فلسفہ اور مذہب میں اتفاق کی ناممکن ہے بعد اس کی یہ ہے کہ فلسفہ کا کوئی صحیح معیار کسی قوم یا کسی
زمانہ میں کج رنگ ناممکن نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک زمانہ کے عقائد اور واقعات عالم میں منور کرنے والے لوگ
اپنی اپنی بھر کے مطابق نیا فلسفہ تیار کرتے تھے اور یہی ہیئت تدریجی وہ ہے کہ کسی ایک ہی مسئلہ کی

بابت تمام غنیمتوں کے فوائد میں قدرتنا مقصود ہے کہ کسی کو میں سے کسی کی صورت تسلیم کرینے کا کام
 پاس کوئی ثبوت نہیں ملے گا کہ بعض نے تو یہ کہا اور بعض نے عداوت تسلیم کیا۔ اسی طرح بعض نے مصالح عالم کے
 وجود کو تسلیم کیا اور بعض نے انہی کی نفی کی بعض نے قاتلہ باری کو جو مطلق بشرط اطلاق تسلیم کیا اور بعض نے
 کے قائل ہیں بعض نے صفات کی نفی کی بعض نے اس کی صفات کو ثابت کیا بعض نے اس کو عالم
 بحیثیت تسلیم کیا اور عالم جزئیات ہونے کی نفی کر دی بعض نے اس کے افعال کو مقتضائے قیات قرار دیا
 جیسے حرارت شمس بخار اور دھنس وغیرہ موتی ہے بعض نے اس کو دائم یا بالود تسلیم کیا بعض نے اس کے
 افعال کو غرض پرستی کیا اور بعض نے غرض کی نفی کر دی بعض نے اس کو ایک جسم مانا اور بعض نے مستقل
 کہا یعنی ایک ہی وضع کچھ پیدا کر کے کھڑے ہو جیتا بعض نے ملائکہ کے وجود کو تسلیم کیا اور انہیں باب
 الارواح کہا اور بعض نے ملائکہ سے قوی تسلیم مراد سے بعض نے الملک کو ایک جسم صفات عید عالم مانا
 اور بعض نے اس کی نفی کر دی بعض نے ارواح انسانیہ کو ابد و مگر باقی قرار دیا اور بعض نے کہا
 کہ موت کیسا قدرتی حق بھی فنا ہو جاتی ہے کیونکہ معرفت ترکیب جسمانی کے اعتقاد کا نام ہے بعض
 نے عالم آخرت کے حساب و کتاب کو مانا بعض نے مشرب کا انکار کر دیا بعض نے حشر کو جسمانی حشر یا
 اور بعض نے معرفت حقیقی ثواب و عذاب پر ہی قیامت کرنی بعض نے القلوب حقیقت اشیا کو
 صحیح مانا اور بعض نے افعال بعض نے نبوت کی ضرورت کو تسلیم کیا اور بعض نے انکار کر دیا بعض نے
 اجرام فلکیہ کو مختلف تاثیرات کا مصدر سمجھا اور بعض نے اس کو مطلق قرار دیا بعض نے اس کو کابدی
 اشی قرار دیا اور بعض نے ناصی اور اجسی مانا اور بعض نے دنیا یا عیسیم اسلام کی تعلیم کو محض تشبیہ و
 استعارہ کے پیرایہ میں سمجھا اور کہا کہ عوام انسان کے بھانے کے لئے معصومانہ ایسے الفاظ استعمال
 کئے گئے ہیں اور بعض نے یہ کہا کہ شریعت معرفت باہلیں کے لئے ہے جس لئے جو لوگ خود فہم و
 خواست سے تھے ہیں انہیں انبیاء عیسیم اسلام کے اتباع کی چھٹیاں ضرورت نہیں۔ وغیرہ وغیرہ
 ہر کہاں تک ایسے استنباطی استدلالات کو بیان کرتے چلے جائیں ہیں تو اہل فہم کی اس قسم کی
 زعمیات کے دیکھنے سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی گمراہی میں صرف اس لئے

وہاں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے اتباع سے اپنے تئیں متغنی کر دیا ہے اور منسوب انہی
 کے مہربان گئے اور تعجب ہے کہ چند جہاں اور مہربان کے گرد و کوہ پیٹھے پیٹھے عقل و سلاست پیدا کرتے
 ہیں۔ حکماء کے فلسفے سے انفر و کیا جاتا ہے۔ مفلکون بلوہو سطرط امان کے بعد اسلامی زمانے کے
 حکیمان ہونصر نالی۔ بوللی میں یار یغوث و یغوثی۔ فکر کیا مانی و غیر ہم جن کی عمریں احوال و زمانہ قد
 کے بعد ہی پورے ان دنوں کے نزدیک پائیس غنیمت خیال ہے سے چری پوری ہے فلک غنیمت
 کے لیے حکمت کے بلتے میں گر گیا۔ ایلانہ عالم باطل کو جو تابع نبوی سے مقامات عالیہ تک
 مانی مانی مانی ہے اور میں جتنی سرور و شادمانی کا وہ اس عالم میں تک پہنچا ہے اور جس کی اسے
 آئندہ منگی ہیں اس سے اس کا شکر نہیں ہی ان تا کمال کو باطل نہیں بتا سب سے چرا
 عجاب و تعجب کو توکل سے مانع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے پختہ عقین ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ سمجھ
 چکا ہے اس سے اور بگاڑ نہ سکی۔ دانی کے پاسے کو ان میں پختہ ہوتے ہیں یہی ایک ایسا عجاب ہوتا
 ہے جو اسے تمام فروع و اجزائے نبوت سے گشتہ دکھاتا ہے اور بالآخر غافل و نامکام دنیا سے رخصت
 ہوتا ہے ۔

۱۔ ایشیائی اور کھنے کے قابل ہے کہ ساری زمانہ کے فلاسفہ نے مذہب اور فلسفہ میں تطبیق
 قیاس کی دست و دوش کی ہے بھلا ان کے شیخ الفریس بوللی میں تاجہ جس نے فلسفہ اور عقل کو فروغ
 دیا اور ان کی کتابوں پر شروع و حواشی لکھے اور خود بہت سی کتابیں تصنیف کیں مگر طوطہ پران کا
 فلسفہ یا سہل ہے یوں کہ مذہب سے تا قیام قیامت تک تطبیق نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ اس
 ساری کے بعض جملے کے قیاس کے علوم جدیدہ کی مشدد ترقی کو دیکھ کر یہ دعویٰ کیا کہ وہ عجم و ہند
 و مذہب میں تطبیق دے سکتے ہیں اور قریباً قریباً یہ خیال کنی کہ مذہب لوگوں کے دماغ میں جاگزیں ہو چکا
 ہے اور انہوں کو جب ان میں سے بعض کی تطبیق کا حال دیکھا اور پھر اسے تو مذہب کے مخالفین ہی

فلسفہ و عقل کی تطبیق سے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے ہی افقہ تھا اور دینت پسندی کو کہا جاتا تھا اور لوگوں کو چرا و سترالی
 اور مذہب کی بات دینی ہے کہ کیا فکر کہ نام مذہب پر چاڑھ ۔ دینت ۔

کا انکار کرنے لگے۔ بلکہ معجزہ کوئی چیز نہیں۔ شیطان قوت ہے یہیہ کام ہے۔ اس میں کوئی چیز نہیں۔
 بلکہ قوت ہے۔ قوت ہے۔ حشر و قوت نہ مانی ہوگا۔ دفر و فلک۔ سو اس صحت میں ہم بھی تسلیم کرتے
 ہیں کہ علوم جدیدہ و احدثہ ہر ایک میں تطبیق انسان کام ہے لیکن اگر مذکورہ بالا مسئلہ میں حقیقت اور کبر
 لغت ہے جس کو ہم سب قریباً و قریباً ہزار سال سے مسلمان برابر مانتے چلے آئے ہیں اور مانتے چلے
 جاتے ہیں تو اسے خیالی میں نہایت منور ہے۔ ہرگز کہہ سکتے ہیں محمدؐ عربی اور خدا و وحی کے واسطے اس کو کفر
 پر بغیر ہزاروں سے ہیں اور ان کے بعد کے واسطے اور خدا و سطر یا دیگر ملکی کے اقوال کو اپنا دستور و عمل بنائیں
 کیونکہ صحت میں اس امر کے کہ مذہب اسلام میں مذکورہ بالا امور اسی طریق پر تسلیم کئے گئے ہیں جس طرح
 ہم نے تسلیم کئے ہیں۔ آگے میں تطبیق کا اصول کھڑا کر رہیں ہو گیا۔ احمدی اور یورپ کے محققین ان
 قدر کہ باقیوں کو بے باورہ دیکھتے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ مذہب اسلام میں معجزہ و قیامت، اور کہ
 شیطان و غیرہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور یہ نئے مدعیان تطبیق بعض فلسفہ و سائنس کے بظاہر
 و نہایت گویا کی ہی بھرا ہے۔ قد کرانی جو تیزی کی خیر متانت میں خدا اور نہ کوہ و ہذا
 حقیقت مسلمہ ہی ہے جس کو شافع علیہ السلام نے پیش کیا۔ اور وہی ہم سب کی فلسفہ و سائنس پر مبنی
 کہ اسلام کے مسائل حقیقیہ بدستہ اسی طرح پیش کئے جائیں گے جس طرح تو اصل تسلیم کے باعث یہ
 فلسفہ و سائنس نے دنیا میں آج قدم نہیں رکھا بلکہ شروع سے یوں ہی چلا آیا ہے۔ ہاں یہ مسلم
 کہ اپنی حق رائے میں جدہ و افرد ہوا ہے۔ سو ایک زمانہ کا ہمیشہ اپنا مقتضایہ کرتا ہے۔
 یہ حال ہو سکتا ہے کہ اصل اسلام میں عام عقیدہ زیادت زبان نہ ہے کہ مذہب اسلام میں
 نہیں ہے اور ان فلسفہ و سائنس کی قافیا لغت کے تحقق ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ کوئی کفر و کفر ہوگا کہ مذکورہ
 باوجود حقائق کو وہی حق میں علوم جدیدہ پر موازنہ نہ کیا جائے جس میں اصل اسلام تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ
 علوم جدیدہ میں تا حال کوئی ایسے اصول وضع نہیں ہوئے جن سے معجزہ اپنے اصل معنی میں ثابت
 کیا جاسکے یا حشر و جہاں پر فاضل ان کوئے تھیں حقائق جدیدہ قائم کئے جائیں؟ اس سوال
 جواب یہ ہے کہ یہ بات کہ مذہب اسلام میں کوئی بات عقل کے مافی نہیں۔ حقیقت صحیح ہے

منافی قتل نہ ہو اس امر کا مستلزم نہیں کہ ہر بیخ و بن عقل ہی نہ ہو۔ جو امور کہ ایسے مقدمات سے متعلق تھے
 جن پر عالم برزخ یا عالم نحروسی سے شکار کئے گئے ہیں وہ بیشک خارج از عقل ہیں مگر منافی قتل نہیں کیونکہ
 کسی حقیقت کے عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ درحقیقت مخالف عقل ہے پس نہ کورہ ہا لا
 خیال ہر ایک حالت میں صحیح ہے کہ سبب اسام برزخ منافی عقل نہیں کیونکہ اس کے تمام احکام شرع
 حکمت پر مبنی ہیں اور ان میں مصالح عبادہ منہویں۔ اسی سوال سے ملتا جلتا ایک اور سوال اس مقام
 سے متعلق رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مدت سے بعض تعلیم یافتہوں کا خیال ہے کہ نیا علم کلام ملک
 میں طبع کیا جائے یعنی علوم جدیدہ کے رُوسے ہو جو اعتراضات مذہب کے متعلق پیدا ہوئے
 رہے ان کو عام جدیدہ کے عقل ہی سے جو کرنا چاہیے۔ ہمارے خیال میں اس سوال کے جواب
 میں دو احوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ ہم علوم جدیدہ کے رُوسے مسائل اسلامی کو انہیں میں
 میں شہرت کرنے کی کوشش کریں جن میں میں نہانہ نوت سے قریب تک اہل اسلام میں منہم پہ
 آئے ہیں کیونکہ یہی سورت حقیقی اسلام کی اشاعت منہم ہو سکتی ہے اور متعین اہل کلام نے
 بھی اسی حرج کو بتا جہ فقہیو میں امتیاز کیا تھا مگر گفتگو یہ ہے کہ اس قسم کے اول کیا ہیں جو
 علوم و فنون میں اس قدر وسیع ہمارت رکھنے کے علاوہ علوم جدیدہ کے منہم مسئلوں ہیں۔ میں تو
 آج تک ہندوستان میں کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آیا۔ ہاں آوصاف مترادف صابیر کے مسائل
 مترسے موجود ہیں۔ اور بظاہر ایسے لوگوں کا پیدا ہونا ناممکن نہیں تو قریباً ناممکن ضرور ہے کیونکہ
 موجودہ اصحاب تعلیم میں طلبہ کے لئے کوئی ایسا سر قض نہیں رکھا گیا کہ وہ ہر وہ قسم کی تعلیم کے جامع
 بن سکیں گو یہ امر ایسا بڑا ناممکن نہیں۔ دوم یہ کہ مسائل کی حقیقت مسئلہ کے سوا ان کی کوئی تاویلی صورت
 اختیار کی جائے جیسے بعض شیا چہ زمانہ حال کا قاصد ہے مگر ہمارے خیال میں اس قسم کی کوشش
 مذہب اسلام کو بیکارے فائدہ کے مترادف انسان رساں ثابت ہوگی کیونکہ امور کی اصلیت کو غلطی
 احکامات علیہ اسلام کی طرف احاطہ اللہ جموئی باتیں منسوب کرنا ٹھیکگی اس کی نسبت یہی ہر
 ہے کہ کورہ کیا جائے کیونکہ نامکمل کی بجائے قواعد فقہیہ کا سبق دینا صحیح کو یوں غبار کا مینا کرنا۔

مسئلہ کے پخت جانے کو مد و جرر کی حالت بیان کرنا اگر مذہب قرآن میں توہر کیلئے؛ تو کہیں
 کا مقام ہے کہ عہدہ سے ہر چند اصل مسابیح کو ایسی غلط کامی ہو تو میں پیش کیا مگر خداوند تعالیٰ شہد
 حال ہے کہ از شرق و مغرب امور مذکورہ بالہ کے متعلق اہل ایمان کا وہی مقام ہے جو ذکر ہزار سال
 سے چلا آتا ہے اور جو کسی بھی نہیں بدلیگا۔ ڈو لو کہہ الملاحظہ قال النیا چہرۃ ۳۳

چملیغ کذب را بنود فروشنے

پسند ایک چمڈ و نہا کا الحمد بھلا کیا وقت رکھ سکے کہ کوئی نہ اس قدر علاحدہ تو ہر ایک زمانہ
 میں موجود ہے ہیں *

ہم نے بعض علاحدہ حال کی تقریروں میں یہ چاہت کہ مسلمانوں میں جب تک علوم مذہبیہ
 کا نہ شوق و اہسان کی تعلیم نہ ہو کہ لوگ باری حق کی ترقی کا کون سا
 مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ علم مذہب و فہم کے پرستے کو کفر بتایا اور حکماء اسلام کو مروجین پر
 مروا۔ اذات مسلمان بد مذہب و بدعتی کی طرف جھکتے پلے گئے حتیٰ کہ ان سے ترقی کے تمام کمالات چھین
 گئے اور کھو گئے۔ کہہ دوں کہ وہ گئے۔ مگر ہے کہ یہ خیال کسی نہ وقت کے نزدیک قابل وقت
 ہو کر جسے نزدیک اسی خیال کے لوگوں نے وفات سے اٹھاتے اور کیلئے اور یہ نہیں سہا
 سب سے کمال تبلیغ شریعت کا زمانہ قرون اولیٰ (صحابہ و تابعین و متبع تابعین) کا زمانہ تھا
 کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اجماع مذہب و غیر مذہب اساتذہ کی ہر بھی مسلمانوں کو نہیں ملتی تھی۔ چہرہ
 مذہب و باسیہ میں مخرجات اہل یونان نے اہل اسلام میں دخل پایا۔ عقائدات کی جڑ کھدائی گئی
 گئی اور بد مذہب بدعت کا پتہ گرہم ہونے لگا۔ پھر عیسائی صدی میں کیا تھا یہی کہ مذہب سے
 گھر گھر اپنا دخل و تصرف کر دیا اور تمام افراد پر اس کا کہ ہمیشہ اثر پڑا۔ کوئی اسلامی رنگ میں نہ
 فرق نہ ہوا۔ اعلیٰ الہامی وضع میں۔ انقضیٰ: اذ انزل بساحتہ فضاء سیاح المسابیح ارجو
 قسط مسابیح کے گھروں میں تامل ہوا کہ ان کا ہر زمانہ آیا (وہ من عتیدت جو کتاب اللہ
 میں خود ثبت کر سنے سے دل میں پیدا ہو سکتی ہے وہ استدلال حسی سے یا عقل و فہم سے یا

وہ خدمت، عبادت اور تقویٰ ایمانی اور شریعت سنت نبوی سے دلوں کو سرحد و مصلحت پر کسی بہت مشکل
اور پیچیدہ علوم کی طرف متوجہ ہونے سے ایک حکم منقطع ہو گئی نہ جتنی اور لازم غم کو نصیب حق
کرونا جاتے تھا ایکن بالقیب اور خدمت قرآن و سنت اور انھوں نے قوم کے دلوں سے کنارہ
کریا اور بال کی کمال آثار و کائنات کے لوگوں نے یہاں پہنچا پیش شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
اصول و فروع میں فہم و فہم کے بغیر ایک قدم اٹھانا بھی دوسرے بولیا محنتات میں سیکڑوں
پڑھوں بلکہ اقلہ کو سخت پینا ہو گئے اور عملیات میں کثرت اختلافات کی وجہ سے ضعف اور سستی رہا
یا کسی اگر کسی شخص کو ہامی اس تقریر کی تصدیق کرنا ہو تو کتب و تاریخ اور کتب علم کا مطالعہ کر کے
دیکھیں۔ مگر کیا کوئی انصاف پسند محقق ایک تہن کے لئے بھی تصدیق کرے گا کہ یہ سب کچھ علوم حکمیہ
یونانیہ کی انہونی رہنمائی کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ شک یہ سب کچھ انہیں نصیب نہ ہوا۔ ضرور انہیں اور
علوم عام کے ذریعہ تصرف سے ظہور میں آیا۔ اور اب بھی انہیں علوم کے فواید سے مسلمانوں کا
استفادہ ہی ہو سکتا ہے۔ حالت متزلزل ہو رہی ہے ممکن ہے کہ وہ لوگ جو اب بھی فلسفہ اور دیگر علوم حکمیہ
کی سرزمین میں نشوونما پاتے ہیں جاری نہ کر دلائے سے اتفاق ظاہر نہ کریں اور نہ بنا کر
انکار کریں مگر یہ ہے کہ جن دلوں میں ان نصیحت علوم کو دخل نہیں دیا وہی مقدس اور مظہر ہونے کا
دعوئی کرتے ہیں۔ اسلام پاک کی پاک تصیم کا اہم مقتصد یہ ہے کہ انسان کا ظاہر باطن پاک
ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے زیر فرمان ہو جائے اور خضوع و خشوع جو منجملہ لوازم ایمان ہیں دل میں
پیدا ہوں اور بقیاب رب العزہ ہر دم اپنے تئیں ایک مطیع فرمانبردار غلام کی طرح حاضر رکھے اور ہر
وقت توبہ و استغفار اور مناجات باہر و دل بکھور جل شانہ پیش کرتا رہے اور دنیا کو دین کے تابع
رکھ کر حکم و عزت کے لئے نا و راہ تیار نہ کرے اور محبت الہی کی کشتی پر سوار ہو کر بادبان شوق
کے سہارے ساحل نجات پر پہنچ جائے اور خوف و عذاب اور دبائے ثواب کی حالت میں منزل
مقصود کو ملے کرتا چلا جائے۔ تاہم ان اپنے ایمان سے کہیں کہ ایک پورے دولت بے بہا جو خالص ایمان
محققان جناب محمدی کے کسی فلاسفہ کو بھی حاصل ہے ہم مانتے ہیں کہ ایک جزا فصیح و دیش

سے انتہائی تعلیم تکشہ بنی تعلیم کے کسی حصہ کے نہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔ ان میں سے فیصدی ننانوے حصہ
 نام کے سلطان ہوتے ہیں برصغیر میں کچھ طالبانگوں کی قد مذہبی تعلیم کا موقع ہے وہ مزہد سب کے
 سب اپنی اقتصادی اور عملی حالت میں نسبتاً نمایاں فرق رکھتے ہیں الاملا، اللہ تعجب ہے کہ مذہبی تعلیم
 جماعت میں اپنی تعلیمات، نظم و کرم، فرائض و صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دوسری کلچر و انسانی طبائع میں
 جوتی ہے اس کو ناکام اور بے سوسو ظاہر کیا جاتا ہے اور مروجہ علوم کو جو صرف انسانی تمدن و معاشرت
 میں کارآمد ہو سکتے ہیں اور اصلاح نفس سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں مزہدی قرار دیا جاتا ہے۔ غالباً
 اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شخص مذکور نے مذہبی تعلیم کی غرض غایت کو مدقق نہیں سمجھا تعلیم کی اصلی
 غرض یہ ہے کہ انسان کے طبع و فطریہ اپنے اپنے کام کرنے لگیں اور جذبات حیوانیہ کو امتثال
 پایا جائے لیکن مذکورہ بالا رائے پر عمل کرنے کی صورت میں کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ علی الاطلاق
 یہ عقیدہ پورا ہو سکتا ہے؟ اور یہ مسلم ہے کہ جب تک انسان میں صداقت اور عدل و دیانت و غیر اخلاق
 پیدا نہیں ہوتے تمدن و معاشرت میں ترقی کی حقیقی مدد و برکت پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں اگر ترقی تمدن
 معاشرت کے سنی شخص حیوانی لذت پر دوسری گئے جائیں تو پھر دیانت و تقویٰ کی بھی کچھ ضرورت
 نہیں جیسا کہ اہل مذہب کی حالت ہے کہ بجز وہ یہ کہلئے اللہ نفس پر دوسری اہل مذہب تعلیم و تہذیب میں متفرق
 ہونے کے انسانی زندگی کا کوئی خاص مقصد ان کے ہاں قرار نہیں دیا گیا۔ ان کی تمام ایجادات و تحقیقات
 کا مقصد بالواسطہ یا بلاواسطہ غلبہ نفسانی پر مبنی ہے۔ البتہ کی زندگی پر یا تو انہیں یلین ہی نہیں اور
 کہ ہے تو اس کی اصلاح کے لئے ان کی زندگی کا کوئی جز بھی وقت نہیں کیا جاتا نتیجہ یہ ہوتا ہے
 کہ یہی بڑی ایجادیں ہوتے ہوتے ہم پیدا کر کے بالآخر خسر الدنیا و الاخرہ ہو جاتے ہیں اگر ہم
 پاک کی تعلیم کا مشنا اس روشن ترقی کو برکت پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کرنا چاہیے کیونکہ اسلام نے انسان
 کو تمام ایسی تعلیمات حقیقیہ کی دولت توجہ دلائی ہے جو اس کو انسان ہونے کی حیثیت سے دنیا و آخرت
 میں ہمیں کھانا ثابت ہوں۔ اقوام کی ترقی و تہذیب کی تاریخی غلطی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
 کسی قوم کے اوبہ کا مسئلہ اسباب ہی علوم فلسفہ ہے جس کی تعلیمی علوم اور پرستی سکھ کر انسان کو مزہد

بلکہ اسلامی مذاہب میں بھی تاریخی ایسے لوگوں کا پتہ دیتی ہے جو ہر علم و صنایع کی اوج میں تھے اور
جو علم و صنایع کے لئے وہ دن اور شہر تھے جسے گویا حقیقت احمدیہ اور احمدیہ اور احمدیہ
تھے ان کا شمار ان کو ایک نئی ہی انکس کے ساتھ جتنی دیکھا جائے گی جو خود کو نہیں مانتا اور
وہ انہوں نے جو جہرے دل سے باغی تھے وہ انہی کی خطیاتی یوم الدین کی کسی مناسبات کی
لئے آسانی ہوگی۔ اور وہ یقیناً "لا احصی ثلثا" حدیث است کما اثنیت علی نقس کے
میں بہت بڑے بڑے عالمی حقیقت کے کسی شہر میں ہوئے ہوئے اور انہیں "دینا انعام لک
و حلالہ وحی لمان امر نامہ شامہ ان کے نام ہی ازادہ رحمت سے کچھ نصیب ہوا ہوگا اور نہ کسی
ایک انبیا و ایلیہ نسقین کی تعلیم تو میرے حقیقت عبودیت ان پر شکست ہوئی ہوگی کیونکہ
جو شخص کے دل و دماغ سبب و سبب کی بغیروں میں جکڑے ہوئے ہوں وہ کسی کی بجائی اور
سوں سے باہر نہیں مل سکتا اور ہر نو امر دل سے انکس کی جزا کثیر و لاتے ہیں جو عبادت
کے لئے روح و دماغ ہے پس نفسی ہرگز خدا کا مخلص بندہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ اسکی
عام انسانی حالت حسب اقتنائے عقل ایسی بڑی نہ ہو مگر خدا کے تعالیٰ کی مصلحت میں وہ
سمت کمزور و ضعیف ہو سکتا ہے۔ بسا اوقات ایسے لوگوں کے دل میں مہلت کی وجہ سے یہ
ساجا جاتا ہے کہ جب خیریت کی پابندی سے غرض یہ ہے کہ انسان کی انسانی حالت درست ہو اور
وہ اپنی فروع انسان کی محدود کرے تو پابندی احکام شریعہ کے بغیر مصلح حاصل کر سکتا

ہو کہ مطابق خیریت ہی ہی ہوئی یا نہ ہوئے الہیوں میں اپنا اثر دیکھنا وہ پیکر میں فرقہ پرستوں کی
تجزیہ نہ کر سکا جس کے قبائل کا شمار غروب ہو گیا

ان کے وجود و نہان میں سب سے خوبصورتی اور پختگی و تہذیب و تمدنی عملی جاتی ہے اور قرآن و احکام و تعلیم
اور بے انتہا مصلحت حاصل کر لیا ہے کہ تعلیم ہی کا وہی اثر ہے جس میں ان کی فلاح ہے اور ہی قوم و ملت و شہر و
چاند کرنا ان کا سفر جاتی ہے۔ ان کی ترقیات کو دیکھ کر ہماری قوم کے ہر ملک ہو رہے ہیں اور مملکت
ان کی تہذیب کا سبق قوم کو دکھاتے رہتے ہیں مگر دنیا جانتے کا نہ تعالیٰ کی رحمت ان پر ہوئی ہو رہی ہے اور غرضیت
لوگ عبادت الہیہ میں ہر ملک کے لئے ہیں چاہے وہ تہذیب ہو یا نہ ہو یا نہ ہو یا نہ ہو یا نہ ہو یا نہ ہو

ہے تو اسے کیا ضرورت ہے کہ تمام حوزہ تعلیم میں پڑے۔ اور اگر مرضی کے کبھی کسی حکم کی پابندی
 نہیں جانتے تو بھی کوئی بڑی بات نہیں اور اگر نہ کی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں چنانچہ علماء مسلمانوں
 کے قومی ایجنڈوں کی شرعی ممانعت باطل ہی ہے۔ ہم نے چند لکھ موٹے موٹے اور شہر قومی
 لیگھاروں اور شاعرانہ اور محققوں کی نسبت معتبر و فاضل سے مسئلہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی نہیں
 کرتے اور اگر کسی کسی میں موقع مل ہی جائے تو طوعاً و کرہاً یہی طہیر اور اگر بیعتیں ورنہ دیگر تعلقات
 میں انہیں ہرگز کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ مگر یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ علوم غیبیہ کے
 مسائل ان کے لبالب پر اس قدر رنگ چڑھا رہا ہے کہ علوم شرعیہ اور ان کے احکام سے انہیں مینا
 لغت آئے لگتی ہے اور دل بالحق پابندی سنت باطل نہیں سمجھتا بلکہ متبعان سنت کو حدت
 کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو سحر آمیز اتفاقات سمجھتے ہیں۔ یہی کئی ایک ایسے لوگوں کے
 دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جو جمع میں کھڑے ہو کر بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کے کان کرتے ہیں
 اور لوگوں کے دلوں پر اپنی قابلیت علمی اور وسیع النظری کا پورا پورا سکھ و خطبہ جادیتے ہیں کہ احکام
 شرعیہ کی پابندی میں سب سے پہلے اور کئے ہوتے ہیں۔ ہم نہ کہہ بالآخر علماء صاحب دریاہ
 کرتے ہیں کہ آیا آپ نے تمام علم ہر وہ میں بسر کرنے کے بعد بھی کبھی دینی پابندی کی ضرورت
 کو محسوس کیا ہے؟ جسکی دیگر فرجواؤں سے آپ توقع رکھتے ہیں۔ جہاں تک علماء انبیاء ہیں
 غالباً آپ کو باجماعت نماز اور نماز تو بچائے خود اپنے مکان پر بھی فریضہ اور کرتے موقع نہیں ملو گا۔
 اس کی وجہ پھر اس کے اور کیا ہے کہ کسرا مثلاً یہ اور تنہا ہے اور مسادات جبرہ اور تنہا مثلاً
 دزدیا اور تجارتی اور ہون سون ہوافل اور بائیں جن اور آکسین و خرافات مسائل نے آپ کے
 دماغ کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ علوم دینیہ کی ضرورت اور ان کی شانیت اور عالم آخرت کی خواہش
 اور تکریم و تفضیل نفس اور تبلیغ سنت نبوی اور مناجات وغیرہ کا ہولے سے بھی خیال آئے بلکہ پھر
 تعجب نہیں کہ آپ ان امور کو محض غلوں کی حلقہ مہالیت یا جنوں یا کسی ضرورت و حق پر عمل کرتے
 ہوں۔ متنازعہ امور میں ہے کہ مسلمانوں کے سربراہ اور اصحاب کی زبان و قلم سے اس قسم کے دہائی

ذیات ماد میں جوہر ایک پہلے میں ایسا ہی فیرت کے منافی ہوں یہ ہماری غلطی کی کافی اوجہ کل و
مفصل تفسیل کرتے ہوئے اس کی یہ موضوعات ہائے مضمون زیر بحث سے کچھ زیادہ تعلق نہیں رکھتا۔
۱۔ کل سے کہ فلسفہ و تعلق اور علم النفس و غیرہ علوم کلیہ ذہن کے صلحت کرنے کا آئینہ اور
تفاتیق موجودات کی طرف توجہ کرنے میں معاون ہیں مگر محققین نے فیصدہ کر دیا ہے کہ جب تک
علوم شرعیہ و دینیات کی ضروری تعلیم سے طلبہ غرض ہو ہیں تب تک مذکورہ بالا علوم کلیہ کی بات
توجہ دلانا ان کی طبیعت میں مادہ شر کو اور بھی زیادہ کرتا ہے۔ اصول طلب میں اہل کتب سے یہی
”البدن الذی لیس بالشرعی کما عند و قد شرع شرعاً“ یعنی جو بدن اعتدال و اعتدال
سے پہلے سات نہیں کیا جاتا غذا اس کے لئے اور بھی بڑا ضروری اور زیادہ کر دیتی ہے اس وقت مسلم ہے
کہ علوم عقلیہ نیز غذا کے ہیں اور علوم شرعیہ نیز لہذا کے جوہر معنی آدمی کو غذا بہت دن استعمال و جا
کے کیا مفید ہوگی بلکہ انشاء اللہ انسان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ برعکس اس کے جب وہ اس مشال
کی کہ مرض کو روکا جائے اور غذا کا استعمال بھی حسب ضرورت جاری رہے تو مرض یقیناً کم
ہوتا رہتا ہے۔ اصل یہ ہے مگر تاہم موجودہ افسانہ تعلیم غذا لگ بھگ ہی عمدہ وہ ہے جس میں وہاں کا
جوہر کھانسی نہیں۔ نیز سائنس کا جوہر ہے کہ مرض اسی لئے اصرار ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ بلکہ یہ
ذاتی اثر ہے۔ کوئی سنی مسئلہ یا تہ نہیں کہ یہ طلبہ ہمیشہ چاہتے تھے دین کے تکذیب کیا
کرتے ہیں اور شاذ و نادر ہی مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

الاسلام والاستدلال

دو علماء ان میں بحث پر تفصیل کے ساتھ واقفیت حاصل کرتے ہیں اور ان پر ان حسبہ کی
تفہیم ہاں اس لئے کہ ہمیں ظاہر ہوتی ہیں اس بات کے مستحق ہیں کہ عالم کے لئے ذی علم و تجربہ حکمت
پر ایمان والے خدا کا تمام لوگوں سے ”جیسی نیلہ“ پیش کریں اور اگر ہم کہیں کہ یہ لوگ ان علماء کے علم
سے بھی جو خدا کے وجود پر اجمالی دلیلیں قائم کرتے ہیں یہ کہہ کر خدا پر ایمان دینے اور اس کے

وہ جو کو ماننے کے متین ہیں تو کچھ متبعین نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ لوگ تو عالم کے پیدا کر خیرانے کی مسنونہ
 میں عیب سے عیب اختیارنے کی تفصیل حالت پر دلالت ہوتے ہیں اور کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ خلیفہ
 پاک کے چہرہ پر سوائے اس کے کہ اس کی معصومات اور عجائبات قدرت سے استدلال کیا جائے
 ایسی کوئی عقلی دلیل جو قہری ہے؟ پس جب کوئی انہیں معصومات میں غور کر لگا امدان کی تفصیلی
 حالت پر اسے اطلاع ہوگی ان کا احکام امدیہ کہ ان کے بنانے میں ضرور ارادہ و حکمت سے
 کام لیا گیا ہے اس پر ظاہر ہوگا اور ضرورت اور اتفاق اس کے نزدیک ساقط الاعتبار قرار
 پائینگے تو اس وقت آپ دیکھیں گے کہ ایسے شخص کے دل میں ایمان نے نہایت سے سی زیادہ
 مضبوطی کے ساتھ پناہ قدم جالی ہے اور آپ کو نظر آئے گا کہ منکرات و غریبی کی بدست و مازیوں
 سے وہ کوسوں دور جا پڑے ہیں اس پر اس کا اطلاع ہرگز نہیں مل سکتا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو لوگ ان کا بول ہیں داخل ہوتے ہیں جن میں کہ علوم کائنات کی تعلیم
 ہوتی ہے خصوصاً جن میں کہ علم طب و غیرہ کلام آسمانی کی فرض سے علم نباتات یا حیوانات پر لیا
 جاتا ہے تو ان میں سے اکثر کی یہ حالت دیکھتے ہیں کہ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد کمال
 سے نکلتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتے ہیں ان کے عقائد
 اسلامی عقائد سے کوسوں دور معلوم ہوتے ہیں اور تمام موجودات کے آثار کو مادہ اجزا کی حرکت
 طبیعت و قوانین قدرت فطرت و غیرہ اشیائے عوالد کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا کوئی چیز
 ہی نہیں ہوتا۔ اگر کچھ ہے تو نیچر ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی بے شعور سے ہو جاتا ہے پس
 جب انہوں نے اتحاد پر اسلامی مکتبہ مکرر کیا تو انہوں نے دین اسلام میں سے مستعدی
 کوئی بات کا کیا ہے؟ کہ اب ان سے عبارت کی امید ہو سکتی ہے اور ان کی کوئی خدمت
 کو نہ ادب قابل ستائش ٹیڑھ سکتا ہے؟ خصوصاً جب وہ فن طبیعت ہی پر مصیبتے ہیں۔
 جب انہیں کائنات کے قوانین قدرت پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے اور جب وہ ان کے اثر کرنے
 کی کیفیت سے واقف ہو جاتے ہیں تب تو ان کے خدا نہ خیالات کا کچھ شک تا ہی نہیں ہوتا۔

جب ایسی کیفیت ہو تو کیا نگاہیں رکھیں گے ان کو تفصیل کے ساتھ اصل کیسے ہیں وہ مطلق کائنات کے جوہر کے ہیں کرتے اور اس کے جوہر کے نہایت ہی قوی متعاور کرنے کے زیادہ محسوس ہیں اس شکل کو جب ہم سے سنئے۔ اکتا۔ اندھوہریم اس سوال کا شافی جواب دیں گے اور ہم اپنے جواب سے اپنے ساری جہانوں کو قند کر کے اس امر کی طرف متوجہ کر دیتے کہ وہ اس بلائے بے درمان کے دور کر سکی جائے غیب ہوں جو کہ ان کی نسل کے نوجوانوں میں پھیل کر رہی جاتی ہے وہ آئندہ نسلوں میں بیکار اس کا علاج قریباً ناممکن ہو جائیگا اس لئے بہتر ہے کہ اس ہادقت اقبال قدر حق کی نہایت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اس کے متنازع کی طرف ابھی سے نہایت سرگرمی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں میں نے گریہ علوم مذکورہ یعنی علم نباتات و علوم حیوانات اور اسی طرح علم طبائیات۔ علم کائنات جو ایسے ہی علوم طبعیہ ہیں کہ کائنات کے قوانین قدرت سے بحث کی جاتی ہے میں میں کہہ سکتی ہوں۔ پانی بولا حوریت۔ خود کبرائی وغیرہ کے خلاف بیان کئے جاتے ہیں اس میں تو فدا بھی شک شبہ نہیں ان علوم کے مباحث مطلق کائنات کے اوپر جن کے احاطے سے ان علوم میں کثرت کی جاتی ہے نہایت قوی دلیلوں کے ساتھ دلالت کرتے ہیں اندھن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کائنات کا ایسا ہی ہوا صاحب قدرت اعلیٰ و جب کی ملک نہ کہنے والا ہے کیونکہ ساری کائنات اسی حلقہ کے آثار ہیں اور ہر پیرائے کے آثار کو دیکھ کر ہی استدلال کیا جاتا ہے اور ہر چنانچہ ان علوم کے مباحث میں مثال پر کائنات کے امور اور کائناتیں شکست ہو جاتی ہیں اور اس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں خود کسی ذی اختیار نے اپنے قصد و ارادہ سے بنائی ہیں اور ان کے بنانے میں اعلیٰ مدد کی تشریح اور نظام سے کام لیا گیا ہے اس لئے ان مباحث سے جو ضابطہ بخوبی استدلال پر کھتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ مؤثر پر استدلال کرنا باطل کام نہیں ہے۔ اس استدلال کے طریقہ میں بسا اوقات بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ یہاں قدم قدم پر اس سے چسپاں ہوتے ہیں اس موقع پر عقل کا غرض سے چار بتاؤں کہم رکھتا ہے کہ کائنات انسانی عقل جیب آثار کو دیکھتی ہے اور ان کے اسباب کو دریافت کرنے کے واسطے ہوتی ہے اس وقت اگر اس لئے باہر یک مینی سے کام نہیں لیا

سے تو وہ ظاہری سبب تک پہنچ کر رہ جاتی ہے اور اسی کو مؤثر متقی اور سبب واقعی کہلاتے گشتی
 ہے اور پھر اپنی عقل کو اس میں غم کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ علوم طبیعیہ میں مشغول ہوتے ہیں ان میں
 سے بعض کو سبب مان کر ان پر بہت سے کون علوم میں بحث کی جاتی ہے اور اس مائل کوئی اور وجہ بیان
 اس کے کہ باریک بینی سے کلام لیتے اور بحث میں غور و فکر کرتے ان اشک کے اسباب پر بحث کرنے
 گئے اور چونکہ ان میں کسی سچے دین کا اعتقاد یا ایسا ہی کوئی اور سر جو ان کی نگاہوں کو متنبہ کرنا اور مؤثر
 حقیقی اور سبب واقعی تک ان کی رہنمائی کرنا حاصل نہ تھا اس لئے ان کی عقلیں مادہ اور قوانین قدرت
 تک جو ان ہمارے ظاہری اسباب تھے پہنچ کر گئیں۔ اور انہوں نے فرض کر لیا کہ مادہ کے اجزائے
 بسیط کی حرکت ہی سبب کچھ کرتی ہے پس حاسی کے وجود کے مستند ہو کر وہ گئے اور چونکہ ان کی
 نظروں باریک بینی سے کام نہیں اس لئے ان کی عقلیں اس امر پر متنبہ نہ ہو سکیں اور انہوں نے اسباب
 میں فرق نہ کیا کہ یا مادہ اور قوانین میں یہ مسابقت پائی جاتی ہے کہ ان تمام علانیات کے حقیقی سبب
 قوانین ہیں۔ یا ایسا نہیں ہے اور ہی انہوں نے اس کو سوچا کہ کیسے ان میں یہ قابلیت موجود بھی ہے کہ
 اسی سے سادہ چیزیں سادہ ہیں اور وہ مادہ خود کسی سے سادہ نہ ہوا ہو یا اس کو اس وجہ سے کہ
 اس کا وجود لازمی امر ہے کسی دوسری شے کی ضرورت ہے جس سے کہ وہ سادہ ہوا ہو یا جس سے
 ہیں اگر تھیر گئے اور انہوں نے اپنی عقلوں سے اس سے آگے کچھ کلام نہ کیا جس کا نتیجہ وہاں اکابر ہوں
 نے اس امر کا تو اعتراف کر لیا کہ تمام کائنات کے سادہ ہونے کا حقیقی سبب مادہ قوانین قدرت اور اس
 کے قدرت بسیط کی حرکت ہے اور خالق عالم کے وجود کے منکر نہ گئے۔ اور اس دنیا کے ایسے
 مادہ ہی ہونے کہ عالم میں جس اثر کو انہوں نے دیکھا مادہ اس کی حرکت اور ان قوانین قدرت کی
 مراد ہو جائے بلکہ تم میں مشابہت کرنے لگے۔ پھر اس کو انہوں نے مختلف عنوانات سے تعبیر کرنا
 اختیار کر لیا جس سے وہ سرت اپنی من گھڑی کہتے ہیں میں کہیں تو کہتے ہیں کہ اثر طبیعت کے فعل
 سے ہوا۔ کسی کہتے ہیں کہ یہ قوانین قدرت کا فعل ہے۔ یہی مرع پرانہ مختلف عنوانات بھی ہیں قدرت
 بلکہ اپنی اس ناگاہک تحقیقات کے جسے خود وہ سے مستند بن گئے۔ پھر بعض کی یہاں تک

ذہنی گناہیں عموماً کی سنگ آبیروں کی وجہ سے من مطلق ہیں جن میں من علوم کی تعلیم ملتی ہے
 کسی حد تک منجور ہوئے انسان کے پاس فوجی اور تادافہ طالب علم من علوم کے حامل کرنے کیلئے
 نہیں من علوم کے بچے منگو کی اطلاع بہت نہیں اور منی انہوں نے یہ واقفیت حاصل کی کہ کائنات
 کے بننے اور حادثات کے واقعہ جو عقلی کیفیت کی نسبت مسلمانوں کو کیا اعتقاد کرتا چاہیے
 اور انہوں نے یہ ہی سمجھا کہ مادی کائنات زمین و آسمان موجود کے پدید کرنے سے موجود ہوئی ہے۔
 اب من علوم کے پر جاننے والوں کو موقع ملے کہ اپنے ان تادافہ شاگردوں میں اپنے باطل خیالات
 اور غلط اعتقادات جان کے والوں میں تمام حقیقتات کی وجہ سے ہم کر رہے ہیں۔ علمی حقیقتات کے
 پتہ نام میں چھپا کر پس جب کسی انہیں علمائیت میں سے کسی چیز پر اطلاع ہوئی یا اسلام کائنات میں کوئی
 مانع کو اسلام پر یا مصنوعات کی مکتوں میں سے کسی مکت پر ان کو واقفیت حاصل ہوئی تو بجائے
 اس کے کہ اپنے شاگردوں سے یہ کہتے کہ اس عجیب اثر کے ایلو کرنے میں خدا کی حیرت آمیز قدرت
 کو دیکھو اور اس کی اعلیٰ وجہ کی مکت میں خود کہہ انہوں نے ان سے یہ کہا کہ تم نے دیکھا عجیبیت
 کیا تمہیں خبر منجور ہوتا اور فلاح قدسی قانون لا کیا عجیب و غریب واقعہ ہے اعلیٰ بنا العالی میں
 ہی اور قرب مقام باتیں کہنا شروع کریں اس موقع پر وہ یوں کہتے کہ تم نے فلاح قدسی قوانین
 کو دیکھا کیا عجیب و غریب ہے۔ اب اس سے سمجھ لو کہ جس نے عالم میں ایسے قدسی قوانین جاری

کہے ہیں وہ کیا باکھت اور بے وطن ہو گا لیکن انہوں نے یہ تو کیا نہیں بلکہ قوانین فطرت تک پہنچ کر
 گئے وہ کسی کی رحمت تمام چیزوں کو مستند کیا گئے اور پھر اسی طریقہ کا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے
 یہاں تک کہ یہی کیفیت ان کے دلوں میں بھی بخوبی جاگزیں ہو گئی اور اسی قسم کے خیالات ان کی عقلوں
 پر متکون ہوتے چلے گئے غلامیہ کہ ابھی طبع میں رہنے کا قراءت ختم بھی نہیں ہونے پاناکس
 سے چلے ہی ان کے دلوں میں یہ خیال جم با تھا کہ وہ عالم میں طبعے طبیعت ہو گئے خدات
 البیضاء کی حرکت اور قوانین قدرت کے اور کوئی قائل ہے ہی نہیں اور ان کا یہ اعتقاد کہ ملکہ کا
 پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے بالکل نڈل ہو جا رہا ہے پس جب وہ حد کو چھوڑتے ہیں ان کی
 کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ہی بلکہ اس سے پہلے ہی آجانی زمین کو بھی غیر جانکے چمکتے
 ہیں اور ان اسلام کون سے یہ سید ہوتی ہے کہ باہر اسلام میں تنہا یا نہ شکام کی تہذیب میں ترقی
 آئی یہ لوگ زمین سے ہاتھ دھوئے اور ان سے اسلام کو نفع پہنچا کر شریعت تہذیب کی حمایت
 کرینگے۔ اپنے ہونٹوں کے کام آئیگے ان کے کامیاب ہونے کی تمنا یہ رہتی ہے لیکن حقیقت میں
 ان کی یہ ساری امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ ان کی کوششیں بے ثمر ثابت ہوتی ہیں اور ان کو
 ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت سے افسانہ افشاں ہے جن کی نسبت وہ تو یہ خیال
 کرتے ہیں کہ یہ بھی ہیں لوگوں میں سے ہیں۔ بلکہ یہ قلیب پادشہ دینی جانی ہیں اور افسوس دیکھتے تو وہ
 دین عظمت اور دین سب کے پتے دشمن ہوتے ہیں ان کے مخالف اسلام کے خلاف ہوتے
 ہیں اور ان کی طرف غلامیہ۔ گستاخ۔ ہر تاء وغیرہ میں دیکھتے کسی میں اسلامی بوسہ تک نہیں پائی جاتی
 ان کے مقاصد اور اوقات اسلامی شان کے بالکل خلاف ہوتے ہیں ان کی حالت دیکھ کر تو بڑا
 ہی دکھتا ہے اور یہاں نہ مرنے سے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ کل ماہا ہے۔ خدا ان کو ہدایت
 کرے ہمیں ہی خدا ان اسلام کے قدر غرض ہے کہ اس معصیت فعلی کا تدارک کریں خصوصاً

چھ کوئی مقرر نہیں کیا تاہی میں ان قوم کے نزدیک جماعت میں غلامیہ اور قوانین قدرت کے خلاف عمل ہے بلکہ کہتے
 ہیں۔ ہمیں سے غلامیہ ہے اسلئے قوانین قدرت کے خلاف نہیں کہتے بلکہ ہم کے نزدیک غلامیہ ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

ان تہوں کو اس کا پورا انتظام کرنا چاہئے جو مسیحا میں سے صاحب حکومت اور علی المرتضیٰ رحمہ
 میں کو خیال رکھنا چاہئے کہ ان مجلس کیسے حتی المقدور صرف ایسے ہی اشخاص معتمد قرار دیئے جائیں
 ہر حق کے اعتبار سے اسلام کے موافق صحیح مجمع ہوں غیبت میں حکومت دہی پانی عباسی اسلامی
 عقائد کے صدقہ دل سے معتقد ہوں۔ مدت ہم ہی کے مصلحت نہ ہوں بلکہ علماء و مفتی قضا کے
 خیریت و فلاح کے واسطے سے ہی تادمہ دل اہل حق و اہل ایمان شریعت کے پورے پورے پابند
 ہوں۔ کیونکہ شریعت کی مثل اپنے استاد کے اعتبار سے باطل آئینہ کی سی ہے پس جیسے کہ آئینہ کے
 سامنے جو چیز آتی ہے اسی کی صورت میں منظر ہو جاتی ہے اور نظر کرتے وقت ہی اسی طرح جو
 استاد کی حالت ہوتی ہے وہی شاگردوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ استاد کے خیالات کا شاگردوں
 پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے امر میں خود ہی ہے کہ عالم اسلام میں علماء و مفتی کے
 مدارس میں اس وقت تک ہرگز داخل نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ اپنے ایک کافی نااہل
 علمی مدارس میں قیام نہ کیے ہوں اور وہاں رہ کر انہوں نے اپنے اسلامی عقائد پورے طور سے
 صحیح ذکر کئے ہوں تاکہ ان کے بعد شہادت لایمینی سے ان میں تردد نہ آئے اور ان کی بے باکی
 باتیں نہ آئیں۔ تاکہ ان کو شش و پنج میں نہ ڈال دیں۔ تاہم مسئلہ سے ان کی اطلاع
 ہو جائے اور وہ باتوں کے جواب دہ نہ ہوں۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ اس امر کے
 التزام کرنے سے دولت جوان و دیوبند علوم کی تکمیل کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ تاہم
 یہاں پر کیا تو یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان میں مدارس میں ایسے علماء کے مدارس جو
 ان کو اسلامی عقائد اور احکام کی تعلیم دیا کریں اور اس قدر کا مقابلہ کر سکیں۔ ان مدارس میں داخل
 اور نیک وقت سے لیکر ان کے پھرنے کے وقت تک دینی عقائد اور احکام کی تعلیم کا سلسلہ
 جاری رہا ہی رکھا جائے۔ چاہے مقرر ہی ہو دیکھیں کہ جو مگر بوجہ تاخیر و ادب تک ان
 مدارس میں تعلیم ہے اس واسطے کہ باہر علماء ان کے ساتھ آداب و معاملات وغیرہ کے نگہبان
 ہیں۔ علمی سطح کے رہی اور دینی احکام و تقاضا ان قلمی علوم کے خلاف علوم ہوں

ان میں یا تم تحقیق میں مدعی احمد کو قتل و غارت سے علیہ کو ثابت کرو گے اور نہیں پس اگر وہ لوگوں کی پشت
 کی جاسٹیل میں اقل توبہ کہ جو اس زمانہ میں مصلحت کیلئے انتخاب کئے جائیں وہ اسلام کے پابستہ
 ہوں اور ان کے عقائد اسلامی تعلیم کے موافق صحیح ہیں اور وہ ہم یہ کہ ان طبیبوں کو اسلامی
 احکام کی عموماً اور عقائد اسلام کی خصوصاً کافی نگرانی کے ساتھ تعلیم دی جائے نام ہے کہ سکولوں
 اور کالجوں میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کا انتظام کیا جائے یا تعلیمی علوم کی تحصیل کیساتھ
 ساتھ دینی تعلیم بھی جاری رکھی جائے تو پہرہ تعلیم یافتہ شخص کو جو دینی سے محروم نہ رہے۔ اولیٰ
 دینی خدائیں و عقائد میں غور کرنے پائیں گے۔ مباحثات میں ان سے بے پرواہی ظاہر نہ ہوگی۔ بجز
 ان کے عقیدے کے اور نہایت ہی سچے جوئے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان تعلیمی علوم کی تحصیل
 کے زمانہ میں ان کو خداوندی مسنوعات اسکے حیرت انگیز فضل اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ بھی
 حاصل ہوتا ہوگا کیونکہ اس تدبیر پر جب کبھی وہ کوئی عجیب صنعت یا عجائبات قدرت میں کوئی نکتہ
 مشاہدہ کرے تو اپنے سامان اساتذہ کو یہی کہتے ہوئے سنیں گے کہ خداوندی صنعت کو دیکھو اور
 اس عجیب و غریب مصنوع میں جو اس نے اپنی اعلیٰ وجہ کی پائندہ اور محکم حکمت سے کام لیا ہے
 اس میں خود کو پس اس وقت بلا تامل ان کی زبان سے نکلے گا کہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بھیگی اور
 اس کی تسبیح اور تہنیر میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس طرح ان کے دلوں میں خداوندی عظمت و اقربوں
 ترقی آتی رہے گی اور اس کی قسمت ان کی آنکھوں میں نہایت ہی عظیم مستور ہوگی پس ان مدارس
 میں ان کے قیام کا زمانہ گنتے پر بلکہ پہلے ہی اعلیٰ وجہ کے مسلمان اور موحیدین میں سر پرانہ ہو
 اور افضل شمار کئے جائے گے حق ہو جائیں گے۔ اس وقت بیشک مسلمانوں میں ایسے تعلیم یافتہ
 شخص پیدا ہو سکیں گے جو اسلامی دین کی حمایت کریں اور اپنی قوم ملک اور مملکت کے کام آویں
 اور جب تک کہ کینیت نہ ہوگی اس وقت تک ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ علوم تعلیم حاصل
 کیے تیسرے پانچ اشخاص میں شمار کئے جاتے ہیں ان سے اسلام یا مسلمانوں کو کچھ بھی نفع پہنچ
 سکتا ہے کیونکہ جب ان کے عقائد جو اسلام کا کھن یا غم ہیں ایسی صورت نہ ہونے تو اصل اسلام

کون سے کیا امید ہو سکتی ہے! جب وہ غریبی اسلامی تعلیم سے نا آشنا ہو رہے ہیں تو اہل اسلام کو بحیثیت اسلام کے کیا فتح چاہا جاسکتے ہیں۔ دنیاوی فوائد تو دین کے مقابل میں ہر شخص کی نظر میں ہرگز کچھ وقعت نہیں رکھ سکتے ہو مسلمان ہے۔ یہ اہل اسلامی مکتبہ کی بر خلاف سبب برعکس حال گردان سے اس حال میں دنیاوی فتح کی امید کی بھی جائے تو دینی طور کے مقابل میں جو ان سے پہنچ گیا اس کی کوئی قدر نہیں کی جاسکتی۔ عہدہ ہیں اس میں ان کی نصویریت ہی کیا ہوئی؟ دنیاوی فتح کے چاہنے میں انسانی ہمدردی کے موافق تو غیر تو ہیں ہی بلکہ ہیں۔ بلکہ ہی اس اعتبار سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارا مقصود امتزاس ہے۔ بلکہ ہی اسلامی ہمدردی ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو متنبہ کریں۔

معیار عقل و اہل

فطرتِ معلوم کے مسائل میں جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کی حقیقی دلیل کا مسئلہ انتہائی کم لیتے ہیں یہ صورت نہ ہی مسائل میں غور پیش آ سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات وہ لفظ استدلال کی بنا غلط اصل پر قائم کرتے ہیں اور اکثر ایسا ہی ہو سکتا ہے کہ وہ تضاد یا متضاد میں مسئلہ کے جملے میں متعلق الطور پر سمجھ رہے ہوتے۔ اس لئے ان سے چند غلط افادہ کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے عقل و اہل عقل حق تسلیم کیا جاتا ہے جو ہم انسان کو تو کیا ذکر غلط استدلال میں اکثر بعض تعلیم یافتہ لوگ بھی مبتلا ہوتے دیکھ چکے ہیں۔ مذہب عقائد اور اہل علم کے جوئے کا نام ہے اس لئے ضروری ہے کہ عقائد و مکالم کی بحث کا بعد ان کی عقلی امر بن جائے اور مذہب کو سرخ کرنے کے لئے عقل پاس کی ضرورت کے سوا کوئی اور ایسا نہیں جو حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکے یا سچ سے سارے تر پائے سکے کیونکہ شخصی بحث یا جھگڑا کی حالت میں عقلی امر پر حق و باطل کا تعین نہیں کر سکتی بلکہ یہ ہے کہ ایسی باتیں جو اقلات کے آئینہ و قبل پر یا تو غلط ثابت ہوتی ہیں یا غیر ضروری یا قابلِ ترمیم مگر وہی اور جو عقلی تعلیم کی نسبت یہ عقل سچ نہیں عقائد

اور یہ غیر متقبل ہے۔ اس لیے بعض احکامِ بڑی میں کسی حد تک تخیر و تنہل تھا، مثلاً یہ دعویٰ
 مائون فی العلم کے جہاد پر مبنی ہوتا ہے۔ اور دعویٰ ان احکام کی نسبت جن کی نسبت صاحبِ شریعت
 سے کوئی نقص وارد نہیں ہوتی۔ جہاد کے متعلق محمدؐ آئندہ اوراق میں انشاء اللہ مفصل
 بحث کریں گے۔ یہ پائل سمجھتے ہیں کہ اگر ہر ایک شخص کو اس کی مائے پیدائش دیا جائے تو تقریباً دنیا
 میں استعماری مذهب پیدا ہو جائیگا۔ جتنے نوع انسان کے افراد دنیا پر موجود ہیں وہی اور نبوت
 کے قلمی ہوتے پر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معفوات میں بحث ہوگی اور یہ ثابت کیا جائیگا کہ نفسوں
 شریعہ کے خلاف کسی جماعت کی متفقہ سلت یا شخصی سلت کی کوئی وقعت نہیں، بعض جہاد کا
 خیال ہے کہ نفسوں شریعہ میں ضرورت زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلشی چاہئیں، جس کا مطلب
 یہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ مذہب کا کوئی حکم بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں
 رہیگا۔ حقیقت یہ لوگ وہی ادنوت کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس سے
 انہیں منصف خیال کرنا چاہیے *

المراخون فی العلم

نوع انسان میں انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی شخص متقبل نہیں کیونکہ یہ مقدس کردہ
 بارگاہِ مذہب و عزت سے علتِ انسان کی ہدایت کا حراں بیکراہل دنیا پر اتمامِ حجت کیا کرتا ہے
 ان کی تعلیمات کا سامنے والا نہایت پاتا ہے۔ اور سامنے والا سوزِ غلاب ہوتا ہے یہ محاورہ
 ہے کہ نبوت جیسے سبیلِ تقدیر و نسب کیلئے ایک ایسی پاک اور زبردست فطرت کی ضرورت
 ہے جو فلاحِ دینی کے عمل ہونے کی قابلیت رکھتی ہو۔ اور تمام انفاقِ حشر و شکار و دیانتِ تقویٰ
 نشیت۔ عبادت۔ استقلال۔ صبر و صفا۔ علم و فطرت۔ رحم و مروت میں اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ
 ہو تاکہ علومِ انسانی کو اس کی پاک تعلیمات سے مستفیدہ اوراق پر فعال ہونے کی رغبت پیدا
 ہو سکے۔ انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ علمیہ ہی قسم کے کارناموں کا مرقع ہوتی ہے۔ اور

ہی وہ ہے کہ لوگ جو بلادِ مصر کی تعلیمات سے متنبہ نہیں ہوتے ہیں۔ قرآن حق کی اثبات اور کفایت
 میں اپنی بدن تہذیب و شرف کو کھاتال میں لاکر مصر کا یہ قسم شریعت کو ٹکڑوں کا وہام اور بدعات کے نس و
 خدائک سے باطل پائے ماف بنادیتے ہیں۔ ان انبیاءِ عظیم الشان کے جو صاحبِ شریعت گنتے
 ہیں۔ اللہ۔ عزوجل میں صحابہ کے حالات اور کامیابیوں پر ایک حق نظر و توجہ میں معلوم ہو جائیگا۔
 کہ وہ تعلیم و حق کی مخالفت و شاعت میں کس قدر ساعی و جہد کیا کرتے تھے۔ ان کے بعد ان لوگوں
 نے حکومت پیدا کئے اور فرقہ بنیادیں شروع کیں۔ قرآن و کلامِ حق کو مافیہ عنایت سے احکامِ الہیہ کی
 تفسیر کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اس مدد کے تمام انبیاءِ عظیم السلام کے انصار و جانشین ایک ہی تہ
 و پائی کے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ اسلام دنیا کا آخری و قطعی مذہب تھا اس لئے مشیت
 الہیہ نے جنابِ نبوت تک کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی با عظمت جماعت و یرین
 کیسے علاقہ فرمائی جس کی مثال دنیا بھر کے مذاہب میں نہیں ملے گی۔ یہ وہ علی پائے لوگ ہیں
 جن کے وصف میں بایک قرآن مجید مطلق ہے۔

محمد و سبل اللہ والذین معہ اشدا و علی الکفار رحمہم و بینہم
 و اکابرہم و متبعون فضلہم من اللہ و رضوانہ علیہم فی وجہہ
 من انوار حیو و انوار مشاہد فی القلوب و مشاہد فی الانجیل کزیر
 اخراج شطارہ فارسیہ فاس تعلق فاس قوی علی سوجہ یحبب الجماع
 لیخفیہم الکفار و عد اللہ الذین استوا و حملوا الاعطفت منہم
 مغفرۃ و اجر عظیم

قانونِ حق جیسا کہ نبی اللہ کو صاحبِ شریعت ہو کر کیا لگا ہے۔ قرآن کی اشاعت و تعلیم کے ہم
 قوانین اسی طرح مروج کے مسائل ہم پہنچا دیا کرتا ہے۔ جبکہ ان ذرائع اور وسائل کے ٹکڑے بال
 محتسب جماعت کا وجود گریہ ہے۔ چنانچہ اللہ کے دست و بانو قرار پاکر سعادت داریں کی
 مشاہدہ سب منزلت سے حاصل کیا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس جماعت کے افراد میں سے

علیہ علیہ کوئی ایک میں شمس مذہب وہی اسمانی نصرت دین حق کے لئے مبعوث نہیں ہوا مگر کچھ
 شک نہیں کہ ہمیشہ مجموعی یہ مقدس باعت من جانب اللہ مبعوث ہوا کرتی ہے۔ آئیہ کلمہ
 خیر و امانہ اخراجت اللہ اس تمام دین بالمعروف و تنصوح عن المنکر الخ میں فرد
 کر و رکعت اخراجت کس فرد کے ساتھ ہائے مذکورہ بلا دعویٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ جناب
 نصیحت آب (روحی قدامہ) کے انصار و اعموان حتی صحابہ رضی اللہ عنہم مگر یہ اسے لوگ
 تھے جو جاہلیت میں پیدا ہوئے۔ اور جاہلیت میں ہی ایک حصہ عمر کا گذار لیکے تھے مگر تعلیم
 مقدسہ ان میں دوام بقا کی وہ رُوح پھونک دی تھی کہ انہوں نے تمام مہنیاں سے علیحدہ ہو کر
 اپنی دنیا کے لئے دین و معرفت الہی کا مکمل ہونہ بن گئے ایک بے تعصب فطرت کے آدمی
 کے لئے اس سے بڑھ کر جناب پنہاں عرب کی صداقت کھل کر کیا ثبوت ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ یہ لوگ
 اس وقت کی دیگر اقوام کے دنیا کے مقابلہ میں نہ تو علم حساب و ہندسہ جانتے تھے نہ اقوام عالم
 کی تاریخ سے واقف تھے۔ نہ علم ہیئت و جبر قیل کے اصول کا انہیں پتہ تھا۔ نہ فلسفہ و منطق و
 طب و دیگر علوم و فنون میں انہیں کچھ دستگاہ تھی۔ اور نہ ہی وہ بمقابلہ وحی ان علوم و فنون
 کی پندار مغز و تہ ہی محسوس کرتے تھے کہ انہیں یقین تھا کہ ان علوم و فنون میں بعض تو
 بعض نقصان میں یا بعض اقوام کی ذہنی ترقی کے لئے مفید بھی ہیں اور ان کے جاننے اور
 سکھانے والے لوگ انہوں نے اپنی مغز و ریات کے مطابق انہوں کو تار بیت ہے مگر علوم
 آخرت اور شریع و دیانات اور اسرار وحی کے حاصل کرنے میں ان بزرگواران دین نے وہ
 ترقی و کمالات جس کو تمام مذاہب کے انصار و اعموان دیکھ کر رنگ نہ گئے۔ حیرت کر و۔ کیا یا
 دہستہ دین پر آج کوئی مذہب یا مذاہب اسلام اس قدر شریعت کا مالک ہے جو اہل اسلام کو حاصل
 ہے اور عالم آخرت اور معرفت ذات باری کی تحقیق کے متعلق قرآن مجید و احادیث نبویہ سے بڑھ
 کر کسی قوم کے پاس کوئی مجموعہ موجود ہے؟ ہاں اس زمانہ کے بعض ملاحہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی
 سامعی جلیلہ کو فطر عاقبت سے دیکھتے ہیں یا اور ان کے آثار کی پوری کر لیں تو انہیں تپتے ہیں۔

مانا کہ وہ لوگ ہیں کہ کام آئے والی نسلوں کے آپس میں دعائیہ کہانے کے تحت میں اللہ ان کے بار
 اس کی وجہ سے کوئی شخص اپنی گردن اُٹھائے نہ سہا سکتا۔ کیونکہ ان نبیوں کو ان کو بتایا کہ نبی
 علیہ السلام کیساتھ خود ملائیں مگر میری کامو قعدہ انہوں نے مورد و محی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا
 اور انہوں نے سنا جناب پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات سے متعین ہو کر ان پر عمل پورے۔
 حقیقت سنت کو بالمشافہ سمجھا۔ اور اس کو اپنے فالوں کے لئے بطور امانت کے محفوظ رکھا۔
 اور جب تک ہر ایک نے جو کچھ اس کے پاس امانت تھا۔ دوسری جماعت کے سامنے انکساری
 پہنچایا۔ دنیا سے جست نہیں ہوا۔ گویا ہر ایک نے اپنے فرائض تلخ کو نہایت فدا و دہمی کے
 ساتھ پور کر کے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مغفرت اور اجر عظیم کا استحقاق پیدا کیا۔ اور وہ کہیں ایسا نہ
 کرتے جیکہ انہوں نے اپنے باپوں پر حق کا فرمان طامب الاذعان سن رکھا تھا۔ لفظ واللہ
 اسرہ سمع منا تعالیٰ فحفظنا احسنی سلخ غیور۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو جہاد کے اس شخص
 کو جس نے ہم سے کوئی بات شکر ضبط کر لی حتیٰ کہ کسی غیر تک اس کو پہنچا دیا۔ جو لوگ ان قبیلوں
 جن کی دہی پر کوئی شخص کی تحقیر و تکفیر کرتے ہیں۔ وہ حقیقت پیغمبر علیہ السلام کی شان مقدس
 کو عیب لگاتے ہیں اور ضرورت کو کم کرتے ہیں۔ یہ ایوں کہہ کر انہوں کے ارشادات
 عالیہ کو سدا و عادت کہنے سے اس کے بغیر کوئی مسلمان خالص لایا نہیں ہو سکتا۔ سرتابی کر کے
 منصب انہی کے عمو و بنتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اگر یہ لوگ سچے خاص اور خاص اور
 کے ساتھ اس میں پاک کی شرافت و حفاظت کا بیڑا نہ اٹھاتے تو یقیناً یہیں سلام بھی سبے با
 نسبت سے بہرہ یاب ہونے کا کسی موقع نہ ملتا۔ کیسے نامراد اور شرمناک ہیں وہ لوگ جو
 ان قبیلوں جن کی ناپاسی کر کے ملک خود ان و کھلان شمشین کا مصداق بنتے ہیں۔ واقف
 ان قوم مجزیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ہدایۃ الخیاری من الیہود و النصارى میں لکھتے ہیں۔
 و کھم من الیہم الی اخرہ غیر الصحابة بالعلم و العقل و معتوف بان علمہ
 بالنسبة الی علو مہم و کھم بالنسبة الی علمہ نبیہ و علو۔ یعنی تمام نبی

عانت لکنت علی سے آخر تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے افضل کے معرکت پائے آئے ہیں اور اپنے
 علوم اور صحابہ کے علوم میں یہی نسبت قائم کرتے ہیں جو صحابہ اور جناب خیر علیہ السلام کے علوم میں ہے
 حتیٰ سائل اشقی وقد اثن الله على الصحابة في التوراة والابحار والقرآن وسبقه على
 لسان نبينهم صلى الله عليه وسلم من الفضل ما ليس لاحد بعده۔ یعنی اللہ تعالیٰ
 تعالیٰ نے قرابت و درجہ اور عقول میں یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم فرمائی ہے اور جناب خیر
 علیہ السلام کی زبان مبارک سے ان کے وہ فضائل ثابت ہیں جو کسی غیر کو ان کے بعد نصیب نہیں ہوئے۔
 تمام اللہ جہتیں کا قاعدہ تھا کہ کسی حکم شرعی میں اگر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم مل جاتے تو اپنے اجتہاد پر
 انہیں مقدم رکھتے تھے اس کی وجہ تھی کہ وہ انہیں اپنے قدم اور عاقلان سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
 پر تائید و حجت الہیہ اور حجتہ یعنی اللہ عز و جل فرماتے ہیں۔

أذبحوا عن النبي صلى الله عليه وسلم فضلي السراطين الذين أذبحوا من الصحابة، ثم أذبحوا من الصحابة
 یعنی جناب خیر علیہ السلام سے کوئی امتیاز نہ ہو جائے تو ہمارے لیے ہر شے واجب صحابہ سے کوئی
 قول مل جائے تو ہم ان کے مختار قول کو لے لیتے۔ اس سے باہر نہیں جاسکتے۔ اسی طرح ابن قاسم
 حضرت امام مالک سے ہیں۔ رعایت کرتے ہیں۔ لما دخل اصحاب رسول الله صلى الله
 عليه وآله وسلم الشام نظر اليهم ودخل من اهل الكتاب فقال ما كان اصحابي
 ابن مارية الذين قطعوا بالناسيوس وسلبوا على الحطب، باشداً اجتهدوا من هؤلاء
 یعنی جب صحابہ رضی اللہ عنہم علاقہ شام میں داخل ہوئے تو اہل کتاب میں سے ایک شخص نے انہیں
 دیکھ کر کہا کہ کس علیہ السلام کے ساتھی ہوں سے چیرے گئے اور صلی چڑھائے گئے جن
 کے بارے میں وہ ان لوگوں سے زیادہ خبردار تھے۔ یہی منافقان تھے۔ رحمہ اللہ کتاب مذکور
 میں لکھتے ہیں۔ و هؤلاء الاثمة الاسرية الذين هبوا عليه من الاسرى شرقاً وغرباً
 وہو ولا صيدا صيداً و خيلاً ما كان و خيراً و الفقه ما كان عنده و ربح
 التقاسير ما اخذ منه۔ یعنی آئے اور بعد ابو حنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ احمد رضی اللہ عنہم

ہیں کے مہتمم نے مشرق اور مغرب کی دنیا کو پر کر دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے شکر و دوں کے شکر و تحسے۔ اہل حق و تقویٰ میں جو کچھ صحابہ سے ہیں مناسبت ہے اسی کو صحیح اور قابل عمل سمجھتے ہیں۔
 فَمِنْهُمْ الْقَادِرِينَ عَلَى الْبِلَادِ وَالْجِبَالِ وَالْقُرُوبِ بِالْأَسْمَاءِ وَالْقُرْآنِ
 فَزَادُوا الَّذِينَ خَيْرٌ أَوْ عِلْمًا وَالنَّاسَ الْيَوْمَ مَرَفِقًا يَا أَيُّهَا عَلِيُّهِمْ

یعنی صحابہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد و کفر کے اسلام مقدس کی اشاعت کی اور ان کے دلوں کو اپنے علوم و معارف قرآنیہ سے فرمادیا جو انہوں نے خیر اور علم سے دنیا کو بھر دیا۔ اہل حق انہیں کے بقایا علم علماء امت کے ہاتھ میں موجود ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان قد گواراں دین کی علمی اخصیات کا موازنہ کرنے کے لئے علوم شرعیہ و اہل حق پر مبنی ہونا شرط ہے۔ اور جو لوگ علوم شرعیہ سے ناواقف ہیں انہیں کا مبلغ علم ہر دین و آں کی بیوقوفی و نادانی کا مجرب ہے۔ ان کے ایمان کا انحصار۔ میان کاذب کی پستی پر مبنی باتوں پر ہے۔ ان کے دلوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت و عظمت بجا کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ سادہ ان کے علوم سے کیسے تنبیہ ہو سکتی ہیں۔ عام طور پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم علوم قرآن و سنت کے ماہر تھے مگر ان میں سے بعض کا ہر ایسے تھے جن کی علمی قابلیت آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھی اور ان سے اسلامی دنیا کا ایک کثیر حصہ علوم دینیہ سے مستفیض ہو رہا تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے باوجودیکہ وہی توبہ میں تھے اپنے علم و فضل سے تمام مسلمان دنیا کو بھر دیا۔ انہیں آپ کے شاہی قریبائے مخلص میں جس کے گھنے تھے بعض علماء امت کے لئے ان کی نسبت لکھا ہے۔ کان بحر لا ینزل لوفول ہذا اہل الاوقاف لا یوسف علم ہذا یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ بحر ناپید و گم نہ تھے۔ اگر تمام مسلمانین کے لوگ آپ کے ہاں نازل ہوتے تو سب کو اپنے علم سے متمتع کر سکتے۔ آپ حکام مرام و مسائل قرآن و سنت کو جب بیان کرتے تو سامعین کو یہ گمان ہوتا کہ اس علم کے سوا ان کی کسی دوسری علم میں استعداد و وسوس نہیں ہوگی اور جب قرآنی اسرار و معارف کو بیان فرماتے تھے تو لوگوں کو نصرت و ہدایت

کریں علم اقدس انہیں کی حالت سے اور جب علم سنت نبویہ اور حدیث کی طرف متوجہ ہوتے تو
 سننے والوں کو خیال گذرنا کہ یہ علم نہیں کے لئے وضع ہوا ہے۔ علیٰ تہ اھتیا اس سبب قصطل انساب
 عرب اور اشعار و احادیث کے میدان میں اترتے تو جیسے بڑے ماہر ان فن کی استاد ہی پر فخر کرنے لگتے
 جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ رحلت قریب ہوا تو لوگوں نے آپ سے وصیت کی
 اسٹہ مالکی آپ نے فرمایا کہ مجھے اشعار و حدیث اور سب آپ نے فرمایا کہ سنو علم و ایمان چار اومیدوں
 یعنی یومیر و الدوا اور سلطان قاریسی اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ
 جناب پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ کی بابت ہم سے کچھ اشعار و حدیثیں فرمائیے عبد اللہ بن مسعود پر قرآن اور
 سنت فتم ہے۔ خذیفہ رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے متحققین کے حالات سے سب سے بڑے و کواقف
 ہیں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علم سے پھر میں ماوراء کے ملک و سپے میں ایمان سرائیت کر گیا ہے۔
 اور ابو موسیٰ علم میں رنگے ہائے ہیں اور سلمان بھر نمیدان کثاریں جو علوم اولین و آخرین کے
 مالک ہیں لوگوں نے سوال کیا کہ آپ اپنی نسبت کچھ فرمادیں۔ فرمایا کہ جب مجھ سے پوچھو تو
 میں جواب دوں گا۔ اور جب چپ رہوں تو انہا علم میں ابتداء میں ہی کرتا ہوں۔

سروق تاجی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم کو چھ دیوں
 میں مہتہ پایا۔ علی۔ عبد اللہ عمر زید ابن ثابت۔ ابی الدعا۔ ابی بن کعب اور ابن جعد کا
 علم ہی و عبد اللہ بن مسعود پایا۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت وارد ہے
 جناب پیغمبر علیہ السلام کو آپ نے ایک بھائی ایک دو صاحب کمالہ ہجرا بجا دیا ہیں میں سے
 آپ نے پیدا ہوا ہے فرماتے ہیں کہ اس کی سیرانی کا اثر ہے تانوں تک محسوس ہوتا تھا اس سے
 کا کچھ ایتھ آپ نے حضرت عمر کو عنایت فرمایا صحابہ کرام کی تاویل کی بابت کہا تو آپ نے کہا
 اس سے عمر شریف یعنی معرفت ذات باری ملوے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے
 ہیں کہ حضرت عمر کے دنیا سے اٹھ جانے سے نوے علم دنیا سے اٹھ گیا۔ پھر انہیں کی

رعایت سے مروی ہے کہ حضرت عمر کا علم بہت بڑا تھا اہل ارض کے علم کے گریں باب ہے (عظم سے
 مراد علم شریعت ہے) اسی طبع حذیقہ بن ابیہن فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے علم کے سامنے وہ
 لوگوں کا علم الٰہی یعنی سلسلہ میں جاگسا یعنی آپ کے علم کے سامنے کچھ حقیقت نہ دیکھتا تھا امام
 شافعی فرماتے ہیں کہ تاشیلین شریعت چاند صاحب ہیں۔ عمر۔ علی۔ زید۔ ابو موسیٰ قیس بن عامر
 فرماتے ہیں کہ میں نے معرفت ذات باری اور کتاب اللہ اور علم فقہ کا کوئی عالم حضرت عمر سے
 بڑا نہ دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب خیر علیہ السلام نے مجھے اہل میں
 کی معرفت قاضی کر کے بھیجا۔ میں بھی نہ جان ہی تھا۔ مجھے علم فضا میں بہت نہ تھی۔ میں نے
 اپنی نادانگی کا غور کیا۔ حضور نے اپنا ہاتھ میرے پر مار کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت فرمائے گا۔
 بعد ازاں کوہرا مستقیم پر پہنچا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا۔ سوایا ہی رہا کہ مجھے کسی کوئی
 وقت پیش نہ آئی۔ معتبرین عام فرماتے ہیں کہ شریعت کا ماہر عبداللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں
 دیکھا۔ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جناب خیر علیہ السلام کی خدمت میں
 ہم سے زیادہ متعلق رہتے تھے۔ مسروق تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ
 عنہا سے بڑھ کر میں نے علم فرائض کا ماہر کسی کو نہیں پایا۔ بڑے اکابر صحابہ آپ سے
 مسائل و دیانت فرمایا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحابہ سے یا غل رہتی تھی
 حضرت عائشہؓ اس کو مل فرمادیا کرتی تھیں۔ شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ
 جب بھی کسی مسئلہ میں گفتگو کیا کرتے اور معاذ رضی اللہ عنہ ان میں موجود ہوتے۔ تو ان کی عمومی
 ہیبت ان پر غالب آجایا کرتی۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بلقرہ رضی اللہ عنہ علم کا
 ایک ثروت ہیں جو نیک چاہتے اور اس کے اندر سے کچھ نہیں نکال سکتے۔ شیخ کہہ دینا سے رفعت
 ہو گئے مسروق فرماتے ہیں کہ میں حنیف انبی میں آیا تو خیرین غریب کو امانت فی اہل سے پایا
 العیوب ابو داؤد نے عبداللہ بن مسعود کی وفات کی خبر سنی تو فرماتے گئے۔ انا احد کم یفوت
 بعدہ۔ مثلاً۔ یعنی لوگوں کو اس سے اپنا مثل ہے بعد نہیں چھوڑا۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ

بہن ملک علم کے ملک ہوتے ہیں اور بعض عقل کے مقتدا ہیں اور عقل پروردگار کے ملک ہیں۔
 نیز ابن خبات کے مرنے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس ان کی قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے
 حکمنا یندھب العلم الذہم یوں ہی دنیا سے اٹھ جایا کرتا ہے (جناب پیغمبر علیہ السلام حضرت
 عبداللہ ابن عباس کو اپنے سینہ مبارک سے نکال کر فرمایا۔ اللہ علم العالمہ المحکمة وقاویل
 الکتاب اذہا یا ابن کو حکمت اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما) محمد بن حنفیہ سب عبداللہ بن عباس
 رحمت کرتے فرماتے تھے۔ ہذا اساتذہ البانی ہذا ہذا الواسع یعنی اس امت مرحومہ کا
 طاقت والا ہے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بعد اللہ بن عباس سے بعد کوئی شخص
 میں نے علم سنت صحیح الہدایۃ حق المنظرین دیکھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے
 فرمایا کرتے کہ طاقت سے مائتے بڑے بڑے عقل مسائل پیش ہوئے ہیں کے حل کرنے کے
 لئے آپ ہی نمایاں ہیں۔ عطاء بن ابی دیاغ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی
 اللہ عنہ کی مجلس سے بڑھ کر کوئی تعلیم نشان نہیں دیکھی جس میں فقہ اور مفسرین اور
 بڑے بڑے ادبا سیر ہو کر اٹھتے تھے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے تھے کہ اگر عبداللہ بن
 عباس ہمارے ہم عمر ہوتے تو ہم میں سے کوئی ایک ہی ان کے دسویں حصہ تک پہنچ
 سکتا۔ اور آپ عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے کہ جب کسی شخص نے مجھ سے کوئی مسئلہ
 دریافت کیا ہے تو میں نے اس کے فیصلہ وغیر فقہی ہونے کو خوب سمجھ لیا ہے۔ عطاء بن
 ابی فرماتے ہیں کہ میں نے کیا پہنچا ہے صحابہ سے پہلے جب کبھی ابن عباس کسی مسئلہ کو بیان فرماتے
 اور کوئی ان میں مخالفت کرتا تو آپ اُسے قائل کر کے چھوڑا کرتے۔ عیش رضی اللہ عنہ
 فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس کو تمام احادیث میں خوب سمجھنے فقہ اور عالم پایا مجاہد
 رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس جب کبھی قرآن مجید کی تفسیر فرمایا کرتے تو ان پر ایک
 نر یا پلٹا نظر آتا تھا سعید ابن سیب ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا
 کے بعد عمر ابن خطاب سے زیادہ علم والا میں کوئی شخص معلوم نہیں۔ عرو بن زبیر فرماتے ہیں

میں نے علم توئی اور تاریخ مابینیت اور فن غرور علم فرائض اور طب میں حضرت امام المؤمنین
 علیہ السلام سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا عطا فرماتے ہیں کہ انت اعلم الناس فقه الناس
 یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں سے بڑھ کر عالم اند فقیہہ مانی گئی ہیں۔ امام
 بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے قریباً آٹھ سو
 آدمیوں نے علم اخذ کیا ہے عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کے
 قلب میں نظری کائنات رسالت کے لئے جناب پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کا قلب شایاں
 نہ پایا اور آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو علوم نبوت کا وارث بنادیا۔ تاکہ وہ اہل دنیا
 تک اس کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ تم لوگ ستر امتوں میں سے
 سب سے آخری امت ہو اور سب میں افضل و اکرم ہو۔ قرآن مجید میں اس کی تصدیق یوں
 ہوئی۔ **وَلَكِنَّ لَكَ جُولًا مَعَهُ وَسَطًا لَتَكُونَ شَاهِدًا عَلَى النَّاسِ كَيْفَ كُنَ السَّاهِلُ**
عَلَيْكَ مَعْدِيدًا مفسرین نے غلط و سطا کی تفسیر میں غلط کیا را کھا ہے جس کا مطلب یہ
 ہے کہ تمام علمی اور عملی قوتیں ہم نے عطا کی ہیں اور تمہیں دوسری قومیں کے لئے راہنما
 اور ایک گروہ ترقی کا کامل نمونہ بنا دیا ہے۔ درحقیقت یہی لوگ تھے جنہیں اللہ تبارک
 تعالیٰ نے علم حکمت کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال کر کے دنیا کی ہر ایک نعمت سے
 بے نیاز کر دیا تھا۔ یہ لوگ جبری طاقتوں کے مالک اور نوع انسان کی بزرگ عقل کے
 معدن نشین تھے۔ جو کچھ ان کے ہاتھوں پر بنی آدم کے لئے وقوع میں آیا اس کی تفسیر دنیا
 بھر میں مٹی ٹھسل ہے انہیں صفات کاملہ کی گود سے ہم بنائیت زور کے ساتھ دعویٰ کرتے
 کہ کہیں لوگ صحیح معنی میں حروفۃ الانبیاء تھے یہ وہ مشہور دعویٰ ہے جس کے برخلاف
 تمام ائمہ زبان کام نہیں دے سکتے چونکہ ان پر گواہان دین کا ورثہ الانبیاء مہونا مسلم ہے۔
 اس لئے ان کا واجب الاتباع ہونا شرعی حکم ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ملایا
 ایسی آیات کا پتہ ملتا ہے جن سے ہمارے اس دعویٰ کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔

ہمارا جو وہ زمانہ نہایت گھور ہی کا زمانہ ہے جس میں جاہلان کتاب و سنت کی مذہبی پیشوائی کا بابا
پیشکر لوگوں کو دیکھائے ہے۔ حالانکہ دین کے معاملہ میں صرف وہی مقدس حضرات پیشوا
ہو سکتے ہیں جنہوں نے کتاب و سنت کو صحیح طور پر اخذ کیا۔ اور دوسروں تک اس کو پھاپا دیا۔ سو
اس صفت کے لوگوں کا سلسلہ قرآن و سنت تک نہ پہنچتا ہو جاوے۔ بعد میں مختلف فرقوں کے استکبار نے
اس قدر زور دیا کہ ایک سادہ مسلمان کو دین کی حقیقت سمجھنا دشوار کر کے رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
کو ان اختلافات کا علم تھا۔ اس لئے یہ امر بھی قابل غور ہے۔ قرآن و سنت کے انکشاف تک
اسلامی تعلیم کے اعتقادات و احکام نہایت صحت کر دئے گئے تھے۔ اور کوئی امر اندہ لوگوں
کے تصنیف کا محتاج نہیں تھا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آج قلم نئے نئے محمدی اسلام مقدس
کے نہایت چھوٹے بڑے کلمات کے بدنام و متبہ سے تیر و تالیف بنا دیتے۔ اسی خیال پر مابعد کے بڑے
بڑے ائمہ اسلام نے نیکو کر دیا ہے کہ جو شخص دین کی حقیقت کو سمجھنا چاہے اسے چاہیے
کہ علی المرتضیٰ صاحب و تاج العارفین رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار میں تلاش کرے
اور نئے نئے محققین و مدعیان مذہب کی ہمتی حاکم کی طرف آنکھ نہ مٹا کر بھی نہ دیکھے۔ کیونکہ
یہ لوگ ہوائے نفس میں گرفتار اور منہ و دہم و دیتا ہیں۔ ان سے حق کی توقع رکھنا عبث
ہے۔ عوام الناس کی بڑی بھاری غلطی یہ ہے کہ وہ کسی امر شرعی کے متعلق ملت صالحین
کی تحقیق کا علم حاصل نہیں کرتے اور دیکھا دیکھی چیز سے مدعیان کی غرضیات و تقریروں کے
دام میں آجاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا کوئی معتد یا علم ملت صالحین کے نہیں چھوڑا۔ جو
بڑا تحقیق ہو۔ ہمارا زمانہ تو بہت بیدار ہے۔ دین سمجھ رہا ہے۔

سن کان منکم مستثنا فلیستن بہن مذہبات فان الحق لا یؤمن علیہ الفتنۃ
اولئک اصحاب محمد ابتر ہذا الایۃ قلوبا و اعماقا سلما و
اقلھا تکلفا قوم اختار حمد اللہ لا قامة دینہ و محبة نبیہ
فاعز اللہ حقہ و تسکو ابجد یہم ففہم کاو علی اللہ ہی المستقیم

یعنی تم میں سے جس کو یہ طلب ہو کہ وہ سنت کی پیروی کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اہل بیت
کی سنت کو اختیار کرے۔ لیکن جو لوگ زندہ ہیں اور فقہان سے ایمان میں نہیں ہو سکتے۔ سوائے
صحابین سے مراد ہے جناب پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ جو امت مرحومہ میں سب سے بڑھ کر
نیلو کار اور سب سے بڑھ کر اہل بیت علیہم السلام کے مالک تھے اور جو بناوٹ اور تعلق سے دور تھے
یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ائمہ دین اور صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ سو ہم لگے ان کی قدر و منزلت کو سمجھو اور ان کی سیئت کو مضبوط
کرو۔ کیونکہ وہ عین ہدایت کی صورتیں ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے۔ لہذا اہل ذات شریعت اسلامی میں دشت الانبیاء کے معزز و محبوب کے
اہل حضرت صحابہ کبار ہیں جنہوں نے بڑا واسطہ جناب پیغمبر علیہ السلام سے داشت تھا ہر وہ ایمان
کو حاصل کیا۔ اور مابعد کے علماء امت و حقیقت دشت الانبیاء کے وارث ہیں اور جو اہل
محدث اہل (حضرت امی عرب علیہ السلام) سے زمانہ دور ہوتا چلا گیا اس داشت کی متدا
رک لیا جاتا چلا گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس قدر مدت اہل کے پیشین میں زیادہ ہوتی چلی جاتی
ہے ہر ایک وارث کے حصہ میں نسبتاً کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے بطور نتیجہ ہم یہ اند
کر سکتے ہیں کہ جو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملا تھا مابعد کے علماء امت کی نسبت بہت کچھ
زیادہ تھا مگر گفتگو یہ ہے کہ اس داشت کی نوعیت کیا تھی۔ اس سئل کا جواب یہ ہے کہ شریعت
اسلامی کو جس طرح انسانی ہستی کے ظاہری مراتب و نمئی کی اصلاح و لحاظ اسی طرح انسانیت
کے باطنی کمال اور ترقی روحانی کی تکفل ہے مگر اس تقریر سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ظاہر و
باطن میں یہ علیحدہ غایت پریشانی نہیں بلکہ ہر دو کی غایت ایک ہی ہے۔ اس لئے یکدیگر دینا
بکل اور واقع ہے کہ داشت مذکور کے دو حصے تھے اور ہر دو کے وارث مختلف المخلوقات
لوگ تھے بعض نے سنت و فقہ کا پیرا اڑایا۔ اور بعض نے تزکیہ و تصدیق نفوس کا ہر اہم
اپنے ذمہ لیا۔ اور بعض حضرات ہر دو پہلو میں کامیاب تھے۔ لہذا ان سنت و فقہ علماء امت

کے نام سے موعوم ہوئے۔ اور تصدیق باطن کی سند پر بیٹھنے والے اولیاء اللہ کہلاتے۔ شیخ
 اکبر علی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتوحات میں درشت اولیاء کے متعلق ایک بہت
 لمبی جہ میں سے ہم سب ذیل اقتلاب نظرین کے پیش کر کے مذکورہ بالا مضمون کی توضیح
 کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

العلم ان وراثۃ الانبیاء علیہم السلام اولیاء اولیاء حفظہم للاحوال والاحکام الباطنیۃ النبی
 تدق عن الاشیاء ما علمنا محققا والاحکام الظاہریۃ الحق تقدر بادی لہوائی تقذیر
 حولا ما یفنی الانبیاء فی احوال الباطنیۃ بان علیہ السلف السالح فکانوا اولیاء
 علما فلما تخلت الناس عن العمل بكل ما یلزم من معاد علیہ فقط وسلبوا اسم
 الاولیاء فالعلما محققۃ ہما الاولیاء فقل ما علیہ الناس السیور کل
 ولی ما لہ عامل بل مثلث وایس کل حال ولیا لانت قد یختلف عن مقام
 العمل بما علمنا انھما وعلی الحقیقۃ ہما الاولیاء لہما ولھما علما للاحوال علیہما لکل
 یسنی وراثۃ انبیاء علما ما لہ اولیاء لہما علیہ حالت او یسقی احکام کے پاسیان
 وکلان ہوتے ہیں جو عوام کے افہام سے بالاتر ہوتے ہیں اور علما شریعت کے احکام ظاہر
 کے مخالف ہوتے ہیں جو بزرگ افہام بعد استفہام سمجھیں آسکتے ہیں۔ مگر کسی بھی انہیں علما میں
 سے بعض حضرات ایسے نکل آتے ہیں جو انبیاء مسیح اسلام کی درشت باطنی کے بھی بالکلیہ
 پانچ اہمیت سائنس میں ایسے مالی تہہ شرت تھے جو علما بھی تھے اور اولیاء اللہ بھی مگر
 سب لوگوں کی عملی حالت میں غور آئے گا۔ تو علما علما ہی پیدا ہونے لگے۔ والا علما در حقیقت

سے عام لوگ اولیاء اللہ کی اصطلاح سے نکل کر تھے۔ ہر کسب وکار غرق مادیات میں گراوات دھکوتا
 کرتے تھے۔ عاقلانہ کرامت نفس وایت میں داخل نہیں بلکہ ایک امر نہ جو چاہتہ تھی میں خندین
 فی انہیں کو اہل حق مہر کلام کے دیات۔ جس کے وہ ہر سے سے کوا حق کی طرف جھک آتے
 ہیں۔ اور جو اللہ بنایا پھر علیہ اسلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر نہ کرامت کسی ولی کی وہ حقیقت بنی
 کے عوام کا خیر بری پہنچے ہیں۔ میں سے من کا نتیجہ شہت تھوڑا ہوتا ہے۔ جانتے۔

اعلیٰ۔ اندہی ہیں۔ موجودہ حالت میں ہر ایک ولی اللہ یقیناً عالم کہا جاسکتا ہے۔ مگر ہر ایک عالم ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علم تمام علم کتابت و سنت پر داخل نہیں ہوتے۔ اس لئے فقہاء و محدثین نے دنیا پر ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کے بھی یہ لوگ مالک ہوتے ہیں۔
پھر اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں:-

المراد بجمہد کل من کان عالمہ لا تستقل بہ العقول ولا الحواس بل تخیلہ مستقر
من حیث تظہر اولی المراد بجمہد ما تستقل العقول والحواس بأمرک المسمون فیہم لیس مرادہ
یعنی دانشوران دنیا سے تمام عالم مراد ہیں جن کے علم کو عقل و حواس اسٹاک نہیں کر سکتے
بلکہ عقل اپنی طرف سے اسے محال سمجھیں اور وہ لوگ وشتان دنیا ہیں جن کے علم کا اسٹاک
تخلیہ عقل و حواس کے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے علم میں وراثت نہیں لی جاتی۔

ضرورت نبوت و مذہب

انسان اپنی فطری حالت میں دیگر حیوانات سے کچھ زیادہ امتیاز نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہر طرح
دیگر حیوانات اپنی جسمانی تربیت کے جلب و دفع مضرت کے متعلق ہر ایک حالت میں
ایک صحیح نقطہ پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی اس عمل میں ان کے ساتھ شریک ہے اس
لئے اگر انسان اپنی مادی زندگی میں بہت جسمانی تربیت کی مدد تک محدود رہے تو یقیناً اس کو
اخلاق کائنات کہہ سکتا کوئی حق مال نہیں لیکن ہم ثابت کر آئے ہیں کہ انسان باشرت کائنات
ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی دیگر غرائز کا پتہ لگائیں۔ گزشتہ بیانات میں وہ واضح
ہو چکا ہے۔ کہ انسان کے جسمی کمالات کی کوئی مدد نہیں۔ مادی طور پر وہ تمدنی و معاشرتی
احساسات پر ترقی کرتے کر رہے ہوئے۔ کسی مذہب پرست چاہے ملے مگر اس سے وہ اپنی
فطرت منسویٰ کو قائل نہیں کر سکتا۔ وہ اس لیے ہے کہ اس قسم کی تربیت ضرورت نادر کے
ساتھ ساتھ متبیل ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس لئے وہ فانی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ غیر مادی

ہیں کیونکہ ان کا مقصدی ہونا انسان کی فطری احتیاج پر مبنی ہے۔ مگر چونکہ ہماری احتیاج کی کیفیت و کمیت میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اس لئے ان ترقیات کی نوعیت بھی ساتھ ساتھ متبدل ہوتی چلی جاتی ہے۔ مادہ پرست نوع انسان کی مادہی زندگی کے ساتھ ہمیشہ ہماری رہتا ہے۔ اس لئے کوئی اہل بصیرت کبھی یہ تجویز نہیں کر سکتا۔ کہ ان فطری ترقیات کو انسان کا مقصود بالذات قرار دے۔ ہم مقصود بالذات اصطلاحاً مراد میں فرق ظاہر کر چکے ہیں۔ انسان کا مقصود بالذات معرفت ذات باری ہے۔ جو اسے حیات باری اور بقائے دوام کا فائدہ بنا دیتی ہے۔ اور مادہی زندگی کے جتنے مراحل ترقی انسان طے کرتا ہے۔ وہ سب کے سب اس کے مقصود بالذات کے حاصل کرنے میں مہولتد بہرہ را کرنے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں دے سکتے انسان کا فطری فرض ہے کہ وہ اپنے مقصود بالذات کی طرف متوجہ ہو اگرچہ مقصود بالذات کے سمجھنے کی استعداد ہر ایک فرائضی میں دولت رکھی گئی ہے۔ مگر اکثر حالات میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ مادہی زندگی کے لوازم و مضمرات بشری کے حصول میں اسے اس درجہ تک استغراق اور اشتغال ہوتا ہے کہ وہ اس اہم فرض کے سمجھنے سے غریب داخل رہتا ہے۔ مادہی فطرت اس کے لئے سرالذات دنیا والاثرۃ کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ سب میں یہ دیکھتا ہے کہ وہ کون سی صورت ہے جس سے انسان اپنے مقصود بالذات کو سمجھ سکے اور وہ کون سا طریق ہے جس پر عمل کر وہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ یہ سوال ہیں جن کا ہم علیحدہ علیحدہ جواب دیتے ہیں۔

ضرورت نبوت اور صورت میں سے انسان اپنے مقصود بالذات کو سمجھ سکتا ہے اس کے متعلق ہیں حقیقت نبوت میں خود کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ حکمت خداوندی اس بات کی متعینی ہے کہ انسان کو اس کی فائیت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مختلف قلوب میں انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت پر مبعوث فرما کر مسلمان بنائے قائم کیا۔ نبی ہونہ اگرچہ نوع انسان کا ایک فرد ہوتا ہے۔ مگر اس کی صفت ہم انسانوں کی صفت سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا وجود انسان اور ملک (فرشتہ) کے درمیان مبہم ایک

برآوردہ کئے گئے ہیں۔ اور اس کی ذات ہر وہ کے لئے اور ان کے لئے ہوتی ہے کیونکہ وہ عالم قدس سے
 ان جہانوں و عبادت کو جن کے حصول کی صورت تسلیم و تعظیم پر مبنی نہیں اور نہ بخیر یا بد مشاغل ملک و ماں تک
 رسائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ فیضان الہی حاصل کرتا ہے۔ اور ایسے تو اے فیضان کا مالک ہوتا ہے
 جو علمی اور علمی سطحوں میں صحیح طریق پر حق بجانب و تقالی کی میں رہنا کے نیراثر عمل کرتے ہیں اس پہلو
 میں وہ عالم ملکوت کا ایک فرد ہوتا ہے۔ مگر چونکہ عالم افراد انسانی کی ہدایت کے منصب پر
 مامور ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نظر بہ نسبت تیسرے دیگر انسانوں کے ساتھ ضروریات بشری میں
 شریک ہوتا ہے۔ ایسے گرامی قدر مخلوق کے تقاضا کا مناسبت کی دیگر مہاشایں بھی واجب ہیں۔
 مہاجن کو دیکھو کہ وہ باوجودیکہ ایک جلدی مخلوق ہے مگر اس میں بنیاتی خاصہ جو ہر میں نجات کے
 داشت کو وہ باقی مخلوق ہے مگر بعض خواص و انہار میں حیرون کے ساتھ مشابہ ہے۔ مثلاً
 مذکورہ مومن کے اجتماع سے بار آور ہوتا اور سرکٹ دینے سے باطل جہاں وسیلہ نبی اللہ
 اگرچہ قرع انسان کا ایک فرد ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنی روحانی جہت سے کمالات علمی کا قائل ہوتا
 ہے۔ اور وہ روح القدس سے تائید یافتہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا
 وایتناہ روح القدس اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت اللہ عزوجل فرمایا تو لبہ الشرح
 الامین علی قلبک تکلم من الملائکین بلسان عربی میں چونکہ نبی اللہ عالم ملکوت
 اور نور انسان کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اس لئے روحانی جہت سے وہ عالم ملکوت
 فیضان قبول کرتا ہے۔ اور اپنی روحانی جہت سے اس فیضان کا القاء اپنی قرع کے دوسرے
 انسانوں پر کرتا ہے چنانچہ کفار کے اس خیال باطل کو کہ ہادی ہدایت کے لئے فرشتہ
 کیوں نہیں آتا روکنے کے لئے فرمایا۔ ولو جعلناہ ما کما جعلناہ رجلا لدالبسنا علیہم
 ما یلبسون یعنی اگر ہم نبی اللہ کو فرشتہ کی صورت میں مبعوث کرتے تو پھر بھی وہ ایک انسان
 ہی کی شکل میں آتا۔ اور اس پر ان لوگوں کو یہی ہفت تبار ہوتا۔ اس آیت میں اس امر کی
 طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ عامۃ الناس کی فطری استعداد اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بخیر

کسی انسان کا دل کے باوجود دست و پا و عانی سے ہدایت حاصل کر سکیں چنانکہ کفار و منافقین کے لئے
 کے بچنے سے عاری اور مقام انبیاء علیہم السلام سے بھیجرتے اس لئے وہ انبیاء علیہم السلام کو
 میں کہتے۔ ان انتصار الا بشر و مثلنا و ریدون ان تصدون عمالان یجیدان ابانہما و
 بسططان بینین یعنی تم تو ہماری طرح ایک انسان ہی ہو مگر میں اپنے باپ کے راہ و رسم سے
 بنانا چاہتے ہو یہ تو قطعی حجت میں کرو۔ کفار کی نظر انبیاء و اشد کی صرف حجت جہانی تک محدود
 تھی جس میں سب افراد انسانی یکساں طور پر شریک ہیں اور وہ ان کے کمالات باطنی کے فیض
 سے عاری تھے اور اس لئے وہ کہہ سکتے۔ معالطفہ الرسول یا کل الطعام و بیشی
 فی الاصول یعنی یہ کیسا اصل ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور پتا پھرتا ہے۔
 ہمسری یا انبیاء پر اشتند - انبیاء را پھر خود و پنداشتند

انبیاء علیہم السلام کو دیگر افراد انسانی سے وہی نسبت ملتی ہے جو افراد انسانی کو
 حیوانات سے یا یوں کہو کہ جو نسبت قلب کو دیگر اعضاء بدن سے ہوا کرتی ہے۔ نبی اللہ
 کی مثال آفتاب کی سی ہے اور عامہ الناس کی مثال چاند کی سی۔ اگر کرۂ آفتاب چاند کے
 کہ پر اپنی روشنی کا افاضہ نہ کرے تو چاند کا کردار بے قدر ہو جائے۔ جس طرح آفتاب
 قرینہ کوئی کافیضان کرتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام علوم حقہ کا افاضہ دیکر
 افراد انسانی پر کرتے ہیں۔ مگر یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام دنیا میں مبعوث نہ ہوتے تو
 تزکیہ نفوس اور اسدق آخرت جیسے ہم نوافض سے افراد انسانی محروم رہ جاتے۔ انبیاء
 علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے خود تزکیہ یا کردوسروں کے تزکیہ کے حلقہ میں ہیں۔
 مگر کن پہلے ہم یہ حروف کندہ کرتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ ہر اس موعظ حروف قائم
 ہو سکتے ہیں۔

اہل لکھنؤ متذنبون سے پہنچ رہی عواید کیا کرتے ہیں
 نبوت عامر وہی ہے کہ کسی اکادمی مجاہدت اور دیانت اور پیر گاہی سے صحیح

تحت کے وہ تک ترقی کر سکتا ہے۔ مگر یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ موجب بددلت ہے اور توہین
 نبوت ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں نبی اللہ کا منہم ریفاہ (صلیہ قوم) کے منہم سے نائد نہیں۔
 اگر اس خیال کو صحیح تسلیم کیا جائے تو مختلف زمانوں اور مختلف اقوم کے ریفاہ خواہ وہ کسی
 مذہب کے ہوں انبیا کہلانے کے حق میں اور یہ کتب سیرہ تواریخ سے ایسے ریفاہروں کے
 عقائد کا پتہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک مشرک کا عقائد کے لوگ تھے اور اپنے نفس
 میں ہی طرح چند تھے جس طرح عوام الناس عائدہ انبیا طہیم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب علمی و
 ملی کمالات میں تمام ادا انسانی سے اکل اور افضل سمجھے گئے ہیں۔ اعدہ ہر ایک صغیر و اکبیر
 کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے عصم پیدا کئے گئے ہیں اور توحید ذات باری اور اجال آخرت
 کے متعلق لوگوں کو ایسے علوم کا افادہ کرتے ہیں جن سے علماء اور دیگر علوم و فنون کے جاننے
 والے آدمی بالکل جاہل ہوتے ہیں۔ تمدن و معاشرت یا سیاسیات کے متعلق چند ایک اصلاحات
 کر کے اگر کوئی شخص نبی ہو سکتا ہے تو یوں سمجھو کہ دنیا میں اس وقت بھی تبارق انبیا طہیم یا طہیم
 موجود ہیں +

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ عالم کی ہدایت کے لئے بعثت
 ہوتا ہے جو لوگوں کو توحید و عبادات کی طرف و ہدایت کرتا ہے۔ اور انھوں کو فاضلہ کی ترفیع
 اور نفل شسانی سے ترسب اس کی تعلیم کا امتیازی نشان ہوتا ہے۔ جو اس طریق پر لوگوں کو
 بعد الموت کے عذاب و ثواب سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ باتیں سوائے انبیا صہیم اسلام کی پاک تعلیم
 کے ہم نے کسی حکیم یا صلح قوم کے کاناموں میں نہیں دیکھیں اس لئے مذکورہ بالا خیال سراسر
 جہالت اور نادانیت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں منصب نبوت کی نسبت یوں ارشاد ہے۔
 اللہ احسانہ حدیث یہ جعل مرسلہ اس مضمون کی توضیح آئندہ صفحات میں کیا جائیگی +
 اب میں اس سوال کا جواب دینا چاہیے کہ وہ کونسا طریق ہے جس پر چل کر انسان
 منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے +

ضرورت شریعت

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ من یزولہ اللہ یدہ خیراً
 یفقدہ فی الدین۔ یعنی جس شخص کے حق میں اللہ تبارک
 و تعالیٰ بھولتی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سب سے بڑی عطا فرما دیتا ہے اور ایک دوسری حدیث
 میں ایک شخص کے اس سوال پر کہ عقل مند کون ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قتل مٹا ہے
 اس کو دین درست ہو۔ ہم انسان قتلہاں جس شخص کو ہلکرتے ہیں و وسادات و نیاس اپنے نفع
 و امتنان کا بھی اندازہ لگا سکے۔ اور عقل اور کمپش آئے پر مناسب تدبیر سوچ سکے ہر ایک
 شخص ہائے کتب کے کو ایسے عقل مند و نیاس لاصول کی تعلیمیں موجود ہیں جن کے کارنامے روز
 ہم دیکھتے سنتے رہتے ہیں۔ مگر ایسے عقل مندوں سے اصلاح آخرت کی توقع رکھنا درست
 ہے۔ دنیاوی علوم میں کمال پیدا کرنا کوئی انوکھی بات نہیں مگر اس قسم کے کمالات کا غلہ
 انسان کی حیات کے ساتھ ہی جو جاتا ہے۔ اس لئے فی الحقیقت عقل مند وہی شخص ہے جو
 و صرح آخرت کی طرف متوجہ ہو سکے اور اصلاح آخرت بجز اتباع شریعت قد ناممکن ہے
 ایسے لئے بے شریعت کا ہائے فتنہ ہے۔ کیونکہ یہی وہ علم ہے جس کا نتیجہ بعد الموت
 انسان چنگ نہ ہوگا مگر شریعت کیا ہے۔ انسان کی تکمیل ہدایت کے لئے وہ قسم
 کی عقل کی ضرورت ہے۔ ہر عقل فطری جو ایک قسم کا نور ہے جو ہر ایک انسانی فطرت میں
 مختلف مراتب پر دلالت رکھا گیا ہے جس سے انسان نیک و بد میں امتیاز کر سکتا ہے۔ قرآن
 میں اس عقل کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ فطرۃ اللہ النقی فطرۃ الناس علیہا لا تبدل
 الخلق اولہ قد لک الدین القیتہ۔ اس آیت میں عقل فطری کو دین کے لئے
 تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ عقل شرعی ہے۔ وہ نور ہے جو بواسطہ نور نبوت ہم تک پہنچتا ہے ہر
 نور سے میں عقائد سمجھ اور اعمال حسنہ کی حقیقت پر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ جس کا اشارہ آیا
 قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین میں کیا گیا ہے گو یہ عقل فطری ایک نور فطری ہے
 اور شریعت نور خارجی اور ہر دو مل کر ایک دوسرے کی معاون جگہ متحد ہیں۔ چنانچہ شریعت عقل

مذکور بالا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے کئی مواقع پر کفار کو لاعقل قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
 مُسْرِیْکُمْ عَنْ عَمَلِکُمْ لَایَعْقِلُوْنَ۔ اور چونکہ عقل خود ماضی کا نام ہے اس لئے آئیہ
 مذکورہ بالا میں فطرت اللہ کیساتھ اسے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ وہ فو مقدر ہیں اس لئے نور
 شریعت اور نور عقل کو بالفاظہ خود علیٰ خود کیا بیان فرما کر ارشاد فرمایا یحییٰ اللہ عنہ
 میں یشتاہ میں سے ہر وہ کو مقتدا ہر کرنا مقصود ہے۔

اس سے یہ امر واضح ہو گیا ہو گا کہ امور دین میں عقل فطری بجز عقل شرعی کے کچھ مفید
 نہیں۔ اور عقل شرعی عقل فطری کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی۔ عقل کو بمنزلہ اساس کے سمجھاؤ۔
 شریعت کو بمنزلہ عمارت کے اساس بجز عمارت کے کچھ مفید نہیں اور عمارت بجز اساس کے
 پائدار نہیں۔ یا یوں کہو کہ عقل بمنزلہ قوت باصرہ کے ہے اور شریعت بمنزلہ شمع لوز کے۔
 قوت باصرہ بجز شمع لوز کے بے ثواب اور اسی طرح شمع لوز بجز قوت باصرہ کے دوسرے
 افلاک میں اس کو یوں بھی ظاہر کر سکتے ہیں کہ عقل بمنزلہ ایک چراغ کے ہے اور شریعت بمنزلہ
 روشن کے۔ چراغ بغیر روشن کے اور روشن بغیر چراغ کے کیا مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ بات بھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عقل ہدایت خود ممکن ہے کہ امور کلیہ کی
 معرفت کا ذریعہ ہو سکے مگر امور جزئیہ کی معرفت کے متعلق وہ صحیح فیصلہ نہیں دے سکتی۔ مثلاً یہ کہ
 ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے نور عقل سے اس بات کو سمجھ سکے کہ سچ بولنا اور اللہ تعالیٰ کرنا
 اور پاکدامن بہنا اور کسی کو دیکھ کر دینا اچھی باتیں ہیں مگر یہ عمل دشوار ہے کہ وہ ان کلیہ امور کو
 ہر ایک ایسے مواقع پر جہاں ان امور کلیہ کو عمل میں لانے کی مندرجہ پیش آئے استعمال
 میں لاسکے۔ یہ شکلات اس کے شریعت امور کلیہ کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ اور وہ یہ بتلاتی ہے
 کہ ہر ایک ایسے موقع پر جہاں میں کسی علیٰ مالیت کی طرف رجوع کرنا ہو کہ کس طرح امور کلیہ پر
 عمل بند ہو سکتے ہیں مثلاً خنزیر کا گوشت اور خون اور شراب کے استعمال کے متعلق ہمارے عقل
 صحت و عورت کا کچھ فیصلہ نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح ہم اپنی عقل سے اس امر کا فیصلہ نہیں

کر سکتے کہ اگر وہ توں سے نکل کرنا چاہتے۔ لیکن محققوں سے نکل نہیں کرنا چاہئے۔ اور
 حیض کی حالت میں عورت سے ہم بستری کرنا صحیح نہیں۔ یہ اور اس قسم کی دوسری باتوں کے احکام
 پر جو شرعیہ حق کے اپنی اپنی عقل سے نہیں جان سکتے بشریت امتدادات اور اعلیٰ صیغہ کے
 لئے ایک نظام علی کا نام ہے جس کی پابندی سے ہم دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح حاصل کر سکتے ہیں
 اور بجز اتباع شرعیہ کے ہم کسی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر وہ نسانی عقل اس بات کا
 فیصلہ خود ہی کر سکتی۔ تو بشت انبیاء علیہم السلام کی حکمت باطل جاتی۔ اسی امر کے متعلق قرآن مجید
 ارشاد فرماتا ہے۔۔۔ وہاں ماخذ میں حتیٰ فبحثہ سرسولا۔ جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول بھیج کر انعام حجت کرتا ہے۔ اور پھر منافقانوں کو مومن عذاب
 میں ملاتا ہے۔ تاکہ انہیں یہ کہنے کا موقع نہ رہے۔ دینا لولا ارسلت الینا رسولاً
 فنتبع اثبات من قبل ان نذل ونخزى۔ معنی دنیا یا تو نے ہماری طرف کوئی رسول
 کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم اس وقت و رسوائی سے پہلے پہلے تیرے احکام کی پیروی کر لیتے۔ جس
 کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر عقل اور دنیا و آخرت کی راہنمائی کے لئے کافی ہوتی اور اس کے
 ذریعہ لوگ خود ہی راہ راست پر آگئے ہوتے تو سلسلہ نبوت کے قائم کرنے کی کچھ ضرورت
 نہ ہوتی۔ سو اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیتا چاہیے۔ کہ عقل بدون شرعیہ کے اور شرعیہ
 بدون عقل کے انسان کو منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتی۔ اگر عقل عقل خالص ہی ہے تو شرعیہ
 حجت خداوندی لولا فضل اللہ علیکم ورحمۃ اللہ علیہم لا تتبعتم الشیطان الا قلیلاً۔

فیصلہ شریعت

قرآن مجید کا اسلوب بیان ایسا نرہ اور دلکش ملق ہے کہ
 ہے کہ کسی معنی کو ذہن نشین کرنے کے لئے مختلف طریقے
 ادب بطریق تشیل پیش کرتا ہے۔ یعنی اس انداز بیان کا کسی انسانی کلام میں پایا جاتا۔ ان
 قبیل حالات شمار کیا جاتا ہے فیصلہ و فوقیت شرعیہ کے بیان کرنے میں کوئی ایک اسلوب
 نہیں ہے کام لیا ہے۔ اس جیت سے کہ شرعیہ شریعت ابدی کا ذریعہ ہے اس کو قطعاً قطع

یہی حشر مابعد کے مدعیان کا لقب کا ہوا جن کا پتہ کتب تواریخ سے ملتا ہے۔ نبی اوتھنی درجہ نبی
 میں ایسا واضح فرق ہے کہ میں پر زیادہ بحث کی ضرورت پیش نہیں آتی حکیم ابو علی علیہ السلام کو
 اپنی کتاب الفوائد صفر کے آخر پر ایک فصل نبی اوتھنی کے فرق میں لکھی ہے۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ
 کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

نبی اوتھنی میں بل حکمت اور صاحبان بصیرت کے نزدیک جو فرق ہے وہ باوجودیکہ
 باطل واضح ہے مگر ایسا اوقات عوام الناس جگہ بعض مدعیان علم و فضل پر بھی غفنی رہتا ہے۔
 اس لئے میں ضروری معلوم دیتا ہے۔ کہ ہم اس کے متعلق مختصر اور پرکھ بندگان کریں۔

خبرت اور اس کی خصوصیات کے متعلق ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں جنگی بنا پر نبی اوتھنی کو
 کبھی یہ ضرورت پیش نہیں آتی کہ وہ لڑنا نہ دخواہشات نفس کے پیچھے لگے۔ کیونکہ اس کا نفس
 عالم قدس کے ساتھ اس طرح مافوس ہوتا ہے کہ اسے اس قسم کی بولت نفس کی طرف سے
 طبعاً نفرت ہوتی ہے۔ اور اس کو عالم قدس کی اطاعت و تعلق کے ساتھ اس اور سکون
 حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی سمجھ و بصیرتانی لطیفہ کو بیماری کی حالت میں سنتی اور کمینہ میں اور
 اسی کا ہم حالت صحیح ہے۔ اور یہ حالت عالم قدس سے اس کی قوت معلقہ پر قائم ہوتا
 کرتے ہیں اور اس وجہ تک ان کا اثر قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کے خواہ سمجھ و بصیرت میں
 ہوتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی سمجھ میں کمر سکتی ہے اور بصیرت کو اس میں کچھ دخل
 نہیں ہوتا۔ ایسی حالت کو قرآن مجید میں سورہ احزاب (پس پوہ) کہا گیا ہے جب اسکی
 سمجھ میں وہ ممانی آجاتے ہیں تو اس کے دل پر ایک قسم کی بصیرت طاری ہو جاتی ہے جس کے
 بعد اس کو ایک قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے جس کے ساتھ یقین بھی شامل ہوتا ہے۔ پھر وہ
 اپنے اہنائے جنس کو ملاحظہ مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور ادواب کی تمہین کرتا ہے
 جن سے عامہ الناس مذہب سے پاک ہوتے ہیں۔ اور غلط انداز میں سے معذور ہوتے ہیں
 اور اس کی تمہین کا نام شریعت قرار پاتا ہے اور اس فرض کے سر انجام دینے میں وہ ہر ایک

علیہ وسلم کفر بالاجماع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کفر ہے اور اس پر تمام علماء امت کا اتفاق ہے ۔

ادیان عرب قبل اسلام

ایک محقق مؤرخ کے بنے تلخ عرب میں جنوں مذکورہ بارے سے برآمد کردہ زیادہ دلچسپ اور کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق جتنی تحقیق ہوئے واقعات یہم پہنچائی جاتے ہیں اس سے ہیں اسلامی صداقت اور ضرورت کا دعوت عین حال ہو جاتا ہے بلکہ جس اثر کو کرنا چاہتا ہے کہ اسلام تمام اقوام عالم کے لئے گویا البرکات و رحمت تھا جس نے اپنی پاک تعلیم سے بیکار ہو گئے مشرق و چشتان کو بہرہ بھر کر دیا۔ قبل از اسلام اہل عرب بہ اعتبار مذہب کے چار قسم کے لوگ تھے۔ خدا پرست۔ بت پرست۔ مذہب صاحبین۔ اہل عرب میں خدا پرست لوگ موجود تھے جن میں سے تو ایک مذہب اور نئی فطرت کو اپنا خالق سمجھتے تھے لیکن دیگر امور میں ان کے عقائد لاندہ جوں سے ملتے جلتے تھے اور بعض ایسے لوگ بھی تھے جو خالق عالم اور بقائے رُوح اور حشر و نشر کے قائل تھے اور نیک و بد اعمال پر جزا و سزا کے عقیدہ کے پابند تھے۔ اگرچہ یہ لوگ ان عقائد پر قائم تھے مگر عقائد کے پاس کوئی دیس و ستور اصل موجود نہیں تھا جس پر کاربند ہو کر وہ حیات ابدی حاصل کر سکیں۔ اس لئے دیگر مذہب کی کچھ کچھ باتیں انہوں نے اخذ کر لیں تھیں۔ عموماً چار قسم کے مختلف مذہب کے لوگوں سے انہیں ماہر پرچہ نما اولادیں کی بعض تعلیمات سے وہ متاثر ہوئے۔ اول مذہب ایہی کے ماننے والے۔ دوم صابئین۔ یسناء پرستوں کے ایک قوم تھی سوم یہود چہام مسیحی ان مذہب کو الہامی مذہب خیال کیا گیا تھا۔

بہت پرستی کا آغاز کیوں کر ہوا انسان پر مکہ ایک ملک کہنی ہے اس لئے تو

ہر ایک فقرہ اس کو اس امر کی طرف کھینچتی ہے کہ وہ موجودات عالم کو جو درجہ اس کے گرد و پیش ظاہر
 ہوتے ہیں کسی نہ پرست غالب القدرت ہستی کی طرف منسوب کرے اور اس حد تک اس کی
 رہائی ایک منظر ہی ہے مگر جب وہ ایسی ہستی کو اپنے حواس سے محروم نہیں کر سکتا تو وہ کسی نہ کسی
 صورت میں مادی مخلوق کو حوادث کا مصدر قرار دے لیتا ہے۔ بہت پرستی کا منبع ہی خیال
 فاسد ہے۔ ابتداً آفرینش میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی صلح اور نیک آدمی ملتا تو لوگ اس کا ایک
 مجسمہ تیار کر کے اس کی پرستش کرنے لگتے۔ بہت آہستہ یہ طریقہ قریباً دنیا کی تمام اقوام میں رواج
 پا کر منظم ہو گیا۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان فطرتاً غریب کو ماننے والا پیدا ہوا ہے گروہ معبود
 حقیقی سے تباہ و برباد ہو تو اپنے لئے مجازی معبود بنالیتا ہے۔ اور صے سے پہلے اس کی توحید
 صحیفہ فطرت کے بتوں سے منظم ہو چکا تھا چاند، سورج، بولہ برق، باران، آگ کی طرف
 منسلک ہوتی ہے۔ اور انہیں عالم کائنات کا مدبر اور مقدر تسلیم کر کے ہر ایک قسم کے غیر فطر
 کو ان کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور اپنے جلی منفع کی وجہ سے ان کی عظمت کا خیال
 اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اور یہی غیر اللہ پرستی ہے جس کو بت پرستی کہتے ہیں۔
 جس کا پتہ دنیا کی تمام اقوام میں ملتا ہے۔ تمام غیر اللہ پرست اقوام اپنے معبودوں کی نسبت
 بنیاد رکھتے ہیں کہ وہ ان کی ہر قسم کی خوشی اور آسائش کے حاکم بنے اور مصیبتوں اور بدبختیوں کے
 مالکینے کا اختیار رکھتے ہیں اور ان کی پرستش کو ترک کر دینے پر وہ انہیں افلاس جلدی
 اور لدی نالہاں موت وغیرہ میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اہل عرب بھی اپنے مجازی معبودوں کی نسبت
 ایسے ہی دھڑلے عقائد کے قائل تھے۔ چنانچہ عابد، شہو، جلیس، جبریم، عیلق وغیرہ
 وغیرہ باشندگان عرب سب کے سب بت پرست قومیں تھیں۔ گو بالتفصیل اس امر کا دریافت
 کرنا دشوار ہے کہ ان کے ہاں بتوں کی پرستش کا کیا طریقہ تھا۔ اور وہ طوطہ طوطہ کوچ معبودوں
 کی طرف کس قسم کے حوادث کی نسبت کیا کرتے تھے مگر قطان اور سامیل کی اداؤں کی نسبت
 جو عرب عابد اور عرب متبرکہ کہلاتے ہیں یہ معلوم ہے کہ ان کے بت دو قسم کے تھے۔ ایک

قسم کے تو بہت تھے جو طائفہ اور رواج اور غیر محض طاقتوں سے بلکہ نیت خیال کیا جاتا تھا نسبت رکھتے تھے۔ اور عصری قسم کے وہ بہت تھے جو ان نامی گرامی اشخاص کے ناموں پر وضع کئے گئے تھے جنہوں نے عہدہ کارناموں میں شہرت حاصل کی۔

ان شرکاء عقائد کے ساتھ اہل عرب نے اکثر اپنے موطنوں کے الہامی مذہبوں سے بھی کچھ عقائد اخذ کرتے تھے۔ اور ان کو اپنے توہمات باطلہ سے ایسا غلط گردیا تھا۔ کہ شرکاء عقائد سے انکا امتیاز و شطارت تھا۔ البتہ یہ فرق ضرور تھا کہ وہ دنیوی امور کے متعلق تمام اختیارات کائنات اپنے معبودوں کو قرار دیتے تھے۔ اور عقبی کے اختیارات کی نسبت وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے معبودان کے گناہوں کی معافی کے لئے خدا تعالیٰ سے سفارش کریں گے۔ یہ غیر اللہ پرستی عملاً عرب کے تمام قبائل میں مروج تھی۔ بجز ان چند قبائل کے جو اہل کتاب تھے۔

لامذہبی قبل از اسلام اہل عربیں ایک ایسا فرقہ موجود تھا کہ نہ تو رست پرستی ان کا مذہب تھا اور نہ وہ کسی الہامی مذہب کے پیرو تھے۔ بلکہ وہ خدا کے وجود اور شراعیات کے منکر تھے۔ عموماً ان لوگوں میں کسی امر کو گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلئے جزا و سزا کے بھی قائل نہیں تھے وہ اپنے تئیں ہر ایک قسم کی قیود سے آزاد خیال کرتے تھے اور اپنی آزاد مرضی پر کاربند ہوتے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کا وجود ایسے ہی ہے۔ جیسے ایک وحش یا جانور کا وجود ہے پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنی طبیعت کو پورا کر کے نباتات یا حیوانات کی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

صابئین صابئین مذہب کو قوم سامری نے اہل عرب میں رواج دیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو قدیم مذہب کے پیرو قیل کرتے تھے۔ اور حضرت شیث اور ابراہیم کو پانی پانتے تھے۔ ان کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جس کو صحفہ شیث کہتے تھے۔ ان لوگوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں۔ کہتے ہیں کہ ان کی نماز کا ہر طریق

تساوی سنانوں کی نماز کا ہے۔ وہ نماز جنازہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک قمری مہینہ کا روزہ بھی رکھا کرتے تھے۔ مگر تہذیب و ستارہ پرستی کی حرکت داخل ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو اپنے مذہب کے لئے اصل تعلیم قرار دے لیا چنانچہ ستاروں کے لئے انہوں نے سات میل قرار دے دیے اور جس ستارہ کا یہ مہم تھا اسی مہم میں اس ستارہ کی پرستش کرتے تھے جو ان کے مہم میں یہ لوگ سچ کی نیت سے جمع ہوا کرتے تھے اور خانہ کعبہ کی تعلیم بھی لازم ہوتے تھے۔ ان کے ہاں بڑے مذہبی تیوہار کاغذ و بن تھا جبکہ آفتاب و چاند پر اہل ہوتا تھا یعنی موسم بہار کے شروع پر یہ تیوہار منایا جاتا تھا۔ اسی طرح زحل و مشتری و مریخ۔ نہرو۔ عطارد کے بعض ریجیوں میں انتقال کہتے پر بھی تیوہار منائے جاتے تھے۔ وہ ان مہمیں کے بعد اور غنم کا اثر انسان کی قسمت اور دیگر امور دنیا پر تسلیم کرتے تھے۔ وہ پہاڑوں اور غاروں میں اوقات اور مراقبہ بھی کیا کرتے تھے +

یہود عرب میں قبل از اسلام یہودی بھی بکثرت تھے مگر ان میں بشریت اور شوقی مہم کمال تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بہت تحقیر میں دیکھا۔ آپ کی (تورات) کو فراموش کر کے من گھڑت باتوں اور روایتوں پر چلتے تھے۔ اور علماء یہود نے اپنا مطلب میں سا کرنے کے لئے تورات میں بہت سی تحریفیں کر لی۔ یہودوں کا افسوس ہوا کہ وہ یقیناً لوگوں خدا اس عند اللہ میں اسی امر کا اشارہ ہے +

عیسائی چرکہ عرب و روم کے عیسائیوں سے تجارت کرتے تھے اس لئے ان میں سے بعض نے نوین عیسوی کو قبول کر لیا تھا مگر اس زمانہ کی عیسائیت جو ہر عیسائیت سے بھی بددی حالت میں تھی۔ پوپ خدا کا نائب مانا جاتا تھا۔ اس کا قتل فعل منافی اللہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ بہت دفعہ کا شکیسیدار تھا جس کو چاہتا تو قہر مقرر کر دیتا۔ کاپروانہ لے دیتا وغیرہ۔ ویرہ و مرام کا مہم۔ و غلامانی اور شرب خوری کا مہم عام تھا۔ عیسائی کوئی فعل بد البیان تھا جو کفارہ کے بعد و سر پر کیا جاتا تھا +

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف الودیع سے منع فرمایا تو ان کے جن بدن میں انگلی گئی اور ہاتھ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر کچھ نہیں اور تعصب کی وجہ سے ان پر کوئی اثر نہ ہوا قرآنیت سبباً نہ نازل ہوئی۔ وہی ہند۔

فمن حلیج فید من بعد ما جازک من العلم یقل یقالوا ندع ابننا تاویلنا کہ ولنا ناء لسانکم ولفنا وفسکم ثم یقل یفعل لعنة الله علی الکذابین۔

آخر تمام مذاہب باطلہ کے بعد دیگرے مدغم ہو گئے اور اللہ اکبر کی صدا ہر دو دیوار سے گونجنے لگی۔ صدقات آخر صداقت ہی ہے۔ قل جاء الحق وذهب الباطل ان الباطل کان ظہراً

اللہ اللہ العزیز وہ دن قریب ہے جبکہ تمام مذاہب باطلہ موجود نہانہ مال دنیا کے سحر سے حوت غلطی طرح مٹ جائیں گے اور ہم مسلمانانِ حق سے یہ کہنے کے قابل ہونگے کہ ۵

اقلت شمس من الاولین وشمسنا۔ ابداً علی انوک العلی لا تعصب

نکرہ و بلا مذاہب کے علاوہ اہل عرب میں بعض شنیعہ اور مجوس فرقوں کے بھی پابند تھے +

ان کا عقیدہ تھا کہ نور اور ظلمت دو صانع ہیں۔ نور سے افعال خیر صادر ہوتے ہیں اور ظلمت سے افعال شر۔ یہ وہ دلی قدیم میں اور ہمیشہ تک رہے۔ یہ

مدک۔ سمج۔ بصیر اور قوی ہیں +

دو ذوق نفس صورت یہ تھا۔ فعل اور تدبیر میں تضاد اور مختلف ہیں۔ نور نہایت خوبصورت اور حسن منظر ہے اس سے خوشبو کی لہریں آتی ہیں۔ اس سے ہرگز کوئی بڑا کلام صادر نہیں ہوتا۔

ظلمت اس کے خلاف ہے۔ اس میں سے ہر ایک کے چاکر بدن میں اور پانچوں رُوح +

ابدان نور کو لگا۔ اور ابدان ظلمت کو شیا ملین و عقابیت سے تیسرے کرتے تھے +

بعض کا قول ہے کہ خاکہ نور کی اولاد ہیں اور شیا ملین ظلمت کی +

اس دین کے پیر کسی ذمی رُوح کو ایذا دینا گناہ سمجھتے تھے +

احکام شریعت ہمارے عزیزی ضروری تھے۔ -

(۱) ایک دن کی قوت سے نیاہ وغیرہ جمع نہ کرو *

(۲) مجنوت - بخل - سحر - ریت پرستی - زنا اور چوری سے بچے رہو *

مجوس

اس نغمہ کی ابتدا قافیل سے شروع ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب قافیل ہاییل کو قتل کر کے بھاگ گیا تو راستہ میں شیطان ملا۔ تو کہنے لگا کہ ہاییل

کی قربانی قبول ہوگی۔ یہ صرف آتش پرستی ہی ہے۔ اگر تو بھی جینے چاہتا ہے تو آگ کی پرستش کیا کر۔ اس نے اس کی بات مان لی اور ایک مکان بنا کر آگ کی پرستش کرنے لگا *

آہستہ آہستہ انہوں نے بہت سے آتشکدہ بنائے جہاں ہر وقت آگ روشن رہتی تھی۔ سلاطین ایران تھے بڑے بڑے مالیشان آتشکدہ بناتے۔ یہ لوگ آگ کو مٹی پر فضیلت دیتے تھے۔ اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ بشار بن برد شاعر کا قول ہے کہ

الاسر من سافلة سوداء مظلمة - والنار معبودة وكانت النار

ان کا قول تھا کہ آگ سب عناصر سے زیادہ معنی ہے اور ہم وجہ ہر شریف اور لطیف ہے تمام مشیائے عالم میں انہی کی بہت سے ہے *

عبادت کا طریق یہ تھا کہ ایک مربع گڑھا کھود کر اس میں آگ روشن کر کے اس کے گرد بچھا کرتے تھے۔ ان کے بہت سے فرقے تھے *

(۱) بعض آگ جلا کر مال کے کسی مقربہ فلان میں دہاں مٹن کیا کرتے تھے اور خوبصورت بکرہ لڑکی کو لباس قلندر پہناتے تھے اور اُسے عطر خوشبو مل کر گاتے بجاتے دہاں لاتے تھے۔ اور گڑھے کے کنارہ پر کھڑے ہو کر وہ لڑکی اپنے آپ کو آگ میں گرا دیتی۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کی روح واپس آکر آتش پرستی کی ترغیب دیتی ہے اور مصلحت دینے کے وعدے دلاتی ہے *

(۲) بعض مجوسی اس فعل کو عیب شریف حرام سمجھتے تھے *

(۳) ان میں سے بعض تباہ اور عابد تھے جو ہر وقت آگ کے گرد بیٹھے رہتے تھے۔ اور

لوگوں کو اخلاق علیہ السلام و صفات اہل اندلسی عفت اور عمل کی تعلیم دیتے تھے ۔

ختم نبوت

ختم نبوت کا مسئلہ عیاں واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کی بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کتاب اللہ اور سنت محمد پر دوسے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین کے بعد مبعوث ہو چکے کے بعد خیر زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں آپ کے بعد کسی شخص کا مبعوث من اللہ ہو کر ناقص قرآنہ کی تکذیب کرنا ہے۔ آیہ۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ۔ کے ذیل میں تمام مفسرین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ سلسلہ نبوت آپ کی ذات گرامی پر پا کلیت منقطع ہو گیا۔ اس آیت شریفہ کے الفاظ ایسے واضح ہیں کہ جن کے سمجھنے میں کسی کو کسی قسم کی وقت پیش نہیں آسکتی۔ اور آیہ۔ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانصَحْتُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کے الفاظ پر غور کرو کہ اکمل اور اتمام دین کے بعد کوئی کمی باقی ہے یا نہیں اس کی وجہ سے نبی اللہ کے مبعوث ہونے پر موقوف رکھی گئی ہو۔ ختم نبوت کے متعلق حدیث ذیل میں غور کرو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ مثلی و
مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل من بنی نضیر فاحسنہ واجملہ
الامر متع لبتہ من زاویۃ من زوایا فجعل الناس یطوفون ویتعجبون
لہ و یقولون هل لعلہ و اللبتہ فانا اللبتہ و افا حاتم البقیہ ۵

یعنی میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثل انبیاء میں شخص کی سی ہے جس نے ایک حدیث بنیائے حدیث کے ساتھ تفسیر کی ہو۔ اور میں اس کے کسی گوشہ میں ایک اینٹ جگہ غالی چھوڑ دی ہو جسے دیکھ کر لوگ متعجب ہیں اسی طرح کہ اس غالی جگہ میں اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ میں ہی اینٹ ہوں جس سے ایوان نبوت مکمل ہو گیا اور مجھ پر انبیاء علیہم السلام کا خاتم

ہو گیا۔ اور ایک دوسری حدیث میں یوں وارد ہوا ہے :-

عن جابر بن مطعم قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لي
خمس اسماء انا محمد وانا احمد وانا الهادي الذي يحجو الله الكفراني و
انا الهادي الذي يحضر الناس على قدمي وانا العاقب والعاقب
الذي ليس بعد شي *

اس حدیث میں منور علیہ السلام نے اپنے نام مبارکہ میں ہم عاقب کا ذکر فرمایا ہے جس کی تفسیر
بھی خود ہی فرمادی یعنی وہ شخص جس کے بعد کوئی اہل نبی نہیں آئیگا۔ اور ایک حدیث میں حضور
علیہ السلام نے اپنے اسم مبارکہ میں ہم مکتفی کا بھی ذکر فرمایا ہے جس کی تفسیر میں کہتے ہیں :-
هو المولى الطاهر المني اخرا لا نبيا - المتبع لهدى فاذا اكفى فلا نبى بعدا - اور ایک
احادیث میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہے فرمایا اکان لا نبی بعدا
اسے انصاف شریعہ کے موجود ہونے پر بھی اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
بہر کسی شخص کی نبوت کا تال ہو۔ تو پھر اس کے لئے ہاتھ پاس کوئی جواب نہیں ہیں اس مسئلہ کو
ایزبٹ لائے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر چونکہ یہ مسئلہ عقائد کے ساتھ متعلق رکھتا ہے۔ اور
عقائد میں تقیید لازم ہے۔ بلکہ محبت قصی کے بدون کوئی عقیدہ صحیح نہیں تسلیم کیا جاسکتا اور
یہ مسئلہ مسائل اجتہادیہ میں داخل نہیں اس لئے ہم نے چند سطروں کے واسطے ہیں تاکہ علوم انسانی
اپنے عقیدہ کی تصحیح کر سکیں۔ والذو الفیق من اللہ تعالیٰ *

والایت تابع نبوت ہے

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی توضیح اس لئے ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اکثر لوگ ولایت
صہبت میں کچھ امتیاز نہیں کرتے بلکہ بعض معتقد وہ خیال ہے کہ وہ ولایت و ولایت سے
اصل سے مگر یہ خیال ہر ایک پہلو میں صحیح نہیں۔ نبوت ایک منصب علیہ فداوندی ہے۔ اور

اسی طرح ولایت بھی بنی اللہ کیلئے ایک شمس ہوتا ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے خلق خدا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا ہے جس کو بندہ حق خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسے فضائل و کمالات دیئے جاتے ہیں جن سے وہ دیگر عوام الناس سے ممتاز ہوتا ہے۔ دیکھو ہر پیر ایم علیہ السلام اپنے باپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

یا ایت انی قد احببتی من العلم والدیانت فاشبہنی اھداک صراطا سویدا۔
یعنی اے باپ مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسا علم حاصل ہے جو تجھے حاصل نہیں ہو تو میری نموی پر وہی کر میں تجھے راہ راست کی ہدایت کرو لگا۔ بنی اللہ ان ہدایات کی تبلیغ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتا ہے۔ اور اس پر تبلیغ کی بجائے اور سی فرض ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے یا ایھا المرسل بلغ ما انزل الیک من ربک فانک امرت بالحق وبلغت رسالتہ۔ یعنی جو کچھ تجھ پر خدا کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے لوگوں کو پہنچا دے۔ اور اگر تو ایسا نہیں کر گیا تو تو نے فرائض رسالت کو ادا نہیں کیا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مبعوث بنی اللہ کی غرض ہدایت خلق ہوتی ہے اور تبلیغ اس کا فرض منصب ہے۔ یہ منصب نبوت و وجہیت رکھتا ہے۔ جہت باطنی اور جہت خارجی۔ جہت باطنی کے رُوح سے وہ خدا کا ولی ہوتا ہے اور اس لئے اس طرح میں اس کو لسان کامل سے قبیر کرتے ہیں کیونکہ وہ محافت و حفاظت علیہ پر راجع کمال حادی ہوتا ہے۔ اور اس کا تعلق برکت راست عالم قدسی سے ہوتا ہے اور عالم کون و فساد میں مشیت ازل کی حکمت و مصلحت پر آگاہ ہوتا ہے۔ جہت خارجی کے رُوح سے وہ بنی نوع انسان کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہے جس کے رُوح سے وہ ان کے عبادات و معاملات کے متعلق احکام بارگاہ رب العزت سے حاصل کرتا ہے اور لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ احکام انسانی زندگی کے ہر ایک پہلو پر حادی ہوتے ہیں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ معاشرتی۔ سیاسی امور میں اس کے ہدایات ایک قانون قطعی کا حکم رکھتے ہیں۔ تمام شرائع و دیانات بنی اللہ کی جہت خارجی سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ ہے نبی اللہ کی حقیقت۔ ولی اللہ کی حقیقت جہت یا یعنی میں نبی اللہ کی جہت یا یعنی کے طرح ہوتی ہے یعنی وہ اللہ معروف بالقرآن نبی اللہ معلوم کرتا ہے اور جہت قاریں میں بھی وہ پابندی احکام شریعت کے لئے ہے نبی اللہ کے تابع ہوتا ہے یعنی وہ فدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی نئی شریعت نہیں لاتا بلکہ نبی اللہ کے احکام کی تبلیغ و تفسیر کرتا ہے مگر تبلیغ اس پر شرط نہیں۔ ولی اللہ کے کلمات کا سرچشمہ نبی اللہ ہی کے کلمات ہوا کرتے ہیں یہی وہ ہے کہ ولی اللہ کے ہاتھ پر بخدا تعالیٰ کی طرف سے اگر خرق عادت (اکرامات) ظاہر ہوں تو وہ نبی اللہ کی حقیقت اعجاز کا بے نقاب ہے۔ بعض ظاہر کے کلام میں وارد ہوا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے بظاہر یہ جملہ اتفاق جہوں اہل رسوم صحیح مسلم نہیں ہوتا۔ اولیٰ الحقیقت ہے یہی یوں ہی۔ مگر بعض اہل معرفت نے اس کی دوسری توجیہ کی ہے کہ ولی اللہ کی جہت یا یعنی نبی اللہ کی جہت خارجی سے افضل ہوتی ہے اس توجیہ کو بعض ائمہ نے صحیح تسلیم کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ خارج معرفت میں اس قدر تفاوت ہے کہ بجز اولیاء کاملین کے کوئی شخص اٹھاسو نہیں کر سکتا اس لئے علم طریق یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل وحید میں بحث کرنا کوئی منہ نہ بچھریا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے *

الوحی والایمان

وَمَا كَانَ بَشَرًا أَنْ يُلَکِّمَهُ اللَّهُ إِلَهًا وَحِيًّا أَوْ مِنْ ذُرَاهِ جَعَلَهَا آيَاتٍ لِّ
رُسُلِهِ فَيُوحِيَ مَا يُشَاءُ اللَّهُ عَلَىٰ حَكِيمَةٍ

(۱) الوحی والایمان محمد ان قوانین الہیہ کے شکار کئے جاتے ہیں جن پر سلسلہ تمام کائنات

مستند تھا کسی بشر سے یہ کلام نہیں ہوتا مگر بعض وقت وحی یا پرہ کے مجھے سے یا اپنے کسی آدمی کے ذریعہ
کے ذریعہ بھی آتی ہے۔ مگر تمام نبی پر یہ کلام وحی کا ہے۔ بیشک خدا بے شمار اصناف میں کلام ہے۔

یاد رہے۔ اعدان کی جزوت اسی وقت سے کبھی چاہیے جب سے افراد انسانی کا سلسلہ
 دنیا میں قائم ہوا۔ خداوند کریم اپنی حکمت کا نام سے انسانی فطرت کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ مجرب
 و عظیم آدمی کے واسطے تمام ہشیاء عالم میں قدرت کر کے صوفت و قیامت کی اس فطرت کو
 حاصل کرے جس کی قابلیت اس کی ذات میں دویت دہمی گئی تھی۔ اس واسطے فطرت انسان
 کوئی تھقی ایسا فطر نہیں آتا۔ جو موجودات عالم میں ہشیاء کی حسی قایمیتوں سے بذریعہ قوائے
 فطری قائمہ اعضاء کے۔ کیونکہ جمادات خاص اپنے مختلف وجود کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے کمال
 فطری بہتر میں نقصان دہیات کو اسقاط و غلظت میں۔ اور دیگر حیوانات اپنی فطرت کے مطابق
 ایک خاص حد تک محدود رہتے ہیں۔ مگر انسانی کمالات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہم
 اس کو کسی محدود چیز پر کر سکتے۔ یہی وجہ کہ وہ اسرار الہیہ اور کمالات روحانیہ کی ایک ایسی
 جامع کتاب ہے جس میں تمام افراد موجودات کی قابلیتوں کے آثار موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
 حضرت رب العزت نے بعضوں۔ انی حاصل انی کلام میں مخلوقہ۔ عربت انسان ہی کو
 اپنے اسرار صفات افاضہ مظہر بنا کر اس نظام عالم کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ کمالات قرآنیہ
 کے وقت عوام انسان آیت انی حاصل الخ کو سرسری پڑھ جاتے ہیں۔ مگر ایک عارف
 کامل اور عالم باخ سے اس کی حقیقت پوچھتا چاہیے کہ وہ اس آیت شریفہ کو کس طرح فائدہ
 فطرت کے لایعل اسرار کا خزانہ سمجھتا ہے۔ لفظ غیبہ اس موقع پر انسان کی اس شرافت کمال
 کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورۃ میں ظاہر کیا
 گیا ہے۔ یہ صورت انسان کو خداوند کریم نے ایک نہایت گر امیقہ و مطلق پیدا کیا ہے
 جس کا مستطیع کوئی دوسرے مخلوق نہیں کر سکتا۔ آیتہ واقعہ کہ خدا ہی آدم مذکور بالا کو ہی کہتے ہیں

لقد خلقنا آدم علی صورۃ سلام کو تمام انبیاء کے رسول کی تصویر دی۔ ۱۲۰ منہ +

تو ان میں سے ایک علیہ السلام پر آیت ۱۲۰ منہ +

تو خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ ۱۲۱ منہ +

تو ہم نے بنی آدم کو کریم کریمہ و مطلق بنایا۔ ۱۲۲ منہ +

(۳۱) یہ امر بالکل واضح ہے کہ ہر ایک چیز اپنی فطرت کے مطابق ہمیشہ اپنے کمال کی طرف ترقی کرتی ہے البتہ اس کمال کے لئے خارجی امور کی ضرورت ہوتی ہے جنکے بغیر فطرت اپنے اصل فرائض کو سرکھتی اور درحقیقت وہ امور اس چیز کے حصول کمال کے لئے بمنزلہ شرط کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ فطرت ہی فطرت ہے جس کا اصل امور مذکورہ پر موقوف نہ ہو کہ ہے مثلاً انسان گندم میں یہ ضرورت ہے کہ وہ وہ نسل پیا فوخذ کی صورت میں نمودار ہو اور یہ امر اس کی فطرت کا نتیجہ ہے ہر ایک مادی بھی اس امر کو جانتا ہے کہ جب تک زمین میں لویا نہ ملے گا اس کا وجود مناسب ہوا پانی حرارت شمس وغیرہ سے وہ منتفع نہ ہو بار بار نہیں ہو سکتا۔ آئینہ عکاسی اس مٹی خلق شدہ مٹی میں خلق شدہ مگر یہ بلا ملائیت فطریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اعتقاد شدہ حدی یہ واسطہ سبب و شرط ضروریہ اس کا اپنے کمال کی طرف میلان کرنا ضروری ہے یہی مثل لطفہ انسانی کی سمجھو۔ کیونکہ فطرت کی ذات میں انسان بننے کی ملائیت ضرور ہوتی ہے اور یہ اس کی فطرت ہے۔ مگر جب تک قوی حبیب اس میں مبالغہ نہیں کرتی۔ بچہ نہیں بن سکتا۔ اور بچہ سے انسان کمال کے درجہ تک ترقی نہیں کر سکتا۔ الغرض ہر ایک چیز ایک ایسے عام قانون فطرت کے تابع ہو کر اپنے کمال کو حاصل کرتی ہے کہ اس میں ہم اپنے رفد مزہ و تجربہ و مشاہدہ کے رُوسے کوئی استثنائی صورت قائم نہیں کر سکتے۔ یہی وہ قانون ہے جس پر تمام عالم کائنات کا سلسلہ چل رہا ہے۔ و حقیقت آئینہ کمال اللہ ہدایت اعطاء کل مٹی خلق شدہ حدی میں خداوند کریم نے تمام سلسلہ موجودات کے لئے ایک قانون کلی کا پتہ دیا جس سے اہل بصیرت اس صانع عظیم کی نعمت ہی قدسوں کا اندازہ لگاتے ہیں۔

(اس اسلامی تعلیم کا دار و مدار اس طریقہ ہے کہ انسان صورت اس مومن کیل جہانی کا نہیں بلکہ مجاہد ہے۔ وہ چیزوں کا۔ نمبر مادی یعنی جسم۔ نمبر ۲۔ غیر مادی یعنی نفس۔

فطرت کے مطابق وہ حالت میں ہے ہر ایک چیز کو اس کی فطرت ہی اور مگر فطرت کے مطابق ہر ایک چیز کو اس کا

ادبہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کے تسلیم کرنے سے تمام مذاہب و عقائد بنیادیں ہل جائیں اور کتاب
آسمانی اور وعدہ و وعید کا باطل ہو جائے انسان کی اس حقیقت کے تسلیم کرنا تو اسے دہریہ
فرقہ کے لوگ ہیں جن کے نزدیک انسان ایک جاندار مخلوق کا نام ہے جو مادی فعل و انفعال
سے دیگر اشیاء کی طرح موجود ہو گیا۔ اس نے اسے کوئی شرف و فضیلت و دیگر افاضات
پر حاصل نہیں وہ طاقترات محدود کا نتیجہ ہے۔ اور بالآخر جب قوائے طبیعیہ اپنے عمل سے ترک
جاتے ہیں تو اس کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ بالبد میں کوئی چیز نہ باقی رہتی ہے اور نہ کوئی
قرب و عقاب اس پر قائم رہتا ہے اور ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جائیگا۔ واضح ہو کہ اکثر
موجودہ اہل یورپ اسی رنگ میں رنگے گئے ہیں۔

اس موقع پر مجھے اس باطل مذہب کی تھیلے میں داخل ہونے کی مشق کرنا مقصود نہیں کیونکہ
اس غلط خیال کی تھیلے کے لئے کوئی دوسرا موقع ہونا چاہئے۔ یہاں صرف اسی قدر کافی ہے
کہ اس خیال کے بطلان میں تمام کتب آسمانی متفق ہیں اور عقل سلیم اس کی تکذیب کرتی ہے
میں سوائے کسی ایک ایسے لوگوں کے جن کی فکر کی جس میں انہیں لا جواب پایا۔ اور وہ حقیقت انہیں
کو ابھار خدا اور روح وغیرہ سے انکار دیتا ہے۔ مگر وہ سے جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ انہیں
اس میں بھی اطمینان نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ حالت شک میں رہتے ہیں اور نہایت بد زندگی بسر کر کے
بالآخر طرہ ہو جاتے ہیں۔

(۱) اگرچہ سطور میں اس امر کا بیان ہو چکا ہے کہ سلسلہ کائنات کی تمام اشیاء اپنے اپنے
قدری کمال کی طرف میلان رکھتی ہیں۔ اور حوصلہ کمال میں اس سلسلے کی حتمی جہت
میں عام قانون کی تدوین کے لئے انسانی کمال کے دو پہلو ہو سکتے ہیں (۱) مادی (۲) روحانی۔
برہمائی کمالات سے مجھے اس وقت بحث کرنا منظور نہیں کیونکہ اس پہلو میں انسان بالکل
دیگر زیورات کی طرح سمجھنا چاہیے۔ جس طرح ایک حیوان کو اپنے تمام بدن کے لئے عام
ادب اور دیگر ضروریات زندگی کی طرف احتیاج ہوتی ہے اسی طرح انسان بھی اپنے

جہاں کمال میں ان اشیاء کا محتاج ہے۔ اور اس کی زندگی بعین اسباب و مشیت بر نہیں ہو سکتی اس موقع پر انسان کے جہاں کمال کے اسباب و مشیت بحث ہے جس کے لئے مسئلہ حلی و عدم الہام کی تحقیق ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ امر فیہ واکل ثابت ہو چکا ہے کہ انسان اپنی فانیقتی کو صورت علمی مرآت کے لئے کسے پر حاصل کر سکتا ہے تو اب دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) علم سے کیا مراد ہے (۲) علم کا ماخذ کیا ہے۔

سوال اول کا مختصر جواب یہ ہے کہ علم سے یہاں معرفت ذات الہی مراد ہے جسکی نسبت حضور علیہ السلام کو جناب الہی میں استعدا کرنے کا یوں حکم ہوتا ہے۔ تخلی و تب زیدی علیہا صفات ظاہر ہے کہ علوم سے یہاں علوم دنیویہ ہرگز مراد نہیں۔ کیونکہ ان علوم سے تمام افراد انسانی کو کیا نسبت ہے۔ اذنیہ علوم ایک بنی اللہ کے لئے ہرگز موجب کمال نہیں ہو سکتے کیونکہ بنی امت کے لئے ان امور کی تعلیم کا نام ہوتا ہے جن کو کسی موجب طریق تعلیم پر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ان علوم میں کسی بنی صاحب شریعت کا دوسرے کو کمال سے اشارہ کہ ہونا موجب نقص ہے اور ممکن ہے کہ اس صورت میں اس کی تعلیم افراد امت کے نزدیک کوئی حجت تسلیم نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہر ایک بنی صاحب شریعت علوم دنیویہ سے مستغنیہ نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے کمال کی تعلیم نے جسے جسے علم فاضلہ۔ اور ماہر (ان فنون کے علوم و فنون پر تعبد پایا۔ بہر حال یہ علم مستند سلسلہ ہے کہ انبیاء عظیم اسلام کی تعلیم و فنون کی تعلیم نہیں ہوتی۔

(سوال ۲) تجاویز سے ثابت ہے کہ کتب ساریہ سے بھی اس امر کا یہ مسئلہ ہے کہ بعض انبیاء عظیم علیہم السلام نے فنون دنیویہ کی تعلیم بھی امت کو دی۔ مثلاً حضرت ابراہیم۔ اسماعیل۔ سلیمان علیہم السلام نے فن حدادی۔ بخاری۔ اصول فن تعمیر وغیرہ کو دنیا میں

سلسلہ سے تشریف فرما ہیں اور استعدا کر کے کھدایا جسے علم میں پر جا۔

بطریقہ دیا اور فقہ قرآن مجید کی تعلیم ہنر علوم و فنون کے اصولی سیاست تک اصول تمدن و ترقی و پیشرفت ہے۔

(جواب) یہ واقعی صحیح ہے۔ مگر گنگوہس میں ہے کہ نبیاء و مساعبد شریعت گذشتہ ہیں۔ ان کی بشارت کی حقیقتی غرض صرف تعلیم و معانی حق اور ان کا اخلاص و امت کو بعینہ معلوم و قنون کی طرف توجہ دلانا یا ان علوم و فنون کے اصول سے آگاہ کرنا یا عرض تھا اور اس بالعرض سے بھی غرض اصلی یعنی تربیت روحانی کی تکمیل مقصود حق پس انبیاء و علیہم السلام کا ان علوم کی طرف متوجہ ہونا ان کی بشارت کا مقصود اصلی نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی تعلیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اصول سیاست و تمدن و معاشرت پر بھی تعلیم و معانی کا رنگ چڑھایا گیا ہے۔ اور سب میں وعدہ و وعید کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جو صاف اس بعد پر دال ہے کہ انبیاء و علیہم السلام صرف روحانی معلم ہوتے ہیں۔ اور ان کی یہی تعلیم کے ملک ہوتے ہیں جو کسی غیر سے حاصل نہیں ہو سکتی لہذا اگر دنیاویہ تعلیم انبیاء کا مقصود اصلی ہوئی۔ تو تو نام نہادانہ جھوٹا و زور ترقی پر مبنی ہے۔ بزمان نبوت و تکمیل کو پہنچ گئی ہوتی ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حق کی تعلیم کا مقصد حقیقی اسلافی ہوتی ہے کیونکہ اگر دیگر علوم و فنون کی طرح ان کی تعلیم بھی انسانی ہو جو بتدریج کسی بشر سے حاصل کی جا سکتی ہو تو ان کی تعلیم کو کبھی حجت قطعی قرار نہ دیا جاتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ سب تعلیم انسانی علوم کی بنیاد انسانی تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہے۔ تو پھر اس بنی کی تعلیم کا مان لینا کیوں حجت ہوا کیونکہ ہر ایک انسان یہ کہہ سکتے کہ فلاں جیسے صحیح نہیں۔ اور فلاں رائے درست ہے۔ اس طرح کسی کی بات بھی حجت نہیں ٹھہر سکتی۔ مگر جب یہ مان لیا جائے کہ نبی کی تعلیم انسانی نہیں ہوتی۔ بلکہ بندہ ربی حق بلکہ اللہ رب العزت سے بنی کو دیا جاتی ہے تو پھر نہ کہ وہ مان سوال کا بالکل قطع و قبح ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں اگرچہ کسی شخص کو تعلیم نبی کے جسٹس اور کی تفصیلی شرح نہ بھی معلوم ہو سکے تو بھی اس پر وہ تعلیم حجت ہوتی ہے جس کے آثار کی صورت

یہ دو حکم خدا کا نکرانہ ہو کر کہا جاسکتا ہے۔ خود باسند منہا مگر سوال یہ ہے کہ وحی کیا چیز ہے؟
(۵) نسبت وحی کے بیان کرنے میں محققین نے دو مسلک اختیار کئے ہیں۔

(۱) نظریہ استدلال یعنی براہین عقلیہ

دوسرا کشف و شهود

طریق اقل کا سمجھنا مشکل نہیں۔ مگر اس طریق سے جو علم انسان کو حاصل ہو سکتا ہے وہ
عرفت حقیقت وحی کے اقوال تک ہی محدود رہتا ہے۔ طریق ثانی کا سمجھنا دشوار ہے مگر جو علم
اس طریق پر انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ سراسر وصافت روحانیہ پر مشتمل ہوتا ہے گویا طریق استدلال
اور طریق کشف میں خیر اور معایہ کی نسبت ہے۔ طریق استدلال میں اولیاد فیالکات سادہ
اور مستحکم الفاظ میں کیا جاتا ہے مگر طریق کشف میں غوامضی کو بطریق تشبیہ و استعارہ
بیان کیا جاتا ہے جس کے سمجھنے کے لئے خاص خاص لوگ ہوتے ہیں۔ اس طرز بیان میں
بہت سی سہولتیں ہوتی ہیں جن کی تشبیہ کے لئے کوئی دوسرا موقع ہے۔ طریق اولیاد فیالکات
علوم حسیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور طریق ثانی مجاہدہ ثبات و ریاضت سے حقیقت وحی کو
پہلے نظریہ استدلال کے قواعد پر جانچنا چاہیے۔

(۶) ہم نکرہ چکے ہیں کہ انسانی کمالات کی دو صورتیں ہیں۔

جسمانی کمالات کی اور سے انسان دیگر حیوانات سے کسی امر میں امتیاز نہیں دیکھتا مگر
روحانی کمالات ایک ایسا امر ہے جو انسان کے لئے مایہ از امتیاز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کل موجودات
دو قسم پر منقسم ہے۔ مادی۔ غیر مادی۔ جس لئے نظریات میں اس بات کا تقین ہو جاتا ہے
کہ کوئی مخلوق مادی اور غیر مادی کا مجموعہ بھی ہونا چاہیے۔ سوہ حضرت انسان ہے۔ اس کی

سبب مجاہدہ و ریاضت سے مراد ان کی اپنی نامساعد حالت شروع کر دی جانے لگے سب سے پہلے
ان کی اہمیت کا اہم حاصل کرنا اور وہی سبب حقیقت نامان نعمت نشین۔ بہم پروردہ طاقت اور وہی
پہلے ان کی تعلیم و عادت کمال اعمال و عقیدہ و تکریم ہونے کی بنا پر ہوتی ہے۔

ایک جہت تو عالم مادی سے خلق رکھتی ہیں اور دوسری عالم غیر مادی سے
 آدمی زادہ طرفہ منجھتے بہت ۔ مگر خشنہ سرشتہ درمیان

میں طرح جاوالت میں بعض ایسی ہشتیا۔ نظر آتی ہیں جن میں مادی و غیر مادی ہشتیا سے اپنے کمالات
 فطریہ میں بڑی قوتی ہیں۔ اسی طرح نباتات میں اور پھر اسی طرح حیوانات میں مثلاً پتھر کے فطرت
 اقسام کے گیس خاصیت اور گیہاں قدر و قوت کے نہیں ہو سکتے اسی طرح افراد حیوانات نباتات
 اپنے اپنے کمالات کی بڑ سے یکساں ترتیب میں رکھتے۔ لہذا ان کو جامع کمالات صرف اس جہت
 سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام مادی نباتاتی حیوانی کمالات کا مالک ہوتا ہے لیکن وہ صرف مادی
 موجودات کے کمالات کا جامع نہیں بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس میں غیر مادی مخلوقات
 کے کمال حاصل کو بھی اس قدر اعلیٰ و اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جسکو روحانی کمالات سے تعبیر کیا جاتا
 ہے۔ یہ روحانی کمالات کچھ تو کسی ہوتے ہیں جن کے حاصل کیے کی قابلیت اس کی ذات میں
 موجود ہوتی ہے اور بقدر یہ تسلیم و تقبل حاصل کئے جاتے ہیں اور کچھ ایسی یعنی خداوند کریم کی صفات
 عنایت کا علم پر مبنی ہوتے ہیں مگر وہی کمالات مبادیغ فیض یعنی ذات باری کی طرف سے وہی
 عائد ہوتے ہیں جہاں قوی نظریہ آثار وجودی سے قابل فیضان بھی پیدا کئے جاتے ہیں مثلاً
 نبوت کو اگر محققین کمالات وہی پر مبنی کرتے ہیں مگر بعض اہل فلسفہ جو حقیقت مالک کا
 کرتے ہیں انہوں نے نبوت کو فطرت انسانی کی ایک صفت سے اعلیٰ حالت پر موصول کیا ہے
 جو مہدع صرافت و خالق ہوتی ہے۔ لیکن یہ خیال اکثر ان مفکرین کا ہے جنہوں نے حقیقت
 نبوت کو کفار و یوں کی غلامی سے ہوا نہ کیا ہے اور تعلیم قرآن کی طرف توجہ نہیں کیا ہے
 نہیں سمجھا ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں اکثر لفظ ملکہ نبوت کا استعمال کرتے ہیں۔ خود کہنے
 سے معلوم ہوگا کہ یہ لفظ بہت سی غرابوں کا مستخدم ہے۔ اور کئی ایک ایسے امور کے انجاء پر
 مبنی ہے جن کے تعبیر کوئی مسلمان غاص لایکل نہیں ہو سکتا۔

(۷) حکماء کا خیال ہے کہ انسانی قوتی کی ترتیب میں ادنیٰ کے لحاظ سے تفاوت ہے

یعنی ہمارا اور ایک پہلے پہلے عرصہ ظاہری سے شرعی ہوتا ہے مثلاً ہماری قوت باہر پہلے
 کسی چیز کا ملک کرتی ہے اور جو صورت جس مشترک میں مستقر ہوتی ہے وہ بعد میں عقل قوت متفکرہ
 تک پہنچتی ہے اور قوت متفکرہ سے قوت عاقلہ تک قوت عاقلہ میں حقائق و معانی کلیہ جو لوازم مادہ
 سے پاک ہوتے ہیں جمع ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ دینی تشبیہ کا اولک میں اس صورت سے ہوتا
 ہے جو کسی شے کی اصلی صورت ہوتی ہے۔ مگر قوت عاقلہ میں اس شے کی حقیقت آتی ہے جس میں منہج کا
 شک طبعی و منہج وغیرہ لوازم مادہ نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس وہ حقائق جو لوازم مادہ سے
 ہوتے ہیں قوت عاقلہ سے قوت متفکرہ اور قوت متفکرہ سے عقل و تدبیر سے صورت مثالیہ مادہ
 میں آتی ہیں۔ گویا پہلی ترتیب نیچے سے اوپر کو ملاتی ہے اور دوسری اوپر سے نیچے کو آتی ہے جس طرح
 عقلمندان کے ضمن سے کوئی شے کی سطح پر ملنے اور کوئی شے کی سطح سے ضمن میں آنے کا فاصلہ ایک
 ہی ہے۔ مگر ترتیب نزول اور صعود کے لحاظ سے تفاوت ظاہر ہے قوت عاقلہ جب اپنے
 سے نیچے قوتی کو کچھ افادہ کرتی ہے۔ تو اسے مثالی صورت میں افادہ کرتی ہے۔ اور جب
 قوتی قوتی سے کسی چیز کو ملتی ہے۔ تو لوازم مادہ سے بالکل مجرود کر کے اخذ کرتی ہے نیچے
 سے اوپر کی طرف صعود اہل حکماء و استدلال کا کام ہے اور اوپر سے نیچے کی طرف انالیہ حقائق کو ان
 کی مثالی صورت میں لاکر دوسروں کو افادہ کرنا ان لوگوں کا فاسد ہے جن کے نفوس قدسیہ کو عالم غیر
 مادی سے بلا واسطہ تعلق ہے *

۱۔ اہل حکماء میں طرح عالم مادی میں سلسلہ موجودات کی ایک ترتیب قائم کرتے ہیں اسی طرح
 عقلی و غیری میں سلسلہ ترتیب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کا آغاز محسوسات خارجیہ سے ہوتا ہے
 اور اس کا خاتمہ قوت عقل پر۔ ان کا خیال ہے کہ جو لوگ نفوس قدسیہ کے مالک ہیں انہیں عالم
 غیر مادی سے بلا واسطہ اتصال ہوتا ہے۔ اس اتصال سے وہ حقائق کو اخذ کرتے ہیں وہی
 حقائق جملہ اہل عقل و تدبیر کی ایک پہنچ جاتے ہیں ان میں لوازم ہادیات آتے چلے جاتے ہیں اور
 ہر ایک حقائق کا افادہ دوسروں تک اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مادی مثالی صورت

ہیں۔ میں اس لئے بعض اوقات وہ حقائق کو افسار کی صورت میں سنتے ہیں اور بعض اوقات کسی
 شخص کی صورت میں دیکھتے ہیں جو ان سے مکالمہ ہوتا ہے اور سننے والے یا دیکھنے والے کو
 یقین ہوتا ہے۔ کہ اس کو عالم غیر مادی سے ان کا افادہ ہو رہا ہے۔ ایسے حقائق ماہرین۔ علماء و مدنا
 گزشتہ سے متعلق ہیں یا زمانہ حال یا مستقبل سے یہی وجہ ہے کہ نفوس قدسیہ والے اصحاب اکثر
 امور غیبی کی خبر دیا کرتے ہیں اور جب یہ لوگ غیر کو ان حقائق کا افادہ کرتے ہیں تو غیر کی غایت
 کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ اور اسی قابلیت کے مطابق بعضوں کو حکیم و الناس علی قدر عقولہ
 فیضان پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ بصورت دیگر بعضہ وہی مثال ہوگی جیسے نئے شیر خوب تپے کو جو سوا
 دودھ کے کچھ کھانا نہیں سیکھا کوئی تغیر غذا کھلا دینی جائے اور وہ پیار ہو جائے بلکہ بسا
 اوقات اس کے مر جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر ایک زمانہ گزرنے پر وہ خود بخود ایسی غذا کا عادی ہو جاتا
 (۱) انھوں نے نفس نامقہ انسانی کا اتصال عالم غیر مادی سے اس طرح پر ثابت کیا ہے کہ
 ہم عالم کائنات میں ایک سلسلہ دیکھتے ہیں جو اصول تشابہ پر قائم ہے یعنی اشیائے عالم کو اس
 طرح پر قدر اند کریم نے ترتیب دیا ہے کہ جو اشیاء اوپر سے خوں میں شریک ہیں وہ ترتیب
 میں متصل رکھی گئی ہیں مثلاً جادوی اشیاء کا اعلیٰ درجہ نباتی اشیاء کے پتے و روہ سے اور انسان
 کا اعلیٰ درجہ حقائق غیر مادیہ یا ملائکہ سے متصل ہے اور جس طرح بیضا اشیاء مادیہ ایک حقیقت
 سے دوسری حقیقت کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں مثلاً پانی بھل ہوا منقلب ہو جاتا ہے۔ اور
 علیٰ ہذا باقی عناصر میں بھی کون دھواں بدستور جادوی ہے۔ اسی طرح نفس نامقہ انسانی جو حقیقت
 ملائکہ کی طرف منتقل ہو جائیگی استعداد و وجہیت رکھی ہوئی ہے۔ اسی انقلاب سے وہ
 ان حقائق کو محال کرتا ہے جن کا بواسطہ خوں سے نہ تھا ہر ہی اور اک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو اس
 تھا ہر ہی صورت مادی اشیاء یا ان کے متعلقہ امور کا اور اک کر سکتے ہیں مگر یہ نفس انسانی
 بصورت ملائکہ منتقل ہو جاتا ہے تو اس وقت محض اور اک و تعلق بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت
 میں وہ لوازم جانی سے جو اور اک خاص سے مانع ہوتے ہیں بالکل پاک و صاف ہوتا ہے۔

ہر حال صرف نفوس قدسیہ سے مخصوص ہے اس حالت میں نفس کو بغیر وسالت اور اس نفس کے ہر ایک ہوتے۔ اور بعض اوقات اس کو عالم اعلیٰ یعنی عالم خاک کے اعلیٰ افعیٰ یا بلہ ترین و جہنگ ترقی ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس پر تمام حقائق کا انکشاف کلی طور پر ہو جاتا ہے اس حقائق کو جب مدار جسمانی کی طرف رجوع کرتا ہے تو مثالی صوریوں میں جو ان حقائق سے مناسبت یا شناخت رکھتی ہیں ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ حقائق اپنی اصلی کیفیات میں انہوں کی جاسکتی ہیں۔ پھر حال کھانے کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ نفس انسانی کو عالم غیر باہمی سے تعلق پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اس معارف و حقائق کو حاصل کرتا ہے جن کے اور ایک کے لئے جس کام میں نہیں کر سکتے کیونکہ جو اس صورت و احوال تک محدود کر سکتے ہیں۔

و حقیقت جس شخص نے تعلیم انبیاء میں پورا پورا غور کیا ہو اس پر واضح ہو جائیگا کہ صلوات کریم کی حکمت کا اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت اہل دنیا کو اس طرح معلوم و معاش کی تعلیم دے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو انسان دیگر حیوانات سے زیادہ فیضیلت کا مالک نہیں تھا۔ لہذا العلم و صارا لانس کا لبعاء سمیٹا۔ وہ اس کی یہ ہے کہ دیگر علوم و فنون جسمانی آسائش اور تربیت اور انتظام کیلئے ہیں۔ جن سے انسان معرفت ذات ہادی کے متبادل تک ترقی نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا طور میں کھانا گیا ہے۔ کہ نفس انسانی کو عالم خاک سے اسی طرح اتصال حاصل ہے جس طرح محسوسات میں ایک کرہ عنصر دوسرے کرہ عنصر سے ملا ہوا ہے۔ اور اسباب مناسبت پر محبت ایک عنصر دوسرے عنصر کی طرف متغلب ہو جاتا ہے مگر انقلاب مذکورہ جہاں موصود و متغیر کے متفاوت ہے۔ بعض نفوس کو بدرجہ قایت موصود ہوتا ہے اور بعض کو اس سے نیچے جب تک اور بعض دیگر کو اس سے بھی کم علیٰ ہذا القیاس۔ بہر صورت اس انقلاب کو ممکن نہ تعلیم کیلئے۔ علامہ ابن خلدون نے اس مقام پر حسب ذیل لکھا ہے:-

سے اگر علم معرفت ذات نہ پائی دہی اہل دنیا کو دنیا تو اہل دنیا پر پانے کے جاتے۔ ۱۰۰

انبیاء کا کردہ فطرتاً ایسا ہوتا ہے کہ ان میں بشریت سے ملکیت کی فطرت منقلب ہونے کا فہم
موجود ہوتا ہے وہ ایک نکتہ کی آن کیلئے ملک کی حیثیت کو روحانیت کے افقِ اعلیٰ میں پھینک کر چل کر سیتے
ہیں اور کلامِ انسانی اور خطابِ الہی کو سنتے ہیں اسی حالت کا نام حالتِ لوحی ہے۔ خدا نے ان لوگوں
کو شروع پیدائش ہی میں ایسا پیدا کیا ہوتا ہے کہ لازمِ ہدایت جو انسان کو جوہِ قلوب بہانِ گمیر سے
بچائے ہیں۔ انہیں ملکیت کی فطرت منقلب ہونے سے مانع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی فطرت سے
اعتدال و متعاضات و رغبتِ عبادت وغیرہ جو لازمِ ملائکہ ہیں لازم ہوتے ہیں اور اسی اعتدال
و متعاضات کی وجہ سے ان کے نفوسِ قدسیہ کا میلان حقیقتِ ملکیت کی طرف ہوتا ہے۔
یہ حالت کسی نہیں اور نہ محنت اور کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بل قالک فضل اللہ
یومئذ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اب پھر کہتا ہوں۔ کہ اکثر اہل فسق نے حقیقتِ نبوت کو کلمہ
فحری سے تعبیر کیا ہے۔ گو یہ خیال قدیم ہے پھر آج کے کیونکہ مسائلِ قدسِ شیخ بودی مینا میں اس کی
تشریح بخوبی کی گئی ہے۔ اور اسی مقام پر شیخ نے حقیقتِ ملکیت پر بھی بحث کی ہے جس میں
اس نے واضح الفاظ میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ کہ فطرتِ بشریت میں قوی کو ملائکہ کے
نام سے تعبیر کر دیا گئے ہیں اور نبوت کو کلمہ استغاثہ لکھا ہے اور صرف شیخ ہی نہیں بلکہ
دیگر اہل فلسفہ بھی جنہوں نے یونانی لافزہوں کی کاسہ سیسی کی ہے ایسا ہی کہتے ہیں اور علیت
نما میں سید احمد خان صاحب بالعمدہ نے اس خیال کو خواہ بہ تعلید فلاسفہ یونان خواہ بالعمدہ
المحللین یورپ اپنی مختلف تقریرات میں مشاع کیا ہے۔ مگر مجھے سخت تعجب ہے سید صاحب
کے اس قول پر کہ وہ اپنے رسالہ تحریر فی اصول تفسیر میں اس امر کے مدعی ہیں کہ یہ ملک
صرف نہیں کا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقام پر اپنا یہ شعر بھی نقل کیا ہے کہ
زنجیریں ہیں قروں پہ پیلا سے نمیِ خواہم۔ ہمہ گشتاؤں شوقِ مستِ قرآن کہ من و ارم
جس شخص کو سید صاحب کے مذکورہ بالا قول کا مانع معلوم کرتا ہے اسے لازم ہے کہ

۵۔ مسائل شیخ رئیس اور مسائل اقوان الصفا کا مطالعہ کرے۔ یہ وہی خیال ہے جو دیگر بہت سے امور کا انکار اپنے اندر بنے ہوئے ہے۔ کیونکہ اگر نبوت کو کلمہ فطری تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر مانگا اور معجزات اور مشرطہ عالمی وغیرہ امور کی ان حقیقتوں سے انکار کرنا لازم ہو جاتا ہے جبکہ پورے انصوص آیات و احادیث آج تک ابھور علماء اہلسنت و خلف تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اسی فرض کو پیش رفت کے لئے نیک صاحب نے اس خیال کو کتب خلافت سے اخذ کیا۔ اور اسے نعتیت سمجھ کر تمام مستندات صحیحہ کی مخالفت شروع کی ۴

اہل اسلام اور اہل عدنان خلافت کے درمیان اس مسئلہ کی حقیقت کا اختلاف کیا ہے بہر حال خلافت قریش تک محدود رہتے ہیں کہ بعض نفوس انسانہ فطر تالیفے پاکیزہ اور طبیعت ہوتے ہیں کہ ان میں دیگر نفوس کی نسبت بہت ہی خصوصیات ہوتی ہیں جس طرح ایک ہی قسم کی مٹیا دشیا۔ کن کہ مادہ تو ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر خصوصیات میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اور اسی فطری کمال پر انبیاء علیہم السلام حکمت و دانش کا بیج پوتے ہیں۔ اور کوئی چیز خارج سے بن کے نفس پر القادریں کی جاتی بلکہ وہ اندہ ہی سے پیدا ہو کر بعض اوقات غلابی کے دل پر منتقل ہوتی ہے جن کو وہ دوسروں تک پہنچاتا ہے اور یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ قریش بہکل انسان متشکل ہو کر جناب پیغمبر علیہ السلام کو وحی سنانا مقایس کی نسبت سید صاحب بتقلید دہرانت لیرپ یہ کہتے ہیں۔ کہ بعض قوت داس کے غلبہ کا اثر ہے مثلاً وہب کوئی خیال کسی نفس پر غالب آ جاتا ہے تو اسی کی صورت زمین کے ساتھ متشکل ہو کر آسمان پر ہوتی ہے اس حالت کو وہ ایک دیوانہ کی ہی حالت سے قیاس کرتے ہیں جو مضبوط الواس ہوتا ہے۔ خیر یہ تو ملاحظہ

ملے۔ ایک سے لے کر فرض سے کہ اپنے سہرت کو جس قدر کہ کسی کی غیر شمس کی تقلید میں کسی مسئلہ کو سمجھ جائے تو وہ کوئی عقلی و فطری بات ہے نہ کہ مادہ کا یہ کہ یہ جو احادیث کا لایق استہکارا جاتی ہے۔ کیونکہ وہ عقائد کا فاسدہ و غلطیت کا متعلق نہیں ہے۔ چنانچہ بعض فریض کتب احادیث میں لکھتا ہے کہ اعمال فاسدہ سے انسان کو غور و فی انساب نہیں کا۔ مگر عقائد باطلہ سے وہ صواب دانی میں گرفتار ہو گیا۔ لیکن جو لوگ سہل و سہل سے اس مضمون میں ہو گئے۔ ان کا باوجود استہوار کا واقعی منت و فساد امر ہے۔ ۵

یورپ کے نیا غلامیں جکڑ گئے وہ بچہ محض بوجہ قصب انہوں نے اپنی تعیناتوں میں شائع کیا ہے
مگر جنہوں نے کسی صاحب نے سلطان کو کران کی یہ روسی کر لی اور ادا کا برا لئے محققین پر عجائب
پرستی کا لازم لگایا۔ یا ایک موقع پر بطور منظر آپ کہتے ہیں کہ خدا ایسے عجائب پرستوں سے
بچائے گئے کہ بتائیں کہ خدا آپ سے منکرین سے بچائے گا۔

جمہور و مذہب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبی کی فطرت واقعی تمام انسانی فطرتوں
سے اشرف و الطیف ہوتی ہے جس میں قبول فیضان وحی کی استعداد مضمر ہوتی ہے۔ اس کی
فطرت میں بعد توحید اور عبادت اور اعمال حسنیہ کی مسکنیت بطور وودیت بھی ملتی ہے۔
چنانچہ صاحب فتح الباری شامی ص ۱۰۱ باب بدو الوحی کے ایک مقام پر انبیاء علیہم السلام
بونی کو یہ قول نقل کرتے ہیں۔ ان الله تعالى خلقني خالصا على التوحيد والبصيرة الى الله
الاوثان وذهب له اسباب التبتوة..... اور خداوند کریم نے جناب پیغمبر علیہ السلام کی
فطرت توحید پر پیدا کی اور بت پرستی کو آپ کے دل میں منبوس نہ کیا اور آپ کو نبوت کے
اسباب عطا کئے) مگر کمالات نبوت اور دیگر لوازم جو اس منصب پر طیل سے خاص ہیں بطور
موسبت بھی بعد میں جناب باری سے عطا کئے جاتے ہیں جس طرح خاص سونامی میں اسی
طرح پیدا ہو رہا ہے جس طرح ناقص سونا مگر اس خاص کو سنا ہے اس طرح مہر پر بالکل پاک و صاف کر دیا
جسے اور یہی معنی ہیں۔ آیت۔ وعلّمہ من لدنا کے۔ اس کے معنی نہیں ہیں کہ ہم نے فطرتاً
اس کو یہ کیا ہے کہ وہ بخود اس کے اندر سے بتائیم وہی اسرار و معارف ظاہر ہوتے ہیں کہ نہ
کمال فطری اور حیرت ہے اور کمال وحی نور۔ یہ ایک بجا ہی غلطی ہے جو سید صاحب سے وقوع
میں آئی۔ اور غالباً انہوں نے قرآن مجید کی آیت نور علی نور پر کافی طور پر غور نہیں کیا۔ قال شیخ
الاکبر فی تفسیرہم الامیہ۔ هذا المشرق بالاعتماد من الكمال الحاصل نور متناعتاً۔ اس
نور اصل نور الاستعداد والتمایز المشرق فی الحاصل کا نور متناعتاً۔ اس

لہذا جو یہ بے اشتقاقی ہے اس سے کمال نبوت آپ کو حاصل ہوا ہے اس سے مستلزم فی فطرت توحید ہے

مذہب کو اپنی طرح سے سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اسی پر تمام مشابہت و مماثلت کی بنیاد قائم کی گئی ہے اور اہل
فلسفہ کی افغانیوں پر نہیں جونا چاہئے جو کلام انہی کو توڑ کر دیکر کیا یہی بات پیدا کر لیتے ہیں
میں کہ وہ بات باطل نفس چھوڑ نہیں سکتے۔ آیہ اخرایت من اتخذ الہدٰی حواء کا ترجمہ اس کے
کچھ منہ پر نہیں ہو سکتا۔ کہ کوئی شخص کسی حکم شریعت کو خواہ وہ معتقدات کے متعلق ہو یا عملیات کے
اپنی ہوائے نفس کے مطابق موازنہ کرتا چاہئے۔ اور وہ حقیقت یہ ایک بڑی خطرناک حالت
ہے جو موجب سلب ایمان ہو جاتی ہے اور اس سے بہت کم لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ
کوئی شخص تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اہل بدعت و ہوا میں سے ہے بلکہ وہ دوسروں کو ایسا خیال کرتا
ہے۔ اس لئے ازالہ مرض و شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ حافظ۔

۱۱۔ لفظ وحی لغت میں حسب ذیل معنی میں مستقل ہوا ہے:-

پوشیدہ طور پر کسی کو آگاہ کرنا۔ کہنا۔ بکھا ہوا۔ جیسا کہ کسی بات کا دل میں قائم دینا۔ امر۔ ایلا
الشد۔ تیسرے آواز کا کہنا۔ کوئی چیز میں سے ذریعہ کسی دوسرے شخص کو کسی بات کا پتہ دیا جا
سکے۔ مگر اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی پر شریعت کے نازل کر نیے
لئے تقدس وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور جو کلام اس طرح نازل ہو اس کو بھی وحی ہولیت ہے
یعنی جس کو سنی ہم مقبول استعمال کر لیتے ہیں۔ جو معاملہ عرب میں عام طبع پر عام ہی ہے۔

۱۲۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مختلف طریق سے وحی ہوتی
تھی۔ اور ہر ایک جناب رسول قبول علیہ السلام تمام اقسام وحی کے مورد تھے۔ بعض اقسام
سے وحی کی چھپا لیس صورتیں قائم کی ہیں اور علیحدہ علیحدہ دن میں فرق ظاہر کیا ہے۔ قابل بغیر
عزیز الروایۃ الصالحۃ جنہ من مستتبعہ واسرہا یمن جنہ من البتوۃ سے ماخوذ ہے

۱۔ ہر ایک کی لغت میں مذکور ہے کہ کیا تھا۔ کیا ہوا۔ اور یہ ہے جو ہے۔

۲۔ بعض نے یہ روایت کی ہے کہ تمام ان کے کا یہ تصدیق ہے کہ ایک کو اہل غلط فہمی اس سبب کہ نہیں کرتے کہ
۳۔ بعض نے یہ روایت کی ہے کہ تمام ان کے کا یہ تصدیق ہے کہ ایک کو اہل غلط فہمی اس سبب کہ نہیں کرتے کہ

کچھ جو جس پر مروت حقیقت وحی پر یہاں خیر ما بھٹ کرنا مقصود ہے قبل اس کے کہ وحی کی مشد
 سجدوں کو زیر بحث لایا جائے اس امر کا ظاہر کر دینا ضروری نظر آتا ہے کہ روئے انسان ایک حقیقت
 مجرد و ایلیدہ کا نام ہے جس کو خداوند کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے اپنے اسماء و صفات کا کامل مظہر
 پیدا کیا ہے۔ اور اس بار کی اصلیت سے آگاہ ہونے کے لئے علم نہت کا حاصل کرنا ضروری ہے
 اور بدعا و پابندی کی کثرت کے کسی شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی اور ضروری شرط
 یہ ہے کہ اس شخص کے مستندات بدعات ہو اور اس کی آفتاب سے باطل پاک وصاف ہو۔ چونکہ یہ ہم
 شرط اکثر لوگوں میں مفقود رہی ہے اس لئے وہ علم نہت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ بے
 اوقات قبول حق سے محروم رہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقائق صاف کو علوم
 بصیرت کی ذیل میں لانا چاہتے ہیں اور عقل جنونی کے محدود عمل کو اس قدر وسیع خیال کرتے ہیں کہ
 کسی حقیقت کا بعد اس کی امداد کے تسلیم کرنا عبث خیال کرتے ہیں مگر قبل انہیں کھسا جائیگا
 ہے کہ چراغ عقل بشک انسان کو راہنمائی کا کام دے سکتا ہے مگر صرف اسی وقت جبکہ اندرونی
 کارخانہ اس میں فعالہ جائے۔ ورنہ عقل جنونی محض غلط فہمی قلت ہے۔ اسی ایک عمل تسلیم کی قلت
 سے مسلمانوں میں پیپل فرقت پیدا ہو گئے۔ مستر زنجیرہ وغیرہ سب ایک ہی تسلی کے بات ہیں اور
 سب کے سب گمراہ۔

یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ نبی جیت بشریت کی دوسرے باطل دیگر افراد انسانی کے
 ساتھ شریک ہو رہا ہے یعنی وہ تمام ضروریات بشریت شوا کھاتا پیتا سونا۔ قضائے حاجت
 آرام بحکیمت مرض و صحت وغیرہ امور کا اسی طرح محتاج ہوتا ہے جس طرح دیگر افراد انسانی
 چنانچہ آئیہ ما انانا لہا بشر مشاکہ میں اسی جیت بشریت کو جان کیا گیا ہے۔ بعض غریبوں کو
 میں نے کمالات نبوت اور عرق طوالت کے انکار پر یہی نکتہ پیش کرتے سنا۔ یہ لوگ اتنا سمجھ نہیں
 سمجھتے کہ یہ الفاظ حضور علیہ السلام کے مقام عبودیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کے متصل
 ہی یوحی الہی لکھا ہے جس سے حقیقت نبوت کو علیحدہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ مگر یہ انکار کوئی

نئی بات نہیں خود زمانہ نبوت میں کر گئی گنا کو ملے رہے۔ مافذ الریحل بالکل اطلاع و ایضی
فی الاموات۔ نئی کو دوسری جہت ملکیت کی حاصل ہوتی ہے اولیٰ جہت پر اس کو اعلیٰ سے
اعلیٰ جہت تک ترقی حاصل ہوتی ہے بلکہ حضور علیہ السلام کا اس سے بھی آگے ترقی کرنا
ناہیست رہتا ہے کیونکہ معراج میں آپ کو مقام جبرائیلی سے بھی آگے کی میر کرائی گئی جس کی
کیفیت پر سوائے آپ کی ذات مبارک کے کسی کو بھی اطلاع نہیں یہی وہ باتیں ہیں
جن کی نسبت بار بار لکھا جاتا ہے کہ علوم و سمیرہ والے اس میں بحر و نفا کے کو پہنچ نہیں
پا سکتے

دیں مشہد کہ ادب اچھی است ۶ سخن درم دے تا گفتن بلی است
اس امر کو یاد رکھنا چاہیے کہ تمام قوائے عقلیہ انسان کی جہت بشریت سے متعلق
ہیں اور وہی بنی کی جہت ملکیت سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاں یہ بات غروہ ہے کہ چونکہ
قائے عقل اپنے کمال عقلی کو پہنچ جائیں اور وہی کا حصول فیضان نامکن ہے۔ وجہ اس کی یہ
ہے کہ عقالتی سیدہ مجرہ یعنی امور روحانیہ غیر مادیہ کو جب تک انسانی فطرت کے سامنے اس قالب
میں پیش کیا جائے جس کو محسوسات میں فطرت احساس کرنے کی مادی ہے جب تک تعلیم
دہی کا اضافہ کر تک نہیں کیا جاسکتا جہت بشریت سے بنی اللہ کو تمام عوارض بشریت لازم ہوتے
ہیں بشرین اسی جہت کو مد نظر رکھ کر غما کر دیا کرتے تھے جس طرح موجودہ زمانہ میں فرقہ غیریہ
و جہت ملکیت سے بنی ان تمام کمالات روحانیہ کو حاصل کرنا ہے جو عقلی عقلیہ کے عمل سے
بلا کر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی قوت عقلی سے کیفیات مجرہ اور حقائق بسیطہ کا کچھ بچہ نہیں
لے سکتے۔ ہمارا فرض حقیقت نبوت کی تصدیق کرنے پر صرف ان امور کی اجمالی حقیقت کا اقرار
کرنا ہے کہ جس میں جہت ہادی نہ کریں ہذا ایمان ایک صحیح الاعتقاد اور خاص خود کا ما
دہ ہے جو ان حقائق کے کچھ لینے دینے کا چاہیے مگر حالت مرد و عورت و مذہب و سن و
سلک کے کیا اثر ہے بد جہت عقلی مانتا ہے کہ اس میں ہر ملک ہے۔ ورنہ

و غیر کچھ کام نہیں فرمایتے۔ اور جن لوگوں نے ان امور پر من مبالغہ کیا ہے وہ یا تو انکار میں
 پہنچ گئے ہیں اور یا انہوں نے غلات و اقوال کی حقیقت کو اپنی تسلی کے لئے کچھ اور مجرب یا شیخ اکبر ازہر
 لا حضرت علیہ السلام کی مثالیں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں تو انکے حادثہ و نفسان غائب
 عن موصوہ الہی یعنی تعلیم وحی کے متعلق اپنے تمام قوی کو ساکن بننے و اولیٰ نفس کو مکمل مردود
 ہوتی سے غائب کر کے یہ وقت عمل قوی کا نہیں بلکہ قلب پاک پر وہ وہ فیض الہی کا وقت ہے جس
 امر کی طرف اس سے گئے انکار دیتے ہیں۔ و قد ثبت ما لہما عن صفاتہما لہما فی التوجہ
 کما لہما من حرکت لہما یعنی قلب جو موصوہ وحی ہے صفات نفس سے پاک رکھ کر کچھ بشریت اپنے
 قوی طبع کی رو سے مثالی قبول وحی ہے اور قلب آئینہ ذلت احدیت ہے۔ اس معنی میں کہ
 حدیث قدسی میں لیل ظہر کیا گیا ہے۔ مَا وَ سِعَتِی اَرْضِی وَلَا سَمَآئِی وَلَکِن وَ سِعَتِی قَلْبِی
 جدیدی اللہ عن یعنی میری مخلوقات میں سے آسمان اور زمین با ال وحی میری گناہوں میں
 کہتے۔ البتہ میرے عہد میں قلب میری گناہوں میں رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں
 قلب نبی پر بڑا چنانچہ آیات قرآنیہ سے واضح ہے۔ و نفس پر جس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ
 قوائے طبعیہ کو جن کی بحث علم النفس والے کیا کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے کہ جس میں کچھ عقل فی
 لہما میں دیر پہلے اس نکتہ کو نہیں سمجھا۔ بلکہ وہ قوائے طبعیہ کے عمل کے سوا کسی دوسری حقیقت
 کے مثال نہیں۔ مگر مقدس موصوہ کی رو سے یہ خیال زندہ اور کفر ہے۔ انہوں نے ان کی تعلیم پر
 اس زمانہ کے بعض مسلمان بھی عمل میں گئے۔ اِنَّا لَنَدْعُو اِنَّا لَنَدْعُو اِنَّا لَنَدْعُو

اس دعویٰ کی تصدیق سجدہ و انجم کی آیت اقرار دینے سے کر لیا۔ کیونکہ مخالفین کی ان
 نبوت کا انکار من اپنی ممدوح عقول اور علوم حکیمہ کی بنا پر کرتے تھے اور قوی طبعیہ کے عمل
 میں جب نہیں کوئی ایسی بات جو مافوق اسماۃ ہو اور نظر نہیں آتی تھی تو جھٹ اخبار من منیب

سے بیہوش ہو کر رہی کہ تو جب تک فرشتہ راز پر مستانے زبان کو صحت حرکت دیا کہ جب
 پتھر پریش طبع لفظ ایسا کیا کرتے تھے اور نہ کہ یہ ایسا کرنے سے منع نہ پایا۔

یہاں تک کہ تمامۃ الحجۃ علیہا وانہا الخاصۃ حیث یمكن تصورہ فلا مر الحاصل یہ
 تھا کہ لا محتاج علیہ بالتفی وکالاتبات فی حدیث لا تصورہ فلا خاصۃ حقیقۃ
 اس عبارت سے شکرین وحی کا پورا پورا امتیصال ہو رہا ہے اس لئے جن محبین نے وحی کو
 قوائے دبیہ کے عمل تک محدود کر رکھا نبوت سے تمیز کیا ہے انہوں نے اللہ اور اللہ کے
 رسول پر ایک ایسا پستان باندھا ہے (عہد اکان لخطا) میں کی مثال نہیں •

(۱۲) اھل بیت و اھل بیت۔۔۔ ان میں خدا کے عز و جل نے اپنے بندوں سے
 کلام کرنے کے تین طریق بتائے ہیں (۱) وحی۔ (۲) من واد و احباب (۳) اھل بیت رسول •
 ان الفاظ کی تفسیر میں علمائے اعتقاد کیا ہے مگر ماہر لغتین تفسیر سی سے کہ نقادی
 سے روایت ساقی و اہل ہام مزہ میں جو کلمات نبوت کے لئے بتدائی مرتب ہیں • مثلاً
 ابراہیم علیہ السلام کا خواب۔ اود علقہ واد و احباب (پروہ کے چچے اسے یہ مزہ سے کہ صرت
 ستائی سے لہذا اواز دینے والا نظر نہ آئے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو فاستمع لیا وحو
 کا کلمہ بنوا تھا •

تیسرا طریق ارسال رسول ہے • مثلاً جبرائیل علیہ السلام کا جسنو ربی اللہ تشریف لا کر وہ
 اس طرح مجھ کو ہوا میں طرح و آوی آپس میں باقائل گفتگو کرتے ہیں • یا ایک کہنے والا
 اود ورسائے والا ہو • چنانچہ جبرائیل علیہ السلام کی خدمت میں جبرائیل علیہ السلام وہی کہی گئی
 کی صورت میں تشریف لایا کرتے •

سلوک سکون کیا تو جبرائیل علیہ السلام سے ایسے امر و وحی نکالتے جگرتے ہوئے کہ تم نہ تو کہتے نہ ادا
 کرتے • کہیں ماں کا منہ نہیں ہو سکتا • یہی حال ہے تو اس کے وحی کے ہر لفظ تک پہنچ کر تسلیم کرتے ہو کہ
 خدا کی وصیت تو وحی نام ہو سکتی ہے پس امر و نعت فی ک حقیقت کہ شکر میں ہو • چنانچہ اس کے ہر لفظ فنی
 ثبات کا کلمہ یاد رہا • اود وحی اس کی حقیقت کو اپنی زبانوں کوئی دلیل دے نہیں سکتی • ۲۰ •
 میں خود نہیں کہیں • ہاں اس تیسرے طریق کی کہ کلمہ دلی کو وحی اود ورسائے میں کہ کلمہ کہتے کہتے یہ کہتے
 • دیکھو کہ وہ تسلیم نہیں کرتے • • ۲۰ •

دراخ ہو کہ وہی کالقبہ میں اوقات عام میں اس طرح منتقل کر دیا کرتے ہیں جس پر ہر
طریقہ مذکورہ بالا دلائل جو کہیں چنانچہ آیات قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ مگر چونکہ اس آیت میں
کیفیت اقسام وحی کا پیش کرنا مطلوب تھا اس لئے بعد ترتیب تدبیری کے اس سے اوپر طرقت
تشریح کر کے کیفیت وحی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ہر قسم اقسام مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کیلئے خود
طریقہ مطلوبہ تشریح کا ممکن ہے۔

جب سے اہل یورپ نے مادی دنیا میں اپنا دائرہ علم وسیع کر کے علوم طبیعیات کے شعبے
پر سے اعلیٰ درجہ کے اصول وضع کئے ہیں اور سلسلہ سبب و مسبب کی خدمت پر اپنی تمام توجہ
اور محنت دل کر دی ہے تب سے یوں سمجھنا چاہیے کہ علوم نبوت کی طرف سے ان کی توجہ بالکل
ہٹ گئی اور جہاں ہمارے علوم پہنچے ہر اعم اناس کی طبائع پر ان علوم سے اپنی فوجی
پادری حکومت قائم کر لی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ چونکہ انسان چاروں طرف سے اسی تاثیر
واقعات میں گھرا ہوا ہے اور ہر پادری مشاہدات کے اس کے سامنے کوئی چیز موجود نہیں
اس لئے مادیات کے تاثرات اس کے نفس پر اس قدر اس قدر ڈالتے ہیں کہ وہ ان سے اپنے
سبب کبھی علیحدہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض لوگ مادیات کے تاثرات میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں
کہ حقیقت روح کو بھی انکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لاد مذہب ہو جاتے ہیں کہ ان کو حقیقت
روح کے انکار سے تمام کلمات نبوت اور نشان اہل روحانی کا بیکار ہو جاتا ہے۔ یہ تو غلط ہے۔ کہ
روح اور اس کی علیاتیات جو روحانی لوگوں کو وہ اہل روحانی ہی ایسے ائمہ میں جن کی کیفیت کا ادراک
سکتے ہیں ان ظاہری کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ جس کا ہر اہل ایمان سے جو احکامات ہیں
معاوضے ہیں وہ تو دیگر حیوانات کو بھی حاصل ہیں۔ چنانچہ ہر جانور کافی خواہ ہے اس لئے انسانی
کلمات روحانی کا دائرہ معرفت میں تک محدود نہیں ہوتا چاہے کہ وہ اپنی معاشرت اور حیثیت
میں خدا کی سلسلہ امور پر آگاہ ہو جائے۔ بلکہ حقیقت روح مجردہ کے تسلیم کرنے پر یہ بات
مردہ ہی ہے کہ اس کے کلمات کو دستاویز تسلیم کرے کہ ان کی ہر طرح مادیات محدود ہیں۔ ان

کے متعلق انسانی علم بھی محدود ہے مگر انسانی شعور کسی دوسرے عالم سے تعلق رکھتی ہے جبکہ
عجائبات کو بعد کا اندازہ جو خدا سے تعلق سمیات والارض کسی کو نہیں آتا وَمَا أَفْتَتِیْہُمْ
فَیْسَہُمْ اَلا ظِلْمًا میں نہیں عجائبات کی روش سے انسانی علم کو محدود قرار دیا گیا ہے ہر دین
مساوہ۔ الہام وحی کا مذکور غیر امور اسی عالم کے متعلق امر کا نام ہے جن کی کیفیت کے بعد
محرمیت کا حاصل کرنا ہے ۔

مہربان ہو کر فرمائیے۔
 ہر جن اصل کو عالمِ مادی کی مشق و سیاق کرتے ہیں وہ عالمِ دہانی کے متعلق کینیٹ
 اور ایک چل کرنے کے لئے سیاق و ریش پانگتے۔ اسی ایک اصل عنیک کی غلط فہمی کا نتیجہ
 کہ مزید ہر کے پڑھے گئے لوگ علومِ نبوت کے متعلق امور کا افکار کر دیتے ہیں۔ یہ ایک
 موٹی ٹی بات ہے۔ کہ کسی حقیقت کا ادراک ہمیں ایسی بات ہو سکتا ہے۔ جیکہ ہمارا طریق ادراک
 ہی ہو جس حقیقت کے لئے ہونا چاہیے۔ اس لئے حقیقت حق اور اس کے مطابق
 ادراک کیلئے ہی ہیں طریق ادراک کی تصویر کرنا ضروری ہے۔ سو محققین بالاتفاق اسی امر کو
 تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ وہ طریق ادراک صرف الہام و وحی ہیں۔ اس لئے جو شخص الہام و وحی کا
 کرتا ہے۔ وہ حقیقتِ نبوت کا افکار کرتا ہے۔ اس موقع پر کسی فلسفی کی بات کو مستثنیٰ جو
 حقیقتِ وحی و الہام کی تشویش علمِ نفسیہ کے اصول پر کرنا چاہتا ہے۔ اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتا
 ہے کہ نبوت مگر افسوس کا نام ہے۔

فأما كثرات وإلحاق المعقود في : ليو سديا وثقائے فلسف

فہم کہ اس علم ترجیح بخیر ہند ہے بیشتر عام و اہل علم ہند

اس دلیپ بحث میں ناظرین اس امر کو ہرگز نظر انداز نہ کریں کہ علومِ حقوت کا سمجھنا بدھوں
پانیدی شریعت شدہ ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ علوم معنی ہو کر یہ تصنیف باطن پر مبنی ہیں جو معنی ریاضت
و محاببت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ائمہ کرام کسبِ حیات و محاببت
کی صورت میں بہت جلد فیضانِ آپس حاصل ہوتا ہے اس لئے خود میں نہیں کہ تمام اصحاب

شخصیت کے ہر بندہ کو نرم و مخمضین و لمین میں داخل ہو جائیں یہاں مذلت فضل اللہ
 یسوع من یسوع و خلقہ ذوالفضل العظیم و دینے صادق کی حقیقت سے مادی فلسفی بن کر
 کیسے ہیں ان کے ہاں دیوانے صادق کو فی معیار نہیں جس سے عاقبت دعوات کا دروازہ
 مٹانی شروع ہو گا اور ان کا ہے۔ بلکہ وہ اسے محض انصاف و عظام احوال خوب کے پرانہ
 خیالات کہتے ہیں اور عالمتو خوب کے عروسات اور عالمتو بیداری کے واقعات میں
 کسی قسم کا تعلق نہیں تسلیم کرتے مگر یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جنہیں معنی کے عجائبات
 کا کچھ علم نہیں۔ اس لئے اور یہ وہ خیال کی قلیط ہر ایک پہلو سے بخوبی کی جاسکتی ہے۔
 (۱) تمام آسمانی کتب میں حقیقت دینے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ سب سے بڑھ کر
 مضبوط اور کافی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں سورہ یوسف اور سورہ فتح اور سورہ بنی اسرائیل
 کے آیات اس دعویٰ کی تصدیق کر رہے ہیں۔ امارت صحیح میں جو ہے وہ کیسا حق دینے
 صادق کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ آئینہ سلطو میں اللہ والہ اس کا مفصل
 ذکر کرتے ہیں۔

(۲) ذاتی تجربہ ہر ایک شخص کا کسی امر کے یقین کرنے کیلئے حجت کافی ہے۔ دیوانے
 صادق کا معاملہ بھی اسی قیل سے سمجھنا چاہئے۔ گو اس امر کا یقین دوسرے کے لئے حجت
 نہ ہو مگر کم از کم جو شخص خود ایک کیفیت سے متاثر ہوتا ہے اس کے لئے اس کیفیت کا یقین
 کر لینا ایک امر واقع ہے۔ دیوانے صادق کے متعلق کتب متقدمین میں اس قسم کے قطعی حوالہ
 موجود ہیں۔ کہ ہم کبھی کسی صورت میں ان سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ایسے سلف صالحین
 سے مشغول ہیں جو بلا بیان ہی صداقت کی دلیل قطع ہے خاکسار کو خود اپنی ذات پر اکثر دیوانے
 کا تجربہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہر ایک شخص اپنی ذات سے اس کا ثبوت طلب کر سکتا ہے
 ہاں یہ بات مزید ہے کہ علم حسیہ روحانیہ سوا قاص قاص لوگوں کے کسی کو حاصل نہیں۔
 بلکہ یہی اس فن کے اہم گنہگار ہیں جن کی کتاب تہذیب الرأیا مشہور ہے۔

اسم لکھا گیا ہے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ عجائبات نوع انسانی میں مگر چونکہ ہر وقت ہم نامی ہر شے کے تافیات سے گھرے ہوئے ہیں اس لئے نوع کو قبول حاصل نہیں ہو سکتا۔ جواب کی حالت میں چونکہ اس نچلا اپنے عمل سے عمل ہو جاتے ہیں اس لئے تاویلات کا اثر کچھ کم ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص زیادہ توفیقی اور پابند شریعت ہو تو اس کی تسبیح کو دوسروں کی نسبت زیادہ قبول کر لیتا ہے جس سے اس پر تافیات گذشتہ اور آئندہ کا انکشاف ہونے لگتا ہے مگر مقربین کے امور کا آدمی ہوتا اکثر واقعات کو بہر نظر آتے ہیں۔ نہیں تو کسی مثالی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جس کی تفسیر کوئی صاحب دل آدمی کر سکتا ہے۔ الغرض یہاں سے مالہ کا اندازہ ہم کسی صورت میں نہیں کر سکتے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبوت متعلق ہو چکی مگر بشریات باقی ہیں۔ حسنہ علیہ السلام نے مبشرات سے روایا۔ سالہ مرادلی ہے۔ اور ایک حدیث میں روایاتے سالہ منجلیہ صیالیہ ہیں اور اسے نبوت ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ یہ صورت منکر کے پاس بجز انکار کے کوئی دلیل نہیں ایسے لوگ خود بھی محروم رہتے ہیں۔ اور عام کلام کو بھی محروم سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب المستفیہۃ۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور علیہ السلام کی ابتدائے وحی پیش پہل روایاتے صادق سے ہوئی تھی۔ اور یہ امر بالکل ایک طبی مستند کے مطابق ہے۔ کیونکہ روایاتے صادق کا تمام وحی میں سب سے اونچی درجہ ہے اس لئے حضور علیہ السلام کا بتدریج قبول وحی کیے مستند ہونا بعینہ اسی طرح ہے جس طرح ابتدائے بچہ کو حروف پہلی تعلیم دیا جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسے کمال علمی کا درجہ نصیب ہوتا ہے قبل از نبوت ہی روایاتے صادق سے حضور علیہ السلام کو سزا دی گئی تھی۔ چنانچہ حدیث اہل المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایاتے کی روشنی کی طرح آپ کو نظر آیا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ کے دل میں غور میں مہانت کرتا تھا تو وحی ظہور آئی جس پر آپ نے فارغہ کو اپنے اس مقدمہ کے لئے معنون بجا جزایت ابن اسحاق آپ کی

ہیں غلو ت گزینی کا زمانہ دشمنان شریف کا پورا بیہوش تھا۔ اس غلو ت گزینی کی وجہ سے بالکل اسی قانون کے مطابق ہے کہ کچھ بیعت غلو ت کوئی شخص متعلق و محالہ الہی میں فکر و تدبیر نہیں کر سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ معمولی مسائل علیہ کے حل کہیں علماء و فضلاء عوام الناس کے اعتماد سے بچتے ہیں اور جس قدر عزم و حکمت کی تدبیر ہوئی ہے۔ سب ان لوگوں کی عقل سے بہت نہیں ہے اپنی عمر کا زیادہ حصہ غلو ت نشینی میں گزارا ہے۔ جو لوگ عیشہ موالس علم میں بیٹھنے کے عادی ہیں وہ کبھی محض نہیں ہو سکتے اور غلو ت نشینی پر ان کو توجہ ہی قطع تعلق ہے۔ آیہ۔ و تبتل الیہ قبیلہ کا مفہوم بجز قطع تعلقات کے کیا ہو سکتا ہے جس کا مضر ہی نتیجہ ہے کہ ایسا شخص غیر خدا یعنی ماسوی اللہ کا نقش محبت و کس کا نیال بھی اپنے معمول سے بالکل محو کر دے۔ پس یہی ایک بڑی بات تھی جس کی تفسیر جناب امی عرب علیہ السلام کے وجود مقدس سے خداوند کریم نے وابستہ کی تھی۔ عقل سلیم شہادت دیتی ہے کہ جب تک خود جناب پیغمبر علیہ السلام کی ذات پاک تمام آثار و اثرات سے مبرا نہ ہو جاتی تو ہم وہی جیسا فرزند ہم جس کی نسبت حکیم خلق خود قرآن مجید میں۔ انا متعلق علیک قولا و عملا اتوا فرماتے ہیں۔ آپ کے ذمہ و اللہ تبارک و تعالیٰ چنانچہ الیہ ہی ہوا ہے۔

حکیم ابو علی مسکویہ المتوفی ۴۸۰ھ جو علامہ سہم میں جسے پایہ کے محقق ہیں اپنی کتاب
 الفوز الاصغر میں ایک فصل بعنوان فی الغنائم الصائغ وانہ جنفا من اثبوتہ میں لکھتے ہیں کہ جبرائیل
 کی حالت میں جب کہ اس اپنے اپنے ہم سے رہ چکے ہیں فخر انسانی برابر اپنا مل کر رہتا ہے
 چونکہ اس کے عقل ہو بلکہ پر اسے باہر کی کشش جزیئہ کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے وہ ان
 اشیاء حد کہ کی طرف رجوع کرتا ہے جن کو بحالت بیداری اس نے ادراک کیا ہے۔ اس کے
 اشکال قوت حافظہ میں جمع ہوتے ہیں۔ تب ان شکات کو لیکر مختلف طریق پر نہیں کر کے دیتا
 ہے۔ جس سے عجیب غریب اشکال کا وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ مثلاً ایسی شکل دیکھتا ہے کہ
 جسمانی بناؤں مختلف حیوانات کے اعضائے تیار ہوتی ہو۔ اور جو عالم غلامی میں کہیں ہو جو نہیں دیکھتا
 سہم اس قسم کے خواب کو انصاف احلام میں داخل سمجھا جاتا ہے اور عام انسان کو سہمادی
 حیوانات کے کچھ ادراک نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت پر وہ اسی قسم کی وہی تباہی خواہی دیکھتا
 کہتے ہیں۔ مگر جب غرض انسانی کو حالت خواب میں تجربہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ جوہر عقل کے حد
 رجوع کرتا ہے۔ تو جس قدر اس کو بحالت بیداری محسوسات سے زیادہ قلیل ہوتا ہے۔ اسی قدر
 خواب کی حالت میں خبروات یعنی غیر ادوی اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر بحالت بیداری ہرگز
 فکر و ذکر پر مشغول رہا ہو تو واقعات اپنی اصلی صورت میں نظر آئیں گے۔ یہ واقعات خواہ زمانہ انسانی
 کے متعلق ہوں۔ یا نہ انسان مستقبل کے متعلق بات ایک ہی ہے اور اگر فکر و ذکر میں اسے تیار و مشغول
 نہ رہا ہو تو واقعات کسی مثالی صورت میں دکھائی دینگے۔ جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہی
 خواب میں جنہیں جزو نبوت کہا گیا ہے۔ مگر انہیں علیہم السلام کو بیا اوقات حالت بیداری ہی
 بھی واقعات مانسیہ و مستقبل یعنی اصلی صورت میں نظر آتے ہیں کیونکہ مادی انصافات کے
 تاثرات سے ان کے نفوس قدیمہ بالکل پاک و صاف ہوتے ہیں اور غیر انسانیہ مثلاً ادویا۔ مثلاً
 کو اکثر بحالت خواب ایسے واقعات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی بحالت بیداری بھی تو کثرت
 المرئین رؤیا کا سہم کسی شخص کی روحانی قوت و ضعف پر موقوف ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ اگر

یہ علم کسی شخص کو عمر بھر میں ایک ہی دفنا مساو نصیب ہوا تو اس کے لئے اس امر کی کافی حاجت ہے کہ ہر نے کے بعد آنے والی کیفیات کی تصدیق کر سکے۔ اور اگر وہ اس کی حقیقت میں غور کر کے تصدیق غرض کی طرف رجوع کرے تو وہ سعادت ابدی کا کچھ نہ کچھ حصہ لے لیتا ہے +

امام حجت الاسلام غفرالی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتب اعلیٰ معلوم میں حقیقت روایا پر ایک مہجود بحث لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حقیقت روایا کا بابتناجہر تصدیق و تکرید باطن امر حال ہے و چونکہ تعلقات نفسانہ میں شب و روز غلطی و پیمیاں ہوتے ہیں۔ اس کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتے۔ سچ وہ لکھتے ہیں کہ محال بات قلب کی کوئی متاخر نہیں۔ حقیقت روایا بھی خود نہیں و قائل و حقائق کے ہے جن کا تعلق علوم کا شوق سے ہے نہ علوم ظاہری سے۔ پھر تیسری جلد کے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا التَّحْتَاجُ بِأَيِّ الدَّخْلِ إِلَى عَالَمِ الْكُلُوتِ وَمُطَاعَاةُ اللُّوحِ الْمُحْفُوظِ
فَتَعْلَمُهُ عِلْمًا أَلِيمًا بِالتَّحَلُّلِ مِنْ عِبَابِ الرُّذِيَا وَالطَّلُوعِ الْقَلْبِ فِي التَّوَهُدِ
سَائِيكُونَ فِي السَّكِينِ إِنْ كَانَ فِي الْمَاخِي مِنْ غَيْرِ اقْتِبَاسٍ مِنْ جِهَةٍ
الْحَوَاسِ وَتَلَقُّهُ ذَلَالُ الْعِبَابِ مِنَ الْقُرُونِ كَمَا كَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَقَلَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سَبَقَ الْمَعْرِفُونَ قَبْلَ مَنْ هَمَّ بِأَرْسُولِ اللَّهِ
قَالَ الْمُتَنَبِّهُونَ بِذِكْرِ اللَّهِ ... الخ۔

(ترجمہ) مگر قلب کے عالم کو نہ اور لوح محفوظ ثانی کی طرف رجوع کرنے کی حقیقت کا معاملہ
ایک ایسا امر ہے جس کا تجربے یعنی علم اس وقت حاصل ہوگا جبکہ تو حقیقت روایا اور قلب کے ان
ذہانت ماشیہ اور متبدل پر مطلع ہو سکی کہ حقیقت میں خود و غرض کر سچ کے اور اس میں خود
ظہری کو کچھ غلط نہیں لکھا اس خود و غرض کی ثابت مرقع میں شخص کو محال ہو سکتی ہے جو ہمیشہ ایہ
پابندی فراموش و کشتن اور کرکشی میں مصروف رہتا ہے۔ چنانچہ جناب غیر علیہ السلام فرماتے ہیں
کشمحان تقریب سب سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جیب پوچھا گیا کہ صاحبان تفریق کن لوگ

کو ہم خود تشبیہ قواعد کے رُوسے کسی علمی حقیقت کو حاصل کرتے ہیں۔ اور الہام میں وہ حجاب جو قلب اور کسی حقائق علیہ میں حاصل ہوتا ہے اور خود رفع ہو جاتا ہے۔ یعنی تحفہ و تزکیہ بالحق کے بعد علمی حقائق کے محل کہنے میں کسی نظر و استدلال کی پابندی ضروری نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اہل تقویٰ ریاضت و مجاہدات بطریق سنت کو لازم پیشہ تھے یہی مادہ مختلف قسم کے فروع کی دق گردانی سے بجلی پہلو تھی اختیار کر لیتے ہیں اور اس امر پر بڑا زور دیتے ہیں کہ حجت ظاہر میں انتشار نہ آئے پائے۔ اور وہ سادہ و خشوک کو جو تفکر و استدلال کیساتھ لازم ہوتے ہیں مطلق دخل نہ ہے۔ مگر یہ بات وہاں ذکر کرنا لازم غلو کے ہوا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

پھر ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ علم بذریعہ استدلال اور علم بذریعہ الہام کی مثال لیں کہی چاہیے۔ کہ ہر تمام احکامات اس پنجگانہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور قلب ان احکامات کا جامع ہوتا ہے یعنی اسی طرح جس طرح کہ ایک گڑھے میں مختلف تالیوں کے راستہ سے پانی اگر جمع ہوتا ہے کیونکہ گڑھا یوں سے پانی آنا بند ہو جائے گا گڑھے میں پانی ذریعہ جس ہو سکے گا بکلا آہستہ آہستہ خشک ہو جائیگا۔ لیکن اگر کوئی شخص گڑھے کو اتنا گہرا کھودتا ہے کہ زمین کے اندر سے خود پانی چھٹ نکلتا ہے تو وہ گڑھا ایک ایسا چشمہ بن جاتا ہے۔ جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ بلکہ جوں جوں اس سے پانی نکلو گے اس میں اور پانی آنا جائیگا اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو پانی چشمہ کے اندر سے پھوٹا ہو گا وہ اس جگہ کی نسبت زیادہ سادہ و شفاف ہو گا۔ جو پیر سے اگر گڑھے میں جمع ہوتا ہو۔ سو نظر

سہ و سادہ و خشوک سے بچنے کے لئے قواعد میں جن کی پابندی ایک طالب حق کے لئے ضروری ہے حضرت علیؓ السلام فرماتے ہیں۔ القلب الذی من اشد قلبیا من القدر فی علیا تھا۔ یعنی قلب یا فکار انسانی کے اُبال سے بھی پٹ جانے میں بڑھا ہوا ہے۔ ص ۱۰۸

واستلال کا طریق آئینہ شمس کا ہے جس سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا اور علم جو بقدریہ الہام و وحی
 حاصل ہوا تو قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ ایسی وجہ ہے کہ بقا کبھی عقلی دلیل کے و بحیثیت عقلی تسلیم کیا گیا ہے
 شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی اپنی تفسیر میں آیہ **وَلَقَدْ جَاءَتْ سُرُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبَشَرِ**
 کی ذیل میں کہتے ہیں کہ نفس ہلکا و انسانی جو فطر تائہات لطیف واقع ہوا ہے جب بذریعہ عبادت
 و ریاضت تصنیف و تزکیہ حاصل کر لیتا ہے۔ تو اسے مبادی مجرودہ عالیہ (عالم ملکات) کے ساتھ
 اتصال ہو جاتا ہے۔ پھر حقیقہ امتثال قوی و منفعت ہوتا ہے اسی مناسبت سے خداوند کریم
 ایسے نوجوان علم حقیقہ کے حاملانہ اس پر مکمل دیتا ہے جنہیں دیگر اولاد انسانی نہیں عین سکتے
 اور انہیں یہ قسمت ہوتی ہے کہ کسی طریق سے انہیں حاصل کر سکیں۔ ایسی حالت میں بعض
 اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نفس شریف بدن سے بالکل علیحدہ ہو کر بیرونی محبت یعنی علم
 مہوارات کے تعلق سے منقطع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں وہ مجرود بعض ہوتا ہے۔ اور
 تعلق مادی جو بمنزلہ حجاب کے ہوتا ہے اٹھ جاتا ہے تو اس کے علوم پیغمبر کے حاصل کر چکے
 پانچ طریق ہیں۔ (۱) الہام اور العافی الغلب (۲) ہستاف و اہتاف (۳) سمیعہ مکتوبہ جسکو
 نفس شریف دیکھ کر شہدہ سکتا ہے (۴) اس کی قوت تعقل میں صورت غیبیہ کا منتقل
 ہو کر جس مشترک میں تشل ہو نالہ قوت تعقل میں صورت غیبیہ کا منتقل ہونا اور اس شخص کی
 قوت تعقل کا منتقل ہونے کے مقابل ہو کر اس صورت سے منکس ہو جانا جس طرح کہ دنیا میں ایک
 دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں اور ایک کی صورت کا انکسار دوسرے میں بھی منکس ہو جاتا ہے
 یہ حالت ایسا ہیہ ثواب کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ گویہ واقعہ جیسا کہ ایسے شخص کو

سائنس آفرینا خدا کو کرنا سائنس انسان کو عالم منیر ہو سکتے ہیں اور عالم غامبی کو عالم کبیر الی القدر و بحیثیت تعقل
 کہ عالم منیر عالم کبیر کا پورا انور ہے اور کہہ کہ عالم کبیر میں موجود ہے اس کی شکل عالم منیر میں بھی موجود ہے یہی
 عالم منیر میں قوت تعقل ہے اسی طرح عالم کبیر کی قوت تعقل ہے جس کو تعقل کہہ سکتے ہیں * * *

پیش آتا ہے مگر جس طرح عالم خواب میں حواس ظاہری سے قطع تعلق ہو جاتا ہے اسی طرح متعینہ کل کا
مشابہہ کرتے ہوئے بھی ظاہر الیک گونہ پیشی ظاہری ہو جاتی ہے اور یہ رتیبہ نہایت ہی غلیظ اور شرف
نہیں کیلئے ہے اور ہوا کرتا ہے اسی حالت کو جاپ پیر علیہ السلام کی نسبت مخالفین لکھتے ہیں کہ
ہوا کی پر معمول کیا کرتے ہیں (یعنی ہے) دیوانہ ہو تو ایسا ہی ہو جو دنیا بھر کو فرزند بناھے (جو حقیقت
رفیعتہ صافہ اور اصیہ حالت اس میں) ایک ہی میں حروف میں خواب و بیداری کا فرق ہوتا
ہے۔ چہرے کھینچ کر کسی قوت متعینہ ہر دو حالت خواب و بیداری میں لوازم کی طرف انتقال کر جاتی
ہے یعنی ہر حقیقت علمی کو قبول کرتی ہے اس کو کسی مناسب مثال ایسا میں ملتی ہے پس اس میں
تعمیرات و تہذیب کی حاجت پڑتی ہے۔ اور جب نفس نہایت اعلیٰ مقام تک ترقی کر جاتا ہے۔ اور
ایسے حالت باریا پیش آکر اس کو مضبوط و محکم کر دیتے ہیں یعنی اس کی مدد حاشیت جیسی اعلیٰ طاقت کے
ساتھ مستقل ہو جاتی ہے تو اس میں عالم ہدایات میں انحراف کرنے کی قابلیت آ جاتی ہے۔ جس کا
نتیجہ مجرہ یا کرامت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ الفائدہ ہیں۔

وقد اظهر على تلك النفس المتدربة ملكة الانتقال المتصرفه
فقد امكن توليد العادات والواع الكرامه والاعمال الصالحه

لفظ دون سے منح کا معنی ہو کر عالم مذکور سے انتقال پانا۔ ۱۰۔ ۱۱۔

مستحق بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ حواس طاقت اسانی عالم مذکور کے ساتھ انتقال پیدا کرے جس طرح غلیظ و اعلیٰ ہوا اس
کی وقت انتقال محکم ہو چکی ہو اس سے مولود عادات اور مختلف قسم کی کرامات و عجزت سرزد ہو جس کو چونکہ اس
حالت میں اسے عالم قدرت آتی ہے تاہم یہی ہے اسے امر خرق عادت کا وہ لوگ جو نفس مستقل و وہم کے پڑے
اور صورت کے دیکھنے سے حاضر ہوتے ہیں ان کو دیکھتے ہیں اور وہ لوگ جس کے قلب نہ ہدایت سے روشن
ہو چکے ہوں ان کو گراں سے اور یا فقہاری سے محظوظ کرے عیسوی اور تین سال کر چکے ہوں یا فطری یا کئی اور
انسانی سے پاک ساتھ پیدا ہوئے ہوں اور ہدایت سے غافل ہو کر دنیا و مافیہا کی تعلیم کی تعلیم یا فطری یا کئی اور

القدرۃ صائیکمہ من لا یعلمہ من المصطفین بالمتقول الناقصۃ المشیۃ
 بأوصاف القاصد عن مبیغ الحد و ادوات الحق ولیقبضہ من تور قلبہ
 بنور الہامیۃ و معہم عن تضالۃ الغواۃ استبصارا و ایتقاناً و سلمت
 فطرتہ عن الحجب المظلمۃ الغیوۃ و خلعت عن الجہالۃ و العتوۃ
 لتقید اوایمانا للین قلبہ بالامر دات و قوۃ قبولہ للمقالۃ و ذلک اما
 بتأیید لقسۃ من عالم ملکوت و تقویہا ببیدۃ الاید و القوۃ کما قال
 علی علیہ السلام عند قلعہ باب جبر و اللہ ما قلعت باب خیر بقوۃ
 جبرانیۃ و لکن قلعتہ بقوۃ سلکوتیۃ و بنفس بنور ربہا
 معنیۃ و اما بعد و ساقط من ثلاث النفوس المکوتیۃ و المبادی
 الجبروتیۃ التي انقل ہو بعد کلاعیۃ دعوتہ بالاطاعۃ المملکوت لہ
 یا ذن اللہ تعالیٰ و الامر و التقدير و حکمہ و تخییر +

و ہذا کہل حق کتب کو نرم ہا پکھن ان فوق طاعت و معجزت کو بامانی قبول کیسے ہیں۔ ان فوق
 عبادت و معجزات کی سمیت میں قرار پاتی ہے کہ عالم ملکوت سے ایسے نفس شریف کو امداد ملتی ہے
 کیونکہ عالم خاک کے ساتھ احساں پانے سے ملک کی قوت و طاقت اس میں آجاتی ہے جس طرح آگ
 کے اندر لوہا رکھ دینے سے اس پر کھگ گرم ہو جاتا ہے کہ وہ آگ کا کام دینے لگتا ہے (جیسا کہ امیر المؤمنین
 علی کریم علیہ السلام نے حضور خیر کے وہاں اکھاڑ پیچنے پر فرمایا تھا کہ بعد میں نے قہر کا وہ دہا
 جہاں قوت سے نفس اکھاڑا کہ قوت ملکوت اور اپنے نفس پاک کی طاقت سے جہنم بانی سے دشمن ہو گیا ہے
 اکھاڑ ہے۔ یہ وہ دہا جس لگاؤں تھا کہ نہیں ہا میں انہوں آدمیوں سے بھی ناخاکا ایسے شخص سے
 خوار و عبادت اس طرح پڑا کہ جس قدر ملک کو خلاف کرنا چاہتا تھا وہ اس شخص کے زیر فرمان کر دیتا ہے
 خداوند علیٰ تعصیب ایسے شخص کو کہ جس پر جبر و نفیس طاقت ہوتے یا قوت تعاقب فرماتے ملک مستبد ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں غور کرنے سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ ایک نفس شرعی کیونکر عروہ
 حقیقیہ اور اسود خرق عادت کا منظر قرار پاتا ہے۔ مجھے ان لوگوں کی سمجھ پر سخت تعجب آتا ہے
 جو حکامات و روحانی کا انکار محض اپنے فضل توہیات باطل کی بنا پر مروت اس لیے کر دیتے ہیں کہ
 انہیں کینیات کا فہم علم نہیں ہوتا۔ بل کہ بول بھالہ مدعی طویل و جلیبہ کسی انسان کی عادت
 اور علاج اخروی کا مدار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو جو کسی قسم کے شک و شبہ کے
 قبول کرے کیونکہ یہی ایمان حقیقی کا نشان ہے ورنہ اہل بدعت دھوکا کا کیا ٹھکانہ ہے۔ آج
 ہزاروں قسم کے العادات اور بد اعتقادات میں مغم ہوئے جس کی پیروی کرنے سے پہل ہی ہیں لیکن یہ
 بھی مستقل عادت ہے۔ کلیلک یا سنی کا مسئلہ جب کسی شخص کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ مجبوراً
 اپنی کم فہمی کا یقین کر لیتا ہے اور کسی اپنے سے فضل و اعظم سے دریافت کرتا ہے۔ مگر علوم نبوت
 کے پیچیدہ اور باریک مسائل کی نسبت بلا سوچے سمجھے انکار کر دیتا ہے۔ اسے سہان لاش
 کیا یہ بھی کوئی سہان مٹی کا نمائش ہے جس پر ہر کس و نا کس قبضہ اڑانے لگے۔ صاحبو یہ تو حقائق
 ہیں جن پر حقائق علوم و انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی غیر کو دسترس نہیں ہوتی خدا کے لئے کیوں
 ویرانہ تعمیر کی جاتی ہیں اور ایمان سے محروم نہ کر اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو؟ تم میں سے
 کیوں حق و باطل کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آج تک کسی ماذہب غیر حق اور بدعت آدمی کو بھی ایمانی
 مقامات علیہ اور معارف حقیقیہ کا پائنے والا کسی نے دیکھا؟ سننا ہے یہ لوگ فاعل مود
 اور متابع ہوتے ہیں۔ ابھی دور و وجہت الہی کی کو تک و ن کے بنیاد غیر و موقوف میں نہیں
 پہنچتی۔ مولانا کہاں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے عاشق اور ولدا و
 زید گوان وین جن کے سینے نور معرفت و یقین سے فیضان الہی کا سرچشمہ بن گئے ہوتے ہیں
 اسی ایک عالم مہر کو اپنے فیض قربیت سے طلق مقربان بارگاہ الہی میں جا بٹھاتے ہیں انھیں

وہ ناپاک و پلید شخص و نبیث دل جو فطرتِ حق کے توہمات بالملل اور اعتقاداتِ ناسدہ سے انکار
والہاد کی جھلک بیلید میں گرفتار ہوتے ہیں۔

پس تفاوتِ راہ از کہا مست تا یکسا

الہام کے متعلق اس مرقطی کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بغیر نبی مبعوث من اللہ کے کسی شخص
کا الہام قابلِ محبت نہیں ہو سکتا یعنی اس کا ماننا کسی پر شرعی احکام کی رُوء سے لازم نہیں آتا۔
کیونکہ اللہ کو سے عقائد اسلام صرف نبی ہی معصوم و نواب ہے یعنی صرف نبی کا الہام خطا سے پاک
ہوتا ہے۔ کسی غیر کا خواہ وہ ولایت سے کسی درجہ تک پہنچ گیا ہو۔ البتہ یہ بات ضرور قابلِ ملاحظہ
ہے کہ غیر نبی کا الہام بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شخص واقعی صاحبِ الہام ہے صرف اس
سورت میں قابلِ تسلیم ہوتا ہے۔ جبکہ کسی استغاد یا مکمل شرعی کے خلاف نہ ہو مگر اس سورت میں
بسی اس کا ماننا شرعی فرما نہیں۔ اور اسی لئے وہ غیر کے حق میں عبت نہیں ہو سکتا۔ حضرت مجدد
الملت ثانی علیہ الرحمۃ نے مختلف مواقع پر اس امر کی بحدت کی ہے کہ اگر کسی مقام پر کسی ولی کا
الہام ظاہر احکام شرعی کے خلاف ہو تو فتویٰ ظاہر شریعت کا تسلیم ہو گا۔ کیونکہ احکام شرعیہ
کتابِ سنت سے قطعی ثابت ہو چکے ہیں۔ اور الہام درجہ ظن سے کبھی باہر نہیں جاسکتا۔
اس لئے بعض ممن کی پیروی میں نفس کتاب و سنت کو بھی متروک نہیں کیا جائیگا۔ صرف مجدد
مصاب ہی نے یہ تصریح نہیں کی بلکہ نام بھٹ بٹ سے اکابر کشت و الہام اس اصلیت پر عمل
پسے ہیں۔ چنانچہ ایک قول مشہور یہ ہے۔

کشفی کہ مخالفتِ شریعت است مایاں کشف کنش میرتم و این تیر الہام با الہام مسید انجیم۔
اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ محض کسی شخص کے دعویٰ کشف : الہام پر ہر مسئلہ
نکالے کیونکہ ایمان عزائم تک امر ہے۔

نظر میں اس امر کو ہرگز نظر انداز نہ کریں۔ بلکہ غلط دعوئی قرآن مجید میں شدتِ طور پر اہتمام
کیا گیا ہے۔ مثلاً کسی چیز کے اپنی فطرت کے مطابق عمل کرنے کو بھی قرآن مجید میں لفظ دعوئی

کے ساتھ تفسیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ شہد کی کسی کی نسبت خداوند کریم نے وحی کا لفظ ارشاد فرمایا حدیث قال والحق دلیک الی الخ یعنی میرے رب نے شہد کی کسی کو وحی کی۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں اختلافی سے متعلق فطرت پر عمل کرنا مقصود ہے۔ اور اگر فرشتہ مراد لیا جائے تو آیت فالدہ برات لعل کے ذیل میں لفظ وحی کو کہہ سکتے ہیں اور اس میں کوئی قباحہ لازم نہیں آتی بلکہ یہ معنی قوی معلوم ہوتا ہے۔ وحی یعنی فرشتہ کا اقبیاء علیہم السلام کے پاس آنا آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ لہذا ان میں تاویل کرنا تحریف قرآن ہے۔ گو فرشتہ کے فعل انسانی میں آنیکے اسباب دریافت کرنے کے لئے ہمارا تجربہ و مشاہدہ یا وحی سے گزرتا ہے کہ ہم اس مذہب میں قبول کرتے ہیں۔ اس مذہب کو حجت مطلق قرار دیتے ہیں اور تاویل کرنے والے کو خدا کے حوالے کرتے ہیں۔ ہر چہ ہمارا ایسا لکھنا ایک عقیدہ غلطی مغربی مزاج کی تسکین کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم مستندات کے بارے میں شخصی تقلید کو جو جب اصول اسلام ممنوع قرار دیتے ہیں اس لئے ایک مسلمان تقلید کنندہ کے مقابلہ پر ہم نہایت آسانی سے جہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ اور صحابہ اور تابعین کے اقوال ہم سے وحی کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ مخالفت کے دعویٰ کو مستلزم صاحب نے اس وجود کو ملکہ کا جو زون شلاش کے حیرت انگیز علم ہے۔ شمار کیا ہے۔ لیکن بعض جو تقدیر یہ بھی مکتا ہے کہ ہم کسی ایسی موجودات کا انکار نہیں کر سکتے جو سوا خداوند مگر چونکہ پاس کوئی دلیل نہیں اس لئے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ ان کی شخصی رائے ہے۔ پس ہم بمقابلہ جمیع علماء اہل سنت ان کے اس قول کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔ مگر وجود

ملکہ کے وجود سے بعض لوگوں نے انکار کیا ہے اور یہاں ملکہ کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے۔
 ان کے طبیعہ مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ وجود ملکہ کی بحث اس مقدمہ پر خارج از مطلب ہے اس لئے
 مذہب اہل اسلام کے مطابق ہم وجود ملکہ کو اپنے عقول میں تسلیم کرتے ہیں۔ ۱۷۰

دیکھوں من الذنوبین سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ قلب اوچتر ہے اور صریح الامین اور۔
 اگر روح امین کو نبوت کے فطری سے تعبیر کیا جائے تو یہ غلطی لاۓ گی کہ ایک فصیح معنی حکیم کے
 لغوی کلمات جو اپنے طبی ملک کے اندر سے دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے وہی کلام
 الہی کہلائے چنانچہ کئی ایک کتابوں میں علماء ملت کے نہایت قیمتی اقوال موجود ہیں اور ان
 میں اکثر عین قرآن مجید کی تفسیر کے مطابق بھی ہیں اور خوشی یہ کہ ہم انہیں کلام الہی
 نہیں سمجھتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کلام الہی اور حکماء کے کلمات علیہیں بایا امتیاز ظاہر کرے غالباً
 علیٰ مناسبت و وجہ امتیاز قرار نہیں دیا کیونکہ اس دعویٰ کا معنی مناسبت وجہ
 کو وہ عبارت تسلیم نہیں کرتا پس جس صورت میں تعظیم و تقدیر مشتمل ہو نا ماہ الامتیاز ہے تو کلمات حکماء
 بھی تعظیم و تقدیر پر مشتمل ہیں۔ اس لئے جو کلمات حکماء ایسے ہونگے۔ جنہیں بھی کلام الہی ماننا پڑے گا یہ
 ایسا اعتراض ہے جس کے جواب وہ فرقہ خیر کے لوگ ہیں۔ دوسرے موقع پر قرآن شریف
 میں یہ قول وارد ہے۔ فانه نزلہ علی قلبی بالذات اللہ یعنی جبرائیل نے میرے قلب پر
 اللہ کے ارادہ سے نازل کیا ہے۔ لکن جبرائیل نبوت کی قوت فطری کا نام ہے اور کوئی ایسی
 شے نہیں جو اللہ اس کے رسول کے درمیان واسطہ ہو جیسا کہ یہوذا اللہ اسلام یعنی صحابہ اور
 مومنین اور حج و عمرہ اور غیر فقہاء و محدثین اور معمرین اور متکلمین تسلیم کرتے ہیں تو یہ عقائد ان
 کی عقیدہ لگانے کا کیا فائدہ ہے کیونکہ یہ وجہ عقائد اہل اسلام تمام امور اللہ ہی کے علم و ارادہ
 یا فن سے ہوتے ہیں۔ اس لئے لامحالہ ہر ایک ایسا کلام جو اخلاق و حکمت پر مشتمل ہوگا۔ بموجب

اسے جبرائیل نے قریب قلب پر قرآن شریف کو نازل کیا تاکہ وہ خدایا الہی سے ملے۔ ۱۲۔ اللہ
 کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ قرآن میں کیسے ہے جو شخص وہ مانی امر میں کا طیب ہوتا ہے۔ اور جس میں الخلق
 انسانی کی تعلیم و تربیت کا کام مقتضی اس کی فطرت کے تھا اسے نہایت ہوتا ہے۔ وہ یہ تبصرہ
 کہ ہوتا ہے۔ ۱۳۔

تقریب نبوت کے ہر سید صاحب نے کی ہے کلام آتی میں نکل ہونا چاہیے کیونکہ ایسا کلام ہی
 مکمل فطری سے حسب اللہ و حکم الہی کہنے والے کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر وجہ امتیاز کیا
 ہے۔ مگر ایک اور قباحت یہ بھی تقریب سید صاحب کے لازم آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب
 وحی ایک قوت فطریہ کا نام ہے تو وہ انجمن میں جو الفاظ صلحہ شدید القویٰ ذمہ دہ
 وحی صلا کے حق میں وارد ہوئے ہیں کیا سنے سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر نہ وحی ایک قوت ہے
 تو قوت کی تقریب میں یہ کہنا کہ بڑی قوتوں والی ہے ایک ایسی لغو بات ہے جس کو ایک کلی
 نہیں وصل کا آدمی بھی جائز نہیں کہتا۔ کیونکہ مکمل نفس الہی کی ایک کیفیت اس کا نام ہے تو
 گویا مٹے ہوئے کلمہ نفس کی کیفیت اس میں بڑی بڑی مضبوط کیفیات راستہ موجود ہیں۔ مگر
 میں اس کلام کے کوئی معنی صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ حالہ ہوں کہ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو
 باس بار کسی امر کی مشق کرنے سے کلمہ ہوتی ہے جس طرح نماز کی عادت کیونکہ ایک مدت تک
 اس کی پابندی کرنے سے انسان اس کے انکار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک ایسا امر جو
 سے اعتقاد کیا جاتا ہے تب یہ طبیعت ثانیہ میں ہوتا ہے مگر نبوت کو ایک مکمل کہا جاتے تو اس
 مطلب سے ہو گا کہ غیر علیہ السلام بند یہ شوق اور کثرت مزاحمت کے آہستہ آہستہ نبی بن گئے تھے
 مگر اس خیال کے ابطال میں سب سے بڑی نزہت اور قاطع حجت آیت ذیل ہے۔
 انہ لقلول رسول کریمہ ذی قوۃ عند ذی العرش سیکون مطلع شہرامین و ما
 صاحبہم یحییون و لقلولہ بالامین المسیت

سے مکمل اس کو پختہ کرنا مضبوط قوت والے صاحب ملکیت ہے۔

۱۔ ایک یہ قرآن ہائے ملک پہنچانے والے معزز۔ صاحب قدرت۔ صاحب رہنمائی۔ مطلق الامتداد
 قوت ہے اور تمام صاحب مینی پیغمبر علیہ السلام میں ہیں۔ اور قسم ہے کہ ان میں سے ایک صاحب
 خدا کے پیغام رسال کو حق میں ہی۔ ۱۰۰ من +

آیت کے مفہوم کے خلاف کی پوری پوری تفسیل کر رہے ہیں کہ مکہ فخری کے لئے
مکات مذکورہ بالا کسی طرح بیان نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہو سکتے ہیں تو کوئی صاحب کرم و کمال نہیں
پیدا ہوا کہ رسول کریم اور صاحب فوت وغیرہ کہنا تو یہاں تک قدرت فخری اور فضل کریم اور صاحب
وقت کہنے کا مطلب میرے ذہن میں تو کچھ نہیں آتا۔

سید صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا نازل ہونا بھنا بھننا (حصہ حصہ کر کے) بڑی دلیل
اس بات کی ہے کہ وہ متشناہ اپنی قدرت کے نازل ہوا سید صاحب نے اپنے خیال میں لکھا ہے
کہ اپنے دعویٰ کا ثبوت کروانا ہے۔ مگر ایک شخص جو قواعد لغو و استدلال سے واقف ہے۔ بخوبی
جانتا ہے کہ ان کی دلیل کس قدر کمزور اور بے فائدہ ہے کہ سید صاحب نے مسند وحی کی تحقیق میں
فطرت انسانی اور فطرت نبوت و لفظ استعمال کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر مذکورہ بالا دلیل میں
فطرت سے فطرت انسانی مراد ہیں تو چونکہ فطرت انسانی تمام انسانوں کی ایک ہی ہے۔ اس لئے
سب کا نبی ہونا ضروری ہے اور یہ باطل ہے اس لئے فطرت فطرت سے سید صاحب نے
فطرت نبوت ہی مراد لی ہے۔ مگر اس صورت میں یہ خلاف لازم آتی ہے کہ اگر فطرت نبوت کے
مطابق قرآن مجید بنا کر نازل ہوا ہے تو چونکہ فطرت نبوت تمام انبیاء علیہم السلام کی ایک ہی
ہے۔ اس لئے سب انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں و وعدے و احادیث نازل ہوئیں وہ بالکل مکات
فطرت نبوت قرار پائیں گے۔ اور اس لئے ان پر ایمان لانا بھی واجب نہ ہوا۔ حالانکہ قرآن مجید علیہما
کتب سابقہ پر ایمان لانے کو واجب سمجھا رہا ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی ایک ہی آیت پر یہ بھی
ایمان لانا واجب نہ ہو گا جس میں کتب انبیاء پر ایمان لانا واجب قرار پایا ہے۔ اور قرآن مجید کی ایسی
آیات پر نہ ایمان لانا لوگوں میں بعض و بعض کا مصداق سمجھا گیا۔ یا یوں کہو کہ قرآن مجید
کی تکذیب لازم آتی ہے ایمان انہم کہ کیا مقبول دلیل ہے جس کا نتیجہ کہاں سے کہاں تک متنازع
مناہ ہے۔

نہ عشق نیست و سر تو ۛ رو کہ تو مست آید انگوری

پھر سید صاحب کہتے ہیں کہ ہم بوقت ثنائے فطرت انسانیت یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام ملکات
اشقی کسی حرکت یا کسی امر کے پیش آتے پر اپنا کام کرتے ہیں یا کسی طرح پر ملکہ نبوت بھی جب ہی
اپنا کام کرتا ہے جیسے کوئی امر پیش آتا ہے ۔

معلوم نہیں کہ سید صاحب ملکہ کے کیا منہ کہتے ہیں۔ اگر ملکہ سے قنایت مراد ہے تو عمل از نبوت
وہ ملکہ کہاں تھا۔ حالانکہ سید صاحب نے خود ہی لکھا ہے۔ النبی نبی ولو کلن فی بطن امہ۔

(نبی ماں کے پیٹ ہی میں نبی ہوتا ہے) مع ہذا۔ قنایت کو ملکہ نہیں بولا جاتا۔ اور اگر یوں کہو کہ
قبل از نبوت وہ ملکہ خارج طور پر موجود نہیں تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ ملکہ کو کیفیت اس قدر کا نام ہے
پھر ملکہ نبوت کا عقد نہ ہو بلکہ قنایت کہو اور مع قنایت کو کوئی شے نہیں۔ کیونکہ ایک ناخواندہ
باب میں یہ بھی کہنے پر مجبور تھے کہ قنایت موجود ہے۔ مگر وہ فی الحقیقت کلمہ پڑھ نہیں سکتا۔ اس لئے

قبل از نبوت لفظ ملکہ کا استعمال کس قدر عجیب و غریب ہے اور کسی امر کے پیش آنے پر ملکہ نبوت
اپنا کام کرنا بالکل بے معنی بات ہے۔ کیونکہ کوئی ایک موقع پر جناب پیغمبر خدا کو زویل وحی کی حد
سے زیادہ آندہ رہی۔ مگر وحی اتل نہ ہوئی۔ مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں کے باب میں کوئی دن تک
وحی کا استعمال فرمایا تفسیر افاب (واقفہ جناب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا) کے باب میں

کئی دنوں انتظار ہوا۔ اور تھوڑے قبلہ کے متعلق دلوں آپ سے تکرر ہے۔ ہر سہ والہ مشہور
واقفیت طبع۔ قصہ اصحاب کہنت۔ قصہ ذوالقرنین کے متعلق کوئی طعن آپ وحی کے مستند
ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر نبوت مثل دیگر ملکات کے ہوئی تو بالضرورت بروقت اس کا نام کے اپنا کام
کرتی۔ دیکھئے جس شخص میں کہنے کا ملکہ تڑا ہے۔ مجھو اور اوہ کتابت وہ ملکہ کام دیتا ہے۔ اس سے

یہ مثال بیکار قابلِ وقعت نہیں کہ نبوت ایک ملکہ فطری کا نام ہے۔ بلکہ امر وحی ہے۔ اور یہی تمام
امر و مام کا مذہب صحیح ہے۔ الغرض ناگوار سے سید صاحب کے مسلک حقیقی وحی میں حقیقتہً
کیا اس کو قابلِ اتما نہیں پایا۔ چونکہ بحث وحی والہام کی شروع تھی اس لئے منہ سید صاحب
کی تفسیر پر مجبور ہونا مجھے نکر کرتا چوسی تاکہ بعض اصحاب جو سید صاحب کی تفسیر کو ملا کر کرکے جہل

نیند کریں نہیں وہ بات نہ تفریق ہے کہ وہ یہ صاحب کے مذہب پر محض اس میں نہیں سے کہ انہیں نے تفریق
 قرآن میں ہے نہ جنگ چڑیں۔ مگر باہم ہم اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ بدایت مصلحت خدا کے
 ہاتھ میں ہے۔ جو شخص اپنے اعتقاد سے ہٹا دے اسے مخالفت کی کسی بات کو سننا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ عقائد
 اس کے سامنے بالکل خود ادا ہے سنی ہیں۔ مگر کسی بات کا فیصلہ تب ہوتا ہے۔ جبکہ کسی واقعہ کے سامنے
 پیش ہو جس شخص نے تفسیر و حدیث اصول وغیرہ کو نہیں پڑھا اور وہ تعلیم سے محروم ہوتے ہی یہ صاحب
 یا مڑا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا تو پھر اس کے کہ وہ چند ایک خطبہ اور مباحث سے آگاہ ہو جائے
 اور کیا حاصل کرے گا تاہم ہر مصلوب اگر نہایت نزول وحی کی حقیقت سے بخوبی مطلع ہو گا۔ مگر اس کے ہاتھ
 کی حقیقت کی پرانی سن بدیع یہ اعتقاد و مباحث اس وقت آگاہ ہو سکتا ہے۔ جبکہ تصنیف قرآن یا فرق کے
 بہت سے مسائل و وطنی طے کر چکا ہو۔ اس جملہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس صورت میں تو
 وہی ایک گروہ کو دھندلے ہے جس پر لسانی طبیعت قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ خیال بالکل ایک لغو
 بات ہے کہ ایک عام تعلیم کا آدمی جس نے علوم باطن میں بھی قدم بھی نہیں اٹھایا حقیقت وحی
 کو کوئی شخص ہی عقلوں میں سمجھنے لگے۔ یہ تو وہ مطلب ہے جہاں بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ کے
 بزرگ پھر جڑتے ہیں کسی لغو غور کا کیا شکنا ہے۔ ایک معمولی بات ہے کہ ایک پڑھری سکول کا بچہ
 اسے کلاس کی ریاضی حل کرنے کا دلغ نہیں دیکھتا۔ پھر خیرانیہ اور سائنس پڑھ کر حقیقت وحی
 کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے مگر یہاں تک مجھے معلوم ہے ہمارے بسن تعلیم یافتگان کو معرفت اسی
 وجہ سے انکار کا موقع ہے کہ انہیں نے خیرانیہ اور پوپ کے خیالات کو اپنی سمجھتات نہ سہی کا
 سہارا بنا رکھا ہے۔ مگر یہ بابا باریہ کہہ چکا ہوں کہ علماء اور سائنس کے لکھنے والے سوائے مادہ و
 کسی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس لیے ان کے اقوال علوم نبوت کی حقیت میں ہرگز قابل ماعت نہیں
 علوم نبوت کو سہرہ نبوت ہی سے لینا چاہیے۔ مزید سناچے میں مددایت کسی تیار نہیں ہوگی۔ یہ
 خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ نبی کی رُوح ملک روحانی سے اتصال پیدا کر کے وحی خدا کو اقد
 لکھتے ہیں۔ یہ صورت القادہ کیونکر امتیاز کر سکتی ہے اس کا جواب کچھ شکل نہیں کہ کونکر گرم

اسے کو آگ میں رکھیں تو وہ اس درجہ تک کیفیت و لذت سے متاثر ہوگا ہے کہ وہ آگ کا کلام
 دینے لگتا ہے۔ حالانکہ خود وہ لوہا ہی رہتا ہے۔ اصرہ خیال کہ وہ افسانہ اس زبان کے ہیں سوائے کچھ جواب
 دینے کے کہ جو زبان اس قوم کی ہوگی میں میں وہ نئی مہوٹ ہوا ہے اور جو خود وہ نئی ہوتا ہے +
 چونکہ خدا کے لئے سب زبانیں ایک ہی ہیں۔ اس لئے دنیا کی زبانوں میں سے کئی زبان
 میں کوئی نئی مہوٹ کرنا چاہیے۔ اس میں اس کو وہی کیا کرتا ہے۔ کوئی نئی آسمانی زبان وہی کیے
 مقدس نہیں۔ کیونکہ اگر دنیا کی زبانوں سے کوئی علیحدہ زبان وہی کے لئے ہوتی تو تعلیم وہی کو
 لوگوں تک پہنچانے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ بلکہ ناممکن تھا کہ کوئی نئی مقدس تبلیغ کو
 پکارتا۔ اور بعض متکبرین قوت کا یہ کہنا کہ اگر آسمانی تعلیم دنیا میں آسکتی تو کسی دنیا کی زبان میں کبھی نہ آتی
 باطل متوالد سے معنی ہے۔ کیونکہ اس طرح سطح سمندر پر سے نہایت اٹھ کر اوپر کو جاتے ہیں اور پھر
 پانی کی سطح میں آکر زمین میں وہ کوئی طرح کرتے ہیں اسی طرح انہیں دوسری زبانوں کے الفاظ میں
 آسمان پر سے کسی نئی زبان پر بیان دینی ناممکن ہو کر رہتا ہے۔ مناسبت مقام سے معنی ہی معلوم ہوتا ہے
 کہ نئے نئی اور جملے نئے نئی میں چند وجوہ اختیار کو حکم بند کیا جائے۔ ممکن ہے کہ بعض کم استعدادوں
 کو مفید ثابت ہو۔ واضح ہو کہ حق و باطل میں امتیاز کو کمال کی ہے اور آسان بھی ہمہ شخص کی طبیعت
 فطرت ہوتی ہے وہی ہے وہی ہے لیکن کو قبول کر لیتی ہے۔ اہل حق کو باطل باطل کو مان لینے
 میں تامل نہیں کیا کرتے اور باطنیہ ہر دو گروہ معنی حق بھی ہوتے ہیں سو فیصد ہو تو کوئی نہ مکر اس کا
 جواب یہ ہے کہ فیصد ممکن ہے کہ کوئی نہ تو ہو سکتا ہے کہ ہر دو فرق سے ایک فرق حقیقی جواب سے
 عاجز ہو جائے مگر اس کا فرق ثانی کے مذہب کو مان لینا اگر کمال نہیں تو اس کے انوار کا لہجہ
 ہر شخص میں شک نہیں۔ وہ لوگ جو کوئی باطل طریق اختیار کر لیتے ہیں ان کی ایک بڑی وصفت یہ ہے
 کہ یہ وہ جو اس اور ہر ایک قسم کی دھوکا کا ہی اور منصوبہ باطنی اور اپنی جمیعت ہمہ پہنچانے میں پورا
 پورا اور کھلتے ہیں مگر چونکہ صورت ظاہری ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ بھائے حقیقت کے
 لیے لیے دھواں ہوتے ہیں اس لئے اہل حق ایسے لغویات کی طرف مطلقاً متوجہ نہیں ہوتے

ہذا اثر ہاں کچھست کے لئے اپنی نمائش پہلے تک پہنچا کر کہ شب تہب کی طرح انتخاب حق کے
 طے سے پہلے ہی زاویہ عدم میں جا بیٹتا ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قلیل آدمی میں وہ
 ملک و علوم سے مطلقاً بے بہرہ یا جو اسے نفس میں گرفتار ہو بل عام باطل میں غرور و بھس جاتے
 ہیں جہاں سے ان کا نکلنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ اعادۃ اللہ منہ۔

عظیم ابو علی سکویہ اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب الفہرست الاسفر کی آخری فصل میں یونان
 فی الفریق بین البیہی والمعتبی۔ اسے اور جھوٹے بنی میں فرقی بحث کی ہے۔ وہیں سے
 چند جملہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اہل حکمت و نظر پر تو یہ معاملہ مخفی نہیں ہوتا مگر عامہ الناس کیلئے دشوار
 ہے کہ خدا کا سچا نبی تمام فضائل و کمالات نبوت کا جامع ہوتا ہے وہ ہر تعلیم ایسے علوم کو مالک ہوتا
 ہے کہ دوسروں کے مدخل سے خارج ہوتے ہیں و لفظاً ثلثات بسمانیہ حیوانیہ سے نفرت کرتا ہے۔
 وہ ادب و شرائع و دسروں کو سکھا گیا ہے اور اس پر ہر ایک شکل امر آسان ہوتا ہے اور وہ
 موت سے نہیں ڈرتا اور قوم کی طرف سے تمام اذیتوں اور سختیوں کو برداشت کر کے طاعت
 رکھتا ہے۔ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ دوسروں کو ان کے اختلافات و نفرت کی مر سے مختلف
 چیز بیان سے حق کی طرف کنجی لے اور عقائد مختلفہ اور مادی و فنیہ کے بیان کرنے کے لئے
 خدا سے اس کو ایک ایسی اوت غلیبہ سے رکھی ہوتی ہے کہ وہ انہیں حربہ الامثال اور مختلف
 طریق نظر و مشاہدہ سے آسانی واضح کر سکتا ہے اور یہاں فرق عداوت کی ضرورت ہو خدا
 اس میں اس کو کامیاب کرتا ہے۔

اور جو ثنائی مذکورہ بالا صفات کے متضاد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت وہ باہ اور لذت و جویہ
 کا طالب ہوتا ہے اور اس کی تمام کوشش نہیں باتوں کے حاصل کرنے میں صرف ہوتی ہے کہ وہ

چھ سے اچھے کھانے کھاتے اور نازنیوں کے غلج کا طالب بہت ہے بعض حالات میں ضرورت
 شروع شروع میں ممکن ہے کہ یہ معاملہ اکثر لوگوں پر بھی رہے مگر باقاعدہ فرسختے والے سمجھ جاتے ہیں لہذا
 چند بوقت اس کے پیچھے لگ ہی جائیں۔ ایسے جیسے بنی کو بظاہر کسی قدر فروتن اور متواضع
 ہونا ضروری ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ دوسرے کے آثار بہ نکلتے اپنے اندر پیدا کرے وہ کچھ
 پیشین گوئی یا دیگر شخصیت سے کسی دھڑلے کی کوشش کرتا ہے جن پر عوام الناس عموماً
 دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اگر اس سے محتاط و معارف کی بابت سوال کریں تو لباً اوقات پناہ
 انبیا و پیغمبر ص کے کلام کے طرز پر القا کرتا ہے۔ اور نہیں کہ کلام سے مضامین کو لیکر اپنی
 عبارت میں بیان کرتا ہے اور کسی کسی اپنی رائے کو بھی ساتھ شامل کر دیتا ہے مگر چونکہ بناوٹ
 ہوتی ہے اس لئے باکیا اس کے کلام میں تناقض اور تضام موجود ہوتا ہے۔

ظہور خداوندی دیکھ کے بے ہوش فاضل کے مذکورہ بالا فقرات میں غور کریں اور سمجھیں
 کہ کس قدر زیرکی اور دلنشندی کیا تھو جوہ امتیاز کو چھانت کر دیکھ لیتے۔ ایسا معلوم ہوتا
 ہے کہ کہیں آج کل کسی منارہ پر بیٹھا حقیقت حل کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

الوحی والقیلہ

اب ہم تعلیم وحی اور تعلیم فلسفہ کا مقابلہ لکھنا ان کے نتائج اور آثار کے کرتے ہیں اور نظریں
 پر اس امر کا اظہار واجب سمجھتے ہیں کہ ان ہر دو قسم کی تعلیم میں کون سی تعلیم واجب الاتباع ہے یہ
 معنوں بہت اہم ہے اس لیے کہ ان دونوں کے لئے موجب و محسوس ہوگا۔

تعلیم وحی اور تعلیم فلسفہ میں دو امتیاز ہے کہ تعلیم وحی کا منبع خدووات بارہی ہے اور
 تعلیم فلسفہ انسان کی عقل و عقل کا نتیجہ ہے عقل انسانی خواہ محتاط یا شیائیکے مطالعہ میں
 ملے غلط ہو عقل سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نشان بنیدیکھنے کے ہم کو کسی قدر وسیع معلومات کا

کسی دہ تک ترقی کر جائے مگر پھر بھی وہ اپنے اوج پر واپس آگے ترقی نہیں کر سکتی
 بلکہ کوئی غرضی امر نہیں بہر ایک ذی ہوش اس کی تصدیق کرتا ہے۔ موجودہ محققین نے ثابت
 کیا ہے کہ پانی کو ایک خاص حد تک گرم کرنے سے حرارت غیر مؤثر ہو جاتی ہے یعنی جب
 پانی سو درجہ تک گرم ہو جائے پھر خواہ کسی قدر اسے حرارت پہنچائی جائے زیادہ گرم نہیں ہو سکتا
 وہ اس کی یہ ہے کہ پانی میں اس سے زیادہ حرارت قبول کرنے کی استعداد نہیں اور اگر شیل
 بھی ہے تو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قطعی ہے۔ اسی طرح بڑا کچھ ایک خاص
 مقدار سے زیادہ کھینچنے سے کھینچ نہیں سکتا بلکہ اگر زیادہ کھینچنے کی کوشش کی جائے تو ٹوٹ
 جاتا ہے۔ وہ اس کی یہ ہے کہ میں صرف اپنی استعداد کے مطابق کھینچنے کی قابلیت ہے پس
 یہی مثل عقل انسانی کی ہے کہ وہ صرف مادیات میں خود پرداخت کرنے سے بعض امور کی تحقیق
 تک پہنچ سکتی ہے جن سے وہ اپنی مشاہد میں مستفید ہو سکتی ہے وہ ذات باری فرمہا کے
 متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں دیکھ سکتی کہ ہر ایک مصنوع کے لئے ایک مائع کی ضرورت
 ہے اور پس مگر بر خلاف اس کے تعلیم وحی نہ صرف حقائق ہمشیا کا پتہ دیتی ہے بلکہ صفات
 باری عالم آخرت اور ضمیر و عذاب بعد الموت وغیرہ مسائل سے بحث کرتی ہے جن کا پتہ لگانے
 سے عقل انسانی بالکل عاجز ہے۔ مگر عقل انسانی ان مشکلات مسائل کی مقدمہ کشائی نہیں کر سکتی اور اگر
 تو حکمت ذات باری بلیست اجابہ علیہم السلام کی معاضی نہ ہوتی ۔

یہ امر قابلِ فکر ہے کہ جن لوگوں نے علوم عقلیہ میں زیادہ عقل رکھا ہے اور اس کے حجاب
 میں مرقوں سلطان اچھیلان سے ہیں شافو تا وہی حقیقی ایمان کی منزل تک پہنچ سکے ہیں اور
 یہ کچھ اسلام ہی زمانہ کے لوگوں سے محسوس نہیں بلکہ قبل از اسلام بھی علوم عقلیہ کے ماہرین تھے

۱۔ ملک جو ہائے مکرہ اس سے زیادہ کچھ نہیں مان سکتا کہ ہر مصنوع کے لئے کسی مائع کی حاجت ہے اور وہ
 تعلیم ہی کو بہرہ مستحق ہے جو ہر سام قیل کرنے والے کو بلا لالہ اللہ تعالیٰ سیکھایا جاتا ہے۔ جو منہ ۔

معلوم ہے کہ اگر ہر دوسے سے سخت ہے۔ ان لوگوں کے ذیل میں نبوت کی ضرورت صرف
 عوامل نفس کی ہدایت کے لئے ہوتی ہے۔ جو لوگ علوم عقلیہ میں ماہر ہو جائیں انہیں تعلیم وحی کی ضرورت
 نہیں رہتی بلکہ وہ خود صاحب کمال ہو کر دوسروں کی ہدایت کا فدیہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اہل یسوع
 جیسے بڑے ذوق خیل کے لوگ بھی اسی فطرت کی دلیل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور جن کا
 مذہب اہریت یا زندقہ ہے بلکہ ان کی تصانیف سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نبوت تعلیم نبوت
 وحی و جزا و سزا و حشر و جہنم۔ ملائکہ و شیاطین وغیرہ معتقدات کو مبتدیانہ خیالات سے تعبیر
 کرتے ہیں۔ انہیں شیاطین کی کتابوں کے مطالعہ سے مسلمانوں کے لاکھوں تعلیم یافتہ محض ہلے
 نام اسلام سے وابستہ ہیں۔ ادا اگر کوئی ایسی سمجھ کا نفل آئے تو اس سے زیادہ تہہ ہوگا کہ وہ
 غیرت کو اپنا شعار بنالے۔ جو انکار کی ایک بدنامی ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ کابینہ انبیاء یا
 کتب کاویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم وحی نے ہر ایک زمانہ میں اس کے ماننے والوں کو
 متکرمین یا مساندیر پر غلبہ دیا۔ اور لوگوں کی ہدایت اور دینی اور دنیوی بہبود کا فدیہ ہوتی رہی ہے۔
 اب بھی ہے اور ہوگی۔ مگر فلسفہ اور کلیات کی تحقیق نے بجز فتنہ و فساد کے دنیا میں کیا کام کیا ہے
 اور لوگوں کی صلاح دینی و دنیوی میں کہاں تک مفید ثابت ہوئی۔ اہل تاریخ جانتے ہیں کہ
 جب بھی کوئی فتنہ مکی پیدا ہوا ہے تو اس کی بنا ہمیشہ اہل فلسفہ کے معتقدات یا ملکہ پر قائم ہوئی ہے۔
 تصدیقی اور اہل اسلام کی تاریخ سلطین و خلفائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت حق کے معتقدات
 اور احکام میں بے اعتدالیوں پیدا کرنے والے عرصہ علوم عقلیہ کے ماہرین ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب
 ان لوگوں نے دیکھا کہ شریعت کا مقابلہ تو ناممکن ہے تو انہوں نے شریعت کے پاس میں گرفتاری
 میں رہتہ انداز ہی کرنا اپنا شیوہ بنالیا جس کی صورت یہ تھی کہ شریعت کو بظاہر قائم رکھ کر معتقدات
 کی تاویلی صورت اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ لپٹے پھران میں یہ خیال پھیلایا جاتا تھا کہ مواہم چہال
 کیلئے دقیق امور کا سمجھنا چاہئے نہ شرعاً بلکہ شریعت نے ان امور کو تشبیہ و استعارہ کی صورت
 میں ظاہر کیا ہے۔ اس ذیل کی آئیں ان نامہ فساد نے مذہبی دنیا میں ہر رسول ایسے اتقہ بانہ

پیدا کئے جس میں کلمہ تہذیب ہوا کہ آج تمام لئے زمین میں کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جس میں کثرت
 اعتقاد کی وجہ سے سینکڑوں فرقے پیدا ہو چکے ہوں۔ خود کر کے دیکھ لو کہ یہ غلطی انہیں کیا طریق سے
 اور کہاں سے معلوم قطعیہ کی ہے۔ دیکھ کیوں جاتے ہو۔ پہلے اپنے گھر میں دیکھ لو کہ معجزات یا عیسائی کے
 انبیاء نے میں کچھ کچھ فعل مسلکی مستحکات میں ہونے لگا۔ اور باوجود دوسری صدی کے آفریں تو
 کلیات کے بغیر قدم اٹھانا عار سمجھا جاتا تھا۔ صرف ایک مسئلہ حیرت و قدر میں عیسوی مذہب قائم
 ہوئے اور خلق کران کے لئے تو خون کی ندیاں بہا دیں۔ سہرورد کا علم کلام بعد از قرآن الیہ اور
 ایک کو دوسرے کا مخالف ہونا ضروری سمجھا گیا۔ حالانکہ قرآن ایک اور صاحب شریعت ایک مگر
 لطیف یہ کہ جس آیت کو ایک شخص اپنے اثبات و منہی میں پیش کرتا ہے۔ اسی کو اس کا مخالف جو تو
 کر کے اس کے متضاد مذہب میں پیش کرتا ہے۔ یہی صورت بعینہ نصاریٰ میں واقع ہوئی جیکہ ان کی
 مخالفت عباس نے جو قسطنطنیہ کے عیسائی بابو شاہوں کے زیر اہتمام قائم ہوئی حقیقت مسیح کی
 نصیب میں استعد شہر شہر کیا کرکشت و خون کی ذببت پہنچی اور بعض نے بعض کو ملعون قرار دیا چنانچہ
 حقیقت مسیح کے متعلق آج عیسائی ملت کے مختلف المذاہب کا خیال باہم استعد متاثر ہے کہ دن کا
 استعد خیال ہونا ناممکن ہے۔ ہم ان مختلف واقعات کو بالتفصیل لکھتے مگر چند موجودہ بحث سے چند
 مربوط نہیں۔ اس لئے ان کو ملتوی رکھا جاتا ہے۔ ہاں استعد ظاہر کرو دیکھو وہی ہے کہ ان سب
 اختلافات کی بناء پر اس قسمی تعلیم پر تھی جس کو معرویان کے فلسفہ و افکار نے مذہبی اصل کے
 ساتھ اسی طرح مخلوط کر دیا تھا جس طرح فلاسفہ اسلام نے عیسویونان کو اسلام کے سادہ اور صاف
 معتقات میں گزیر کر کے منہل علم کلام کی بنیاد ڈالی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کو کتاب و سنت
 کی طرف ہمیں مسائل کی رغبت نہ رہی اور قسم قسم کی بد اعتقادات میں مبتلا ہوئے۔ انہیں وہ بزرگم
 فہم تحقیق و تدقیق سمجھائے اور اب بات موجودہ تا بہ تازہ انہیں بھی مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ اس
 امر کے درپے رہتا ہے کہ مذہبی مسائل کو عقلیات کے ساتھ مطابق کرنے کی کوشش کرے اور
 آیات و احادیث کو خلاف منشا و سنت سمجھ کر شہر بزرگان ملت تھا اپنے معتقدات فاسدہ کے

ثبات میں چپٹی کر دیا کرتے ہیں چنانچہ ایک اسلامی رسالہ کے کسی نمبر میں ہم نے ایک غریبی کا مضمون شہر
 محمد واقعہ فلسفہ کے مسئلہ تعلق کے انسان کے اثبات میں پڑھا جس میں اس نے یہ ثابت کرنے
 کی کوشش کی ہے کہ انسان کی ابتدا فطرت بند سے ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ تہذیب پاکر وہ
 انسان بن گیا۔ چنانچہ قرآن مجید بھی اس خیال کی تصدیق کرتا ہے۔ حیثیت قال اللہ تعالیٰ و
 قد خلقکم احوالاً اور نیز فرمایا آیت کہ من اللہ من لہا قالہم ہے کہ وہ کوئی نئی نئی چیز کے
 سننے کے عادی ہیں اور جن کا مذاق فلسفی تسلیم نے فاسد کر رکھا ہے اور جس آیات و احادیث پر
 جو قطعی حجت ہیں تناسل نہیں مقلی اس قسم کے فضل استدلال کو سن کر وہاں وہ پکارا نہیں سکر
 حق و رہے کہ علماء و اسخول فی اعلم جو کتاب و سنت کے حامی اور ناصر ہیں اس قسم کے ہدیان کو
 سن کر نہیں دینگے یا ان کو کہ جن جالوں کے ظلم و قتل پر وہ دینگے۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہم سے ہم
 غاربی اتصال میں خود تسلی ہوں یا ملکی ملتے مسقطات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ جب مقتدا
 حکم کتاب سنت سے اخذ کئے جائیں تو یقیناً ہمارے مذہبی افعال بھی شریعت اسلامی کے
 دائرہ سے باہر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ تعلیم یافتہ گروہ کے عقائد کا اکثر حصہ علاحدہ یورپ کی تحقیق
 و تدقیق پر مبنی ہے اس لئے موجودہ اسلامی امت کے افعال سب کے سب خلاف شریعت کئے
 جاتے ہیں جن میں خلاص کی پوچھ نہیں پائی جاتی بلکہ بعض وہ امور جو بظاہر حکم شریعت کے مطابق
 سمجھا گئے جاتے ہیں کسی بار یک پہلو میں نفس پرستی یا نژاد پرستی یا بناوٹ پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور
 ان کے فاعل کو اپنی اس غیر مخلصانہ حالت کا علم ہوتا ہے مگر بظاہر نہایت تکلف سے وہ اس
 کو زور و خلاص سے مزین کر رہا ہوتا ہے۔

اور قوم کے لئے یہ ایک ایسا عذابِ عظیم ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی درد و ناک عذاب
 نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ سزا ہے جس کا سزاوارانہ حرکت کی جو کتاب اللہ اور سنت سے اعراض کر لینے پر
 مترتب ہو کر رہتی ہے۔ بسلا اس سے بڑھ کر اور کوئی خسارت ہوگی کہ ایک شخص اپنے وقت
 ملا و جہنت کو صرف کرے یا کہ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بمقتدار پر کلام بھی اس کی وقت نہیں۔ غرض

کر کے دیکھ لو کہ اس عذاب میں موت کا ایک لمحہ غصہ مرکب ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ العدین من
 سیہم فی الحیوة الدنیا وہم یحسبون انہم یحسون صنعاً بینی ان لوگوں سے
 بڑھ کر کوئی شخص اپنے اعمال میں بھم نہیں ہو سکتا جو محض دنیاوی نمود کی خاطر اپنی کوشش کو کھو دیتے
 ہیں اور اپنے زعم میں نیک کام کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ امر قابلِ فکر ہے کہ اہل فسطح و مقل ہیں سے ہم نے آج تک کوئی صاحبِ کرد و کیلےت اور نہ
 سنتِ لحد یہ ممکن ہے کہ ایسے شخص کو یہ عالمی رتبہ کبھی نصیب ہو سکے۔ علمینِ قلب غلیات کے ساتھ
 کبھی جس نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ ہمیشہ شکوک و اویام کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں اور کسی پران
 کا فائدہ ہوتا ہے ہر وقت اس کے غلطیوں کتابِ سنت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت نفس
 کی نگرانی اور اپنے اعمال کی کیفیت کو سیارِ شریعت پر جانچتے رہتے ہیں۔ اور کسی ایک سنت پر
 عمل کر لینے سے جو سرور و نوح حاصل ہوتا ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں ہو سکتا۔ یہ
 لوگ ہمیشہ صاحبِ ذکر ہوتے ہیں اور کسی وقت غفلت کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ ان کا
 ظاہر باطن کے مطابق اور باطنِ خوف ورجا اور محبت و شوق سے پُر ہوتا ہے۔ ان کا دین امر بالمعروف
 اور نہی منکر اور غیر خودی مطلق میں اس پر ہوتا ہے اور اہل اپنے مولیٰ کی باگدہ میں مناجات
 اور اہلِ باطن و شوق و محبت میں گذر دیتے ہیں جیکہ دیگر نفس پرست اور تازہ و نعمت کے پرورش یافتہ
 لوگ فحشاء و شہوت میں گم ہوتے ہیں یا غفلت کی نیند میں مردوں کی طرح پڑے پڑے ہوتے ہیں
 گذر دیتے ہیں اور آفتابِ غفلت نے پر کھان کی طرح سمجھو اس پانی نیکر منہ صاف کر لیتے ہیں اور آفتابِ شمس
 و ہوا کی تیزی میں گھٹوں سانح کر دیتے ہیں اور قیامِ سلیل اور ذکر و تسبیح کی بجائے ہوا و صفت سے
 غور و محو رہتے ہیں۔

اور حقیقتِ غور سے دیکھو تو یہی شانِ حق و جنابِ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن کو
 اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کر کے مبعوث فرمایا عبداللہ بن رواحہ نے حضور کی شان والا کو
 ان کا فضل میں ظاہر فرمایا ہے

یہیت یحیانی جنبہ یمن فراتہ - اذا استقلت بالمشرقین المضاجع
 یعنی حضور علیہ السلام رات بھر بستر خواب سے عینہ ہو کر اپنے مہلی حقیقی کی بارگاہ میں منہبات کرتے
 گناہیتے ہیں اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ مشرکوں کو اپنی خواہجہوں کا چھوڑنا بال جان ہوتا ہے +
 قیام مل اور مناجات الیکلینی زبردست عظمت ہے جو صرف حضور علیہ السلام کے حصہ میں ملتی
 تھی اور اسی عظمت میں سے حضور کے دیباہوں کو بھی کچھ حاصل کیا۔ البوسلین دانا فی رجب اللہ
 فرماتے ہیں لولا السیل ما لبثنا البقاء فی الدنیا۔ یعنی اگر قیام مل اور مناجات و ذکر و تسبیح
 کا لطف نہ ہوتا تو ہم اس دنیا میں نہ رہتے نہ دیکھتے +
 دیکھو ایک اہل دل پھلی رات اٹھ کر بارگاہ ذوالجلال میں حاضر ہو کر کن الفاظ میں عرض
 مال کرتا ہے -

و مائی لا افرح علی خطائی - وقد باہرمت جبار الساء
 یعنی کیا وہ ہے کہ میں اپنے گناہوں پر آٹھ آٹھ آنسو نہ رھوں جبکہ میں اللہ تعالیٰ کے
 مقابل میں مزار و اقسام کی گستاخوں کا مرکب ہو چکا ہوں؟ -
 قرأت کتابہ و عصیت بہما - لعظمہ طیتی و لشومہ رائی
 یعنی میں نے اس کی کتاب کرچھا اور پھپ کر گناہ کا ترکاب کرتا رہا اور یہ بات
 میری اپنی بختی اور بدائی کا نتیجہ تھی +

بلائی لا یقاس بہ بلاد - و افاق تدل علی شقائی
 میری مصیبت گناہان اپنی اور مصیبت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور میری مصائب
 میری بختی پر حال میں +

خیاؤلی اذا ما قتل دلی - الی النیران شوقوا اذا المرانی
 آہ میری ذلت یکدم میرا پردہ گاریہ حکم دیکھ کر اس ریاکار کو جہنم کی طرف
 لے جاؤ! -

فضلاً کان یصعنی مہارا - ویز عسرا من اولیائی
 کیونکہ یہ شخص بار بار جاری ہر کئی کیا کرتا تھا اور اپنے دل میں یہ کچھ ہونے تھا کہ میں
 اولیا اللہ کی جماعت میں داخل ہوں +

تصنع لعباد ولم یرونی - وکان یزید بالمعنی سوائی
 یہ شخص لوگوں کے سامنے اعمال میں بناوٹ کیا کرتا تھا یعنی بظاہر سچے اعمال اللہ
 تعالیٰ کے لئے کرتا نظر آتا اور دل میں کچھ اور نظر ہوتا +

سطرہ بلا اشار ایک ہی کمال کا کام ہے جس سے جس صفت یہ دکھانا مقصود ہے
 کہ حقیقت عبودیت کو ماسا لکان حق کے جوہر حقیقت نقطہ انسان کا مصداق ہوتے ہیں اور کوئی
 شخص نہیں ہو سکتا۔ جہلاً ایک فلسفی کو جس کو اپنے خیالات باطلہ پر بڑا احمق ہو کر رہا ہے اور
 شب و روز فتنہ عالم کے پیچھے میں گرفتار ہے اور لذت و ذکر و عبادت سے بکلی بے بہرہ ہے
 یہ کہتے ہیں کہ نکر نصیب ہو سکتا ہے؛ بلکہ اس خیال کی تصدیق میں ذیل کی کئی مثالیں نہایت
 مہزون اور مفید طلب ہے۔ ماعزین غور فرمادیں۔

اس نسبت بیدلی بہر دل نہ بند - دین نزل خجنگان منزل نہ بند
 در عالم عشق آنچہ بے عقول است - یک ذرہ لبہ ہزار عالم نہ بند
 یعنی محبت الہی کی نسبت ہر ایک کو نہیں ماکرتی۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص مسافت طے کر کے
 منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ ماسفر بہانی کا مستحق ہوا کرتا ہے۔ اور جو لوگ راستہ ہی میں غائب
 غفلت میں رہے سوتے ہیں وہ اس مہانی سے محروم رہا کرتے ہیں۔ عالم عشق میں جو کچھ ان
 الہی محبت کو داکرتا ہے جو بظاہر بے عقل ہوتے ہیں مگر بن کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صاف ہوتا
 ہے۔ اس کا فشر عشیر بھی ان لوگوں کو نہیں مل سکتا جو عقل و علم کے مدعی ہو کر مراء مستقیم سے
 قطع پڑے رہتے ہیں +

ماعزین اس امر کو دہن نشین کر لیں کھا کھا سنے عمر بھر کے مطالعہ کتب کے ہندیہ خیرہ تھا ہے

کہ کوئی شخص وجہ کمال انسانی کو بجز اتباع کتاب و سنت کے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور اتباع کتاب و سنت سے میری مراد یہ ہے کہ علوم کتاب و سنت کا مقتضی شخص متبع کے ظاہر و باطن پر پیدا ہو گیا ہو۔ ورنہ صرف کتاب و سنت کو رسم کے طور پر پڑھ لینے اور سناٹھ و جہل کے لئے اعتلات مذاہب کو ضبط کر لینے سے یہ عقدہ کشائی نہیں ہو سکتی۔ میں اپنے یقین کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت کے سوا کوئی چیز جس قدر علوم دنیا میں مروج ہیں اور جن پر بعض اہل زمانہ کو بڑا فخر و نامہ لڑا کرتا ہے ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اقل علم سے تہیہ کیا جائے کہ یہ علم درحقیقت وہی ہے جو دنیا میں صراط مستقیم اور مرئیہ بدلتا ان اس سے منتفع ہو سکے۔ عقدہ کر کے دیکھ لو کہ مرتے وقت بجز معتقدات حق یا ان اعمال کے جو کسی نے کئے ہوں وہی کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا۔ دنیوی علوم سب کے سب ہیں رہ جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات معتقدات باطلہ مرتے وقت موجب تشویش اور تضرع الایمان ہو جاتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ معتقدات صحیحہ یا غیر صحیحہ نفس میں راسخ ہو گئے ہوتے ہیں اور قطع تعلق بدن کے وقت جبکہ معاملہ عرض اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہوتا ہے موجب اذیت ہو کر بصورت عذاب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کی سینکڑوں نظیریں شاہدہ میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرنے والے مرتے وقت وہی کہہ دیتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنے دل میں کبھی نہ سنا۔ یا جس چیز کی انہیں خود ہش رہی اور کلمہ توحید جو موجب مغفرت ہے ان کی زبان پر جاری نہ ہو سکا۔ خوف باللہ میں ہوا نہ تھا۔ حق یہ ہے کہ وہ علوم جو محض دنیوی زندگی کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں فی الحقیقت محکم کہہ لئے گئے تھے۔ امتحان میں بھی دشواری کے علوم ہیں۔ اول تو محض بے سود اور بے ایلان بنائے گئے ہیں۔ جیسے فلسفہ۔ البیات۔ نجوم۔ سحر۔ شیعہ وغیرہ اور متافیزکلی بھی ایک حد تک اسی جماعت میں داخل ہے اور دوسرے وہ علوم جو شرعاً ممنوع تو نہیں مگر زائد از ضرورت ان میں وقت ضائع کرنا موجب حسرت و وبال ہے مثلاً حساب۔ طب۔ تاریخ۔ ادب وغیرہ۔ ممکن ہے کہ میری اس رائے سے بعض اصحاب کو اتفاق ہو مگر ایک سلیم اعظم

شخص پر حقیقت انسان کے آل سے واقف ہے اور زندگی کی غایت پر اسکی نظر ہو کر نہ مخالفت
نہیں کریگا۔ قال بعض العلویین فلا علمہ کلاما کان من کشف وشہود کلام من انظم فکر
وطن و تخمین +

یعنی ظہر ہی ہے جو اتباع کتاب و سنت سے بطور کشف و شہود کے انسان کو حاصل ہوتا ہے۔
علم ہر ایک بنا کمال عقیدہ اور نظریات پر ہو کیونکہ وہ علم جو ایمان و تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے وہی حقیقی
علم ہے جو حقائق اخیا و کما پتہ و ایک کتاب و اور جو علم بعض تجزیہ و مشاہدہ سے بطور علم غالب کے
حاصل ہوا ہو وہ چنداں مفید نہیں ہوتا۔ دیکھو قرآن مجید میں دو کیساتھ اس کیفیت کی تفسیر کرتا ہے۔
قال اللہ تعالیٰ اوان احسن التبری اعنوا والقوا الخفا علیہم بركات من انتماموا کلامہ من۔
یعنی اگر ستمیوں والے لوگ ایمان لے آتے اور اقا اختیار کرتے ایمان پر مبنی اور ایمانی برکتوں کا
مذاہم کھول دیتے اس آیت میں بركات سے جس طرح جسمانی تربیت کے اسباب کا قرع ہوتا
ظاہر ہو رہا ہے اسی طرح روحانی اسباب تربیت کی کشف کا یہ بھی لگ رہا ہے آیت کا
عالم یہ ہے کہ ایمان اور اقا جسمانی اور روحانی ہر دو قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہے جسمانی نعمتیں تو
یہی دنیا کے مال و دولت و غیر وہیں اور روحانی نعمتوں سے وہ علوم و حقا و صلاحت و اسرار و
تہیں جو عالم غلی اور عالم علوی کے متعلق ہو سکتے ہیں۔ پھر فرمایا والقوا اللہ و اعلمکم اللہ۔
اس آیت میں بھی صاف وعدہ ہے کہ اقا جو کتاب و سنت کے اتباع پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ
کی طرف سے علوم معرفت کے حصول کا موجب ہے۔

مذکور بالا بحث سے ہماری عرض مرث یہ ہے کہ علوم عقیدہ میں غلطیوں و پیمان ہیں
وہ اشخاص اصل مقصود سے عموماً غافل رہ کر خسر الدنیا والآخرة کے مصداق ہو جاتے ہیں۔
بلکہ اب وقت حقیقت امر سے جا مل ہوئے کی وجہ سے اہل اللہ ایمان کے طریق کے جو خطر
مستقیم حقیقی ہے تکذیب کر دیا کرتے ہیں۔ الناس اعداء واجبہ سلوا۔ یعنی جو لوگ
جس امر کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اس کی مخالفت کر دیا کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر قریش

کی ضمانت کی چیز جس کے احوال کا تحقیق کو حقیقت نبوت سے جا ملے اور اپنے مبلغ علم سے
زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکتے تھے ۔

امام محبت الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المقصد الاسنی میں لکھتے ہیں :-

ولكن العلم لا يشرف ما معلومه اشرف واشرف المعلومات هو الله
تعالى فلذلك كانت معرفة الله تعالى افضل المعارف بل معرفة
سائر الاشياء ايضا لها اشرف لانها معرفة لافعال الله تعالى او معرفة
للطريق الذي يقرب العبد من الله او كلاما الذي يسهل الوصول
الى معرفة الله والقبيل منه وكل معرفة خارجية عن ذلك
فليس فيها كثير مشرف -

یعنی شریعت ترقہ علم ہے جس کا معلوم شریعت ترقہ ہوا وہ یہ علم امر ہے کہ سب معلومات سے
شریعت ترقہ ذات باری سبحانہ و تعالیٰ ہے ایسے ذات باری کی معرفت دیگر معارف سے بڑھ کر
شریعت ہوگی بلکہ دوسری اشیا کی معرفت بھی شریعت ہے مگر صرف اس حد تک کہ ان کی معرفت کو
انحال ذات باری کی معرفت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ یا اس کو ملازم مستقیم و معرفت کا ذریعہ
قریب دیا جائے جو موجب قرب ہے۔ یا کسی دوسرے طریق پر معرفت ذات کی ہولت کا موجب ہو
اور جس معرفت (علم) کو ان امور سے کچھ تعلق نہیں وہ شریعت نہیں کہلا سکتی۔ اب خود کر کے دیکھو کہ
موجودات کے متعلق کا علم جس کو دعویٰ تعلیقات والے کیا کرتے ہیں انہیں معرفت ذات باری یا
کہاں تک مفید ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اکثر فلسفہ و طبیعیات کے جاننے والے
شکرین خداوند مکرین رسالت ہوا کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی مروجہ ان میں سے ایسا نکل جی جائے
جو تو حید و رسالت کا قائل ہو۔ تو اس کو ملاوت و فکر اور تقویٰ نصیب نہیں ہوتا اور ایمان و نصیب
کی حقیقت سے محض جاہل ہوتا ہے۔ بلکہ بات بات میں شک و دوسرے کے عادی ہونے کی
وجہ سے وہ علوم نبوت میں بھی شک کرنے لگتا ہے اور تسلیم نبوت کے ایک کثیر حصہ کو بے مستطاعت

کے عشق و تائب ہو کر کسی توحیدی صفت میں منتسب یا اہل میں اس کی نسبت نہ ہونے پر شہید نہ کرنا بلکہ
 بہت اہم خاموشی اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ اس کی سیکڑوں نظریں دنیا میں موجود ہیں ہاں اگر
 کسی کو توفیق الہی یا وہی کسی کرے تو کسی صاحب کمال کے فیضانِ محبت سے متعین ہو کر اپنے
 دوان کو بجا تائب و درخشاں تعلیمات والے پناہ بخدا انوں اشیاء میں نہ ہوتے ہیں جو نہ صرف خود گمراہ
 بلکہ کہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ بنا دیتے ہیں سے

دیو یا موم تیا میندو مترس - بل تیرس از مرقان دیوسار

ہیں تو میں قدر تعلیمات کے باہر دیکھنے میں آئے ہیں ان میں اکثر باطل مغز و فاضل
 من انوارت۔ طالبان نام و نوس۔ جرمیں۔ شہوت باز تھے۔ وہ اس کی یہ ہے کہ وہ مومن
 علوم سے واقف ہوتے ہیں چنانچہ انسان کی گاہ و نہنگی کی اصطلاح تک محدود ہوتے ہیں احوال علوم
 سے ہی انہیں غفلت آتی اور اس کے صفات کا علم اور عبودیت حقیقی لاپتہ دیں باطل بے بہرہ ہوتے
 ہیں سے

علم کز تو تراندہ ستاند - جہل تراں علم بہ بود یار

مکاشفہ

اسے کہ آگاہ نہ عالم و ایشاں را - تو چہ دانی کہ چہ سواد امرست ایشاں را
 لفظ مکاشفہ کے معنی پر سید صاحب نے ایک مختصر مضمون لکھا جس کو ہم حسب ذیل
 شروع کرتے ہیں۔

گو ہم کو کشف و مکاشفہ نہ ہو مگر ہم کو سمجھنا تو پاب ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ جاں لب کو نہیں مانتا
 مگر یہ جانتا ہے کہ لب سے کیا ہوتا ہے اور پھر جہاں ہے پس اگر ہم جہاں کشف و مکاشفہ سے جاہل ہیں
 تو ہم کو یہ سمجھنا پاب ہے کہ وہ ہے کیا چیز۔ سخرات مونیات کے کام فرماتے ہیں کہ سورج اور جسم

میں جو حجاب ہے اس کے اُٹھ جانے کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ مگر حجاب کے لغوی معنی ہموں کو گھبرا دینا۔ کہ وہ
 پردہ کیسا ہے جو شخص کو عریضہ سے بچا دیتا ہے۔ نہ پردہ نہ تان کا ہو سکتا ہے۔ نہ کپڑے کا نہ ٹھٹھکا۔ نہ پیر
 پردہ ہے تو کافہ کا قرآن مجید میں ایک جگہ فطرہ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی بھی حجاب کے ہیں۔
 جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَلَغْتَ الْيَوْمَ مَحْدِيدًا۔ ہم نے تیرے
 آئینوں کو دیکھا۔ تو ان میں فطاعت کے معنی قفلت کے لکھے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو پردہ انسان
 کے جسم اور دُور کے درمیان میں ہے۔ وہ قفلت کا پردہ ہے اور اس قفلت کا دُور ہونا پردہ کا اُٹھ
 جانا ہے پس انسان مشاغل دنیوی سے جو اس پر پردہ قفلت ڈال دیتے ہیں غلطہ ہو کر مبداءِ حقیقی
 یا قافہ یا رسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنے خیال کو اسی طرف لگاتا ہے تو قفلت کا پردہ اُٹھ جاتا
 ہے۔

پس مکاشفہ ایک حالت ہوتی جو خود انسان کے خیال میں پیدا ہوتی ہے پس جو کچھ کہہ اپنے
 نفس میں پاتا ہے اور فرض کر لے وہ اس حالت میں کچھ دیکھتا بھی ہے تو مجھ میں کے خیال کے اور
 کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور اس لئے مکاشفہ کی حقیقت بجز اس کے کہ جس کو خود انسان نے
 اپنے خیال میں لپکایا ہے اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔

ماہرینِ خط کشیدہ الفاظ سے بھرنے بھرنے کہ سید صاحب کے نزدیک مکاشفہ کی
 کیا حقیقت ہے مگر غلطو صحت یہ ہے کہ یہ خیال سید صاحب کا کہاں تک صحیح ہے سید صاحب
 کا نام تھا کہ وہ ہر ایک علم میں بیٹ و تحقیق پر آمادہ ہو جایا کرتے تھے اور پھر جو تحقیق وہ کر چکے تھے
 اس کی نسبت نہیں یہ بھی کہتے ہو یا تھا کہ وہ عینِ وحی منزل ہے۔ کچھ ہو یہ بات ہر حالت میں یقینی
 ہے کہ ہر ایک شخص اسی قسمل سکتا ہے جس قدر کہ اس میں اپنے کی طاقت ہو۔ اور نیز اسی راستے میں
 علم سکتا ہے جس کا اسے علم ہو۔ سید صاحب نے متعدد سطوح میں جو کھلائے ممکن ہے کہ ان کے
 سلسلہ اصولِ فطرت کے مطابق درست ہو۔ اور ان کے متقدمین کے لئے حجت بھی ہو مگر ہم تو ان کے
 افادات و ایمان کہتے ہیں کہ اگر سید صاحب اس مضمون پر کچھ نہ کہتے تو یہ بات ان کی مشائست و

سید کی سے زیادہ بیدہ تھی ایک مشہور شے ہے ۔

ہر کے باہر کارے ساقند

دنیا میں کبھی کوئی شخص تمام علوم و فنون کا جامع نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ
ہر کمالات کا جامع ہونا صرف ذات باری کا خاصہ ہے۔ انسان بقدر تھنائے دماغ و قیاس سے من
الحد الاقلید را کہیں کامل حاصل نہیں ہو سکتا۔ سید صاحب کو جو کمال خدا نے با شہدگان
ہندوستان میں دیا تھا۔ وہ صرف یہی تھا کہ انہیں اپنی عمر کے پچھلے حصہ میں مسلمانوں کی دینی اسلحہ
و فنون کی دھن سی لگا گئی۔ چنانچہ اس میں انہوں نے وہ کمال پیدا کیا۔ کہ جس کی انجیر کلم از کم ہندوستان
کے اس صدی کے مسلمانوں میں شایع ہل سکے۔ ان کے اطلاق ان کی معاملہ بھی ان کی عالی حسی
ادان کی ہم ہمہ دوی ایسے واضح اور بین امور ہیں۔ کہ جن سے کسی جاہل و بیوقوف ہی منکر ہو تو ہو۔
کیسے ظالم ہیں۔ بلکہ جو سید صاحب کی مذہبی ترشوشوں کو تہ نظر رکھ کر ان کے نمایاں کا ناموں پر
جو پانی پسرویتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اسکے ہیں یہ بھی یقین ہے کہ سید صاحب سے تحقیق نہ رہا
کے بارہ میں ایسی فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ جن کی بظاہر کوئی ایسی تاویل نہیں ہو سکتی جس سے
انہم گروہ علماء میں انہیں مقبولیت کی نظر سے دیکھا جائے۔ اسیجاں تاکہ تجھے معلوم ہے نہیں
یہ عزت بھی تھی۔ کہ علمائے اسلام کے گروہ میں عزت حاصل ہو اور ان کی تحقیقات مذہبی سلم بھی
جائیں۔ علمائے ہمیشہ انہیں کو سستے بہت سودہ علماء کو ۔

ذکرہ بالا عقون ایک لیا عقون ہے جس پر حضرت شبلی بن عبد۔ البوزید عظیم الرحمت جیسے
و معن بارگاہ یزدانی اور عقیدان حضرت بکائی اگر کچھ شاد و فراتے جو حجت قرار پایا۔

ساحب الحدیث حضرت بکائی البیت (گھر والا گھر کی چیزوں سے خوب واقف ہوتا ہے)
سوت یہ کہہ دینے سے اگر کچھ شہد کی حقیقت یخڑ اس کے جس کو کہ خود انہوں نے اپنے خیال میں بکایا
سے کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ بات کا فیسہ نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ ہر ایک نسلی حقیق اسی فن کا
ہی کہ سکتا ہے۔ جس فن سے وہ منہ لگوا ہو۔ طیب سے کسی شہد کا بول لینا یا فیسہ سے

کسی مہن کی تشفی کرانا ایک ایسا امر ہے جس کی ضرورت کا کچھ شک نہ ہو۔ سید صاحب اس امر کے شاہین تھے کہ وہ کسی سیاسی مسئلہ میں گورنمنٹ کو مشورہ دیکر بغیر حکام کی رائے کے متعلق تجاویز ترقی سرچے خواہ خواہ حقیقت کا شرف پر بحث کرنے میں تیار نہ تھے۔ وہ صوفیائے کرام کی تہذیب شروع کر دی جن کی وسالت سے زمین و آسمان کا سلسلہ قائم ہے جسکی فیروہ برکت سے ہندوؤں میں آسمان پرست پائی پرستہ ہے جسکی طفیل مخلوق خدا کو ہندی ملت ہے جسکی پاک انفاس کے اثر سے دونوں سے مل کر و شرک کا قلع قمع ہوتا ہے۔ جن کی تعلیم ہندوؤں کو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغ لادینی بنیاد پر جمی ہے۔ فراموشی سے ہندو جن کی تریب باطنی سے گم شگفتگیوں پر یہ غفلت کو بارگاہ سبائت میں نہایت اہمیت کے ساتھ نگہ مٹی ہے۔

بھارت منکر سے میراں زہار - کہ مول علی سرور و دیشان است
 سید صاحب یا کسی دوسرے منکر کے خلاف سے طریق صوفیائے کرام کی نہ تو تکذیب ہو سکتی ہے اور نہ بھلی ممکن ہے کیونکہ یہی لوگ ہیں جو ہندو سے زمین پر رحمت اللہ ہو کر نہایت خالق اخوات عالمین کے منصب خلافت کے تمام فرائض کو مکمل طور پر ادا کرتے ہیں۔ وہ صدکیوں جاتے ہیں۔ سلسلہ میں اسی بات کو دیکھو کہ ہندوستان جیسے کفرستان میں اسلام پاک کی تعلیم کرن لوگوں کی مشرت ہستی اور حق اسلام کے نور کو نہ نگاروں کی وسالت سے ہم ملالوں تک پہنچے۔ ہندوستان ہی کی خصوصیت کیا ہے جہاں جہاں اسلام پہنچا ان ہی مردان خدا کے دم قدم کی حرکت تھی۔ ورنہ دیوبند و فتنوں کے جانتے والے صدیوں ابد اصول ترقی قوم پر بحث کیا کیا تھے۔ ہندو ہر شیراز جہاں بستی اس سلسلہ اللہ - رو بہ از جیل جہاں بستی اس سلسلہ اللہ
 یہ لوگ جتنی علیحدہ پر قرآن و سنت کے مالک ہوتے ہیں اور خلاص و توحید جو دیوبندی علوم و عقائد

سن ۱۲۱۵ھ سے دیوبند کے لوگ ہندو جہاں نے کمال اتہار سنت و بدعت کا لٹا حاصل کیا۔ ۱۲۱۵ھ

سن ۱۲۱۵ھ سے دیوبند کے لوگ ہندو جہاں نے کمال اتہار سنت و بدعت کا لٹا حاصل کیا۔ ۱۲۱۵ھ

کے جاننے والوں کو خواب میں بھی نصیحتیں کرتے۔ ان کا شمار ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ہوتے ہیں۔
 اور اللہ ان کا ہوتا ہے۔ وہ حکم مذلت و کلمہ و کلام میں بھی نہیں لیتے اور خدا سے بچھڑے
 ہوئے کو خدا سے ملا دیتا نہیں کا کام ہوتا ہے۔

آنکھ نہ بند ہو اور نہ لڑائی۔ کیا ہے است کہ صحبت و شیل است

مکلفہ علم تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ اس لئے انہیں لکھیں کی بات اس باب میں بحث
 کرتی ہے۔ جو اس علم کے فلسفہ میں جس طرح کتب فقہ میں جا بجا اللہ اور بواہرہ صلیفہ۔ شافعی۔
 مالک۔ احمد و غیرہ کے اجتہادات کا ذکر آتا ہے۔ یا کتب فلسفہ میں نابائی۔ بوعلی سینا وغیرہ علماء کا
 ہی طوط کتاب تصوف میں اللہ تصوف کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ انہیں کی تعلیمات حقہ
 سے عقائد و معارف قرآنیہ کا علم ہو سکتا ہے وہی نفس کی اندرونی سبزیوں کو بیان کر کے ان کا
 درجہ انساہد ہوتا ہے۔ یہی اسامیہ مقامات حبیب کی تعلیمات کو کہتے ہیں۔ اور وہ صرف کو بذریعہ
 مدیخت و محاورات اس و صفت کہنے میں سید صاحب بحث اس مسئلہ میں دخل دینے میں لگے
 چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت امر سے نا آشنا کر مگر ہو گئے اور اسی تحقیق تک پہنچ سکے۔ کہ فقط
 ایک خیال کو لپکا لینے کا نام مکاشفہ ہے۔ مجھے تو یہ ہے کہ کیونکر سید صاحب یہ کہتے ہیں کہ گو ہم کو
 کشف و مکاشفہ نہیں ہوتا۔ لیکن جس مجنا تو چاہے کہ وہ ہے کیا چیز اگر حقیقت مکاشفہ یونہی باتوں
 و اقوال میں ملے ہو جاتی تو پھر مثل ہی کیا تھی۔ ہر ایک شخص صاحب مکاشفہ ہو سکتا ہے بلکہ
 سید صاحب نے حقیقت فراموشی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ بعض ایک دم کے غلاب
 اور بے گمانہ مکاشفہ ہے غواہ غلط ہو یا صحیح و نہ وہ اصل کوئی بات نہیں جو قابل اعتماد ہو بیشک ہم
 ماننے میں کہ ایک جاہل طلب نہیں جانتا۔ مگر یہ بات ہے کہ طلب سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن
 علم ہے کہ کیا جاہل اس قدر جاننے سے اصول طلب اور شخص معنی اصطلاح صاحب کا بھی
 فہم ہو جائیگا۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ پھر کیسے سید صاحب کہتے ہیں۔ کہ گو
 کشف و مکاشفہ نہیں ہوتا مگر جس کو مجنا چاہے کہ وہ ہے کیا چیز اس سے کشف کا نتیجہ

تو اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب بھلی ہے کہ مکاشفہ مردان فضائل ایک حلی حالت کا نام ہے جس میں اگر کوئی
 پوچھے کہ اس سے آپ کو کسی کیفیت روحانی کا بھی اور انکے ہوا کرتا ہے اس کا جذبہ فنی میں ہونا چاہیے
 یہ تو ایک حلی ہی بات ہے کہ ایک شخص کو درد ہو رہا ہے۔ سو کہنے والے کو سوا اس کے کہ غل
 شخص کو درد ہو رہا ہے اس سے تحقیق پتا رہا ہے اور کچھ بھی حاصل نہیں مگر جس شخص کو
 درد ہو رہا ہے۔ اسے کیفیت درد کا احساس ہوتا ہے جس سے وہ متاثر ہو رہا ہے۔ اس کی فکر
 کو حق ہے کہ ہر کس شخص کو کوئی درد نہیں جبکہ ان کی کیفیات کی یہ حالت ہے کہ ایک شخص
 کی کیفیت ادگ کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ تو روحانی کیفیات مشد مکاشفہ کو ایک عام تعلیم کا ادبی
 کیا ناک بھیجے گا۔

پسیدہ کسے کہ عاشقی چیت۔ گفتہ کہ چو ما شوی بہ دانی
 مکاشفہ کی حقیقت کو امام عجم ابو حامد محمد غزالی قدس اللہ سرہ و عزیز نے ایسا نام
 کی جلد اول میں حسب ذیل ظاہر کیا ہے کہ
 علم آخرت کی دو قسمیں ہیں علم مکاشفہ۔ علم معادلہ۔

علم مکاشفہ علم باطن کا نام ہے اور یہ تمام علوم کا خیر اور غایت ہے چنانچہ بعض اولیاء اللہ
 نے لکھا ہے کہ جس شخص کو اس علم سے کچھ بھی حصہ نہیں ملتا۔ جس اسکے خاتمہ بالا یا ان کا وہ ہے
 اور اس علم سے کم تر کم بہرہ یاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے اور جن
 جنہوں کو خدا کو حاصل ہے ان پر حق و تشبیح ملتی جائے اور بعض دیگر نے فرمایا ہے کہ جس
 شخص میں جانت اور تکبر ہو وہ اس علم سے قطعاً دور رکھا جاتا ہے۔ اور نیز یہ بھی لکھا ہے کہ
 جو شخص دنیا میں اس قدر مستغرق ہو کہ موت آتی سے بالکل غافل رہ کر ہوئے نفس میں گرفتار ہو جائے
 اس علم سے بہرہ ورتا ہے اور اس سے پہلی سزا جو مکاشفہ کو خدا کی طرف سے ملتی ہے یہ ہے
 کہ وہ اس نوزاد حقائق و معانی سے بہرہ نصیب رکھنا ہوتا ہے۔ علم مکاشفہ صلیقین اور مقررین
 بالکمالہ لم یزلی کا حصہ ہے۔ اور ایک اور ہے جو نفس کے تمام صفات و مہر سے پاک صاف

ہو جاتے پر قلب ممکن میں پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے ان حقائق و معارف کی حقیقت کا
 اظہار ہوتا ہے جن کا پہلے اس صورت سماعی علم تھا۔ اور فی الواقع خود پر ان کو سمجھتا تھا۔ اس
 مقام میں ان تمام مشکلات کے عقد سے حل ہو جاتے ہیں جبکہ وہ اپنے علوم کسب کی وسالت سے
 نہیں سمجھ سکتا۔ اسی مقام کا نام معرفت حقینی ہے۔ کیونکہ اللہ علی شانہ کی ذات اور اس کے صفات
 و افعال اور باقیات اپنی حقیقت اطلاق اور دنیا اور آخرت کے پیکار کرنے کی حکمت اور ان کے
 ذات باری سے صادر ہونے کی کیفیت اور عالم وجودات کے صادر ہونے کی وجہ ترتیب اور
 حقیقت نبوت نبی و وحی اور حقیقت ملائکہ اور شیاطین اور کینیت صلاحت شیطان و آدم و انبیا
 علیہم السلام پر پور فرشتہ اور نزول وحی کی کیفیت اور موجودات عالم پر خدا کی بادشاہت اور حقیقت
 قلب اور حق و حکم اور شیاطین یقلب احوالہم ربانی اور خطرات شیطان اور عذاب قبر اور
 بہشت و نار و عذاب و عطا و میزان و حساب و غیرہ وغیرہ امور اسی مقام میں واضح ہوتے ہیں اور
 آیہ اقل کتابت لکن بنصرت الیوم علیک حبیباً اودنیہ ان اللہ راہ الاخرۃ علی العیون
 کی حقیقت کھلتی ہے اور معیت ذات باری اور نزول و قرب حق اور عالم آخرت میں حصول سعادت
 بصاحت ملائکہ و انبیا اور ملائکہ و ملائکہ و ملائکہ کا چہ گنگا ہے۔ الغرض حاکم کامل اسی مقام پر نمود
 عجیبہ و سرور فریبہ کا ملک ہوتا ہے اور جو اسے حاصل ہوتا ہے ظاہر پچھتوں کو اس کا عشر عشر بھی
 حاصل نہیں ہوتا اس علم کی تصدیق اصول کے بعد عارفین کے مختلف مقامات ہیں۔ بعض تو حقائق
 حکمہ ہاگوں کی مثالی صورتوں میں حاصل کرتے ہیں اور جو حد حاکمیت کو پہنچ جاتے ہیں وہ ان حقائق
 ان کی پہلی اور حقیقی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

حاصل علم کا شہد سے مراد یہ ہے کہ کو ایم بشریت کا حجاب دور ہو کر مذکور بالا امور کی حقیقت

علم و کمال نفس کو نامہ اعلیٰ میں وقت کہا گیا کہ کو اپنا سوال پر مدلول تو خود ہی پناہ کوئی مناسب ہے
 شہد و کمال نفس کو نامہ اعلیٰ میں وقت کہا گیا کہ کو اپنا سوال پر مدلول تو خود ہی پناہ کوئی مناسب ہے

اصلاً ایسے جامع طرز پر طاعت کامل کیلئے کھول دی جاتی ہے کہ وہ انہیں بالکل حکم کھلو دیکھ دیتے
ہے جس میں شک شبہ کو کسی قسم کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ اور اس حالت کا پدید ہونا بالکل متافون لمبی
کے مطابق ہے کیونکہ آئینہ قلب سے جب فطرتِ تمہاری بد اعتقادیوں اور نفسانی خیانتوں کا
نیچا رہنما بیچ مجاہدیت و دیانت اُٹھ جاتا ہے تو حقائق و معارف بخالی ہوتی ہیں۔ اور یہ بات
بالکل انبیاء و معلمین اسلام کے رنگ میں رنگے جانے سے حاصل ہو سکتی ہے یہی وہ علم ہے جس کو
بدیہیہ تقریر و تقریر یا سلسل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ وہ کیفیت ہے جو بالور لغت و تشبیہ میں
اُردی ہے وہ غم خفی ہے جس کا اشارہ حضور علیہ السلام نے لافانہ ذیل میں کیا ہے :-

ان من العلم کھیات الملکون لا یعلمہ الا اهل المعرفة بالله تعالیٰ ذوالنظر
بہ لم یجعلہ الا اهل الاعتقاد بالله تعالیٰ فلا تحقر احداً انتہ الله تعالیٰ
علما منہ فان الله تعالیٰ لم یخفہ اذا انتہ العلم۔

مجھے یقین ہے کہ نظریں حقیقت کا شفق کے منے بنوئی سمجھ گئے ہو گئے اس لئے وہ
سہام کی تشریح کے بعد مجھے ضرورت نہیں کہ میں پرکھ نہایتی کروں یہ
ذات القول ما قالت حد ام

سید صاحب نے بھی لکھا ہے کہ میں اور دوسرے وہ بیان جو پورے ہے اُٹھ جاتا ہے قرآن و حدیث کی
انکشاف حقیقت کا اقرار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ بعض ایک خیال برتا ہے۔ ۱۲ ص ۷
سید بیٹک ایک حصہ علم کا وہ ہے جو دین اسلام وغیرہ لکھا گیا ہے جس کو عرف اللہ کی طرف سے دیا گیا
کہ کہنے میں اب وہ علمات علوم کو اندھ میں ڈال کر کہتے ہیں تو معرفت حاصل و مزبور آدمی اس کا انکار کیا کرتے ہیں
تو ایسے علمات کی تکفیر کرتے ہیں کہ وہ علم و یا کتب کو جب خدا نے اس کو علم دیا ہے تو اس کو حق نہیں ہے وہ
سے بات یہ ہے کہ جو نظام از ایک صورت کا نام ہے کہہ سکتے ہیں ایک خوب اشل ہے جس کا ایک لیاقت
ہے ایسے موقع پر لاگو کرتے ہیں۔ جہاں کسی کی بات کو واقعی فریضہ سمجھا جائے۔ ۱۰ ص ۷

ہیں یہ تبادلت مروجی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مابین انظار علم کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں آیا ہے۔ سو ایسے مواقع پر علم سے یہی علم معرفت الہی ملتا ہے جسباب و خبرانیہ نہیں جو روزِ قیامت معاملات تناسل میں کارآمد ہوتے ہیں۔ اور آیہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقامت نزل علیہم الملائکہ..... ان میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ فہم من فیہ۔

میرے پاس اور بھی بعض کتابیں موجود ہیں جن میں حقیقت کا شہد پر بحث کی گئی ہے مگر ان میں اکثر اسی دقیق بات میں جنہیں غالباً سب غریب نہ سمجھ سکیں۔ اس لئے صرف ایسا ماحول کی عبادت میں جس کا ترجمہ اور پیغام کی کفایت کی جاتی ہے۔ مجھے صرف یہ کہنا مقصود تھا کہ جب میں صاحب اس کوچہ کے آدمی نہ تھے تو کہیں خود خواہ اس میں غل و غشوات کا مصلوق بنے۔ کیا اس سے آپ کا یہ منشا ہے کہ سلسلہ اہل معرفت کی تہذیب کریں۔ اگر یہی منشا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا کے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے اس سے معاوضہ منہا۔ تو اگر سلسلہ کی تحقیق کرنا مقصود تھی تو میں علم کا مسئلہ تھا اس کے اصول و فلسفہ کی ہوتی۔ محمدان پر آپ کے اصول پر آپ مذہب کی اس کس بات کا انکار کرتے جانتے تھے۔

نہ ملک نور زل روضا حق و کشور خلعت - کہ جس چیزوں کے دریا بس نہ گئیاں بینی کسی قومی مجلس میں کھڑے ہو کر کسی امر کی تحریک یا تائید و مخالفت پر دھول مچا کر پھر دنیا اور چیز ہے اور معارف و حقائق کا رازہ بگو اراہ شمع نبوت سے بدلیہ مجاہدہ ریاضت اور تصنیف و تہذیب نفس مال کیا جاتا ہے اور چیز و لہو و لب و حال سے

دیکھنے جام شریعت دیکھنے سندان عشق - ہر ہر سنانا کے چیدانہ جامہ بندان ملحق مقامات کا شہد کا بیان کرنا صرف نہیں حضرات کا کام ہے جو صاحب کا شہد ہیں اس لئے ہم اپنے علوم و رحیم کی بنا پر کوئی بحث نہیں کرتے ابدتہ تعلیم قرآن مجید سے ہم استفادہ کجھ سکتے ہیں کہ یہ مقامات اہل معرفت کو حسب قابلیت علی استقامت مرتبہ حاصل کرتے ہیں امدان کا حصول اہل اہل معرفت پر مبنی ہے جدا اس قدر تو عام اہل ایمان بھی اپنے ذاتی تجربہ سے جانتے ہیں کہ کثرت

اگر سے جب قلب سب فصوا الا ید کہ اللہ تعالیٰ تمہارے امتثال پر ہم ہمارے تو کو کہ
 ایک گونہ شخص تک غصہ نہ ہوتی ہے۔ اور ایک ایسا سرور و انبساط حاصل ہوتا ہے کہ اس کے قابل
 کوئی چیز بھی قابل قدر معلوم نہیں ہوتی۔ یہیں سے خیال کر لینا چاہیے کہ جب شیخ کامل کے اتباع
 میں جس سے وہ حقیقت حضور علیہ السلام کے ساتھ اپنی نسبت قائم کی جاتی ہے بمضمون وجہ اللہ
 فی اللہ حق جہاد۔ پھر یہ ریاضت و مجاہدت کی جائے تو کیا نتیجہ پیدا ہوگا۔ مگر کیا یہ لغت
 شکر اس را نہ کو کیا کہے گا۔ ایسا کاراؤں سے نیا وری سلامت نہری سے

شرت خواہی گرد مقلد مگر۔ کہ نہ وہ از مقبل مقلد شود مرد
 میں منکرین سے صحت ہی پوچھتا ہوں۔ کہ بتاؤ کہ نازکس طریق پر آکر تے ہو تمہیں تو بحیرہ حرم
 کے وقت بھی حضور قلب نہیں ہوتا۔ جو قبول نازک و پھل و جہ ہے بعد حضور و غشور و جود اللہ
 صفتی سید ہر خاشعوں کا حکم ہے کہاں نصیب ہوگا۔ تم مدد دیتے ہو میں میں دیا و نمود
 کی آمیزش برابر لگی ہوتی ہے بلکہ با واقعات صحت بمرض دیا و نمود ہی دیتے ہو۔ تم ہر وقت
 محبت و دویم میں بنی نوع کے بر غلات منصوبہ بازی کرتے ہو۔ اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے
 تمہیں ہی دھن لگی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے یہ منصوبہ یا زہیہ حل نہکے۔ اور کامیابی ہو۔
 اور اس میں رفت میں تمہیں کبھی سیرے سے بھی نہ ملے مولیٰ اور التبرع سرور کا۔ ناس صبر
 کا خیال نہیں آتا۔ تمہارے معتقدات ایک مجموعہ ہے شکوک و اوہام کا جس میں کوئی امر بھی اذعان
 اور تصدیق حق کے درجہ پر ثابت نہیں ہوا۔ تمہیں شیطانی خطرات اور نفسانی خواہشات ہمیشہ بغیر
 و مضطرب رہتے ہیں جن سے محبت الہی اور محبت رسول پاس تک نہیں پہنچتی۔ تمہیں انتظار
 و صبر تو بے نصیب نہیں ہوتی جہنس کیلئے کیسا کام دیتی ہے۔ تمہیں پچھلی رات گریہ کی توفیق نہیں
 ملی جو صفائے قلب کا جاری قدید ہے۔ تم مقلد و مستان میں بیٹھے تمام غلات مشغوع اقبال

کے ترکیب ہوتے ہو اور جو تک سائے میں آئیں تو اسے یا سہا لقات نہیں جانتے قبلہ سے چڑھ کر
 میں ایک یوں کنگل یا لکیت تھم بکس بھوکا موتا اور تھم قدر ما اور پاؤ کھا کر میٹھی خیر سو جاتے ہو
 اور صبح کے آٹھ بجتا رہتے ہو تمہیں جو میں غصہ میں تھوڑا دیر کیلئے جو حقائق و معارف کا دروازہ ہے
 ایک مدت بھی نہیں ملتا۔ تم اپنے بڑے کاموں کے پیمانے اور اچھے کاموں کے شہرت دینے میں
 کوئی دقیقہ نہیں رکھنا کہتم نے اپنی مدح و تعریف سے خوش ہو گئے ہو گو جھوٹ ہی بڑا اور جو د
 ذات سے فالین ہوتے ہو۔ گو سچی ہی ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے حالات میں تم خود ہی انصاف کو
 دلچسپی لین سے فیصلہ کر کے تم کو کس طرح صحیح الایمان کہلاتے کا استمناق رکھتے ہو۔ اور کس طرح انہی
 عبادات و معاملات پر خدا کے حضور یہ ستر چھوئے کی امید رکھے بیٹھے ہو جس کو اگر کسی
 کہانے کی صورت میں مجھ کیا جائے تو کتا بھی ہوتا نہ کر چھوڑ دے۔ اور اگر پورا چینی صورت
 میں دیا جائے تو کوئی دو آدمی ٹکڑے ٹکڑے کیس۔ اور باہر ایں خست و نات ان لوگوں پر زبان
 ضمنی دلا کر کہتے ہو۔ جن کا ظاہر و باطن بیخون و قدر و اخلاص کا شہد و باطنی آواز
 گناہ سے باطل پاک و صاف ہو تاکہ جو خشیت الہی سے ہر وقت سر نیاز و سائل تسلیم رکھے
 بچے ہیں جن کا معاملہ خدا اور خلق خدا کا ساتھ محض ہے پر مبنی ہوتا ہے جن کے پر الہی چہرے
 کے دیکھنے ہی دلوں میں محبت الہی کی آہ سی لگ جاتی ہے۔ جن کے دم قدم کی برکت سے
 باوجود ال عالم کے کثرت فسق و فجور کے آسمانی مذاب نگار رہتا ہے جن کے زیر سایہ آئیے
 غلام کے خشک کی آگ سرد و چماتی ہے۔ جن کے کلمات قدیسے دلوں میں گویا یان پیدا
 ہوتا ہے اور جن کی گفتگوں وہ برقی طاقتیں بھری ہوئی ہوتی ہیں کہ عمر بھر کے خستہ صلیان کو
 باوجود عبادت پر جا بھالتے ہیں۔

اُن دل کے نزوت و گیراں ہر بودم - ہر گز بکے نہ عاد و نمودم
 جانوں تو بیک نظر چناں بر بودی - گوئی کہ ہزار سال بے دل بودم
 مگر شہ جس کا آثار کیا جاتا ہے وہ علم خفی ہے جو دنیا میں دنیا علیہ السلام کی صورت دیکھ

سچے متبعین کے مگر کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوتا۔ یہی وراثت ہے جس کا اشارہ حدیث
 العلماء اور صفۃ الاولیاء میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ علم سے مراد علم شریعت و طاعت ہے نہ علوم مادیہ
 اہل دنیا۔ مگر شہرہ ہی تھا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجیہ شہرہ کے واقعہ قتل کر
 جو کفار کے ہاتھ سے مکہ میں واقع ہوا تھا بوقت قتل مدینہ منورہ میں ہو چکا تھا۔ ان کے سامنے بیان کر دیا
 اور حضرت عیسیٰ نے آپ کو اسلام علیکم کیا۔ اور آپ نے وہ علیکم سلام ارشاد فرمایا۔ اور
 کعب کی طرف چہرہ پھیر لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ سب واقعات میں ایک ہی وقت میں واقع ہوئے
 بن کی لگوں سے بعد میں تصدیق کی۔ اور بہتوں کے لئے موجب یقین ثابت ہوئے۔ مگر شہرہ ہی
 تھا کہ کیفیت مصلح پر حبیب ظہیرین نے اعتراض کیا کہ جلا جلا سے فلاں قافلہ کے حالات جو
 شام سے آنیوالے سین کر دو تو حضور نے عین وہ باتیں جو ان کے کہ معقل میں داخل ہوتے
 حکم پیش آنیوالی تھیں کہ سنائیں اور شہر میں داخل ہوئے کی کیفیت بھی بتا دی۔ چنانچہ مخالفین نے
 تصدیق کی اور آپ کو ایک بھاری جاودہ مرکبنا خرمن کر دیا۔ مگر شہرہ ہی تھا کہ حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں شہر پر صحن خطیبہ پڑھنے کی حالت میں اپنے سپہ سالار سلیم کو
 جو شام میں مقابلہ کر رہا تھا۔ روئے کہا کہ یا سادۃ الجبل (ساریہ پامان کی جانب اختیار
 کرو) چنانچہ اوہرا یہ نے بھی آپ کی ہی آواز سن لی اور اس پر عمل کیا اور دشمنوں پر فتح پانی اور
 بیہیمان کی تصدیق کی گئی۔ مگر شہرہ ہی تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم سے کئی ایک
 صاحب داخل ہوئے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ تم نہ ان کے کہے ہو۔ کہا کہ ہرگز نہیں آپ نے
 فرمایا کیا تو نے راستہ میں کسی حضی صحت پر نظر کی ہے اور تیرے نفس میں اس کے متعلق کچھ
 وسوسہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس نے جواب دیا ہاں ایسا تو ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کیسی ذرا ہے۔
 کیونکہ حضور نے فرمایا اللہ شان تو زبان بینی نکھیں بھی نہ نکالتی ہیں۔ اس سے کہا کہ کیا حضور کے
 اب پیروہی داخل ہونے لگی جس سے آپ کو یہ اطلاع مل ہوئی۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں
 وہی تو حضور کے بعد منتفع ہو چکی ہے۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ المؤمن قاتلہ

یہ بظہر ہوا اللہ یعنی یحییٰ بن ماری کے توفیق سے ہے چہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ کردہ قہ سے بظاہر کا
 معائنہ کرتا ہے۔ علیٰ ہذا اس قسم کے ہزاروں واقعات خاصان بارگاہ ربانی سے منتقل ہیں۔
 ہر یہ سب کے سب خزانہ نبوت سے درشتیا حاصل کئے جاتے ہیں۔ اسباب کوئی جاہل مذہب ناگر
 اور واقعات کا انکار کر دے تو اس کا انکار کیا محبت ہو سکتا ہے اولیٰ سے دلائل کو جو وہاں نقل و نقل
 سے نہیں ثابت کرتے ہیں مگر عجائب پرستی کا الزام دیتے تو اس کا الزام دینا ان واقعات
 کی حقیقت میں کیا نقص عائد کر سکتا ہے۔ انکار کر دینا اسان بات ہے مگر عجم کے سامنے
 محبت میں ہمد برد آہو نائل ہم تو ایسے انکار کو ایسا ہی انکار سمجھیں گے۔ جیسے کوئی نادان
 کہتے کہ قسطنطنیہ محض ایک فرضی شہر کا نام ہے۔ وہ حقیقت اس نام کا کوئی شہر پورے زمین پر
 موجود نہیں۔ یونانی انباری دنیا نے جوٹ سوٹ ایک نام تجویز کر لیا ہے۔ مگر جو شخص قسطنطنیہ کو
 دیکھ چکا ہے اور وہاں سلامت ہوش تو اس رو کر کچھ عرصہ بسر کر آیا ہے وہ اسے کہیگا کہ
 اسے یہ قوت تو کیا بدیان یک رہا ہے۔ میں تو وہاں مدقول رہا ہوں۔ اور ایک حصہ عمر کا
 وہاں بسر کیا ہے تو کہے یہ کہتا ہے کہ قسطنطنیہ کوئی شہر پورے زمین پر موجود نہیں۔ اب اگر
 مدقول اپنے اپنے وہاں بیان کرنا شروع کریں تو کوئی بظاہر حقیقت ایک ناواقف اس شکر گستاخ
 جو طیش اور اس کی سائے کی تائید کرنے لگیں تو کیا صحیح قسطنطنیہ دنیا میں موجود نہیں ہوگا
 جسے بیکہ جو شخص اہلیت کو تسلیم کرنا چاہتا ہے اسے ضروری ہوگا کہ وہ ممکنہ مسائل کو ہستال
 میں لاکر اپنا اطمینان کرے جن میں سب سے عمدہ وسیلہ یہ ہے کہ وہ خود سفر کرے اور اگر تعلقات
 سفر نہ ہو تو نقل و نقل کے بیان پر اعتماد کرے۔ اور اگر خود جانے کی توفیق نہیں رکھتا اور اسے
 شہر آدمیوں کے بیان پر بھی وثوق نہیں تو اسے کہنا چاہیے کہ تم اللہ کی طرف سے فضل و رحمت کے
 مستحق ہو مگر ہے کہ تمہیں کوئی یقین کی سیل ل جائے کیونکہ اس لیے بھی تو اسے کہنا چاہیے کہ تم
 ایک غلطی میں مبتلا رہا ہے اور عالم اسباب سے خداوند کریم نے یکے فائدہ کوئی ایسا سبب پیدا
 کیا ہے جس سے اس کی غلطی کا ازالہ ہو گیا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ شخص قسطنطنیہ پہنچ کر

دیکھو کہ پتہ تھا اور اس میں ملے ہیں ان کا بھی گندہ تھا چنانچہ ایک موقع پر گھسے ہیں۔ کہ تم لو دقوں جاگے
 مگر میں تو کوئی مضائقہ نہ ہوا۔ اب اس حقیقت اس عہد کو پڑھ کر سوائے اس کے کہ ہنس میں اور کیا کر
 سکتے ہیں۔ اس جگہ کا سید صاحب جیسے عالم اہل حق کے علم سے غلطا فاقھی محل تعجب ہے کہ انہوں نے
 بلا اصل دلائل جاگنے سے سب بہرہ ہونے کو طریق مشائخ عظام کی تلمذ پر دلیل گر لیا۔
 آپ نے کب کسی مرد خدا کے حضور میں بیٹھ کر طریق نقل و ذکر کو سیکھا۔ آپ تو تمام عمر سچی کرتے رہے
 جس میں علی گڑھ کوئی لمبے کے معاملات میں غلطان دیچان ہے اور اسی میں آپ کا قائمہ ہو گیا۔ آپ
 کو موقع ہی کب ہوا کہ اصول تصدیق و تزکیہ باطن کو بر طریق ریاضت و مجاہدات لازم کرتے اور
 مقامات عالیہ کو طے کرتے غلط و صحیح نظر و استدلال سے نہ تو آپ باہر آئے اور نہ کوئی اور طریق
 آپ کو سمجھا آپ تو مبغضوں سے

چوٹا کرے کہ درگندم نہاں است - زمین و آسمان او ہماں است
 صحت قانون قدرت کے زمان میں پڑے رہے فضائے دکشا - "ی مع اللہ وقت" میں
 آپ کو چلنا نصیب نہیں ہوا پھر آپ تلمذ مشائخ کربلا پر کرنے لگ گئے۔ ان حضرات
 الاشقیٰ عجائب آپ مسلمانوں کی دنیوی و دنیوی و فلاح کی تدابیر میں ہمیشہ بہترین سرگرم
 رہتے اور ایک اچھا کام کیا اور موجود زمانہ کی ضرورتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور انہیں کئی غلطیوں
 سے بچایا۔ کیا آپ کے مصلح یا یقیناً ہر سونے کیلئے یہ اصولی باتیں تھیں نہیں بلکہ ایک پیلوں
 پر مشتمل ہی ضروری تھیں۔ مگر آپ نے طریق مشائخ میں کیوں خواہ مخواہ دخل دینا شروع کر دیا
 کیا تلمذ یہ مشائخ کو بھی شہل مقامات لغزش میں کچھ دخل تھا۔ انہوں نے کہ آپ نے قول مشہور سے
 اقالم ششلیح مرا فدعہ - و جاوہر الی ما تستطیع

بہر حال دنیا اور ملاحق بزرگان اسلام جہم اللہ ابھین کی پاک سوجھ کو دیت نہ پھائی جس کی بابت

مطالعہ کسی کو کیا نہیں ہو سکتا تو اسے چھوڑ دے اور کسی ایسے کام میں لگ جے تو کیا کر سکتا ہے۔

محض جہاد رسول علیہ السلام وہ آپ پر قیامت کو استغاثہ دائر کر گئے پیش آنے کا سلسلہ نہ تو
 آپ سے اصرار آپ کے بعض رفیقین سے ہمیشہ کچھ حدیں اس کی تکذیب کیا کرتے ہیں نہ کہ
 ہے اور نہ تو شاپائے مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ دین کو دنیا پر پیش قدم نہ کھو اور دنیا کو شریعت
 پاک کے تابع نہ کر رکھیں اور اس لئے وہ کسی دین کے پہلو کو مرکز نہ ہیں جو نے دینگے یا نہ نہیں
 دنیا بلا دین کی عزت ہے ۔

ما احسن الدین والدینا اذا جمعنا ۔ کلا یاربک اللہ فی الدنیا وبلا دین

حقیقت الروایہ

حقیقت روایہ سے انکار نہیں ہو سکتا | روایہ یعنی خواب کی حقیقت بھی بخبر عجائبات ملحق ہے اور
 بجز علامہ ربیع کے اس حقیقت سے اور کوئی شخص اعتقاد
 نہیں ہو سکتا جن لوگوں نے اصول فلسفہ پر اس کی تشریح کی ہے انہوں نے اس کے سمجھنے میں
 کیا ہیں اور ادنیٰ فلسفی تو سب سے روزانی تھیں کا ہی انکار کر دیا کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے سوال کی
 وجہ یہ ہے کہ حقیقت روایہ کو بخبر علوم نبوت کے شمار کیا گیا ہے اور جب تک کوئی شخص حقیقت میں
 سے آگاہ نہ ہو مگر نہیں کہ روایہ کی حقیقت کو بخبر نبی سمجھ سکے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں حضور
 علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ روایہ سے سارے جہاں میں اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہے ۔
 بقول بعض علماء چھپالیس کی قید میں انتقال ہے معصوم و محترم یہ ہے کہ حقیقت روایہ بخبر علم
 نبوت کے شامل کی گئی ہے جن کی بنا بھی انسانی پر موقی ہے بعض اہل فلسفہ جہاں علوم نبوت
 سے کچھ تعلق نہیں اور اپنے دماغ کے پابند رہتے ہیں حقیقت روایہ کا انکار کرتے ہیں اور
 نقلیات کو پایہ اعتبار سے ساقط کرتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ جس حقیقت کی تفصیل میں آج
 کتب ما دیہ و انبیاء علیہم السلام اور حضرات اکابر دین بالاتفاق متفق ہیں اس سے انکار

محض طاقت اور عین مشابہت کی پائل ہے اور ہر ایک جان کا اپنا ذاتی تجربہ اس شوق طیفہ نسلی مساقبت میں
جست کا ملکہ ہے بلکہ کائنات کا قابل اعتبار ہے۔

انسان اعدا و سا جہلو ایسی لوگ ہیں چیز کی حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں اس کی مخالفت
کیکرتے ہیں +

رویا کے اقسام | اعتبار و احادیث سے درمخ متواتر ہے کہ روئے کے تین اقسام ہیں۔ (الف) وہ

رویا جو انسان کی طرف سے ہوتا ہے (ب) وہ رویا جو شیطان کی طرف سے
ہوتا ہے (ج) وہ رویا جو حکو حدیث انفس ہوتے ہیں۔ مگر ایک حدیث میں رویا کی تین قسم یوں کی
گئی ہے (۱) وہ رویا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے (ب) وہ رویا جو حکو روحانی کی طرف سے
(ج) وہ رویا جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے

اقسام مذکورہ بالا میں مجہد امتیاز | (الف) وہ رویا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ کسی موقع

کی عین اپنی اصلی حالت میں بحالت بزم ظہر ہو سکتا ہوتا ہے
ہیں اور واقعہ مذکورہ اس قدر بلی اور عاض ہوتا ہے کہ اس کو اس حالت سے جو بیسی ہی ہوتی
مقرر ہوتی ہے کچھ امتیاز نہیں ہوتا اور اس میں تادل کی ضرورت نہیں ہوتی یہ مقام اعلیٰ درجہ کے
مستوحین بائگہ کے مساوی ہوں کو حاصل نہیں ہو سکتا اگر کسی رویا انبیاء علیہم السلام کو نظر آئے تو اس
کو حکم وحی میں شمار کیا جاتا ہے اس میں غم کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے جیسے برہم علیہ السلام
کو رویا مبارکہ فرج و ولیدین کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہے ایسا رویا اولیاء اللہ کو بھی ہو سکتا ہے
چنانچہ کہ کسی ایک روایات صحیحہ سے ثابت ہے مگر غیر نبی کا رویا رجعت نہیں +

(ب) وہ رویا جو حکو روحانی کی طرف سے ہوتا ہے وہ عموماً کسی تشبیہ صورت پر ہوتا ہے
اس میں تخیل کی ضرورت ہوتی ہے یہ بہرہ رو رویا وغیر محض ہوتے ہیں اور ان سے مدح کو ایک گونہ
انجیل اور سرور ہوتا ہے +

(ج) وہ رویا جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے مدح کے لئے موجب دہشت و خوف ہوا کرتا

ہے کہ کسی امر یا گواہی شجر و نبات ہے خواہ وہی انسان کے متعلق ہو یا دینی امور کے متعلق +

۱۵) حدیث نفس کی صورت یہ ہے کہ انسان کو بیداری کی حالت میں ہم امور کا خیال دیکھتا ہے۔ یا عین کے ساتھ اس کے نفس کو نیا و باطلق ہوتا ہے ان کی شبلی صورتیں یا وہی خیالات کسی علی صورت میں پیش ہو کر نظر آتے ہیں۔ یہ صورت حقیقت میں رویا نہیں بلکہ قوی و نافذ کے عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ بیداری کی حالت کے خیالات قوت حافظہ میں جمع ہوتے ہیں اگر قوت دہرہ ان خیالات جزئیہ میں اپنا مل کرے تو عجیب عجیب صورتیں نظر آتی ہیں +

رویا و صبح کے مختلف اقسام | روایا صبح کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تعجب
عبد میں الکا کرتا ہے چاہے صورت کلام ہوتا ہے جس سے وہ

بحالت خواب اللہ تعالیٰ سے بطور جواب جیسے کہ عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اے ایک صورت یہ ہے کہ ایک روحانی کو اللہ تعالیٰ اس پر مقرر کر دیتا ہے کہ جو کسی اور

کو شبلی صورت میں دیکھا دیتا ہے جس کی تفسیر کوئی متقی اہل علم سیر العظمت کر سکتا ہے۔ اور ایک صورت

یہ ہے کہ سونے والے کی بعض صورتوں کی بعض طاقتوں کے بعض امور کی خبر دیتی ہیں۔

۱۶) ایک صورت یہ ہے کہ سونے والے کی روح کو بارگاہ رب العزت میں لیا جاتا ہے۔ اور

وہاں اس کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے۔

۱۷) ایک صورت یہ ہے کہ سونے والے کی روح جنت میں داخل ہو کر وہاں کا مشاہدہ کرتی ہے

ان مختلف صورتوں کی توضیح میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔

ایک مگر وہاں علم کا خیال ہے کہ تمام علوم و معارف نفس میں فطرۃً یا صفۃً ہی ہو لہذا یہ مافی کی وجہ سے

محبوب بنتے ہیں۔ چونکہ خواب کی حالت میں روح کو ایک گونہ تجرید حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ

بہت سادہ و سلیس انداز میں ہر صورت سے طاقت کرتی ہے اور اس حال میں اس کے علوم و معارف

کچھ اس میں جتنی تھے انکشاف کا مل ہوتا ہے۔ اس توضیح میں صرف یہ امر قابل غور ہے کہ جو تجرید و

انکشاف علوم کا موجب ہوتا ہے مگر یہی علوم و معارف کا انکشاف ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ علوم و معارف

و بابت موت کے ساتھ مخصوص ہیں بجز تعلیم فی اللہ کے حال میں جو کہتے ہیں کہ موت کے بعد
 یہ قریب قریب ہے کہ عادات و مشاغل دنیا سے الگ ہو جائیں گے۔ لیکن اس میں جو کوئی نقصان ہو تو تعلیم و عبادت
 کے کسی بھی صورت میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتا۔

اور ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ روایا و صحیح کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مافی
 کو حکم دیتا ہے سو وہ مرنے والے کی مستند و قدرت کے مطابق کسی تو کسی امر کو مثالی صورت میں
 دیکھ دیتا ہے اور کبھی من اعلیٰ صورت میں وہ واقع میں آنے والے واقعہ کے ساتھ بالحدیث
 مطابق پہنچتا ہے۔ یہی ظہر و باطن الی الصواب ہے۔ مگر اس میں استدلال و افساد کرنا چاہیے
 کسی کی بدعت ہی وہ صورتیں (تشکیلی اور اصلی) ان میں ہنگامہ و تیرہ بھی ہیں۔ جیسے اندام کی مفاصل
 وغیرہ میں ہنگامہ و تیرہ کرنا۔

روایا و صحیح اور کاذبہ طیفانی نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ
 نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین مجھے
 آپ سے چند امور کی بابت کچھ پوچھنا ہے آپ نے فرمایا کہ جو تو
 پوچھتا ہے پوچھ۔ کہا کہ کیا وہ ہے کہ انسان کبھی کسی امر کو قبول کرے اور پھر اس کو یاد کر دیتا
 ہے۔ اور دوسرا ایسے واقعہ ہوتا ہے اور کیسے کاذب؟

آپ نے فرمایا کہ کذب پر ایک قسم کا پردہ چھا جاتا ہے جس کی مثال عین ایسی ہے جیسے ہلا
 و ہل جانک کے سامنے آجاتا ہے۔ اس حالت میں کسی چیز کا نشان چھو جاتا ہے۔ اور جب وہ
 یہ واقعہ ہوتا ہے تو وہ چیز فی القور یا دیر آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے
 ان یوتی الا انفس حین یتوکلن فی لغت فی منامہا یعنی اللہ تعالیٰ رومن کو ان کی موت
 کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرنے میں نہیں فتنہ کی حالت میں قبض کرتا ہے اس آیت کے
 حکم ایک قول نبوی میں وارد ہوا ہے کہ غلب کی حالت میں رومن کو آسمان کی طرف مرفوع
 کر دیا جاتا ہے۔ موجودہ اس عالم ملکوت تک پہنچ جاتی ہیں۔ ان کو دیا بھی جاتا ہے اللہ جنہیں پسند

نکتہ ملتی نہیں ہوتی انھیں یہ کاتب ہوتا ہے۔ اسی طرح ابن طبع سے برائیت ابودروانی اور
 روسی ہے کہ جب انسان سو جاوے تو اس کی مدح کو عرش کی طونے جانتے ہیں۔ اگر وہ پاک
 ہیں رکھتا ہو تو اس کو سجدہ کا حکم ہوتا ہے اور اگر جنب کی حالت میں ہو تو سجدہ کا حکم اسے نہیں آیا
 جاتا میں کہتا ہوں کہ اسی حکمت پر مبنی ہے سوتے وقت با وضو سونا ۔

ادراج کا باہم ملنا | یہ سند مذکور کتاب میں بہت سی تفاسیر کے ساتھ پایہ ثبوت تک پہنچ چکا
 ہے حتیٰ کہ کسی کو انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اگر کسی غریبی طبیعت کے
 اس کا انکار کرتے سنو تو سمجھ لو کہ وہ شخص علوم روحانیہ اور عجائب کیفیات روح سے بے حقیقت
 و عقلیت پر تمام کا پر شاخ و مسلم بالاتفاق شہادت دیتے ہیں بالکل بے بہرہ و حقیقت
 جس طرح روح کی ماہیت کے سمجھنے سے عام انسان قاصر ہیں۔ اسی طرح اس کے عجائبات
 حالت کی بھی نہیں کہ خبر نہیں چونکہ یہ مقام بحر کمال تصنیف قلب کے عامل ہوتا نا ممکن ہے
 اس لئے ایسے لوگوں کو جو اس مقام تک نہ پہنچ سکتے ہوں خاموش رہنا قرین مصلحت ہے
 اور اسی میں ان کی بھولتی ہے۔

فارغ ہو کر جس طرح زندہ آدمیوں کی رُو میں مردوں کی رُو میں سے بحالت خواب باہم
 ملتے ہیں اسی طرح زندہ آدمیوں کی رُو میں دوسرے زندہ آدمیوں کی رُو میں سے خواب
 میں ملاقات کرتی ہیں۔ مگر اس کی توجیہ بیان کرنے میں ظلم کا احتمال ہے بعض کا خیال ہے
 کہ ایک زندہ شخص کی رُو کو سونے والے شخص کی رُو کے ساتھ بوجہ خواب ملک مدنی
 متشکل کر دیتا ہے اور سونے والا بعینہ اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح بوجہ سیداری ایک
 شخص کی رُو دوسرے شخص کی ملاقات سے متاثر ہوتی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ جب
 دو شخصوں کی رُو میں مناسبت ہوتی ہے اور ان میں ملاقات بھمت قوی ہوتا ہے۔ تو ایک
 کی رُو دوسرے شخص کے ساتھ سے آشوب ہو جاتی ہے اور اس آگاہ ہو جاتی ہے ملت یوں
 میں کہتے ہیں کہ رُو میں باہم ملاقات کرتی ہیں اور ملک روحانی اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ان امور پر نگاہ ہو کر جو کسی ایک پر عائد ہونے لگے ہوتے ہیں دوسرے کو آگاہ کر دیتا ہے یعنی
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہر غیب کا ایک شمار جو محفوظ سے جس میں آنے والے حادثات خیر و شر
 کا وقوع مرقوم ہوتا ہے سو نیولی روح کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور یہ کسی تو میں واقع کی
 صورت میں دکھایا جاتا ہے اور کسی اس واقع کی تشکیلی صورت میں۔ چنانچہ بڑے بڑے مشائخ
 کرام کے مشاہدات اس بارہ میں ابلو و جت نقل کئے گئے ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے
 کہ لوگوں نے نفس کسی زندہ یا مردہ شخص کے بحالت خواب نصیحت کرنے یا ڈرانے پر توبہ کی
 یا کسی مدفن پر کھپتے دیا۔ یا کسی آئینے عاوش کی خبر سنا دی اور بعد میں وہ واقعہ بعینہ اسی
 طرح وقوع میں آیا جس طرح سونہ لے پر بحالت خواب ظاہر کیا گیا تھا۔ انقرض لاقات ابراج
 کی صلیت میں تو شک نہیں خواہ اس کی توجیہ کچھ ہی ہو اور و امر فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک
 بڑی نعمت ہے اور اس کا ایک احسان ہے جس سے وہ حسب مصلحت اپنے بعض ایسے بندوں
 کی اصلاح کر دیتا ہے جن کی اصلاح کے لئے اور کوئی تدبیر مفید نہیں ہو سکتی تھی۔

اختصاص احلام

سوئے وقت جو خیالات منقطع بحالت بیداری نراند مافقہ میں منع ہوتے رہیں
 بسا اوقات انہیں کے مطابق متفرق اشیا سونہ لے کو دکھائی دیتی ہیں
 جنہیں اصطلاح احلام (خوابات پریشان) کہتے ہیں۔ روح میں قدر تعین قبل کر مٹی ہے
 اسی قدر اس کو ایسے پرانے خواب کم دکھائے جاتے ہیں۔ اور عموماً یہ امر حقیقت کی شخص
 فی حالت تصنیف کے عواذ کا ایک مدد میاں ہے۔ عموماً عوام الناس اپنے اپنے تعلقات بیداری
 کے لحاظ سے اکثر امور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کا کوئی اختیار نہیں۔ اور نہ انہیں چھینا دیا
 کیا یا نہ کتاب ہے کیونکہ روئے صادق یا کاذب کے اسباب میں ایسی کوئی صورت داخل نہیں۔ مگر
 عام طور پر یہ ہے کہ روئے صادق اور اس قسم کے خوابات میں لوگ امتیاز کر سکیں۔
 اس سلسلے کے متعلق زیادہ تشریح کے لئے علم تعبیر الروایا کی کتابوں کا دیکھنا ضروری ہے اس
 پر مبنی ہر موضوع سے یہ سلسلے متعلق نہیں ہیں صرف حقیقت روایا کی ضرورت اور اس کے اقسام

پر بحث کرتے ہوئے ہے۔ ہر لوگ عجائبات سے افسانہ دار اور سمیع و سحر سے واقفیت رکھتے ہیں۔
روایات کی حالت میں عجائبات کے مشاہدہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

روایات کے متعلق چند واقعات | علامہ ابن تیمیہ نے کتاب صریح میں بہت سے واقعات
صحیحہ روایت کیے متعلق نقل کئے ہیں۔ ہم چند ایک کو ذیل

میں نقل کرتے ہیں۔ ہر چند کہ انسان کا اپنا قاتی بخیرہ کافی ہے کہ وہ دنیا کی حقیقت کا قائل ہو
مگر بطور تفریح ضروری ہے کہ دوسروں کے واقعات سے اپنے تجربات کی تصدیق کرے۔

(۱) ابو محمد عبد اللہ بخاشی ایک صالح آدمی تھے جو مدینہ کی روہل سے وفات کر گئے
اور ان سے بعض حالات کے استفسار کرنے میں بدست شہر تھے۔ چنانچہ ایک جمعیہ عورت

مرکبی۔ اور ایک دوسری عورت کے سات وینار اس کے ذمے تھے۔ وہ عورت ابو محمد کے
پاس تھی اور حال بیان کیا۔ انہوں نے مرنے والی عورت اور اس کے باپ کا نام دریافت کیا

اور کہا اے انا۔ جب وہ دوسرے دن ان کے پاس آئی تو انہوں نے کہا کہ مرنے والی نے
کہا ہے کہ میرے گھر کی چھت کی سات کڑیاں نکل جانے سے شمار کردہ ساتویں کڑی میں

ایک پانچ کے اندر دینار بندھے رکھے ہیں۔ چنانچہ تلاش کرنے پر سات وینار برآمد ہوئے۔
اور ابو بکر احمد بن مروان ماکلی اپنی کتاب العجائب میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے میں کے

بیان پر مجھے ابو الطیخان سہامیان کیا کہ ایک عورت نے مجھے اپنے گھر کی دیواریں کھودنے
پر اجازت فرمادی مقرر کیا تب میں نے کام شروع کیا تو ایک صلح مرد جو مجھے جانتے تھے

گڈیے اور دریافت کیا کہ کیا کر رہے ہو۔ میں عورت نے کہا کہ میرا باپ والدہ آدمی تھا۔
اس کا مال میں نہیں ہا۔ اوروہ چہ وہ سے نکلا ہے۔ اب ہم گھر کے کونوں میں تلاش کر رہے

ہیں انہوں نے کہا کہ اس قدر تعلیق کی کیا ضرورت ہے نکل صاحب کے پاس چلو وہ بتائیں
جس پر بتا دیئے چنانچہ وہ عورت گئی اور اس نے ظہر بیان کیا۔ انہوں نے اس کا اور اس

کے باپ کا نام دریافت کیا۔ دوسرے دن جب وہ عورت گئی تو انہوں نے بتلایا کہ تیرے

باپ نے کہا ہے کہ جہاں میری کمان پڑی ہے اس کے نیچے سے جگہ کھدواؤ۔ چنانچہ ایسا کرنے پر مل برآمد ہو گیا۔ لوگ تعجب کرتے تھے اور وہ بڑھیا اپنی قہقی کہ میرے باپ نے سات سے مل کا پتہ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ بڑا مالدار تھا۔ دوبارہ ان سے دریافت کوئے کے لئے کہا چنانچہ دوسرے دن انہوں نے چتو دیا کہ عوص کی قلال یا تبا مال۔ غن بے جا کہ نکل لو۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو مال کثیر برآمد ہوا۔

دع ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے بشر عافی اور معروف کرنی دیکھا کہ وہ خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ ہر دو کہاں سے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ جنت فردوس میں موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے لئے گئے ہوئے تھے۔ پھر انہیں سے مروی ہے کہ مرنے کے بعد انہوں نے بشر عافی حراتہ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اسے جو لفظ آپ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا سلوک ہوا ہے۔ فرمایا کہ اس نے مجھے اپنے لطیف رحمت سے عزت بخشی ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بشر اگر تو دنیا میں آگ کے چنگاڑوں پر بھی سجدہ کرتا تو پھر بھی تو ہماری اس عزت پہ شک کے احاطہ کر سکتا جو ہم نے تیری طرف سے لوگوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ اور اس نے تجھ سے وعدہ کر لیا ہے کہ جو لوگ تیرے جنازہ پر حاضر ہونے لگیں۔ میں ان سب کو مغفرت دوں گا۔ یہ میں نے پوچھا کہ اسے ابو لفراتہ کا کیا حال ہے جواب دیا کہ وہ بھر کو بوسے دوسرے لوگوں سے برتر رہے ہیں۔

رج ابنی علیہ الرحمۃ کو ایک صالح مرد نے خواب میں دیکھا کہ وہ جہنم کی مجلس مصافحہ میں سب معمول بنایت نافرمانیاس پہنچے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ بیٹھ گیا اور دیکھا کہ آپ اصحاب میں سے زیادہ مترب کون سے لوگ ہیں۔ فرمایا کہ وہ لوگ جو ذکر پر زیادہ متوجہ اور متحقق اللہ کو زیادہ ملحوظ رکھتے اور اس کی رضا مندی حاصل کرتے ہیں۔

ابو عبد الرحمن الساسلی کہتے ہیں کہ میں نے میسرہ بن سلیم کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ اس نے پوچھا کہ آپ رحمت سے ظاہر ہیں فرمایا کہ بہت بڑا لیب مغفرت ہے۔ میں نے پوچھا

کہ کیا حالت گذری فرمایا کہ میں آسانی دیکھی کہ نہ کہ ہم لوگوں کو مسائل شرعیہ میں سنا یاں بتلایا کرتے تھے جن سے انہیں دین کی پابندی ناکور نہیں ہوتی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کچھ مجھے بھی ایسا دفرائیے فرمایا کہ سلسلہ صالحین کی پیروی کرو۔ اور نیک لوگوں کی مصاحبت نہ چھوڑو۔ کیونکہ یہ ہر دو باتیں دفع سے بچاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مقرب بنا دیتی ہیں۔

اس قسم کی سینکڑوں نظیریں کتب میں مذکور ہیں اور اگر کوئی شخص انہماک رکھ کر لگے تو اس کے انکار کی کوئی وقت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہرے پاس اس قسم کے صحیح رویہ بھی ہیں جن کی نسبت کذب یعنی خیال باطل گمے ہونے کا گمان تک نہ ہو سکتا تھا کوئی شخص اپنے کسی قریبی یا کسی دوست کو خواب میں دیکھتا ہے اور وہ اسے ایک ایسے امر کا پتہ دیتا ہے جس کا علم بجز اس مرنے والے کے کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ کسی گم شدہ چیز کا پتہ دیدیا یا کسی کے مر جانے یا کسی ملاح یا قتل کے واقعہ ہونے کی خبر سنا یا اس کو کسی آنے والے امر کی بابت تدبیر بتانا جس سے وہ خواب دیکھنے والا اس امر کی شر سے محفوظ رہے یہ سب اس قسم کے امور ہیں جن کی نسبت کوئی گمان نہیں ہو سکتا کہ محض خیال کا نتیجہ ہوں۔ اور اگر یہ سب آچھا ہے کہ خواب دیکھنے والے کے بیان کے مطابق وہ امر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ کہ خواب دیکھنے سے پہلے بیداری کی حالت میں ان کا گمان تک بھی نہ تھا۔

تعب یہ ہے کہ بعض وہ لوگ جو کج انداز کے عبارات کی حقیقت سے بالکل نا آشنا ہیں نیز مکرر سوچے گئے ایک ایسے امر کی اصلیت سے انکار کر دیا کرتے ہیں جس کی تقدیر میں کتاب اللہ نہایت زور کے ساتھ مطلق ہے۔ کیا یوسف کا رویا اور عزیر مصر کا یہ یا داود یثرب کے دو ساتھیوں کا رویا۔ جہان کے ساتھ تمہیں تھے اور وہ جناب صاحب کا رویا۔ مدخل کہ کے معلق اور ابراہیم کا رویا۔ قریح فرزند کے معلق ایسے واقعات ہیں جن کو کوئی عقل و ہوش کا آدمی سرسری طور پر ٹال دے۔ اگر مصلحت مانع نہ ہوتی تو خاکسار نہایت اپنے چند ایک رویا جن کی نسبت مجھے یقین ہے کہ وہ منہ انہیں ہدایت کے تھے۔ جن کا ذکر حدیث میں آچھا ہے

نور علی نور اس کی تفسیر متین اللہ کتاب سنت سنہ کی ہے کہ نبی اللہ کی فطرت و صفات
 اعلیٰ اور قبل حق کے لئے مستعد ہوتی ہے کہ بغیر تعلیم و وحی کے وہ مراحل تکمیل پر پہنچنے کے لئے
 قادر ہوتی ہے گویا وہ ایک قسم کا مریض ہوتا ہے جس میں لازم و ندرت کے قبول کر لینے کی استعداد
 مستعد ہو مگر ہوتی ہے کہ خود بخود ششہن ہو جائے۔ اس لئے انبیاء عظیم السلام کی فطرت بکلیت نور
 اپنے اندر ایک نور و طاقت مخفی رکھتی ہے مگر تعلیم و وحی کے فیضان سے اس میں ایک فیضانِ نبوی
 و ربانی پیدا ہو جاتی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ نور فطرت کے ساتھ ایک دوسرا نور یعنی نور وحی
 منظم ہو جاتا ہے یعنی نبی اپنی فطرتِ عظیمہ سے تمام لوازم معرفت کا جامع ہوتا ہے۔ مگر
 تک رسوائی سے تعلیم حاصل کر کے ان لوازم کی تکمیل کر لیتا ہے۔ اور اس لئے اور بعد کی
 تصدیق کرنے میں اس کو کسی قسم کا اعتبار و اشتباہ واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو کچھ اس کی
 فطرت کا تقاضا تھا اس کو تک رسوائی سے انداز کرتا ہے۔ اور اس لئے نور علی نور ہے
 میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے نبوت کو صرف نور فطرت تک محدود رکھا ہے
 اور نور وحی کو نور فطرت سے علیحدہ نہیں سمجھا انہوں نے اپنی پیرایہ روش میں قرآن کریم
 کی بعض صریح کی تکذیب کی ہے اور ان کا مذہب سراسر باطل اور اس کے ماننے والا بلا ریب
 شک محمد و ذہبیق ہے ۔

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نبوت نہ تو کمال فطری ہے نہ کسی بلکہ بعض صوبتِ قبی
 ہے جو قدرتِ اعلیٰ اللہ اعلم حبیبہ و جعل رسالتہ خاص خاص ہنگام خدا کو عطا ہوتا رہا
 ہے اور ایک اور بڑی زبردست دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ نور فطرت کے لئے کسی خاص زمانہ
 کی تعیین کرنا خود قانون فطرت کی مخالفت کرتا ہے پس نبوت اگر نور فطرتی کا نام ہوتا اور نور وحی

سنتِ سید صاحب نبوت کو نور فطرت سے زیادہ کچھ نہیں کہتے وہ کہتے ہیں کہ وحی ایک قسم کا فطری کلمہ ہے
 جسے وحی یا نور یا شکر کو اپنے حق میں حاصل ہوتا ہے ۔ ۱۲ منہ

نور فطرت سے کوئی عیب و عجز نہ ہوتی تو کہیں بنام محمد و آل محمد کے بعد اس کلمہ و اندوہ ہو گیا ہو کہ
 موطا طریقی اپنی اہمیت کی وجہ سے کبھی محدود الوقت نہیں ہو سکتے اس لئے کسی خاص زمانہ کتاب ان
 کا محدود کرنا خود شک و فطرت ہے اسی بنا پر ائمہ اربعہ آیات و احادیث پر ہم یہ کہتے ہیں کہ نبوت
 کمال فطری نہیں بلکہ نبوت کی قیامت نبی اللہ میں ودیعت رکھی ہوئی ہوتی ہے جس سے وہ نور
 و بی کو قبول کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ نور و وحی ایک امر خارج از فطرت انسانی کا نام ہے جس کو
 کسی خاص انسان کی فطرت پر پیدا یہ ملک اتفاقاً ہوتا ہے یہی صحیح مذہب ہے جس کو تمام اہل
 حق نے قبول کیا ہے

وَحَذَّ الْحَجَّ لَيْسَ بِهِ خَطَا - فَذَعْنِي عَنْ بَيِّنَاتِ الطَّرِيقِ

انبیاء علیہم السلام اور عامۃ الناس میں بالابتیاز
 اعتبار نہیں ہوتا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دیگر افراد کی طرح تمام نیک بد اعمال کا مرکب ہو کہ
 نہیں بلکہ جس طرح بعض دیگر افراد انسانی بالمعنی نیک ہوتے ہیں اور شر کی طرت نہیں جیسا کہ یہاں
 نہیں ہوتا اسی طرح نبی اللہ بھی اپنے نور فطرت کی وجہ سے قبل از نبوت ہر ایک قسم کی ظاہری اور
 باطنی نیاشتوں سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ کسی نبی کی نسبت آج تک یہ نہیں کہا گیا کہ وہ قبل از
 نبوت زہنی شراب خوردہ ماہرن - دغا باز - کاذب وغیرہ تھا بلکہ باوجود اس امر کے کہ وہ بت پرست
 میں جوڑ ہوئے ہیں مہن میں سے کسی سے توبہ کی پوجا نہیں کی - اور نہ مشرکین کی رسم اختیار
 کی - یہی وجہ ہے کہ کھائے اسلام نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ نبی اللہ قبل از نبوت تمام کمیاں
 معصوم ہوتا ہے - اور صفات اربعہ میں ان کا انحراف ہے مگر حق یہ ہے کہ قبل از نبوت صفات
 ارتکاب ناممکن نہیں - مگر نبوت کے بعد وہ تمام صفات و کمیاں سے معصوم ہوتے ہیں البتہ سہو و

لے یہ وہی ہے جس کی قسم کہ حق انہیں ہوتا ہے اور عبادت کی پیشہ میں سے ممانعت نہ - اور نہ

مختلہ اور ہم بشریت ہے اور جس پر فی الغیر بندہ راہی نہیں آگاہ کیا جاتا ہے بعض جزئیات
 ہمیں ان سے سلیم ہونا ممکن ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ ہو کا تعلیم کرنا ہرگز ان کی صحت
 کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صحت ایک قوت ہے جو نفس کو مخلوق و معائنۃ الہی حرکت نہیں کیے
 دیتی۔ یعنی ارادہ و ادوار و محاب تو یہاں سے خود نفس میں گناہ کے لئے حرکت لے کر کسی قسم کا میلان بھی
 نہیں ہوتا۔ اسی لئے امر باکل صبح اعتدالین قیاس ہے۔ کیونکہ میں خرج لبس و دیگر عافیتیں بعض لوگوں
 میں اس قدر قوی ہوتی ہیں کہ دوسرے لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ وہی طرح نفس انسانی
 کا فطرۃً غیر و صحت پر پیدا ہونا باکل امر واقع ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیہ لوز یکاد و ذہبتا
 میں حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ شامی رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت علیہ السلام
 فرماتے ہیں۔ لعمد العبد صحیب لولم یخف الله لیس لوصد یعنی صحیب است اچھے
 آدمی میں نہ لگ رہا اور۔ انہیں شریعت کی پابندی میں وعید آخرت کا خوف نہ بھی ہوتا تب بھی وہ
 خدا کی سرکشی نہ کرے پس جب بعض غیر بغیا کے لئے طبعاً غیر و صحت پر پیدا ہونا ممکن ہے
 تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بدرجہ اولیٰ یہ امر تسلیم کرنا چاہیگا۔ اور جب تعلیم و وحی انہیں دیگر افراد
 قسماً سے امتا ذکر دیتی ہے تو ان کی فطری لہجہ سے شریعت الہیہ کی پابندی سے درجہ کمال کو
 پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ تعلیم ان کی فطری جہالت سے ایک علیحدہ حقیقت ہے اور یہی ان کیلئے
 واجب الدنیا ہے۔ اس مقام میں بجز انکسار و خضوع و خشوع کے جو مقام عبودیت کے لوازم ہیں
 ان کا اور کوئی شفاء نہیں ہوتا۔ و حقیقت عبودیت کا اصلی مقام بجز نبی اللہ کے کسی غیر کو حاصل
 نہیں ہو سکتا۔ ان بعض کا اکابر است کو یہ تعبیت انبیاء علیہم السلام مقام عبودیت تک
 تقدیم ہوتا ہے مگر ان کا رتبہ بہر حال انبیاء علیہم السلام کے رتبہ سے نیچے رہتا ہے۔ اس مقام
 کی حقیقت کو خوب سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ عام لوگوں کو حقیقت عبودیت کی کچھ خبر نہیں ہوتی حالانکہ
 یہ مقام ہے جس پر بجز جاہل و انبیاء علیہم السلام کے کسی غیر کو قیام کا موقع نہیں مل سکتا۔
 اور چونکہ انبیاء علیہم السلام سے یہ مقام عبودیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا

ہے دیکھی کو بھی نہیں ۱۰ اب آؤ ہم قرآن مجید سے اس دعویٰ کا قطعی ثبوت دیں۔ سنو! قرآن مجید کی آیات میں لکھ کر کے دیکھو کہ حضور علیہ السلام کو وصفتِ عبودیت کے ساتھ کس کس موقع پر یاد کیا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ (۱۱) ۱۱) قرآن کثرتہ فی سرّہ نبی من مائتہ انا علی عبدہ ۱۲) اس آیت میں حضور کی وصفتِ عبودیت کا مقام تحدی پر ذکر کیا گیا ہے۔ تحدی سے منکر پر بطریق غلبہ و قہر تمام حجت مقصود ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اللہ کی تمام مدعائی طاقتیں میں حقیقی توحید کے انوار غالب ہوتے ہیں۔ منکرین کو اس طرح مقننہ کی جاتی ہیں کہ نبی اللہ کا غالب آنا اور منکرین کا مغلوب ہونا اس کی مدتِ اقل کا ایک نہ ہر دست نشان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ کتب اللہ لا غلبینا انا و سہیل۔

(۱۳) سبحان التبارک العزیز البند ۱۴) الایۃ۔ اس آیت میں حضور کی وصفتِ عبودیت کو مقامِ قرب کے نگاہ کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ نقطہ عبودیت کی جگہ کئی اور ایسے الفاظ کا ذکر بھی ہو سکتا تھا جن سے حضور کی ذات کا اشارہ پایا جاتا۔ مگر یہ اشارہ کسی لفظ سے نہیں سمجھایا جاتا تھا کہ حقیقتِ عبودیت ہی اس قرب کے لئے علت ہے یہی وجہ ہے کہ سورۃ النجم میں بھی انوارِ قرب کے موقع پر نقطہ عبودیت کا ذکر فرمایا۔ حیث قال فاوحی الی عبدہ ما اوحی بہ کہ اس آیت میں مہبط وحی ہونے کی علت بھی عبودیت قرار دی۔ کہا لا یغنی۔

(۱۵) انہ لما قام عبد اللہ یدعیہ۔۔۔۔۔ الایۃ اس آیت میں حضور کی وصفتِ عبودیت کو مقامِ تبلیغ رسالت پر ذکر کیا گیا ہے جس سے صلتِ اشارہ پایا جاتا ہے کہ کمالِ نبوت منصبِ رسالت کے لئے بمنزلِ اسس کے لازم تھا۔

(۱۶) انزل علی عبدہ الکتاب اور نیز نزل الفرقان علی عبدہ۔ میں حضور کی وصفتِ عبودیت کو تبلیغِ کلام کے موقع پر ذکر فرمایا جس سے اس تبلیغ کی علت کا نہایت لطیف پیرائہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور وہ کمالِ عبودیت ہے۔

آیت سلوہ بالا میں ایک حقیقت میں مطالب من اس کلمہ سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ کہ

عبودیت تمام مقامات سے اعلیٰ ہے اور بجز انبیاء و پیغمبر اسلام کے بروہ اکمل و دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جس میں تمام انکار بشریت بالکل مٹ جاتا ہے اور انسانی شکل کی نفع انداز توحید میں نہ لگی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مقام بشریت کے ظہار پر لفظ عبد کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ لفظ بشر کا استعمال ہوتا ہے۔ حیدت حال قل انما انما بشر و مشککہ کیونکہ یہ ہرگز زیبا نہیں تھا۔ لہذا کہا جاتا تھا عبد مثل کہ اور اگر عبودیت اور بشریت میں کچھ تفاوت نہ ہوتا تو کون شک نہیں کہ جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل ایک ہی پایہ کے آدمی ہوتے۔

مذکورہ بالا تقریر سے ناظرین معلوم کریں کہ ہر ایک کو صفت عبودیت تمام کمالات و معنی کے معنوم پر مشتمل ہے اور نبی اللہ بروہ اکمل اس صفت سے موسوم ہوتا ہے اس لئے بطور لزوم ہر چیز پر غور کر سکتے ہیں۔ کہ کسی نبی اللہ کا مقام عبودیت میں ہر شکل حاصل کر لینا اس کی صفت کی ایک یکتا شہادت اوقطی دلیل ہے۔ اور جن لوگوں نے مظلوم و بیگناہ انبیاء و پیغمبر اسلام کی ذوات مقدسہ کے متعلق کلمہ چھینا کیا ہے۔ انہوں نے نبی اللہ کی حقیقت کو مطلقاً نہیں سمجھا بلکہ تمام افراد انسان کو عبودیت اور معنوم نفسوں پر قیاس کرتے ہیں۔ جو وہاں اس اور شکوک کی دلیل میں چھپے ہیں اور عقول قسم کی ہوا پرستی اور مشہور علمی کے توجہ مشن بٹھتے ہیں۔ اور انہیں حاصل لذائذ کے سوا دماغیات کی کچھ خبر نہیں ہوتی اور شیطان شبہ و فتنہ ان کے آگے پیچھے اور حایل بائیں اپنے وسیع و ام پھیلائے مستعد کھڑا رہتا ہے۔ انبیاء و پیغمبر اسلام چہت بشریت کی دوسے کھاتے پیے سوتے اور فائدہ دہی کرتے ہیں مگر حسب اقصائے شریعت۔ لیکن چہت عبودیت سے افراد انسانی سے نہیں ایک حایل اختیار ہوتا ہے۔ اور یہ کسی نہیں ہو سکتا کہ میں شخص کی چہت بشریت کی اصلاح بروہ شریعت نہ ہوتی ہو۔ وہ مدارج عبودیت پر ترقی کر کے چھائیے وہ جب طوطی اور مقرب بابا گورب الغزت اجماعت اللہ علی الخلق کے عایشان منسوب کا حق سمجھا جائے۔ ابوجہل بھی وہی کچھ کھاتا پیتا تھا۔ جو حضور علیہ السلام کھاتے

ایں خورد گرد و پیسی دو بٹھا - داں خورد گرد و ہمہ نور خدا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن شریف کی بعض اہم آیات کریمہ کی حسب ضرورت تفسیر کی جائے جن کی بنا پر بعض مترجمین انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراض مائد کیا کرتے ہیں مگر تفسیر آیات سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس جو علوم عربیہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور صرف دھواں دھار کے اندر رہتے ہیں ان کو دیکھ کر قرآن دانی کا دعویٰ کرنے لگ جاتے ہیں۔ عموماً بعض افتادہ کے مفہوم اصلی اور مستقل معنی کے سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ عالم کائنات میں کئی ایک اس قسم کی اشتیاء بیطلی جو ظاہر ایک ہی لفظ سے تفسیر کی جاتی ہیں مگر انکی حقیقت ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ فرج کے معنی مشہور ہیں جن کو سب عربی خوان جانتے ہیں مگر آیۃ قَدْ ذَلَّلْتُ خَلِیْقَہٗ جِوَامِیْنِ خداوند کریم نے اس کو مقام فرج میں ذکر کیا ہے اور آیۃ فِی جِوَابِہِ اَعْدَہُم مِّنَ الْعِلْمِ میں فرج کی خدمت کی ہے وہاں کی یہ ہے کہ ہر دو مقام میں متعلق فرج ایک چیز نہیں۔ پہلی آیت میں نعمت یاں پر اظہار فرج مقصود ہے اور دوسری میں نعمت دنیا پر غرور کرنا ملو ہے۔ مگر لفظ ایک ہی ہے جو اختلاف مقام کے لحاظ سے بالکل متغیر معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اختلاف ذنب کے معنی ہر ایک ایسے فعل کے ہیں جن کا اہم اچھا نہ ہو یعنی اس کا نتیجہ کوئی وبال ہو۔ اہم رافضی معارف القرآن میں لکھتے ہیں۔ وَیَسْتَعْلٰی فِی کُلِّ فِعْلٍ یَسْتَوْ خَسَمَ مُعْتَبَاۃً اِحتساباً بِرَؤْیَ الشَّیْءِ (لفظ ذنب ہر ایک ایسے فعل پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کا فایدا کوئی علّی ثلوث ہو اور یہ لفظ مانو ہے قَنْبُ سے جس کے معنی ڈھم کے ہیں جو کسی حیوان کا پچھلا حصہ ہوتا ہے) عوام الناس بالعموم قرآن مجید کی بعض آیات میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق لفظ ذنب کو دیکھ کر یہ خیال کرتے تھے ہیں کہ ان آیات میں لفظ ذنب سے مراد وہی ذنب ہے جو کفار و فاسق کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک جبری بھاری غلطی ہے جس میں خوب غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس غلطی سے عام نادانوں کو انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کے متعلق کئی قسم کے شکوک پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی (اعواد اللہ) ان کی طرح بعض مواقع پر مطلوب النفس ہو جایا کرتے تھے اس

خط نہی نے کسی ایک لگوں کے ایمان کو بدل کر کے انہیں انبیاء و پیغمبروں کے ساتھ روحانی نسبت قائم کرنے سے محروم رکھا۔ اور عیدہ بچھنے کے کہ جامہ زید کی نسبت برہم کہیو ہو سکتا ہے وہی امر عمرو کی نسبت موجب تحسین و ترقی سمجھا جاتا ہے۔ حسنات المہربانیات المقربین ایک مشہور عیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نیک بندوں کی نیکیاں قرین بارگاہ کے حق میں گناہ شمار کی جاتی ہیں۔ ایک عامی و دنیا کو ترک نافرینہ پر غلاب ہو گا۔ مگر ایک بساط قرب پر عزت و پائے والے کو ایک آن بھر کی فطرت ذکر پر اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ عتاب ہے بلکہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک ترقی نہ کرنے پر وہ جھٹ مود و قناب ہو جاتے ہیں اور مقام عبودیت میں شانہ بشریت ان کے ہاں عصیاں سمجھا گیا ہے۔ لہذا یہی ان کے حق میں ذنب عظیم قرار پا کر انہیں مستوجب عقوبت بنا دیتا ہے ان کی عقوبت بھی اسی قسم کی عزت ہے جو ان کے شان مشایاں ہے یعنی کہ وہ بساط قرب پر کھڑے رہنے کے لئے لذت محل محبوب سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اور پھر ثانی الحال میں ثابت کرنے سے اس کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور سبب عبودیت کا مقام بتانے کی حقیقت کے سمجھنے سے فلسفی اور کث جمعی کرنے والے کو سوں و دہ چھینکے گئے ہیں۔ بلکہ وہ ان فائزہ و دقیق حقائق کو نہ سمجھ کر ان کا انکار کر دیا کرتے ہیں۔ مگر یہ ہے اس کلام میں اصلیت ہے جس کو سمجھنے والے سمجھتے ہیں۔ و قرین بارگاہ کیلئے تو ہر نام بشریت کا عظیم ہوا کرتی ہے۔ کیا قیل ہے۔

آن کہ میں لطف ہشد بر عوام - قہر شد بر عشق کبیشان کرام
شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں

استغفر اللہ انبیاء لایکون من ذنب حقیقاً لکن ذنباً و انما هو من امر یلیق من عتوانہ
و انہ لا یعرف لنا فی تمام فلا یجوز حمل فوقہم علی ما متعلقہ عن من الذنب -

یعنی انبیاء و پیغمبروں کا اللہ تعالیٰ سے منفعت کا مالک ہونا۔ فی الحقیقت کسی ایسے
عبد کی اہمیت نہیں جس کا دیگر عوام پر کتاب کیا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسے دقیق امور روحانیہ کی

بابت استغفار کیا کرتے ہیں جن کا جھنڈا عادی مشغول سے بالاتر ہے کیونکہ وہ امور میں ذوق و وجہت سے تعلق رکھتے ہیں جن سے ہم لوگ قاصر ہیں۔ ان کے ذوق کو ہمیں اپنے ذوق پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

عاسیاں از گندہ توبہ گشتند - عارض از عبادت استغفار

فقط ذوق کی اس مختصر گہرائی تشریح کے بعد لینے پر غالباً اب واقفان و مؤثرانی پر یہ ملاحظہ ہو جائیگا کہ جناب خیر علیہ السلام کی نسبت بہن آیات میں ذوق کا مفہاد استعمال کیا گیا ہے ان میں ہی نہ کہ وہ بلا حقیقت ذوق لمونہ لہ یعنی چاہیے۔ یہ معاذ اللہ بعض لمومین یا منافقین یا سوام کے خیال کے مطابق ذوق سے ایسا امر مراد ہے جس کا ارتکاب عوام انسان کیا کرتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے لغوی تفسیر ہر ایک قسم کی آلائش سے پاک و صاف ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اہل عالم کے لئے رحمت و رحمت اللہ بننے کا وجہ بنتے ہیں۔ آیہ و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین صاف گہری ہے کہ ایک گناہ کرنے والا آدمی کیسے اسطرح رحمت ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ تو خود بھی رحمت سے محروم ہوتا ہے۔ ان رحمت سر بلٹ قریب من الحسنین میں قسم کے خیالات بعض ان لوگوں کے تراشے ہوئے ہوتے ہیں جو نبوت کا انکار کر کے شریعت کی پابندی سے اپنے تئیں آزاد کرتا چاہتے ہیں تاکہ اس رکوش سے انہیں فحشہ تمہ کی خود ہشتا نفسانی کے پھان کر کے کامر قلع مل جائے۔

صدقہ فرمائی آیہ لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک و ما تاخرکے متعلق مشہور ہے کہ کسی ایک جواب پیش ہے۔ اور مجددان کے ایک جواب دہی ہے جس کو اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ استغفار سے استغفار امت مراد ہے کیونکہ صاحب شریعت ہونے کی وجہ سے میں طرح امت ہر عمر کے اعمال ساتھ آپ کے ذات و افلاکی طوط مشوب ہوتے ہیں ایسی طرح ان کے معاصی بھی آپ ہی کی ذات و افلاکی طوط نسبت کئے جاتے ہیں۔ گو یہ جواب غلط نہیں مگر اس و محمد کی آیہ و استغفر لک الذنبک و ما تاخرکے مناسبت نہیں کہ کتاب

کیونکہ اس میں امت کیلئے علیحدہ طور پر استغفار کا حکم آپ کو دیا گیا ہے۔ اس لئے قطعی جواب دہی ہے۔ جو آپ مذکور ہو چکا ہے۔ کیونکہ خود کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ عقیدہ استغفار تمام عبودیت کی تکمیل کے لئے ایک قوی سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک سریت میں فرماتے ہیں اِنِّی لَا اسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ مَا یَہْدِیْہِ مِنْ اٰتِیَاتِ اَعْدَآءِہِ مِنْ شَیْءٍ اسْتَغْفَرُ
 اگر تاربتا ہوں حضور علیہ السلام کو اس فعل سے اہل توامت مرحومہ کو یقین استغفار و نظر حق سے ہر
 یہ لوگ بھی کثرت استغفار کیا کریں۔ دووم بعض مقام عبودیت کی تکمیل کے لئے ایسا کرنا ضروری
 تھا۔ جو ایک نوٹ منافی ذکر ہے اس لئے کچھ نہ کچھ حجاب اور خفیہ سی کہدست قلبی کی نسبت
 آپ نے فرمایا۔ اِنَّ الدَّٰلِیْنَ عَلٰی قَلْبِیْ عِنی میرے قلب پر لکھتے ہیں سی تاربتا کی آغوش ہے اور
 یہ وہی تاربتا کی تھی جس کو اسحقنا بالصلوہ یا بلال سے دور کیا جاتا ہے۔

تاہم اس موقع کو نہایت فوہ سے سمجھیں کہ نگہ واقفی بڑی اہمیت کا مقام ہے۔ جیسا کہ ہو کر
 غمیں کی اور سرور کی فضول باتوں پر اپنا ایمان ضائع نہ کر بیٹھیں۔ یہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی قد و منزلت کا شانہ عوام الناس ہرگز نہیں لگا سکتے اور معتبرین کی باتوں پر قسم
 قسم کے رساوس و شکوک کو دل میں بگڑے سے لیتے ہیں جو ایمان کو خیر سے کاٹ ڈالتے ہیں۔ انبیاء
 علیہم السلام کی عصمت کے متعلق جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں ان سب کے جواب میں اس
 قاعدہ کلیہ کو مد نظر رکھنا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام سے عداوت تو ضعیفہ اور نہ کبیرہ گناہ سرزد
 ہو سکتا ہے۔ دہوت بہ اور ایمان سے وہ ہرگز خالی نہیں ہو سکتے۔ ان کے حق میں غفلت و دیگر غلطیاں
 کے ہوا و نصیان بھی قابل مواخذہ ہیں۔ مادہ اسی قابل مواخذہ ہونے کی وجہ سے ان کی ایسی برائیوں
 کو عسبان کے غفلت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر بارہ ہند جب کسی نبی اللہ سے کوئی ہو و نصیان ہو یا بارہ

سلطنت حبیب شوق پاموشی کی وجہ سے عداوت والا کا قلب ساقی نہ رہتا تو خدا تعالیٰ اپنی حمد و ثناء کو بچا دیتے کہ انہوں
 نے ان کو تاربتا کی وجہ سے سرور حاصل ہو اور انہوں کو غلط و غلط سے بچا دیتے۔

توفی القورس کو جس پر آگاہ کرو یا گیا۔ مثلاً جناب پیغمبر علیہ السلام کا بعض مواقع پر نماز میں بہو کرنا یا منی چہ
 کشت کی بجائے پانچ کا اور اگر مانا چنانچہ سرف پانچ دفعہ حضور علیہ السلام سے نماز میں بہو ہوا جیسا کہ کتب
 اعلیٰ میں مذکور ہے اور خود کرد تو اس میں ایک حکمت شریعی یعنی ایک قاعدہ شریعی سجدہ بہو کا قائم
 کرنا مقصود تھا اس لئے بلا وہ ابھی آپ سے ہوٹا کئے تاکہ امت مرحومہ کے لئے ایک گتہ نہ
 توسیع ہو جائے اور یہ بعینہ ہی حکمت ہے جو حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کے صلح میں
 مد نظر تھی یعنی کشت کے لئے مذکورے بیٹے کی بیوی سے صلح کر لینا مشروع قرار پلا جس کو میں نے
 اپنے خیمے باطن سے نہایت پرورد افلا میں بصورت اعتراض یوں پیش کیا کرتے ہیں کہ آیہ
 وَتَحْفَظُنِيْ فَاصْلَحْ مَا لَكَ مِنْ دِيْنِكَ وَابْتَغِ فَرْدَ لِكَ مِنْ دِيْنِكَ وَابْتَغِ فَرْدَ لِكَ مِنْ دِيْنِكَ
 زینب رضی اللہ عنہا پر فرضیتہ ہو گئے تھے اور اس لئے اس کو اپنے صلح میں لائے گئے تھے
 بہت کوشش کرتے تھے۔ مگر ان نا اہل ظالموں نے تنہا ہی نہ سوچا کہ زینب حضرت کی
 پھوپھی کی بیٹی تھیں اور شروع سے آپ انہیں اور وہ آپ کو خوب جانتے تھے اور خود حضور
 نے اپنی مرضی سے آپ کو زید کے نکاح میں دیدیا اور ایک مدت اس کے گھر میں رہ کر جوانی
 کا زمانہ گذار چکی تھی آخر کار جب ناموافقیت ہو گئی تو حضرت کو میورا دوبارہ طلاق زینب رضی اللہ عنہا
 زید کا خیال ہونا پڑا کیونکہ الطلاق کی کوئی صورت ممکن نہ تھی مگر طلاق ہو جانے کی صورت میں حضور
 کو یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا کی حالت کی آئندہ مگرانی کے لئے بظاہر کوئی
 ایسی سبیل نظر نہیں آتی جس سے ان کا جبر خاطر ہو سکے حضور نے بہت غنائے اپنی پاک فطرتی

سلسلہ تو اپنے دل میں نہایت پوریدہ رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا بکرت چاہتا تھا۔ صورت زینب پہلے تیس کے گھر میں
 تھیں مگر بعد میں ناموافقیت ہو گئی جس پر علیہ السلام نے بہت کوشش کی کہ وہ میں موافقت ہو جائے مگر بات
 نہ بن سکی۔ جب پیغمبر علیہ السلام کو پندار دی کہ علم تھا کہ زینب علیہ السلام کو آپ کے صلح میں بھیجی۔ مگر چونکہ
 زید کو عرب کے دستور کے مطابق زپ بیٹیکا کرنے اس لئے آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ گو آسمانی دی حد بادہ

فی القدر اس غلطی پر نگاہ کئے جاتے ہیں۔ اس کی کئی ایک مثالیں خود قرآن مجید میں ملکر ہیں مثلاً
 سورہ ص میں وقولہ کی مشن نزول اسی قسم کی جہتہاوی غلطی پر مبنی ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ یہ
 کے چند ایک قبائل کے شہرے تھے لوگ بظن تحقیق دین حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے تھے
 کہ تھے میں ابن ام کثوم جو نامینا تھے حاضر ہوئے۔ اور بیٹھے تھے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے۔
 حضور نے یہ اجتہاد کر کے کہ یہ تو ہمیں بہ وقت پاس موجود ہیں پھر پوچھ لیتے اور یہ لوگ جو خود سے
 آئے ہیں انہیں اسلام کی طرف گریسلین ہو جاتے تو بڑی بات ہے ابن ام کثوم کی بات کی طرف توجہ
 نہ کی چونکہ حضور علیہ السلام کا یہ خیال مرضی خدا تعالیٰ کے بر غلات تھا جھٹ بصورت عتاب سورہ مذکور
 بالہا کی آیات نامثل ہوئیں کہ تہاذا ایسا کرنا صحیح نہ تھا۔ اسی طرح مزوہ بد میں بعض شرکین کے قتل
 کرنے یا غیہ لیکر عہد دینے کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہوا حضرت عمر کے سب نے قریہ لیکر
 حضور دینے کی رائے پیش کی جس پر حضور علیہ السلام رضی ہوئے مگر یہ فیصلہ مرضی خدا تعالیٰ کے
 بر خلاف تھا۔ جوت بالفاظہ لا کثب من اللہ سبق لکسکذیبا اخذتہ عذاب عظیم
 عتاب نامثل ہوا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے یہود کے ان سوالات کے جواب میں جو وہ بارہ مرتب
 حقیقت منع اور قصہ اصحاب کہبت اور ذوالقرنین انہوں نے کئے تھے یہ فرما دیا تھا کہ میں نہیں
 اے پیارے عباد میں انفا و عتاب نامثل ہوا۔ ولا تقولن شیئا ائی فاعل خلل غدا کا من یشاء اللہ
 یا غزوہ بنو کعبہ میں بعض لوگوں کے کچھ عہد پیش کرنے پر غزوہ میں نہ شامل ہونے کی آئیے اجازت فرمادی

۱۱۳ بیان سے جواب لے بیٹھے۔ ۱۲۷

لے اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت الہی اسی نہ ہوتی تو غزوہ لے لینے کے لیے میں تم پر عتاب عظیم نازل ہوتا اس
 آیت میں عتاب کا معنی لکھا گیا ہے نہ عتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ۱۱۷
 اس کی امر کی بات میں است کہ اگر ہم میں ال کو کر دیتا۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ کا لفظ ساتھ لیا کر دیکھو کہ
 اس کی نسبت ہرگز فوقی نہیں کہ تاکہ وہ کبھی کے گا یا نہیں ممکن ہے کہ اس میں بھی قتل کے بقول ہے۔

جس پر پیر خدا اللہ غنٹ لطف سے احمد قتل کوئی۔ علی ہدایتیں۔ مگر ایسے امور کی نسبت باحکایت
 وکلیت جواب نہ کہ یہ امور اور قسم جہاد سی علی یہ ہو ولسیاں کے شمار کئے جاتے ہیں سے
 نزدیکیاں را پیش بود ویرانی

پس کسی نابکار آدمی کے اعتراض کو بلاسوچے سمجھے قابلِ وقت خیال کر کے انبیاء و عظیم السلام
کے حق میں جھوٹ کر لینا فحیث بالحق دلیل ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صحیح
مستندات پر قائم رکھے جن پر حاکمہ بالغیر کا مداد ہے اور دعا کرتے ہیں کہ انہیں اعتقادات صحیحہ
ال کو خدا کے حضور میں پیش ہو کر سرخرو ہوں کیونکہ بصیرت صحیح میں یوں پہچانتے ہیں کہ
علی ما تواتر ایسی لوگ قیامت کو اسی حالت پر آجائے جیسے جس پر وہ دنیا سے رخصت
ہوئے اور قرآن مجید میں بدین المظاہر و دلالت سے یہ وعدہ اکل اناس با ما ہم یعنی قیامت
کے دن ہم تم کو ان کے پیشرو و مہول کے ساتھ میدانِ حساب میں اکٹھا کریں گے سوچو شخص جس
کے مستندات کا تابع ہوگا اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے اوصیاء کے سایہ سے آرام کئے ہوں گے۔ اور بد قسمت ہیں وہ لوگ جو قرآن و سنت
کے احکامات و مستندات والے اللہ اکبر کے ساتھ اس کس پر ہی کہ حالت میں نیل جوتے پھر رہے
ہیں اللہ اعلم علی قدامتہ

مذکورہ بالا بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام - ایک ہی مغفور و اکابر و کائنات
مخصوص ہوتے ہیں جتنے سب سے پہلے جو عقائد بشریت ہے یا کسی قسم کی ایسی اجتہاد و عقلی
تعمق و تحقیق کے بر خلاف ہو مضر و ہونان سے ممکن ہے مگر ایسا وقت ہونے کی صورت میں بھی
سوائے انہیں بذریعہ وحی آگاہ کروایا جاتا ہے۔ جس سے وہ فی الواقع عجز کر لیتے ہیں۔ سو یہ صورت
سنت انبیاء علیہم السلام کے لئے کسی طرح بھی موجب نقص نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سب سے پہلے انہیں

گناہ میں داخل نہیں مگر انبیاء علیہم السلام کو باوجود اس اور انہی کے اہل عین کو باہر سے مستعار کر کے کیوں
توجہ دلائی گئی ہے کیونکہ مستعار فی حدہ اس وجہ کمال عبودیت ہے اور خود کو تو اس مقابلہ میں
بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان رابطہ حقیقت و مخلوقیت کا پتہ دیتا ہے اور جب استغفار نہ ہو تو
یوں سمجھ کر انسان خدا اپنے تئیں خالق بنے نیک کے سامنے نیا زور و مخلوق ثابت نہیں کرتا بلکہ
جس طرح ہماری ظاہری اور باطنی فطرت ہمارے مظهر الٰہی اللہ ہونے پر وال ہے اسی طرح ہر
شرعی فرض میں الٰہی صورت میں خالق بنے نیا کی عبودیت پر مجبور کرتا ہے جس کا نتیجہ کمال عبودیت
ہو سکتا ہے پس قرآن مجید کے آیات میں جہاں انبیاء علیہم السلام کی نسبت استغفار یا
رجوع یا توبہ یا انابت وغیرہ الفاظ کا ذکر آیا ہے وہاں ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا کہ محاذ اللہ
دیکھ لوگوں کی طرح گناہ گار تھے کیونکہ یہ نہایت حق تعالیٰ کے قول کا خیال ہے جنہیں عبودیت
اور نبوت کے اعلیٰ مقامات کی حقیقت اور ان کے لوازم کی کچھ خبر نہیں۔ اس مقام پر مناسب تھا
آتا ہے کہ بعض ان آیات کے متعلق ان اعتراضات کو رفع کیا جائے جو گاہ و بیگاہ عیسائی مشنری
لوگ ثلاث انبیاء علیہم السلام کی نسبت طعن کیا کرتے ہیں اور نادانانہ فعل کو دھوکا دے کر خدا کی
اعت کے مستوجب قرار پاتے ہیں۔

حضرت ابوالبشر علیہ السلام | آپ کے متعلق معترضین آیات ذیل سے شک کیا کرتے
ہیں (الف) اعصی اومرید بغوی (ب) ولا

تقربا ہذا الخ فیکون من الظالمین (ج) کتاب علیہ (د) فاذا زلزلنا الشیطان
وجہ استدلال یہ ہے کہ آیات سے آپ کا غاصی ہونا اور آیہ ب سے ظالم ہونا اور آیہ ج
سے تائب ہونا اور آیہ د سے شیطان کے بہکانے پر کسرشی کرنا ثابت ہوتا ہے جو آپ
ہے کہ بیشک ظالم الظالم سے یہی امر ثابت ہوتے ہیں مگر خود قرآن مجید نے اس امر کو فیصلہ
دیدیا ہے کہ یہ سب کچھ آدم علیہ السلام کی اجتہادی خطئی کا نتیجہ تھا جو غرض مرئی تھی خدا
نے غصہ کرنے سے سہم ہو گا کہ آدم علیہ السلام سے بعد یہ دلی ایسا طرح میں نہایت کم گناہیں نہیں تھا کہ

جو جس شیطان کو اپنا غیر خالص تصور کرتے اور اس کی بات کو اپنے حق میں مفید سمجھنے سے واقف ہوا۔
 عا شاد کلام کسی آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس عالم میں کہ انہیں مہنت کا حکم
 دیا گیا تھا اور باوجود اس کے انہیں یقین تھا کہ ایسا کرنا گناہ ہے شجرہ ممنوعہ کے کھانے پر آمادہ
 کیا ہو کیونکہ نبی اللہ سے ایسی حالت میں کوئی گناہ منور نہیں ہو سکتا۔ آیات ذیل سے یہ جواب
 مستطیع ہوتا ہے۔ **مَقَالَ لِلَّهِ تَعَالَى قَالِ لِمَا مَانَعَا لِمَا رُبِمَا مِنْ حَذِّ الشَّجَرَةِ الْكَافَّةِ**
تَكُونُ اسْلَمِينَ اَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَ قَامَ مَعَهَا اِنِّی لَمَكْمَلُ لِمَنْ التَّائَحِّينَ۔ فاما بعد بالقرآن
 اس آیت کا کیا ایک لفظ اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مع ان کی یہی
 کہ شیطان کی طرف سے دھوکا دیا گیا یعنی شیطان نے انہیں جماعت و کلمہ میں داخل ہو جانا
 اور پشت میں ہمیشہ نشہ رہنے کا تجربہ دیا۔ اور تم کھا کر بیان کیا۔ کہ وہ وقت ممنوعہ کا کھانا
 تھا جسے حق میں موجب صلح و مغفرت ہوگا۔ ہر وقت آدم علیہ السلام کے لئے سب فرمان لیزہی
 مدد دیتی تھا کہ آپ ابلیس کے دام ترویر میں نہ آتے مگر بوجہ نسیان عہد کے آپ سے بطور
 سہولت ممنوعہ کا ارتکاب ہو گیا کیونکہ عہد کا فراموش ہو جانا اور شیطان کے بظاہر مفید مشورہ
 پر عمل ہونا آپ کے لئے کافی محرک تھے۔ چونکہ ارتکاب فعل میں مہورت عدم گزشتہ نہیں بلکہ
 آپ نے غلطی اصلاح اس کا ارتکاب کیا۔ اس لئے کسی طرح بھی غفلت حقیقی معنی میں گناہ نہیں
 ہو سکتا۔ **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ قَدْ هَدَانَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ نَفْسِیْ وَلَمَّا جَعَلْنَا لَهُ عَزْزًا وَّ اٰیٰتٍ**
اٰیٰتٍ سے صاف طور پر واضح ہے کہ آدم علیہ السلام کو ارتکاب فعل کے وقت حکم غایت باری سے

واقف و ماشیہ۔ نزول رحمت باری کا یوں کہ گریہ رہتا تو نہایت اذیت لہجہ جمع الی اللہ کے لئے
 حضرت انسان کو کوئی مخرج نہ دیا جاتا۔ اور اس سے وہ مہورت کے مراتب کمال پر پہنچتی تھی نہ کہ اس کا یوں کہ
 نزول رحمت کسی دیکھی سبب سے مہربان ہے۔ ہر گناہ نفس اور مہربانیت کے اور کوئی توفیق سبب مہربان
 رحمت باری نہیں ہو سکتا۔ عہد باقی مہربانیت سے وقت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں ان اپنے لئے مہربانیت کی نصیحت پر غور کرنا چاہئے

میان ہو گیا تھا۔ اور ہرگز آپ کا فعل بذاتِ کتاب جرم نہیں تھا کیونکہ ملامت فی کر دینے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے فعل اس علمِ اودنیت سے نہیں کیا تھا کہ وہ فعل عند اللہ جرم بجا یا بیکار اور اس فعل میں علمِ اودنیت ثابت نہیں ہے ہرگز تحریر جرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بظاہر جرم کی صورت ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس پر عصیانِ خواہتِ ظلم و غیرہ الفاظ کا اطلاق کیا گیا پس یہ حقیقت آدم علیہ السلام کو جو مواخذہ ہوا کسی حقیقی ارتکابِ جرم پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس عقبت اور غلطی کی لاش میں تھا۔ آپ سے ابلیس کے حق میں من من کر لینے پر مامور ہوئی جیسا کہ شیطان کے دشمن ہونے کا واقعہ پہلے سے معلوم تھا۔

نوح علیہ السلام | آپ کے تعلق مستحقین آید۔ ولا تظنن ما ابلیس لک بہ علمہ انی ان تکون من الجاہلین میں کیا کرتے ہیں یہ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کے اہل کے بچا لینے کا وعدہ ہو چکا تھا آپ نے قرابتِ ظاہری کو مد نظر رکھ کر مجھے کو اپنے اہل میں داخل بجا اودید ایک اجتہاد ہی غلطی تھی نہ جرم میں پر آپ کو کہا گیا اندلیس من اعدائک یعنی یہ تیرے اہل میں داخل نہیں بلکہ ناپاک ہے۔ مگر چونکہ مقامِ نبوت کی رفعت شان کی رو سے ایک نبی اللہ کے لئے ایسی اجتہاد ہی غلطی کوئی سرسری بات نہیں تھی اس لئے الفاظ مذکورہ بالا میں لوانت ہوئی چنانچہ آپ نے فی السور رجعت کر کے توبہ کی اور منائے الہی کو اپنا قدم بجا پس صورت مذکورہ بالا میں نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ ارتکابِ گناہ کے لئے کوئی عذر۔

ادھم علیہ السلام | آپ کے تعلق مختلف اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں ہم ہر ایک کو مع جواب علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ خبر مذکورہ بابت تجھے معلوم نہیں اس کی بابت مجھ سے سوال مذکور میں تجھے بطور وعدہ کہتا ہوں کہ بادل سے تیرے حق میں اللہ نے خود ان کے حق میں غلطی سے اپنے پیچھے کی بجائے ان کی اصلاح کی تھی میں یہ کہتا ہوں کہ ان کو اللہ نے بادل سے

(۱) آپ نے ستاروں کے اوضاع میں مذکر کے اپنے بیاہرنے کا استدلال کیا۔ قال اللہ تعالیٰ قطع نظر فی النجوم فقال انی سقیم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے اس فعل سے ہرگز استدلال پرستی نہیں پائی باقی کیونکہ استدلال نے عالم کائنات میں تمام ہتھیار کے لئے خواہیں قائم کئے ہیں جن سے خاص خاص نتائج کا ہم شاہد کرتے ہیں مثلاً قمر کے طلوع وغروب اور دیگر اوضاع سے سمندر میں کے موجز پر استدلال کرتا اہل جہلیات کا مشہور مسئلہ ہے۔ آفتاب کا متعلق اشیا رجمادی۔ نہائی۔ حیوانی میں نہ اثر ہونا ایک ایسا تین اور بدیہی امر ہے جس سے کوئی ایسی افکار نہیں کر سکتا۔ تو اگر آپ نے اوضاع نجوم سے اپنی بیاہری کا استدلال کیا تو اس میں کیا قباحت لازم آگئی۔ کیونکہ جہاں ستاروں کے متعلق اشیا پر آثار متعلقہ کا شاہدہ ایک سیکڑی امر ہے تو ان میں سے بعض مسیبتوں کے کسی خاص وضع میں ہونے سے آثار بدیہی کے وجود کا کہیں افکار کیا جاتا ہے۔ ابر۔ برق۔ عدد وغیرہ کے بعض کیفیتیں یا پھولوں پر جو آثار خلعت یا موافق مہر تہا ہوتے ہیں۔ انھوں میں بھی تو کوئی ذکوئی وجہ ربط قائم کرنی پڑتی ہے۔ پھر صحت قند و فیہ کو کہیں قابل اعتراض سمجھا گیا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض سیارات کے اوضاع مخصوصہ کا جو بیماری یا صحت ہو سکتی ہے۔ افسوس میں تو شرفاً کوئی بات قابل گرفت ہے اور نہ عقلاً بیشک شرعیت اسلامی نے لوگوں کو اوضاع نجوم کے متعلق آثار کے استدلال کرنے سے روکا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مسابلی فرقہ کے لوگ ستارہ پرست تھے جو نجوم کو فاعل اور معتبر یا علت متعلقہ بنا کر کرتے تھے جس سے صحت شرک ہے لیکن اگر کسی ستارہ کی کسی خاص وضع کے متعلق کسی خاص اثر کو اس طرح تسلیم کیا جائے جس طرح جلالی اشیا نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کا نام سے خواہیں قائم کئے ہیں جن سے ہم بعد مروت تشبیہ ہوتے ہیں۔ تو اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے بلکہ اس سے حکیم مطلق کی حکمت باندہ پر استدلال انسان کو موصوفہ فاعل بنا دیتا ہے۔ کوئی سمجھتا تو آدمی تسلیم نہیں کرے گا کہ اس قدر شیا رجمادی کا پیدا کرنا محض بہت ہے عینکہ مستطہ ہے کہ سلسلہ کائنات کی کوئی چیز بھی عبث نہیں۔ وجہ ما خلقت هذا لعلہ

مسترض اگر اسی عقیدہ کو ترک کر کے غم کرتا تو ہرگز اس کے بدل میں اس قسم کا کوئی معجزانہ پیدا نہ ہوتا۔
 (دعا) آپ نے بہت غلطی کی ہے۔ غلطی کی غلطی میں غلطی کو توڑ دینا اور جب ان لوگوں
 نے دیانت کیا تو آپ نے جواب دیا۔ بل خلع کبیر و ہمدانی نے اس سے بہت لے نہیں توڑا۔ امانت
 یہ جھوٹ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بلکہ آپ نے اس سے بہت لے لیا تو یہ کیسے
 ان لوگوں کو نہایت لطیف چیز سے متوجہ کرنا چاہا جس سے ان پر ایک قسم کا الزام قائم ہو جائے
 اور وہ بہت پرستی کو غلط غیبی کچھ کر جن حق کی طرف رجوع کریں۔ چونکہ وہ لوگ جن کو ناقص
 خیر و شر سمجھتے تھے اس لیے جب انہیں ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے یہ خیال پیدا ہوا کہ
 ایک جہاد میں حرکت چاہی فطرت کے خیر و شر کا مالک ہیں ہو سکتا ہے کسی غیر کے لیے کب
 مفید و مضر ہو سکتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ انہیں خالق النور و الشر کی طرف متوجہ ہوتے
 کا موقع ملتا۔ گویا ابراہیم علیہ السلام نے غلطی میں تو بیخ اور سرزنش کرنے کی بجائے انہیں علی
 طور پر بھلا دیا کہ یہ بھی اسے جب خود اپنی حفاظت انہیں کر سکتے تو تمہارے لیے کیا مفید ہو گئے۔
 اور حقیقت اس جواب سے بہتر اور کوئی جواب ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ کسی طرح بھی جھوٹ کی طرف
 میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ جھوٹ خود افسانہ یا نتیجہ ہے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی کا اثر یا منفعت ہوگا
 (ج) آپ نے اپنی بیوی سلمہ کی نسبت ایک ظالم کے اس سوال پر کیا کہ کون ہے لڑا یا کہ
 میری بہن ہے اور یہ جھوٹ تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جواب بالکل صحیح ہے اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ملتا۔ ان میں
 ایسے کلام کو معاذ اللہ بولتے ہیں جس میں شکم یا کلام کہے جھوٹ مختلف معنی کا لفظ کر کے جن
 میں ایک تو قریب فہم ہو اور دوسرا فہم کرنے پر موقوف ہو۔ اس قسم کا کلام بالظن ظاہر ہو
 جھوٹ میں اصل نہیں بلکہ کسی شخص کی جاہل اور فہم نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ اور بعض مواقع پر ایسا کلام

انہایت حقید ثابت ہوتا ہے اس اصل کے رد سے ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی کی نسبت یہ کہنا
کیسے صحیح ہے ہرگز جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حقیقت آپ کا مطلب یہ تھا کہ ملت حق نے
میرے اور اس عورت کے درمیان بہن بھائی کا رشتہ قائم کر دیا ہے چنانچہ اسی خیال پر مسلمانوں
کو انصاف المؤمنین اخوة کی تعلیم دی گئی ہے۔ حالانکہ کوئی یقینی اقوت باہم نہیں ہوتی بلکہ
حدیث میں آیا ہے کہ لا یختلط احدکم علی خطبة اخیه یعنی جب تمہارا بھائی کسی عورت
سے نکل کر ناز قرار دے پکا ہو تو دوسرے کو اس سے خلج کرنے کے لئے سعی نہیں کرنا چاہئے
جیسا کہ عام لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ میلہ والہ کر کے ایک شخص کسی عورت کی شگنی کو فتح کر دیتا
ہے اور یہ سخت گناہ ہے اس حدیث میں بھی بھائی کا عقد منہ دینی اشراک کی بدولت اطلاق کیا
گیا ہے۔

ایک اور توبہ یہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سارے آپ کی بیوی اور آپ کا خاندان
ایک ہی ستر اور خاندان کے مردوں اور عورتوں کو عام طور پر باہم بہن بھائی کہہ دینا
عام ہوتا ہے اس کی مثال قرآن مجید میں آیہ والی مدینہ افاقا فقہ شیعہ باہم موجود ہے
کیونکہ شیعہ علیہ السلام کو محض ان لوگوں کے جہنم ہونے کی وجہ سے ان کا بھائی کہا گیا حالانکہ
آپ ان کے حقیقی بھائی نہ تھے۔

(د) آپ نے پہلے ستر اور پھر چاند کو پھر سورج کو طیفہ طیفہ ہر ایک کو اپنا
دیکھ لیا اور یہ شرک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مخصص نے قرآن مجید کے طرز استدلال کو نہیں سمجھا اور ظاہر

مستحب غیر علیہ السلام مع متین کبرونی اللہ منہ کے کہ فل کریل ثدیں با چھے تھے تو راستے
میں ان کے کسی نے متین کبر سے مال کیا من مالت یعنی تیرے ساتھ کون ہے۔ تو آپ فرمایا
میں جو وہی لی جیل اپنی یہ ایک ہی ہے جہاں جہاں ہے دشمن غور کیا کہ یہی لی لی لی لی میں جو وہی راستہ

ترکیب سے اہل مدعا کو اخذ نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ بالکل غلط جگہ منت اہتمام ہے کہ ابراہیم علیہ السلام
 نے ابراہیم علیہ السلام کو واقعی اپنا معبود سمجھا۔ اور پھر رجوع کیا کیونکہ اس واقع کے وقت سے
 پہلے اللہ تعالیٰ آپ کی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔ ولقد اتینا ابراہیم رشداً۔ من قبل
 و کتابہ علیہم جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلح
 و ہدایت پانچے تھے۔ پھر کوئی نگران کے مشرک ہو جانے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اگر
 بالفرض ایسا ہو تا تو آپ کے رجوع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور کوئی عتاب
 نازل ہوتا۔ جبکہ یہ مسلم ہے کہ نبیاء علیہم السلام کو صفائے میں سو ہو جانے پر بھی عتاب ہوتا
 رہا ہے اور شرک تو علم عقیم ہے پھر ایک ایسے حلیل لائق مرسل سے بلکہ بجائے کتاب کے
 اللہ تعالیٰ بظہر انعام کے یوں ارشاد فرماتا ہے۔ قلنا ایتناھا ابراہیم علی قوما
 و فرغ حوجات من نشاء جس سے ایک معمولی مثل کا آدمی بھی یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ
 آپ کا ساتھ اور پائندہ دوست کو علیحدہ علیحدہ پروردگار تسلیم کر کے پھر علیحدہ علیحدہ ہر ایک
 کے لئے نفی ربوبیت کرنا ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا لطیف استدلال ہے جس سے صافی فرقہ
 کے لوگوں کو توبیح اٹھان پر الزام قائم کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ وہ لوگ نجوم پرستی کے مرض
 میں مبتلا تھے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کو پہلے معبود تسلیم کر کے نفی ربوبیت کی وجہ بھی بتلا دی اور
 فرمایا لا احب الا فلین یعنی ایسے معبود جن کی حالت میں تغیر و زوال آتا رہتا ہے بھلا کیونکر
 معبود قرار پا سکتے ہیں اور یہ طریق استدلال بعینہ اس قسم کا ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں قرآن کے
 تواتر و اتزان پر بغرض الزام آپ نے مشرکین کے سامنے پیش کیا تھا اور غالباً تعلیمی غرض
 و صواب اس طریق استدلال کی لطافت اور موثریت سے خوب واقف ہو گئے۔ کیونکہ ختم
 کے معنی کو تسلیم کر کے ثبوت دعویٰ کے بر غلاف نتیجہ کے نفاذ کرنے پر ختم کے لئے صحبت الہی کے

بعد ہی جوت ابراہیم علیہ السلام کو انکی شرک قوم کے بھلائی میں سے پھر انکی جگہ پر انکی جگہ پر انکی جگہ پر

نام اہلباب کو سند دے کر دیا جاتا ہے۔ اس طریق استدلال اصطلاح اہل فہم میں بہانِ غفلت بنا کر کرتے ہیں انہوں نے حضرت میں نے اصل استدلال کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اُلٹا نتیجہ اخذ کر لیا۔

(۷۸) آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ خدایا میں مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ہماری قدرت پر ایمان نہیں رکھتے آپ نے عرض کیا کہ بیشک میرا ایمان ہے کہ تو اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے مگر میں زمینانِ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس واقعہ سے حضرت عیسیٰؑ یہ نتیجہ نکال کر لیتے ہیں کہ ابوالہیتم علیہ السلام کو اسی لئے موتی میں شک تھا۔ خود بائبل

اس کا جواب یہ ہے کہ انما الفرقان مجید سے ہرگز نہ شبہت نہیں ہوتا کہ آپ نے بے شک کے لئے عیساؑ باسی تعالیٰ عیساؑ سوال کیا تھا۔ کیونکہ ابوالہیتمؑ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر جو حقوق کو درم سے وجود میں لاتا ہے مرقہ کو زندہ کر دیکھنا ایک معمول بات ہے مگر آپ نے عرض فرمایا کہ انکشاف حقیقت ایسا سوال کیا کہ کوئی یقین دہانہ علم میں دیکھا انکشاف نہیں رکھتا جیسا وہ عین میں محسوس ہونے کے بعد ہاتھ دیکھ دوس کی مثل اپنے آپ میں ہے جیسے بلو شام ملک کے وجود کا یقین ہر ایک شخص کو بردہ کامل ہوتا ہے مگر بائبل اسے انکشاف سے دیکھنے کا شوق ہر ایک کے دل میں ہوتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی شخص کو انکشافی وسیعہ کے ہندستان میں آنے سے پیشتر اس کے وجود میں شک تھا۔ مگر جب وہ اس ملک میں داخل ہوا تو ہر گھوڑا پھرتا تو تماشائیوں کا ہجوم ہوتا تھا کہ کھوسے سے کھو چھلٹا تھا جو شخص فطرت انسانی کی اہمیت پسند ہی کو خوب سمجھتا ہے اس کے نزدیک جناب ابوالہیتمؑ نبیل اللہ کا ذکر ہر بار سوال باطل ایک معمولی سوال تھا جو یاد کر دیا گیا۔ اس اقرضہ کو ایک صحیح حدیث میں باغداد میں اسحق بائبلؑ من ابوالہیتمؑ رفع کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے لئے قدرت کاملہ ذات باسی میں شک کرنے کا کوئی موقع ممکن ہوتا تو ہم ابوالہیتمؑ سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہوتے۔ مگر جبکہ ہم بلا مشاہدہ کیفیت اس واقعہ ذات باسی پر کامل

ایمان رکھتے ہیں جس کی قسم کا شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کر سکتے تھے یعنی آپ کو
سول کرنا بغیر منہ رفع شائبہ تھا۔

(د) آپ کے متعلق یہ اقوال منہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے باپ کے لئے جو کافر تھا
جناب الہی میں مغفرت کی دعا کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارہ میں خود تقاضا کی طرف سے آپ کو کوئی ممانعت نہیں ہوئی تھی
اور آپ باپ کی بدت حیات تک اس کے لئے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو آپ
نے استغفار کو ترک کر دیا۔ کیونکہ ایمان لائے کی امید اس کی موت پر منقطع ہو گئی۔ چنانچہ
خود قرآن شریف میں الفاظ فلما اتقین له أشد وعدة ربنا أمثلہ آپ کی بریت کو واضح کیا
گیا ہے۔ اس لئے یہ امر حق سخت کمزور ہے۔

لو طاع علیہ السلام | آپ کی نسبت یہ اقوال منہ کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو فرمایا لو ان
لی بکم قوۃ اذادی الی کن شدید یا آپ کے اس قول پر مدینہ
میں میں وارد ہے۔ رحمۃ اللہ اخی لو طاعنا کما کان یا اذادی الی کن شدید جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ لو طاعینا لام کا مذکورہ بالا قول صحیح نہ تھا۔ کیونکہ ان کے قول سے غیر اللہ سے
طلب مدد کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

سوس کا جواب یہ ہے کہ مقرر نے نہ تو ایت کا مطلب سمجھا ہے نہ حدیث کا کیونکہ غیر
سے ہر وجہ مجاز نصرت طلب کرنا ہرگز منہ نہیں۔ خود جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہا جیتا

اللہ ذیہ کون ہونے کا انتہائی شہادہ علیہ السلام نے صل ابلہ انکسار کیا دیا۔ یہ مطلب صریح تھا کہ
کوئی نبی اللہ شک کرتا۔ تو اس میں شک کرتا۔ ۱۶۰۰

مطلب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن خطا ہے تو اس سے بیزاری ہو گئے۔ ۱۶۰۰
تھے اگر وہ مجھ میں طاقت ہوتی یا کسی ذہن پرست صاحب وقت کی جیسے مدد غنی تو اس قہر و امتیاز کرتا۔ ۱۶۰۰

اللہ تعالیٰ جی ہند ہم سے مدد طلب کی اور مسیح علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ الی علیہ معنی اللہ تعالیٰ
 کے جہن کی بابت میری نصرت میں کون کون شخص شریک ہو گا بلکہ اس طرح نصرت کا طالب ہوتا
 اس طرح قانون الہی ہے جس کو قرآن مجید میں یوں ظاہر کیا گیا۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضهم بعضا
 ففسدت الارض۔۔۔۔۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ سے بعض اقوام کو دیگر اقوام کے
 قریب سے نہ دھکیلتا یعنی ایک کو غالب اور دوسری کو مغلوب نہ کرتا تو دنیا میں ایک عام غریبی و جہل
 مافیہ و اودھیت کا مہلک یہ ہے کہ غالب اور مغلوب رسول اللہ اسلام نے لوڑ بھٹک اسلام کے متعلق خبر
 دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نصرت کے منتظر تھے جو ہر دیر جلد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 کی جاتی تھی کہ کسی اور نصرت کے کیونکہ یہ محال عقلی ہے کہ ایک نبی اللہ اپنے تئیں خدا کی نصرت
 سے محروم سمجھنے لگے بلکہ یہ صحیح کفر ہے۔

آپ کے متعلق یہ امر عرض کیا گیا ہے کہ آپ نے قوم کے اہلشوں کو فعل شیع سے دھکے
 دئے بلکہ وہ غالب آپ سے تھے فرمایا جو لڑا ہوا بنی اسرائیل اہل و کملہ یعنی میری پیشیاں تھیں
 عقل کے لئے موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خود نقطہ اظہر ہے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بطریق
 نصرت قبائل سے متعلق ہو سکتے ہو۔ کیونکہ بطریق زمانہ متعین ہونے کی صورت میں بطریق لفظ
 بیان ہوا کہ مطلب یہ ہے سیاسی محاورہ ہے جیسے کوئی کسی کو یوں کہے کہ تم نے میرا سود پیہ ہنم
 کر لیا کیا کوئی مائل یہ سمجھ لے گا کہ سود پیہ وطن کے راستہ سے اس شخص کے پیٹ میں اتر گیا۔
 جس بلکہ اس کا ساتھ مطلب یہ ہے کہ تم نے میرا سود پیہ اپنے کو کچھ ضروریہ میں بطریق سہو
 دت کر لیا۔

یوسف علیہ السلام | اے آپ کے متعلق یہ امر عرض کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے نبیانی
 بنیائیں کو دوسرے جماعتوں سے علیحدہ کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور
 آپ کون کے فرق میں جدا کیا میں سے وہ سخت گھبرائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ
 نے جس میں صواب تھا کیونکہ یہی امر ان کے لئے باپ کی ملاقات کا موجب ہو گیا۔ اہل گنہگاری

کو اپنے پاس نہ رکھ لیتے تو دوسرے بھائیوں کو سچا سچا دیکھنے کا خیال پیدا ہوتا۔ اس لئے
نہایت غفلت آپ نے ایسا کیا۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

(ب) آپ نے اپنے بھائی کے بارگاہ میں اپنا ایک برتن منہی رکھ دیا اور پھر اس کو
نقیب کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ ان لوگوں کو چور کہہ کر پکڑا گیا۔ حالانکہ وہ درحقیقت
چور نہ تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں چور کہہ کر پکڑنا ان کی اس فریب دہی پر مبنی تھا جو انہوں
نے اپنے باپ کے ساتھ برقی اور یوسف علیہ السلام کو چور کر کے گھنے اور کنوئیں میں پھینک دیا۔
کیونکہ اس کا وہ دلی سے وہ درحقیقت چور تھے اور آپ کا انہیں چور کہنا بجا تھا۔ کیونکہ ان
کی ذات پر یہ معاملہ گذرا تھا اور وہ خوب واقف تھے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ چور کہنے سے سزا
ان لوگوں کو عظیم نہ ہو کہ میں کس جرم پر چور کہا گیا ہے اور جب برتن بوجھ سے برآمد ہوا تو انہوں نے
میں سمجھ لیا کہ شاید اس فعل کے جرم میں میں چور کہا گیا ہے۔ سو اس راز کے ان پر نہ کھلے تے
واقف کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

(ج) آپ نے اس زمانہ کے فرعون مصر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ جو کافر تھا اور
ایک نبی اللہ کو کافر کی اعانت کرنا ہرگز جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا خدمت مشاہی کو قبول کر لینا صرف اس غرض سے تھا
کہ بادشاہ اور دیگر خواص سلطنت کو دین اسلام کی طرف توجہ دلا سکیں۔ اور درحقیقت آپ کا یہ
فعل ایک نہایت اعلیٰ وجہ کی حکمت علی پر مبنی تھا۔ چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے
کہ بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ قاضی رفیعہ وی آئیہ قال اجعلنی علی خزائن ملک
کے ذیل میں کہتے ہیں۔ وفیہ دلیل علی جواز ملک التولیت وافیہ دلیل علی جواز
وولی من یکذا فراقا علیہ اللہ لا یبیل الی اقامۃ الحق وسیاست الخلق کا
بلاستظہار یہ یعنی اس آیت میں کافر کے ہاتھ سے ملازمت قبول کر لینے پر دلیل موجود

بیکہ معلوم ہو کہ جو جس طریق کے حق کی شامت اور عمل کی عروج یا ممکن ہے۔
(۱۵) آپ کے والدین نے آپ کو بوجہ کیا جو عبادت غیر اللہ پر مائل ہے۔

جواب یہ ہے کہ جس شریعت کے مقابلہ میں اس میں والدین کے لئے جو توحید یا امانت نہیں
مقابلہ فعل ثواب سمجھا گیا تھا۔ نیز اس سے آپ کے خواب کی تصدیق متعین و متعین ہو
کرم آئی یہاں تک کہ یہ جو بوجہ یعنی اس کی مثل جو بوجہ کی سی بوجہ جو وہ آدم علیہ السلام کے لئے بوجہ
تھے۔

(۱۶) آپ نے ایک قیدی کو جو زندان سے رہا ہوا کہہ کیا بادشاہ کے سامنے میری بابت
کچھ نہ کرو کیونکہ جس سے مقصود یہ تھا کہ آپ نے بنی اللہ ہو کر غیر کی طرف التجالی اور انتقامی
کی طرف رجوع نہ کیا۔ بلکہ آیہ فلتنا الشیطان ذکر ربہم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ
کی طرف رجوع کرنے سے فائل ہو گئے۔ جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ فعل میں جواب تھا کہ چونکہ
وہ ظلم کے لئے عید کرنا فرض ہے مع ہذا اس شخص کو ایک امر خیر کی طرف بھی توجہ لانا مقصود
تھا۔ تاکہ وہ صاحب حسانت ہو جائے۔ کیونکہ وہ معلوم لایچکا تھا۔ اور آیہ فلتنا الشیطان انہ
لا یخیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع نہیں بلکہ اس رہائی پانے والے شخص کی طرف راجع
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص یوسف علیہ السلام کی بابت بخیر بادشاہ ذکر کرنا موصول گیا
یاس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا تو یوسف علیہ السلام
کی حاجت کا اسے خیال رہتا اور بادشاہ کے حضور میں آپ کی بابت ضرور ذکر کرتا چنانچہ
آیہ یاد کرتے بعد امۃ را ایک مدت گزرنے پر اس کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی
سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۷) آیہ ولقد ہممت بک وہم یبالو لکائن را برہان ربہ کے متعلق بعض لوگ

یہ کہہ کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے امر شنیع کو قصہ کیا تھا۔

اس آیت کے دوحیٰ ہو سکتے ہیں اور وہ دو صورتوں میں الزام منکوحہ بالانہی اللہ پر ملتا ہے
 نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ زانیہ نے اور جواب امر ممنوع کی بابت آپ کی طرف قصہ کیا اور اپنے ماپیت
 سے اسے نہ کرنا چاہا مگر آپ نے اپنی عصمت فطریہ کو جو منہ نوازیم نبوت ہے مد نظر رکھ کر اپنے
 آنکلی بڑی سے ایسے ملوک پسند نہ کیا اور اس کو ماپیت کرنے سے باز رہا۔ گویا صدر جہا کے
 سامنے ہمدردی بھالیا بد و فحشا اور یہ نامورہ قرآن مجید نے استعمال کیا ہے قال اللہ تعالیٰ
 و عصمت کاملہ ہو و لہذا لیاخذ وہ اس تغیر کو ملحوظ رکھ کر لوکلان راہ جہان و بد کے
 یعنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہریت ثابت کرنے کے لئے ایک برہان قاطع پر آپ کو کوا
 کر دیا اور وہ یہ تھی کہ آپ باہر مل بھاگے حب آفانے دروازہ سے نکلتے دیکھا تو زانیہ نے آپ
 کو انہماک کرنا چاہا مگر گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ یہ یمن و کینا پائیت چہا پنیہا یمن
 دیکھا گیا اور یہ امر آفانے نزدیک آپ کی ہریت کے لئے ایک برہان قاطع ثابت ہوا۔ آیت
 مذکورہ بالائی اس تفسیر میں کوئی کسی قسم کا مطلق نہیں بلکہ بالکل صاف اور واضح ہے۔

دوم آیت و لقد عصمت بد و عصمت جہا لوکلان راہ جہان و بد میں عصمت بد تک
 کلام کو ختم سمجھو اور عصمت جہا لوکلان راہ جہا کو ملحوظ رکھو اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ زانیہ نے
 امر ممنوع کے لئے آپ کی طرف قصہ کیا اور آپ بھی قصہ گوی ہوئے مگر برہان دہش کو ملحوظ نہ
 رکھتے یعنی منصب نبوت اور عصمت فطریہ آپ کو مل نہ ہوتے۔ کیونکہ نبوت و عصمت فطریہ
 سے بڑھ کر اور کئی چیز عصمت اور صداقت پر قائم رہتے اور مرکز روح سے ہمیشہ نہ کرنے کے
 لئے دلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر میں یہ توضیح پہلی توجیہ کی نسبت چنداں قابل اعتبارات سوم نہیں ہوتی
 کیونکہ لوکلان راہ جہا کے مقدم آنے کا سوال پیش آتا ہے جس کو بعض ائمہ خواجہ بزرگ نہیں کہتے مع ہذا
 قرآن شہدہ کے مطابق ہم اہل ہادقہ کیا کرتے ہیں اور ان میں زانیہ کا ماحول میں اپنے گناہ کا اعتراف
 کرنا اور آپ کی ہریت پر کامل شہادت دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے امر شنیع کے ارتکاب

ورم بھی نہیں کیا تھا کہ یہ گرم کرنے اور خاص حرکت قیل بالکتاب کے وقوع کے آنے کی صورت
 میں آپ اب بھی نہیں ہو سکتے اور علم و اہانت کے قواعد کو مد نظر رکھتے ہوئے آئینہ مذکورہ بالائی ترکیب
 نوی میں مرکب افادہ کرتی ہو سکتے ہو نہ کہ ہر فعل صفت اور عدد کے مستند الیہ مفید و مصلحہ ہیں
 اس لئے ہم غلط فہم کا معنی یہی تجویز کیسکتے ہیں جو بہ متعاضدے مالی ہر ایک مستند الیہ کے لئے
 مناسب ہو سکتے ہیں معضدائے مالی یہ ہے کہ صورت اپنے متعاضدے کی طالب تھی اور یوسف
 اس سے گزریاں تھے جیسا کہ سیاق و سباق آیت اس پر ظاہر ہے مادہ یہ لیتا اسی قسم کی ترکیب
 ہے جو شی اسرائیل کے حق میں آئے ان عدتہ عدائیں مومنہ بھی گئی یعنی الرقم سرکشی کی طرف
 عموماً روئے تو ہم غلاب کرنے کی طرف عموماً کر تھے مادہ اسی معنی کی تائید آیت کے اچھے حصہ
 سے ہوتی ہے کیونکہ اگر یوسف کی طرف سے بھی یہی مقدمہ عمل صادر ہوتا جو اس صورت سے
 ہوتا تھا تو مستحب کام میں ہوتا چاہیے تھا۔ کذہا انصرفہ من السواد الفعشا میں اس
 طرح یہ نصرت و مدد السواد والفعشا کیونکہ سواد اور فعشا یوسف سے ہٹا رکھنے سے یہ سات
 پایا جاتا ہے کہ سواد اور فعشا لامعدہ یوسف کی ذلت و تہمتی بلکہ غیر کی طرف سے صادر ہو رہے
 تھے اور خدا نے تعالیٰ نے انہیں روک دیا۔ اگر یوسف سواد و فعشا کے مصمم ہوتے تو پھر پہلی
 ترکیب کے مطابق معنی میں ہونگے کہ ہم نے یوسف کو سواد و فعشا سے روک دیا اس تو یہ
 سے سات سلام ہو رہا ہے کہ یوسف کو ضرور مداخلت کے متعلق کسی قسم کا داخل نہیں تھا یہ حال غیر
 ہے جس پر خود آیت مذکورہ بالائی ترکیب شہادت دے رہی ہے اور طاقت قرآن کی شان
 اسی ترکیب کی مقتضی ہے سواد و فعشا ہر دو کی نفی کرنے سے اس مرکب اشارہ مقصود ہے کہ
 یوسف نہ تو ابتدائی مراحل فعل شعیج کے مرکب ہوئے اور نہ فعل شعیج کے ۔

مومن علیہ السلام | آپ نے اپنے بھائی امین علیہ السلام کو متاب کرتے وقت سر سے پکار کر
 کہیں چاہیں یا انہوں نے فرمایا۔ یا ابن ام لا تأخذ بطبعی لا ہوتی
 یعنی میرے سر پریش کو مت پکار۔ چونکہ امین بنی تھے اس لئے آپ کا یہ فعل ایک بنی اللہ کی

بے حرمتی پر طالت کرتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ نیت کے الفاظ صرف یہ ہیں فاخذوا من ارجاء
یجوزالیہ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو سر سے پکڑ کر کھینچا یا اس سے ہرگز یا بوں سے پکڑ کر
کھینچے گا کہ نہیں بلکہ موسیٰ نے غصہ میں آ کر یہ کہ عتاب کنندگان کا قاعدہ ہے ہمدون
کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا یا وہ کہا کہ تم نے قوم کی طرف سے کیوں عفت کی تاہم
نے جب آپ کی غضب کی حالت کا مشاہدہ کیا تو اس خیال پر کہ کہیں عتاب ملی طور پر بصورت
حرب ظاہر ہو۔ فرمایا کہ میرے سر اور ریش کو آپ نہ پکڑیں۔ کیونکہ ہمیں مالیت کی دعوے سے
یقین ہو گیا تھا۔ کہ شاید سروریش کے پکڑنے کی نوبت آپہنچے الفاظ کا تاخذ بلعین سے
ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ وہ حقیقت موسیٰ علیہ السلام نے ہمدون علیہ السلام کی دوسری کلمہ
تھی اور آپ کی بے حرمتی کا قصد کیا تھا۔ دیکھو آیہ ولا تطع مندا انما اوکفوا من غیاب
پیغمبر علیہ السلام کو انشاء ہو گا۔ اشد لعنہ کنفوا کی بات کو مست مالو۔ اس آیت سے ہرگز یہ لازم
نہیں آتا کہ جناب پیغمبر علیہ السلام کفار کی اطاعت کیا کرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے ممانعت
کی بلکہ بعض بطور احتیاط لیا فرمایا جس سے دین کے بائیس میں عوام الناس کو استقلال اور
تشدد برتنے کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ ایک امام قتل کے آدمی کو جلا تاخذ سے یہ ممکن پیدا ہوتا
ہے کہ سچ موسیٰ علیہ السلام نے ہمدون علیہ السلام کی دوسری کلمہ تھی حالانکہ یہ بعض غلط ہے۔
الزمین کا تاخذ ضیقہ نہی سے امر منوع کا صدور ثابت نہیں ہوتا اور اس قدر ملوک بھی ہوتی
کی طرف سے محض محبت دین پر مبنی تھا جس میں قصد حیات کو ہرگز دخل نہیں ہو سکتا سو حق
کا مقرر محض اسکی عدم تیسرے کا نتیجہ ہے۔

(د) آپ نے با آنکہ حضرت علیہ السلام نے قبل از مصاحبت آپ کو کہہ دیا تھا کہ میرے
کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا۔ ان کے مختلف افعال پر اعتراض کیا۔ حالانکہ قبل از سفر یہ بات بطور
معاہدہ قرار پائی تھی اور معاہدہ کی خلافت وحشی ایک بنی اشکال شان سے بعید ہے۔
جواب یہ ہے کہ آپ کا اعتراض کرنا لغتض و ہد کی نیت سے نہیں تھا۔ بلکہ محض بھڑکانا تھا

ایسا واقع ہوا۔ اہل نبیان کا انبیاء علیہم السلام سے وقوع میں آنا ان کی عصمت کے ہرگز مانع نہیں جیسا کہ صفحات گذشتہ میں ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ہاں بدخوات مومنانس کے بغیر ہمیشہ انکام کو نبیان پر ہی موقوفہ ضرور ہوتا ہے اور یہی ان کے حق میں بہتر لہجہ میں کہا جاتا ہے اور وہی علیہ السلام کے مذکور بالا اعتراض کی نسبت خود قرآن مجید نے یہ فیصلہ دینا چاہے کہ محض ان کے نبیان کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ فرمایا لا تلو الخذلانی بعد النبیست یعنی آپ (خضر علیہ السلام) مجھے ایسے امر پر موقوف نہ فرمادیں جو بصورت نبیان مجھ سے سرزد ہوگا ہے اور وہی علیہ السلام کا مترس ہونا ظاہر حال پر ہی تھا کیونکہ لڑکے کا مار ڈالنا (گو اس میں صحت علمی) ایسا سرسری امر نہیں تھا۔ کہ آپ چپ رہتے۔ اس مقام پر چند ایک اور دلچسپ مباحث باقی ہیں لیکن ہم انہیں کھینچنا پسند نہیں کرتے کیونکہ مصادیق قرآنیہ کو قلمبند کرتے پر عموماً کم استعداد لوگ چونک پڑا کرتے ہیں۔

(حج) آپ نے فرمایا مفاہقا اذ اذما انان الضالین یعنی مجھ سے یہ فعل (قبلی قاتل) نکالت نکالت سرزد ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نکالت میں تھے۔

جواب یہ ہے کہ آپ کا مذکور بالا فعل قبل از نبوت تھا اور نکالت سے صرف عدم معرفت احکام مراد ہے کیونکہ قبل از نبوت سے پہلے تمام حجت نہیں ہوا کرتا اور جب اہم حجت نہیں تو آپ کا فعل مذکورہ سر برہم میں ہی داخل نہیں ہو سکتا اور نکالت بمعنی عدم معرفت احکام عام اور سب سے دیکھو آیہ ووجدنا ضالاً فهدیٰ میں نکالت بمعنی عدم معرفت احکام مراد ہے کیونکہ قبل از نزول شریعت عدم معرفت احکام ایک امر واقعی ہے۔ نکالت کے یہ معنی کہ احکام شریعت کے علم ہونے پر کسی حکم کی آپ نے خلاف فہمی کی باطل باطل ہے۔ اس لئے آیہ وانا من الضالین کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے ایسی حالت میں فعل مذکور کا ارتکاب کیا کہ انوکھے شریعت مجھے اس کے مجاز یا عدم مجاز کا علم نہیں تھا۔ ایسی ہی معنی دو وجدنا ضالاً فهدیٰ میں ماخوذ ہیں۔ یعنی خضر علیہ السلام احکام شریعت کی معرفت نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ پر شریعت نازل فرمائی جس سے آپ کو مراد ستفہم

کا پتہ پڑ چنانچہ ایک دوسرے متنازعہ آپ کی نسبت برتا ہوتا ہے۔ سائنس دانوں نے کتاب
دلائل ایمان یعنی قرآن اور احادیث سے باطل رہے مگر تھا۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منہ امت یعنی نبین بھی متعلیٰ ہوا کرتا ہے۔
چنانچہ کہتے۔ ان فضل احمد دھما میں منہ امت یعنی نبین بھی ہے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ اگر
ایک حدیث کو اولے شہادت میں نبین ہو جائے تو دوسری حدیث اس کو یا دوسرے چنانچہ
منہ امت کہ احمد دھما الاخریٰ میں منہ امت کے منہ امتیان کی کافی شہادت موجود ہے اور
اسی توجیہ کی تائید میں سورہ یوسف میں آیہ منہ امت القادیہ موجود ہے۔

(۱) آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ وہ بارنی فخر الیلک یعنی خدایا مجھے اپنا
آپ دکھا سنا کہ جب بنی اسرائیل نے آپ کے سامنے یہی امت دعا پیش کی اور کہہ دیا اللہ
جبروت یعنی اسے موسیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کو کلمہ کھلا دکھا دے۔ تو ان لوگوں پر صاف کا عذاب
نازل ہوا۔ اس لیے اس واقعے کو بچنے کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسا سوال
پیش نہیں کرنا چاہیے تھا۔

جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ان لوگوں کے واقعے سے پہلے تھا اس لیے یہ
اعتراض عائد نہیں ہو سکتا کہ آپ نے ایسا سوال کیوں نہیں کیا۔ نیز آپ کا سوال کرنا منہ امت
و سعادت کی طرف سے تھا جو تصدیق یعنی کے بعد چاہیہ تھا جو امتیاج برہم علیہ السلام کو
ایسا برہمنی کی بابت باہر و تصدیق قدرت کے سوال کرنا۔ اور بنی اسرائیل کا حال بطور غصہ
اخراج کے تھا۔ اور وہ لوگ تو میری بابت شکوک و دوام میں پڑے ہوئے تھے۔ سوہ و دوام
کے سوال کی نوعیت مختلف ہے۔

یونس علیہ السلام | اے انون و ذالنون اذو غیب مغاضبا فکن انون فکدر علیہ
فنادی فی الظلمات ان لا اله الا انت سبحانک انی کنت من
الظالمین سے آپ کے متعلق یہ اقراض کیا گیا ہے کہ ذالنون یعنی یونس علیہ السلام نے اپنے

ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں ہوگی۔ نہ لنگہ کسی باہل سے باہل آدھی لنگہ
 ضعیفہ العفت عورت کا بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا تعالیٰ کی قبضہ قدرت سے باہر ہے۔
 مستتر من قلد وعلیہ کے معنی جو اس مقام پر چہان تھے نہیں سمجھ سکا۔ اور ایک ایسے معنی پر جو غیر چہان
 تھے۔ آخر میں کر دیا اس آیت میں قلد وعلیہ یعنی صنیق علیہ کے وقوع ہوا ہے۔
 اور یہی قرآن مجید میں کئی ایک مواقع پر مذکور ہیں قال اللہ تعالیٰ واما اذا ما بتلذذ فقتل
 علیہ ورتقہ ای صنیق علیہ اس تفسیر کے رو سے آیت مذکورہ بالا کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ
 پانچ علیہ شلوم نے یہ خیال کر لیا۔ کہ ان کی قوم پر اس طرح غضب آوہ ہوئے سے اللہ تعالیٰ ان
 پر عسی نام کی گرفت نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ نے خیالی تہہ محسن عیث اور غیرت سے لیا کیا تھا۔
 مستتر من مذکورہ بالا بحث کے متعلق ایک یا قرض بھی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ
 نہایت غیر علیہ شلوم کو یوں خطاب کرتے ہیں واما انکم انما صاحب الحوت یعنی مچھلی والے اور ان
 کی طرح مرت ہو۔ اس قول سے بھی پانچ علیہ اسلام کے برعکس استدلال ہو سکتا ہے۔ ہاں
 یہ ہے کہ اس آیت کے الفاظ سے صرف اس قدر واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا غیر علیہ اسلام
 کو قرآن مجید میں بار بار صبر و استقلال اور تامل و اذیت کی تاکید فرماتا ہے۔ چنانچہ اس مقدم پر
 بھی وہی تاکید ہے یعنی یونس علیہ السلام کی طرح صبر کو مت چھوڑو اور قوم کی اذیت پر اہل
 غضب مت کرو۔

الغرض یونس علیہ السلام کا فعل مذکورہ بالا پنجالی نوہ غیر محض تھا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے
 نہیں تھا اس لیے غیر محض ہونے کی حیثیت سے وہ گناہ نہ ہوا۔ مگر وہ خدا تعالیٰ کو ناپسند
 ہونے کے قابل ہوا نہ سمجھا گیا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو اس قسم کے سہو نیان پر بھی موند
 ہوا کرتا ہے۔ اور اسی کو ان کے حق میں ظلم سمیت قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع مضمون یہاں
 اس پر نوچی بحث ہو چکی ہے۔

واو علیہ السلام | مستتر میں کی طرف سے آپ کے متعلق ایک یہ شان عظیم لفظ وقرض کے

مشہور ہے میں کو ایک ایٹم اندر کی طرف بھی منسوب کرنا مرید عظیم ہے۔ چہ جائیکہ ایک نبی اللہ صاحب
 کتاب اور صاحب عجزات اور دلہائے ملک کی نسبت اس کو صحیح تسلیم کیا جائے معترضین نے
 یہودی کی یہ روی میں صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس کو قرآن مجید سے ثابت کرنا چاہا ہے۔
 اتر میں یہ ہے کہ آپ امیر نام ایک ہمایہ سپاہی کی صورت پر عاشق ہو گئے۔ اور وقادہ
 قریب سے اس کو روکا اور اس کی بیوی کو اپنی بیویوں میں چن کر لے کر لونا فوسے حتیٰ شامل کر لیا۔
 آپ مسجد میں تھے کہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ دو دو جی اورہ ماعیدہ کی وضع میں آپ کے
 پاس جائیں اور اپنے جھگڑے کا آپ سے فیصلہ لیں جھگڑے کی صورت یہ تھی کہ مدعی نے
 کہا کہ میری ایک بیٹی تھی اور اس شخص سے جس کے پاس نہانے بہڑیں تھیں زبردستی تھیں کر
 اپنے روبرو میں شامل کر لیا اور اس پر تائین ہو گیا ہے جب فرشتوں نے جو آدمی مل گیا تھا اس میں
 ہونے اپنے مقدمہ کی کیفیت آپ کے سامنے پیش کی۔ تو آپ کو جھٹ اپنا واقعہ یاد آ گیا۔
 اور آپ مجھ گئے کہ خدا تعالیٰ کو میرا فعل ناگوار تھا جس پر بطور تنبیہ کے مجھے مدعی اورہ ماعیدہ کے
 واقعہ سے ناہم کیا گیا ہے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کی جس پر آپ کا گناہ معاف
 ہوا معترضین اہل کتاب اس واقعہ کو قرآن مجید کی آیات سورہ ص سے مستفاد کیا کرتے ہیں
 یہاں یہ ہے کہ مذکورہ بالا مقدمہ جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں یہ وہ اہل کتاب کی لغز پر زبیل
 کا ایک افسانہ ہے کیونکہ ان کے اہل دیگر انبیاء عظیم الشان کے متعلق بھی اسی قسم کی غلط
 حکایات مروی ہیں ایفوس کہ بعض مصنفین اسلام نے بھی ایسے زبان زد وقتوں کو کہیں کہیں اخذ
 کر لیا ہے مگر ظم روایت کے ثبوت سے اظہار ائمہ نے روایات کی خوب چھان بین کر کے کتابت
 کو ایسے افسانہ سے باطل پاک و صاف ثابت کیا ہے۔ وھو الحق اصل واقعہ صرف اسی قدر
 ہے کہ چند آدمی مکر آپ کی خدمت میں مذکورہ بالا جھگڑے کی بابت فیصلہ لینے کو حاضر ہوئے اور

وہ لوگ فی الحقیقت معاملہ مذکورہ بالا کی بابت باہم نزاع کرتے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ فرشتوں
 نے آدمی کی شکل میں اگر بطور تمثیل کے ایک جھگڑا آپ کے سامنے پیش کیا جس سے آپ اپنے
 واقف پر مطلع ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے اور مخرن کا آئیہ وطن داؤد و اہلنا افتخارہ
 فخرنا لہ ذلت سے اپنے احقرض کی تائید کرنا بالکل باطل ہے۔ کیونکہ ہر دو آیات کا صرف
 یہ مطلب ہے کہ داؤد و علیہ السلام نے خیال کیا کہ یہ ملک و حکومت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے
 عنایت ہوئی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے بڑے اہل و امتحان ہو جس پر اللہ تعالیٰ
 کی جناب میں بادباریہ اتجا کرتے تھے۔ کہ فعلیہ اس ملک دولت سے میرا امتحان نہ کیجیو۔ اور مجھے
 اپنی اطاعت و رضا کے مرکز پر قائم رکھیں۔ چونکہ مجھ کو دولت کا اعطا ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 بطور ابتلا کے تھا بلکہ محض عنایت ازلی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس نمن کو آپ
 کے حق میں گناہ جانا۔ چنانچہ اس بنا پر آپ کو مغفرت نصیب ہوئی۔ کیونکہ ایسا نطن و حقیقت ایک
 قسم کا سدا نطن تھا جو ایک نبی اللہ کی شان سے پیدا ہے۔ الغرض الفاعل ان مجید سے ہرگز نہ
 بالادیتان کا اشاء نہیں پایا جاتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کو اللہ و جہ فرمایا کرتے۔ میں
 بعد از مجذبت داؤد علی مایو یہ القدام جلد تہ ما تہ و مستین یعنی پوش داؤد
 کا واقعہ اس طریق پر بیان کر لیا جو عام قصہ نولوں میں مشہور ہے تو میں اسے ایک سوسا شہ کرنا
 کی مراد دیکھا۔ جو انیا علیہ السلام پر لیکن قائم کرنے کی مراد ہے۔

سرمین آئیہ انی اجبت حب الخیر من ذکرہ فی حتی لوراء
 بالحباب سے آپ کی نسبت یہ احقرض کیا کرتے ہیں کہ آپ ایک
 سلیمان علیہ السلام
 اپنے اسبل کے گھر میں کا مساندہ کر رہے تھے اور اس کا میں اس وقت متفرق ہو گئے کہ کتاب
 فروپ ہو گیا اور صحر کی نماز صحت ہو گئی جس پر آپ نے غضب میں اگر گھوڑوں کی گردنیں اور
 لائیں کڑا دیں۔ میں کا اشاء آئیہ۔ دوہا الی فلفظی۔ معاً باسوق و الا مطلق میں کیا
 گیا ہے۔ آپ یہ کہ یہ حکایت لازماً مرنا یا غلط ہے جو بعض زمانہ قدیموں کی تراشی ہوئی ہے۔

کتاب اللہ صحت صحیح سے ہرگز اس واقع کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ ایک نبی و مرسل کا نذر
 ایسے مزویٰ فرض سے ایسی حالت میں قنعت کرنا کہ کوئی شرعی قدر نہ ہو محال فنی ہے پس کے
 امکان کا بجز ایک جاہل یا اعتقاد کے کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا۔ آیت صلوٰۃ کا مطلب
 یہ ہے کہ آپ نے اپنے مال یعنی گھوڑوں کا شاہی طریق پر معائنہ کیا جس سے مقصود یہ تھا کہ
 اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کریں۔ گھوڑے ساتن سے گندائے اور ایک طرف
 گذر کر دوسری طرف آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تھے آپ نے دوبارہ اسی طریق پر ان کی
 دیکھی کا حکم دیا چنانچہ آپ نہایت شغف اور پیاری وجہ سے جیسا ماکھوں کا قاعدہ ہوتا ہے ان
 کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیر دیتے اور خوش ہوتے۔ آیت کے الفاظ مذکورہ بالا سے
 اقراض کی ہرگز تائید نہیں ہوتی۔ بات صرف یہ ہے کہ غفلت اور ان کا ضمیر بعض نے آفتاب کی طلوع
 سے لیا ہے جو پہلے کہیں نہ کر نہیں تھا اور مسخا بالسبق و الامتاق سے تکرار کے ساتھ ان کی
 گردنیں مار دینے کا مفہوم اخذ کیا ہے۔ مگر ایسا معنوی تاہم فعل ایک بادشاہ کی طرفت ہونی حاصل ہو
 مشوب کرنا سرسری غلطی ہے۔ کیونکہ بلا وجہ مال کا تلفت کن کسی مائل کا کلمہ نہیں بلکہ شرعاً گناہ ہے
 اور اگر افغانوں میں حکم دہی کو عام وفاق اور نافذ پر معمول کیا جائے تو بھی مطلب سامان ہے
 کتاب کہ گھوڑوں کے معالوس نوائل سے سہو ہو گیا۔ پھر صورت صلوٰۃ العصر کے قوت ہو جانے
 کا خیال نہ کہ کتاب التلمیذ مذکور ہے۔ سادہ کسی حدیث صحیح میں اس کے ہم کسی ایسے اقراض کو ہرگز
 صحیح نہیں تعلیم کرتے جو کتاب اللہ اور سنت سے اخذ نہیں ہو سکتا۔

جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

غیر نہاب کے بعض متفرقین نے جگہ و جگہ
 جناب خیر علیہ السلام کی نسبت بھی چند ایک
 مطالب و قرائتیں جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ کوئی دلیل جس سے ان کے خیال باطل کی
 تصدیق ہو سکے صرف بعض ایسی روایات کی بنا پر جو اصول روایت کے رُوسے کبھی پایہ صحت
 کو نہیں پہنچ سکتیں معافانہ یا عاصدہ پہلو میں نکتہ چینی کی ہے مگر یہ لوگ الفصاحت اور دستی سے

کام لیتے تو انہیں جس قسم کے چودہ خیالات کے نام پر کا کہیں موقع نہ ملتا نہایت تعجب کا مقام ہے کہ لوگ ایک ایسی حق کی طرف میں کی محبت و محنت پر سد اٹھ کر قطعیہ سرحد میں کیونکر ایسے صوفی کی نسبت کر دیا کرتے ہیں جو انبیاء و دیگر عام بزرگانِ مہرب کی طرف ہی نسبت نہیں کئے جاسکتے۔ خدا تعالیٰ کا سہما سہما کرے جو انسان کے حق اور باطل میں امتیاز کرنے سے اللہ معارفیت ہے۔

کرار سد کہ کند عیب و امن پاکست۔ کہ بچہ قطرہ کہ بر برگ گل چلہ پاکی (۱) بخلہ ملا من کاویہ کے ایک طعن وہ ہے جو کفر و کذب کے متعلق بعض عیسائی مشنری پیش کیا کرتے ہیں جس کا ذکر سوہ اعداب میں آچکا ہے اور میں کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ زینب کا فلاح جو آپ کی بیوی کی بیٹی تھیں آپ نے زینب سے عائد سے جو آپ کا بیٹی تھیں سدا بر الہیہ متعارف باقتا آپ کسی ضرورت سے زینب کے گھر تشریف لے گئے اور آپ کی بھگہ زینب پر چڑی اعداب نے اس کے من و باطل کو دیکھ کر فرمایا سبحان اللہ مطلب القلوب۔ اور آپ کے دل میں زینب کی محبت جاگزیں ہو گئی اصول میں اس کے ساتھ فلاح کیلئے کا خیال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے بالآخر اس سے فلاح کر لیا اور یہ امر مندرجہ ذیل کے لئے بجز شایانِ شان نہیں + سوہ ہے اعتراض کی صورت +

اس اعتراض کا جواب جو محض مقررین کی کج فہمی کا نتیجہ ہے خود حافظِ قرآن سے واضح ہو رہا ہے کیونکہ زینب اپنے حب و نسب میں نامعلوم قریش میں ایک ممتاز عورت تھیں اور زینب ایک آزاد شدہ غلام تھے اس لئے ہر دو میں ہمیشہ گھر میں کچھ نہ کچھ کشمکش رہا کرتی اور زینب اس امر کا بظاہر جنابِ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں کیا کرتے۔ کچھ عرصہ ایسا ہوتا رہا اور آپ نے کچھ عرصہ باہمی اتفاق اور محبت سے رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مگر یا نہ یہ ہر دو میں موافقت نہ تھی سوہ پیدا ہو گئی۔ آخر زینب نے تنگ کر دل میں زینب کو طلاق دیدینے کا حکم کر لیا جس پر آپ نے انہیں روکا جس پر یہ الفاظ قرآنیہ اصل علیک زوجات و توفی

غلاب میں۔ آپ کو مستہانک و قتالی کی طاقت سے اس امر پر گما کر دیا گیا تھا کہ زید علیہ السلام سے
 کر بیٹھے۔ وہ آپ نے بیٹے کو اپنے فخر میں لائے تھے مگر آپ لوگوں کے اس ضمن و تفتیح کے
 علیوں پر اپنے بھتیجی کی بیوی کو اپنے فخر میں لے لیا ہے جس کا دواغ اہل جاہلیت میں شریعت
 اہل ان ول میں اس کا فخر کے اظہار سے اپنے تئیں نکال کئے۔ چونکہ یہ امر خدا کے تعالیٰ کو
 ناپسند تھا اس لئے بطور غلاب آپ کو ہمیں انفاذ دینی ہوئی۔ و تفتیح فی انفسک ما الله
 عبید و تفتیح الناس واللہ الحق ان تفتشاہ۔ یعنی تم اپنے دل میں اس چیز کو کھنی رکھے
 جو ان کو بقاء و اماند تعالیٰ فہم کر کے سرگیا اود تم لوگوں سے کہتے ہو ہا لکن خدا نے تعالیٰ سے
 خدا کا پسندیدہ اولیٰ اوصیاء ہے۔ چنانچہ اس غلاب پر حضور خیرہ سلام نے زید کے ملاقا پر بیٹے
 کے بعد ایام عدت گزرنے پر اداؤہ فخر کا اظہار کر دیا۔ اور مصلحت بھی اسی میں تھی کہ آپ
 زید کے فخر میں لے لیتے کیونکہ اس کے مطلقہ ہو جانے پر آپ کو اس کی عصمت و عفت
 اور بدستیت کا خیال ہم نظر آتا تھا اور بحر فخر کے کوئی اور پارہ نظر نہیں آتا تھا۔ معنی
 اس فخر میں بڑی عیاری مصلحت یہ تھی کہ بھتیجی کی بیوی سے فخر کرنے کا حکم شرعی ہم سلامی
 میں بخود ایک قانون شرعی کے قرائد پائے اور خود نبی اللہ صلیب سے اپنے حکم و امان اول المسالین
 اس حکم کی تعمیل کرے۔ تاکہ آئندہ کسی کو ایسے فخر پر طعن و تشنیع نہ ہو جو نہ ہے اہل ان و اہل ان
 علی بن عیین رضی اللہ عنہا کی ایک صحیح روایت میں بھی مروی ہے۔ جتنا کہ اس میں ایک
 نبی اللہ کی شان کے سنائی کو کسی بات پائی جاتی ہے؛ کیا عاذ اللہ آپ نے کسی فعل
 مخصوص کا ادا کیا تھا۔ جس پر مخالفت کو ایک یہود و ہم کرنے کا موقع ملا حضرت ام المومنین
 عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام اگر قرآن کے کسی حصہ کو امت سے مخفی رکھتے تو سب
 سے زیادہ مخفی رکھنے کے قابل ہی آیت تھی۔ و کہتے اس قول سے کس حد تک حضور علیہ السلام
 کی صداقت کا پتہ چلتا ہے؛ کیونکہ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنے
 دل میں نہ مشغولوں کا ملاحظہ نظر آتا تھا۔ اور تو عوام الناس کے طعن کا خیال اور ادھر

حکم خداوندی کی اطاعت۔ کیا مخالفت کا یہ خیال کسی صورت میں بھی صحیح ہو سکتا ہے کہ مشرک نے
 زینبؓ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر اس کی محبت کا خیال اپنے دل میں پیدا کیا تھا کیونکہ اس صورت
 میں یہ مذکورہ بالا کے معنی میں ہو گئے کہ تم اپنے دل میں زینبؓ کی محبت چھپائے بیٹھے ہو۔ اور
 اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر کے رہ گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ تم نے زینبؓ کے متعلق
 ایک ناحق و خیالی اپنے دل میں پیدا کر لیا ہے مگر خدا نے تعالیٰ تجھے رسوا کر کے رہا۔ مگر کیا
 کوئی قتل و برباد آدمی یہ باہر کر سکتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ ایک نبیؐ کو جس کی معصومیت پر
 ہزاروں واطل موجود ہیں ان کو خطاب کرے اور یہ خیال صحیح بھی کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حدیث
 آپؐ کی پوچھی کی مٹی تھیں اور لڑکپن سے آپؐ اسے دیکھا کئے اور وہ آپؐ کو دیکھا کرتی۔
 مگر مذکورہ بالا روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا زینبؓ کو دیکھنا بالکل پہلی بار واقعہ تھا۔
 جس سے آپؐ نے اس کے حسن و جمال کا اندازہ لگایا اور اگر یہ خیال صحیح مانا جائے تو سوال
 یہ پیدا ہو گا کہ آپؐ نے پہلے ہی زینبؓ سے نکاح کیوں نہ کر لیا تھا؟ زیدؓ کے ساتھ نکاح
 کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر ہر دو کی ناچاقی پر آپؐ کا زیدؓ کو باہر مصالحت موافقت
 کی تلقین فرمانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اگر بالفرض ہم روایت مذکورہ بالا کو درست بھی تسلیم
 کر لیں تو نگاہاں کسی عیبی صورت پر نظر پڑ جانے سے اس کے حسن و جمال کا خیال دل میں پیدا
 ہونا کسی ارادی حالت کے ذیل میں نہیں آ سکتا بلکہ یہ ایک طبعی امر ہے۔ ہاں اس صورت میں ہر
 واقعی قابل غرض ہو سکتا ہے جبکہ اس خیال کے ساتھ کسی امر منفی کی طرف میل نہ ہو جائے
 بلکہ اس روایت سے تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپؐ بھروسہ کیسے کے کلمہ سبحان اللہ زبان پر
 لائے اور پس تشریف لے گئے۔ صرف اتنی ہی بات سے مخالفت کا ایک نمن فاسد کچھ
 وقت نہیں رکھتا۔

(۱۰) محافلین آئے واستغفر لذنبتک وللمؤمنین والمؤمنات سے حضور ﷺ
 کے در مقابلہ و تقاب کا مفہوم اخذ کیا کرتے ہیں حالانکہ اس آیت سے دلیل اللہ علیہ وسلم

کے سراپا راست ہونے کا مفہوم مترشح ہوتا ہے مگر مخالفین کی کج فہمی انہیں غیر متصور و غیبی کی طرف متوجہ کرتی ہے مگر یہ لوگ ہیں بھی معذور و کمزور نہ کہ قرآن مجید کے معانی و توفیق تک ان کے عقول ناقص نہ ہو سالی ممال میں اسی ہی یہ لوگ قرآن مجید کے طرز بیان سے آگاہ ہیں۔ اس آیت شریفہ سے حسن و عیاضہ کے منتقار کے یہ معنی نہیں کہ آپ کسی قسم کے گناہ کے ترکب ہوئے کیونکہ لفظ ذنب کی حقیقت تمام افراد انسانی کی طرف کیساں ہو پر منو نہیں ہو سکتی۔ عربی زبان کا ماہر اس امر کو کوئی جانتا ہے کہ ایک لفظ کسی خاص مقام پر ایک خاص مفہوم پر مشتمل ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر کسی دوسرے مفہوم پر۔ دیکھو لفظ ذنب آیت فیہ فیہ خود میں مقام مذمت میں مشتمل ہوتا ہے مگر آیت فیہ لذت فلیفرحوا میں جی لفظ مفہوم مدح کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہی حال لفظ ذنب کا ہے جب اس کا ذکر عوام الناس کے لئے ہوگا تو اس میں ہر ایک قسم کے ذنب کا مفہوم پایا جائیگا مگر انبیاء و علیم السلام کی طرف سے معنی منسوب نہیں کئے جاسکتے۔ پس کثرت میں لفظ ذنب سے خصہ علیہ السلام کی وہ حالت بھی مراد ہے جو رجوع الی اللہ کی حالت کے علاوہ تعلقین و تعلق سے انہماک و تعلق سے سلیم کے حالات کی گمانی اور ان مقام میں پیش آیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے انہ لیعلن علی بقی حی استغفر فی الیوم و حاة مرۃ یعنی میرے دل پر ایک نہایت خفیت پر وہ چلا جاتا ہے حتیٰ کہ میں ایک دن میں توبہ بار استغفار کرتا ہوں ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و علیم و سلام کے حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک حال تو وہ ہے جس میں غیر اللہ بالکل غائی اور محو نظر آتا ہے اور ایک دوسرے حال میں دیگر نشانوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں مگر اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کسی صاحب مقام سستی کی ضرورت ہے۔ انہاں ہمیشہ اس حقیقت کو کیا سمجھیں۔ ایک بنی اللہ کے منصب ہوت کے غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا ایک قسم کا ذنب ہی خیال کیا جاتا ہے۔ کسی ایک بزرگ کے اس قول سے

وجود ذنب ذنب لا یقاس بہ ذنب

گمانی مذکورہ بالا حالت رجوع الی غیر اللہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور یہ حال تمام

حضرات انبیاء و اولیاء کے لئے کساں طوریہ یہود ہے چونکہ مشعب نبوت کے لئے ایسی حالت کا
پیش آنا کسی حد تک جبر الی اللہ کی حالت سے ملتی ہوتا ہے۔ اس لئے انہما ربوبیت کے تمام
میں استغفار کیا کہ املازم ہے مگر عامۃ الناس کے حق میں اس قسم کے حالات لفظوں کے نجوم
میں داخل نہیں ہیں بلکہ مشجورہ کے معنی میں فوکر و حسنات کا بوار سیات المقربین یعنی ایک
لوگوں کی نیکیاں ان لوگوں کے حق میں جو مقرب بارگاہ میں گناہ بھی جاتی ہیں۔ میرے خیال
میں تشریح اگر کوئی بھی انصاف اور سستی سے کام لیتا تو ایک آن کے لئے بھی اس قسم کو
دوسرے کے بدل میں پیدا ہوتا۔

مذکورہ بالا اعتراض کا جواب یوں بھی دیا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ذات تعین جب
نفس لعلہ کن لکم فی الرسول اللہ اسوۃ حسنۃ امت مرحومہ کے لئے ہو گیا اس میں کامل
حمتہ اعتدق و ادب شریعہ کا تسلیم کی گئی ہے اور جب تک نگیم و انا اول الیسائین تو کوئی حکم
کے بعد ہی کر کے علی مودہ پیش کرتے امت مرحومہ کو اس پر عمل کرنے کا صحیح موقع ہرگز
نہ تھا۔ چنانچہ اس حکم استغفار میں بھی حضور علیہ السلام کو مودہ بن کر اپنے تئیں امت کے سامنے
پیش کرتا مگر وہی سنا تاکہ افراد امت بھی ہمیشہ کثرت استغفار کے پابند ہیں گو یا آپ کے
عمل سے اس حکم کی تعین امت مرحومہ کو کی گئی ہے نہ آپ کو کیونکہ آپ حضور و رحیم ہیں
اور یہ وہی معنی میں ہوا کہ انکمن من الغافلین میں مد نظر رکھے گئے ہیں حالانکہ صاف ظاہر
ہے کہ حضور سلام بھی غفلت کے مرکز میں ہوتے یا دوسری جگہ حکم مذکور ہے ولا تنفع
منعد اشما کفر و امانہ کہ آپ نے کبھی کسی اثم اور کفر کی کوئی بات نہیں مانی۔
مذکورہ بالا اعتراض کہ بیا عرض کیا کہ ہم باطل پر ہے جس کی تائید کسی آیت قرآنی سے نہیں
ہوتی۔ یہی جواب مذکور فتح آیت لیفرقہ اللہ ما تقدم من ذنبات وما تاخرہا بہ
واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بعض مخالفین نے حضور علیہ السلام کے متعلق اکیل قرآن سے بھی کیا ہے کہ آپ صبر

میں حالت غرضی وغیرہوں کی ذمت کرتے وقت ان کی تصریح میں یہ دو جملے بھی زبان سے چھو دیئے تھے۔

ثَلَاثُ الْغَرَضَاتِ الْخَطِيءَةِ - ان شفاعتوں میں ترقی

غرضاتِ غرضی کا مفہوم جس کے معنی ایک دلائل و براہین کا مجموعہ ہے جو اس کے لئے اس کے معنی کلمات کے لئے ہیں مگر یہاں غرضات کے لفظ سے تشبیہاً بت مراد لئے گئے ہیں جو کہ مشابہت میں آجائے تھے ان پر دو جملوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ بت جو بے بلند میں خدا کے سامنے ان کے پوچھنے والوں کے لئے ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے جب حضور علیہ السلام پر یہ دو جملہ پڑھ چکے تو وہیں بندہ مدعی آپ کو اس غلطی پر گواہ کیا گیا میں پر موعود کی آیہ و ما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا استنیت الفی الشیطان فی امتیثم الا - نازل ہوئی یعنی تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا جس کے تدوین کے وقت شیطان نے افتاد کیا ہو مگر اس آیت سے یہ مفہوم پیدا کرتا ہے کہ حضور علیہ السلام پہلے دو جملوں کے بعد اپنی غلطی پر گواہ ہوئے اور چھپتے جس پر آیت مذکورہ بالاشاہد ہے اور جس سے آپ کا قرآن مجید میں سہو یا عمدتاً تعویذ کرنا ثابت ہوتا ہے۔

یہ ہے حاصل اقراض

اس کا جواب مفسرین نے کئی ایک طرح پر دیا ہے مگر سب سے صحیح اور قوی جواب یہ ہے کہ یہ قسم سراسر نواسہ باطل ہے اور ملاحظہ کا گمراہی ہے۔ حدیث کی کتب معتبرہ میں کہیں اس کی کچھ اصل نہیں۔ ابن کثیر اس قسم کا راوی ہے جو فن روایت میں نہایت متعین و دقیق و مستبرس تسلیم کیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ سورہ نجم کے شروع میں آیہ و ما یفعل عن العوی آپ کی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ پیغمبر خدا اپنی فحش نفس سے نہیں بولتے۔ اور پھر قرآن کی مذمت اعلیٰ آیات میں بدستور موجود ہے اور قرآن مجید خود شاہد ہے کہ یائتہ لعل من بین ید یدہ و لا من خلف۔ یعنی قرآن مجید میں نہ اب نہ بعد میں کسی باطل کو داخل

پھر کوئی عقد نہ کیے تسلیم کر سکتا ہے کہ پیغمبر خدا جو مہرِ باطل مسیوہوں کی خدمت و تکذیب
فرماتے ہیں مذکورہ بالا دونوں جموں کو تبلیغ کے مقام میں ارشاد فرماتے۔ ان حدیث الابرار
عظیمہ بہر صورت حضراتِ مفسرین نے اس قرآن کی کوئی اصل قرار نہیں دی کہ نہ قرآن مجید خود
اس کی تکذیب کے لئے مشاہدِ عدل ہے۔ بخوبی طوالت ہم نے دیگر بعض جوابات کا تلمیذ
کے نامناسب خیال نہیں کیا +



پایہ

قوانین فطرت اور معجزات

قانون فطرت کیا چیز ہے | امام ستہال میں لفظ فطرت کو گہری زبانی کے لفظ نیچر کا مترادف خیال کیا گیا ہے۔ لغت کی رُست سے گوہر وہ الفاظ کی دست و پیچ میں کچھ فرق ہو مگر اصطلاحاً ہر دو ہم معنی سمجھے گئے ہیں اس لئے قانون فطرت اور قاعدہ نیچر کا مفہوم ایک ہی ہے۔ لفظ کائنات کے مفہوم میں ہر ایک قسم کی موجودات ملتی ہیں حیوانی و انسانی۔ اس لئے تمام موجود قوانین جو افراد کائنات پر ملتی ہوتی ہیں وہ اس کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اس سلسلہ موجودات کے قیام کی خاطر معین کیا ہے۔ قوانین فطرت کے نام سے موسوم ہے۔

قوانین فطرت سے صلاح | قانون فطرت سے اس امر کا استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اس قانون کا کوئی واضح ہے جو ایک مستقل اور بلا تہید راہ و پر اس قانون کو اپنے قبضہ قدرت میں منسلک ہوئے ہے۔ اگر ہم ایسے وجود کی ضرورت کا اقرار نہ کریں تو سلسلہ کائنات ایک ایسا گورکھ و حشا ہو جاتا ہے جس کے حل کرنے کے لئے یا یوں کہو کہ حشائی فطرت کے الیہان کے لئے کوئی دلیل نہ ملے گی۔ علامہ انور رحمت انبیاء علیہم السلام اور ایک آئینہ حق اس کے ثواب و عقاب و جزا و سزا کی تعلیم عین تسلیم کرنا پڑے گی۔ مگر ہم ایک غیر تبدیل راہ و سستی کے وجود کا ہیئت اس قانون فطرت سے حاصل کرتے ہیں اس لئے قوانین فطرت جسے ایک قطعی استدلال کا

مانند ہیں +

قوانین فطرت کی فوقیت

قوانین فطرت میں ایک زبردست منفی طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی طاقت نہیں کر سکتی بلکہ یہ خود دیگر تمام طاقتوں پر ہمیشہ غالب رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوانین کا منبع وحی مطلق ہے جس کو فاعلاتی کے غلط سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان قوانین فطرت کو قوانین انہیہ بھی بول دیا کرتے ہیں +

قوانین فطرت ہر ایک چیز کے وجود کے ساتھ ہی موجود ہوتے ہیں بلکہ فطرت مسلم اول ہے | یہ قاعدہ کلیہ ہر ایک قسم کی موجودات پر یکساں ملندہ ہوتا ہے۔ اس لئے

ہر ایک چیز اپنے مخصوص فطرت کے مطابق اپنے کمال کو حاصل کرتی ہے۔ آیہ قل کل یعمل علی شاکلۃ ما ہی مضرب ہے۔ چونکہ ہر ایک چیز کی فطرت اس کے وجود سے علیہ نہیں ہوتی اس لئے وہ قوانین جو اس کی فطرت میں ولایت رکھتے گئے ہیں اس چیز کے لئے آثار و لوازم اس کے مسلم کا کام دیتے ہیں۔ چنانچہ فطری امور میں کبھی کسی خارجی مہم کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس چیز کا وجود ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ قوانین فطرت کا تابع ہے نہ عکس۔ کس قدر کہ ساتھ آیہ اعلیٰ علی شئی خلقہ شہد ہی میں مذکورہ بالا تفسیری امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے +

کیا فطرت میں کسی قسم کی غلطی داخل ہو سکتی ہے

بعض خیال فلاسفہ یہ خیال کرتے ہیں کہ قوانین فطرت کے من میں کسی ایک غلطیاں پائی جاتی ہیں مثلاً کسی سچے حکم کے خلاف اندھا یا ایوانج پیدا ہونا قانون فطرت کی غلطی کی نمایاں مثال ہے۔ مگر درحقیقت یہ ایک قسم کا دھوکا ہے۔ کیونکہ قانون فطرت کو اس حدائے شائع السنوٰت والا من لئے وضع کیا ہے جو کامل علم اور کامل حکمت کا نمونہ ہے اس لئے نفس قانون ایسا

سلہ ہر ایک چیز اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتی ہے +

کسی قسم کی نفسی کا ہونا اس کے علم و حکمت کا متنافی ہے کیونکہ قوانین فطرت کا مینشان تمام کائنات
 کو یکساں پہنچ رہا ہے جس کے قبول کرنے میں سب ہیشیا یا القوت شامل ہیں۔ البتہ عمل
 کا کیفیت یعنی اشیاء استعداد میں کیساں نہیں بلکہ مقررہ سی بنیاد پر ہے۔ کہ قانون فطرت کا مینشان
 تمام اشیاء پر یکساں اختیار پیدا کرے۔ مثلاً بارش بجائے خود مفید مٹی ہے مگر غفلت تنم کی بعضی
 میں اس کا ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس میں لڑکوں کو ایک قانون فطرت کی تعلیم پر موصول کرتے ہیں۔
 درحقیقت استعداد اشیاء کی طرف منسوب ہونا چاہئے مگر اس اور مرض کا ایک اور باب ایک جواب
 یہی ہے جس کی حقیقت کو کم لوگ ادراک کر سکتے ہیں مادہ وہ ہے کہ جس اشیاء کو ہم ناقص یا کامل
 کہتے ہیں ان میں نقصان یا کمال کا اعتبار محض ایک انسانی امر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر
 ہم ہیشیا کے اعتبارات یا اوصاف کو بالکل نظر انداز کریں تو ان کی حقیقت میں کچھ فرق نہیں آتا
 کیونکہ اوصاف یا اعتبارات اشیاء کی حقیقت میں داخل نہیں بلکہ امور عقول کی حقیقت کا نام
 ہے اس لیے کوئی چیز فی حد ذاتہ ناقص نہیں جسے قلت یا کمی کا وصف نقصان سے مستبعد ہونا
 لازم آتا ہے۔ مگر یہ کہ اس کی قلت محض خیر ہے اس لیے جو چیز اس کے علم و ارادہ پر موجود
 پذیر ہوئی ہے وہ بھی محض خیر ہوتی ہے اس کا ناقص و کامل ہونا ہمارے اعتبار و لحاظ پر موقوف
 ہے نہ نہایت باریک غور میں اس امر کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ جن ہیشیا کو ہم ناقص یا کمال
 کرتے ہیں وہ بھی وصف کمال سے مستبعد ہیں۔ کیونکہ کمال کا ہم صرف کسی خاص حالت میں
 حصر نہیں کرتے بلکہ اس کو ایک وسیع حصے میں لیتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے
 ہیں کہ میں وصف کو ہم کسی چیز کے لیے موجب نقصان نہ سمجھتے
 بلکہ کسی دوسری ایسی صورت میں کمال کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے پالنے والے بیست سچ
 کو موجب نقصان سمجھا ہے لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ صلاح کی حکمت کا کمال کا لہذا اس میں صورت
 میں اس طرح پر ہو سکتا ہو۔ کہ کوئی دوسری صورت اس کے لیے کافی نہ ہوتی۔ خود کہ وہ صاف
 تعالیٰ کے ہمارے کس طرح متفلسفہ معانی کا پتہ دیتے ہیں جہاں وہ اول ہے آخر بھی ہے۔

جہاں تھا ہر ہے باطن بھی ہے علیٰ هذا القیاس مگر ہر دو متضاد ہم مختلف اعتبارات سے
 اس کے کمال ذات کا انہماک کرتے ہیں و

انسان صرف قانونِ فطرت کی پوری حدیث کل و لولویوں علیٰ النظرۃ میں انتظام فطرت
 میں کمال حقیقی کو پاسکتا ہے

انسان ہر ایک امر کی طبعی حالت مراد ہے جس سے

ہو جاتا ہے پھر نہ علم سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب کمال کو حاصل کر سکتا ہے اور علم تحقیق
 اشیاء کے جاننے کا نام ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کی ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ اللہم انا
 محتاج الی الاشیاء کما احتجی اور محتاج اشیاء کو علم بدون سلسلہ علت و معلول کی پیروی کیے
 کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اور سلسلہ علت و معلول میں قانونِ فطرت کا نام ہے۔ اس لیے منطقی طور
 پر یہ نتیجہ حاصل ہوگا کہ انسان صرف قانونِ فطرت کی پیروی میں کمال حقیقی کو حاصل کر سکتا ہے یہی
 وجہ ہے کہ جو لوگ طریق استدلال کو حاصل نہیں کرتے کبھی علمی کمالات میں متفق نہیں ہوتے۔
 قوانین فطرت کو ہم محدود نہیں کر سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تو

قوانین فطرت لا متناہی ہیں

محدود ہیں اور قوانین فطرت چونکہ ذاتِ باری کی قدرت کاملہ کا
 نتیجہ ہیں اور قدرت ذاتِ باری غیر محدود ہے اس لیے محدود شے غیر محدود شے کا کبھی عاقل
 نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ ہم قدرت کو غیر محدود صرف اسی صورت
 میں کہہ سکتے ہیں جبکہ عقلِ جنونی سے جو عام انسان کو حاصل ہے ہم اس کا انکار کرنا چاہیں

۱۔ اس تقریر کے سمجھنے کے لئے ذاتِ باری وہ خود و غول کی ضرورت ہے اور یہی ایک نہ صرف ذات کی
 حیثیت کو نہ سمجھا جائے چنانچہ اہل طہارت میں نہیں ہو سکتا مگر بات نہایت معتدل ہے۔ ۱۲۰ منہ +
 ۲۔ ہر ایک کو ایک خاص فطرت پر پیدا ہو سکتا ہے۔ ۱۲۱ منہ +
 ۳۔ خدا ہی ہیں محتاج اشیاء کا اصلی علم و فکر۔ ۱۲۲ منہ +

از عمل کی جو انسان کو مل یا یا اتفاقاً دیگر دنیا پر عظیم نظام کو مکمل ہوتی ہے فطرت کی تمام جہات برعادی
ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آسمانی تعلیم جو حق مطلق بھی باقی ہے۔ اگر بعض حکام کی فطرت میں مطلقاً معلوم
ہو کہ میں کا تعلیم کر لینا ہمارا فرض ہے +

قانون فطرت میں تضاد یہ نہایت قابل غور ہے کہ قانون فطرت میں حقیقی طور پر تضاد نہیں
پایا جاتا۔ وہاں کی وجہ ہے کہ قانون فطرت کا بیخ و بن ذات باری تعالیٰ
ہے جو حقیقی وحدت کا مالک ہے پس میں طرح ذات باری تعالیٰ

کے ساتھ جہتی میں ایسے اسامیے ہیں جو تضاد ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ قانون فطرت میں بھی
بعض تضاد موجود ہو مگر جس طرح اسامیے میں مختلف اعتبارات کے دو سے تضاد حقیقی کا وجود ممکن
نہیں اسی طرح قانون فطرت میں بھی مختلف اعتبارات کے دو سے تضاد حقیقی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً
میں اعتبار سے ذات باری کو اول کہہ سکتے ہیں اسی اعتبار سے آخر نہیں کہہ سکتے علی نہایتی
تمام اسامیے میں اعتبار ملحوظ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنے منجانب اللہ ہونیکہ ثبوت
علم اختلاف بتایا ہے۔ اس لئے اگر کہیں کوئی قانون فطرت بظاہر کسی دوسرے قانون فطرت
کا خلاف نظر آئے تو اختلاف اعتبارات کے دو سے ان میں تطبیق وہی جاسکتی ہے۔ اسی اصل
معلم پر غرق عادت اپنی مجوزہ و طرز کا مسئلہ منہ ہی ہٹ کر اس کی حقیقت کے سمجھنے کے لئے ایک
بہت دقیق اور لطیف فطرت کی ضرورت ہے جو اندھی تقلید اور تعصب کے رنگ سے بالکل پاک
جہات ہو +

بلکہ حقیقت فطرت آگاہ ہوتے ہیں نہیں تعلیم لینا۔ یہ امر ہے کہ فطرت ہمیشہ ایک عام میلان
سے میلان کو راستی کی طرف کھینچ لیتی ہے
اس میں ایک حقیقی طاقت ہوتی ہے جو تمام

طرح پر غالب آجاتی ہے۔ انبیاء عظیم السلام کی تعلیم کا سرچشمہ جو نہ کہ وحدت حقیقی کے منبع سے پھوٹتا
ہے جس لئے وہ دیہی و سیاسی غوغا کو جیسے قانون فطرت۔ پناہ بخانیہ ہزاروں دنیا میں گنت میں

جنہوں نے اسرارِ فطرت کو تعلیمِ انبیاء سے قائل کیا ہے بلکہ یوں کہو کہ اسرارِ فطرت سے آگاہ ہونا ہی معرفتِ ذاتِ باری کا درجہ پاناسوائے اتباعِ تعلیمِ نبوت ممکن نہیں ہے۔

اسلام میں فطرۃ اللہ ہے | یہ جملہ قدیم الایام سے مختلف عبادات میں نمایاں نمودار آتا ہے اور صحیح ہے چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصولِ تعلیم ایک

ہی تھے اس لئے وہ سب کے سب اسلامِ پاک کی تعلیم دیتے رہے اور چونکہ قرآن مجید تمام انبیاء علیہم السلام کے اصولِ تعلیم کو جامع ہے اور آخری اور مکمل کتاب ہے اس لئے وہ ہر ایک قسم کے طریق استدلال کو پیش کرتا ہے جس سے اسرارِ فطرت کا پتہ چلتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ معرفتِ ذاتِ باری کا بحرِ ناپیدائنا ہے جس کی وسعت اور اتالیقی کی انتہا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔

یوں سمجھو کہ وہ ہر ایک قسم کی کائنات، مادی، غیر مادی، ماضی، ساوی، غلامی، باطنی اور مختلف پیرا علی میں بطور استدلال بیان کر کے ایک قطعی حکم یا نتیجہ پیدا کرتا ہے جس سے عبودیت اور الٰہیت کی حقیقت کھلتی ہے اور وہ اس کے دنیا میں کوئی تعلیم نہیں جو کسی جو یا نے حقیقت کے لئے موجب الہینان ہو سکے یہی حقیقت قوانینِ فطرت میں جلوہ گر ہے کہ وہ کسی صورت میں جلوہ گر ہوں۔ ہمارے الٰہینان کا باعث ہوتے ہیں یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب ہم حکم کو اصولِ فطرت کے معیار پر جانچتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصول کا یہ جو اسلامِ پاک میں تعلیم کئے گئے ہیں اصولِ فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں مثلاً مطلق منہزم عبادت کی حرمت اس قوانینِ فطرت سے معلوم ہوتی ہے جس کے جزئیات کو شارعِ علیہ السلام نے ہدیہ وحی والہام وضع کیا۔ مگر نہایت دقیق غور میں اس امر کی طرف ملاحظہ کرتے ہیں کہ ان جزئیات کی وضع بھی اصولِ فطرت پر مبنی ہے۔

مذکورہ بالا سطحوں میں جو بحث کی گئی ہے وہ صرف قوانینِ فطرت سے متعلق تھی جس کا اطلاق

معجزات کی بحث کے لئے ذکر کرنا ضروری تھا +

قانون فطرت کے مفہوم کی توسیع | قانون فطرت کو مفہوم جیسا کہ ہم نے پیچھے لکھا ہے ہر ایک قسم کی موجودات مادی اور غیر مادی کے سلسلہ

نظام پر مادی ہے یہ محض غلط ہے کہ ہم صرف انہیں چند محدود قوانین کو قانون فطرت سے تعبیر کریں جو بذریعہ غمغمہ انسانی تجویز و مشاہدہ کے پایہ ثبوت تک پہنچ چکے ہیں جس طرح کائنات مادی میں ہر ایک سلسلہ نظام کا یقین رکھتے ہیں اور اپنی مثل جنونی سے اس سے ایسے قوانین کا استخراج کرتے ہیں جن پر ہمیں اپنے مندرجہ معاملات کی سرانجام دہی میں اعتماد تھا ہے اسی طرح کائنات غیر مادی میں ایک سلسلہ نظام قوانین موجود ہے جس پر روحانی کائنات انسانی کا دار و مدار ہے اگرچہ اس سلسلہ کی ضرورت سے انکار کریں تو طاعت و نہوت و انعام و عجز وغیرہ امور میں ایک رضی و حکم کا جگہ جائزہ بن کی تصدیق کے لئے ہلے پس کوئی دلیل نہیں بلکہ روحانی سلسلہ قانون کا طرز اس قدر صریح ہے کہ تمام کائنات مادی کا سلسلہ نظام اس کے مقابلہ میں ایک فہ کی حقیقت بھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ ایک پیش پا افتادہ بات ہے کہ مادی کائنات بہر صورت محدود اور متناہی ہے اس لئے اس کا سلسلہ قوانین بھی محدود ہی ہونا چاہئے گو کہ انسان ضعیف البیان اس محدود کو بھی پوسے طور پر نہیں سمجھ سکتا مگر تھاق غیر مادی جو مثیلے مادی سے اشرف و اعلیٰ میں ایک لامتناہی سلسلہ قوانین کے تابع ہیں جس کی کیفیت بجز انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے کوئی دوسرا نہیں پاسکتا یہی وجہ ہے کہ مولیٰ عقل آدمی حقیقت فطرت کے آدمی جنہیں عرف علوم ظاہری پر نظر ہے بسا اوقات ان قوانین کے مستمر الامداد محسوس کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں اس سلسلہ کی ضرورت پر مفصل بحث کرنے کے لئے اگر فطرت کے دفتر مہیاہ کرنے جائیں تو بھی ہم پوسے طور پر عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ دراصل اس سلسلہ قوانین کو سمجھنے کے لئے مسند توحید ذات باری میں اپنا پورا غور کرنا چاہئے کیونکہ مسند توحید ایک ایسا بحر نامید لگتا ہے جس میں لاکھوں اور کروڑوں کائنات مادی کے سلسلہ ہلے

قرآن میں بھی یہ چنانچہ آیا وہاں علیہ وسلم جنود ربنا اے اے اہل اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے
 یہ امر مسلم ہے کہ سلسلہ کائنات مادی ہے تمام تخلیقات روحانی کی بنیاد ہے کیونکہ سلسلہ
 اولیٰ کا آغاز ہمیں سے ہوتا ہے اسی لئے قرآن شریف نے بار بار مظاہر قدرت کی طرف توجہ
 دلائی ہے۔ اعلیٰ الحقیقت یہی طریق تعلیم انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے پس جس قدر
 ہم عبادت سے محتویات کل طرف ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اسی قدر کمالات روحانی کے متعلق
 ہمارا دائرہ علم وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور جس طرح عالم مادی میں ہم اپنے حواس خمسہ کے مدد سے
 جمادات کی کیفیات کا ادراک کرتے ہیں اسی طرح عالم روحانی میں اپنے حواسِ باطنی سے اس امر کے
 ادراک کی کیفیت سے لذت پاتے ہیں کہ کس طرح ذاتِ باری کو اس عالم مادی کی بیشیائے تخلیق
 عامل ہے اور اس کے آثار و صفات کے نہر میں کیا اسرار و معارف مخفی ہیں مگر کونکر لاشیائے مہیوان
 ایک سلسلہ قائلین وحدت کے اندر متبذیر ہیں کہ ایک ذرہ کائنات بھی اس سے خارج نہیں ہو سکتا
 اور لاشیائے مہیوان کے خواص میں جو ربطِ حقیقی ہے اس کی اصلی حقیقت کیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ
 یہ وہ معرفت و عقائد ہیں جن کو ہم اپنے ظہور و فنونِ مرقعہ کے رو سے ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ
 یہ انہیں پاک فطرتِ انگوں کا حصہ ہے جو انبیاءِ عظیم السلام اور اولیاءِ عظام کی جماعت میں منسلک
 ہیں۔ عارفِ کامل شیخِ مبدل لکھنوی بن ابراہیم جیلانی اپنی کتاب انسانِ کامل کی جلد دوم ص ۳۳
 میں لکھتے ہیں۔ **وہذا سرّ عجیب لا یکاد العقل ان یقبلہ بل لا یطیقہ قد لان العقل**
منوط بالحکمة والکشف منوط بالقدرۃ فلا یجہزہ الا صاحب کشف۔ اگر
 عالمِ ناس پر جو عموماً کمالات روحانیہ کا اظہار کر دیتے ہیں۔ ان امر کا انکشاف ہو گیا ہوتا۔ تو ہمیں ان
 مدارقوں کا انکار نہ کرتے جن کی شہادتِ آیت اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 بڑے زور کے ساتھ مل رہی ہے مثلاً حقیقت ہے مجزہ کو جو بتایا کہ کمالات نبوت ایک معمولی بات ہے

پھر ہے سب کے لشکرِ جدت کو ہی جاتا ہے مگر وہ عالمِ روحانی ایک عجیب چیز ہے جو

عوام الناس موت اس سے تسلیم نہیں کرتے کہ ہمیں اس کی کیفیت مدد کی حقیقی علت کا پتہ نہیں
 لگتا مگر جنس بلوغ طاریت کو بتا دیتا کہ سنت رسول حاصل کر چکا ہے اس امر کا یقین نہ کہتا ہے
 کہ کس طرح نبی اللہ یا ولی اللہ اس صفت فائز کے آثار کا کامل مظہر ہو گیا ہوتا ہے اور اسے
 کیونکر مر کا متعلق پیدا ہو کر ظلم کائنات میں تعریف کرنے کی قابلیت آجاتی ہے شیخ عبدالکریم رحمہ
 اللہ ایک مشہور بیچ حدیث سے اقتباس کر کے اس مطلب کی حسب ذیل توضیح کرتے ہیں :-

فانظر الى حكمه وحقن العبد بحقيقة كنت سمعته الذي يسبح به
 ولبصر الذي يبصر به وبيده التي يطبش بها ورجله التي يمشي
 بها ظهر الحق تعالى في وجود هذا الانسان فكل من المتصرف في عالم
 الاكرام^۱

المرئى انما هو وليا لطيف مستم کے کائنات کا عوام الناس نہ تو اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کی
 خبر دست طاقت سے پانچ کر سکتے ہیں جو ارادہ رب العزت سے انہیں بطور انعام دی جاتی
 ہیں۔ یہ لوگ بطور زمینی ہوتے ہیں مگر ان کی پاک مروج عالم ملائکہ سے بھی بالاتر ہوتی ہے۔
 جس طرف لکھ اُٹھاتے ہیں اسی طرف خدا کا منہ پیر جاتا ہے۔ جہاں قیام کرتے ہیں وہیں
 حضور کائنات کا نزول ہونے لگتا ہے چونکہ ہر گاہ نعم حقیقی سے نوازاں رحمت کے مالک ہوجاتے

وہ معمولی معمولی قبول نہیں کرتیں بلکہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ ان محتاج کا ادراک کر سکیں۔ یہ کہ عقل
 اور حواس کی بنیاد پر کمال کا فیضان اور کمال کا لکھ کر لکھ کر دیتے پر غیبی ہے پس کوئی ایسا
 جنس ان امور کو حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً جب انسان کامل میں کلام صفت ظاہر ہوتے ہیں اور
 محنت کے ساتھ اس کی فائز کو پورا خلق پیدا ہو جاتا ہے تو خداوند کریم فرماتے ہیں کہ میں انسان کا
 کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا
 دھڑکن بن جاتا ہوں جس سے وہ علمادہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ایسے

ہیں اس لئے عوام الناس کے حق میں سزا و شقت و محنت بن جاتے ہیں ان کا ہر ایک کام
 اللہ کا کام ہوتا ہے بظاہر وجود بشر کی صورت رکھتے ہیں مگر باطن میں قوی الہیہ کی مساندیت
 و سبب ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ و کیسے کہ آئے و مکارمیت اذ و صیت و لکن اللہ ہی
 اس طرح با و از بلند ان کے افعال کو افعال الہیہ ثابت کر رہی ہے جس میں شک و شبہ کو
 کچھ بھی گنجائش نہیں۔ اگر تمہیں ان امور کی تصدیق کرنے میں تردد ہو تو تمہاری عقل و
 اس میں ہے کہ تندیب نہ کرو۔ کیونکہ ان کی تندیب خدا کی تندیب ہے اور خدا کی تندیب
 موجب ذلت و دین ہے۔ فاسعد لا یکنہ لوفلت و لکن الطلین یا لیت اللہ یجدون۔ وہم
 اس کی یہ ہے کہ انہی امکان میں ہر عمل ایسے امور ہیں جن کی تکمیل انسان نہیں پہنچ سکتا مگر ان
 کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ افلا ظن الہی کا قول اس باب سے میں نہایت قابل تہنیت
 و مکتبہ ہے قد یخ لی اللوف من المسائل لیس لی علیہا برہان اسی خیال پر ایک اور
 فاسعد اگر میری یاد دہانی نہیں کرتی تو غالباً شیخ بو علی سینا کہتا ہے۔ و اذ لعیامہ امور
 یقع معمل من قبل فذہ فی بقعة الامکان بہر صورت انکار کمالات و ذات
 نبوت و شغل شہادت و حضارت ہے اس مرعہ میں انسان کو بڑا ممتاز و متاثر ہونا چاہئے کیونکہ بسا اوقات
 اپنے محدود علم کو کسی چیز کا معیار کامل سمجھ کر حقیقت الامر سے محروم رہ جاتا ہے
 ہر کسند محرم دل و دہرم یاد بماند۔ و ان کہ اس کا رند آنت و انظر بماند
 خداوند کریم نے مراتب کمالات کو ہر ایک بقدرہ موجودات میں تقسیم کیا ہے جن میں سے بعض کا علم
 عوام الناس کو حاصل ہوتا ہے اور بعض کا جو ہر انسان کو اور دیگر بعض انبیاء کو کما وود فی

علا انسان کے وجود میں قدرت حق کا ظہور ہوتا ہے تب وہ عالم کائنات میں تسون کر کے تیار ہوتا ہے
 وہ اپنے غیر مشرت فکر و نگاہ پر توڑنے نہیں چسکی بلکہ اللہ کے چسکی ہے بعض امور میں اس کا تجربہ ہوتا ہے
 اس کے ہر کام و قہم کے مسائل کا حل ہے جن پر میرے پاس کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے۔

بعض انبیاء و اہل علماء مسأله الخلق اسلماً و الاصلیاً و مواءملاً مگر مسأله و اللہ تعالیٰ من
 جدت اللہ کل سورہ۔ اس امر کو تسلیم کر لیتا کہ انسان عقل پروری سے اہل و عوامانہ کی حقیقت کو ہرگز
 نہیں سمجھ سکتا، بالکل واضح ہے کہ چونکہ ہم اپنے روزمرہ تجربہ و مشاہدوں میں اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ ایک
 پیشہ در دوسرے پیشہ و کے پیشہ کو جب تک کہ وہ کچھ مدت اس پیشہ کی تعلیم حاصل نہ کرے
 ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ پس کیا نہ ایک شخص جسے صرف علوم ظاہری میں اپنی عمر کو کھودیا ہے اور میلان
 فکراً اقلیم من ذکر ہائیں قدم نہیں رکھا اپنے ناچیز اور بیچ سطوات غیبیہ پر کمالات و دلالت
 و نبوت کا انکار کر سکتا ہے جو کتب نانہ علمناہ من لدنا میں حاصل کئے جاتے ہیں۔
 اس عنوان کو میں نے کسی قدر زیادہ طویل دیا ہے تاکہ ناظرین تجویزی آگاہ ہو جائیں کہ انبیاء
 کے کمالات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ انہیں اپنی طرح ایک معمولی انسان نہیں سمجھ سکتے
 کیونکہ اسی خیال نے کفار کو حضور طیلث السلام کی تصدیق سے باز رکھا تھا۔ چنانچہ آپ کے
 حق میں کہا کرتے۔ ما اہذا المرسل و اکمل الطعام و وحشی فی کلا سواق و ایل عقلی
 سے مہمزات کا اثبات ممکن ہے کہ کسی ظاہر میں کے بے موجب تفسیر ہو سکے۔ اس کو کسی
 دیکھی ہوئی کلام کی گنجائش باقی ہے۔ مگر جو لوگ کمالات روحانیہ کے مالک ہیں۔ اور اس کو مطلقاً
 و معال ذات باری کی حقیقت کو علم کلام کی کتابوں سے نہیں جگر بڑ واسطہ تعلیم و وحی سے انہ
 کرتے ہیں مجرور و کرامت کو مقابلہ کمالات نبوت و لایات ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔ اور ان

عصبتہم کوئی ایسا عیب یا مر سو جو پہلے نہ نہ ہو تو اسے درود و محکم میں پہلے اور پھر تکذیب دکر و ۱۳۰ منہ
 ائمہ اربعین فی العلم کو ہر سر کے ملک جو تھیں۔ احوال کے بعد اولیاء اللہ اور ان کے بعد انبیاء و مرسلین
 اہل حق کے بعد ائمہ صلوات اللہ علیہم و علیٰ آلہم و علیٰ سبطہم و علیٰ سائرہ کا عالم ہے۔ ۱۳۱ منہ
 شخص میں نے نفس کو پاک کر لیا۔ وہ دست گویا گیا۔ ۱۳۲ منہ

۱۳۳ منہ ہم نے پیر علیہ السلام کو اپنے مکتب خانہ میں خود تعلیم دی ہے۔ ۱۳۴ منہ

لوگوں کا تو ایمان ہے کہ نبی صاحب شریعت کا ارتقا رفع اور اعلیٰ ہے۔ اس امر سے کہ اس کو چاند کے
پہت جلتے یا عسل کے اندھا بن جانے یا ٹھیکوں سے پانی جاری ہونے تک محدود کیا جائے
بلکہ یہ رتبہ تو فاس خاص متعین شریعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی حاصل تھا ہے۔ نہ انما
افقبت بادی کرنا موس کا کسی فیصلہ نہیں ہو سکتا +

قانون فطرت کے کو سے بعض حکمیں معجزہ نے اس امر پر رد دیا ہے کہ لفظ آیت کا
لفظ آیت کا استعمال قرآن استعمال قرآن میں صرف کلم شری کے لئے ہوتا ہے مگر
یہ خیال جب تک کلام اللہ کے ذہن پر موجود ہے اس قابل
نہیں کہ کوئی سمجھ لا آدمی اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے

لفظ آیت نہت میں کسی شے کے نشان یا علامت کو کہتے ہیں مگر کلام آبی میں اس کا استعمال
معنی میں ہوتا ہے۔ البتہ لفظ معجزہ پہلے لفظ آیت کے زمانہ نبوت سے بعد کا استعمال ہے
سو یہ ایک اصطلاح جس میں مناقشہ نہیں ہو سکتا +

(۱) کلام مجید کے الفاظ کا ایک ٹکڑ جس کے انجام پر ایک نشان یا صوت دیرہ
دیا جاتا ہے یہ الفاظ ایک آیت کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ ہر ایک
آیت قرآن مجید کی بجائے خود معجزہ ہے جس کا معارضہ تمام اناہ کاں ہے اس لئے وہ اپنے نشان
اللہ کے کا نشان ہے جس سے تصدیق نبوت پر دلیل قائم کی جاتی ہے پھر چونکہ انہیں الفاظ
میں احکام شرع موجود ہوتے ہیں اس لئے موبانہ لفظ آیات بھی احکام لیا جاتا ہے +

(۲) آیات بمعنی مقام ہر قدرت ہند میں و اسٹان میں لکھتے ہیں اور جن کی طرف سب بجا قرآن مجید
میں توجہ دلائی گئی ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سب چیزیں طویرہ علیحدہ اپنے مصالح حقیقی کے جوہر
پر دلالت کرتی ہیں گویا اس کی توجہ کا نشان ہیں کہ قابل سے

اللہ - ایک غیر ہے جو ہر ہی طرح کھلتا ہے اور ہر اعلیٰ میں اپنا پھر تہ ہے +

و فی کل شیء له آیة - تدل علی انه واحد

حق و کاین من آیة فی السموات و الارض یراد علیہما معنی ہوں۔
 اس آیت میں مجھوتی فرق علت جو کسی نبی یا شے کے ہاتھ پر اس فرض سے حکم خداوند علی علی
 معلوم ہوتا ہے کہ ہم انہیں اس سے نبی کے مخالف اللہ ہوتے پر دلیل قائم کریں۔ وہ جو تمہیں خود بخود
 ہے مثلاً قل ان کنت بحسبک بالیة فکنت بعد ان کنت من المددین فالقی عصا۔
 فالق اسی تعبان حسین خنزیر یلہ و فاذا اسی بیضا و لانا طہرون۔ تاثرین انصاف پسند
 نہ خود فروغی کہ میں نے دین میں جو آیت کہی ہے اس میں نقل آیت آیا یعنی مجھوتہ ہے یا حکم شرعی
 سخت قہر ہے کہ کس طرح مخالفت اس آیت اور دیگر ایسی آیات میں حکم شرعی کے معنی چھپان کر سکتا ہے
 سبیل یہ عالم ہوتا ہے کہ آیا لہ من کا طالب دشمن ہونا فرض تصدیق نبوت تھا یا کسی حکم شرعی کے
 اصل کے لئے مگر وہ تو ابھی ایمان ہی نہیں لایا تھا حکم شرعی کا طالب اس طرح ہو سکتا تھا اس کا قہر
 کی بات اور ہے کہ فرعون تو جہاں مخالفت حکم شرعی کا طالب ہوتا ہے اور موسیٰ ہیٹھ شکم عصا کا
 خدا دینا دیکھتے تھے اور یہ بیضا پیش کرتے ہیں۔ معاذ اللہ یہ کسی نامستقل بات ہے پر حق تو یہ
 ہے کہ جب دشمن کو کسی امر کا ضبط ہو جاتا ہے تو اسے ہر ایک بات میں اسی امر کا خیال و متغیر رہتا
 ہے مخالفت کو انکار مجھوتہ نے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خواہ مخواہ قرآن مجید کی تحریف معنوی پر
 آمادہ ہو گیا۔ شوذ یا اللہ ۴

اس کی ایک چیز میں دشمن موجود ہے جس امر پر مخالفت کرتا ہے کھانے پر ایک ہے۔ ۵۔ منہ ۴
 شذوین قاطع میں یہ بات سے نشانات قہر موجود ہیں جنہیں لاف لگ کر سرسری دیکھ کر مثال دیتے ہیں
 اور نہیں کرتے۔ ۵۔ منہ ۴

مگر ان میں سے کسی کو کہہ لیا کہ اگر تیرے پاس کوئی دشمن اپنی مخالفت کا موجود ہے تو وہ پیش کر رہا ہے کہ چھوٹا
 ہے اور وہ کھانا اٹھ رہا ہے یا نہیں پناہ دے کر بیان سے اہر نکالو تم دیکھتے والوں کو کھانا لگا رہا ہے۔ ۵۔ منہ ۴

تنبیہ بعض مفسرین نے آیات کے معنی بعض مدعی پر جہت کے بھی لئے مثلاً آیت فاللہوم نجیث
 میدنا لکون لمن خلقت آیت میں مگر یہ نصیحت مذہب ہے کیونکہ اس آیت میں مدعی لفظ
 آیت میں جہت دلیل ہے چونکہ ہر معنی مذکور بالا میں یہ خیال مشترک ہے کہ آیت ایک دلیل ہے
 جس سے ہم دلائل کے اثبات کا یقین حاصل کرتے ہیں اس لئے تمیز سننی بالکل منافی ایسی کے مدعی
 ہیں جس پر فطرت انسانی پیدا کی گئی ہے +

کیا معجزہ جز نبوت ہے یا لازم نبوت
 یا غیر لازم نبوت؟

معجزہ حقیقت نبوت کی جز نہیں ہے کیونکہ جز وہی ہے
 مطلب یہ ہے کہ ہر اس کے نبوت کا تحقق نہیں
 ہو سکتا جس طرح انسان کی تعریف میں کہا کرتے ہیں۔

کہ وہ چہرہ ان ناطق ہے اس لئے یہ انسان کا ایک جز ہے اور اسی طرح ناطق ایک وہ جز ہے
 اگر ان ہر دو سے کسی ایک کا عدم فرض کریں تو انسان کی حقیقت کا بھی عدم ہو جائیگا پس نبوت کے
 متعلق ہم ہر جز معجزہ کا جز ہونا تجویز نہیں کر سکتے۔ مع ہذا اگر جز مانا جائے تو ایک اور غلطی لانہم آتی
 ہے اوروہ یہ ہے کہ نبی ہر وقت وصت نبوت سے متصف ہوتا ہے یعنی وہ بالوقت ہر کلمہ نبی ہے
 اگر معجزہ جز نبوت ہو تو اسے بھی بافضل ہر وقت موجود ہونا چاہئے مگر یہ نہیں ہوتا اس لئے معجزہ
 جز نبوت نہیں ہو سکتا۔ اور ایک دلیل جز نبوت نہ ہونے پر یہ ہے کہ معجزہ دلیل ہے اہل دلیل کی ذات
 سے ایک علیحدہ حقیقت کا نام ہے +

معجزہ کو ہم جز لازم بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اکثر حالات میں تصدیق نبوت کے لئے اس کا وجود
 ضروری ہے وہ عام طور پر غیبت قطعی حدیث نبوت مفقود ہو گئی۔ جب اس کی یہ ہے کہ وہ ذات
 خلق عادت اکثر سمع قلوب میں ہم کسی اور کو دلیل نبوت تجویز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مساوات و حقانیت
 خاص خاص لوگوں کے لئے حجت ہو سکتے ہیں نہ ہر ایک کے لئے۔ نیز ان کا کوئی خاص سبب نبوت

ملنے کے ذمہ؛ فرق کے بعد آج ہم تیری منش کو تیرے پچھلے ہیں تاکہ کہیں آئے وہیں پر چہ بن ملے

کے لئے مزید یہ ہے ہم قرآن میں اسے کتنے اخلاقی حالت بھی میاں نہیں دے سکتی کیونکہ میں یقین نہیں کہ وہ
حالت ہمیشہ قائم ہے عرض منکرین سے بطور سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ تم لوگ کسی نبی کے دعویٰ نبوت
کو کس دلیل سے تسلیم کر لے؟ کیونکہ عرض کرو کہ ایک نبی جو صاحب شریعت نہیں اور حقیقت وہ خدا کی
حرف سے سموت ہوا ہے تو کون کے سامنے بگم وحی آسانی اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے اب لوگ کیونکر
یقین کریں کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے؟ پس بجز منق و عادت جلازم منصب نبوت ہے کوئی ممکن
دلیل ہائے پاس موجود نہیں اس کی خرید و فروش آگے آتی ہے +

کس طرح بجز منصب نبوت سے منکرین اعتراض کیا کرتے ہیں کہ نبوت اور معجزہ میں کسی قسم کا
تعلق نہیں سید صاحب نے اس اعتراض کی تائید میں
تجانی ابن رشد کی ایک طویل عبارت کا حوالہ دے کر

یہ ثابت کیا ہے کہ معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کا تعلق نہیں اور اس لئے وہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا۔
سید صاحب ہوں یا ابن رشد اس سے ہیں کچھ عرض نہیں کیونکہ منکرین کا گروہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔
اور چلا جائیگا مگر اہل عرفہ یہ ہے کہ میں اگر کو کتاب اللہ اور سنت رسول اور اجماع طبقات محدثین
معاہذہ و تابعین و تبع تابعین سے معجزہ تسلیم کرتے ہیں تو اس کا کسی شخص کی تقلید میں ترک کرنا
بالطریقہ موجب سبب ایمان ہے اور حق یہ ہے کہ ایک خاص الایمان سے تو ایسا ہونا ممکن نہیں بلکہ
بجہ دار منکرین کا بھی یہ دعوہ رہا ہے کہ اگر منکرین حقائق کی تصدیق میں کوئی قطعی دلیل نہیں ملی تو انہوں
نے مساوت و تعلق میں یہ نہیں کہا کہ یہ غلط ہے بلکہ اس پر ایمان کا حکم لگا کر اسے مطلق چھوڑا کہ وہ قطع
کے بارہ میں نہیں کوئی دلیل دلی ہو +

دلیل کی تصریح یہ ہے تا ما یظہر من العلم ببدیہ العلم بشی آخر البقیہ دلیل وہ شے
ہے جس کے علم سے میں کسی دوسری شے کا علم حاصل ہو اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا یہ تصریح معجزہ پر
معلق آتی ہے یا نہیں؟ پس اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ معجزہ کے علم سے میں نبوت کا حکم حاصل
ہو جاتا ہے تو ہم معجزہ کو دلیل نبوت کہنے میں ہرگز ہرگز نہیں کریں گے گو خدا ان کو پس لگا کر جاری کریں +

معجزہ نام ہے ایک ایسے ناقص علت کا جو کسی نبی مندر کے ہاتھ پر ظاہر ہو یعنی جس کا وقوع
 کسی ایسے قوانین کے ذیل میں نہیں ہوا جو ہائے اس بخیر و مشاہدہ سے قوانین کثیرہ عامہ کہلاتے ہیں
 یا اول کہہ کر ہم اس کے وقوع کا کوئی ایسا سبب قرار نہیں دے سکتے جو ہائے نزدیک معمولی سلسلہ
 اسباب میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس قرینہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس امر کے واقع ہونا یکا در حقیقت
 کوئی سبب نہیں کیونکہ یہ اصل کا وجہ من السماء ہے کسی واقعہ کا ظہور بلا سبب ممکن نہیں اس قرینہ
 میں موت مفہوم داخل ہے کہ ہم اس سبب کی اپنے سلسلہ مذکورہ اصول پر تشریح نہیں کر سکتے۔ یہ تو
 حقیقت معجزہ صاب نبی صیوت من الشکل حقیقت کو سمجھنا چاہئے۔ معمولی الفاظ میں تو لفظ نبی
 کا یہی مفہوم ہے کہ ایسا شخص نبی کہلاتا ہے جو خدا کی طرف سے تبلیغ دینی پر مامور ہوا اور یہ صحیح ہے مگر
 در حقیقت نبی وہ فرد کامل نوع انسان کا مجاہد ہے جس کے قولے علمید و علمید بتائید انسانی
 اس درجہ کامل کو پہنچ گئے ہر جسے کلاس سے زیادہ حرقی کرنا محال ہوتا ہے کیونکہ منصب نبوت سے
 کوئی درجہ کمال انسانی کا نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا کی طرف سے ان سعادت و محقق پر آگاہ ہوتا ہے
 جن کو جتن تعلیم وحی کوئی شخص حاصل نہیں کر سکتا اور وہ ایسی روحانی طاقتوں کا مالک ہوتا ہے
 کہ تمام دیگر افراد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بعض حکماء نے انبیاء کے حق میں اس خیال کو بولی
 قائم کر لیا ہے۔ صمد اصحاب المقوی العظیمة الفاعلة یعنی یہ لوگ بڑی زبردست اور
 بہتر قوت کے مالک ہر تہ ہیں۔ الغرض نبی اللہ ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو خداوند تعالیٰ سے
 ایک معجزہ طعن ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے حکم سے تعلیم وحی کو افراد امت تک پہنچاتا ہے۔ فتح
 بوعلی سینا جو حکماء اسلام میں بڑا زبردست حکیم گدھا ہے اپنی کتاب شفا کے ہدایات میں جنت
 نبی پر بحث کرتے ہوئے حسب ذیل لکھتا ہے: - فہذا الاشہار اغا و جہا یجب ان یسئل
 الناس فی امورہم مثلاً یا ذن اللہ وامرہ وحیہم وانزال روح القدس علیہ
 وکلین الامل الاول نیما مبنیہ تعریفہ ایاہم ان لعمد صافاً واحداً قادر اظہار
 الامر بالسرد العلانیة ولا ینبغی ان یشغلہ شیء من معرفۃ اللہ متوق

معرفتہ اند واحد حق لا شبہ لہ شیخ کے اس قول کی کہ اہل تعلیم نبی کا توحید ذات
باری ہوئی ہے خود قرآن مجید تصدیق کرتا ہے جس کے آیات ہینات تعلیم وحید سے علماء و مشنوں
جس اور پیام رب حکم انما اول اسلمین سلم ہے کہ نبی اللہ خود تعلیم وحی کا کامل نمونہ ہوتا ہے جس کی تصدیق
وگیرا از او امت پر محبت ہو جاتی ہے اور حقیقت توحید کا اعلیٰ کمال یہ ہے کہ جس قدر سلسلہ اسباب
عالم کائنات میں نظر آتے ہیں نبی اللہ کی نظر سے اللہ جلتے ہیں اور یہی علت کامل کی غایت
مختار ہے کیونکہ اس مقام میں وہ افعال کو بلا واسطہ ذات باری سے صادر ہوتے دیکھتا ہے اور
نعم اسباب عادیہ میں ارادہ ذات باری کو علت مستقلہ سمجھتا ہے جب نبی اللہ اسما و صفات
ذات باری کے اس مقام پر ترقی حاصل کرتا ہے تو صحیح اشیائے کائنات اس کی تابع فرمان
ہو جاتی ہیں کیونکہ کمال توحید کے ایک ایسے مقام پر اس کو عروج حاصل ہوتا ہے جہاں سے
سلسلہ اسباب عادیہ کا آغاز ہوتا ہے اس لئے خداوند جل و علی کا ارادہ نبی اللہ کے ارادہ کے
بے بطور علت متعمد و موثر ہو کر عالم کائنات میں تصرف کرتا ہے۔ اسی مقام پر تمام راز سریت
کی حقیقت وسیلہ کشف ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ جو اس حقیقت کو نہیں پاسکتے
وہ آثار و مانق احوال و کئے منکر جتے ہیں۔ ایک علت کامل کا مقولہ ہے تو کمال اسباب الہی
و تائب مر تائب لا چونکہ نبی اللہ توحید کے درجہ غایت کو حاصل کر لیتا ہے اس لئے براہ و الہیت

عبدیہ انسان ربی خدا، معبود ہو تو اس پر واجب ہوتا ہے کہ وہ تمام اناس کے لئے خداوند تعالیٰ کے ارادہ حکم و
افعل و کلام اللہ کے خلیفہ کے ان کے دینی و دنیوی معاملات میں قوانین وضع کرے اور صیغہ پہل و صل و جس
پاس کی مادی تعلیم کا دار و مدار ہے۔ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے آگاہ کرتا ہے کہ وہ دولت کا ایک مصالح حقیقی ہے
و احوال کامل تقدیر ہے اور تمام ظاہر و باطن امور کا جائزے والا ہے۔ اور نبی اللہ نہیں مہر و شرف باری
کے اس راہ و صل سے کہ وہ ان کے پائیدار بنے تعلیم و انکسار کی راہ و صل میں لگا کر ان کو راہ و صل
تعلیم و انکسار و اسباب انسان کے پیش نظر ہوتے حقیقت کے سمجھنے میں لگتی ہیں کہ ان کو راہ و صل پہنچا دے۔

ایسا سورج کی نسبت ہمارا عین ہے کہ ولادت ہادی کے معمولی مسئلہ اسباب کے فائدے سے وقوع
 پنے پینس ہوتے اس کے اٹھ پر جادی ہونے لگتے ہیں جن میں ایک صاحب بصیرت کے لئے نہایت
 لطیف پیرائے میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ہمارا برگزیدہ اور قبول بارگاہ بندہ ہے اور اس کو ہم
 بزمن تبلیغ عوام الناس کی طرف منصب نبوت کے لئے منتخب کر کے اور کمالات ظاہری اور
 باطنی سے آراستہ کر کے اہل دنیا کے پاس بطور اتمام حجت ارسال کرتے ہیں اور اہل دنیا پر
 اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام کائنات کے تابع فرمان ہونے کی سند
 ہماری عطا کی ہوئی اس کے پاس موجود ہے اس سند میں ہم نے اس کو بعض اختیارات دیئے
 ہیں جن کو وہ ہمارے استعصاب پر نافذ کرتا رہے گا گویا اس کا حکم ہمارا حکم ہوگا یا اس لئے ہر ایک
 چیز جو انسانی زور و طاقت کے وسیع سے بالاتر ہے اس کے سامنے بجز اطاعت کوئی چارہ نہیں
 رکھتی اور یہی اس کے علیحدہ ہونے کی دلیل ہے جس کے فائدہ وہ دیگر افراد انسانی پر متاثر ہے
 اس لئے کسی کو بھی اس کی اطاعت سے محال اٹھا نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اس کو نہ سنا ہوا
 عدلی کا اٹھا کر کرتا ہے۔ نمونہ ہائے منہا۔

اس تقریر سے ناظرین پر یہ امر صاف واضح ہو جائیگا کہ مجزہ دلیل نبوت ہے اور غیث ال کی
 تقدیر میں قرآن مجید اطلاق ہے حیث قل
 ملائکہ یعنی عساکر اور یہ بینا فرعون۔ اور اس کی اطاعت کے لئے تجھے بطور حجت کے منے
 جاتے ہیں کیا ایسی سرسخت نفس کے ہوتے ہوئے منکر یہ کہہ سکتا ہے کہ مجزہ دلیل نبوت نہیں •
 مذکورہ بالا حقیقت مجزہ اور نبی اللہ میں خود کرنے کے بعد مجھے عین ہے کہ ایک ایسا
 شخص جس کو اللہ تعالیٰ کا عادی نہ ہو مجزہ اور نبوت میں دلیل مدلول ہونے کا پورا پورا امکان
 حاصل کر سکتا ہے •

۱۔ مجھے ملے ہیں جو بہت عجیب کتاب ہے کہ وہ ایک عاجز مخلوق بادشاہ دنیا کے مقہور کردہ تاجدار

کیا معجزات قوانین فطرت
کی حد سے خارج ہیں؟

معجزات قوانین فطرت کا حد سے خارج نہیں البتہ قوانین فطرت
کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ انسانی قوی نہ تو اس کا محصور کر سکتے
ہیں اور نہ محصور کرنا ممکن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قوانین فطرت

صفات باہمی متقابل کے آثار کا نام ہے اور صفات اس طرح کا متناہی ہیں جس طرح ذات کیونکہ اگر
صفات کو ہم محدود اور متناہی تسلیم کریں تو غیر محدود ذات کا وصف متناہی سے موصوف کرنا لازم
آتا ہے۔ اور یہ بالکل باطل ہے اس لیے قوانین فطرت لامحدود ہیں پس کوئی معجزہ قوانین فطرت سے
خارج نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے قوانین فطرت جن پر معجزہ کا خلاصہ ہے سلسلہ مادہیات کے قوانین سے
بالا تر ہیں یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے خرق مادہیات کی علت انسان کے دائرہ علم سے خارج ہے۔

کیا معجزہ انقلاب باہیت | یہ امر بالخصوص قابل غور ہے کہ حکماء انقلاب باہیت کو محال مانتے ہیں۔
پر مبنی ہے؟ کہتے ہیں کہ کفری کی حقیقت کج فہم حاکم حقیقت میں تعجب ہو جانا ناممکن
اور اس کے برخلاف یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر دیکھا جاتا ہے کہ

کوئی شے پر اعتقاد باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ یہی عمل ایک آدمی کو آدمی دیکھ رہا ہے اس کے بعد فی الفہم آدمی سے
کہا جاوے گا۔ اور منہ حق میں تبدیلیاں دیکھیں اور وہ مٹی ہو گئے۔ تو یہ امر انتظام عالم میں غلط فہم کا
موجب ہے مع ہذا قرآن مجید میں کہ تبدیلیاں مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہیں انقلاب باہیت ناممکن ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ میں انقلاب باہیت ان قوانین فطرت پر مبنی ہے جو حقائے روحانیہ
نبوت سے مخصوص ہیں اور وہ ایسے علم نہیں کہ وہ مقرران کا وقوع ہو۔ اور موجب غلط انتظام ہوں

کائنات میں تو یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ حکم بادشاہ ملک شہنشاہی مصلحت کہ نادر کرتا ہے مگر خدائے حکم ان کے لیے تو یہاں تک
مصلحت کی بنی پر اس کو کوئی ہی اس پر جانا چاہیے یہاں تک کہ اس کی بات کو کہنا ہی آدمی میں کہنے کے چکر میں
نہیں کہ اس میں ہر شے کی ضرورت اس کے لئے کہ اس کی بات کو کہنا ہی آدمی میں کہنے کے چکر میں
اس کی بات کو کہنا ہی آدمی میں کہنے کے چکر میں

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے قوانین قدرت کا کل خاص شرائط کے ساتھ خاص نتائج میں مخصوص اسباب
 کے پیدائش پر جاری ہوتا ہے۔ جی توئی خاص خاص واقعات کے پیدائش پر اسباب مزید
 کو جیسا اوقات منہی ہوتے ہیں وقوع میں ملتے ہیں۔ اگر ایسے ہی عام طور پر ان کا وقوع ملان
 لیا جائے تو ان میں نہ تو فرق حادث کی کوئی بات موجود ہوگی۔ وہ حجت قرار پا سکتے ہیں معلوم
 کے حل کا حصہ نہیں ہے اور نیز علت و معلول میں رابطہ حقیقی کا پتہ لگانا اور اس امر کا مدعی ہونا کہ
 معلول اپنے علت سے کبھی کسی حال میں علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ قطعی اور یقینی اندر نہیں۔ یہ صحیح مان لیا
 جائے تو ان ہزاروں گزشتہ تخلیقات باطل قرار نہ پاتیں بلکہ ضرور معلولات کے حل میں انسانی
 تجربہ و مشاہدہ کا مختلف ہونا ہوتا ہے اس دعویٰ کی پوری پوری تائید کرتا ہے اس سے ہم کبھی
 اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس امر کو ہم فرق حادث و یکوہ کر تعجب ہوتے ہیں اس کی واقعی کوئی علت
 نہیں۔ گو وہ علت سلسلہ شیا مادی کے قانون میں مندرج ہو۔ یا اثبات طیر مادی کے سلسلہ قانون
 میں ملان قراض اس صورت میں مضبوط ہو سکتا ہے کہ ہم فرق حادث میں معلول کا بلا علت و وقوع میں
 آنا تسلیم کریں مگر ہم ایسا نہیں مانتے بلکہ تاویہ دعویٰ ہے کہ فرق حادث ایک معلول ہے اور اس کا
 حقیقی علت مثبت الہیہ ہے جس سے اسباب خفیہ ایسے طور پر عمل کرتے ہیں کہ وہ ضرور تجربہ و
 مشاہدہ کے سلسلے میں ہم نہیں نہیں دیکھتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے امور کے لیے کوئی سلسلہ
 قانون نہیں زیادہ سے زیادہ مخالف یہ کہ سکتا ہے کہ اس سلسلہ قانون کا اسے علم نہیں ہوتا اس
 کے عدم علم سے اس سلسلہ کا اعلان لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جہاں اور بھی ہزاروں امور کی علت انسان
 پر مخفی ہے ان میں فرق حادث کی علت بھی معلوم ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اس علت کا علم خود اصل انسان
 کو حاصل ہوتا ہے اور ہر ایک شخص جو ایسے مقامات پر ترقی کرے حاصل کر سکتا ہے اور مخالف کا آئیہ
 کا تبدیل تعلق اللہ سے شک کرنا اسے کچھ بھی منہی نہیں کیونکہ اس آیت کا حقیقت معجزہ
 کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیر ہرگز یہ قدرت نہیں رکھتا
 کہ قدرت اللہ کو بدل دے۔ تعجب ہے کہ مخالف نے کہاں سے یہ مطلب اخذ کر لیا کہ اللہ بھی

تے نہیں بدل سکتا فطرت اسی کا قانون ہے اس لئے کہ حکم فعلی ایسا وید جب چاہے اپنے
قانون کو بدل سکتا ہے اور اس امر کا دعویٰ ہونا کہ خدا ایسا نہیں چاہتا ہرگز قابل تسلیم نہیں کیونکہ یہ محض
ایک دعوہ کا ہے جو مخالفین نے اپنی طرف سے بڑھاپل تراش دیا ہے۔ آیہ کل لایوم ہو فی شان
سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر حوادث وقوع میں آتے ہیں وہ سب کے سب اس کی قدرت عامہ
کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آیہ ولا شیء یحیطون بشئ من علمہ یا ولے بلند نگاہی ہے کہ ہم مقدور
وقت ہمارے کا جو اس کے دائرہ علم سے خارج نہیں ہیں کسی طرح بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ یہ کہنا قدرت
وقت ہمارے صرف انہیں قوانین کے اندر محدود ہے جن کو انسان ضعیف البیان نے بغیر تعجب و
متحیر محسوس کیا ہے محض تاوانی اور کم عقلی ہے۔ بجلادہ خدا ہی کیا ہوا جو انسانی عقل کے تابع ہو کر
چلے لگا۔ ولو اتبع الحق احوالہم لعفدت السموات والارض ومن فیہن من حق یہ
ہے کہ اللہ جل شانہ کا دائرہ قوانین فطرت غیر محدود ہے اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ اگر ہم منکرین کی نصیحت
کر لیں تو ہم کسی صورت میں خداوند تعالیٰ کو کامل العتقات تسلیم نہیں کر سکتے۔ علامہ ابن خلدون کہتے
ہیں ان الوجہ وادمع من ان یحاط بہم اولیٰ ستوفی لہوا کہ بجلتہ روحانیا او جسمانیا

۱۔ خدا میں چرچہ کا اور کرتا ہے اسے بڑھوک ٹوک کر گذرتا ہے۔ ۱۲۔ منہ +

۲۔ ہر ایک دین وہ اپنی قدرت کی ایک نئی شے رکھتا ہے۔ ۱۳۔ منہ +

۳۔ ذات ہمارے کے علم میں سے لوگ کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ ۱۴۔ منہ +

۴۔ اگر زمین میں منکرین کی خواہشات کا تابع ہو جاتا تو نظام عالم درجہ برجم ہو جاتا۔ ۱۵۔ منہ +

۵۔ سلسلہ کائنات اس امر سے بالاتر ہے کہ کوئی اس کا احاطہ کر سکے یا عالم روحانیات یا جسمانیات کو

نمائندہ ادا کر سکے۔ ۱۶۔ منہ +

نوٹ ۱۔ بعض مفسرین نے آیہ لا تبدل الخلق اللہ میں تبدیلی کو مجسّم بنی ایسا یعنی اللہ کی فطرت کو

مت بدل اس صورت میں جماعت کا استدلال بالکل کر گیا۔ ۱۷۔ منہ +

منکرین کا خیال ہے کہ خدا
نے اپنے تئیں قوانین
فطرت کا پابند کیا ہے۔

یہ خیال کہ خدا نے اپنے تئیں قوانین فطرت کا پابند کر رکھا ہے
موردِ تبادر کی غریبیت میں نظرِ ثبات اور ایک سی فہمی ہے جو
ہرگز سے خدا کی جبر سے بے نیاز ہو۔ ہر ایک آسمان سے دی
انفل ہوئی تھی کہ خدا ان کے موردِ قانون فطرت کا پابند ہے۔

کب خدا نے وہ اجمال لے لیا جو ۔ سے مشورہ کیا تھا کہ وہم رہتا ہے تا جوں سے باہر نہیں چلا
میں میں دعویٰ کے میں کے ساتھ مباہلہ کرتے پرستار ہوں کہ یہ خیال جس ذاتِ باری پر قائم ہے
اور ایک ایسا اثر ہے جس کی بنیاد پر خدا سے قانونِ مطلق کی ذات پر ایک عیب سے تصدیق تسلیم
کرنا پڑتی ہے قانونِ فطرت جس کو بنیاد پر ۔ پیش کرتے ہیں ان کی اپنی مدد و عمل جزئی کا نتیجہ
ہے۔ خدا کی ذاتِ باری سے کہ وہ ایسے ناچیز قانونِ فطرت کی پابند ہو جس کا مطلب یہ ہے
کہ پابند ہونے کے بعد ظلم کا سات ہے باطل علیہ و بکوڑھ و بھول ہے۔ اس پر سوال یہ مانتا
ہوتا ہے کہ ذاتِ باری پر کوئی مجبوری قائم ہوئی تھی کہ وہ اس پابندی کو اپنی مشیت کے مطابق
قد نہیں کر سکتا۔ اگر یہ مجبوری کسی نامی امر سے قائم ہوئی ہے تو اس کا تسلیم کرنا باطل ہے کیونکہ
کوئی چیز ذاتِ باری پر مؤثر نہیں ہو سکتی بلکہ وہ خود تمام اشیاء ممکنات میں مرکز ہے اور اگر
اس کی اپنی ذات کی طرف سے ہے تو یہ بھی مسلم نہیں ہوگا کہ اس صورت میں صفات کو حادث
آتا ہے بلکہ صفات ذاتِ باری قدیم ہیں پس ہر وہ صفت باطل ہے اس سے خداوند تعالیٰ
اپنے تئیں بنیاد پر ۔ کے قانونِ مجبورہ کا پابند کرنا بھی باطل قرار پائے واللہ العبد +

منکرین آئیہ و ان تجدوا الله
تبدیل سے بھی تسلیم کیا کرتے ہیں

اور شمسِ مہررات کے برصافِ شیطانی بتجدد لسنہ الله
تبدیل سے مشک کرتا ہے۔ یہ خیال میں وہ قرآن
شریف کے حقیقی مقصود کے سمجھنے سے بالکل بے بہرہ

ہے فاشاؤ کلا کہ اس آیت کو وقوع یا عدم وقوعِ مہررات سے کسی قسم کا تعلق ہو۔ اسکی تفسیر
خداوند کریم نے اہم سابقہ کے مسلمان پر خدا ہی سمجھنے کے قانون کو ذکر کیا ہے چنانچہ یہ

میرا ایسا ہی مواقع پر قرآن مجید پڑھتا ہے مثلاً سورہ اخزاب میں اسی آیت کے ذیل یہ صاحب
 الکبر کیہ کہتے ہیں ہذا الیس بدعا نکرہ بل ہو سنۃ جاریۃ وعادۃ مستقرۃ لفضل
 بالکذلک بین ولین تجد لسنة اللہ تبدیلا۔ اور اگر باغرض اس آیت کو عام لکھا جائے
 تو پھر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم سنت اللہ کا حصر کو فکر کر سکتے ہو؟ ہم اس امر کو بھی سنت اللہ کہتے
 ہیں کہ اللہ تصدیق انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کے ہاں اصول پر عرق عادت لانا کہ کیا کرنا ہے
 تم ہی دلیل سے اس کی قبیحی کو کرو۔

معجزات کی تقسیم
 حسی اور عقلی میں
 ہر نیک انسان کا دل ہر روز عالم نبی عالم صانی اور عالم مدحانی میں جگہ کرنا
 نبی نور سے متاثر ہے اس لئے اس کے غیر معمولی کمالات کے
 آثار ہر دو صورت میں ظاہر ہوتے ہیں یعنی وہ بارودہ الہی اشیا محسوسہ

میں نمود کرتا ہے اور حقائق و معارف الہیہ میں بھی۔ انسان کا دل کا اعلیٰ سے اعلیٰ فرد
 نبی اللہ ہوتا ہے جس کے وجود کے ساتھ تمام زمینی و آسمانی کمالات واجب ہوتی ہیں اور
 تمام منزل کے طے کرنے کے بعد اسے کمالات مادی و غیر مادی کی بادشاہت کے تحت
 پر بجا دیا جاتا ہے تب وہ بحکم خدا تمام موجودات میں تصرف ہوتا ہے اس لئے اس کے کمالات
 و فوق العادۃ کا عالم محسوسات اور عالم حقوق ہر دو میں ظہور و تلبہ ہے اور انہیں مافوق العادۃ
 آثار کمالات کا نام مجزہ حسی اور مجزہ عقلی ہے معجزات حسی سے وہ عرق عادت مراد ہیں جیسا
 انک جہاں شہر ظاہری سے خلق رکھتا ہے اور معجزات عقلی سے وہ مافوق العادۃ امور
 مراد ہیں جن کو انسان اپنے مسئلہ اصول علوم و فنون پر ہرگز نہیں اور انک کو کہہ سکتا مثلاً
 بعض امور عیسائی کی خبر دینا یا امیر سیدہ و مہاد عالم کی حیثیت کو کھولنا وغیرہ۔

لہذا نبی اس صلیب کا زخاں تلبہ دہاکی دہے نہیں بلکہ عادتہ مشابہ جو انبیاء کے مخالفین کے
 ساتھ خدا کی طرف سے ہمیشہ جاری ہے اور یہ نہیں بدستور کی۔

کیا صرف عقلی معجزات نبوت
کے لئے کافی حجت نہیں؟

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ معجزات کو عقلی اور حسی میں کیوں تقسیم
کیا گیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام
کی دعوت عام ہوتی ہے جس میں جاہل سے جاہل اور علیم

سے حکیم تک شامل ہوتے ہیں اور ہر ایک کے سامنے خدا کی وحی کو بطور اتمام حجت پیش کیا جاتا ہے
اس لئے ضروری ہے کہ اس وحی کی تصدیق پر جو دلیل پیش کی جائے وہ بیحد خود ایسی ہو کہ نبوت
دعوت کی مستلزم ہو سکے ورنہ تعلیم وحی حجت نہیں تھی مگر ہم اپنے ذاتی تجربے سے اس امر کا یقین
رکھتے ہیں کہ عام انسان حقائق و معارف کو بوجہ قصور فہم یا ضعف فطرت سمجھنے سے مطلقاً
بے خبر ہیں اس لئے عقلی معجزات ان کے لئے ہرگز حجت نہیں ہو سکتے بھلا ایک پیاری جاہل طبیعت
قرآن مجید کے معجزہ ہونے کو کیونکر تسلیم کر سکتا ہے کہ کدو ہرگز اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتا کہ
قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت یا معارف و حقائق کس طرح انسانی طاقت سے بالاتر ہیں اس
ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا امر اس کے سامنے بطور حجت پیش کیا جائے جو اس
کے حواس خمسہ کے حرکات میں آسکے اور جس کو وہ اپنے روزمرہ قانون عادت کے تحت
طاقت انسانی سے بالاتر یقین کر لے ورنہ بدول اس کے ایسے شخص کے لئے تصدیق وحی کی
کوئی ممکن صورت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے حالات میں یہی یقین ہو چکا ہے
کہ وحشی اور بددی بکلیہ باوقات اچھے اچھے تعلیم یافتگان نے بھی انبیاء سے معجزات طلب کئے
اور تسلیم وحی کی تصدیق کی چنانچہ اس بار یہ وہ نے بار بار حضور علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا انہیں
جواب دیا کہ کذب بہتدار شدہ ہے تمہیں نشان نہیں ملیگا۔ ہر غفلت اس کے معجزات عقلی میں
ایسے لوگوں کے لئے بڑا کرتے ہیں جن میں اپنے علوم و فنون پر بڑا گھمنڈ ہو اور وہ اس امر کے
وحی ہوں کہ انسانی عقل تحقیق حقائق کے لئے کافی ہو سکتی ہے اس لئے انہیں کسی فکر کے تباہ
کی مطلقاً ضرورت نہیں چنانچہ ایسے لوگ اگر نہایت غور و خوش سے حواس انصاف کو غور سے
دیکھ کر تعجب و حیرت ہو کر رہیں تو انہیں اس کے بارے میں یقین ہو سکتا ہے کہ انہیں

اس قسم کے واقعات کتب تاریخ میں سیکڑوں موجود ہیں کہ بڑے بڑے مخالفین نے بالآخر تسلیم کر دیا کہ یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ منکر معجزہ ہیں بسا اوقات قرآن مجید کو معجزہ تسلیم کرتے سے جاتے ہیں مگر

سوال ان پر یہ عائد ہوتا ہے کہ جب حقیقت معجزہ متہا ہے ہاں علم نہیں تو تم قرآن مجید کو کیوں معجزہ تسلیم کرتے ہو؟ اگر اس سوال کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ہم صرف عقلی معجزات کو تسلیم کرتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے تو یہ سوال عائد ہوگا کہ یہ خیال محض منکر ہر وہ ہے کیونکہ جو شخص عقلی معجزات کو تسلیم کرتا ہے اس چرخی معجزات کا تسلیم کر لینا بھی لازم آتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کلی اپنے جزئیات پر یکساں صادق آیا کرتی ہے یہاں معجزہ کلی ہے اسی اور عقلی اس کے جزئیات ہیں اس لئے قاعدہ منطقی کی رو سے حسی خرق ملات بھی معجزہ میں داخل ہیں۔

معجزات حسی کیلئے ممکن امور کا معجزات حسی کے لئے منسلک ذیل امور کی تصدیق ضروری ہے (۱) ہر ایک فعل جو مطلق کائنات میں وقوع پذیر ہوتا ہے اللہ جل شانہ کے ارادہ سے صادر ہوتا ہے

اس لئے معجزہ کا منہور بھی خداوند تعالیٰ کے ارادہ پر مبنی ہے (۲) نبی خدا کا فرستادہ ہوتا ہے جس کی تصدیق کے لئے عموماً فدا کی طرف سے اسے کوئی ایسا نشان دیا جاتا ہے جو انسانی طاقت کے دائرہ سے خارج ہوتا ہے (۳) منہور معجزہ میں نبی کی ذات کو صرف اس قدر تعلق ہوتا ہے کہ وہ صدور فعل غایت باری کے لئے واسطہ بننا ہے۔ ان ہر سہ امور پر غور کرنے سے مخالفین کا وہ اعتراض بھی جاتا رہا کہ خدا کسی آدمی کے لئے خواہ وہ کوئی ہو قانون فطرت کو نہیں بدل سکتا۔

کیونکہ خدا آدمی اسی کا فرستادہ ہوتا ہے اور قانون فطرت اس کا اپنا قانون ہے پس ہم بھی جی کہتے ہیں کہ واقعی خدا کسی آدمی کے لئے اپنا قانون نہیں بدلتا چنانچہ معجزہ اس کا اپنا فعل ہے جو بشری تصدیق آدمی اس کے ارادہ سے صادر ہوتا ہے قرآن مجید اس کی طرف سے اشارہ کرتا ہے۔ و اما

کان لرسول ان یأتی بآیة الا باذن الله +

معجزات اقتراحیہ معجزات کل دعوئیں میں (۱) معجزات اقتریب (۲) معجزات اقتراحیہ -

غیر اقتراحیہ

معجزات اقتراحیہ وہ فرق عادات امم میں جو کسی مخالفت کی اسناد ما پر نبی اللہ کے ہاتھ پر جاری ہیں مثلاً کفار کا حضور علیہ السلام سے شق القمطر کا مستند علی بن ابی طالب کی تصدیق میں قرآن مجید مانع ہے۔ قل الله تعالى اقربب الساعاء والشق القمر۔

اسلئے بعض متکبرین میں آیت میں ایسا دلیل کرتے ہیں کہ الشق قبل منی ہے جو بیان بنی اسرائیل متعل ہے کہ کہ جس امر متعل کا وقوع یقینی ہو اس کو صیغہ ماضی تعبیر کر دیا کرتے ہیں اور واضح ہے کہ ان لوگوں نے البیہ فی سے کام لیکر ایک قسم کی اوصاف بندی کا نام کی ہے جو سرسراہل اور مبنی پر محاذ ہے کیونکہ میں قانون فطرت کے روبرو اس کے خیال میں شق القمطر کا وقوع بزمانہ نبوت بطور معجزہ محال ہے اسی قانون فطرت کے روبرو سے شاذ مستحکم یہ بھی محال ہے پھر تاویل سے کچھ فائدہ؟ طاولتیں آیت ماجہ: وان یروا آیة یعزیزوا ولیقولوا اسحرهم مستحق وکذبوا واتبعوا العواء حد وکل امر مستحق۔ (یہ کفار لوگ اگر کوئی نشان دیکھتے ہیں تو نہ پھر پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا منسوط طیارہ مدار عادی ہے انہوں نے اس نشان عظیم کو جھٹلایا اور اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور تمام امور اپنے اپنے موقع پر جو کر رہے ہیں) ان حکمران کے منقذ نے کے لئے عام نظریہ ہے۔ خداوند تعالیٰ سے کوئی بات شے نہیں ہوتی۔ کیونکہ آیت مذکورہ بالا صاف بتلاہی ہے کہ کفار نے شق القمر کو دیکھ کر نکال کیا اور کہا کہ پتہ سہرات تو ہوتے تھے مگر یہ عجز و اتمی ایک ایسا طوطا ہے جس کی نظیر کبھی ممکن نہیں ہے اور نہ کہ کفار نے خدین فرید اللہ کی حکم سے اسے دیکھنے کا حکم کے لوگوں سے بھی شق القمر کی بابت سوال کیا جنہوں نے کہا کہ ہاں یہ شام سے ایسا مشاہدہ کیا ہے تب ان کی مناد یہی پرہیز گاری اس کو معذور کرنا شروع کیا میں پرہیز گار ہوں تو کفار کے ہاتھ سے بولی دین لوگوں نے ایک نشان عظیم کی تکذیب کی ہے اور منکر خواہش نفسانی کی پیروی میں ایسی فریبی تہمت سے فائدہ نہیں لے سکتے ہیں یہ سب نظریہ پر یہ سب مل مٹا ہوا ہے کہ اگر شق القمر زمانہ مستقبل میں واقع ہو گا تو کفار نے

یا فرعون کا مونی طایر الشمام سے نشان کا طالب ہو گا اور آپ کا یہ بیانیہ یعنی چھٹا ہوا ہفتہ گریبان سے

لاکس چکر جو کہ ہر کس امر کی تفسیر کی؟ ایک کلمہ امر بھی طرح میں نہیں آیا اس کی نسبت تکذیب کی خبر دینا
 اصل سے مٹی بات ہے۔ بلکہ بلڈوان بیروا..... الخ جو کہ وہ بند کا سہا ہے کہ خداوند کریم سے کفار کی ایک
 قدر عادت انکار کا فکر کیا ہے کہ وہ ایسے ایسے نشانات بارہ دیکھ کر ہمیشہ انکار کر دیا کرتے ہیں۔ ہر وقت اس
 یہ ہے کہ کفار قیامت کے آنے اور سلسلہ کائنات کے دہم پر ہم پرے کا اظہار کرتے تھے اور اصل بچتے
 تھے کہ یہ تمام امر ہم مٹی اور مٹی کی طرح بالکل غیب و نامور ہو جائے۔ امداد کریم نے انہیں ایسا دیکھا کہ حشر
 کے ابتدائی فقر کا جو کہ کھنڈیا میں قریب قیامت کی ایک ذرہ سے ذیل امر تھی کہ اس طرح ایک کلمہ
 یعنی تو تہدی انھیں کے سامنے پیشاب اسی طرح زمین و آسمان کا سلسلہ بھی دہم پر ہم پر جائیداد چنانچہ
 تحریف سلسلہ زمین و آسمان کے مشق قرآن شریف میں جو بیا آیات موجود ہیں۔ گویا آیت مذکورہ بقا تقدیر
 قیامت کے لئے بظہر است بھی وہی ہے جہاں آیت کا لازماً بعد از اقرب الساعۃ ہے تو ہے اگر نقش
 بھی منتقل ہوا تو کو ہم دیکھ عادت قریب قیامت کی طرح اس کی طرح قیامت کی ایک عادت قرار دیتے
 ہیں کہ اس عادت میں اسے مجر نہیں کہ سکے تو کھڑک کھڑکی کی تفسیر اور اسے حرکت سے مدد معلوم ہوتا
 ہے کہ وہ بصورت عجوبہ واقع ہو چکا۔ ہر کتب احادیث سے متواتر اس عجوبہ کا قریب قیامت ہے اور وہ معلوم
 صحیح میں اور صرف کتب احادیث اہل السنۃ والجماعہ میں اس کا مذکور ہے ہر کتب شیعہ میں نہ معلوم
 الی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اوصاف کعبہ کو حضرت مشرکین کو وقوع قیامت کی تفسیر فرما
 عبت تھے میرا نہیں نے تھا آسمان زمین کے مشق آپ سے یہ دیکھ قلب کیا سبب تفسیر میں آیت
 کے دل میں کی تھی۔ والقرآن اول دلیل واقونی مشہد لذ و امکا نہ لایشت فیہ و
 قد اخبر عنہ الصادق فیجب اعتقاد وقوعہ وحدیث استماع الخرق والالتیام
 حدیث الثناۃ یعنی قرآن شریف میں فقر کے بارہ میں ایک مذہب و دلیل ہے جو اس کو صحت کرتی ہے
 اور میں اس کی قسم کا شک نہیں۔ اور خبر صدق کی خبر ہے اس لئے اس پر امتکا واجب ہے اور قول کہ

احمال کر پیش کرتا جس کا ذکر بارہا قرآن مجید میں آچکا ہے اور اس قسم کے معجزات عوامان لوگوں کے لئے
 حجت ہوتے ہیں جو نبی اللہ سے ایسے نشانات کی استدعا کیا کرتے ہیں اس لئے بصورت ہنگامان
 کے لئے اکثر موجب ہلاکت ہو جاتے ہیں چنانچہ اس امر کا اشارہ قرآن مجید میں بالفاظ ذیل کیا گیا
 ہے: "وَمَا نَزَّلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْلُفُونَ" (تم آیات نبی معجزات اعتراض کو بغرض تنخلف طلب
 صاف کیا کرتے ہیں) اور یہ میں آیا ہے کہ خدا کا امتحان مت کرو و اسی طرح انجیل میں مسیح علیہ السلام
 کا قول ہے کہ اس زمانہ کے شریر اور فاسق لوگ نشان مانگتے ہیں مگر یسوی نبی کے نشان کے
 سوا کوئی نشان نہیں دیتے مانگئے۔ یعنی ان پر عذاب نازل ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی اللہ صریح
 اتمام حجت کے لئے امت کی طرف مامور ہوتا ہے تاکہ غفلت لوگوں کی فطرت کا امتحان کرے کہ
 کون قائل تعلیم وحی ہے اور کون نہیں مگر لوگ انسان کا امتحان شروع کر دیتے ہیں مگر مطلب
 یہ ہو سکتا ہے کہ مشا ذلت باہمی کو توڑتے ہیں اور حکمت تبلیغ وحی کو نہیں سمجھتے یہی وجہ ہے کہ
 قرآن مجید میں بار بار اس قسم کے نشانات جو محالات عادیہ ہیں کفار کو روکا گیا ہے۔ اور ان کو تعلیم
 وحی کی طرف توجہ دینا استدلال توجہ دینی گئی ہے چنانچہ سورۃ انفاس میں اس کے متعلق دیں اشارہ
 بتدبیر ہے: "قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي
 مَلَكٌ إِنَّمَا يَتَّبِعُ الْأَمْرَ دَاحِي إِلَى قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ" اس آیت

دلیلی حاشیہ ۱۱) ہر مادی کا پختہ اور پھر اس میں مل جانا محال ہے سو لیسویوں مادیوں کا نیل ہے اور اس
 شخص اللہ کا ظہر پائل ایک یہی بات کا انکار ہے جو مسلمہ تکذیب قرآن ہے ہم ایسے فسق کو جو مادیوں
 آیات اللہ پر بقایہ تصور قرآن میں کفر والحاد سمجھتے ہیں۔ ۱۰۰۰

۱۱) اسے چیمبر ان مادیوں سے کہ وہ کہیں نہ تو نہیں کہ جہاں کہیں میرے پاس مال و دولت کے خزانے ہیں
 اور میں تو غریب جانتا ہوں اور میں فرشتہ ہوں میں تو صرف خدا کی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ انہیں کہہ دو کہ
 اور حاد و کیستہ باری نہیں کیا تم ہر کل تو یہی مادی میں خود نہیں کر رہے؟ ۱۰۰۰

سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ حقیقت نبوت میں داخل نہیں۔ ہاں لازم نبوت ہے کہ یہ وہ حقیقت نبوت
 صحت شریعت انہی کی تبلیغ کا نام ہے جو حکم خداوند تعالیٰ کسی شخص پر واجب ہو مشاء خدا کے مضمون
 میں بات داخل نہیں کہ وہ جنت بھی ہے ہاں جنت ہونا اس کو لازم ہے اور اس کی حقیقت میں
 داخل ہونا تو اس کوئی عذر و جنت نہ ہوتا۔ یا اہل کجگو کہ اگر کوئی شخص کسی منصب پر اپنے تصور کا دعویٰ
 کرتے تو وہ لوگوں کو باوجود اس کے کہ اس کا حکم نہ ہو اس کا حکم کسی نہیں جو کہ لوگ اسے یوں کہیں کہ ہم تمہارے
 حاکم قرار ہوئے تو اس وقت تسلیم کر لیتے کہ تم اپنے اختیارات حاصل کو اس میں خصوصاً نہیں۔ ہر چند
 اس حاکم کو وہ اختیارات منقولہ حاصل ہیں جو اس منصب سے لازم قرار دیئے گئے ہیں مگر وہ نہیں
 بہت ضرورت اپنے اپنے موقع پر استعمال کر سکتا ہے کہ جب کوئی حاکم کے تو بحث میں آئے۔
 اسی طرح معجزہ منصب نبوت سے لازم ہے۔ اور حکم خداوند تعالیٰ نبی کے مقدورات میں ہے۔ مگر
 نفس معنی نبوت سے معجزہ کا دیکھنا لازم نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر انکار کی استدعا پر معجزہ
 دیکھا گیا اور بعض مواقع پر یوں کیا گیا۔ قل سبحان ربی حل کنت الا بشرا رسولا اس موقع پر
 جہاں میں نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ ایک عدم وقوع معجزہ پر دلالت کرتی ہے مگر بعد
 از ازل کہ یہ خیال بالکل احماد اور دہل ہے جس کی تائید کتاب خدا و سنت رسول سے ہرگز نہیں
 چمکتی۔ ایسے شخص نے بعض جہالت کو جو سے حقیقت الامر سے انکار کر دیا ہے۔ ہذا اس آیت
 سے ہرگز نفی معجزات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں صرف کفار کو انحراف اور سبکدوشی سے
 ہٹا کر اصل مقصود میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تمہارے مختلف قسم کے
 سوالات متعلقہ معجزہ حقیقت نبوت سے وہ تعلق نہیں رکھتے۔ کہ تم اس کے انتظار میں حصول مقصود
 اور استدلال سے بے رہو۔ بلکہ یہ تو ایک لغو نامہ ہے۔ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی مہر منی سے نبی
 اللہ کے ہاتھ پر معجزات قدرت کاملہ و مزید الہیتان بطور اتمام حجت جاری ہو کر آتا ہے اس لئے

خداوند تعالیٰ کے ہاتھ پر معجزات قدرت کاملہ و مزید الہیتان بطور اتمام حجت جاری ہو کر آتا ہے اس لئے

تیس استدعا ت باذینا چاہئے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ استدلال کرنیوالے نے اعتقاد بظہر پر فور کیا ہے۔ اور نقطہ دلیل سے سے ذہن دل غفلت ہو گئی ہے۔ کیونکہ نقطہ دلیل میں ہم مجرہ کو کوہیل جزو ثبوت فرض نہیں کر سکتے مگر لازم ثبوت ضروری کہتے ہیں پھر کیونکر یہ استدلال اس آیت کو نفی مخرجات میں پیش کرتا ہے۔ اگر استدلال اس آیت سے آگاہ ہوتا تو مان لیتا کہ اس کا استدلال نہ قسم جمع بین المتضادین ہے۔ کیونکہ اگر وہ ضروری وہ کہتا ہے کہ یہ آیت نفی مخرجات پر قائل ہے۔ اور دوسرے نقطہ دلیل مستلزم حقیقت مجرہ ہے۔ لہذا خطبہ محقق و جہل صرف پس جب تک استدلال یہ ثابت نہ کرے کہ مجرہ لازم ثبوت نہیں تب تک اس آیت سے استدلال نہیں کر سکتا ورنہ ایک منطق پر حا ہوا دوسری ہائیت ہے کہ اس استدلال میں دو لازم آتا ہے کیونکہ نفی مخرجات مخصص ہے اس آیت سے استدلال کرنے پر استدلال ہو ثبوت ہے ثبوت سے لزوم مجرہ کے نفی کو کہتے پر اویسی دوسرے جواب قائل ہے +

مذکورہ بالا تقریر سے ناواقفین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مخرجات اقتراب یہ خیال کی طرف سے بغرض ثبوت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلتے ہیں اور چونکہ اس قسم کا امتحان مستانی حکمت و قیامت باہمی ہوتا ہے جو ثبوت نبی میں ملحوظ ہوتی ہے اس لئے انہیں نہ جبر کیا جاتی ہے۔ کہ ایسی استدعا مست کرو۔ ورنہ بصورت و ظہار ثبوت منکر ہو جانے سے تو وہی قوم ہلک کر دی جائیگی۔ چنانچہ صالح علیہ السلام کا مجرہ ناواقف کہ با آنکہ خود کفار نے استدعا ملکی اور پھر انکار کر دیا جس پر خطاب نازل ہوا **فَاغْلُظْ بِلَوْهٖ فَعَقٰ وَهٰذَا نَسَمُ عَلٰیہِمْ** و ہم بذلیم ضلوا ہا یہی وجہ ہے کہ اس اوقات کفار کی استدعا پر مخرجات اقتراب کا وقوع خدا کی طرف سے نہیں ہوا۔ کیونکہ خدا عظیم جانتا تھا۔ کہ یہ لوگ دیکھ کر بھی انکار کر دیتے۔ اس لئے خطاب کا پھرنا ضروری ہو جائیگا۔ مگر یہ حکمت مضمون اللہ تعالیٰ حکیم کی عین مصلحت و عہدہ طارہ پر مبنی تھی۔

اس لئے کہ نہ سے صالح علیہ السلام کو جہنم کیا اور امانتی کی کو پس کاٹ ڈالیں خدا نے انہیں من کے گنہگار سے لدا ہے۔ مثال کے ساتھ کہیں کر دیا۔ ۱۲۰۰۰

وہ صریح کافر اور بدیہ مرتب ہے۔ کیونکہ ایسے امر کا انکار کرنا جس کو عقل منہ عاقلانہ بید الوقوع سمجھتی
 ہو ایک امر ممکن کی قدرت باری سے نفی کرنا ہے لہذا اگر وہ یوں کہے کہ میں خرق عادت کا امکان
 تو ماننا ہل گراؤں گے وقوع کا قائل نہیں ہو سکتا۔ تو اسے کہنا چاہئے کہ جب امکان ثابت ہے
 اور روایات صحیحہ ثابتہ مشاہدہ میں کوئی راز کاغذ نہیں کچھ معنی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فکر بات ہی سلسلہ عادت
 خرق عادت صرف اس سے مخصوص ہوتا تو پھر بھی ایک بات تھی۔ مگر تمام دنیا کے مذاہب اس
 امر پر متفق ہیں کہ غیر عادی امور عقلوں کے ہاتھ پر خرق عادت جاری ہوئے۔ اور کسی خاص خرق عادت
 کا انکار کر دینا موجب قبح نہیں کیونکہ یہ امر اس خرق عادت کی رعایت کی اصلیت پر عقوق ہے مگر
 مطلق خرق عادت کا انکار مگر سرمد اور قصب ہے کیونکہ تمام کتب آسمانی میں امر کی تصدیق کرتی
 ہوں اس کے صحیح مان لینے میں صرف اس وجہ سے انکار کر دینا کہ وہ امر عادتاً وقوع میں نہیں آیا کرتا
 ایک نہایت حقیقت اور جہالت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خرق عادت کا مصدر یا منبع صرف فی اللہ
 یا ولی اللہ کی ذات ہو سکتی ہے اور وجہ علی التکثر تمام کہنے کے موقع پر بار بار الہی غائب ہوا کرتا
 ہے مگر ایسے ہی مدغم و ملوث وقوع میں آیا کرتا تو پھر کیا حجت ہو سکتا تھا یا اگر غریبی یا غیر ولی کے
 ہاتھ پر بھی جاری ہو سکتا تو جب بھی کیونکر حجت سمجھا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اگر کوئی نبی اپنے معنی کی رعایت
 میں ایوں کہے کہ میری دعا سے اس سال بارش ہوگی اور بارش ہو جائے تو اس کو کون آدمی خرق عادت
 بھیجے گا ہاں اگر نبی کسی برتن میں ہاتھ مکھڑے اور اس کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے لگے
 جس سے حاضرین میں لب ہو جائیں تو یہ شک یہ امر خرق عادت ہے اور غلط فہم عادت ہی نہ پڑے
 دے رہا ہے کہ وہ عادتاً واقع نہیں ہو سکتا لہذا اگر وہ باطنی معجزہ یا کرامت بھی واقع نہ ہو سکتا تو یہاں
 خرق عادت کے محال کے فہم سے تعبیر کیا جاتا کیونکہ خرق عادت کے صرف یہی معنی ہیں کہ کوئی
 امر عادتاً طریق معجزہ وقوع میں آیا ہے۔ مگر محال اس امر کو بولتے ہیں جس کے وقوع کو عقل
 کسی صورت میں بھی جائز نہیں رکھ سکتی جیسے کوئی کہے کہ وہ اور وہ پانچ ہوا کرتے ہیں۔ یہ بات
 ہوش وار دکنے کے قائل ہے کہ معجزہ یا کرامت بھی کسی محال عقلی کے متعلق نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً

ایسا معجزہ یا کرامت کہ وہ چار سے بڑے بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ یہ قانون کسی غیر تبدیل ہے
 برخلات انھیں سے پانی جاری ہوتے کے۔ کیونکہ یہ قانون کسی تبدیل میں داخل ہے اور جو شخص مادہ
 اور اس کی تخلیق ہونے اور قدرت کا مادہ ذات باری کے متصرف ہونے کا یقین رکھتا ہے وہ جانتا
 ہے کہ یہ ایک ممکن وقوع امر ہے۔ مگر صرف بطور غرق عادت نہ بطور مقام لازم کہ وہ ضروری
 کے بقدر احتیاطات عائد ہوتے ہیں۔ وہ واقع ہونے کو ضروری خیال کر رہے ہیں ہی ایک شخص غیبی
 پر مبنی ہیں۔ یعنی کہ وہ لوگ ایسے امور کو بطور دوام و لزوم واقع ہونے کو ضروری خیال کر رہے ہیں
 مگر یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس صورت میں تو وہ غرق عادت ہی نہیں رہ گئے۔

اس مضمون کی دوسری | مذکورہ بالا استدلال کی توضیح یوں بھی ہو سکتی ہے کہ غرق عادت کا
 لغفلوں میں توضیح | حکم وقوع یا تو نفس قدرت ذات باری کے رُوسے تسلیم کیا جائیگا۔
 یا کسی خارجی امر کے رُوسے۔ مگر نفس قدرت کے رُوسے اس کا

وقوع محال نہیں بلکہ ممکن ہے اور اس امکان میں کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر عدم وقوع
 کی علت کوئی امر خارجی ہے تو اس صورت میں ذات باری کا یا بقتل بعض دیگر صفات باری کا
 محصل ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس کا قائل کوئی فلسفی نہیں ہوا کیونکہ ذات یا صفات باری کسی
 علت سے کسی طور پر بھی محصل نہیں۔ اس لئے وقوع غرق عادت ذوقاً نسبت نفس قدرت محال
 ہے اور ذوقاً نسبت امر خارجی۔ پس جب ہر ایک صورت میں امکان ثابت ہے تو ممکن اس کی عدم
 ہوتی پر وقوع کا انکار کر دینا سرسری حالت ہے۔ اور منقض قاضی ابن رشد اندلسی جس کی متبع میں
 سید صاحب نے انکار جرات کیا ہے کوئی دلیل غرق عادت کے محال ہونے پر قائم نہیں کر سکے
 اور تعجب ہے کہ سید صاحب نے ایک قاضی اندلسی کے قول کو تو بحدت معترض استدلال میں پیش
 کر دیا اور ہر با ائمہ متکلمین کے استدلال امکان کو بالکل نظر انداز کر دیا اور طعن یہ ہے کہ سید
 صاحب نے اپنی تفسیر طیل اول میں صحت ان جہد سے اعتراضات پر جس کر دہی ہے جو قاضی
 اندلسی نے عقیدہ کئے ہیں اور متکلمین کے دلائل کا یورے طور سے رد نہیں کیا۔ اور جہاں تک

مجھے معلوم ہے یہ صاحب کا ایک نمونہ بھی ایسا نہیں جس سے خرق عادات کا وہ اسکلن ثابت ہو۔
 وہ اعتراضات جن کی بنا پر قاضی اندلی سے نکال دیا ہے سب کے سب اس امر پر مبنی ہیں کہ وہ قوت
 معجزات سے ثبوت ثبوت نہیں دے سکتا کیونکہ ان کے خیال میں وہ ہر وہ امور میں بظاہر کوئی تعلق نہیں
 مگر قاضی صاحب اس امر کو مطلق نہیں سمجھ سکے کہ جس امر کو وہ انہماکی و دلیل گردانتے ہیں یہی شہادت
 کی دلیل بن سکتا ہے کیونکہ نفس خرق عادات اس امر کی کافی حجت ہے کہ وہ فوق احادیث و روایات
 اور ان کا فوق اسادہ ہونا اس امر کے یقین کے لئے کافی ہے کہ انسانی اصول مہودہ متعلقہ تجربہ و
 مشاہدہ سے خارج ہیں اس لئے وہ انسانی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ براہ راست ذات کمال احکامات
 حضرت رب عزت کے ارادہ کا نتیجہ ہیں جو مستمر فی الائنات ہے اور اسی لئے وہ حجت ہے کہ
 بعض قاضیوں نے خرق عادات
 کو اصول تجربہ و مشاہدہ کے
 ذیل میں انکی کوشش کی ہے

کیونکہ فرض کر لو کہ خیال سید صاحب موسیٰ علیہ السلام کے سمندر سے گذرتے وقت مد و جزر کی کیفیت
 تھی تو اس کو خرق عادات کون ہی قوت کہیگا کیونکہ مد و جزر ایک ایسا قانون ہے جس کا تجربہ ہوا
 کیا جا چکا ہے اور عجیب ہے کہ یہاں تو سید صاحب کو مد و جزر کی کیفیت کا سہارا مل گیا اور خیال خود
 سرخرو ہو بیٹھے گو ان کا فرق ان احادیث و روایات کی تکذیب کرتے ہیں مگر بعض دیگر موافق
 پہلی کوئی بھی گنجائش نہیں ملتا لامبی کا اثر وہاں کیا کہیں گے؟ کیونکہ ان کا فرق انسانی
 حیدر حسی سید صاحب کو نہیں جانتے کاموقع نہیں دیتے اسی طرح ایک شخص نے یہ پیشا
 کی قریب میں بیان کیا کہ فلسفوں سے سولہ علیہ السلام کا ہاتھ پکنا تھا اعتدال اور اسی قسم
 کے سینکڑوں کہیں منکرین کی طرف سے سنی جاتی ہیں جنہیں کوئی تسلیم عقل کسی ایم نہیں کر سکتا

کون دعوٰی سے کہتا ہوں کہ کوئی خرق عادت کے بھی اصول تجربہ و مشاہدہ کی ذیل میں داخل نہیں ہو سکتا
 اور مجھے وہ نہ شکایہ کی قسم ہے کوئی حق ہے اھاسی پر اولین ادا خیرین کا اتفاق ہے جو لوگ
 ر وہ ذات ہادی کو معرفت کل مانتے ہیں انہیں ہرگز اس امر کا مان لینا دشوار نہیں معلوم ہو گا کہ لکھا
 ہادی اسباب مجبورہ اور اسباب غیر مجبورہ ہر دو صورت میں مل کر ثابت کس نیا دہ سے زیادہ ہے
 قرآن میں ہو سکتا ہے کہ خرق عادت اسباب غیر مجبورہ سے وقوع میں آیا مگر کسی توہم دلیل اہل ہمارے کو فتنے
 میں ایونکہ اگر مجبورہ اسباب سے وقوع پذیر ہو تو وہ اہل ہمارے نہیں ہو سکتا اھاس سے نجات بھی
 نہیں "فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر"

امام فخر الدین رازی نے بھی باغ و حقیقت خرق عادت کو مانتے ہیں کہیں کہیں معتزلہ کے
 کرامت کو اصول تجربہ و مشاہدہ کے ذیل میں لانے کی کوشش کی ہے مگر مثبت ہاں اصول فلسفہ
 ثبوت کے ذیل میں ایسے امور کا انمول یقین پیدا ہو جاتا ہے اور تب منطقی صغریٰ و کبریٰ کی کچھ ضرورت
 نہیں رہتی سید صاحب ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ خرق عادت ایک قسم کی محاسبہ پرستی ہے جو ہر ایک
 صاحب کے لوگوں میں پائی جاتی ہے اور اس کو عقل ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ اسے سمجھنا اللہ سید صاحب
 نے مختصر الفاظ میں فیصلہ دیدیا اور متعلقین پر بھیجے کہ واقعی خرق عادت محال عقلی ہے۔ اسے حضرت
 میں نام کو کتاب میں نفی کر دیا ہے یہی وہ میں ذیل اثبات ہے کہ ماضی اور ماضی یہ ہے کہ سید صاحب
 نے وہ نہ جیو کہ کس شخص کی عقل میاں صداقت ہو سکتی ہے؟ اگر آپ کی عقل تسلیم نہیں کرتی یا آپ کے
 چہ شرب فلسفہ و عقل کی تو اھمدا کہ کس سے ہرگز ہرگز کسی صورت میں خرق عادت و ہم نہیں آتی
 اور اگر عقل کی سنی ذلت انسان کی عقل جلیطہ مضیٰ خوف ہے اھ جس کے ذیل و اکوس بکد لا خدا و
 عقل جزیرہ و عقل میں مراد ہے۔ تو ہم دعوٰی کے ساتھ یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ ہے۔ پھر
 یہ انکار کرنا کہ اسباب آپ کے لئے منید ہو سکتا ہے! اسے سید صاحب خدا آپ کو معرفت نصیب

کے آپ تو بڑے بھاری تو سفر شہر تھے مگر خرق عادت کے انہیں آپ کی عادتیں باطل نہیں
کی ہیں۔ حق یہ ہے کہ سید صاحب کی نظر ہمیشہ عالم مادی کی کائنات اور ان کے فطری جوہر
تک محدود ہی ہے اور انہوں نے عالم روحانیات کے طراب کی حق توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ نتیجہ
ہوا کہ تمام ان امور میں جو روحانیات کا تعلق ہیں آپ کی تحقیق فیہ حص سے آگے نہیں بڑھی۔

سید صاحب نے ایسا کیوں کیا | سید صاحب نے جہاں اپنی دور بینی سے مسائل کی معاشرت
اور تبدیل نظر ڈال کر انہیں ایک مغربی حکومت کی معاشرت اور

تقدیر کے سنگ میں نگہا چاہے ان کے ذہنی مسائل میں بھی ایک سی تحقیق کی بنیاد قائم کرنی چاہی
مگر انہوں نے سید صاحب اس معاملہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ خود علوم جدیدہ کی تعلیم
سے بالکل بیہرہ رہتے اور جو کچھ تھا وہ محض اسی سنی سنائی باتوں کا ذخیرہ تھا۔ آپ نے کچھ علمی ترقی
کتابیں کاتر کر سنا اور کچھ مغربی مصنفین کے ان خیالات کو سمجھ لیا جنہوں نے نکو۔ بیجاہ ذہن عالم
پر کوشش چیتیاں کی ہیں اور کچھ مشرقی ملحدین بالخصوص معتزلہ فرقہ کے استدالات کو جو عقلیات میں
نیا و ضرور مانتے ہیں حاصل کیا۔ اس طرح ان کے پاس ایسا ذخیرہ موجود ہو گیا جس پر انہوں نے
موجودہ نئی پیدا ہونے والی ارسطو کے خیالات کو جانپنا شروع کیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ مغربی
علوم کی رو سے ایک دین ایسی سند ہو چکی کہ مذہب کی بنیاد کو باطل سمجھنے والی۔ کوئی ایسی
جوہر سے ترقی پاتا تھا کہ ملک کو مذہب اور علوم جدیدہ میں کسی قسم کا تقابل نہ ہو سکتا۔ یہ کہہ کر علمائے
اسلام نے بھی فلسفہ یونان کے عام شائع ہو جانے پر ایسا ہی کیا تھا۔ چنانچہ ان کا ذخیرہ قول مشابہ
کہیں سے جو کچھ کیا نئی سہت کے لوگوں کو بھلا کر دیا ہے اس میں شک نہیں کہ اس خیال سے سید صاحب کی
تیک فیتی کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر انہوں نے جو کچھ آپ نے کیا وہ بوجھل

ح۔ جو پال جم پے سو نہایت بُری ہے

مذہبہ بدتر از انکہ کہ صدق تھا۔ علمائے اسلام نے تو اصول غلط یونان کو کہیں غلط
ثبوت کیا وہ کہیں ان کو صحیح تسلیم کر کے مسائل کو پایہ ثبوت تک پہنچایا۔ اس مرض معتقدات قرآن و سنت

ان اول کے زندگان میں مع تسلیم کئے گئے تھے ان کو ان کی پہلی صورت سے بل بھر بھی اپنے تئیں
 مرید صاحب نے یکوشش کی کہ سب پرانی پیر دکھایا اور نعم شونک کر ملتے اسلام کے مقابل میں
 نئے کلام کے سوجھ بوجھ کا دعویٰ کیا۔ مگر کوئی حقیقت میں اگر غیر اختلاف دیکھے تو اسے علوم
 جو باطن کا محض انکار ہی انکار تو کوئی نئی ایجاد نہیں ہو سکتی۔ بات تو بت تھی کہ انہیں معتقدات کو ہم
 جدید کے اصول پر پائے ثبوت تک پہنچا کر یورپ کے دہریوں کا نہ توڑ دیتے ہی وہ بے گلیک
 اور جن معترض نے یہ کہا تھا کہ سید صاحب کی تحریریں اسلام کے ان معتقدات کو ثابت نہیں کرتیں
 یہ وہ تقریباً ڈیڑھ ندر سال سے رومے زمین کے مسلمان ہیں تسلیم کئے گئے ہیں مگر تئیں صاحبان
 نے پھر بھی تھے۔ کہ ان کے علوم جدید کے نئے نئے دلیرا کر شعل کے مقابل میں ایسے لوگوں کو
 یہ تسلیم نہ سب سے نا آشنا ہیں اور انہیں دھند کی عیب و غریب حقیقت میں شب و روز مہنگ
 مل۔ وہ کہہ رہے ہیں جنت و نند و غیر وہاں کے بے مجبور کرنا سائن کام نہیں تھا گویا سید صاحب
 نہایت نیک نیتی سے مسلمانوں کی نہ ہی مخالفت کا عزم اپنے سر لیا ۔

علوم جدیدہ کیوں | یہ سوال موت علوم جدیدہ ہی سے متعلق نہیں بلکہ علوم غریبہ
 کے متعلق بھی اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اکثر فلاسفہ قدیم بھی
 فرق مادیات کا افکار کرتے ہیں فرق موت یہ ہے کہ علوم جدیدہ
 میں مادی دنیا کے اصول پر زیادہ توجہ مبذول کی گئی۔ اور علوم قدیمہ میں محققین کی توجہ برہما عصف
 ایسی تک محدود تھی۔ اور مادیات میں انہیں توجہ کم تھی لیکن یہ کہ فرق مادیات محل ہے علوم
 جدیدہ اور قدیمہ ہر دو میں قریباً ایک ہی صورت میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ہر دو کی ہائے انوار موت
 ایک اصل پر مبنی ہے کہ علت و معلول یا سلسلہ سباب میں سبب سبب کا تعلق واجب اور غیر متک
 ہے یہ خیال و حقیقت وہ خیال کا مجموعہ ہے (۱) کوئی معلول یا سبب بغیر کسی علت یا سبب کے
 ہو نہیں سکتا (۲) معلول اپنی علت سے اور سبب اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہو سکتا (۳)
 علت کے ہاں یہ ہر دو امر ایسے معرض ہیں کہ ان کی پابندی کرنے سے مادی دنیا میں ٹپری

کامیابیاں نہیں سمائیں کے غرائب اور علم ہیئت کے عجائبات کا درصوت نہیں مذکور ہلا کہ دوسرے پر ہے علیٰ ہذا علم طب اور علم کیمیا کے مسائل کی تحقیق بھی انہیں ہر دور پر مبنی ہے چونکہ نئی نئی تحقیقات سے انسانی معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور حنفی خزانہ کے حقیقت ہونے پر لوگوں کا تجربہ بھی ساتھ ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ممکن نہایت خطر کا مقدمہ اہل فلسفہ کے نزدیک صرف انہی ہر دور امور تک محدود ہے اور وہ انہیں ہر ایک امر کی صداقت کا موازنہ کرنے میں کافی جہت تسلیم کرتے ہیں +

کیا ان ہر دور امور کا رد ممکن ہے؟
اس میں شک نہیں کہ یہ ہر دور امور صحیح ہیں مگر اہل مذہب سبب اور سبب کے درمیانی تعلق کے وجہ کے قائل نہیں ہوتے یعنی وہ اس امر کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ سبب اور سبب کے درمیان

ایسا تعلق ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا محال ہو۔ بلکہ وہ اس تعلق کو ممکن کہتے ہیں یعنی سبب اپنے سبب سے متغیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر تک اہل فلسفہ کی طرف سے کوئی دلیل بجز اس کے پیش نہیں کی گئی کہ ہم چونکہ ایسا ہوتے دیکھتے ہیں اس لئے اس میں اس کا یقین ہے مگر یہ دلیل بچائے خود سخت کمزور ہے جس پر لکھا جا چکا ہے کہ بقدر اور شاہد سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ درجہ قطعیت کو نہیں پہنچ سکتا مگر ایسا ہوتا۔ تو انسانی تحقیقات میں کسی تیز و تبدیل نہ ہو سکتا۔ مگر مگر صرف اس قدر کہہ دینے سے کہ علت و معلول کے لزوم پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی قطعی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کہہ دینگے کہ اسے حضرت میں نے مان لیا کہ علت و معلول کے لزوم پر یہ پاس کوئی دلیل نہیں اور میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ معلول اپنی علت سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ مگر اس کی وجہ سے صرف امکان عقلی مان سکتا ہوں۔ امکان وقوعی تسلیم نہیں کرتا۔ یعنی یہ تو مانیت ہوگی کہ خدا کی قدرت میں بلا باب بیجا پیدا کرنا داخل ہے مگر ایسا کسی جہاں نہیں جو مجبورہ کہ امکان عقلی کے تسلیم کو لینے پر امکان وقوعی کا انکار کرنا ضمن ایک قسم کی ذمت بندی ہے۔ کیونکہ روایات صحیحہ سے وقوع مجبورہ کو درست ثابت ہے پس منکر جب تک روایات کو ناقابل مسند نہ قرار دے

اس کے برعکاف بحث قائم ہوگی ۔

منکرین ایسی روایات کو تسلیم نہیں کرتے جن میں خرق عادت کا ذکر ہے ۔ امداس کی وجہ یہ
 جانتے ہیں کہ ان میں عادت فعل باتیں لکھی ہیں ۔ مگر اس لغو و بے سول مادہ کو تاج کے کباباں کے
 نام کی وجہ روایات کا غیر معتبر ہونا ہے ۔ یا ان کا عادت فعل ہونا مگر عادت فعل میں تو سپرد مکان فعلی
 نہ ہو ۔ امداس اصول روایت کے دوسے غیر معتبر ہوں تو اس کا ثبوت منکر کے ذمہ ہوگا ۔

یہ نزاع بجز اس امر کے طے نہیں ہو سکتا کہ حکمین سلسلہ علت و معلول کے درمیان لزوم کے
 داخل در ہیں مگر اس لزوم کو باطل ثابت کرنے کے لئے علم نبوت کی ضرورت ہے تاکہ منکرین
 صفات ذات بابتی کو تصدیق مادہ تسلیم کر لیں ۔ اور اس بات کا یقین کر لیں کہ صفات الہیہ کی غیبت
 عمل کو انسان ہرگز ادا نہیں کر سکتا بلکہ بالاعتقادی طور پر تصدیق کرتی ہیں ۔ اور تمام موجودات
 انہیں صفات کا عینہ و حلیہ مظہر ہیں ۔ مگر یہ سب کچھ مسئلہ کو حیدر کی تکمیل پر منحصر ہے ۔

مسئلہ خرق عادت کے | ان مسئلوں کے گنتے وقت میں کہ مشہور پر یہ نظر ہو جائے کہ
 متعلق ایک فاضل کی رائے | فاضل کو خدا و حسن اتفاق سے اس نے بھی ابنان من العسکین
 وقوع کلمات کلا دلیا و خرق عادت اولیا اللہ سے واقع

ہو سکتا ہے) ایک مضمون مندرج تھا جس کو مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ باطل سے

ع ۔ جاہل سخن اند زبان من میگوئی

کامصلح تھا ۔ چنانچہ میں امور پر فائز اس نے بحث کی ہے اپنی امور کو مضمون شمار فاضل نے صوب
 غلط پیش کیا ہے ۔ جس کو پہلے یہاں شروع کرتا ہے کہ

مگر ہم اپنے اس موجود زمانہ کو جس کو عام طور پر پوشی کا زمانہ کہا جاتا ہے ہم سے کا زمانہ کہیں
 کو کچھ قریب نہیں ہوتا چاہے کیونکہ کچھ اس قسم کا طوفان ہے قریبی اٹھ چلا آ رہا ہے کہ اب بین وقتوں ہندو
 جہاں ہو رہے ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ کیونکہ اوپر دھڑکے بانس لوگوں نے فریب کی سرپرستی
 کا دم لے لیا ہے اور جسے خبر ہے و حلیہ پھیلا کر مذہب کی صورت بدلنا چاہتے ہیں ۔ الخ

اس کے بعد فاضل مضمون نویس نے مذاہب المسلمانہ کی فرویت پر بھی بحث کی ہے جس میں
 فرق عادات کے متعلق متکثرین کی نسبت یوں لکھا ہے۔ وان دعوی المتعصبین فی الحکون کثرت
 اسوئال لا یؤیدہ عقل یعنی یہ متعصبان قوم یہ بھی دعوی کرتے ہیں۔ کہ ان اولیاء اللہ کا
 ہر حکم اپنی تعریف کرنا اور مکاشفہ وغیرہ ایسے امور ہیں جن کو عقل نہیں جانتی۔ الخ۔

پھر یہ لوگ یہ بھی دعوی کرتے ہیں۔ وانہ لا یعجز العقل بالاحادیث والکلمات
 صحیحہ فی جمیع مسائل الاعتقاد من غیر قید الخ۔

یعنی احادیث پر اگرچہ صحیح سولہ معتقات کے بار میں ہر کسی قسم کی عداوت کے عمل کرنا
 ناجائز ہے بلکہ قرآن مجید کو قانون فطرت پر مطابق کرنا چاہئے یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو مسلمان
 کہلاتے ہیں اور جن سے اسلام کو اس قدر برباد ہونے لگا ہے کہ اقوام غیر سے نہیں پہچان سکتا۔ ہم اس
 مرتبہ پر نہایت مختصر طور سے امر حق کو ظاہر کرتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ جہت یکرین جو دوسری دنیا کی
 لڑائیوں میں اس قدر متفرق ہو گئے ہیں۔ کہ انہیں ضروریات دین سے پوری پوری غفلت ہو گئی
 ہے اور اپنے خیال تمام اور دھرم باطل میں اپنی اس حالت کو اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہیں۔
 اعلمہ وفقنا اللہ جیسا لطاعتہ ان قد رة اللہ تعالیٰ متعلق بالمسکات تعلق
 تاثیر وان من المسکات وقوع الکلمات الاولیاء ومن قال بعد مروقہ کلمہ
 لا اولیاء فقد فارق قد رة اللہ تعالیٰ فی اعلقہا۔ وهو المکمل او ما سوی اللہ قلی
 ممکن الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دنیا کی ممکنہ اشیاء سے یہ تعلق ہے کہ وہ ان میں مداخلہ
 (یعنی ممکنہ اشیاء کو حسب مشیت الہی وجود دیتی ہے) اور غوارق عادات کا وقوع (امر ممکن ہے
 محال نہیں ہو سکتا) اسوجہ شمس قدرت ذات باری کی نسبت ایک امر ممکن کے وقوع کو محال سمجھتے
 گویا اس کے ساتھ یہ مداخلت کرتا ہے کہ قدرت ممکنات سے متعلق نہیں ہو سکتی حالانکہ وہ
 ممکن ہے۔ کیونکہ مواذات باری کے تمام چیزیں ممکن ہیں۔ کوئی محال نہیں اور سب کی سب ممکن

آہی و چونکہ یہ یوحنا ہیں۔ وخرق المعادۃ جائز عند المسلمین مستقل عند الفلاسفۃ کلا من
ارتباط الاسباب بسبباتها ممکن عند المسلمین ولجب عند الفلاسفۃ فمن کان من
المسلمین فلا یخبر عن عقیدۃ ائمہ ومن کان من الفلاسفۃ فلیعلم ان الاسلام
دین کافسۃ۔

یعنی خرق عادات مسلمانوں کے نزدیک جائز یا ممکن ہے اور اہل فلسفہ اسے محال کہتے
ہیں کیونکہ مسلمان لوگ سبب اور سبب کے تعلق کو ممکن تسلیم کرتے ہیں یعنی ایک امر کے بعد
جس کو سبب کہتے ہیں دوسرے امر یعنی سبب کا وجود میں آنا عادت الہیہ میں جاری ہے
مگر ائمہ چاہتے تو دوسرا امر بیان نہ ہو۔ یا بعد از پہلے امر کے وقوع میں آنے کے بعد الہیہ کے
نزدیک تعلق واجب ہے یعنی پہلے امر کے ہونے پر دوسرے امر کا وجود ضروری ہے عقل
اس امر کو تسلیم نہیں کرتی کہ پہلے امر کے ہونے پر دوسرا وجود پذیر نہ ہو۔ موجود مسلمان ہیں انہیں اپنا
عقیدہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور یہ فلسفی ہے اسے یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اسلام ایک دین ہے
فلسفہ یعنی محدثین کی بکواس نہیں فالخلق الذی لا یمییص عندہ حواکسہ ولا یصح للذی
علیہ اجل السنۃ والجماعۃ بشیوۃ الکلمات الاولیاء ائمہ سو حق چکے
تسلیم کئے بغیر کوئی چاہ نہیں ہے۔ جس کے (اہل سنت والجماعت معتقد ہیں یعنی کہ خرق
عادات ثابت ہے۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم میں اس امر کو جو اثر
تسلیم کیا گیا تھا جس کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ البتہ معتزلہ کرامت کی نفی کرتے ہیں اور
معتزلہ کو ثابت کرتے ہیں۔ سو یہ بھی اس لئے کہ پھر معتزلہ کرامت میں مابہ الامتیاز کوئی امر
باقی نہیں رہتا۔ (یہ محض باطل ہے جس پر نشاء اللہ بحث ہو گی) اثبات خرق عادات کو قرون
مختلفہ نے تسلیم کیا۔ چنانچہ آج تک تمام اہل اصول فقہاء محدثین چھبیں کا اسی پر اتفاق ہے اور
تعبیب کے بعض مابہ لوگ کیونکہ محدثین کے وہم میں آ جاتے ہیں۔

یہاں تک میں نے داخل معنوں لکھنے کے جسے جسے فقرت کو بدلنے غلام کے نام کیا ہے

ناظرین معلوم کر چکے ہونگے۔ کہ اہل حق خواہاں ہیں ہوں حیشہ ایک ہی مذہب کہتے ہیں کیونکہ خاکسار نے انہیں باتوں کو تفصیل وار غلبہ بند کر دیا ہے۔

اہل باطن کے طریق پر | اہل باطن جو حقیقت اشیا کو کا حد دیکھتے ہیں اس امر متفق ہیں کہ وہ اسلئے ثلاثی یعنی حیوانات۔ نباتات۔ جمادات وغیرہ وغیرہ کا ثبوت خرق عادت

مخلوقہ رو میں رکھتے ہیں جو ایک نوع کی نہیں ہیں۔ اور اس امر کا ثبوت آیات قرآن و احادیث صحیحہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ **قل الله تعالى ران من يشي الا يسبح بحمده ولو كن الاقلون لبحي**۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ اشیا عند تعالیٰ کی تسبیح پکارتی ہیں مرن اتنی بات ہے کہ ہر ایک نوع کی تسبیح کا طریق وہی تسلیم کیا جائیگا جو خدا نے اس نوع سے مخصوص کر دیا۔ کیونکہ طریق کا اختلاف مصلحت شوق کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ورنہ بجا حد تعریف اللہ بارہی سب ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ نوع انسان دیگر اسی موجودات کی نسبت کامل نوع رکھتا ہے جو حقائق و معارف تک ترقی کر سکتی ہے۔ اور ہر ایک حیوانات کو صرف ایک ضروری حد تک فہم اور شعور دیا گیا ہے جن سے وہ اپنی ضروریات زندگی اور طلب نفعت اور دفع مضرت میں قادر ہو سکیں اور پھر ان حیوانات میں بھی فہم اور شعور کے درجہ ہیں۔ چنانچہ ہر تجربہ سے دیکھتے ہیں کہ گھوڑے اور گدھے کا شعور ایک نہیں ہوتا۔ پھر اس طبقہ سے جب نیچے اترتے ہیں اور نباتات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی لوازم کی رو سے درجہ ہیں مگر جس وحاکت الہی جو حیوانات کے لوازم سے استفادہ خفیت و بے تک باقی رہ جاتے ہیں۔ مگر ہم یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان میں جس وحاکت و مصلحت و فائدہ نہیں۔ اور پھر جمادات کی نسبت میں یقین ہو جاتا ہے کہ ان میں جس وحاکت و فہم و شعور و فائدہ و فائدہ سے رکھا ہی نہیں اور اس لئے وہ کوئی روح بھی نہیں رکھتے۔ مگر حقیقت ایسا

نہ ہر ایک چیز الہی کی تسبیح پکارتی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ ۲۰۰

نہیں کیونکہ نگہی و صفت کا جائزیت غنیت اثر ہوئے کے اس کی کلی نئی نہیں ہو سکتی۔ پہلے سمجھو
 کہ تھوڑے کریم لے کائنات کے رُوسے موجودات میں مختلف طبقات پیدا کئے ہیں اور کچھ نہ کچھ
 مکمل ہر ایک کو حاصل ہوا ہے۔ یہ ایسی تربیت بعینہ اسی طرح ہے جس طرح زمین کھوٹے وقت
 پہلے خشک مٹی آتی ہے۔ پھر تر پھر کسی قدر زیادہ تر پھر کچھ پھر سب سے آخر پانی۔ لیکن کچھ
 کچھ رطوبت ہر ایک وجہ میں موجود ہے گو سب سے پہلے وہ ہیں جس اقلیت ہوتا ہے۔ مگر رطوبت
 تمام کو بھی نہیں۔ شیخ الکبرانی کتاب فتوحات کے آٹھویں باب میں لکھتے ہیں:-

من المثل ما يجما در النباتات عند تالمصاد واج لبلنت غير اذلاک
 اهل الکشف ایاہ فی العادة فلا یحس بها مثل ما یحس بها من الجہان
 فاکل عند اهل الکشف حیوان ناطق یا لحن ناطق غیر ان هذا المذراج
 العاص لیس انسانا

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جمادات اور نباتات بھی دو میں سے لکھتے ہیں جو اہل
 کشف کے ساتھ دیگر لوگوں کے اور ایک سے مخفی ہیں۔ اور تمام ہشتیا انہیں اپنے لئے جسے حیوان
 کہہ کر نہ نظر آتے ہیں۔ بخیر ان کے اس خاص وضع اور خلق کا نام انسان رکھا گیا ہے وہ
 سب کو یہی لازم حاصل ہیں۔ گو غنیمت وہ میں پھر ایک دوسرے مقام پر یہ لکھتے ہیں کہ بعد
 والنباتات و حیوان و احوال فی الیامین کافی الظاہر اسی فی جسد و یعنی جمادات نباتات
 بھی نہ وہ ہیں اور اور ایک کرتے ہیں مگر یہ صفات ان میں نہایت غنی ہیں ظاہر اعلیٰ جانی میں ان
 کو کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ فرمائی یہ سالہ قضا و قدر میں لکھتے ہیں:-

اعلم ان اثبات الشعور والادراك لجميع الموجودات حتی الجمادات والنباتات
 علی ما یطہر من القہان والاحادیث مما طلت علیہ الباحث البرہانیة
 وتبہیات العلوم الذوقیة واید احوال القامات الکشفیة وهو مذهب
 کثیر من الحقین کمساحب الامشاق والمحقق الطوسی والعلامة تلامذہ

وصاحب الحکماء دین کمونہ و ہولہ کات بظلالی و ذوق جہد غفیر من الماشین
منہما الشیخ العارف والمحقق المکاشف محی الدین ابن العربی و متابعوہ ۰

اس عبارت کا ترجمہ واضح ہے الحاصل تمام اوی ہودوات کو اپنی اپنی نوع کیطابق صاحب
روح تسلیم کر لیا خیال کیا اسلامی مسئلہ ہے جس کا منہج قرآن و سنت ہے اگر خوف طوالت نہ
ہوتا تو میں اس مسئلہ کے اثبات میں اور بھی کئی ایک قلیل ح دلائل نقل کرتا مگر بقدر ضرورت
یہی کافی ہے بہر حال میں نے اس طریق استدلال کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ آج کل کے
محققین اور روپیہ بھی اپنی تحقیقات سے اس نکتہ تک پہنچ گئے ہیں چنانچہ یہ عام خیال اب خفس کے
اذہان میں چمکیا ہے کہ نباتات اور حیات بھی پروردگار کے اثر سے اسی طرح متاثر ہونے
پڑیں جس طرح حیوانات۔ المنار قاہرہ کے مشہور پریس میں انگلستان کے ایک بڑے فلاسفر کا
مضمون اسی موضوع پر عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے اور اس کو پڑھ کر مجھے بڑی خوشی
اس لئے ہوئی تھی کہ مغربی محققین ڈیرہ بزرگسل بعد اس نکتہ کو معلوم کر گئے ہیں جبکہ وہی عرب
علیہ السلام نے ہدیہ وحی آسمانی دنیا کے سامنے اس وقت پیش کر دیا تھا کہ ابھی آنیوالی
قوموں کی علمی ترقیات کا بنیادی پتھر بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ آج کل حکمائے یورپ بھی اس نکتہ
تک پہنچ گئے ہیں کہ ہائے اضلال و اسوات کی مثالی صورتیں ان اشیاء میں قائم ہوجاتی ہیں
جہاں افعال و اسوات کے ظہور نے پر وہاں موجود ہوتی ہیں اور حضور رحۃ العالمین نے اس
خیال کو چال عرب کے سامنے یہاں پیش کر دیا تھا کہ تم میں جگہ پر کئی گناہ کرو گے قیامت کے
دن ہی جگہ قیامت پر خلاف مشاہدہ دیجی اس لئے بہتر ہے کہ اس کا کفارہ ادا کر دینی اس جگہ
پر نیک کام بخلاؤ تاکہ نیک کی شہادت بھی تمہارے حق میں رہی کے مقابلہ قیامت کے دن گذرے
بعض مفسرین نے آیہ یومئذ یعتقدون الخیارہا کی ذیل میں بھی یہی معنی لکھے ہیں ۰

رسالہ سعید میں جو ایک مصری فاضل نے لکھا ہے اور جس میں مولف نے مسائل اسلام کو
نئی طرز پر مزید ذکر کے شائع کیا ہے لکھا ہے کہ اہل امریکہ نے بعض ایسے نباتات و حیات کا ذکر

عبادت کیا ہے جن میں رست سے حیوانی خواہش بڑھ کر گئے ہیں جن کو قبل ازین محض طبع و اناس
 تک محدود رکھا گیا تھا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ کافی تعلیم پر اپنا دل دے سکتے ہیں۔ انہیں اہل فلسفہ
 کی تلمیذی کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ اہل فلسفہ ایک نجاست و عوار قوم ہے۔ جو دنیا پر خدا کی زندہ
 عبادت کا فہم نہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ معرفت الہی کی حاشی سے بالکل محروم ہوتے ہیں۔ انہیں کسی منزل مقصود
 پر نہیں پہنچ سکتے اور نہ انہیں ایمان قلب کا وہ بھی نصیب ہو سکتا ہے جو آخرت کی عبادت
 میں اگر نہیں لایا جاتا تو ثابت ہو گئی ہے تو ہماری جگہ سے ہم تو انہیں شناس و پہچان میں پہنچ
 دیتے کہ کیا ہیں۔ کیونکہ ہماری دینی اور دنیاوی عاجزوں کے لئے قرآن پاک پورے طور پر مکمل ہے
 اور تمام عقائد اس کی بدولت حل ہو جاتے ہیں پھر ہم کیوں کسی غیر کے دست نگر رہیں +
 مذکورہ بالا اصل کی تصدیق میں کہ حضرات اہل تصوف نے تسلیم کیا ہے حضور علیہ السلام کے
 بعض اہل احوال سے بھی برتی ہے جو بصورت کو اب و احکام شرعیہ آپ نے ارشاد فرمائے کہ چونکہ
 جب حق کی علت کا پتہ لگ جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کے کسی نہایت جلیقہ راز تک
 اس کا راز نکلتا ہے۔ شفا و شریعت کا حکم ہے کہ جس مخلوق میں کوئی مٹاؤ یا پائیدہ عبادہ اس میں
 عبادت سے ملتی کرنا مکروہ ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس سے حضرات صوفیہ کرام کے
 خاکہ و بجا اصل کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ حیوانات میں بھی غیرت و حیاء و انسانی اخلاق میں اصل
 میں موجود ہے اور اسی طرح یہ حکم کہ جن چیزیں یا جاندار یا جانور سے کوئی شخص ملتی کیے اسے فی القربان لگ
 کر دو۔ تینکد و سواری وغیرہ کے کام میں نہیں لانا چاہئے۔ کیونکہ عائشہؓ اس میں یا کم از کم اپنے
 قول میں اس کے لئے موجب روانی ہے اور غیر فلاسفہ کے لئے بھی سائنس و فلسفہ کے مسئلہ مسلم ہو چکا ہے
 کہ ہم دوسری مشاعرہ طبع و عینہ و روح میں رکھتی ہیں اور تمام انہی فطرت کے مطابق ہی ناطقین میں
 انہی کے ساتھ کہ کبر و عدوت علم و شفا پر جانی ہے جو بارگاہ رب العزت سے بجز نبیاء و اولیاء کے کسی
 دست کا نصیب نہیں ہو سکتا۔ دیکھو قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شہادت کیا ارشاد
 ہوتا ہے :

تو قتل یا یا ایہ اس علم متعلق الطیر و ارضیات میں کل شیئی لھذا الیہ العنشل المبین

بہر وقت ہر مرغ و غصہ بڑھد کے بد گشتا سائے متعلق الطیر است

اس مسئلہ میں بہت کچھ کہنے کے لئے کئی اسباق سیاہ کرنا ایک حوالی بات ہے کیونکہ اس کی تفسیر کے لئے بہت سے ایسے امور پر نظر کرنا پڑتی ہے جو مختلف عوالم سے متعلق ہیں مثلاً سنگ کشش و اتصال سے جس کو علمی اصطلاح میں نظام جاذبیتہ الحب کہتے ہیں اس سلسلہ پر ہم پسی پسی بدستی ڈال سکتے ہیں مگر میں اس کو زیادہ طول دینا پسند نہیں کرتا اور میرے مدد کے لئے جو کچھ بیان کیا گیا ہے عقلی اس مسئلہ عظیم کے تسلیم کر لینے پر غالباً مسئلہ حرق عادت کا اہل تصوف کے طریق پر عمل کرنا کچھ عمل نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ مادی تاثیر کا سلسلہ تو ملاحظہ اہل فسق و فجور ہی سمجھتے ہیں اس لئے بنی آدم سب بالذات ایسی کسی خاص مادی شے میں تصرف کرتا ہے تو وہ شے جس کی روحانیت سے متاثر ہو کر کسی صورت یا وضع میں متشبہ ہو جاتی ہے جس کا وہی اللہ نے ارادہ کیا ہو۔ کیونکہ جب یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ مادی مطلق ہے تو اس کا ایک دوسرے مادی مطلق کے زیر فرمان ہونا جو اس سے متاثر ہے اس کا پس بڑھا ہوا ہو مطلقاً عمل تعبیر میں۔ گویا ایک کی روحانیت دوسرے کی روحانیت پر غالب ہے اگر اس کو ایسے آثار کا مسدود قرار دیتی ہے جو کسی دوسرے نوع کی مادی شے سے متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ مادہ میں ہر ایک صورت و وضع امتیاز کر لینے کی قوت خدا نے ودیعت فرمائی ہے۔

۱۷۹۰

بات تو سنا ہے مگر چونکہ عام لفظ نوع مادیات کے لئے ہر مادی نوع میں تک محدود ہیں اس لئے

۱۔ اور یہ شے خود اس کے وجود میں پرندوں کی مادی سمجھنے کو علم و گلیا ہے۔ اس میں غلطی سب چیز میں ہے
۲۔ اور یہ شک یہ خدا کی تخلیق ہر مادی کا ایک ہے۔ ۳۔ منہ
۳۔ جسے اس کو اس پر صحت محبوب آتا ہے جو کتاب کی تاثیر سے بہت گہمی ہو و نیز در شب کا توبہ کی صورت
۴۔ متشبہ ہوا ہے مگر عقیدہ ہے جس مادی ہر مادی کی روحانیت کو توجہ نہیں دیتا۔ ۵۔ منہ

انہیں کچھ فی سی پائتا معلوم ہوتی ہے کہ وہ حقیقت کوئی فی بات نہیں انہیں جب پہنچے ہیں کسی علم کے لئے مسئلہ کو دریافت کر کے اس کے اعلیٰ معنی کا کشف ہو کر رہتا ہے تو اس سے واقعی تمہید پیدا ہوتی ہے کہ کچھ مدت پر وہ بات حتمی ہو جاتی ہے مہو اہل باطن کے ہاں تو باطن ایک مہو اہل باطن ہے کہ بنی خدا یا ولی خدا کی روحانیت کی وہ دوسری مادی اشیاء کی روحانیت میں ہوتا ہے کہ اس کو کسی دوسرے نوع کی مادی اشیاء کا مصدر شمار کیا جاتا ہے۔ ہاں اہل لوگوں کے لئے یہ اشیاء عجیب بات ہے جو ممکن اشیاء کا کچھ علم نہیں رکھتے۔ اسی اہل پر مشرق خاندان کا یہ بھی سمجھ میں آتا ہے اور سہل کا اور نیز سنگریز کا منکر کی منہی میں شہادت دینا وغیرہ ظنات میں الجھاؤ

البصيرة المذكورة في كتاب الاحاديث بالاسانيد المتبعة +

اہل باطن کے استدلال کی بنا	اہل باطن اپنے اس طریق استدلال کی بنا ایک ایسے
کس امر پر موقوف ہے؟	عقلی اثر پر بنی کہ جس میں گہرے وجود کا تشہید کرنا تعلیم میں
	کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے یہ عقلی اثر اس میں حالی لائق کا

تجربہ ہے جو انبیاء اور اولیاء سترہ کے بعض قدس کو روح القدس کے ساتھ اتنا سال پیدا ایسے سے حاصل ہو گئے۔ غریب عالم کے لئے سترہ گارڈن میں خدا و تعالیٰ سے کام لیتے تو اس کو اہل باطن کو ہونا لائق عرفان عادت کوئی فی بات نہیں بلکہ انہیں لوگوں کو ہی معلوم ہوتی ہے جو عادت تائید مابعد تک محدود ہیں اور عادت مجردہ اور فکریہ و انوس قدسیہ اور ان کے عالم مادی میں اثر برائے کا کچھ علم نہیں رکھتے۔ وہ عادت خدا و تعالیٰ کے لئے مادی اصول کا علم حاصل کر کے اشیاء مادیہ کے تاثرات میں گرفتار ہوتے ہیں اور ان کے لئے کہ مادی مفسد سبب ہے کہ عقل میں وہ صرف اس قدر علم رکھتے ہیں کہ انال سبب باعث کا نتیجہ فلاں مہو اہل باطن ہے

مہو اہل باطن میں سبب ایک حقیقت ہے کہ اگر تشہید کر کے کہتے ہیں خدا ان آپ کے مہو اہل باطن میں رہتا ہے مہو اہل باطن میں رہتا ہے مہو اہل باطن میں رہتا ہے مہو اہل باطن میں رہتا ہے

میں سے زیادہ انہیں کچھ سمجھیں یہی وہ اس نکتہ کو ہرگز غلط نہیں کر سکتے کہ یوں نقل سبب
یا علت کا جو نقل سبب یا معلول ہے، زیادہ سے زیادہ وہ یہی کر سکتے ہیں کہ ایسا ہی ہوتا ہے
کیونکہ سبب و سبب میں ہی قسم کا تعلق ہے کہ اگر ایک امر اس سبب پیدا ہو تو دوسرا امر اس سبب
حدود وقوع میں آئے۔ لیکن ایک عارف کی نظر میں یہیں تک محدود نہیں رہ سکتی بلکہ وہ ان
دونوں کے درمیان رابطہ حقیقی کی اس علت کا مشاہدہ اپنی روحانی آنکھ سے کر لیتا ہے۔
کمال عارف اللہ رحمہ

آپ را آئے است کو می راندش

یعنی یہ مانی جو یاد می ہے اس کے جریان کے لئے ایک اور پانی کی غریب ہے جو اسے چلائے
اور وہ پانی ہی امانہ آگے ہے جس کے اثر کا محسوس کرنا بدن قلب پر آثار تو پیدا کرتے
کے ممکن نہیں اس نکتہ کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے بطون قرآن کی سیر کی ہو۔ اور
نقلی مباحث سے بڑھ کر حقیقت کی طرف متوجہ ہو گیا ہو۔ جسے ظاہر بینوں کو کھرا نکھار کچھ حاصل
نہیں ہے

گر نہ تر معرفت آنگاہ شوی - لفظ بجزاری سو معنی ردی

مذکورہ بالا تفسیر اثر کی تصدیق کے لئے ثابت کامل شیخ محمد بن عربی کی مبارک نقل میں
نقد کرنا چاہیے۔ فانما النفس قدسية بدو ببعض ارواح اجرام السماویة والارضیة
کان تاثیر حافی بالمرحہ التوحید الانسانی تا ملو ما یقتل بہ فتقتل اجرامہا
والنفس التاقصہ الانسانیة عند ہما اواراد - (یعنی جب نفس قدسی اپنی
یا ولی کامل کی توحید بالمرحہ النفس یا اجرام سماویہ کے ارواح و نفوس سے القاتل پیدا کرتی
ہے تو اس انسانی توحید میں اس کی تاثیر عالم اجسام میں بعینہ اسی طرح ہوتی ہے جس میں ان اشیا
کی تاثیر جو مرکبات طبعیہ سے متسلل ہو کر ان میں پائی جاتی ہے۔ جب اجسام مصریہ اور نفوس قدسیہ
نفس قدسی کے میں نشا کے مطابق اثر قبول کرتے ہیں یعنی ایک حقیقت سے دوسری حقیقت

کی طرت اہسام متعجب ہو جاتے ہیں +

اب تھا رہے کہ کسی بنی یا ولی کی طرف سے کوئی مادی چیز کسی ہم مغربی پر اپنا عمل نہیں کرتی
 مگر ایک اندرونی نفی اثر وہاں اپنا عمل کر رہا ہو تا ہے جس کے وجود کا ہم کسی اندیشہ نہیں کر سکتے
 اس امر کی حقیقت کے سمجھنے میں ان طبائع کو جو حقائق میں نظر کرنے کے مادی نہیں اور جن کو
 پہلے علم محض مادی اشیاء کے چور تہ تک محدود ہے ممکن ہے کہ انہیں ہو مگر میں بنائیت و ثوق
 اور اپنے یقین سے کہتا ہوں کہ حق اس سے آگے بڑھتا نہیں ہو سکتا اور مجھے امید ہے کہ وہ
 طبائع جو قبول حق کے لئے تیار ہیں ان کے ان لینے میں متروک نہیں ہیں بلکہ مادی جو فطرۃ
 کج اندیش ہیں ان کو میں تو کیا سمجھا سکتا ہوں (دنیا) طیبہم سلام سبھی انہیں مادی طاقت پر نہ
 دیکھ کے کہ یہ کد مقلب القلوب نو خداوند جانہ و تعالیٰ ہے جس طرت چاہے دلوں کی دوزخ سے ۔
 ولنرمقنیل سے

ہر کرارہ سے یہ بہبودے نہ داشت - ویدین روئے نبی سود نہ داشت

آج قوم ہر دے مطلق فرق عادات کو ثابت کرتے ہیں اور ظاہرین انکار کرتے ہیں نہ فرقہ لوگ ہی تو آدمی ہی تھے
 جو فرق عادات کو دیکھتے اور ناگوار کر دیتے ۔ جمعیہ انھوں نے تو کبھی کسی حقیقت کی نفی نہیں ہو سکتی +
 خرق عادات کے طالب کس قسم
 نبی اللہ صروت تمام محبت کیا کرتا ہے جو میں شیعہ میں
 حقیقت شناسی کا مادہ و ولایت رکھا ہوتا ہے وہ
 کے لوگ ہوتے ہیں !
 کٹ جھتی سے باز رہتے ہیں اب تک ایک دوسرا گردہ

لے جتنی شرائط ہیں بھی مگر جاننا ہے ۔ دیکھتے تاملیں کہ اہل بیت کو اپنی حق کھینچتی ہے مگر میں بظاہر کوئی عمل
 سنا جو مسطور کے تصور نہیں آتا بچہ کے ہونے پر یہاں افکار اس کے پتلان سے وہ دھڑک پڑا ہے ۔ لیکن ہم کا سنا
 سننا کہ ان کی دولت نظر کرتے تو وہ عروج میں رہتا ہے مگر یہ حق ہے کہ ان کی نیکی و شہادت کی کمال کی عظمت
 ان کی تمام کائنات میں تھا ۔ کہ کسی ایسی حق کی حقیقت کو کہہ دے کہ ان کے لیے کوئی راستہ نہیں ۔

۱۱) منوع لفظ واحد ہے جس کے معنی چٹہ کے ہیں سید صاحب نے چٹے بمعنی صبح ترجمہ کیا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصل مضمون میں اس غلطی سے کچھ اثر نہیں ہو سکتا مگر یہ جواب بالکل غلط ہے لفظ لفظ کے ترجمہ کی غلطی سے مضمون میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے +

۱۲) رقی مسد یعنی چرمنا کا ترجمہ سید صاحب نے کرتے ہیں۔ غالباً آپ نے رقیہ یعنی انسان سمجھا ہے۔ عرب میں یہ رقی برآمدن برزخیان۔ یعنی اقصیت فی الشک و فی الشک و فی الشک و فی الشک۔ علم لغت کی نادر معنی کا فرق ہے کہ ایسے صریح لفظ کا ٹپ کو پتہ نہیں لگا +

۱۳) کما از صحت کا بالکل ترجمہ چھوڑی دیا یعنی تو آسمان کے ٹپ کے واسطے یہیہ کہ تو کیسا ہے چکر یہ افلاک میں مہر پر ولادت کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر علیہ السلام کے نزدیک بھی مثل تمام نبیاء علیہم السلام کی آسمان اکوٹے میں جم جیتے جس کے ٹپ کے گرتے ہیں اور آپ مفضل خدا و جود آسمان کے بعض بقیہ مفضل ہیں وہ ٹپ ٹپ کریں لہذا آپ نے بی بی بستر سمجھا کہ ان افلاک کا ترجمہ چھوڑی دیا ہے۔ جو اس دینے کا کوئی لفظ نہیں!

۱۴) م اتزل طینا جو متعدی ہے اور جس کے معنی تو ہم پاتا رہائے ہیں اس کو فعل لازم سمجھا اور ترجمہ کر ہم پاتا رہائے سمجھا۔ علم صرف کی معمولی بات کہ آپ نہیں جانتے اور یہ ہے ہوا قیاس علم خود بھی خیال نہ آیا کہ لفظ کما بمعنی مفضل پر ہے جو فعل متعدی کو چاہتا ہے +

(۵) لفظ قبیلہ کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا +
ناظرین میں سے قیاس کر سکتے ہیں کہ جو شخص عربی زبان سے اس قدر ناواقف بنا کہ استدلال کیا خاک مگر لگا؟

اب میں سید صاحب کی وہ استدلال کو بیان کرتا ہوں۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم سے کوئی مسجود و ساجد نہیں ہوا مگر ماشاء اللہ۔ بکری میں ثابت و ثوق کے ساتھ بخدا کے علم نزل یہ بات کہتا ہوں کہ ان آیات سے ہرگز نفی صدور و مخرجات لازم ہوا نہیں ہوتا۔ ایک معنی ہی بات ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔

اگر کوئی کہے کہ فلاں مجلس میں زید موجود نہیں تھا تو اس سے ہرگز یہ بات نہیں لگ سکتی کہ وہاں کوئی آدمی بھی موجود نہیں تھا۔ آیت زیر بحث میں اگر کفار کی استدعا پر وہ فرق ماوراء جنگی وہ خود مشرک تھے مگر وہاں میں کہتے ہیں وقوع میں نہیں آئے تو اس سے کہیں یہ بات نکلتی ہے کہ وہ کوئی خرق موت بھی وقوع میں نہیں آیا؟ واصل یہ آیت پاویلین نے نگاہ و بیگاہ اعتراض کی صحت میں پیش کی ہے اور اب بھی کیا کرتے ہیں۔ سو نید صاحب نے انہیں کی کاسہ پسی کی ہے مگر سہ

ترجمہ نرسی کعبہ اسے اعرابی - کایں مادہ کہ تو میری ربرستان است

ہاں یہ امر قابل بحث باقی رہا کہ کفار کی اس استدعا پر ان ہجرات کا کیوں وقوع نہ ہوا؟ ہم اچھے لکھتے ہیں کہ ہجرات دو قسم کے ہیں۔ اقتراب جو کسی مخالفت کی استدعا پر واقع ہوا کرتے ہیں اور غیر اقتراب جو کسی استدعا کے بطور مادۃ التذنی کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں۔ اقتراب ہجرات چونکہ مستلزم علم ہوا کرتے ہیں لہذا انہیں فرمائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم پر یہ بات ہوتی ہے کہ ہجرت کے دیکھنے پر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے چنانچہ ایک موقع پر فرماتا ہے وہاں چشم کہ انھاذا حیات لایومنون۔ یعنی تمہیں کیا معلوم ہے کہ یہ لوگ ہجرت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے؟ اور اگر ان کی استدعا پر ہجرت واقع ہو جائے تو چونکہ وہ لوگ بالفاتر واقع ہوئے ہوں لہذا یہاں انہیں جہاد علیہم لکن جہاد علیہم لایؤمن بعد انہما سے پہلے کر چکے تھے اس لئے اس حدیث میں سے ان پر عذاب کا نازل ہونا قطعی ہوگا تاہم طبع صالح علیہ السلام کی قوم نے عہد شکنی پر اپنے میں مذہب انہی کا مودہ بنا یا اور ایسی ہشمتی پر عذاب کا نازل ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے چنانچہ سورج علیہ السلام سے جب آسمانی دسترخوانوں کی استدعا کی گئی تو خدا نے کہا اے مسیح! ان لوگوں سے کہ وہ لوگ دسترخوان نازل ہوئے پر بھی تم ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب بھیج دوں گا جس کی تکذیبنا میں موجود نہیں اور دوسری جگہ فرمایا۔ و ما نزل بالایات الا تنزلنا یعنی میں تم کے معجزات

اقتراعیہ میں نوحیت ہلاکت کا عنصر ہو سکتا ہے کیونکہ ایمان نہ لانے پر نازل غلبہ لازم ہو جاتا ہے سو چونکہ
خداوند کریم اپنی رحمت واسعہ سے اس قسم کی ہلاکت کو پسند نہیں فرماتا اس لئے ایسے اقتراعیہ معجزات
عموماً کفار کی آیت ہمارے وجود پر نہیں ہوا کرتے۔ کوئی یہ قوت جاہل اگر مذکور بالا آیت سے ثابت
کرتا چاہے کہ معجزہ کا سدود مطلقاً انبیاء علیہم السلام سے نہیں ہوا تو یہ سراسر اس کی حیا ہے اور
آیات قرآنیہ میں تحریریت +

اور طاعت یہ ہے کہ خود نیک صاحب نے جو دوسری آیت (وَمَا مَنَعَنَا.....) لکھی ہے
اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وقوع معجزہ ایک امر معمول ہے جو بشریت انبیاء علیہم السلام
کے احقر پر جاری ہوا کرتا ہے مگر خدا فرماتا ہے کہ تم تو ان کفار کی استدعا پر صرف اس لئے معجزہ ظاہر
نہیں کرتے کہ یہ لوگ ہٹ دھرمی سے دیکھ کر بھی انکار کر دینے کے عادی ہیں اس لئے کوئی غیر
مستند اور معجزات اقتراعیہ پر ان منکرین کے لئے مترقب نہیں ہو گا۔ امام غزالی نے لکھی ہے اس
تقریر کو نہایت حمد کی کے ساتھ بلند کیا ہے جس کا ترجمہ صفحہ ۱۱ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آیہ
شہد ان دینی مل کنت الا بشعرا و مکیلا۔ وہ جواب ہے جو کفار منکرین کو جناب پیغمبر خدا صلعم کی طاعت
سے دیا گیا ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اسے منکر و اتقواری ملو ایسے معجزات کی استدعا سے
یہ ہے کہ تم ان امور کو لانا میری ذات سے طلب کرتے ہو یا یہ چاہتے ہو کہ میں خدا سے ان امور کی
طلب کروں تاکہ میرے سچا ہونے پر یہ امور خرق عادت و دلیل ہو سکیں پہلی صورت تو باطل ہے
کیونکہ میں ہر ایک بشر ہوں اور بشر کو ایسے امور اقتراعیہ میں کچھ عقل نہیں۔ اور دوسری صورت بھی باطل
ہے اس لئے کہ تم نے سب سے بڑے معجزہ (قرآن مجید) کی تلمذ کیب کر دی ہے پس ان معجزات
کی طلب گویا ایک مرغ فرزند سی کی طلب ہے جس کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہو تو ہمارے سوال یہ ہے کہ
اسے باطل ہے..... الخ

واضح ہو کہ خود اسی آیت سے یہ بات ظاہر ہے کہ جو کچھ کفار طلب کرتے تھے محض انزال علم
و نفاذ تھا۔ ان کا ارادہ ہرگز یہ نہ تھا کہ ان معجزات کے سدود پر وہ ایمان لے آئیں گے۔ کیونکہ ان

تو انہوں نے یہ کہا کہ تو توفی فی السماء یعنی آسمان پر چڑھ کر کھائے تو ہم ایمان لے آئیے
 یہ پھر قیامت کا اہلارہوں کیا کہ ان لوگوں میں تھیک جی تنزل علیہا کتابا لغفور یعنی اس پیر
 پر کھانے پر بھی ہم ایمان نہ لادیں گے جب تک ہم پر کوئی کتاب تو نہ آتا رہا لادو گئے۔ ظاہر ہے کہ
 نو چڑھ جانا آسمان پر کیا کچھ کم مجرم ہے پس جب ایسے مجرم پر بھی ان کا ایمان لائے گا ادا دے
 مگر تو صرف ظاہر ہے کہ ان کا ادا وہ کسی طرح پر بھی ایمان لائے گا نہ تھا۔ اور یہ اقتراحات وہ محض
 بلوغت میں دماغ کرتے تھے ۔

راج پورچھو تو سید صاحب کو ایک خط سا ہو گیا تھا جس میں آپ کی عمر صرف ہو گئی اور ہمیشہ
 ہم صافی قرآن مجید میں اپنی کم بختی سے یا جان بوجھ کر اختلاف حق کرتے ہے۔ دیکھو ایک سری
 مگر پھر علیہ السلام سے وقوع معجزات کی کسی مضبوط دلیل بطور نص میرج موجود ہے سید صاحب
 قریب آئیں اور اس کا جواب دیں یا کسی ہم مشرب بخیر کو رو یا ہی میں نہائش کریں کہ وہ میں تفریق
 کا جواب دے کر انہیں سرخرو کر دے۔

قال اللہ تعالیٰ وكتب الله بعدد سمواته وبعدها عدد ما رعد كعالم لم يؤمنوا به اول مرة
 اس آیت میں اول مرة (پہلی دفعہ) سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام سے کفار کی
 میں ابتدا سے پہلے انہوں نے معجزات دیکھے اور ایمان نہ لائے۔ اب بتائیے سید صاحب اس
 پسند سے کیونکر جھوٹ کہیں گے ؟

سید صاحب کا مذکورہ بالا آیت سے نفی معجزات پر استدلال کرنا اس امت میں ہوتا جبکہ علمائے
 اسلام نے مشہور رسالت میں شرط کاہم کی ہوئی کہ شکر کی ابتدا پر معجزہ کا دکھانا بھی ضروری ہوتا

مگر انہوں نے کہ سید صاحب دیکھائے سادہ کا بھی خدا کرتے ہیں۔ ہاں ۔
 ہاں ہم ان کے دخل اور گاہوں کو پٹ دینگے (اور وہ ایمان نہیں لائے) جس طرح کہ وہ قبل انہیں پہلی دفعہ
 لکھ کر ایمان نہیں لائے ۔

ہے مگر ایسا کسی نے نہیں کہا۔ بلکہ سب کو مفہوم رسالت سے متعلق رکھا ہے اور اسی لئے دو دلیل ہے
 کیونکہ ہر آیت دلیل کو اپنے مطلق کا غیر نہ مضمون ہی ہے۔ اگر مضمون رسالت کا بندہ ہوتا تو اثبات مثنیٰ
 نفس لازم آتا اور یہ باطل ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ سید صاحب علم اصول سے ناواقف تھے
 ان کے ان اعلان پر پ کی چند باتیں مبیہ بھی گئی ہیں انہیں یہ آیات قرآنیہ کو پرکھنا ضروری ہے کہ وہ
 نتیجہ یہ ہوا کہ جاسیہ صحت کو پرکھتے ہیں۔

بخیال سید صاحب قاضی ابن رشد اندلسی مجوزہ کو دلیل نبوت قرار نہیں دیتے۔ اور صرف قرآن
 ہی کو مثبت نبوت قرار دیتے ہیں کہ یہ مقدمہ یہ کہتے ہیں کہ اگر مجوزہ مثبت نبوت ہو تو چونکہ نبوت کا
 ثبوت مجوزہ پر منحصر ہے اور مجوزہ صحت کا حاکم ہے۔ پہلے نبوت کو تسلیم کریں تو گویا توقع مثنیٰ علی انفس
 لازم آئے اور صحت سے کہ اگر ان کے خیال کے مطابق ان سے یوں کہا جائے کہ قرآن تو بذریعہ نقل
 تو اگر ہم تکسب چاہا ہے اور اس کا دلیل ہونا موقوف ہے ثبوت نبوت کا اگر ثبوت نبوت قرآن پر موقوف
 ہوگا تو تو تکسب مثنیٰ علی انفس (ایک جہز کو اپنی ہی ذلت پر موقوف ہونا جو باطل ہے) لازم آئے گا تو
 گویا سید صاحب کو بخیال قاضی صاحب جس بات سے بھاگے تھے اس سے زیادہ ایک کڑی
 بات کا سامنا کرنا پڑا۔ فرشتہ اللہ تعالیٰ العزیز ایدہ۔ مگر ہم تو کہتے ہیں کہ یہ فقرہ کہ مجوزہ
 دلیل نبوت ہے اور ثبوت دلیل مجوزہ اس لئے توقع مثنیٰ علی انفس یا دور لازم آئے گا باطل باطل ہے
 کیونکہ یہ قیامت اس وقت لازم آتی جبکہ ہم نبوت کو دلیل مجوزہ تسلیم کرتے بلکہ ہم تو مثبت مجوزہ کو دلیل
 نبوت گردانتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ چونکہ عرق عادت کا ظہور دوسری نبوت کے ساتھ نہیں ہوتا
 آیا ہے اس لئے مثنیٰ علی اس دوسری کا بنی ہے گویا مجوزہ دوسری نبوت کی تصدیق کرتا ہے مگر یہ نہیں
 لئے کہ چونکہ یہ شخص نبی ہے اس لئے اس سے مجوزہ صادر ہوا ہے۔ کیونکہ مجوزہ امر عرق عادت کا نام

لئے مثنیٰ ایک مجوزہ خود اپنی ذات کو اپ ثابت کرتی ہے۔

لئے بارش سے بھاگا اور تار کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ ۱۲۰

ہے اور فرق عادت بالاتفاق جمیع علماء اسلام اولیاء اللہ سے بھی مساوی ہوتا ہے پس ایک چیز کا
ثبوت اپنی ذات پر ہر وقت ہونا یعنی توقف الیشی علیٰ الذم نہیں آتا سید صاحب کے استدلال
میں یہ غلطی ہے کہ وہ اپنے ذمہ میں رکھے بیٹھے ہیں کہ خیال علماء اسلام اور فرق عادت میں
بہتری ہے و تفرع میں ناسا ہے اس لئے ثبوت دلیل معیوضہ عالمہ مجزہ ثبوت اور حلیت کے لئے
قائم نہیں۔ اور یہ اعتراض کہ اگر فرق عادت انبیاء مطہرین اسلام اور اولیاء اللہ ہر دو سے وقوع
پیدا ہو سکتا ہے تو پھر نبی اور ولی میں فرق کیا ہو گا کیونکہ پھر تو نبی کو بھی نبی کہہ سکتے ہیں؛ پس اس
کا جواب کافی و مثالی انشاء اللہ اسی دیا جائیگا۔ یہ ہر صورت مذکورہ بالا آیات سے تیسرے صاحب
کی اصلی استدلال کا بغضہ تعالیٰ پھر سے طور پر تادو پو و کھول کر دکھایا گیا ہے۔ مگر انصاف فرمائیے۔
فرق عادات انبیاء و اولیاء | میں نے گذشتہ صفحات میں مجزہ کی حقیقت پر معطل بحث کی ہے
میں کیا فرق ہے؟ اور اس کے اسکاں کو مکمل فقید اور قلب و عقل سے پایہ
ثبوت تک پہنچا دیا ہے اور بے یقین کامل ہے کہ جس شخص کو خدا

نے حق پرستی کی نود لگا دی ہے وہ کبھی و تفرع فرق عادت سے انکار نہیں کر سکتا۔ حقیقت کی صورت
کو بلا استیعاب پڑھنے سے صحیح رائے حاصل کی جاتی ہے۔ تا مگر منوں کو چرسا کسی صحیح رائے
کا سید نہیں ہو سکتا۔

حاجہ ہو کہ جو فرق عادت انبیاء مطہرین اسلام کے ہر طور جاری ہوا کرتے ہیں ان کو مجزہ اور
جو فرق عادت اولیاء کرام کے ہاتھوں پر جاری ہوں انہیں کرامت کے لحاظ سے تعبیر کر دیا کرتے
ہیں۔ یہ دو اصطلاحیں زمانہ ثبوت کے بعد کی ہیں کیونکہ زمانہ ثبوت میں یہ اصطلاح صرف نظائرت
کیا کہ وہ حقیقی میں نہیں ملے جھٹک رہی ہے۔ بعض نا اہلوں نے انھیں فرق عادت میں بھی ایک
تمیز دل پیش کی ہے کہ عہد مجزہ و کرامت کا استقلال زمانہ ثبوت میں نہیں تھا اس لئے فرق عادت
کوئی شے نہیں مگر ایک عہد و زمانہ نبوی یا ماسا ہے کہ دنیا میں کوئی ظہر یا ضابطہ کتب میں معنی
کتاب ہے تو اہل خیالات اور سہولت بیان کے لئے اصطلاحات وضع کئے جاتے ہیں مگر اس مرتبہ

دین میں انما کہ قبل از وضع اصطلاح ان امور کی حقیقت ہی معلوم تھی۔ علوم شرعیہ کو چھوڑ کر عام علوم کا یہی حال ہے کہ با متناہد تدوین کے وقت اصطلاحات وضع کئے جاتے ہیں، اسی طرح منطق معجزہ و کرامت بھی علم کلام کی تدوین پر بغرض امتیاز وضع کئے گئے۔ عربی علم اصول کے جانتے والے اس مشہور جملہ کو جانتے ہیں بلا مناقشتہ فی کلام اصطلاح ۴

انبیاء اور اولیائے کرام کے خرق عادات میں بعض متعین کئی طرح فرق ظاہر کیا ہے مگر ان سب میں معتد علیہ باب الامتیاز زمین ہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خرق عادات کے ساتھ تھوڑی سی بے برکت اولیائے کرام کے کس میں تھوڑی نہیں ہوتی۔ اس کو واضح الفاظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اگر خرق عادات کسی شخص کے ہا تھوڑی سی دعویٰ نبوت جاری ہوں اور دعویٰ نبوت اس خرق عادات کو اپنے خصم کے سامنے یوں ابلہ حجت پیش کرے کہ وہ اپنی خصم کسی نہایتیں ہرگز اس خرق عادات کا متاقد نہیں کر سیکے گا بلکہ وہ یقیناً عاجز رہے گا تو ایسا امر خرق عادات معجزہ کہلا سیکے گا اور اس طرح پیش کرنے کا نام تھوڑی سی ہے۔ کرامت اولیاء میں تھوڑی نہیں ہوتی۔ بلکہ کرامت محض اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے صاحب کرامت کے صحراب الی اللہ ہونے کی دلیل ہے اور ابلہ البہار اس عزت کے جو بارگاہ رب العزت میں ایسے شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے لوگوں کی نظروں میں عاۃ اللہ کے مطابق جاری ہوتا ہے اور اس وقوع خرق عادات کی علت یہی ہے جو پہلے ہم نے معجزہ کے لئے ثابت کر دی ہے بعض لوگوں نے کرامت اولیاء کا انھد کیا ہے اور معجزہ کا اثر اس کا دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ باب الامتیاز ہر دو میں کوئی نظر نہیں آتا اور اگر خرق عادات کو نیز انبیاء یعنی اولیاء کے لئے بھی تسلیم کیا جائے تو معجزہ دلیل نبوت نہیں رہے گا مگر انہوں نے تھوڑی سی باب الامتیاز کو باطل ٹھہرانا کر دیا ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جو ولی کامل ہو اور اخلاص و توحید و صدق و صفا و دیگر تمام مراتب کمال انسانی کو لئے کر چکا ہو بصورت نبی نہ ہونے کے دعویٰ نبوت کر کے خرق عادات کا مالک بھی تسلیم کیا جائے۔ آج تک کسی دلی کامل صاحب کرامت نے دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ اور اگر کوئی جھوٹا دعویٰ صاحب کرامت ہے تو اسے خرق عادات نصیب نہیں ہوا بلکہ کو چاہئے کہ کوئی ایسی تفسیر

پیش کرے کہ کوئی ولی کامل صاحب خرق عادت بھی ہوا ہو اور وہ دعویٰ نبوت بھی نہ ہو۔ میں
دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسا ہونا محالاتِ عقلیہ میں سے ہے۔ خدا کے مقررہ قوانین میں ہرگز تغیر
نہیں ہو سکتا اور اس باب میں قانونِ الہی یہی ہے کہ کاذب کے ہاتھ پر سچی کوئی نذر قیامت عطا
ہوتا۔ عادتِ کامل یعنی علی جویری قدس سرہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اس مسئلہ پر ایک
لطیف بحث کی ہے۔ جس کی تشریح سنیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ معجزہ کے لئے شرط ہے کہ
وہ دعویٰ نبوت کے ساتھ صادر ہو اور کرامت کے لئے یہ شرط نہیں۔ ولی ولی ہوتا ہے اور
نبی نبی۔ اور صرف خرق عادت ہی ہر دو میں وجہ امتیاز نہیں بلکہ دیگر ہیبت سے امور کے
موسے ہر دو میں نمایاں فرق ہوتا ہے کیونکہ یہ سلم ہے کہ خرق عادت نبی کے لئے اس امر کی
علت نہیں ہو سکتا کہ وہ نبی کسی دوسرے نبی سے زیادہ صاحب فضیلت سمجھا جائے بلکہ حق فضیلت
جامعیت شریعت اور حق طبع قرب پر موقوف ہے۔ معجزات کی کمیت و کیفیت کو ملحوظ نہیں
رکھا جاتا کیونکہ کسی ایک انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ان کے خرق عادات بعض دیگر انبیاء سے
بہت کم تھے مگر مراتبِ قرب میں انہیں پہلے فضیلت تھی۔ اسی طرح ولی کے خرق عادات سے
وہ ولی نبی کے ساتھ کسی برابر نہیں ہو سکتا اور ولی کا دعویٰ نبوت ہونا محال ہے کیونکہ ولایت کے
لئے سبقِ مثال شرط ہے اور کاذب لی نہیں ہو سکتا اور اگر ولی دعویٰ نبوت ہوگا تو اس کا دعویٰ
مونا نبوت کی تکذیب سمجھا جائیگا اور یہ صریح کفر ہے اور تکذیب نبوت کی وجہ یہ ہے کہ ولی کی
کرامت نبی کی حجت کے لئے مؤید ہوا کرتی ہے کیونکہ نبی جس طرح معجزات اثبات نبوت کرتا ہے
اسی طرح ولی کرامت سے یہاں ولایت کی تصدیق کرتا ہے۔ نبوت نبی کا بھی اثبات کرتا ہے۔
گویا ولی صادق اپنی کرامت سے اس بات کی تائید کرتا ہے جیسا کہ تائید نبی نے اپنے معجزہ
سے کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ متحققین نے کرامت ولی کو عین معجزہ نبی قرار دیا ہے۔ کیونکہ کرامت
ولی کے تجرہ پر ایک ایماندار کو نبی کی صداقت کی دلیل ہا تھا جاتی ہے اور اس کے لئے وجہ
تائید ایمان ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جس طرح علو شریعت کے مابین ظاہر و باطن شریعت

کے جاننے سے انبیاء نہیں ہو سکتے اسی طرح کوئی ولی کامل صاحب کرامت ہونے سے نبی نہیں ہو سکتا
گویا انبیاء عظیم سلام کی ولایت ظاہری و باطنی کے اعلان انبیا کی تصدیق نبوت کہتے ہیں اور ان
بزرگوں کی پیش کردہ حجت میں نبی کی حجت بھی جاتی ہے۔

اس تقریر کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ جو وہ کے بے شرط ہے کہ نبی اس کو تکریر کے سامنے
بطور حجت پیش کرے۔ اور کرامت کے بے شرط ہے کہ ولی حق الوح اس کو معنی کے کیر کہ
معجزہ کا نتیجہ معجزہ دیکھنے والوں کے حق میں مفید پڑتا ہے۔ اور کرامت چونکہ حجت علی الغیر نہیں ہوتی
اس لئے اس کا فائدہ عموماً اس کی ذات تک محدود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اولیاء اللہ اپنے
اختلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ عوام الناس کا فائدہ ہے کہ اس قسم کے خرق عادات کی طرف اصل غرض کو
چھوڑ کر زیادہ متوجہ ہو جائے ہیں۔ اور حقیقت ولایت کو نہیں سمجھتے۔ علاوہ انہیں نبی کو قبل از وقوع
معجزہ وقوع کی نسبت پتہ دیا جاتا ہے۔ اور ولی کے لئے مقررہ نہیں ہوتی تاہم احکام نبی ہوتا
ہے اور اپنی طرف سے کوئی کسی قسم کا تصرف شرعی نہیں کر سکتا۔ برعکاس نبی کے کہ حسب تعلیم و
شرائع و دیانات کے احکام میں تبدیلی و تنسیخ اور ہر ایک قسم کا تصرف کرتا ہے۔ ولایت کا وہ ہر
حالت میں نبوت سے کہ ہے۔ اور اس لئے مدارج فضیلت میں بھی ہر دو متفاوت ہوتے ہیں مثلاً
موصوفہ تعلیم نبی کی تجدید و تبلیغ کا فرض اور کرتا ہے۔ نبی اللہ ولی کی مثال جینیہ ایسی ہے۔ جیسے کہ ایک
بادشاہ کے درویش ایک قوم نصیب ملی پر کام کرنا ہو اور دوسرا پہلے کی زیر نگرانی ولی کامل پر وہ
کمال شیخ شریعت نبی ہوتا ہے۔ مگر اس کے مقدمات مخالف کتاب و سنت ہوں تو مردود ہے
اور جھوٹا۔ کرامت محض اللہ کی مہربانی کا نام ہے۔ جس میں امتساب کو کسی قسم کا دخل نہیں اس لئے
بعض ظاہرین لوگوں کا یہ عقربہ من باطل ہو ہے۔ کہ خدا کسی کے لئے اپنے قانون کو نہیں بدلتا۔
کیونکہ ہم بھی یہی ماننے ہیں کہ خدا کسی کے لئے اپنے قانون کو نہیں بدلتا۔ مگر گفتگو یہ ہے کہ ہر فرد حق
ہی ہے کہ خرق عادات بھی قانون ایسی ہے جو صرف انبیاء و اولیاء سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ
کبھی نہیں بدلتا۔ بلکہ اگر اس کے اسباب کیا ہیں سرچھ تک مدھی اس امر کو پانے ثروت کے چھپنے

واجب ذاتی ظہور المعجزات و توارق العادات حتی لا شکرتی استعاضا بیتی یہ تو باری تعالیٰ ہے۔ مگر
 یا نہیں ہم ظاہر پر ایمان لانا واجب جانتے ہیں کیونکہ معجزات و توارق عادات ہر کافر و کافریہ میں
 میں کسی قسم کی شکست نہیں آجہد میں سے کسی ایک کو بھی نہیں کہتے۔

تاریخ جھگڑے ہوئے کہ شیخ اکبر کبیر گونستہ میں کہ ظاہر آیات سے انکار کیا جائے یہ صریح آپ کی
 جہت ہے اور یہی تائید میں بعض کوا قلوب کو پناہ خیال دلانا +

دنیا میں کئی ایسے امور ہیں جن کی حلیت بظاہر ایک
 ہی معلوم ہوتی ہے مگر انداختن حق وہ باطل شکستہ جیت
 نایب ہوتے ہیں بعض کو تاہم نفلوں نے انبیاء اور

علم سرزم اور شعبہ بانسی وغیرہ امور
 کا بظاہر خرق عادت سے مشابہ ہونا

اولیائے خرق عادت کو بھی ایک قسم کی صوبہ بانسی یا ذہن بند ہی سمجھا ہے مگر جنہوں نے ذہن
 بہت بڑا نکال کر کیا ہے انہوں نے یہیں بکدیلتے کہ نفس انسانی میں ایک قسم کی طاقت ہوتی ہے کہ
 وحاشا پر ایسا اثر پیدا کرے۔ یہی خیال فلاسفہ قدیم کا صبارہ مجرور تھا۔ اور یہی اہل سرزم کے لئے
 قائل تسلیم کرتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اس میں۔ انبیاء اولیائے خرق عادت ان میں سے کسی ایک صمدت
 میں بھی داخل نہیں بلکہ یہ محض ہدایت الہی ہے جو بذریعہ اسباب حکیمہ انبیاء اور اولیاء پر ظاہر کی جا
 ہے یہی اعتقاد حق ہے۔ اور اس کے برعکس لفظ و املا +

اس قسم کے امور جو محض و صوبہ بانسی اور علم تشریف نفس پر مبنی ہوتے ہیں اور وہ امور جو جہت و کمال
 کی طاقت سے بطور حجت دئے جاتے ہیں گو باہم مشابہ ہوں مگر ان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایسے
 اعلیٰ والے لوگ بقا بدینی وہ کی گئی اپنا عمل جابری نہیں کر سکتے کیا سحران و فرعون کا قہر قرآن مجید
 میں نکو نہیں کہ باقرانوں سے کہہ کر اپنے مجرور کا قہر کیا۔ ایسے لوگ اہل اعتقاد میں باطل و پاک
 ہوتے ہیں مگر ان کی یا ولی لکھوں اور کھڑوں کو سرچشمہ ہدایت سے سیلاب کر سکتا ہے اور اس کے
 قوا و نفس میں ایک غیر معمولی سادقت کی چمک نظر آتی ہے۔ مگر باطل یا سحر یا سرزم و انہی باتوں
 میں سے کسی ایک بات کی بھی قدرت نہیں لکھتا۔ ایسے لوگوں کو تعلیم تھوڑی کسی قسم کا سکھ نہیں لکھتا

اور وہ اپنے اصل ایک قسم کی شق کے مادی حوت میں بعد ازل کچھ ایل الید ہی کرتے ہیں اور دوسرے شخص اس پر اپنی توجہ کا اثر ڈال کر ان سے کچھ مستند کرتے ہیں مگر یہ سب باتیں مثالی نبوت و وحییت ہوتی ہیں جنہیں حقیقت سے کچھ سروکار نہیں۔ تاہم یہ زمان و تائید شیطان میں کچھ فرق کرنا چاہیے۔

الغرض اویسی بہت سے وجہ امتیاز میں جو ہر دو کی حیثیت پر فخر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں کہ ان کے نبوت و ولایت کا منہج ذات باری ہے اور ازل سحر نرم اور محروم و غیرہ کا منشا شیطان غیبت کے ذریعہ اثر و رسوخ کا نتیجہ ہے پہلا معنی برہمیت اور دوسرا معنی برہمت پانی بظاہر ایک ہی شکل رکھتا ہے مگر بس کھل کا پانی تلخ ہوتا ہے۔ اور بعض کشمیری۔ لیکن قوتہ ذالہ تفریق کر سکتی ہے۔ اور اس شخص کی قوتہ ذالہ میں فرق آگیا ہو وہ شیریں کو بھی تلخ کہنے لگیگا۔

و کرم من عائب قولا صحیحا
وافقه من الغنم السقیم

معراج نبوی

مجدد صائد اہل اسلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج ہے جس کی تصدیق یہ کتاب اللہ خالق ہے اسی بنا پر ہمیں اہل اسلام بالاتفاق واقعہ معراج کے قائل ہیں۔ البتہ کہ بعض معراج میں غلام کا ہٹکوت ہے بعض کا خیال ہے کہ شرف معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حوت فصیح پر فصح کو حاصل ہوا۔ ہم ظہر کو اس واقعہ سے کچھ تعلق نہ سمجھا۔ اور یہ ویل یہ دیتے ہیں کہ فیہ وما جعلنا اللہ ویا الہی لویسک لا منتہ للناس میں فقط دنیا سے معراج نبوی کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے یعنی ہم نے جو خواب (دنیا) تجھے دکھایا اس سے صرف لوگوں کی آزمائش مقصود تھی کیونکہ آپ کے واقعہ معراج کے بیان پر قریش نے انکار کر دیا اور کثر مقلد و غیبی ایمان لوگ بھی ان کے منہ خیال ہوئے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ ایمان لوگوں نے آپ کے بیان

کی تصدیق کی کہیں میں اس لئے لعل کو جو وہ ذلیل تو ہو گیا ہے۔ اقل تو اس لئے کہ لعل مستندہ ہمارے
 اس وقت صحت کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے جبکہ آپ کے بیان میں قریش نے کوئی امر بظاہر
 حال خیال کیا ہو اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ آپ کے الفاظ سے قریش نے اس حید
 مغربی کے ساتھ آسمان پر جانا سمجھا ہو کیونکہ خوب کی حالت میں آسمان پر جانا اور مجاہدات کا معاملہ
 کرنا بظاہر کوئی غلط فہم بات نہیں اس لئے لفظ رویت سے مراد رویت ہے جو بیداری کی حالت
 میں ہونہ کو خوب کی حالت میں۔ وہ وہ کہہ رہا ہے صحیح ہے کہ پہلی دفعہ آپ کی صراحت
 بحالت رویت تھی اور دوسری دفعہ بحالت بیداری رویت کی صورت میں اور اس معنی اور رویت
 میں حکمت خداوندی صاف ہے کہ پہلی دفعہ رویت کا فعل ہونا حضرت علیہ السلام کے لئے موجب
 صحت تھا۔ اس لئے پہلے رویت کے قدر آپ کو مجاہدات کے معاملہ سے ماورس کرنا مقصود
 تھا تاکہ رویت کی حالت آپ پر شاق نہ لگے۔ گویا اشارہ رویت بیداری کے لئے ایک قسم کی تہیہ
 حق اور یہ حالت بالکل نزول وحی کی حالت سے مشابہ ہے کیونکہ بتلئے نبوت میں وہی نزول
 بصورت رویت ہوا کرتا تھا اور بتبعیہ تک رویت کے کھٹکھٹا جھکا مہرے تک تو بہت پہنچ گئی
 تھی انا سلفی ملیت تو کلا شیلہ میں اسی صورت نزول وحی کی مدت اشارہ کیا گیا ہے
 جس کی نسبت حضرت ام المومنین سے مروی ہے کہ سخت دوسری کے دلفن میں نزول وحی کے
 وقت حضور علیہ السلام کے بدن مبارک پر پسینہ بہنے لگا تھا اور آپ کو سخت تعینت محسوس ہوتی
 تھی ماہرین وہو ہے کہ ابتدائے وحی میں آیات قرآنی نہایت مختصر اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کی شکل
 میں نازل ہو کر تھیں و قرآن مجید کے آخری حصوں پر کسی گئی ہیں۔ اس لئے آیت مذکورہ بالا
 کو صحیح تفسیر میں کہی کہ لفظ رویت کو حضرت مسات لیا علیہ السلام نے معنی "تصدیق لفظی یا تحقیق لفظی"
 پر مبنی ہونے کہ ہم نے پہلی دفعہ رویت تھی دکھایا تھا اس کو آئینہ رویت بیداری کی صورت
 میں لکھ کر لکھ کر امتحان کیا گیا تاکہ جو تک تصدیق کریں وہ ثابت قدم ہیں اور جو لکھ کر یں ان کو نہیں
 سمجھیں کہ آپ مذکورہ چاروں لفظوں سے مراد وہ رویت ہے جو صلح حدیب سے پہلے آپ کو دکھایا

کی تعبیر کا ذکر سورہ فتح میں مفصل آچکا ہے اور خبر کا اصل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رؤیا میں
 دکھایا گیا تھا کہ آپ باوجود مسلمانان کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے میں کیونکر ناکام رہیں گے۔
 وہی قطعی ہوتا ہے اس لئے آپ نے جماعت صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا سفر کیا اور مکہ سے باہر
 مقام مدینہ پر نزول فرمایا۔ قریش بیت اللہ میں داخل ہونے سے مانع ہوئے تاہم پیغام ہونے
 کے بعد معاہدہ صلح مکہ کیا جس کو بعض صحابہ نے مسلمانوں کے حق میں بہتر اور مفید سمجھا۔ پھر
 سورہ فتح نازل ہوئی جس سے ان لوگوں کو ایمان حاصل ہوا جن کے دلوں میں کچھ سادہ و سادہ
 ہو چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد کی تصدیق کیوں نہیں ہوئی کیونکہ اس صورت میں
 میرے اور پروردگار کا کیا تعلق؟ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قہار ہے۔
 اپنے رسول کو سچا خوب دکھایا کہ تم لوگ جدوجہد میں باہر و دامن داخل ہو گے چنانچہ فتح مکہ پر
 اس مدد کی پوری تصدیق ہو گئی۔ بات صرف یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا کے
 پر اپنے اجتہاد سے فی اللہ سفر بیت اللہ کی کیا سی کا حکم دیدیا۔ مگر اودھائی میں اس کا پورا اظہار
 اگلے وقت پر موقوف تھا۔

چونکہ اس دنیا پر بھی لوگوں کے دلوں میں فتنہ قہم کے وساوس پیدا ہونے لگے تھے اس لئے
 لوگوں کے حق میں یہ لکھتے کہ فتنہ یا مستحکم تھا چنانچہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مذکورہ
 بلا معراج نبوی کے متعلق نہیں بلکہ واقعہ مدینہ کے متعلق ہے اس لئے روحانی معراج کے
 تائید کا استدلال اس آیت سے صحیح نہیں +

روحانی معراج کے تائید ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ حدیث
 بھی پیش کیا کرتے ہیں ما فقدت جسدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی شب معراج کو
جسم اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے مفقود نہیں پایا۔ سو یہ استدلال باطل ہے کیونکہ معراج
 نبوی کے مفقود ہونے سے پہلے سال بعد واقع ہوئی۔ اور اس وقت تک ابھی حضرت ام المؤمنین
 کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی +

نیز ان کا تائین کہ استدلال حدیث میں لے کے لفظ نام سے بھی قابل غور ہے کیونکہ واقعہ معراج کے
 بیان میں ان کا تائین فی الجہر مروی ہے یعنی میں مقام برکن حلیم میں ہوا تھا جبرئیل علیہ السلام آئے اس کا
 جواب ہے کہ اول تو بعض روایات میں ان کا تائین فی الجہر کا مفہوم مروی ہے اس صورت میں معراج ان کا
 محل استدلال بھی نہیں اور بصورت روایت نام یہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپ خواب میں تھے اور جبرئیل کے
 آئے پر آپ بیدار ہو چکے تھے چنانچہ الفاظ جہا میں جبرئیل قدموں کی بے قبہ فقعت قلوا ان شیا
 تعددت الخ جی کا مفہوم بالکل صاف ہے جس سے جبرئیل علیہ السلام کے دہانے پر آپ کا
 بیدار ہونا ثابت ہوتا ہے ورنہ آپ کا یہ فرمانا کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور جب کسی کو نہ پایا تو پھر ہو گیا
 بالکل بے محل ہو گا۔ اسی طرح حدیث کے آخری الفاظ تائین تائین وانا بالسجد الحمد مر سے
 بھی یہ لوگ استدلال کیا کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ میں واقعہ معراج کے ہو چکنے کے بعد جب بیدار
 ہوا۔ تو میں نے اپنے تئیں مسجد حرام میں پایا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ کو شاہدہ عجاibat میں
 مستغرق کامل ہو گیا۔ تو یہ حالت ایک سوئے والے کی حالت سے مشابہ تھی جو عالم ادوی سے
 بالکل مشغول ہو جاتی ہے اس لئے پھر اپنی حالت۔ جبرئیل کو اپنے استیقامت کے تحت تعبیر کیا۔
 عمر سلف صاحبین کا ایک پڑگروہ اور دیگر عامل ابلیہ نام اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی
 معراج جسمانی تھی جو حالت بیداری واقع ہوئی۔ واللہ اسی کو مذہب صحیح قرار دیا گیا ہے کیونکہ حضرات
 صحابہ اور تابعین کے بڑے بڑے اکابر اور محدثین کثر فقہاء اور محدثین اہل فہم سب کا یہی مذہب ہے
 مذکورہ بالا ہر وہ مذہب کے علاوہ ایک ہمت اہل اسلام کی یہ رائے ہے کہ معراج نبی الخلیفہ
 تک جسمانی اور بیداری کی حالت میں واقع ہوئی اور بیت المقدس سے تسلیت تک روحانی تھی چنانچہ
 قرآن مجید کے الفاظ من السجد الحمد مر ابی السجد کا تائین سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر
 اس سے آگے آپ کی سیر جمالی ہوتی تو اس کا حذر و الفاظ قرآنیہ میں مل کر ہوتا۔ واضح ہو کہ احادیث
 میں وقر معراج کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے جن سے معراج کے روح مع السجد واقع ہونے
 پر صحیح استدلال پیش کیا جاتا ہے مثلاً حضرت ابو بکر سے مروی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے گذشتہ اوقات شب معراج (۱) آپ کو آپ کے مکان میں
 دیکھا کہ میں آپ کو نہیں پاسکا آپ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام آنے سے اور مجھے سو کر کے
 مسجد اقصیٰ کی طرف چلے گئے ۔

و انفقہ معہ کے متعلق باہر پرست لوگ ہوا طور نبوت کی حقیقت سے بے خبر ہیں اگر اصول
 سائنس کے رُوس سے بیدار عقل خیال کریں تو یہ نہیں ۔ مگر ہم اہل اسلام بالخصوص اور اہل
 اہل مذہب بالخصوص خرافات کے قائل ہیں اور ایسے واقعات کو بخود قائل نبوت خیال کرتے ہیں
 تہا سے خیال میں مسیح علیہ السلام کا جبرئیل مسمیٰ آسمان پر جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ
 معراج کے لئے ایک قسم کی تہیہ خیال کرتا چاہیئے ۔ ہر مسکین کا بخود سیر کوئی نئی بات نہیں بیشک
 ہم اسے ہیں کہ جو امور ببلوغت خرافات واقع ہوتے ہیں ممکن ہے کہ ان کے لئے کوئی اسباب
 ضعیف ہوں ۔ مگر عوام الناس پر ایسے اسباب کے معنی رہنے سے ہی وہ واقعات سمجھ سکتے
 ہیں اور اگر ان کے اسباب ایسے عام ہوں کہ انسانی احوال تجربہ و مشاہدہ پر ان کی مناسب تشریح
 ہو سکتی ہو تو پھر نہیں خرق عادات کہنے کی کوئی وجہ نہیں ۔



باب ششم

ایمان بالملائکہ و اثبات نوع جن

مسائل میں اختلاف کا استدلال | اگر ہم منہ بنی اپنی رائے کے پابند ہوں تو یوں سمجھوں کہ مذہب کوئی شے نہیں چونکہ فطری اختلاف طبع کی وجہ سے تمام افراد انسانی بہت سی رائے ہونا محال ہے اس لئے سب کے لئے عقلی تسلیم و حجت قرار دی گئی ہے تاکہ وہ تمام خواہشیں ایک جہت میں جو اپنی اپنی رائے کی پابندی سے لازم آتی ہیں اور چونکہ شریعت اللہ کسی انسانی عقل کا نتیجہ نہیں بلکہ فروعہائے قاطعہ السموات والارض کی طرف سے بطور اتمام حجت نازل کی گئی ہے اس لئے کسی مسلمان کو یہ مجال نہیں کہ اس کے تسلیم کرنے سے انحراف کر سکے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہ اعتراض لازم آتا کہ کسی خاص انسان کی رائے کو کیوں حجت قرار دیا جاتا ہے اور بصورت بنی اللہ کی صداقت تسلیم کر لینے کے یہ اعتراض مائل نہیں ہوتا کیونکہ بنی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ دعایہ یقول عن الہوئی ان ھو کلا وحی الوحی پر حال ہوتا ہے اور یہ پایہ کسی حد سے شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر منہ کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ السلام والکلام بحکم اللہ کی تفسیر ہے ہر ایک مسلمان کا ایمان ہے اور جو بات کتاب اللہ اور سنت سے متعلق ہے وہ کسی کے لئے حجت نہیں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو بات کتاب اللہ اور سنت سے ثابت ہے اس کو دیکھنا پروردگار سے یہ ممکن ہے کہ کوئی محدث کتاب اللہ کی کسی آیت کی ایسی

تفسیر کرے جو مخالفت کتاب و سنت ہو اور یا اس پر عمل کرے جو اسے حق کی وجہ سے ہی کہتا
 ہوئے کسی تفسیر صحیح ہے چنانچہ طے نہاتر میں اس کی کئی ایک شاخیں موجود ہیں مگر یہ وہ
 جو یہ علمائے اسلام کے سامنے پیش کیا جائیگا جو اصول و فروع کو کما حقہ جانتے ہیں تو نہایت
 آسانی کے ساتھ فیصلہ دے جائے گا کیونکہ جو یہی صحیح علمائے امت موجود کبھی اختلاف
 میں نہیں رہیں گے یہی وجہ ہے کہ اہل حق کا فرقہ ہمیشہ اہل ہوا کے مخالفت رہتا ہے جس پر وعدہ
 طرح طرح کے بہتان اور سبوتاژ قائم کیے جاتے ہیں +

امور عقلیہ میں نسبتاً | جن امور کو ہم بذریعہ حواس عموماً کہہ سکتے ہیں ان میں اختلاف نہایت
 اختلاف نادر و قلیل ہے | کم ہوتا ہے بلکہ حقیقتاً اختلاف انہیں ہوتا مگر وہ امور جو حواس کے دائرہ
 سے باہر ہیں ان میں اختلاف بکثرت موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے

کہ نظر ناقوۃ عاقلہ کا تمام افراد انسانی میں ایک سیار نہیں اس لئے ایسے امور کے متعلق ہمیں
 دیکھنا ہو گا کہ آیا امر متنازع فیہ منجملہ اصول اسلام یا مستقلات دین کے ہے یا ان سے خارج صورت
 عقل میں پھر کتاب و سنت کسی شخص یا اشخاص کا قول مروج نہیں ہو گا کہ تمام دنیا کے عقلمن اس کو
 اس کی صحت کو تسلیم کریں اور میرے خیال میں ایسا کئی امر نہیں جس کو روئے زمین کے عقلمن تسلیم
 کہتے ہوں۔ اور کتاب اللہ اور سنت اس کے مخالف نہیں۔ اور بدعت ثانی یعنی جہاد اور
 اصول اسلام و مستقلات سے کسی طرح تعلق نہیں رکھتا تو اس کے مان لینے یا انکار کر دینے سے کوئی
 مرجع نہیں جیسے علم نبوت اور طبیعات کے بعض مسائل مگر موجود زمانہ میں اکثر مسلمانوں نے
 اس مسئلہ عظیم کی پیروی چھوڑ دی یہی وجہ ہے کہ جس قدر ان کی تعداد ہے قریباً اسی قدر
 مخالفت فرمے قائم ہوتے ہیں مگر اہل حق وہی ہیں جن کی علامت خود جناب مبراہ و کائنات
 نے ہالفاً کما انا علیہ واسعانی بتلوا جی یعنی وہ لوگ جو طریقہ نبوت و صحابہ پر چلنے والے
 میں سب سے ایک مسلمان کو اپنے دل میں سوچ لینا چاہیے کہ یا وہ اس طریقہ شریعت پر اعتقاد
 اور عمل قائم ہیں جو تاریخ و وحی و اس حق تعالیٰ سے یکساں ہے یا نہیں اس کی طرف توجہ فرمیں

میں مولے ہلکے اور لوہا م اور وسوسوں کے کچھ بھی نہیں رہا اسچوقیامت کے دن موجب
وہاں جان ہو کر ملتے آئے گا۔ انھوں نے اس میں ذلک ۴

دستار حق کے دو طریق ہیں۔

جن لوگوں پر ہوائے نفس غالب جاتی ہے وہ یا تو بالکل اٹھ کر دیا
کرتے ہیں یا الفاظ کو تلاوت قوالہ توڑ کر اپنے مطلب کے مطابق
معانی پر یا گونے کی کوشش کیا کرتے ہیں کیونکہ بصورت صریح الفاظ صریح
کفر لازم آتا ہے مگر اس صورت میں ایسا ہر بعینہ دلیلا یا تاکہ کے نفسوں کا انکار تو نہیں ہوتا
سنی کی تعلیم میں اختلاف ہے گویا یہ وہی پہلی قائم ہو جاتی ہے سنی ایک دوسری صورت میں
انکار کیا جاتا ہے۔ اس کو اصطلاح شریعت میں اٹھا کہتے ہیں اور ایسا کرنے والے شخص کو
محدود محمدین کی نسبت قرآن مجید میں یہ الفاظ "الذین یلحدون فی ایلینا لا یخفون حینا
و صیدا پکلی ہے اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ طریق مانا انا علیہ و احصائی کے
سمجھنے میں دل جان سے سعی کرے کیونکہ ایمان نہایت بڑی قیمتی چیز ہے اس کو بوجہ سرسری
طور پر اہل فسق کی دلچسپ مگر بھابھ تقریروں پر کہو دینا کسی ذی عقل کا کام نہیں ہو سکتا۔
یاد رکھو کہ تمام دنیوی چیزوں کا بدل ممکن ہے مگر ایمان کا بدل کوئی چیز نہیں ہو سکتی جس کے
بے نشان شہادت ہے کہ کسی بدعتی یا لمحکی غلطابیر پودہ تاویلات پر فریفتہ ہو کر نفس کہے
کہ جو کچھ وہ بچہ بچہ ہے حق ہے کیونکہ یہ امر ہر حالت میں بدعت رہنا چاہئے کہ کتاب سنت سے
طریقہ ہو کر کسی شخص کی جانے قابل محبت نہیں اور صحیح علمائے امت کا اتفاق اس کے رد
کے لئے کافی دلیل ہے ۴

اسلام قاعدت پہاں تمام صورت اخلاقیہ و فنیہ و اصولیہ و معانیہ و بیان مراد میں جو قرآن مجید کے فہم معانی کے
نئے علمائے اسلام نے بیان عربی کی ترکیبیں و اسباب کا کمال اتنی کر کے مدون کئے ہیں حدیث ۴
اسلام نامی شریعت میں اٹھ کر نہ لالہ ہم پر مخفی نہیں ہیں ۴

اصول معتقدات میں عدم تقلید

جمع علمائے شریعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اصول معتقدات

مذہب میں ہرگز تقلید جائز نہیں کیونکہ معتقدات کے بارے

میں نفوس قرآن و حدیث ثابت ہیں البتہ مسائل فروع میں جن کی بابت نفس و وجد نہ ہو کسی مجتہد کے اجتہاد و عقل کرنا درست ہے +

معتقدات کی بابت استیفاء

معتقدات کے بارے میں اس امر کی پوری پوری ضمانت

میں کرنا چاہئے کہ صحیح معتقدات کیا ہیں اور جناب پیر

علاء الشیخ نے انہیں کس طرح متقین کیا اور جماعت صحابہ نے اس کو کس صورت میں تسلیم رکھا

اگر کسی امر کی نسبت جدیدہ دلائل قطعیہ فیصلہ ہو جائے تو اس کو خوب مضبوط طور پر کھڑا کرنا چاہئے

اور اس لئے کہ وہ اس کی طرف مطلقاً توہین نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ یقیناً اس کی طرف

وہابیہ میں ہو جائے گی اور اس کی نسبت کم سے

قدہرست سر آئیں باوجود شداد - تاخول بیابان انفرید بسراست

اور اگر بالفرض کسی اعتقاد ہی امر میں کسی قسم کا خیابان پیدا ہو تو بعض اس بنا پر کہ اس کو بندہ کیا معلوم

نہی اس کی تحقیق نہیں ہوتی ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ حکم عقل و دیناً و فی حدیثاً اس کی تحقیق

کا متغیر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اگر اس حالت میں اس کو ہوتے آجائے تو یہ بات لازم نہ آجائے گی کہ وہ

بے اعتقاد و مراد ہے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انسان کے من کا تہ کا دار جس اعتقاد

پر بنیست من عمل کے زیادہ ہے یہ مسئلہ ہے کہ تمام اہل تحقیق میں مسلم ہے کہ الفرض معتقدات کا

مصادیق و نامادک ہے اس میں کتاب احسن کو سب سے مقدم رکھنا چاہئے مگر انہوں نے اس کو

اسی ایک ضروری امر کی علامت پابندی سے کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے ہیں؟ عام دستور یہ ہے

ہے کہ لوگ کتاب و سنت پر بہت کم متوجہ ہوتے ہیں اور جو بات انہیں کسی اہل ہوائے

جائے تو چونکہ وہ بظاہر و کس اور دغریب ہوتی ہے محبت اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

یا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ غرض کر غیور اس کو کتاب اللہ کے الفاظ سے استنباط کرنے کا

مدعی ہو کہ یہ کتبہ ہونا حقیقت وہ لوگ اس کی صحت و غلطی کا موازنہ نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے
 کہ وہ اس پر مقتد ہو کر اہل حق کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس بابہ میں اصل عظیم یہ
 ہے کہ معتقدات صحافیہ کی پیروی کو لازم پکڑنا چاہیے کہ یہ کسی نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ جو
 بلا واسطہ جناب پیغمبر علیہ السلام کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہوئے اور جنہوں نے نہاد وحی
 کی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور موردِ احکام کو حسب تبلیغ نبی اللہ سمجھا اور جن کی پیروی کی تاکید
 خود جناب ختمیت مآب نے خارج الفاظ میں فرمادی۔ اعتقاداً یا عملاً غلطی میں پڑے رہے
 ہوں حاشا و کا کہ یہ خیال کسی طرح بھی قابلِ وقت ہو۔ دیکھو قرآن مجید کس طرح اس خیال کا رد
 کرتا ہے آیہ کذہر خیر ائمة اخر حجت للناس یہ ائمة بلند ان کی اعتقاد پر آمادہ کر رہی
 ہے اور آئیہ لا وکذ بلک جعلکم ائمة وسطا لئلا تكونوا مشددا علی الناس یرون
 للرسول علیکم شہیداً نے ان لوگوں کی انصافیت اور اولویت پر بھر لگا دی اور
 قرین قیل بھی یہی ہے کہ اس بزرگ جماعت کے لوگ علم و عمل میں تینیدہ افراذ است کے لئے
 کامل نمونہ ہوئے جن سے دینِ حق کی عظمت و شمت کا پورا پورا سکھ دلوں پر جم جاتا۔ چنانچہ ایسا
 ہی ہوا۔ "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" مگر انہیں اور سخت فاضل کہ عام جہاں اور
 کامل تعلیم یافتگان نے ایسے ایسے ضروری احکام کتاب اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور چند
 ایک بے دین اور اہل بدعت مدعیوں کی ہستینہ ایسی ایسی تقریریں پر مرتے۔ اصرار نہ کیے کہ
 یہ سب تقریریں بظاہر ایک قسم کی شیرینی ہے جس میں نہ زہر لپیٹ رکھی ہے اور نہ عینیت کو بالکل
 ہٹا کر دیتے والی ہے۔ جلا بتاؤ کہ کتنے تک کوئی فلاسفر بھی نہ مرہ و حدان بلکہ سب اعزت

سنا تم میری راست ہر راہ لوگوں کے لئے ہمارے تونہ چلیے پیدا کئے گئے ہو۔ ۱۱۱

سنا تم نے تمہیں ایک ایسی راستہ پیدا کیا ہے جو ہر ایک قسم کی مٹی اور مٹی میں نہایت معتدل واقع ہوئی ہو۔ ۱۱۲

تم ہدایت کا تونہ بن کر لوگوں کے لئے بھونٹا شاہد بناؤ۔ ۱۱۳

میں داخل ہو کر انھوں نے خدا کے لئے شہید بنائے ہیں اس کی وجہ سے ان کے کچھ نہیں کہ یہ لوگ صحیح معنی میں تلمیح شریعت نہیں کرتے بلکہ ان کے دل پر غلوں و عقائد و تہمتوں قسم کے شکوک و اراہام کا مخزن ہوتے ہیں جو قطعاً منافی توحید ہیں۔ میں نے آج تک کسی کسی فلسفی کو صاحب الیقین نہیں پایا اور نہ پایا جاسکتا ہے۔

اسی مذکورہ بالا مفروضی مراتب کے بعد میں حقیقت ملائکہ کا ذکر کرتا ہوں کیونکہ شریعت حقہ اسلامیہ نے ایمان بالملائکہ کو جو محبوب نفس قرآنی قیل کل امن بالہ و ملائکتہ و کتبہ و ملائکہ ہر ایک مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے اور دوسری جگہ علم ایمان پر نجات و عید ہے۔

لفظ ملائکہ عربی میں فرشتے کو کہتے ہیں جو اصل میں ملائک تھا۔

تحقیق لفظ ملائکہ | قلب مکانی سے ملائکہ ہو گیا اور ملائک سے جہز ملائکہ بنا

اس کی جمع ملائک ہو گئی اور کبھی جہز تار و نیز من تارین سے جمع ہر معاکر ملائکہ کہا کرتے ہیں۔ مذکورہ

بالابتداء کے رُوح سے اصل مادہ لفظ کا جہز۔ لام کات (الک) ہو گا اور اس کا مصدر

الولکۃ بمعنی بقیام ہو گا۔ بعض میں کو مادہ لام۔ جہز۔ کات (الک) میں کہتے ہیں گویا ان کے

نزدیک قلب مکانی اس میں نہیں ہوا پہلی صورت میں اس کا وزن معقل اور دوسری صورت میں معقل ہو گا۔ عرب اپنے محاورہ میں بولتے ہیں الکنی الی فلان یا یعنی فلان شخص کو میرا بھائی

چونکہ فرشتہ بھی خدا کے حضور سے نبی اللہ کے پاس پیغام بتانی پہنچاتا ہے اس لئے اس کو ملائکہ کہتے ہیں۔ یہ تو اس لفظ کی لغوی تفسیر ہے جس میں کسی تحریری و دوسری مسلمان کو کسی قسم کا شک نہیں

کے کہ ان مان و اپنی زبان کے ملائکہ ہیں ان کے آئینہ شمس سے جو فیصلہ دست و پا مستحب

ہاں حقیقت ملائکہ واقعی قابل فہم مطلب ہے جس میں کئی ایک مذاہب میں مگر یہ بیان ہونے لایا

ذیل کو جو مشہور میں بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد آیات قرآن مجید سے ثابت کر دیا کہ حقیقت

ملائکہ کیا ہے؟

حقیقت ملائکہ میں اختلاف | (۱) ملائکہ ایسے پیام علیہ ہوا یہ کہ انہوں نے

ظہرت میں اُس حال فتنہ میں شکل موجود تھا خدائے دویت رکھا ہے اور جن کا مسکن آسمان ہے۔ یہ
اہل اسلام کا مذہب ہے۔

(۲) ملائکہ کو کتب کی رودوں کا نام ہے جو سعادت و خوشی کا اثر موجودات دنیا پر ڈالتے
ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے خیال میں کوکب صاحب بد رنگ اور صاحب حیات ہیں جس طرح کہ انسان
یہ مذہب بعض بات پرستوں کا ہے۔

(۳) عالم کی اصل وجہیں ہیں اندر و ظہرت جو سرور و عیش و انبیا و انبیاء کو پیدا کرتا رہتا
ہے جن کو ملائکہ کہتے ہیں اور جو ظہرت امداد و اشارہ کو بن کو شیا طین کہتے ہیں۔ یہ جو حیوین کا
مذہب ہے۔

ان ہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ متخیر ہیں یعنی ایسے حقائق میں جو دیگر
ادبام مادی کی طرح کسی نہ کسی مکان کے محتاج ہیں۔

(۴) ملائکہ ان نفوس ناقصہ کا نام ہے جو انسانی معمول سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ
نیک ہوں تو ملائکہ صفہ شایعین ہوں گے۔ یہ انسانی کا مذہب ہے۔

(۵) ملائکہ جواہر مجردہ کا نام ہے یعنی ایسے حقائق میں جو نباتات خود قائم ہیں اور لازم و ملزوم
سے بالکل بی بی ہیں اور وہ نفوس ناقصہ انسانی سے ایک علیحدہ نوع ہے۔ یہ اہل فلسفہ کا
مذہب ہے۔

(۶) ملائکہ کائنات عالم کے قولے فطریہ کا نام ہے مثلاً انسان میں ایسی قوتیں ہیں جن کو
شکل کی طرف میلان دیتی ہیں ملائکہ کسب لقی ہیں اور جو بُرائی کی طرف کھینچتی ہیں شیا طین۔ اسی
طرح آگ۔ پانی۔ ہوا۔ بادِ وغیرہ مظاہر قدرت کی فطری قوتیں ملائکہ ہیں۔ یہ مادہ کمال کے
تخریب کا مذہب ہے۔ ملائکہ کے متعلق صرف مذکورہ بالا مذہب حیات ہو سکے ہیں اگرچہ
اس وقت مذہب اول کا اثبات اور باقی مذہب کا رد و نفی ہے لیکن واضح ہے کہ اثبات
سے صرف یہی ہے کہ قرآن و سنت سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ ان حقائق

کی نسبت جو غیر مرنی ہیں کافی اس میں دلیل قائم نہیں ہو سکتی جو دوسری شیا کے اصل تجزیہ پر مبنی ہوں
 یہ ثابت کرنا ضروری ہو گا کہ عقل میں قسم کی موجودات کو ہرگز محال تجویز نہیں کر سکتی اور فکر کا انحصار
 اس کے حق میں کبھی مفید نہیں ہو سکتا جب تک وہ ایسی موجودات کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ
 قائم کرے کیونکہ اس صورت میں وہ نیا وہ سے نیا وہ یہ کہ سکتا ہے کہ مجھے واصل اثبات پر لکھنا
 نہیں ہو کسی کے اختیار کی بات نہیں۔ ہاں جب کتاب اللہ کو حجت قطعی تسلیم کر لیا جائے تو
 ایماندار کے واسطے کافی ہے کہ ضعیف ایمان کے لئے امکان عقل اور نفس قرآن موجب یقین
 ہو سکتے ہیں کیونکہ انھوں نے کتاب اللہ اور تجویز عقل قطع حجت کے لئے کافی ہیں اور اس صورت
 کو بھی کافی نہیں سمجھتا تو اس کو عقل کو مستند بنا چاہے کہ وقت تک تککار کر دیکھ تمام حقائق متنازعہ کا غور
 فیصلہ ہو جائیگا "فکشفنا هذا غطاء غطاء فبصرنا اليوم للحديد" "یہ یوم یرون الملائکۃ فی ربہا
 یومئذ لا یجوز فیہ یقولون جبر" "آمین" "نکین کو فوب غور کرنا چاہیے۔ یہ وہ وقت ہے کہ تمام حقائق سر پرست ہیں
 کا انکار کیا جاتا تھا بارے میں شاہدین ملتے ہیں اور حق پرستوں میں صفہ میں موزوں کے ملنے ہو کر ہونے لگتی ہیں
 بوقت صبح شود ہر روز معلومت ۔ کہ باہر باختر عشق و شہد و دیو

واللہ ثبت اقل ما حلی لا یمکن

اس مسئلہ میں مذاہب مختلفہ پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اصل جوہر
 میں کسی کو دشمن نہیں کیونکہ کتب ماویہ کا بالاتفاق ایک امر کو پیش کرتا، اس کی

انکار و انکار کا اثر

حقانیت کی کافی دلیل ہے۔ اختلاف صرف ان کی حقیقت میں ہے۔ یہیں سے علمائے اسلام
 نے اختلاف کیا ہے کہ جو شخص کسی ایسی حقیقت کو جس پر شرعاً ایمان لانا فرض ہے اس میں سے
 تسلیم نہ کرے جو بعضی علم پر اس مذہب میں جہد ایمان قرار دی گئی ہے۔ بلکہ کسی تا دلی سے
 تسلیم کرے تو آیا اس کا ایمان صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں محققین کا مسلک یہ ہے کہ یہ شخص
 کافر تو نہیں بلکہ گمراہ ہے کیونکہ وہ اپنے زعم و فاسدین مغربے منکر نہیں گویا بواسطہ اس کا مذہب
 مسلمہ انکار ہی سے مگر بعض نے ایسے شخص کو کافر نہ کیا ہے لیکن معاد تکفیر و تہذیب کے اس

کے فرائض میں جرات نہیں ہو سکتی جب تک کہ اپنی شخص صاف طور پر اس امر اطمینان میں نہ ہو کہ وہ اپنے
ایک پیغمبر سے ہے اور ظاہر پر امام فرائض علیہ السلام کا ایک قول نقل کیا ہے جس کا اصل یہ ہے کہ کسی
شے کے دھوکے یا غلط فہمی میں نہ آجی (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (

مکتبہ کے لئے کوٹا دیا جائیگا کہ ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ اٹھا سوا آج تیری نگاہ جیسے ہے یعنی
عالمی اور عجب سے غنی تر ہے شایہ یہاں تک کہ ہر چیز کا کسی قسم کا حصہ ہو سکے۔ ۱۱- سند

بیع ملانے قرآن شریف (اصحابہ تابعین و متبع تابعین اسے بھی اسی صورت میں ان کا قبول کیا ہے
 یہ تمہیں کیا مثل پیش کر رہے ہیں؟ تم انکار کرتے ہو؟ اور ان کے وجود خارجی کے تسلیم کر لینے کے کس قیل
 اصل قرعی یا مسلمات حقیقی کا انقراض لازم آتا ہے جس سے تم تاویل کرنے پر مجبور ہو گئے ہو اور
 وہ کوئی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ مستنبط ہو سکے کہ ملائکہ قرآنی فطریہ کا نام ہے اور وہ
 کوئی خارجی ہرگز نہیں؟ غالباً ان سوالات کا جواب غافل خواہ کوئی غیر ہی نہیں دے سکیگا
 اگر کسی کے پاس کوئی جواب ہے تو وہ صاحب براہ مہربانی میں بھی افادہ کریں تاکہ ہم بھی اپنے
 دہرے گھیر کے فقیروں کے کلام سے کمال حاصل کر سکیں اور اگر قرآن و سنت سے اس کا ثبوت نہیں
 مل سکتا (اور یقیناً نہیں ملے گا) تو بڑے خدا کیوں دہریوں کی پیروی میں نعمت ایمان کو منسلک
 کرتے ہو جس کا بدل کوئی چیز بھی نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فلاسفہ طبعیہ نے ایسے حقائق میں
 دو درجہ قیاس بڑھکوسے لگائے ہیں مگر نفس کتاب و سنت کو چھوڑ کر ان ملعونوں کی پیروی کرنا
 صنعت ایمان کی علامت ہے یقین رکھو کہ اگر بغیر من مطلق وہ اعتقاد غلط بھی ہے جس پر لاؤں
 ثواب کے مسلمان چنے آئے ہیں تو تم پر اس کے تسلیم کر لینے کی صورت میں کوئی محبت قائم نہ کی
 جائیگی کیونکہ اس صورت میں تم اسی اعتقاد پر خدا کے سامنے حاضر ہو گے جس کی معین خود جناب
 پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ کو فرمائی اور اگر وہ اعتقاد صحیح ہے جیسے کہ تمام محققین شیعہ و سنی
 محققین اور فقہاء کا مذہب ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ گدیب حق اور تائید باطل کی جواہری
 تم لوگوں پر واجب ہو جائیگی۔ ایک بکے اعتقاد کے مسلمان کی ایمانی طاعت کا ہرگز یہ متفق نہیں ہوتا
 چاہے کہ انھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول کو جو جمع اکابر ائمہ کو مشہور رہا ہے محض متکرمین نظر
 کی خرافات پر ترک کر دے جن کی صحت اور قبیحیت کا دوشہ زمین پر کوئی شخص مشکوک نہیں ہو سکتا
 کیونکہ کتاب اللہ اور سنت بہر حال یقینی ہیں اور خرافات اہل غلط فہمی تو ان اہل غلط فہمی سے

الحق شینا۔ مجھے تعجب ہے کہ منکر کے پاس کوئی ایسی عقلی دلیل ہے جس پر وہ اپنے دعویٰ کا ثبوت
 دیتی کرتا ہے۔ حقیقت نفس انسانی کا پتہ تو اُسے خاک بجی نہیں لگا۔ حالانکہ قرب الاشیا نفس نامتہ
 انسانی ہے مگر حقیقت خاک کی تمیز اور مد فکذیب مذہب حق میں بڑے زور و شک کے دھاری شہ
 کرتا ہے۔

تو بر اوج فلک چہ دانی نیست - چوں ندانی کہ حد مراے و کسیت
 خداوند کرو کہ جس مخلوق کے صنعت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ہی حقیقت سے بے خبر ہے
 وہ اپنی عقل نامہ سے حقیقت ملائکہ کو کیا خاک سمجھ گا! لیکن کمزور انسان اپنے محدود علم پر اس
 قدر غرور و پوجا کرتا ہے کہ وہ تحقیق حق میں اپنی بساط سے بہت دُور گئے گل جاتا ہے اور جو کچھ اپنے
 توہمات فاسد سے اس کو نظر آتا ہے اس کو حق تعین کرنے لگتا ہے اور اس پر یہاں تک زور
 دیتے لگتا ہے کہ آیات قرآن مجید کو توڑ مود کر اپنے باطل خیال کے ساتھ مطابقت دیتا ہے۔

جس قدر اجسام مرکبہ دنیا میں موجود ہیں مادی کہلاتے ہیں جیہ ہم
 بذریعہ عمل کیمیائی ان کے اجزاء کی تحلیل کرتے ہیں تو جو جزو ان میں
 غالب آتا ہے اس کی طرف ان کو منسوب کوشتے ہیں مگر اس جزو غالب

ملائکہ کا اجسام ہوتا ہے
 اور صاحب ملک ہوتا ہے

کی طرف منسوب کرتے سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ باقی اجزاء عناصر ان میں موجود نہیں کیونکہ مرکب ہونا
 خدا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی ترکیب مختلف اجزاء سے ہوتی ہے مثلاً انسان کو خاک کی بولتے
 ہیں یا خاک دیگر عناصر بھی اس کی ترکیب میں شامل ہیں اسی طرح ملائکہ کو جتنے اجزاء ہوں گے وہی
 اجسام ہوں گے کہ دیکھیں چو کہ جو غیر مرنی چیز ہے اس لئے ان کا غیر مرنی ہونا کچھ عمل تعجب نہیں اور
 ان کا اجسام لطیف ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ مادی اشیا میں ہم مشابہہ کرتے ہیں کہ بعض اشیا
 بادود مادی ہونے کے اس قدر لطیف ہیں کہ کوئی حس انہیں محسوس نہیں کر سکتی۔ دیکھو ہوا جب
 ہلکے حرکت نہ کرے تو اس قدر سے ہلکی احساس نہیں ہوتا مگر اس کے وجود سے کبھی کوئی انکار
 نہیں کرتا اور اس سے بھی زیادہ لطیف و نازک ہے جس کو تمام بُد غیر فتنا میں پیدا ہوا جلتا ہے

میں اقدس کی نسبت یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ آدمی کے انگوٹھ کے اندر بھی انگوٹھ کر رہا ہے چنانچہ خدا
 حال کے محبتیں نے علم پرستی کی تہذیب میں انشا کے پیش کی وجہ سے تبدیلی ہے کہ تہذیب و دانش کے
 ابن اولیٰ اپنے ساتھ بیکر انگوٹھ کے اندر انگوٹھ کر رہا ہے اسلئے ہر ایک حال میں مشکل ہو جائے کہ اہل
 میں کا یہ سامان ظاہر ہے کہ یہ مذہب تک وقار و مناسبت و جمال کو قبول نہیں کرتا نہ خدمت و کام
 میں اس کو انگوٹھ کرنا ممکن نہیں۔ ایسے بڑے بول کے علاوہ یہ خاص پانی میں بھی موجود ہے۔ چھر کر کوئی
 مولوی صاحب یہ کہیں کہ وہ لکھ رہا ہے یا یہ لکھ رہا ہے اس پر چھتات اجمال میں مکمل ہو سکتے ہیں
 تو اس میں کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ اہل اقدس کے محال ہو سکتے ہیں بلکہ ان کے پیش
 کیا دلیل ہے کہ یہ کوئی خدمت اس خدمت ترک کوئی خدمت مقبول بات معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس
 فیصل کی تائید اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ جب خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے عالم کو انوار
 میں انسان کو نکالی پیدا کر کے اس کو صاحب ہولک پیدا کیا ہے تو کوئی اجنبیا بات ہے کہ اس
 ایسا محقق بھی اس نے پیدا کیا ہو کہ اس کا نام مولیٰ ہو اور وہ صاحب اہلک ہو؟ اسلئے
 سے کہو کہ عرف اسے مخلوق کے غیر مولیٰ ہو سکتے ہیں یہ لازم آتا ہے کہ کسی ایسی مخلوق کا موجد ہونا
 محال عقلی ہے کہ یہ کوئی خداوند کامل نے ظاہر کثیف کے ساتھ ادا کیا و علم کو لازم آتا ہے
 ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ ادا کیا و علم کو لازم آتا ہے دنیا بدعت اولیٰ مسیح معلوم ہوتا ہے کہ
 یہ جو کہا کر کہیں کہ ظاہر و ادراک انسان کی نسبت و سلی ہے مائل ترین اس کے کہ
 ان کی ترکیب انسان کی ترکیب کی نسبت نیا و لطیف ہے اس لئے ان کا وضع ہونا ایک ہونا
 بھی امر لازم ہے۔ یہ ایک اور سبب طریق پر ایسے لائق کا ہو جو وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ
 تہذیب عقل کے لئے ہے بلکہ ان کا وقت و الحاح و موجدات ناعیہ کے تین علمیں تمام ہوتے ہیں
 (۱) کثیف محض (۲) کثیف و لطیف (۳) لطیف محض کثیف محض وہ ایسا مادی ہے ان
 میں اس و ادراک میں خلل و ادراکات اگرچہ نہایت کم بہ نسبت جمادات کے کسی قدر لطیف
 ہیں اور کثیف و لطیف حضرت انسان ہے جو عموماً کثیف ترکیب ہونے کے ایک ہونا

یعنی نفس نامتہ انسانی میں ایک تاجہ جو صاحبِ اولاد ہے۔ اور منہ لطیف نوعِ طائر ہے جو
 منہ ایک ہی اولاد ہے اور ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس نوع کے تمام اولاد کے لئے
 یہی کوئی حدود مقرر کئے ہوں جس طرح انسان کے لئے حدود مقرر کئے ہیں چنانچہ کہ یہ دماغ
 ہوتا کہ اندامِ قلم و ملامت اور آئینہ معائنات کا علم لانا الاما علم متناہی سے اس کی تصدیق
 ہوتی ہے اس تعلیم کی حقیقت میں غور کرنے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اس قدر کوئی عقلی
 نظام ہوا ہے نہ زیادہ محدود ہوگا اسی قدر اس کا علم اور لوگ وسیع ہوگا چنانچہ اسی خیال سے حضرات
 دینیہ بہ تعلقاتِ باہمیہ سے غور اختیار کر کے علوم حقیقیہ یعنی کثرت و اقسام کے کتب جتنے ہیں
 ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ طائر و مختلف اقسام میں مثل یہاں متناہی ہے
 کہ نہ فطرۃً نہ کہ یہ خلقت میں ہو سکتا۔ ہر دور میں کثرت پر پیدا کیا گیا ہے اس سے ہم کو تبدیل
 نہیں ہو سکتا ہم کہتے ہیں کہ تبدیل ہی دلیلِ حقیقیہ ہے کہ نہ انسان کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر خدا کو
 دوسری ہی چیز ہے کہ طائر کا کسی دوسری شکل میں آنا بھی فطرۃً نہایت کیونکہ یہ خاصیات میں
 ایسا خدا نے وحییت رکھا ہے۔ فطرۃً اللہ کا بدن تو بہ قائم ہے جب ہر منہ و تمامیت
 کو کرتے مختلف اقسام میں شکل ہونا تاکہ کی حیثیت میں حرکت نہیں۔ یہاں ہی ہم کا جواب ہے جو
 اس وقت فرقِ حادثات میں بھی دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فطرۃً اللہ کا یہ انسان متناہی حالِ مادی
 ہے مگر فی اللہ کے علم و تدبیر بتقدیر الہی کسی مادی جسم کا کسی دوسری صورت میں آنا بھی فطرۃً اللہ
 ہے کہ کوئی فطرۃً اللہ کا ہونا ہم سے خارج نہ ہو سکتا ہے نہ کسی امر کو بطلیدِ قویہ و شہادہ پارہ تسلیم
 کیا ہے تو کیا جائے امر یہ ایسا نہیں ایسا ہونا بھی فطرۃً اللہ ہونا نہ خلقت فطرۃً اللہ
 میں جن لوگوں سے تاکہ یہ فرقِ حادثات کا صورت اس بنا پر انکار کیا ہے کہ فطرۃً اللہ کا خلقت
 قائم آتا ہے جنوں نے فطرۃً اللہ کی مخالفت کی ہے کہ نہ فطرۃً اللہ میں ہے کہ نہ خدا مصل
 غور و مشاہدہ سے جس قدر قیمن و پائیدار ثبوت نگاہ میں ہے کہ میں ہر مصلح فطرۃً اللہ پر مادی ہیں۔
 اور جب مخلوق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فی اللہ کے ہر مصلح فرقِ حادثات ہونا فطرۃً اللہ ہے تو گوئی ہوگا

فطرۃ اللہ کو محدود کرنا ہے اور اسی کا نام مخالفت فطرۃ اللہ ہے کیونکہ وہ لافتنابی کو مقناہی قرار دیتا ہے۔ ہاں زیادہ سے زیادہ مخالفت یہ کہہ سکتا ہے کہ قوانین تبدیل ہر س کا اپنا علم حاصل نہیں ہو سکتا کسی چیز کی حقیقت اصلہ کے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ دلیل سے عدم حاصل لازم نہیں آتا۔ یہ ایک قابل مذہبات ہے جس کی یہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے عقل نے سیکڑوں مسطوروں کا انکار کر دیا ہے ۔

حقیقت بشرح انسانی پر غور کرنے سے ظاہر ہو گا کہ کس میں تقویٰ سو سے بھی زیادہ اقوال وجود میں آدیں
ایک شخص نے اپنی اپنی عقل کے مطابق کچھ نہ کچھ کہا ہے مگر

سب سے زیادہ مضبوط اور محقق مذہب وہ ہے جو سارا عقائد ان نبوت جناب نام نام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ جناب کا اشتداد عالی ہے کہ جس طرح انسان عالم مادی میں ایک خاص شکل اور وضع رکھتا ہے اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس کو جی شکل و وضع حاصل ہے اور شکل و وضع ایسی لطیف ہے کہ اس کو نہیں دیکھ سکتے ہم ہرگز محسوس نہیں کر سکتے مثلاً یہ ایک وہ شخص ہے جو عاقل و جود میں وجود ہے اور میں کو تمام لوگ محسوس کرتے ہیں مگر ذہن کی طرح سے مراد وہ نہیں ہے جو اسی شکل و وضع میں نہایت ہی لطیف بلکہ اللطیف اللطیف مادی صورت میں وجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مادہ جسمانی اور مادہ روحانی کی ذمیت ایک نہیں اس لئے ہر دو کے آثار اور خصوصیات بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اسی طرح کو غیر مادی کہا جاتا ہے جو عاقل و جی جسمانی سے علیحدہ ہونے پر کمال مجرد ہو کر ایک نام حاصل کرتی ہے۔ چونکہ روح بکالت وجود ایک قائم بالذات ہستی کا نام ہے جو صاحبِ ابدان ہے اس لئے ظاہر کہ انسانی ہستی سے ایک علیحدہ مادی مدد رکھتی تسلیم کرنے میں کیا قباحت لازم آتی ہے! پہنچنے

انسانی کے مذہب سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ملائکہ انیس شخص
 نالغہ انسانی کا نام ہے جبکہ ہم سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نام کے قول سے ایک ایسی
 بیعت الفطرۃ منکسکتی کا پتہ ملتا ہے جس کا وہ انسانی یا اہل جہان کے مادہ سے بالکل مختلف قسم
 کا ہے اور وہی نوع یا نفس نالغہ انسانی ہے۔ اس خیال کی تائید بعض متصوف کرام کے مکاشفہ
 اور مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ اور طرح مجرورہ انسانی اور ملائکہ کا مشاہدہ اپنے مکاشفہ
 میں کیا کرتے ہیں مگر ایسے مکاشفات صرف مستند مکاشفہ کے حق میں محبت ہو سکتے ہیں نہ منکر کے
 حق میں۔ ہاں منکر کو ہم بطور الزام یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب علوم غیبیہ مشاہدہ طبعیات کی کیا ہیئت
 وغیرہ کے محققین علماء کے تجربہ و مشاہدہ کو ہم ایسی قوی حجت بنا کر کہتے ہو کہ ان کے مقابل میں
 کسی نفس انسانی کو بھی ہٹا کر انہیں گرتے گرتے خود تجربہ و مشاہدہ نہ کیا ہو تو پھر کیا وجہ ہے
 کہ ہم لوگ روحانی آلات وحدہ سے آسمانی کائنات (ملائکہ) کی خبر اپنے یقینی مشاہدہ کے لئے
 طبعیت میں تو ہم لوگ انکار کرتے ہو۔ جدا جدا ان سب کا بالاتفاق مختلف زمانوں میں ایک
 ہی امر کی تہادت دینا کیونکر ممکن واقع ہو سکتا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اگر آپ کسی مسئلہ ریاضی
 کی امتیاز نہ ہو تو اپنے سے اعلیٰ قسم کے شخص سے استفادہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں دیکھتے مگر
 روحانی صرافت و حقائق میں ہم علمائے ربانی کی تسلیم کا انکار کر دیتے ہو؟ حالانکہ ان لوگوں کا طریق
 تحقیق یقینی اور قطعی ہے اور اہل غیب کا مافیہ اور فرضی۔

”ان هذا لا شئى حجاب“

مکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ قوی فطریہ کو ملائکہ کہنا
 کوئی نیا مذہب ہے لیکن وہ حقیقت یہ خیال غلطہ طبعین کا پرانا ہے
 انہیں کی تصنیفات سے زمانہ مجرورہ کے بعض محدثین نے اخذ کیا ہے

ملائکہ قوی فطریہ
 کا نام نہیں

شیخ بوعلی سینا جو اسلامی فلسفہ یونانی کا مشہور مصنف ہے رسالہ نبوت میں لکھتا ہے: فمن
 حادثة في الشريعة تسميه القوى التطبيقية النور الحسوسة ملائكة۔ یعنی شریعت

میں اشیاء غیر محسوس قوتوں کو ملا کر کہہ کر تھی۔ اور اس قوتوں کی تائید وہ اس طرح پر کیا کرتے
 ہیں کہ شریعت آسمانی میں ایسے چند کنایات ہوتے ہیں جو عام لوگوں کے فہم سے بالاتر ہیں اس لئے
 ان کی ایسے طور پر تفسیر کی جاتی ہے جن سے وہ یہ آسمانی مجسموں میں چنانچہ فلان ملک کی اسطرح تھی جو
 انہیں وہ چند کنایات کے ہے اس خیال کو زمانہ حال کے مادی حسیوں نے بھی اٹھایا ہے مگر
 اشتقاق یعنی ہر چیز اپنے طبع طبعی کے ساتھ رہنے والی ملکیت اور آسمانی موجودات تسلیم کرتے ہیں ان کا
 مادہ دیگر اسباب مادی سے بالکل متغایر ہے اور وہ بالکل طوط سے عالم مادی کے مختلف اسباب
 کی تفسیر پر تین ہی مادی موجودات کو وہ اپنی اسطرح میں اسباب الافرار کہتے ہیں کیونکہ دنیا کی
 مختلف الاطراف کی کائنات کی حریت ان کے سپرد ہے۔ انھوں نے یہ دو مادیات کا اختلاف اس علم
 میں ہے کہ آیا کسی چیز کو اس کے کمال محض میں تسلیم کیا جائے گا سبب کوئی ایسا اسباب جو اس
 چیز کی ذات میں داخل ہے یا اس سے خارج؟ جو لوگ غلطی امر کو سبب قرار دیتے ہیں وہ ملامت
 کے جوہر کے قائل ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ اس چیز کی ذات ہی میں وہ سبب موجود ہے مثلاً اس
 چیز کی طبیعت وہ ملامت کے وجود سے علاوہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی قوتی قوتی ہے کسی چیز میں
 خدا نے وہ طبیعت رکھی ہے مگر یہی اس موضوع میں فرق ہے کہ بہت بڑے فلسفی و مباحث
 کتب فلسفہ میں موجود ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ فکر قوتی انفریہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک عینہ و قیاس
 مدلل تھی کی طرح جسے بن کو خداوند کریم نے مٹی، عالم مادی کی خلقت اور انتظام کے لئے پیدا
 کیا ہے گویا ایسی موجودات ایک قسم کے اسباب ہیں جو بوجہ مگر خداوند مجاہد و تعالیٰ دنیا علم
 میں تصرف کرتے ہیں ان اسباب کو مبالغہ بولتے ہیں کہ یہ کہ علم انہی کے مادی عالم میں انھوں نے
 کے واسطے واسطہ قرار پاتے ہیں۔ تاہم وہ خداوند خداوند مثلاً پیدا ہونا۔ مٹی یا مٹی ہی صحت و ہدایت
 مضبوط و باقیث۔ مگر وہ جزوہ و جزوہ و غیر مامور خواہ کوئی شیعت سے غیث و حرکت و سکون و غیر
 ملامت کی حالت سے وقوع میں آتے ہیں۔ چونکہ وہ مادی موجودات ہیں اس لئے عام ملامت
 جو ملامت مادی اسباب کا علم رکھتے ہیں ان کے وجود سے منکر رہتے ہیں مگر اسباب مادی

بیاضت کو ان کا برابر شائد ہو سکتے اور انہیں بھی حرف مع بن انہیں جس کے بدن سے طبعہ
 ہو کر وہ غیر مادی سے منتقل ہونے کی حالت میں اس کا شائد تصور ہے یہ نہیں کہ ہر وقت
 مادی موجودات کو دیکھتے رہتے ہیں ۔

ایسے سائل کا وجود | کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے وسائل کا ثبوت کیا ہے اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ امر تو مسلم ہے کہ تمام سلسلہ کائنات سبب و مسبب کے اصول
 پر چل رہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عالم مادی بجائے خود علت و معلول ہے اور ذات مادی
 اس تمام صیوب سے مجزا و منفرد ہے جو مادی موجودات کو قائم ہیں جس لئے ہر دو کے یہی
 تعلق کے لئے ایسے وسائل ہیں جو نہ تو بالکل مادی ہیں اور نہ بالکل غیر مادی ۔ سو ایسے
 وسائل صرف ممکن ہی ہیں کیونکہ مادی موجودات میں کوئی بھی چیز ان کی طرح لطیف و شریف
 نہیں گویا وہ ہر دو طرفت سے یکساں منسوب ہیں یعنی اثر و تجرد من الامارہ اور تعلق باوہ ہر دو ان
 میں پائے جاتے ہیں تاکہ ذات مادی سے اثر قبول کر سکیں اور عالم مادی میں اثر پیدا کر سکیں
 اس کی مثال مادی مسئلہ اسباب میں یہ ہے کہ امتحان اور گوشت دو علیحدہ علیحدہ مختلف
 چیزیں ہیں اور اس لئے غذا کا اثر امتحان تک پہنچانے کیلئے خفرون ایک قسم کی نرم پڑی
 واسطہ بن جاتی ہے کیونکہ وہ ایک لگانہ سے امتحان اور دوسرے لگانہ سے گوشت کے تدار
 اپنے اندر رکھتی ہے اس تغیر کو جہاں لافاضی ہمینا مادی لئے لکھا ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ
 اگر ایسے وسائل نہ تسلیم کئے جائیں تو کیا جرح لازم آتا ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عالم کائنات
 میں خداوند کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے قوانین مقرر کئے ہیں اس سب امور انہیں تو اپنے
 کے ذریعہ میں سرانجام پاتے ہیں ۔ شائد بارش کا ہونا یا مندر دل میں موجود زرا کا پیدا ہونا ہو لو

خدا باری تعالیٰ ہے و لا یقرب الی اللہ فی العلویۃ من القدر لعلہ من قولہ امتار من المحدثات بینہما
 من الممار جیل باری تعالیٰ بحکمتہ بینہما العنصر من اللہ لعلہ من قولہ امتار من المحدثات بینہما

نکاح طہنہ اور دیگر تمام حوادث کے لئے اسباب ہیں اور میرا ان اسباب کے اسباب بننے میں ان کو ملائکہ کہتے ہیں اور ایسے اسباب کا وجود صرف نہ کوہ بالا و بحر پر مبنی ہے یعنی کہ عالم مادی اور ذات باری میں نقصان و کمال کے لحاظ سے سلسلہ مراتب ہے اور یہ سلسلہ ذات باری پر ختم ہو جاتا ہے جو علت العلل اور سبب الاسباب ہے۔ ویکھو جو سی سلاطین کے حضور سے بھی جو احکام نافذ ہوتے ہیں وہ تبدیل ہوتا ہے اور میرا سبب الاسباب علل و ذرا اور اسی طرح سب سے آخر ماتحت علی کی معرفت شریک میں لائے جاتے ہیں بلکہ اس حکم الحاکمین کے بعد باقی نشان سے پس اس سلسلہ اسباب حوادث کا دور پھر ہوتا اس کی قدرت کا مدبر وال ہے ۵

آیات قرآن مجید سے ملائکہ کے

قویٰ قطریہ ہونے کا رد

قبل اس کے کہ آیات متقدمہ سے اس غلط فہم پہتان مغل کی تردید کی جائے یہ ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اخبار ثانیہ یا کناثا آیات قرآنیہ یا احادیث

صحیحہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ ملائکہ کا لفظ صرف شریعت میں قویٰ قطریہ پر کیا گیا ہے بلکہ اس کے خلاف ملائکہ کے لئے دو صفات مذکور ہیں جو دو ہی العقول بحکمت کے لئے تیار کئے گئے ہیں چنانچہ آئندہ آیات سے واضح ہو گا اور نہ صرف قرآن مجید میں بلکہ کتب انبیاء علیہم السلام میں بھی اسی طرح مذکور ہے اگر بالفرض یہ خیال صحیح ہو تو یہ سوال عائد ہوتا ہے کہ آیا لفظ ملائکہ کا اطلاق قویٰ قطریہ پر بطور حقیقت کے اس مذہب پر اصولاً اعتراض

تھا کہ شعاہ سب میں ہیں یعنی اس کی کوئی سند موجود ہوتی اور ائمہ لغت اس کو بیان کرتے مگر کہیں ایسا نہیں آیا۔ اور اگر اس لفظ کا اطلاق قویٰ قطریہ پر بطور مجاز ہوتا ہے تو چونکہ اصل فقہ میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ استقارہ کی بنا مجاز پر ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ اطلاق بطور استقارہ ہو۔ اور جب استقارہ ثابت ہوا تو لفظ ملائکہ مستقار ہو گا اور قویٰ قطریہ مستقار نہ ہو گا اس صورت میں مستقار نہ کہ کوئی چیز نہیں کیونکہ ملائکہ یعنی مودت و خیر

ازدیک قوی نہیں چرسقار منہ کیا چیز ہوگی؟ اس سے پہلے اعلیٰ کوئی کو ملکہ کا قوی فطر یہ پر
 ملوک ذوق حقیقی طور پر صحیح ہوا اور نہ مجاہزی طور پر۔ اور اگر کوئی شخص یوں کہے کہ علم بیان
 کے اصول پر ملکہ کا حفظ قوی فطر یہ پر بطور مجاہزہ مسل کے لاطاق کیا گیا ہے تو ضروری ہوا
 کہ اہم قوی فطر یہ ادا ان اشیاء میں جن میں یہ قوی فطر یہ موجود ہیں کسی قسم کا علاقہ منہ مجاہزہ
 مسل کے نہیں علاقوں کے تجویز کرے یعنی اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ آیا قوی فطر یہ
 ادا اشیاء میں تعلق حال و محل کا ہے یا لازم و ملزوم کا یا جز و کل کا یا سبب و مسبب کا
 غرض کہ پس چونکہ علاقہ قرار و یگانہ اسی میں گفتگو کی جائیگی۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسم کے
 نزدیکی قوی فطر یہ ادا اشیاء میں تعلق میں حال و محل کا یا لازم و ملزوم کا علاقہ ہے اگر
 یہ صحیح ہے تو قوی فطر یہ کو عرض مانتا پڑے گا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قسم جس حقیقت کو ملکہ تسلیم کرتا
 ہے وہ عرض ہے یعنی اس چیز سے جس میں وہ قوت فطر یہ موجود ہے علیحدہ ہو کر اس کا کوئی وجود
 نہیں ملتا سیما ہی جو ہم سیما میں موجود ہے جسم سے علیحدہ ہو کر کوئی وجود نہیں رکھتی مگر آیات قرآنیہ
 ادا احوال بشرانہ سے صاف صاف اس قبیل کا رد ہوتا ہے کیونکہ اہتمامات ذیل میں یہ نظر
 خود کیمنے سے واضح ہوگا کہ قتل ملکہ جن حقائق پر بڑا جائز ہے وہ آیات خود قائم اور تحریر و حکم
 موجودات کا نام ہے :-

(۱) اذ تری الملائکۃ حافین من حول العرش یسجدون یسجد و یسجد یعنی ملائکہ عرض
 عظیم کو گھیرے ہوئے ہیں جالیکہ اپنے رب کی تسبیح کر رہے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ
 قوی فطر یہ گھیرے ہوئے ہیں اور وہ شدائد کشش نقل خدا کی تسبیح پا رہے ہیں اور یہ کہ ان کا
 دل سے تسبیح پکارنا ضروری ہے قرآن مجید میں تحریر کرتا ہے جس پر کتاب و سنت سے کوئی
 دلیل نہیں +

(۲) و یجعل عرش دہلک فوقہم و منہا شانہ۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ
 قوی فطر یہ جبریات خود قائم نہیں بلکہ دوسری چیزوں سے ان کی ہستی قائم ہے خدا کے عرش کو

انہیں ہوئے؟ بظاہر تو دوسرا ہے اور جوہر کیسے ہو سکتی ہے؟

(۳) فان الله هو سواہ وجبریل وصالح المؤمنین: کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور قوت فطریہ اور صالح المؤمنین خیر علیہ السلام کے دوست ہیں؟ کیا ایسی حقیت کا قرآن مجید جیسی پاک کتاب میں ہونے کا کوئی شخص قائل ہو سکتا ہے؟

(۴) انزلنا القرآن فی قیامہ عند ذی العرش عظیم: کیا یہ قوت فطریہ کی قرأت ہے کہ قرآن مجید ہمارے بزرگ صاحب قوت العظمیٰ (جبریل) کو قول ہے جو ہمارے مقرب اور صاحب قدر و منزلت ہے جس کی تمام مخلوق اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت سپاہ ہے؟ قوت فطریہ کو صاحب قوت کہنا کیسا ناموزون اور غلط خیال ہے؟ اس آیت کے ایک ایک لفظ کو غور سے دیکھو کہ قوت فطریہ کی ذکر اس کا مسعلق ہو سکتی ہے؟ مسقط اور توصیف سے کلام دلو بگو تمہیں حق کی نیت سے دیکھو +

(۵) والذین یؤمنون علیہم من کل جباب سلاہم علیکم بعا: صبر و قہم غصہ عتی الدان: کیا اہل جنت کے پاس تو قوی فطریہ ہیں کہ جس کے کہ تم پر غذا کا سلام ہو کہ یہ تمہارے احکام کی کیا آہی میں اپنا استقلال دکھایا سو آج تمہیں اس کا اچھا نتیجہ ملے گا؟ کوئی سمجھدار تو اس کا قائل نہیں ہو سکتا +

(۶) فادوا یا مالک لبقی علینا ویک: کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت قوت فطریہ کو کہیں گے کہ اے قوت فطریہ! تو ہمارے لئے حضرت باری سے فیصلہ فطری کی (توس) کرتی کاس عذاب سے ہم نجات پائیں؟ کیا خود اے بے معنی خیال ہے؟

(۷) ھا یحفظ من قول الا لدیہ دقیب عتید: کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان جب کوئی بات منہ سے نکالتا ہے تو قوت فطریہ اس کو قابو کر لیتی ہے کیسی سخت جہالت ہے؟

(۸) یرسل علیکم حفظہ: کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تم پر قوت فطریہ کو بھیجتا

(۹) "وَنَحْنُ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كَرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَعْمَلُونَ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تو نے فطریہ تھا ہے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں؟

(۱۰) "يَا أَيُّهَا عَلِيُّ الْمَلَأْنَا مَكَّةَ أَوَّلَى اجْزَاةٍ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے بعض تو نے فطریہ کو پرکھا ہے کسی ناقص ہے؟

(۱۱) "إِنَّهُ يَعْطِفُ مِنَ الْمَلَأْنَا مَكَّةَ رَسَلًا" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے بعض تو نے فطریہ کو اچھی نیک کہا ہے؟

(۱۲) "يَا أَيُّهَا عَلِيُّ الْمَلَأْنَا مَكَّةَ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تو نے فطریہ پرست مسخرہ نگاہ تھا اس سبب اس اخوت کا کوئی ٹھکانا ہے؟

(۱۳) "يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَأْنَا مَكَّةَ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن تو نے فطریہ خدا کے سامنے صفت بے کھڑی ہو گئی؟ اور یہ میم ہے تو کیا انسان ان تو نے فطریہ سے علیحدہ پیش کیا مابینا کہ تو نے فطریہ میں انسان نہیں؟

(۱۴) "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تو نے فطریہ شلا کشش نقل اور قوت اتصال انسان کی قوت فطریہ اور اس کا ادراک وغیرہ وغیرہ غبار و دھواں سمیٹی ہیں۔ اللہ صلی علی محمد و علی آل محمد و اصحابہ وسلم

(۱۵) "وَهُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تو نے فطریہ شلا کشش اتصال وغیرہ بوجہ خشت الہی قدر ہے؟

(۱۶) "إِنَّا لَنَحْنُ الصَّادِقُونَ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسْجِدُونَ" کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تو نے فطریہ صفت بے بارگاہ الہی میں کھڑے تہج پکار رہے ہیں؟

(۱۷) "يَا أَيُّهَا النَّحْنُ" کیا تو نے فطریہ خدا کے بندے ہیں؟

(۱۸) "تَنْزِيلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَأْنَا مَكَّةَ" کیا ایمانداروں پر تو نے فطریہ نازل ہوتے ہیں

مابینا کہ تو نے فطریہ ہر ایک انسان میں پیٹھ پی سے سجود ہیں؟

(۱۹) ما تزلزلنا تلك الا بالحق وما كانوا اذا منتظرون کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر قائلے فطریہ نازل ہوں تو پھر ان منکرین کو ہرگز بہت ندی جائیگی حالانکہ قائلے فطریہ ہر ایک مومن میں سے ہی سے نازل ہیں!

۲۰۰ یعنی ہوں جو وعدہ و اقرار ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ قائلے فطریہ کفار کو مرنے وقت منہ اور پیٹ پر ضربیں لگاتے ہیں؟

علیٰ بن ابی قیس کہہاں تک آیات تو کہتے ہیں جہاں قرآن مجید کے بشیاریات ایسے ہیں جہاں قائلے فطریہ کے معنی چسپان نہیں ہوتے۔ مرنے قصہ پیدائش آدم میں ملائکہ کے جواب و سوال سے اٹھل پھول پڑنے قائم کرنا کہ عوام الناس کو سمجھانے کے لئے قائلے فطریہ کو ذوی العقول فرض کیا گیا ہے سراسر غلطی ہے جس پر سوائے اتباع ظن کا ذوق کے کوئی دلیل نہیں کیونکہ میں وہ آیات ہیں جن سے حقیقتاً ایسی ذوی العقول موجود ثابت ہو سکتے ہیں جہاں ثار صفات کے مالک ہیں اور جو کسی طرح بھی قائلے فطریہ پر ماضی نہیں آسکتے۔ ایسے ماضی کو چاہئے مثلاً کہ اپنی اس عقداویل کو ایسا جامع مانع ثابت کرتا کہ کہیں اس تاویل کے دوسرے کسی قسم کا اعتراض نہ ہوتا۔ بائیں ہمہ مجھے یقین ہے کہ کسی ایک کو مفسر لوگ بعض اپنی ہمت کی پہلی سے آیات مذکورہ بالا میں تطبیق کرنے میں جہاں مگر نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اصول تغیر سے دیگر گنگو کرنا کلام الہی سے منقول کرنا ہے اور سخت تعجب ہے کہ اس مدعی کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ عرب کے لوگ ایسے بیوقوف تھے کہ قائلے فطریہ کا مسئلہ نہ سمجھ سکے اس لئے ان کو ملائکہ کے لفظ سے سمجھانے کی ضرورت پڑی حالانکہ اگر قائلے فطریہ ایسی ہی ہیں جنہیں عاقل سے عاقل ہی جانتا ہے۔ اس اتفاق حقیقت میں شریعت کو کوئی مصلحت نہ ملے گی اور لفظ یہ ہے کہ اسلام پاک سے پہلے عام اہل کتاب یہود و نصاریٰ نیز ایرانی آتش پرست اور دیگر مذاہب کے لوگ برابر جہود ملائکہ کو اسی صورت میں تسلیم کرتے تھے آئے ہیں جس میں اسلام نے تعمیم کی۔ مگر قیاس یہ ہے کہ جب ہوائے نفس غالب آجائے تو انکار کی پیروی راہیں نکل آتی ہیں اور یہ کسی انتہا بات ہوگی

کہ گریں کہا جائے کہ اسلام پاک میں قرآن فطریہ پر ایمان لانا ہی سہول ایمان میں شامل ہے اور
 قرآن مجید نے اس تعلیم کو ملتزمینِ اہل کیا ہے جس کا فطرانہ ایک باطل سے باطل بھی نکال نہیں
 کر سکتا۔ کیا کوئی ایسا شخص بھی دنیا میں موجود ہے جو آگ کی قوت اجراق کا منکر ہو؟ کوئی بھلا
 آدمی یہ کہہ نہیں سکتا کہ دیکشش عقل کے انکار سے کافر ہو گیا یا انسانی قوتِ حافظہ کی کمی نے
 سے مرتد بن گیا حالانکہ جبرئیل یا میکائیل وغیرہ ملائکہ کرام کے انکار سے جو یہ نفس قرآنی خاص
 کافر ہوتا ہے کیونکہ آیہ "من کان عدواً لعلہ و ما کان منہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ
 کا دشمن خدا کا دشمن ہے اور خدا کا دشمن مہذا اللہ جہنمی ہے۔ خدا قہر کر دے کہ اس آیت میں اگر ملائکہ
 سے قرآن فطریہ مل رہا ہو تو معنی یہ ہونے لگا کہ قرآن فطریہ کا دشمن خدا کا دشمن ہے مگر مجھے تو اس کے
 کوئی معنی سمجھ نہیں آتا کہ قرآن فطریہ کے دشمن ہونے کے کیا معنی ہیں؟ جبرئیل کو تو ملائکہ
 نبوت مان کر یہ بڑا ہنگ دی کہ جو شخص اس ملائکہ نبوت کا دشمن ہوگا وہ خدا کا دشمن ہوگا تو بات تو
 یہ بھی انہی ہے کہ باقی قرآن فطریہ اخلاص انسان کے قوی اور عالم کائنات کے بشیاد قوی ہیں
 کا مظہر قدرت میں ہر وہ ذمہ اثر دیکھتے ہیں اس کے دشمن ہونے کا مطلب میری سمجھ میں تو کیا
 کسی کی کہیں نہیں آتا۔ وہ کوئی ناسیہ قوت ہے جو انسان کی قوتِ باہر و باطن یا قوتِ حافظہ و تفکر و
 یا قوتِ عادیہ۔ و اقربا عالم کائنات کے مختلف قوی شواکشی عقل و کشش القسل یا دیگر اجسام
 ارضی و سماوی کے قوی کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔ کیا کوئی صاحب اس معاملہ کو حل کر سکتے ہیں۔ ہاں ایک
 جواب تو میں خود ہی پیش کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آج کل تعلیم سائنس پر ہیست زور دیا جاتا
 ہے مگر یہ کہ کسی کو یہ تاویل سوجھ جائے کہ ان قرآن فطریہ سے دشمنی کر لیا مطلب ہے کہ جو
 شخص طبیعیات اور علم النفس اور علم ہیست نہ جانتا ہو گا وہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ ان علوم سے
 بھی خدا کے کارخانہ قدرت کا انسان کو علم حاصل ہوتا ہے مگر اس کا جواب صرف یہی ہے کہ برائے
 خدا اس قسم کے استہزاء و استغفات سے کتاب اللہ کو بالاتر سمجھئے اور ایمانداروں کو اس قسم
 کی انویات سے صاف فرمائیے۔ ان علوم کے بڑے بڑے ملاحج کل دی لوگ ہیں جو خدا -

نبوت شریعت، یوم آخرت و غیر وہب باتوں کو اقبالہ بلکہ فوج منسبہت میں آپ کی تاویل کے مطابق
 چاہئے تاکہ یہ لوگ اولیاء اللہ کی جامعیت میں داخل ہوتے۔ ناموس پر اس امر کا ظاہر کر دینا
 واجب ہے کہ اس آیت خریفہ کا شان نزول یہ ہے کہ مقام فلک کے اہل بیہوشی سے ایک
 شخص عبداللہ بن مسور یا نام جناب پیغمبر علیہ السلام کی خدمت سراپا رکھتے ہیں حاضر ہوا اور اس
 نے تحقیق مسائل میں اپنے تئیں مغلوب دیکھا اور ذیل سے رہ چکا تو جناب پیغمبر سے یہ سوال
 کیا کہ تجھ پر آسمان پر سے کونسا فرشتہ وحی لایا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جبریل جو تمام انبیاء
 کے پاس خدا کے حکم سے آتا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ تمام ملائکہ میں سے یہی ہمارا دشمن ہے اور
 اگر میکائیل تیرے پاس آتا تو ہم تم پر ایمان لے آتے کیونکہ جبریل مذہب کا فرستادہ ہے جو
 قبل انہیں کوئی دفعہ ہادی قوم پر مذہب لے کر آتا رہا ہے۔ پھر اس نے اپنی سابقہ قوم ہی السری
 کے منافع و اوقات مذہب کا ذکر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس واقعہ سے ناموس معلوم
 کر گئے ہونگے کہ تو مسائل کا مشا جبریل سے کسی قوت فطریہ کا مقامہ عجیب علیہ السلام کا۔
 کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسائل کو حضور علیہ السلام یوں فرماتے کہ جبریل تو مکلف نبوت کا نام ہے تم
 بے وقوف اس کو کیا سمجھے ہو! اور کثرت حجتی سے یوں کہنا کہ چونکہ مسائل جبریل کو خطی
 سے ایک موجود فی الخارج مددک مخلوق سمجھتا تھا جو غیر مرنی ہے اس لئے خدا نے اس کے
 اس مقام کو مسلم رکھ کر پیغمبر خدا کو ایسے جواب کی تعلیم جو اس کے اعتقاد کے مطابق مقامہ
 طاقت و جہالت ہے کیونکہ انبیاء تو ہر ایک قسم کی غلطیوں اور بد اعتقادیوں کی اصلاح کے لئے
 مبعوث ہو ا کرتے ہیں نہ ان کی تاکید و استحکام کے لئے۔ نمود ہائے من و ملک مع ہذا قوائے
 فطریہ کا چھٹنا کوئی ایسا معلق العز نہیں تھا جس کے لئے ایک اعتظ غلات لغت اور غلات کتب
 سابقہ اور اسطلاح مسلمہ خاصہ اس طرح پر استعمال کیا جاتا جس کا مذہب ہر منکرین کے کوئی نہ

سمجھ سکے مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ کہنے کی جرأت تو نہیں سکتی مگر بن آیات میں لفظ مانگہ استعمال
 بنو اب وہ آیات قرآن ہی نہیں پیچھے سے کسی نے الحاق کر دی ہیں۔ اگر کچھ بن پڑتی ہے
 تو یہی کہ لفظ مانگہ کو تو مسلم رکھا جائے اور اس کے معانی بدل دیے جائیں۔ مسلمان بھی ہے اور
 انکار بھی ہو گیا۔

کتاب سہاوہ سابقہ
 سے مانگہ کا ثبوت

کتاب پیدائش باب ۶ میں حضرت ہاجرہ کے ساتھ فرشتہ
 کا کلام اور حضرت اسٹیل کے پید ہونے کی اشارت دینا شروع و
 بسط سے مذکور ہے چنانچہ اس باب کی آیت (۷) یوں ہے (۸) اور

خداوند کے فرشتے نے اسے میدان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس پایا (۸) اور اس نے کہا
 کہ اے سارہ کی تو مٹی ہاجرہ تو گھاس سے آئی اور تو کہہ جاتی ہے۔ وہ بولی کہ میں اپنی بیوی سارہ
 کے پاس سے بھاگی میں (۱۰) پھر خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ میں تیرے ہی اولاد
 کو نکیت پر حاضر کروں گا۔ (۱۱) علیٰ ہذا باب ۱۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تین فرشتے
 کا ہمان بن کر آنا اور میثا پیدا ہونے کی اشارت دینا اور سدوم کے لوگوں کی خیر ملکوت دینا
 اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس سے التجا کرنا مذکور ہے۔ اسی طرح باب ۱۰ و باب ۱۱ و باب ۱۲
 وغیرہ میں وجوہ مانگہ پر صریح نفوس موجود ہیں جن کو مخالفت بھی تسلیم کرتا ہے۔

احادیث صحیحہ سے
 مانگہ کا ثبوت

احادیث میں بخیر مواقع پر مانگہ کا ذکر آیا ہے مگر یہ نظر
 اختصار حدیث خلیل شاہد ہے "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
 قل بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات

یوم اذ اطلع علینا رجل شہید بیاض الثياب مشدائد سواد الشعر لایوی علیہ
 اثر صفر ولا یعرفہ منا احد حتی جلس فی المئی صلی اللہ علیہ وسلم فاستدركتہ
 انی کبیتہ ووضعت کفیدہ علی فخذیہ اذ قد قال لی یا عمر اتدعی من السائل قلت
 اللہ ورسولہ اعلم قال فانتہ جبرئیل انکم لیعلمکم دینکم ثم رفا سلم۔

ترجمہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر
ہوئے گا وہ ایک شخص کو بتایا کہ منید لباس اور خضیہ بالوں والا تھا آنکھوں میں پری کی گئی تھی
کے انگریز معام نہ موت تھے اور ہم سے کوئی اسے پہچانتا تھا آخر وہ جناب پیغمبر علیہ السلام
سے ہم زانو ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں نے حضورؐ کے ہر وہ ان مبارک پر رکھ دیئے اور
اسلام اور دین ادا احسان اور یوم قیامت اور اس کی علامات کی بابت سوال کیا جناب پیغمبر
نے ہر ایک سوال کا جواب دیا۔ جب وہ شخص چل گیا تو جناب پیغمبر نے مجھ سے فرمایا کہ اے
عمرؓ تو جانتا ہے کہ یہ سائل کون شخص تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتے
ہیں (یعنی میں نہیں جانتا) آپ نے فرمایا کہ یہ جبریلؑ تھے جو اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کا
نہارا دین سکھائیں۔

اس صاف اور صحیح حدیث میں شہم کے لئے کچھ بھی گنجائش باقی نہیں بجز اس کے کہ حدیث کا انکار کرے مگر انکار کرنے سے پہلے یہ بخوندار کھنا چاہئے کہ اس حدیث کی تخریج احمد حدیث نے مختلف طرق پر کی ہے اور اس کو حرمذی نے حدیث صحیح سنن کعبہ اس نے صخر الحد کوئی کہا نہیں۔ ثقیب ایماندار کے بے تویہ حدیث ہی کافی حجت ہے۔ کیا کوئی قوتہ فخرچہ نہ لباس میں کریمت میں حاضر ہوئی تھی؟

اہل تصوف کے طریق پر
مناکمہ کا ثبوت -

معانی کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ اکبر علی دین ان عربی کی نسبت بعض معنیات میں قرآن
کا ترجمہ کیا ہے مثلاً کلمہ ستر ستان ہے نحو شیخ اکبر کی تفسیر میں جابجا اس کی تصریح ہوئی
ہے کہ ظاہر قرآن پر ایمان لانا غرض سے اور بعض کو چھوڑ کر اپنے اعتبار میں اور بعض کو بھولنے

میں طرح پر قرآن مجید میں آچکا ہے کوئی کسی قسم کی تاویل یا تفسیر نہیں کر سکتے۔ لیکن اعتبارات و تفسیر
 اس لیے قصص کے ضمن میں اشارتاً مذکور ہوئے ہیں وہ اپنے صحیح مذاق کے مطابق ضرور سمجھ سکتے
 ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اصل یا قطعی کا انکار کرتے ہیں کیونکہ عیسٰی مفسر تو بدشگ
 و بی شکرتہ قرآن سے چنانچہ یہ کہتا اس شخص پر بخشنی نہیں چوسو فیاسے کہ کلام کی تصانیف پر نظر رکھنا
 شیخ اکبر نے مایاچا ہی کتاب فتوحات کے مختلف مقامات میں حدیث و روایت پر بحث کیا ہے۔
 چنانچہ مشہدات و قیل سے ان کا منہ بند ناظرین پر بخشنی ہو سکتا ہے :-

جلد سوم باب ۲۴ ص ۲۸۲ م ۳۴۴ میں لکھتے ہیں ان افلا ساعقلی امدواج مناریہ
 والنورۃ یعنی العیان والعدا ملکہ شرک بینہما فی اسرہ و کلام متروک من اعین الناس
 مع حضورہم و معہ فی محاسنہم حیث کاتوا وقتہ جعل اللہ بینہما و بین ان
 من حجابا مستورا فلا تری ہذا کلاما شاقا ان یفکر و انہ..... الخ

ترجمہ :- خدا نے جب ہادی اور نور علی بن ابی طالب کو پیدا کیا تو انہیں اس
 وقت میں کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں شریک بنادیا یا انکہ وہ برابر ہر ایک کے برابر
 کی لباس میں حاضر ہوتے ہیں اور خدا نے ان کے ادا و دیوں کے درمیان ایک حجاب قائم کر دیا
 جس میں کی وجہ سے ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اگر وہ خود چاہیں تو اپنا آپ ہم پر ظاہر کر سکتے
 ہیں۔ الخ

والعدا ملکہ و علی من اللہ علی الملائکین مہلکون مہلکون افعالہ و اشیائہ
 سلطون علی الملائکین یا مر اللہ..... الخ

ترجمہ :- اور خدا کا کہہ کی طرف سے انسان کی طرف اعلیٰ ہیں جن کی اس پر ہر وقت
 کلمات قلمبے اور وہ ہائے اقبال کو برابر رکھتے جاتے ہیں اور شیائین انسان پر حکم خدا
 سلطان ہیں۔ الخ۔ مگر صلیح بندوں پر نہیں کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے "ان مبادی الیسر
 ان علیہم سلطان" (۱)

ولا یخلق علی الامر و احسن الالام ان لا یستأرهم فالجنة من اللانکة
 هذا الذین یلازمون الالام و یقتادون فیما یأفیل والنمل ولا نری هم عادة
 فاذا اراد الله عز وجل ان یأمر من الالام من غیر اذاعة منهم لذلک دفع الله
 الخیاب من ایین الذی یرید الله ان یراکهم فیدرکهم وقتل یا ما الله العلیق
 والین بالظهور و یقتصدون لئلا نری هم اذ یرفع الله العطاء منا نراهم راسی
 الین وقد نری هم اذ یأمر علی صور و قد نری هم اذ علی صور بشریة بل نری
 هم علی صورهم فی النفس و کما یدلک کل احد منهم نفسه و هو سورته
 الیق هو علی صافان العلانکة اسل اجسامها نور و الحبان نار و ما یج کل من ما
 و تراب ۛ

ترجمہ - اسرار پر فقط جن کا الملق موت ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے
 ہے وہ کونین پر فقط جن کا الملق کیا گیا ہے وہی ہیں جو انسان سے ہر وقت لازم بنتے ہیں
 اور سات وان برابر آمد و رفت کرتے رہتے ہیں اور عادیۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ ہم انہیں دیکھ
 نہیں سکتے۔ جب خداوند کریم کو یہ منظور ہوتا ہے کہ آدمیوں میں سے کوئی شخص جو دیکھنے کی
 قابلیت رکھتا ہو نہیں دیکھتے تو وہ پردہ جان و دہن میں عائل بن جاتا ہے اٹھا دیا جاتا ہے تب
 وہ شخص انہیں برابر دیکھتا ہے اور کبھی خداوند کریم علامہ اور جن کو حکم دیتا ہے کہ وہ متقلل ہو کر
 ہیں نظر میں تب ہم انہیں کلمہ صلا مشاہدہ کرتے ہیں پس کبھی تو ہم اسنی صورتوں میں دیکھتے ہیں
 اور کبھی ان کی اسلی صورت میں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کبھی کسی کا بین کو اپنی سورج بھی نظر
 آجاتی ہے۔ وہاں کی یہ ہے کہ کونکہ کی اسلی پیدائش نور سے ہے اور جن کی پیدائش آگ
 سے اور انسان کی پانی اور مٹی سے ۛ

اور پیر صفحہ ۵۰۶ میں کہتے ہیں ۛ علم ان الله ما جعل الامر و احسن الجنة ۛ
 العلانکة منهم لا نعم السفراد من حصة الامر لی خلقه قلاید لہم من اسباب

میں کہ شیخ اکبر بھی حکم سے قوائے فطریہ ملا رہتے ہیں حالانکہ شیخ کی عبارات مذکورہ بالا سے سادت
 واضح ہوتا ہے کہ شیخ اکبر ملائکہ کو ایک حقیقت مددکہ مخلوق من النور مانتے ہیں۔ وہ عبارت پہلی
 "قال الشيخ في النصوص الحكم وكانت الملائكة من جنس بقدرى ثلاث الصور والهي
 هي صورة العالم المعبود عند في اصطلاح العلوم والانسان الكبير۔ سخت تعجب سے
 کہ کیونکر سید صاحب نے اس عبارت سے پنا مطلب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ
 اس سے تو واضح ہی مذہب کا ثبوت ملے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورت عالم کو
 جس کو صفیائے کرام اصطلاح میں انسان کہہ رہے ہیں اس کے لئے ملائکہ مجبورہ قوی میں داخل
 ہیں یعنی عالم کے تمام کاروبار بغیر ملائکہ کے نہیں ہو سکتے جس طرح کہ انسان کے کاروبار اس کے
 قوی کے بغیر انجام نہیں پاتے پس ملائکہ عالم کے لئے بمنزلہ قوی کے ہیں چنانچہ وہ اس کی تصریح
 یوں فرماتے ہیں "فكانت الملائكة له كالقوى الروحانية والحسية التي في قضاة
 الانسان" یعنی کہ ملائکہ عالم کبیر کے لئے ایسے ہیں کہ جس طرح قوی روحانیہ و حسیہ انسان کیلئے
 جس طرح انسان کے لئے قوت روحانیہ و حسیہ مدبر و متصرف میں اسی طرح عالم کیلئے ملائکہ
 سید صاحب نے یہاں ایک عجیب حکم دیا کہ فكانت الملائكة له كالقوى کا
 ترجمہ یوں کیا کہ قوی جن کو ملائکہ کہتے ہیں۔ ملائکہ مشے زمین کا کوئی عربی دان اس کا یہ ترجمہ
 نہیں کرے گا۔ مگر سید صاحب کا مطلب ایسے ہی ترجمہ سے پورا ہو سکتا تھا۔ آخرین خود انصاف
 سے دیکھ لیں کہ ملائکہ شیخ کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم بعینہ اسی طرح ہے جس طرح
 انسان جو عالم سفیر کہلاتا ہے جس طرح انسان میں قوی ہیں اسی طرح عالم میں ملائکہ قوی کا کام
 لیتے ہیں مگر ملائکہ سے قوی ہی ملا رہیں تو مشہد اور مشہد بہ کا متحد ہونا لازم آئے گا جو اصولیاتی
 کے برخلاف ہے۔ اور ایک عربی یہ ہے کہ سید صاحب مجھے نہ بخیر سے ملائکہ کو صفات ہی
 کہتے ہیں پس لازم آئے گا کہ قوائے فطریہ صفات جیسی ہوں۔ "ولا يقول ببدع عاقل"۔ اعراض
 سید صاحب کا کلام اس موقع پر سخت متناقض واقع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ

اس میں عالم کے لئے ہی کلام نہیں ہے جس جو مذکور جاوے انسانی آفتقوتیں انسانی فروع کو رب کون
 شخص ہے جو یہ کہے کہ فلانکے قتلے فطریہ کا نام ہے کیونکہ قتلے فطریہ تو غیر مذکوری کا نام ہے
 بن کا دھوکہ کسی دوسری چیز میں پایا جاتا ہے اور فلانکے قتالی مدد کہ فوریہ کا نام ہے جو بذات خود
 قائم ہیں۔ ایم جو الاسلام اپنی کتاب احیاء العلوم جلد چہارم میں کہتے ہیں: - فان هذا
 الحین لا یستلغ المشاهدة الامور المملکوتية وکل ما يتعلق بالآخرة فهو من عالم
 المملکوت اما تزی الصحابة تکلیف کا لوالیو منون بنزول جبرئیل و ما کا لوالیو ایشاد
 و لول منون بانہ علیہ السلام مشاہدہ فان کنت لا تو من بعد افتیح لسن لایان
 بالملکوت والوہی احمد علیہ السلام ترجمہ: - کیونکہ ہمارے یہ ظاہری آنکھ عالم
 فلانکے امور کے مشاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور عالم آخرت کے تمام امور ان قسم عالم
 ملکوت میں اچھو بند رہتے جو اس ظاہری محسوس نہیں ہو سکتے کیا تو نہیں جانتا کہ صاحب جبرئیل
 کے حضور پر نازل ہونے کا یہ بیان رکھتے تھے: - بانکہ وہ جبرئیل کو نہ دیکھتے تھے اور اس
 بات پر ایمان رکھتے تھے کہ جناب پیغمبر نہیں دیکھتے ہیں سوائے نادان اگر تو نزول جبرئیل پر ایمان
 نہیں رکھتا تو سب سے مزدوری امر تیرے لئے یہ ہے کہ تو پہلے وحی اور فلانکے پر ایمان
 لانے کی سعی کرے ۔

مذہب متکلمین | اہل اسلام کے لئے قرآن و سنت و سنت مطلق ہیں مگر چونکہ غیر مذہب
 والوں کی روک تمام علمائے امت کا فرض ہے اور نیز خود اسلام پاک
 میں بھی کئی فرقہ اہل بدعت دھوا پیدا ہوئے ہیں اس لئے گروہ متکلمین نے حسب ضرورت وقت
 ہر ایک قسم کے خیالات فاسدہ کا قلع و قمع بند رہتے و فاضل و دہا بن قلیہ تجویز کیا مگر حق یہ ہے کہ
 دلائل عقیدہ صرف دہادی دنیا کے متعلقہ سبابت میں تو کار آمد ہو سکتے ہیں اور جو امور ہائے حق
 سے بالاتر ہیں ان میں تعلیم وحی کے سوا کوئی دیکھ نہیں سکتا براہین عقیدہ سے ہم ایسے امور کا بیان
 ضرور ثابت کر سکتے ہیں اور جب امکان ثبات ہو جائے اور تعلیم وحی اس کی تصدیق کرے تو یقین

اس سے معلوم ہوا کہ معدنیات ان اجسام میں صرف نفوس کے انتقال سے پیدا ہوتی ہیں جن میں
 اوداک اور کمال صلی الواسات قہرے جہانی پیدا ہوتے ہیں کیونکہ نفس کے بدن سے یا فاعل ہو
 جاتے ہیں یا کینیات پیدا نہیں ہوتیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شرف صرف متعلق مجرد سے مخصوص ہے
 اجسام مرکبہ کا یہ خاصہ نہیں جب نفوس بشریہ کی جو جسم سے تعلق رکھتی ہیں وہ حالت ہے تو ایسے نہیں
 کے تسلیم کرنے سے کیا ملے ہے جو بالکل مجرد کہ بعد کمال اوداک اور کمال صلی سے موصوف
 ہوں کیونکہ نفوس بشریہ عالم اجسام میں بنزلہ ان اوداج مجردہ کہیں جو عالم روحانی میں وجود ہیں
 و مستور یعنی یہ کہتے ہیں (بعد ان کے کہتے ہیں) و هذه سمة الملائكة عليهم السلام
 بهذا ان على قدر وسعة قلب المكلن يكون كثرة من فيه من اهلہ و عمارہ و لہ
 لا تسبغة لہائی. هذا المحل الضيق والنقطة الكد و ام و مباحثات کما لا نسبة
 لهذا المكان من ذلك و بهذا اصحت لہ رواية و هكذا اجتبر رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ و سلمہ من كثرة الملائكة في الاخبار المسندة الثابتة عندہ صلی اللہ علیہ و سلمہ
 و لهذا و وجب ان يكونوا هم الرسل و الوسايط۔

سید صاحب نے انکار کیا کہ یہ نہایت زہد و عبادت کے
 سید صاحب کے بعض فقرات پر سرری نظر

سے یعنی حیات و اوداک و غیر نفوس بشریہ کا ماحول یہی ملک کی صورت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کچھ کہتے ہیں ان کے
 کی وسعت بقدر ان کی قدر کے ہے اور جو معجزات اس ملک میں ہوتے ہیں وہ اس کی وسعت سے کچھ نسبت نہیں
 اور ایسا علم جنود و ملک الاعداء میں انہیں کی مشاکوہاں کی فضیلت کوئی نسبت نہیں اس امر کی تسبیح میں حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے کہ ضلک ملک عالمی میں ہوتا ہے
 لئے ایسی اور واسطہ ہوتے ہیں ۲۰۰ سالہ ہر کسی میں سادہ کبریاں کثرت کثرت ہوتے ہیں مگر جہاں ان کے کچھ کہتے ہیں ان کے
 کے کہیں میں سادہ کبریاں بنائے تھیں۔ ہمارے میں ہے کہ ان کی تفسیر ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں
 ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں ان کے کہتے ہیں

یہ مخلوق نہ من اللہ۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں خود کتاب پر تحریر ہے ارشاد فرمایا یا سیدنا اقبون
 فیکم ملائکہ باللیل و نازل بالندار و یجسسون فی مسئلۃ النجۃ و مسئلۃ العصر...
 ہر بات سے وہی حکم ماردیں جو منقہ امور عالم کے انعام پر متعین ہیں۔ ان ملائکہ کا کام یہ ہے کہ
 دنیا کے روزمرہ حوادث کے اسباب پر نگاہ فرمائی جائے۔ تو اسے غلطیہ کا متوقیہ نہ کرے۔
 میں کوئی بیان ہے اس حدیث مطہرہ میں ۵
 (۲) پھر کہتے ہیں:-

بلکہ انہی باتوں سے پایا جاتا ہے کہ جس شے کو یہودی جبریل تجویز کرتے تھے
 وہ کوئی جلائے مخلوق جو حق تعالیٰ سے تھی، جان اللہ اس عبارت سے پہلے یہ کہ جسے کو یہودی کے
 نزدیک تو جبریل ایک موجود شخص میں اب انکار بھی کر دیا۔ اب ان دونوں سے ایک غلطیہ
 (۳) آپ کہتے ہیں:-

”ہاں اس قسم پر کہنا ہے کہ کسی ملائکہ نے جبریل کا اطلاق کر دیا ہے
 اس قسم کی کوئی وجہ بھی ہے یا صرف آپ کی ہی نہیں یہ تمام قرآن کے معانی کا مادہ ہے۔
 (۴) آپ کہتے ہیں:-

”کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ خدا کے پاس باوجودیکہ ان دونوں فرشتوں کے
 ساتھ بھی بہت سے فرشتے ہیں مگر جو دو فرشتوں کے اور سب نے ہم میں کیونکہ کسی احد کا نام
 قرآن میں نہیں آیا۔“

اس پر تعجب کرنا سراسر آپ کی غلطی ہے گراں پر تعجب کرتے ہیں تو اس پر کہوں تعجب نہیں
 کرتے کہ ہر لعل آسمانی جو تحریر کے لئے ان میں سے بجز زید کے اور کسی کا نام قرآن میں نہیں آیا کیا

(بقیہ ماثیل) منقولہ ہے ۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱

بجز زید کے آپ کے نزدیک اور تمام صحابہ بے نام تھے اور کیا مالک اور زبانیہ ملائکہ کا نام
قرآن مجید میں نہیں آیا؟
(۵) آپ کہتے ہیں:-

”حضرت عزرائیل سیڑھے مشہور فرماتے ہیں چوبیس کے پاس بیٹھے
اکویس کو نہیں چھوڑ گئے۔ مگر چنان کا ذکر یہ لفظ ”مالک الموت“ قرآن میں آیا ہے مگر ان کا کچھ نام
نہیں بیان ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بڑے سبیل اللہ رحیم تھے اور سب کو معلوم ہے کہ جناب
صل اللہ علیہ وسلم کے بعد منصب خلافت آپ ہی کو ملا۔ مگر چنان کا ذکر قرآن مجید میں یہ الفاظ
ثانی اثنتین آیا ہے مگر ان کا نام بیان نہیں ہوا کیا آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ حضرت صدیقؓ
و حضرت علیؓ کو فی سبیل اللہ نہ تھے؟“

خدا جل جلالہ کے فضل سے کہ میں بچوں کی سی باتیں کرتا ہوں جن کو ایک ایسا شخص جو
قرآن مجید کتاب کو حل کرنے کا مدعی ہو ہرگز زبان پر نہیں لاتا۔
(۶) آپ کہتے ہیں:-

”ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ مشرکوں کے نام یہ وہ ہیں
کے متورکے بچے ہیں جو مختلف قومی کے قبیر کرتے کو انہوں نے رکھ دیے تھے۔“
ذیل و مغل میں بالخصوص کوئی آپ ہی سے سیکے۔ وہ کون سے مقامات پر بائیں ہیں جن
کے نام نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کیا یہی مقامات کبیرئیل و میکائیل کے ساتھ کسی فرشتہ کا نام قرآن
میں مذکور ہیں اور عزرائیل کو یہ لفظ ”مالک الموت“ بیان کیا گیا ہے۔ اگر واقعی یہی مقصد میں تو
کبیرئیل و میکائیل یہاں گریں۔ جہاں قلم منہ زور جتنا چاہتا ہے مگر کیا کریں آپ
میں وقت ہمارے ہم نرم نہیں اور آپ کے ناواں دوست حق مستاکو یا نہیں کرتے۔
گفتگو آئینہ روشنی بنو۔ - ورنہ باتو ماجرا ہوا و شتم

آپ کے اس قول پر کہ یہ نام یہ وہ ہیں کے وضع کے بعد میں بقیہ کتاب کے ہر کلمہ پر کر دو

سے مکہ اور قبل بھی نہیں۔ محض آپ ان کی پیروی کو ہے جس میں اگر ملک کے نام نہ ملے تو آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے تو جن کو اسے فطریہ کو آپ پیش کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی نام قرآن مجید نے نہ لکھا ہے کیا اس سے آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ قوس فطریہ کا وجود حق کوئی وجود نہیں اور اگر آپ ان کے قرآن مجید میں ہونے کا دعویٰ کر لیں گے تو مسدق ایجاد بندہ ہونگے۔
(۷) پھر آپ کہتے ہیں کہ:-

”ہاں اس قدر تسلیم ہو سکتا ہے کہ قدیم عرب اور نیز رسول خدا اسلام کے زمانہ کے عرب بھی ملکہ الملق ان تو مٹی پر جن سے ادرے قانون قدرت کے دنیا کے لہجے انجام پاتے ہیں کرتے تھے صریح خط اور محض اخرا ہے۔ وکنی یا اللہ شہید! اہل عرب کے ہاں خاص عام قوس کے لئے عیلمہ علیہ السلام مقرر ہیں کسی قوت کا نام لگاتے ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اس زمانہ کے عرب ملکہ کو خدا کی مہیاں کہتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ **قُلْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ الْعِلٰهَ لَكُمْ عِبَادَ الرَّحْمٰنِ اَنَاثًا**۔ یعنی عالم کو جو خدا کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں خدا کی مہیاں کہتے ہیں حالانکہ وہ کسی قوت کو نہ خدا کی مہیاں کہتے تھے ان کی عبادت کرتے تھے پس آپ کے قرار پر خود قرآن مجید کافی دلیل ہے عرب کے کسی کلام سے قوس فطریہ کا ذکر عالم ہونا ثابت نہیں۔ یہ آپ کا قہام ہے۔
(۸) اس کے بعد آپ نے اول لکھ کمال دکھایا ہے۔ آپ کہتے ہیں جیسے کہ ابو عبیدہ

عربی کے اس شعر میں سے

فَلَسْتُ لَا نَبِيَّ وَلَا مَلِكًا - شَقِيٌّ فِي جَوَالِمَاءَ يَصُوبُ
صوب کہتے ہیں مینہ کو اس لئے اس شعر سے پایا جاتا ہے کہ مینہ برسانے کی جو حق ہے اس کو فرشتہ سمجھتے تھے۔ بیان اللہ کیا کوئی شخص بھی نہیں رہا جو انصاف دوست خواہ حق کو قبول کر کے اپنی ایمانی طاقت کا ثبوت دے؟ ہم اس کا کیا جواب دیں؟
فَاَنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَاَنْ تَعْلَمَ - وَاَنْ كُنْتَ تَكْفُرُ فَاَنْ تَعْلَمَ

ایسا معلوم تھا کہ سید صاحب یوں سمجھے تھے کہ تمام دنیا جہاں سے جبری ہے جس طرف چلتی ہے چلتے گئیں گے مگر یہ مسوچا کا آخری حق ہو کر رہا ہے اھ باطل باطل۔ اس شر سے استغاثہ کرنے میں ہمتاء اللہ آپ نے چار ٹوکریں کھائی ہیں۔ حسب ذیل ۱۔

۱۱) ابو عبیدہ کو آپ زمانہ جاہلیت کا شاعر کہہ رہے ہیں۔ یہ آپ کی تاریخ دانی پر دل ہے حضرت بن! ابو عبیدہ معروف و مشہور نام میں علم و نحو کے۔ ان کا اصلی نام مہر تھا باپ کا نام شعی۔ ابناغ تابعین کی جماعت کے آدمی ہیں۔ ابن قحطان لکھتے ہیں کائنات و کلاوتہ فی وجہ سنۃ عشر و ما یاقی السیلة التي تونی فیہا الحسن المصری یعنی ما وجہ سنۃ میں اس بات کو پہنچا ہوا ہے جیسے خواجہ بن ابی ہریرہ انتقال کرتے اعلان کی وفات سنۃ یا سنۃ یا سنۃ میں ہوئی +

۱۲) آپ اس کو ابو عبیدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ امر آپ کی ادب دانی کا مختصر سا کرشمہ ہے۔ یہ ابو عبیدہ کا شعر نہیں اور میں معلوم ہے کہ آپ نے یہ شعر صاحب جوہری سے لیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "انشد ابو عبیدہ لہجہ من عبد القیس جاہلی یمدح بعض الملوك"۔ سنی ابو عبیدہ بنی عبد القیس کے ایک شاعر جاہلی کاہن میں وہ ایک بادشاہ کی تعریف کرتا ہے سندایہ شعر پیش کیا ہے۔ آپ نے ایک آسان عبارت کا مطلب تو نہیں سمجھا مگر ترجمہ کی ترکیب پر بحث کرتے وقت فراء اور سیوریہ کے بھی کان کھاتے ہیں +

۱۳) قلست کی جگہ آپ نے لست لکھ دیا مالک بن خیر حروف قائم ذن شعر درست نہیں ہوتا۔ یہ آپ کی عرو من دانی کا نتیجہ ہے۔ گویا قرص نفس استدلال میں شعر نہیں مگر جب آپ کی تلی پر چڑھ کر کیا جائے تو آپ کے متبعین پر جواب کو اپنا تعمیر سمجھتے ہیں ظاہر کر دینا واجب ہے + (ام) فقط ملاک جو معنی ملاک ہے سے آپ وہ قوت مراو لیتے ہیں جس سے بارش ہوتی ہے

حالانکہ شعر میں جو وہی فرشتہ ہے جس کا آپ شکر کرتے ہیں خود لفظ انسی کے مقابلہ میں کمال
 ولادت کرتا ہے کہ شاعر مدوح کا نوع انسان سے بالاتر ہونا ثابت کرتا ہے۔ کیا اس میں آپ
 کے نزدیک یعنی انسان نہیں؟ بلکہ کوئی قوت ہے تاکہ مقابلہ میں ہو کیونکہ یہ تو کوئی بات نہ تھی
 کہ شاعر مدوح کو نوع انسان سے خارج کر کے اس کو قوت فطری قرار دے کیونکہ شعر کا ترجمہ
 یہی ہے:- کہ

اُسے مدوح کسی انسان کی طرف تو مشرب نہیں بلکہ تمجید فرشتہ کہنا چاہئے جو آسمان
 پر سے بارش لے کر اترتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو نوع انسان سے بالاتر ہے کیونکہ تیرا تعینا
 اس قدر عام ہو گیا ہے کہ تجھے فرشتہ باہر ان کہنا تریا بہت حوال دینا کیسے موجب محبت ہو کر لگتا ہے۔
 یہ یعنی وہی خیال ہے جو زمان مصر حال یوسف کا نظارہ کرنے بلا اختیار پھر اسی قسمی تفسیر
 هذا الامم لشکر ہے۔ یعنی تو فرشتہ ہی ہے۔ کیا یہاں بھی آپ کی یہ مراد ہوگی کہ انسان سر
 کے نزدیک یوسف ایک قوت فطری ہیں؟ کوئی سمجھدار آدمی تو اس انوایت کا قائل نہیں
 ہو سکتا۔ سیاق و معنی خود ظاہر کر رہا ہے کہ افسی سے اعلیٰ کی طرف شاعر نے انتقال کیا ہے
 یعنی مدوح کو انسان سے فرشتہ قرار دیا ہے۔ نہ یہ کہ تو انسان نہیں ہے بلکہ تو ایک قوت فطری ہے
 (چھل و سری طرح سے) ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ قوت کیا چیز ہے؟ آیا کوئی شے
 قائم بالذات ہے یا قائم بالغیر؟ اگر قائم بالذات ہے تو مرنی ہے یا غیر مرنی؟ اور اگر قائم بالغیر
 ہے تو اگر وہ از نوع ہلکا نہیں تو اور کیا چیز ہے؟ اور اگر قائم بالغیر ہے تو کس کے
 ساتھ قائم ہے؟ امداد کا کیا ثبوت ہے کہ شاعر نے وہ قوت قائم بالغیر مراد لی ہے؟ غالباً
 اس کا جواب آپ سے تاقیامت میں پڑتا ہے یہ ہے آپ کی قوت استدلال کا نتیجہ جس سے
 چند ایک ناواقفان کو آپ نے شکوک و ادباہم کے دلائل میں پسند دیا ہے
 خواجہ پندار کہ وارد حاصل ہے۔ خواجہ راجہ حاصل ہو پندار نیست
 (۹) آپ کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا

(۹) آپ گتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا۔
 باطل فطرت اور سفید جھوٹ کیونکہ کوئی مسلمان فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں نہیں مانتا نہ ایلط یہ ہے کہ خود
 ہی صفہ دوسری جگہ یوں کہتے ہیں کہ اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا
 فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا جہاں تک کہ ہم نے تحقیق کی ہے قدیم عربوں کا فقط ملک اور
 ملک کی نسبت الیائیل جیسا کہ یہودیوں کا ہے ثابت نہیں ہوا۔ پھر معترضہ یہ کہ آپ اہل اسلام
 اہل ہود کا عقیدہ فرشتوں کے متعلق ایک ہی قرار دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اہل اسلام اور مشرکین کا اعتقاد
 ایک نہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ آپ کی کوئی بات سچی مانی جائے! عجیب قسم کا جنط ہے کہ اس
 صریح تناقض پر بھی آپ کو متفق ہونے کا دھڑکی ہے۔ کیا کوئی انصاف پسند ہے جو یہ بچا نہ ٹھے کہ
 میں یہ صاحب کے عقائد سے باز آیا اور قیامت کے دن کے لئے وہ سروں کو اپنا شہادت بنا
 بنوں؟ آخر ایک ذرا ایک دن مکرر اکلم الحاکمین کے حضور میں طعنات جہاں دودھ کا وہ دودھ
 ادا پانی کا پانی دکھایا جائیگا *

(۱۰) قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں
 کیا۔ مذکورہ اعداد آیات قرآن کا جواب دے میں یہ بات سننے لائیں *

(۱۱) پھر آپ نے آیت "وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا" سے استدلال کر کے اپنا
 دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے حالانکہ یہی آیت ان کے خیال کا قطعی قلع کرتی ہے۔ کیونکہ مشرکین یہ کہا
 کیے تھے کہ ہمارے پاس ہائیت کے لئے بجائے اس نبی کے کوئی فرشتہ کیوں نہیں آتا۔ خدا نے
 فرمایا "وَلَوْ تَرَوُنَا مَلَكًا لَّفُتِنَّا بِالْأَمْرِ شَعًا لَّنُنْظِرَنَّكَ" یعنی اگر ہم فرشتہ ان کے پاس بھیجتے
 تو بات کا فیصلہ ہی ہو گیا ہوتا اور پھر آئندہ اس وقت تک انہیں یہ ہمت ہی کیوں دی جاتی؟
 کیونکہ فرشتہ کو حقیقی صورت میں دیکھنا طاقت بشری سے خارج ہے چنانچہ انہی کو بھی مشکل
 ہو کر نظر آتے ہیں پھر فرمایا "وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَبِثَا عَلَيْهِ مَا يَلْبِسُونَ"
 یعنی اگر نبی ہم کو کوئی فرشتہ ہی مقرر کرتے تو پھر بھی انسان ہی کی شکل میں ہوتا اور پھر وہی بات آخری تھی

یعنی کہ یہ لوگ شک میں نہیں آتے اور کبھی باوجود کرتے کہ یہ ملک البصیرۃ النہال ہے بلکہ یہ کہتے
 کہ کوئی معمولی آدمی ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ملک جہنم
 اشیاء کا نام ہے جن کا دکھائی دینا ممکن ہے مگر نہ اس لیے کہ ہر ایک شخص جیب پا ہے مثلاً
 کرے اسی صحت میں ان کی اس قدر عافیت جو جواب انہیں دیا گیا مطبق ہو گئے اور اگر وہ نہ
 تو یہ کہتا کافی تھا کہ اسے ناوانو کیا فرشتہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جو دکھائی دے؟ اس کو انہیں
 یہ پکار کے شہداء میں بھی بتلایا ہے اور وہاں الفاظ تو میری طرف الملک لکھتے تھے لیکن نہ کر دیا
 ہے کہ وہ فرشتہ بھی تعارض کر سکیں گے ہیں ثابت ہے +

(۱۲) پھر لکھتے ہیں بعض اکابر ابن اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام
 محمد بن عبد بن عربی نے قصص من الحکمۃ میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے +
 حاشا وکلا۔ قطعاً و یقیناً جس کے لئے کہ اکابر اسلام میں سے کسی نے اس قول مقتدا
 و کبار کیا ہو۔ رہا شیخ اکبر کا معاملہ سو ہم نے گذشتہ سطور میں ان کی عبادات کو نقل کر کے دکھایا
 ہے کہ شیخ بڑے زور کے ساتھ جو دلائل کو اسی صحت میں تسلیم کرتے ہیں جو اہل حق کے نزدیک
 مسلم ہے۔ انہیں آپ خاتم النبیین اکبر کا نام لے کر پچاسے انگریزی غنائوں کو دھونے لگے
 نفوذ باللہ من ذلک +

(۱۳) پھر آپ شیطان کی فتنی میں لکھتے ہیں غلغلے فرمایا کہ جو دوسرے دل میں آتے ہیں
 ہم ان کو جانتے ہیں۔ کوئی تو سمجھے کہ اس سے شیطان کی فتنی کو نہ بھڑکائی؟
 (۱۴) پھر لکھا ہے اور فرمایا کہ نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے +

قرآن مجید کی کسی آیت کا ذوق عبادت ترغیب ہو سکتی ہے نہ حاصل۔ اگر کہیں آپ کے لئے
 قرآن کی آیت ہو تو ہو غالباً آپ نے آیت "ان النفس الامارۃ بالسوء" کا ترجمہ کیا ہے مگر ہم دوسری
 سے کہتے ہیں کہ سر زمین مکرش سے پیدا ہونے والی ایک عربی دین بھی ایسا نہیں ہے کہ اس سے
 کو صبح کہنے کی جرات کرے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بیشک نفس برائی کی طرف بڑھ کر رہتا ہے +

مگر آپ نے جو ترجمہ میں نقل فرمایا ہے اس پر کھادی کو کس قاعدہ سے؟ اس نقطہ کے کلام کا منہرہ می
 کچھ اور کا اور بدل دیا۔ یہ آپ کی کم استعدادی کا نتیجہ ہے یا خیانت کا؟ ہم نیک نیتی سے
 یہ یقین کر چکے کہ آپ حجت سے باہل نا آشنا ہیں ایسی ایسی غلطیاں آپ نے مختلف مواقع
 پر کیں ہیں مگر ان میں سے ایک واقعہ کے دوسرے پہلو سے موازنہ نہیں کر سکتے۔

تلم حاتی چڑھے جانے میں کہ قصر الصفہ علی الموصوت یا قصر الموصوت علی الصفہ سے
 تفسیر میں پیدا ہو جاتی ہے اس کی اردو زبان میں یہ صورت ہوگی شاعرانہ ہی ہے۔ قریب
 قناعی ہے اس قاعدہ کے مطابق اگر آپ کے ترجمہ کو عربی میں لکھ کر دیا جائے تو آیت
 کے الفاظ کی صورت ترکیب یوں بنی جائیگی۔ ان اکامامہ فی حق النفس۔ اربے شک
 مس ہی بگائی کا حکم دیتا ہے اس صورت میں آپ کا دوسرا یعنی مثنوی شیلان بھولی ثابت
 ہو سکتا ہے آیت کا صرف یہ عیب ہے کہ نفس بہت بڑی چیز ہے جو ان کو بڑے زور
 سے بڑائی کی طرف کھینچے جائے کہ کسی نقطہ سے یہ تشریح نہیں ہوتا کہ اس کے نفس کے
 کو کوئی چیز بڑائی کی طرف کھینچنے والی نہیں۔ آپ نے لفظ ہی بڑھا کر خواہ مخواہ تحریف کا
 قیام اپنے سر لیا۔

(۱۵) پھر آپ ایک مقام پر جبر علی کے واسطہ سے ہونے کے الفاظ میں اور حد فحشانی
 کہتے ہیں کہ آیت اذ اقمناہ فاقع قراندہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خود بلا واسطہ عدالت
 قرآن میں یہ غیر برائے نازل کیلئے تو دلیل سے چھوٹا کر کہ قراندہ صیغہ جمع تکمیل ہے چونکہ نسبت
 فعل کی خصلت یعنی ذات کی طرف کی ہے اسلئے ثابت ہوا کہ کوئی واسطہ نہیں۔ میں کہتا ہوں
 کہ آپ کا استدلال داخل پا رہا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص یوں کہے کہ علیکڑھ کوئی کے بانی

سلسلہ سے پیچیدہ ہم چاہیں تو اس پر چڑھنے کی پروا کی کیا کر سنی پوری آیت پڑھ جائے
 کہ بعد از ہذا بیان پر لکھا کر۔ حاشیہ

الغرض
 کہ اگر کوئی شخص
 کہے کہ علیکڑھ کوئی
 کے بانی

سید صاحب ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ سید صاحب اینٹ۔ چونکہ اور تعمیر کا کام خود بنفس نفیس کرتے ہیں؟ کیا استاد مجاہزی اور استاد تحقیقی کا مسئلہ علم معانی میں بیان نہیں ہوا؟ قرآن مجید میں ایسا اوقات خداوند کریم نے فضل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور ایسا اوقات شیطان کی طرف بھی نسبت کیا ہے۔ وہ اس کی یہ ہے کہ کبھی فضل کی نسبت علت بعیدہ کی طرف ہوا کرتی ہے اور کبھی علت قریبہ کی طرف۔ اس کی مثالیں ہر ایک مذہب میں بہ کثرت موجود ہیں۔ ایسے قرآن شریف ہی سے مثال پیش کی جاتی ہے۔ "یا ہامان ابن لی صرھا" اور عربوں نے اپنے خدیو سے کہا کہ اے ہامان تو میرے لئے ایک کل بنا کر آ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اے ہامان تو جو کہ خود کو گری سر پر اٹھائے۔ انھیں آپسی آپسی فاش فعلیاں کہتے ہیں اور یہ دوسری ہے کہ سلع و غفلت کی تحقیق پر جرح کئے بغیر ایک قدم آگے نہیں جلتے۔ کیا اسی تحقیق پر آپ نے جبریل کا ٹھکانہ کر کے یہ لکھا تھا کہ من ازہم الا میں قرآن پہنچائے مٹی خوانم۔ اگر اس انداز کا تتبع ہو تحقیق ہے تو جس معلوم ہوا کہ میر حق سے کوکوں دھڑ ہے ہیں اور اگر آپ کو یہ معلوم و کشف ہوا ہو تو آپ کے لئے حجت ہوگا نہ کسی غیر کے لئے۔

(۱۱) پھر لکھتے ہیں "غرضیکہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قوی کو بولناں میں آیا اور جن کو نفس غداہ یا قوائے جمیہ سے تعبیر کرتے ہیں ہی شیطان ہے۔" محققین سے ملوث آپ کی کار اپان فروش اور ملوفا نامہ نبائی ہوئے وہ جس کے خلاف پر خدا نے کچھ بھی ذرا عقل پر توڑ ڈالا ہے وہ تو ایسی لغویات منہ سے نہیں نکالے گا بلکہ جوت منہ سے نہیں نکالے گی پیر وی میں ایک بات کہ دنیا کسی ایسا انداز کا کام نہیں۔ قرآن و سنت آپ کی تشریح کے محتاج نہیں کیا نہیں باتوں پر آپ کہا کرتے تھے کہ جو اہل ان کے لئے ہیں نے یہ تفسیر کہیں نہ کیا نہیں صحیح عقائد کی فروست نہیں! آپ نے تو تعلیم یافتگان کے حق میں یہی فرمائی کہ میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اعتدال کل جو اٹھا بعض اندر پتوں کی طرف سے پس ہوا ہے

آپ نے متقین کا عقد تو منہ سے نکل بیٹھا خداوند پر کا نام تو گنہ دیا تھا۔ ہر توبہ کے لئے اللہ
میں کھڑے ہو کر یہ جملہ کہنے کو تیار رہیں کہ اللہ نے لایزال کو یہ بخش دیا ہے۔

حضرات صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور بعد کے علماء محدثین و متکلمین و صوفیہ و کرامیہ
ایک ہی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے لاکھ اور شیشہاں کا انکار کیا ہو یہ کسی جرات ہے کیوں ہی
محققین کا عقد آپ نے بخر دیا؟ ہاں ممکن ہے کہ آپ کی طرف بعض ان علماء سے جو عقاب کی طرح
کھڑے لا اے لا اللہ سے زیادہ کچھ غصہ و مہم نہیں سمجھتے اور غالباً اگر آپ یا آپ کا کوئی دام امتداد
یہ روئے گا تو علماء متکبرین کے قول کا حوالہ دے سکے گا۔ دوسرے علماء قرآن و سنت میں
سے تو ایک شخص بھی آپ کا ہم خیال نہیں مل سکے گا۔ اور علماء کے قول کو جو وقعت قرآن اور
سنت کے سامنے حاصل ہے وہ معلوم ہی ہے۔

اب میں آپ کے اسی قدر فقرات پر جرح کو ختم کرتا ہوں و خدا آپ کی تفسیر کا ایک ایک
عقد کاٹ دینے کے قابل ہے۔ ناموزن بطور مشتے انحرافات و مواضع گنہ گار لکھے۔

ناموزن! آپ اس امر کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ سید صاحب کے خیالات مذہبی فلسفہ طبعین اور
بعض دیگر مذاہب مذاہب کے اصول سے ماخوذ ہیں۔ آپ اگر تہذیب علم کلام یا فرائض یا عقائد یا مذہب یا
کی تصانیف کو دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ سید صاحب بالکل مطابق انصاف بالانصاف انہیں کے
مقدم ہیں۔ زیادہ نہیں تو مل و نخل اور دبستان مذاہب فارسی ہی دیکھیں جن سے آپ سید
صاحب کے خیالات کا ماخذ معلوم کر سکیں گے۔ مثلاً حکمائے مشائخ مانتے ہیں کہ جن آئینوں
کو توحید قدسیہ نصیب ہوتی ہے انبیاء مراد ہیں ان کی قوت خیر الیہ اس درجہ تک قوی ہو جاتی
ہے کہ وہ اپنے اور کائنات کو بصورت عظیمہ دیکھتے اور ان کا حمد و کلام سنتے ہیں یعنی وہ اصل نہ
کئی فرشتہ ہوتا ہے نہ کوئی آواز یا کلام ان کو سنائی دیتا ہے بلکہ محض ان کے وہ معلومات
ایمان کو مبداء فیاض سے عطا ہوئے ہیں کسی عمدہ نکل میں لکھ آئے اور نہایت عمدہ چھپ
کلام کرتے ہیں۔ یہ فرشتہ جو نہ کوئی کھانی دیتا تھا وہ ہی تھا اور وہ وہی اور اللہ ہی آواز

مستی (دیکھو کتاب مل و نخل شہرستان مطبوعہ جلد دوم صفحہ ۸۶) +

تسلیم سید صاحب کی تحقیق دہلی اور اس تقریر میں کیا فرق ہے؟ بجز سید صاحب نے
ہنایت جیسا کہ سے انبیاء کو دیوانہ دہلی سے تشبیہ دی ہے لیکن ان خیالات کی وقت پر وہ ان
جناب محمد علی علیہ السلام کی نظروں میں پرکھ کے برابر بھی نہیں۔ اور سنیے بعض مکمل کا
جنت کی نسبت یوں عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ لوگوں کو آخرت کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور وہیں
کے ثواب و ثقاب مثالوں میں لوگوں کے الینین قلب کے لئے بتا دیتے ہیں یہ حقیقت
وہ ایک لغو عمل ہے جو نہ کسی تکمیل دیکھنا نہ کھن سے سنا (دیکھو مل و نخل صفحہ ۶۷) +

یہ پچھلا جملہ حدیث کا ترجمہ ہے اور پہلا نبیل (غیر جنت و دوزخ پر مشتمل ہے) کیا اس
خیال اور سید صاحب کے خیال میں کچھ فرق ہے؟ ہرگز نہیں +

اور سنیے بعض اہل برہان کا یہ عقیدہ ہے کہ سولہ عالم محسوس کے اور کوئی عالم نہیں۔ ان
کا ہر بات میں اپنے ذہن صافی اور فطرہ سلیمہ پر ایمان کو سید صاحب نے کھینچتے ہیں انہوں نے کلی ہے
نہ وہ جن کے قائل ہیں نہ فرشتہ کے اور نہ کسی خرق عادت کے اور اس گروہ کا نام بعبیدہ ہوتا
ہے (دیکھو مل و نخل صفحہ ۱۰۸) +

پھر یہ مصنف دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں
کہ احکام شریعت از قلم اولیاء و ابی بعض صلوات وقت کے گروہ سے مصالمان وقت اپنی
جمیعت صافی سے تجویز کر لیتے ہیں اور جن غیب کی باتوں کی و خبر فرماتے ہیں وہ درحقیقت ان
کے اپنے خیالات ہوتے ہیں ان کا کوئی حقیقی وجود نہیں بلکہ یہ باتیں بعض عام جاہلوں کیلئے
بطور ترغیب و ترغیب کے بیان کی جاتی ہیں..... الخ

اب ناظرین فرماتے دیکھیں کہ سید صاحب کے خیالات کا ناقد یہی تقریریں ہیں یا
کتاب و سنت؟ میں اس پر زیادہ حاشیہ نہیں چڑھاتا۔ سنی پسند طالع کو حق و نور انوار ملتا
گرمیں سارا کی چوٹی پر کھڑا کر کے کھینچا رہا کہ ان خیالات کا سدھ سے اسلام پر کد کو ہرگز

ہرگز کسی قسم کا متعلق نہیں۔ یہ کنارہ کشی کے خیالات ہیں جو شروع آفریقہ سے انبیاء کے فسادات پر
 ہیں۔ *

جناب امیر المؤمنین علیؑ | اس بیان پر بغیر بحث پر بلا لگنے کے متعلق جناب ولایت مآب
 حضرت امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے خطبات سے دو
 اقتباسات پیش کرتا ہوں اور میں یقین کرتا ہوں کہ حقیقت بلا لگنے

کے متعلق اشد اور اشد کے درمیل کے بعد عیسایا جامع کلام مجھے زمین کے کسی فاضل کی
 قلم سے نہیں نکلا اور نہ نکلا ممکن ہے۔ چنانچہ آپؑ اپنی نسبت ایک عالم میں فرماتے ہیں۔
 نحن شجرة النبوة ومحطة الرحمة والدة المحللة والمعاون العلم والمناجیح
 الحکماء۔ (ترجمہ) ہم اہل بیت نبوت کا درخت اور رسالت کے ذرائع کے لئے مقام
 اور بلا لگنے کے آمد و رفت کرنے کی جگہ اور علوم حق کی کان اور حکمت و دانش کے سرچشمے
 ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ اعتقاد نہیں۔ یہ حقیقت الامر ہے جس کی تصدیق خود جناب سرور کائنات
 نے بالفاظ آقا خاتم الحکماء و علی باباؑ (گروہی ہے (ترمذی)۔ ایک اور سہ مقام
 پر ہیں فرماتے ہیں سلونی عن سہر القیام فانی اعلم بھا من طرق کلا من۔
 ترجمے آسمان کے راستوں کی بابت پوچھو کہ ان میں زمین کے راستوں کی نسبت آسمان کے
 راستوں کا کیا اور واقعہ ہوں، شیخ کلبرانیؒ تفسیر میں لفظ طرق کے متعلق کہتے ہیں کہ
 اس سے اسماء و مقامات روحانیہ مراد ہیں۔ بہر صورت ایسے حقائق کے متعلق ایسے ہی لوگوں
 کا قول مستحب ہو سکتا ہے نہ کسی یا وہ کو نفسی کا۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

واللہ لیس ما بین السموات اعلیٰ من الارض من ملائکة فضیلة
 سجود لایکونون و رکوع لایستقیمون و صافون لایقہ الیون و مسجونون لای
 یسأمون لایستأمنون و لایستأمنون و لایستأمنون و لایستأمنون و لایستأمنون

لے لیں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے شرف میں وہاں اعلیٰ عالم میں جو کلام اللہ کا ہے وہاں اللہ کا ہے

ولا عقلة السيلان ومنهما ما على وجهه والستة الى رسله ومثلون
بقضائه وامرا ومنهم الخفظة لبارد والسدنة لا يواب حنانه
ومنهم الثابتة في الكارمين المسقى اقدامهم والبارقة من السحاب
الغيا عناقهم والنجارية من الاقطار اركانهم والمناسبة لقوام
العرش كائنهم فاكسوا وودنه البصار هم متلشون باجنتهم ورفق
بينهم وبين من دونهم حجب العزلة واسار القدر لا يوهون
رؤسهم بالتسوير ولا يحجون عليه صفات المصروعين ولا يجبدونه
على الامكن ولا يشيرون اليه بالتقارن

ان کے اوصاف باہر بل جلال کے وہ بیان سمیت انصاف کے پڑے لگ بھگ ہیں۔ وہ
 قات ہادی کو کسی شکل و تصویر کے طور پر اپنے دھم میں نہیں لگاتے اور مخلوقات کے صفات اس کی
 قات پر جاری نہیں کرتے اور نہ وہ اس کے کسی مکان میں پاتے ہیں اور نہ بذریعہ امثال اس کی
 طرف اشارہ کرتے ہیں +

نوٹ: پچھلے فقرات کا مکمل یہ ہے کہ جس طرح انسان ضعیف البیان خلی قات قات
 کو اپنے ذہن میں ایک فرضی شکل سے مخصوص کر کے تصور کرتا ہے حالانکہ خدا اس فرضی شکل
 اور تصویر سے بالکل بری ہے لاکھ کے لئے ایسا نہیں کیونکہ انسان کا علم غایب سے حاصل
 کیا جاتا ہے اور لاکھ حصہ اولک ہیں نہیں ترتیب مقدمات اور اکتساب نتائج کی ضرورت
 نہیں پڑتی +

پھر ایک دوسرے غلطی میں فرماتے ہیں من ملائكة اسكتهم سلو تک و فتم
 عن رسلهم و اعلم خالقك بك و اخوفهم لك و اقربهم منك و ليكنوا
 الاصاب و امر خالقوا من ما و همين و لم يشعربهم ريب المنون و انهم
 على مكانهم منك و منزلتهم عندك و استجملوا و هو ارحمهم فليكنوا كثرة
 فاعلموا لك و قللة غفلتهم عن امرك و لو كانوا كذا ما خلق عليهم منك فتم
 اعلمهم و لكنهم و على انفسهم و لعرفوا انهم لم يعبدوا حق و صارت و لم يظلموا
 حق و لا ظلموا + (سبح الباقية) +

ترجمہ۔ اے خدا! بعض ایسے ممالک بھی ہیں جن کو تو نے اپنے آسمانوں پر پایا ہے اور اپنی
 زمین سے انہیں جہد بگہ میں بٹھایا ہے وہ تیری دوسری مخلوقات کی نسبت تجھے زیادہ جانتے
 ہیں اور ان کی نسبت تیرا زیادہ خوف کہتے ہیں اور تجھ سے زیادہ قریب ہیں۔ وہ نہ تو بابوں کی
 پیٹھ میں ہے اور نہ ماؤں کے رحم میں اور نہ وہ ذیل پانی (نظفہ) سے پیدا کئے گئے ہیں
 گروہی روزگار سے ان میں کسی قسم کی پر لگندگی اور پیشانی عالم نہیں ہوئی۔ وہ باوجود اس کے

کہ تیرے نزدیک ان کی قدر و منزلت بڑی ہے اور سب کے سب تیری بابت ایک ہی خواہش رکھتے ہیں اور تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے حکم کی سیما اور سی سے کسی غافل نہیں ہوتے اگر تیری حقیقت ذات سے جو ان پر پوشیدہ ہے واقف نہ ہوں تو اپنے اعمال کو بقایا تیری عبادت کے حقیق اور اپنے متیں عیب آلودہ سمجھنے لگیں اور اس بات کو جان لیں کہ تیری عبادت کو کماحقہ سبجا نہیں لگتے اور نہ پیرے طور پر تیری اطاعت کا فرض ادا کر سکتے ہیں۔

ان ہر دو استشہاد سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ تو نے فطریہ نہیں مگر وہ ایک مطلق کی ایسی مخلوقات کا نام ہے جو محض اعداک اور حیر پر پیدا کی گئی ہے اور جن کا مادہ اجسام مرکب کے مادہ سے باطل عینہ ہے اور خداوند کریم کی طرف سے خلقت اور پرورش میں چونکہ ان کی نوع عالم ادوی نظام کی مقام الوارے سے عینہ ہے اس لئے لازمی بات ہے کہ ان کے خواص اور لوازم بھی ملیدہ ہوں۔

الایمان بین الجبر والقدر

قرآن مجید کے آیات مقدمہ میں چار مواقع ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے عقائد قدس کو بظرافت تسلیم دہی کے حجت گردانا ہے اور اپنے مذہب باطل کو کفر و شرک کی تائید میں تقدیر انہی کو پیش کر کے اپنی حقہ وری ثابت کرنا چاہی ہے وہ مواقع حسب ذیل ہیں:-

(۱) سيقول الذين اشركو الوشا، الله ما اشر كنا ولا اياؤنا قل قل الله المحجة الباطنة فلو شا، هذا الكفر اجمعين "یعنی مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم لوہے سے آباؤ اجداد و شرک نہ کرتے اسے چلیں نہیں کہ دو کہ حجت کاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہم سب کو ہدایت کرتا۔

وہا ینقال ان الذين اشركو الوشا ما الله ما عبدنا من دونه من شئ - یعنی مشرک لوگ

ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی غیر کی عبادت نہ کرتے ۔

رج اقل الذین كفروا الذين امنوا قطعوا من لوطيا ما الله الطعمه يعني كافر
لوگ ایمان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھانا دیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کھانا دیتا
(د) وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ لَقَدْ عَلِمْنَا مِنْ هٰذَا

الاشیاء شئ۔ یعنی کافر لوگ کہتے ہیں کہ اگر رحمن چاہتا تو ہم ان (باطل معبودوں) کی عبادت
نہ کرتے ۔ ان لوگوں کو مشیت الہی کی حقیقت کا کچھ پتہ نہیں صرف اگل پتھر باتیں کہتے ہیں ۔
آیات مذکورہ میں حمد کہنے سے علوم ہو گا کہ ان کا مفہوم ٹھیک وہی مذہب ہے جس کو اللہ تعالیٰ
نے دلیس علیہ اللہ کی طرف سے یقین فرمایا ہے حیت قال حکایۃ صنف رب بما اغویتی
لانیضن لعمری الا ان لا غوینہم اجعیس یعنی خدا یا بعض اس کے کہ تو نے مجھے
گرد کیا ہے میں تو آدمی انھوں میں اعلیٰ ہو کہ دنیا میں مزین کر کے دکھائیں گا اور ان سب کو
گرد کیا کروں گا ۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے مقابلہ پر تقدیر فرمائی کہ جو بت گردانا اور
غصب جبر کے قائل ہوئے لیکن قابل بحث یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استدلال کو
کیوں مسلم نہیں رکھا ؟ بلکہ قرآن شریف میں ایسے آیات معجزہ میں جن سے بظاہر ان کے
استدلال کی حقانیت کا پتہ چلتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّنَا مَا فَعَلُوْا ۔
یعنی اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے ۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ہے وَلَوْ شَاءَ
لَا نَبَا لَافْسٰقِ الْاِنْسِ حٰدِاھا ۔ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر ایک فاسق کو اس کی بد نیت سے مٹا دیتے ۔ علیٰ ہذا
میں دیگر آیات میں بھی ایسا کفار کے مذکورہ بالا استدلال کی محنت کا پتہ لگتا ہے ۔ اس صودت
کی یہ سوال مانتا ہوتا ہے کہ ایک ہی امر کفار کی طرف سے تو باطل قرار دیا گیا اور صلئے تعالیٰ
کی طرف سے صحیح ۔ حالانکہ ہر دو کا مفہوم ایک ہی ہے ۔ واضح ہو کہ اس مقام پر یہ سے اظہار
نہیں کہ وہ صو کا لگے اور حقیقت الامر یہ ہوا وقت رہ کر وہ تمام تحقیق سے وہ نکل گئے ہیں ۔

ہم ذیل میں ہر دو قسم کے آیات میں تطبیق کرتے ہیں۔ ناظرین کو ایسے مقامات پر غور سے کام لینا چاہئے کیونکہ قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جن میں اظہارِ تناقض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت متناقض نہیں ہوتا۔

بعض محققین نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مفسرین کے مذکورہ بالا قول کی تصدیق اور تکذیب میں کی۔ بلکہ ان کے طریق استدلال کے غلط اور بے عمل ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ مشرکین کا یہ قول کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم بہت پرستی نہ کرتے اپنی اسلیب کے رُوسے بالکل صحیح ہے مگر انہوں نے اس استدلال کو ایسے طور پر استعمال کیا ہے جس سے اہام و دوا ہی شریعت کا ماحولہ پایا جاتا ہے اور قضا و قدر کو اپنے لئے حجت جان کر نکال دینا شرعیہ کو ساقط کرنا مفہوم ہوتا ہے جس سے ضرورتِ نبوت کا مفہوم بالکل بے معنی ثابت ہوتا ہے مگر جہاں اللہ تعالیٰ نے دلوشا اور بٹ مافصلوہ اور شاوخر فرمایا ہے وہاں اس نے اپنی قدرت کاملہ اور اپنی ربوبیت اور وحدانیت اور تمام اشیائے موجودات کے اپنی طرف متوجہ ہونے کا ثبوت دیا ہے یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ جس امر کے متعلق ہماری مشیت ہوتی ہے وہ واقع ہو کر رہتا ہے اور جس سے ہماری مشیت متعلق نہیں ہوتی وہ کبھی وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ گویا حیدر متعلق طیارا، ماشاء اللہ، کان وما لہ لیشاء، لہد لیکن کی تعلیم دہی ہے مگر مشرکین نے اس کے برخلاف ایسے مواقع پر اس کا استعمال کیا جو عقیدہ مذکورہ بالا کے سناپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی صحت کا رد نہیں کیا بلکہ اس کے بالکل اور بالاند استعمال کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا یہ خیال محض ان کی نفاق و پرہیزی ہے اور یوں ہی اگل سچو منہ سے غفل پھینکتے ہیں اور انہیں اس عقیدہ کی حقیقت کی کچھ خبر نہیں کہ کس معنی میں وہ صحیح ہے اور کس معنی میں غلط۔

اس کی بجائے وہ لکھتے ہیں جو ذرۃ خوارش نے بقابلہ حضرت امیر المومنین علیؑ کہہ کر اللہ و جہ پیش کر کے کہا تھا۔ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" حضرت امیرؑ نے فرمایا "کہہ دے حق اللہ"۔

یہاں الباطل یعنی خواجہ کا قبل بچائے خود بالکل صحیح ہے کیونکہ فیصد صرف کتاب اللہ ہی کا کام ہے اگر خواجہ تا بنجار نے اس کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے یعنی استدلال کو بے عمل استعمال کیا ہے یہی حال مذکورہ بالا مشرکین کا ہے جو لو شاء اللہ ما عبادنا..... کو اپنے شرک کے جواز میں حجت گردانتے ہیں کیونکہ اتنی یہ نیل بہت صحیح ہے بلکہ مقاماً سلام میں اس کے لئے "ما شاء اللہ" کا یہ وصافہ لفظ لکھ لیکن "مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلیل پر سے احکام ضروریہ کی تعلیم اتحادی گئی ہے اور وہ کفر و شرک کے کہنے میں مجبور ہے کیونکہ اس خیال کے تسلیم کر لینے سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر و محصیت پر راضی ہوتا ہے حالانکہ وہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ لا یرضی لعبادہ الکفر یعنی وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔ مشرکین کا استدلال ایک گونہ اس امر کا مستلزم ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے برخلاف حجت قائم کرنے کا حق حاصل ہے حالانکہ یہ خیال سراسر باطل ہے کیونکہ کسی کو برخلاف ذات باری کسی معاملہ میں کوئی حجت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک طرح سے بندوں پر حجت حاصل ہے کیونکہ وہ کامل القدرۃ اور کامل الحکمۃ ہے یہی وجہ ہے کہ مشرکین کے برخلاف فرمایا اظہر الحجۃ الباطلۃ یعنی یہ لوگ مقناقصہ کی آڑ میں برخلاف ذات باری کے حجت پیش کر کے سرخرو ہونا چاہتے ہیں حالانکہ حجت کا تو صرف ذات باری کو حاصل ہے اور یہ لوگ اس حجت کو توڑ نہیں سکتے کیونکہ ہم نے انہیں جدیدہ اسباب و تعلیم و حق کی صلاح و فلاح اور طاقت عذاب کی طرف جاننے میں اختیار سنا ہے جسے رکھتا ہے۔ پھر ان کی حجت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اس لئے یہ لوگ مقناقصہ کے پردہ میں خدا کے تعالیٰ کا مقابلہ کرتا چاہتے ہیں جو محض طاقت و نادانی ہے۔

مکملہ فقیر شاہ حضرت امیر المؤمنین اور سید عبادت کے درمیان تصفیہ کیلئے حکم مقرر تھے۔ خواجہ بھٹکے نے اپنے لئے کفر و باطل کا فیصلہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو یہی وہ لوگوں میں لایا جاتا ہے جو اس

یہ مقام واقعی قابل غور ہے کیونکہ ایک ہی امر کو سب اثبات ذات باری میں پیش کیا جاتا ہے تو وہ باطل صیح بلکہ میں توحید سمجھا جاتا ہے اور جب اسی امر کو تحقیر و جی کے معارف اور اولیٰ اور نقاہی کے ابطال میں پیش کیا جاتا ہے تو وہ باطل بلکہ میں کفر ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر ایک فعل کی جو نشان سے صادر ہوتا ہے۔ دو جہت ہوا کرتی ہیں جہت فعل کو تو ذات باری کی مشیت و قدرت سے تعلق ہے جس سے کمال صفات باری کا یقین حاصل ہوتا ہے یعنی آیہ ”وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ کی حقیقت قلب مومن پر شکست ہوتی ہے اور شیم بعیرت سے اللہ تعالیٰ کی مشیت انہی کو ہر فرد کا سلسلہ میں موثر ہوتے دیکھنے لگتا ہے اور اسی مقام پر یہ باز لکھتا ہے کہ کیونکر تمام دشمنان و اعدا ان کے عوارض ایک ہی حیثیت سے ذات مطلقہ کاملہ کے مقتضائے قدرت و حکمت کی صفحہ میں جو انہیں سب امداد و تلو و تبدل کے دو مان میں لاتی رہتی ہے۔ یہی معنی ہیں آیہ ”فَلْيَدْعُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْبَرْقُ“ میں لکھتا ہے کہ اس مسئلہ میں فور کرنا چاہیے مبادا پھر پت و دہریت کے دلائل میں نہیں جانے کا موقع پیش آجائے +

اور جہت ثانی کے لحاظ سے اس فعل کو ارادہ انسانی کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے جس سے انسان کی اس حالت اختیار کی کہ اگر شکست ہو جاتا ہے جس کے رُوسے وہ جو ابدہ قرار پاتا ہے اور یہ حالت اختیار کی مشیت ذات باری کی معلول ہے۔ اس مقام پر آیہ ”لَنْ يَسْتَقِيمَ“ کی حقیقت کا پتہ لگتا ہے اور عارف شیم بعیرت سے دیکھ دیتا ہے کہ کس حیثیت سے وہ باوجود ارادہ انہی کے تابع ہونے کے کتاب فعل کا اختیار رکھتا ہے۔ الغرض انسان کامل وہ ہے جس پر انسانی فعل کی ہر دو مذکور بالا حیثیت کا انعکاس جتنی ہو جاتا ہے اور وہ ہر دو کے بالکل واقفیت کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یعنی جب ایک طرف شان ربوبیت اور دوسری طرف شان عبودیت ہر دو اپنے مقام میں اس کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہیں تو اس پر یہ مہم کامل جاتا ہے کہ مشیت انہی کیونکر اس کے لئے اسباب قدرتی کا باعث ہوتی

ہے جن کی پابندی میں دو اپنی حدود اختیار میں حیثیت سے بطور کتاب کے متنازعہ فصل
قرار پاتا ہے یہی مطلب ہے جناب پیغمبر علیہ السلام کے قول "اعملوا فکل میسرہ ما خلق لہ"
یعنی کل کئے جو کچھ کہ تم میں سے ہر ایک کو اس امر کے پیمائش کی مہولت دی گئی ہے جو اس سے
اس کے لئے متعدد ہو چکا ہے۔ اس تقریر سے صاف معلوم ہو گیا کہ انسان کو عملی حیثیت کے متعلق
گفتگو کرتے وقت اس کے اختیار و عدم اختیار کا معیار ہے کہ ہم ربوبیت اور عبودیت کے اس
شروطی رابطہ اور تعلق پر غور کریں جس کے بغیر دو کو ہم خالق کہہ سکتا کی تو حید کا مسئلہ سمجھ سکتے ہیں اور
انسانی ہستی کی عظمت اور اس کی غایت کا مفہوم اس سے ذہن میں آ سکتا ہے مگر انہیں اس ایک
سنت غلطی کیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات جبر کو رد کر دیکر یہ نتیجہ نکل لیتے ہیں کہ انسان میں ایک
کمزوری یا پتھر ہے جو کسی نوع کا بھی اسلحہ اختیار نہیں رکھتا۔ یا آیات اختیار کو رد کر دیکر یہ یقین کر لیتے
ہیں کہ ذات باری کو انسانی اغفل کے ساتھ کسی ہم خالق نہیں بلکہ وہ انسان ان خود اپنے اغفل کا
خالق اور مختار کل ہے حالانکہ یہ ہر دو مذہب باطل ہیں حق یہ ہے کہ انسان مشیت انہی کے تابع ہو کر
اپنی آزاد مرضی کا استعمال کرتا ہے اور اسی لئے وہ جوابدہ بھی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے
ہیں "الاعتقاد والقدر والشیئة النافذة من اعظم اولیة التوحید فجعلها الخالقون
لما حد من حجة لہم علی الشیئة فكانت حجة اللہ فی المبالغة وحجتہم فی الدلائل"
یعنی قسما قدر اور شیئا انہی توحید انہی باری کے اعلیٰ دلائل میں سے ہیں مگر مشرکوں نے
قسما قدر کو حکمت ضرورت اور بعثت انبیاء علیہم السلام کے باطل ثابت کرنے میں استعمال کیا
سوائے تعالیٰ کی حجت غالب رہی اور ان کی حجت باطل قرار پائی ۴

ایک حدیث شریف میں جو صحیح مسلم میں بڑی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے یوں فارغ ہوا
ہے۔ "المؤمن القوی خیر و احب الی اللہ من المؤمن الضعیف و فی کل خیر اخر من علی
ما یفعل و استحق باللہ ولا تجزئ من اصابت شیء فلا یفعل لوانی فعلت کذا و
لذا و لیکن کل قد را اللہ ما شاء ففعل فان لو قفعت علی الشیطان ۵

ترجمہ۔ یعنی مومن قوی ہوسن ضعیف سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ہر ایک نیکی میں جو تجھے نصیب ہے حرص کر اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بجا لانے میں مدد مانگ۔ اور ہر بڑے ہوا کوئی سرنگوہر (سچے پیش آئے تو مست کھا کر کہ اگر میں نے یوں کیا ہوتا تو یوں ہوتا یا لاش میں یوں کرتا تو ایسا ہوتا) چکریں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقدر ہے جو اس نے چاہا کر دیا۔ کیونکہ حق خود اگر اکابر و سلطان کا مدعا و کھول دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں نہیں پیدا کر دیتا ہے جس سے بندہ کا ایمان باطل ہو جاتا ہے +

اس صحیح حدیث سے براہ راست اموزی کا پتہ لگتا ہے:-

۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

۲) اللہ تعالیٰ نے بحسب اقتناء اسماء و صفات بندہ سے محبت کرتا ہے۔ وہ خود قوی ہے اس لئے مومن قوی سے محبت کرتا ہے۔ وہ دوسرے اس لئے دوسرے دوست رکھتا ہے۔ وہ چیل ہے اس لئے چال کو دوست رکھتا ہے۔ وہ عظیم ہے اس لئے عظیم کو دوست رکھتا ہے۔ وہ حق ہے اس لئے حق پرست کو دوست رکھتا ہے۔ وہ عین کی سعادت اس میں ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی قطع بخشش اشیاء پر حریص ہو یعنی اپنی پوری کوشش صرف کرے +

۳) انسان تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے کیونکہ ہر توفیق الہی کوئی کامیابی نہیں ہوتی اور یہی معنی ہیں، آیات خبیر و آیات تسعین کے +

۴) ضعف اور عجز کو دور کرے کیونکہ ضعف اور عجز سے کامیابی کی صورت میں اگر وہ لاش کے اتنا کہہ گئے گستاخ اور یہ تہمت و الم ہے جو کسی صورت میں مفید نہیں +

۵) کامیابی کو مشیت الہی کا نتیجہ سمجھے جو اصل قومید ہے +
ان فقرہ بلا تخیل پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کس جامعیت کے ساتھ جناب الہی علیہ السلام نے ان بات و قضا و قدر اختیار کیا اور یہ بات کا انہماق فرمایا ہے۔ واللہ عند اللہ تعالیٰ +

مسئلہ جبر و اختیار

اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ انتخاب گناہ کی توجیہ بیان کرنے میں لوگوں نے سختی اور
اختیار کر رکھے ہیں اس بناء کو مسئلہ جبر و قدر کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ اکثر لوگ اس دقیق مسئلہ میں
اپنے عقیدہ کی صحت کو ملحوظ نہیں رکھتے اور نہیں جانتے کہ تمام عقائد عقل کی بنا مسئلہ جبر و قدر
کی حقیقت سمجھنے پر منحصر ہے +

اہل جبر کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنے حرکات و سکنات میں بالکل مجبور ہے اور وہ
کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اس کی مثال بیٹہ ایک لاشی کی سی
ہے جو حرکت فیض سے حرکت کرتی ہے اور اگر حرکت نہ دین تو ساکن رہتی ہے اس خیال کو اگر
سبک مان لیا جائے تو اس کا فرد ہی تجویہ ہو گا کہ شریعت کے تمام اوامر و نواہی کو بالکل قرار
دیا جائے اور ضرورت نبوت کو عبث تسلیم کیا جائے اور افعال ذات باری کو حکمت و مصلحت
سے عاری سمجھا جائے +

اہل قدر کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان سے جس قدر افعال سرزد ہوتے ہیں ان کی سبب ذات
باری کو کسی قسم کا تعلق نہیں بلکہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے اس لئے کچھ ضرورت نہیں
کہ ان افعال کے لئے کسی حکمت و مصلحت کی ضرورت تسلیم کی جائے اس مذہب کے لوگ
انسان ہی خالق خیر و شر قرار پاتا ہے +

اہل جبر نے حکمت ذات باری کا انکار کر دیا اور اہل قدر نے قدرت ذات باری کا۔
گویا ایک دوسرے کے حریف ہیں کیونکہ اہل میں تو انسان کو بالکل بے قلع کہہ لیا ہے اور
دوسرے میں اس کو خالق خیر و شر قرار دیا گیا ہے۔ مگر ہر دو مذہب باطل ہیں۔ اور صحیح مذہب
فلسفہ و خداوندیت میں نہیں ہے بلکہ وہ ہے جہاں ہر دو کے عین وسط میں واقع

ہوا ہے یعنی ذوقِ محض ہے اور نہ قد محض جس کی توصیہ کے دو جزو ہیں۔ (۱) ذاتِ باری
 کا ارادہ تمام مشیاء میں نافذ ہے اور کوئی امر اس کے دائرہ علم و ارادہ سے محکم و قدرت سے
 خارج نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے انسان کو اپنے قدرت کو بظہر کا علم ہوتا ہے اور اللہ
 تبارک و تعالیٰ سے توفیق اور نصرت کی استدعا کرتا ہے۔ اب انسان کس فعل میں غیر کو شرعاً
 حرام دیکھتا ہے؟ اس عقیدہ سے وہ اپنے مالک کی بارگاہ میں اپنے تئیں مجرم قرار دیتا
 ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی امانتِ شرعیہ کی نسبت کرنے سے باز رہتا ہے۔ ان پر دو اجزاء کے
 ملنے سے جو صحیح عقیدہ تلخیص و قدر کے متعلق حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خالقِ افعال ذات
 باری ہے عموماً کتابِ فعل انسان سے ماور ہوتا ہے۔ یہی وہ صحیح عقیدہ ہے جس سے
 توحید، شریعت، عدل، حکمت کا ابطال لازم نہیں آتا۔ اور اس کے سوا جس قدر مناسب
 استقاسات سے بہت و قصور ہیں۔ آیات قرآنیہ میں غور کر کے دیکھو کہ کس طرح پر آیاتِ حیر کے
 ساتھ آیاتِ قدر کو ربط و یوگیا ہے اور ہم کو اپنے دماغ کے باہر لائے سے مذکورہ بالا صحیح عقیدہ کی فکر
 حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً اہل جبر نے آیاتِ حیر کو اپنے دعویٰ میں پیش کر کے آیاتِ قدر میں تاویل
 کر لی اور اہل قدر نے آیاتِ قدر کو اثبات دعویٰ میں پیش کر کے آیاتِ جبر میں تاویل کر لی
 اور یہاں سے ہر فرقہ دعویٰ حق بن بیٹھے۔

انسان کے ترکیبِ جسم ہونے کے متعلق جس قدر تجویزیات دیکھی گئی ہیں ان میں سے
 ذیل کی تجویزیات قابلِ غور ہیں۔ ان کے علاوہ اور چند تجویزیات ہو گئی ہیں جن میں کم بیش اختلاف
 کرنے کا نتیجہ بھی جائز ہے۔

(۱) وہ مقام ہے جس میں انسان از حیوان مطلق میں کوئی ماہ الاقیانوس نہیں قائم کیا گیا
 نہ جبر کی حقیقت کی خبر ہو نہ قدر کی بکریالات حیوانی اور نہ مشائے انسانی سے شتم ہو نہ اس سے
 یہاں جاسے اس خیال کے لوگ دائرہ انسانیہ سے باہر مل جاتے ہیں۔

(۲) انجس جبرہ نہ حسب الطلاق و حرمان و سزا و سزا سزا سزا ہے اور یہ انسان کو کھینچتا ہے

ہر ایک کے اندر فواحش کی اجازت دیتا ہے اس خیال کے لوگ اکثر مشرکین اہل علم و فضل ہیں +

(۷) مذہب قدس - یہ مذہب ذات باری کو مطلق قرار دیتا ہے اور اس کی قدرت و ارادت کا منکر ہے۔ انہیں قدس یہ مجوسیہ کہا گیا ہے کیونکہ جس طرح جس نئی لہجہ ہی کے لئے سیدہ و علیہ السلام قرار دیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ ذات باری کے ساتھ انسان کو بھی خالق و مخلوق سمجھتے ہیں اس لئے یہ بھی مشرکین کہلاتے ہیں۔ آج کل اکثر فحیرہ کا یہی مذہب ہے +

(۸) مذہب اہل علم و ایمان اس کا عقیدہ یہ ہے کہ مادہ قدس ذات باری تمام اہل علم و ایمان میں اور انسان خیر و شر میں سے کسی ایک جانب کو اختیار کرنے کی وجہ سے عبادہ ہے +

(۹) مذہب عجم و مشرق - اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت و توفیق نہیں ہوگی اور وہ اپنے بندہ کو ثابت قدم نہیں رکھیں گے تو وہ ہلاک ہو جائیگا +

(۱۰) مذہب توحید - اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو وسعت خلق و ایجاد میں رکھا یا تسلیم کیا جائے اور اس کی ارادت کو بامقید نافذ یقین کیا جائے اور بندہ کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ بلا مشیت و ارادت ذات باری خود مختار ہو کر گناہ کرنے سے عاجز ہے۔ غرض کہ میں بندہ کے صنعت و فقر پر خیال ہوتا ہے اس ضمن میں ذات باری کے صنعت خلق و ایجاد میں اتنا غور ہوئے پر +

(۱۱) مذہب حکمت - اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکمت ذات باری پر نظر ہوتی ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مادہ میں حکمت پر مشتمل ہے چنانچہ بندہ کے گناہ کے ساتھ آلودہ ہونے میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور انسانی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے +

(۱۲) مذہب اساطیر و معجزات - اور وہ یہ ہے کہ اساطیر و معجزات ذات باری کو اشیائے

عالم سے جس طرح مریض سہا جلتے کہ تمام اشیاء موجودات کسی نہ کسی اہم ذرات باری کا منظر ہے۔
 مثلاً اللہ تبارک و تعالیٰ فنار، توبہ، غفور رحیم ہے اور یہ اسلئے اپنے مقتضی کے مطابق ظہور
 آگاہ کو چاہتے ہیں یعنی اگر توبہ وار کتاب گناہ نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت، قبول توبہ، غفور
 و رحیم کا منظر کیا ہوتا؟ چونکہ اس کے اسلئے حسنی کے آثار کا ظہور چاہیے اس لئے ایک
 حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر اہل دنیا گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کسی اور مخلوق یا امت کو پیدا کرتا
 تاکہ وہ گناہ کرتے جس سے انہیں مغفرت کا استحقاق پیدا ہوتا۔

چنانچہ بعض عارفین کی نسبت منقول ہے کہ ایک بات جبکہ سنت اندھیہ ارتقا اور بارش
 پہنچتی تھی میں بیت اللہ میں بیابان باری یوں دست بہ دعا تھا کہ خدا یا مجھے صحت عطا فرما کہ
 میں ارکتاب گناہ سے محفوظ رہوں۔ ہفت نے آواز دی کہ میرے بندے فجر سے صحت ملے
 ہیں اگر میں انہیں صحت دیدوں تو میری مغفرت و رحمت کا حق کون ہوگا۔ وہ بزرگ فرشتے
 ہیں کہ اس عجب کو سن کر جب اس قدر نادہم ہوا کہ کب تک استغفار کرتا رہا اس سے یہ بھی معلوم
 ہوا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ارادے سے باہر ہو کر ارکتاب گناہ نہیں کر سکتا۔ گواہی قدر کا جب
 حاضر ہو کر ضمن ذرا اندراج معتزین بارگاہ کار تہ ہے اور ہر ایک کو یہ معلوم نصیب
 نہیں ہو سکتا۔

الحاصل یہاں صبح جس پچاست ماحین سے آج تک جماع رہا ہے یہ ہے کہ جس قدر
 حوادث، عالم کائنات میں سرور پاتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کو خاص خاص مصلحتیں اور حکمتیں
 مد نظر ہوتی ہیں جن کو ہم ناقص عقل سے ہرگز سمجھ نہیں سکتے۔ اولو العزم انبیاء اور مقررین ہر گاہ
 کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے کہ وہ ذلت باری کے ارادہ کو عالم کائنات میں اس قدر ضرور دیکھتے ہیں
 کہ ایک ایک قدرہ کائنات کا اس کے علم و قدرت اور اس کے ارادہ و حکمت کے ذیل میں مل
 کر رہا ہے۔ یہی وہ عرفان حقیقی ہے جہاں تک عارف کامل کو ترقی ہوتی ہے، یہی وہ ہے کہ جسے
 حضرات سن ابویضی کا رشید میں حکم لگانے سے نامہوش رہتے ہیں اور بیان پر کسی بات کو نہ

موتے ادب بابتے ہیں مگر وہ لوگ جو اس درجہ بصیرت سے محروم ہیں قصائے الہی پر اپنی
 آنکھیں نہ کھولتے بلکہ مومن یا مخالف حالات پر رشاد و فحش کا اظہار کرتے ہیں *
 بندہ کے ارتکاب گناہ میں جو مصلحتیں ذلت باری کو مد نظر ہوتی ہیں ان کا احصاء
 ناممکن ہے۔ بخدا ان کے بڑی مصلحت یہ ہے کہ بارگاہِ ذوالجلال میں عجز و انکسار و خشوع
 بنائے اور مخالف تو یہ اور اظہار احتیاج مطلوب ہے اور جہلہ بندہ کی طرف سے یہ
 امور زیادہ قوی ہوتے ہیں اس قدر اس کی رحمت کا نزول ہی وسیع ہوتا ہے چنانچہ
 احادیث صحیحہ میں وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے توبہ کرنے پر بہت خوش ہوتا ہے اور اس
 کو اس مثل میں یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں اپنے اپنے پاس کا زادہ
 لایا ہو کھینچے اور اس امید ہو کر رو رہے اور جب بیدار ہو تو اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا دیکھے
 اس حالت میں اس کی مسرت اور خوشی کا اندازہ کون کرے گا ہے! اللہ تعالیٰ اس بندہ
 کی نسبت بھی جو گناہ سے غافل توبہ کر لیتا ہے ایسا ہی خوش ہوتا ہے *
 گناہ بندہ کے لئے موجب نزول رحمت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوالبشر
 علیہ السلام کو اس میں مبتلا کیا گیا۔ اور پھر بن پرانی مغفرت و رحمت انزل فرمائی تاکہ لو لاد قوم
 ہی گناہ کر کے مغفرت آتی سے نا امید نہ ہو کر اس کی توبہ کیجے اور اس میں ضرر و وجہ نہ ہوتا
 ہے۔ بسن ماضین کا قول ہے کہ اگر توبہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہ ہوتی تو ہشتاد ہزار سال
 میں نہ کرتا۔ سو توبہ انسان کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ کمال تک ترقی کرنے کی میسر ہی ہے
 اور حلاوت و فروغی اور رحمت ابدی کے حاصل کرنے کا قریب ہے۔

انسان کی فطرت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اس کے لئے ذمہ ہے اور
 اس میں کچھ گناہ نہ کرے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر انسان گناہ نہ کرتا اور باطل پاک و
 صاف رہتا تو گمراہی کی طرح کمالات میں ترقی کرنے سے محروم رہتا۔ کیونکہ خاک کے کمال
 میں ہی تدبیر نہیں۔ برخلاف اس کے انسان کے کمالات بتدریج ترقی کرتے ہیں اور یہ

بلکہ صرف اسی صورت میں تصور ہو سکتی ہے جب کہ قلب مکمل کے ساتھ ساتھ سراسر ہی ہوں۔ مگر مکمل و نمان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی اور ابتداء و امتحان کی محنت بمل جاتی و خیال کی محنت اس امر کے تسلیم کرنے پر منحصر ہے کہ انسان ایک ترقی کرنے والا مخلوق ہے۔ اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو اینٹ اور چھر اور انسان میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔

یقین میدان کہ مایہ چندیں فریب - نہ بہر یک دل بیتا ہنسا دیم
 فرستادیم آدم ما بے صحر - جمال خویش و صحر ہنسا دیم
 جب توبہ کر چلنے کے بعد بندہ کو باد گاہ رب العزت کی طرف پوری قوم ہو جاتی ہے۔ تو اس کے دل میں محبت الہی اور بھی ترقی کرتی ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ میرا وہ کس درجہ اور عظیم و کریم ہے۔ کہ باوجودیکہ میں تمام عمر مصیبتوں میں گزار کر اس کے پاس آیا ہوں۔ جب بھی اس نے مجھے بے پروا قرار دیا گناہ اور طلب حقوق کے مغرت کی فرت سے استیفاء کیا اور نہ صرف یہ بلکہ آئندہ علی سے اعلیٰ طرح قرب کا وعدہ فرمایا۔ اور انوار و اقسام کی مدد سے اللہ کی سیر و یاب فرمایا۔ اور آخرت میں اسی بے مثل سعادتوں کی خبر دی ہے کہ انسانہ کرنا عقل انسانی کا کام نہیں۔ اس خیال کے صحیح ہو جانے پر قلب مومن میں محبت الہی اس وجہ تک قوی ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کی تمام ناپائدار لذتوں سے منہ موڑ دیتا ہے۔ اور صرف اسی کا ہر بہتا ہے۔ انسان کو جب تک حقیقت فطرت سے غیری رہتی ہے وہ اس الہیہ پر اصرار کرنے سے باز نہیں رہتا۔ ہر ایک امر واقع پر وہ یا تو اظہار رضا کرتا ہے یا اس سے ناراض ہوتا ہے۔ مگر جب اللہ انہی کے غلوں کا پورا علم ہو جاتا ہے اور اس میں یقین ہو جاتا ہے کہ حکیم مطلق نے امور کو سلسلہ اسباب کے تابع کر رکھا ہے اور ان سے تمام خاص نتائج کو تابع کیا ہے جو کہ ہر علم مخالفت نظر آتے ہیں مگر وہ حقیقت میں محض ہر مبنی ہوتے ہیں۔ تو محض و قبح کا خیال، آشکارا افعال ذات باری میں خیر محض کا مطالعہ کرنے لگتا ہے۔ علی ان کو ہوا شیاء و جو خیر لکھو و عسی ان تمہو اشیاء و جو شر لکھو۔

ہی عرفان حقیقی ہے اور اسی کو مکمل توحید کہتے ہیں۔

اگر انسان ارتکاب معاصی سے بالکل پاک و صاف رہتا تو مقام عبودیت تک اسکو کبھی معافی حاصل نہ ہوتی اور انعامات سے کبھی مستفید نہ ہو سکتا۔ معاصی کا ارتکاب باوجود خداوند کو مقام عبودیت تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ نفس کی جباریت اور قلب کی تساوت بجز اس کے ہر ذہن پر ہو سکتی۔ کہ انسان اپنے انواع و اقسام کی کوتاہیوں میں گرفتار دیکھے اور یہ نوع اس حقت حاصل ہوتا ہے جب اس کو مظلوم ہو جائے گندہ اپنے تمام کمال سے بہت نیچے پڑا ہے۔ مین کی بعض خوبشات انسانی کی پرہیزی سے اس خیال کی صحت پر اس کو گندہ شدہ و نامکمل پر حسرت ہوتی ہے اور رجوع الی اللہ کا خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور یہ خیال اس کو حقیقی توبہ کے مقام پر پہنچا دیتا ہے اور صفت و صحت کا فتح بنا دیتا ہے۔ اگر اس کو اپنی کوتاہیوں کا علم نہ ہوتا تو وہ کبھی رجوع الی اللہ نہ کرتا۔ بلکہ یہ ان مطلق کے مقام میں رہوں مہتا۔ اس تقریر سے صاف معلوم ہو گیا کہ صرف گناہ ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہارِ ذلت اور اعتیاق پر مجبور کرتا ہے۔ اگر انسان گناہ نہ کرتا تو کس خیال پر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اللہ عزت کرتا۔ اور کس چیز کی مغفرت چاہتا کہ اللہ تعالیٰ مقدر الرحیم ہے اس لئے اس نے اپنے مغفرت و رحمت کے حصول کے لئے اسباب و شرائط مقرر کر دیئے ہیں۔ اور گناہ ایک جباری سبب ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم نہایت وسیع ہے۔ اگر اس کا علم نہ ہوتا تو زمین و آسمان کا سلسلہ ایک آن بھر کے لئے قائم نہ ہو سکتا۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ تک علم اختیار کیا ہے کہ بعض لوگ بدم حساب کا انکار کرتے تھے اور اس کے مست علم کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کے صنعت فطرت سے آگاہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ ایسے کمزور مخلوق کو اس کی کسرشی پر فی القدر ماننا نہ کرنا اس کو ان صلاح کمال سے روک دینا ہے جو ہر بھر کے گناہوں کے بعد توبہ کر لینے پر اس کو حاصل ہو سکتے ہیں الغرض

صدق گناہ انسان کے لئے میں مصلحت ہے مگر صدہ گناہ کی نسبت انسان کی طرف کیلئے
اور انسان کو ارتکاب گناہ میں یا کل علیہ رکھا جائے تو پھر اس کو کیا نیکر احتیاج مغفرت
کی نوبت آئے گی۔ کیونکہ وہ تو مجرم ہی نہیں اور برکات اس کے اگر انسان ہی کو عاقبت مثل قاتل
دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت کی امید کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ سب بالکل
ناجائز اور بے معنی ہے کہ عاقبت مثل قاتل کو انسان ہے اور عاقبت مغفرت ذات باری *

قدرت و حکمت ذات باری عزوجل کے صفات کا ذکر میں ہے۔ اور ان ہر دو کے
مفہوم میں اس ذات کا ذمی حیات۔ ذمی علم ذمی ارادہ ہوتا شامل ہے کیونکہ ہر چیز حیات، علم
وارادہ صاحب قدرت اور صاحب حکمت ہوتا مستحق نہیں۔ ہم ذیل میں ان ہر دو صفات
ذات باری پر بحث کرتے ہیں اور یہ بحث بسا اوقات بڑے بڑے عقل و فہم کے درمیان
کو بھی مضطرب کر دیا کرتی ہے۔ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہر تعلیم قرآن کے کوئی ایسا قطعی مانند
نوع انسانی میں دنیا میں آج تک موجود نہیں ہوا جو اس قسم کی مشکلات کو حل کر کے طالب حق
کو الہیوں کے درجہ تک پہنچا سکے۔ ہم نے بار بار دیکھا اور سنا ہے کہ اکثر اصحاب ایسے تحقیق
مسائل میں بلا اعتبار کتاب و سنت بحث کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور غلط مقامات قائم
کر کے غلط نتائج پر قانع ہو جاتے ہیں۔ جن کا اثر عام ضلالت انسانی پر یہ ہوتا ہے کہ مستندات
صحیحہ سے کوسوں دور جا پڑتے ہیں اور وہ دگر راہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا کرتے ہیں اور
حق پر چھو تو مجھے بڑا کہنا چاہئے کہ جو لوگ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے دور ہن کر کے غرض
اپنے توہمات باطلہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور انہیں کو اپنی تحقیق کا منہتی سمجھ کر سماعت حق
سے ہر طرف دہرے ہیں وہ اسی منزل کے قابل ہیں کہ انہیں الہیوں قلب کی خوش فضا منزل تک
رسالی نصیب نہ ہو۔ قرآن مجید میں خود اس امر کی طرف مختلف مقامات میں اشارہ فرمایا گیا
ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اصرف عن اہل الذین یشکرون فی الارض بغير الحق۔ الخ
اس آیت مبارکہ میں لفظ آیات سے وہ دلائل عقل و برہان و تعلیم و ارادہ میں ہر ایک جامع الہیہ ملک

مذہبِ شیعہ فطرت پر پلنے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اس آیت شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص غیر حق اور جہالت ہالہ کی پروری کرتا ہے اسے کبھی بھی منزلِ تحقیق تک نہ لے سکتی اور بالآخر وہ ناکام اور نامراد و نیاستِ رخصت ہو جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں آیہ اولہ ما قولی کے معنی جو شخص جس بدش یا طریق کو اختیار کرتا ہے ہم اس کو اس کا والی بنا دیتے ہیں۔ اہل حق اتباعِ رسول کے ساتھ کسی امر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اہل باطل ہمیشہ حسرت و مصلحت کے جنگل میں مگر گردن بستے ہیں۔ الغرض کتاب اللہ سے اعراض کرنا اور تباع جہالتیت مآب کو چھوڑ کر کتبِ فلسفہ میں حق کے متوشی ہونے کا نتیجہ دنیا میں موجبِ ذلت و دروبانی اور آخرت میں حسرت و وبال کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

مفہومِ قدرت

ہم نے کتبِ کلام میں تعریفِ قدرت کو دیکھا ہے مگر حق یہ ہے کہ اس سے بجز وسوس و شکوک کے اور کچھ خیر نہیں نکلتا۔ آخر کیا کتاب میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے مفہومِ قدرت اور قدرت کا معنی ہونا ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں القدر والقدرۃ اللہ یعنی قدرت سے نسبت ذاتِ باری مراد ہے۔ یہ وہ مختصر اور جامع تعریف ہے جو ایک محقق کے لئے بیسیوں مسائلِ مشککہ کے حل کے لئے بمنزلِ کلید کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ عقیل جیسے اکابر اہل علم نے اس تعریف کو سن کر فرمایا اللہ شفی بھذہ الکلمۃ وافصح بها من حقیقۃ القدر یعنی امام ممدوح نے اس مختصر کلمہ سے کئی ایک امراض سے شفا بخش دی ہے اور حقیقتِ قدرت کا کمال بیان فرمادیا ہے۔ فی الحقیقت خود کبرئے سے معلوم ہو گا کہ امام ممدوح کی نظر کتاب اللہ اور سنتِ مجید میں نہایت عینِ حق ہے۔ وہ اس کی یہ ہے کہ بقدرِ حوادثِ الم کائنات میں وجودِ پذیر ہوتے ہیں وہ آپ کے سب ذاتِ باری اور اس کے علمِ ازل کے مطابق وقوع میں آتے ہیں اور جس چیز پر اس کا علم مادی ہے وہ اس کے اثر و قدرت میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں صفتِ قدرت و حکمت کو صحیح معلومات اور قدرت پر محیط ہونا ہر کیا گیا ہے چونکہ معلوماتِ ذاتِ باری لا انتہائی ہیں اس لئے بطورِ لزوم یہ ماننا چاہیے کہ

مقدور ذات باری بھی لائق تہا ہی ہیں۔ جس تنگ خیال لوگ یہ اعتراض اٹھایا کرتے ہیں کہ جو کچھ غائی میں موجود ہے قدرت ذات باری اسی تک محدود ہے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ جو امور داخل وجود پذیر نہیں ہوئے ذات باری کی نسبت وہ ایسے ہی موجود ہیں جس طرح موجود کائنات ہماری نسبت موجود ہے کیونکہ ذات باری نامتناہی اس کے آئینے بالائیں ہے یہ ایک دقیق راز ہے جس کو اکثر کم فہم نہیں سمجھا کرتے۔ پس قدرت ذات باری کا اصلی منہم ہے کہ وہ ان امور پر عادی ہے جو انہل سے بید تک وقوع پذیر ہوتے تھے ہیں ایسے تمام امور کو ممکنات پر لا کرتے ہیں اور وہ کسی صورت میں محدود نہیں ہو سکتے۔

مقدمہ حکمت

عالم کائنات اور اس کے تمام تغیرات و انقلابات ایک ہی حکیم مطلق کے شاہد ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ان تغیرات و انقلابات کے مطلق خاص خاص نتائج و قایات کو دیکھتے ہیں جو سب کے سب اپنی نوعیت میں انسانی ہستی کے ساتھ بطور لزوم متعلق ہیں۔ یعنی انسانی ہستی کی تکمیل ان پر منحصر ہے سات دن کا ہر پھر اور آفتاب و لمر کا ایک قانون کلی کے مطابق سفر ہونا اور باد و باران کا موجود ہونا یا نہ ہونا اور ہر غرض تمام حوادث یا بلا واسطہ انسانی ہستی کی تکمیل کے لیے بہتر ہے سبب کے ہیں۔ اور حکیم مطلق نے ان امور کو ایک ایسی حکمت کا طے کے رُوسے قائم کیا ہے کہ وہ حسب مادہ اولی خاص خاص نتائج کے مستلزم ہیں۔ ہر ایک چیز کی کیفیت اور کیفیت کا اندازہ اس نے اپنے علم کامل سے لگا دیا ہے پس کوئی امر یا کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کے وجود میں آنے یا نہ ہونے میں کوئی ذکوئی حکمت و نظریہ ہو اس میں انسانی ہستی کی بے مشابہ مصلحتیں متبیح نہ ہوں۔ یہ نتیجہ ہستی ہے کہ کوئی شخص اپنی غلط فہمی یا کوئی اندیشی سے اس حکمت پر گواہ نہ ہو سکے۔ بہر صورت یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ عالم کائنات کا وجود و انسانی ہستی کے ساتھ مناسب ہو رہا ہے یعنی کوئی شے یا امر یا حادثہ انسانی ہستی اور اس کی غرضوں سے مخالفت واقع نہیں ہوا۔ اسی مناسبت کا کلیات و حقیقت و صحت حکمت سے

متصف ہوتا ہے کہ وہ کہہ دوں اس مناسبت کے بچنے کے کوئی شخص پورے طور پر اس شریعت پر آگاہ نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت ہی میں حکمت ہے بولواسطہ انبیاء علیہم السلام نور انسان کو پہنچائی گئی۔ صفت غلط یعنی اداہم بالظلم کا نام حکمت نہیں کیونکہ اس میں حق بہت کم ہے اور باطل زیادہ۔ قرآن مجید اسی حکمت کی طرف اشارہ فرماتا ہے ومن یؤت الحکمة فقلوبنا فی خبر الکثیر ایسی جس شخص کو حکمت دی جاتی ہے وہ خیر کثیر کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہاں سے غور کرنے پر ضرورت ہوتی ہے کہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے جو اس کی یہ ہے کہ جمیع افراد انسانی میں قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ خود بخود مفید و مستر اشیا کا علم حاصل کر سکے۔ اور صفات ذاتی باہمی اور امور متعلقہ عالم آخرت بالخصوص بجز تعلیم وحی کے عقدہ لا یشل بہتے ہیں۔ لہذا حکمت کا طوفاً باہمی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ جہاں عالم کائنات کو انسانی ہستی کی حیثیت سے ایک خاص مناسبت پر پیدا کیا گیا ہے۔ نیز تعلیم وحی اس کو کمال حقیقی تک رسائی حاصل کرنے کے اصول پر بھی آگاہ کر دیا جائے۔ اسی خیال پر قرآن مجید جاریا نا ملق ہے کہ کوئی شخص بجز اتباع ریل و انبیاء علیہم السلام منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

قدرت و حکمت کے مفہیم کو علیہ و علیہ سچہ کہنے

تلازم قدرت و حکمت

کے بعد یہ بات از خود واضح ہو سکتی ہے کہ یہ ہر دو صفات

ملازم قدرت حکمت

نام لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ مفہوم حکمت سے ایک ایسے سلسلہ سبب و سبب کا پتہ لگتا ہے، جو انسانی ہستی کے عام مصلحہ پر مبنی ہے چنانچہ آیہ ربنا سناقلک هذا ابلاک (خدا یا! تجھے سب کچھ بے سود پیدا نہیں کیا، میں انہیں مصلحہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مفہوم قدرت میں یہ امر شہید ہے کہ مسند کائنات اس کے علم کامل کے مطابق وقوع میں آیا ہے اور چونکہ کوئی غیر قبل از کائنات وجود پذیر نہیں تھا اس لئے یہ بھی ماننا ضروری تھا کہ انفاذ قدرت میں کوئی امر اس کے لئے مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ غیر یہ صورت مخلوق اور مخلوق جوہر ایک جہت سے خالق کا محتاج ہے بعد از انفاذ قدرت وجود موجود ہو گا

اس لئے قدرت اپنے نفاذ میں ہر ایک متضاد سے یا مخالفت سے بری ہے اور اسی لئے اس کو مطلق بولا کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہو گیا کہ ہم علم و قدرت و حکمت کو یہ ترتیب مقدم و تخریجی کر سکتے ہیں مگر یہ ہماری اپنی سمجھ ہے۔ ذات باری کو یہ صفات بڑا قدیم و تخریجی حاصل ہیں۔ کیونکہ وہ ذات مقدسہ زمانہ اور آثار و لوازم زمانہ سے باہر بالائے مرتبہ ہے۔

بعض کو تاہم لگوں کو یہ اعتراض کرتے ہوئے مانا گیا ہے کہ ایک اعتراض کا جواب | قرآن مجید میں الفاظ الفاہمہ اذا اراد شیء ان یقول لہ کن فیکون واقع ہوئے ہیں جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قبل از خطاب کن کوئی شے موجود تھی جن کو خطاب کیا گیا۔ کیونکہ مدوم محض محل خطاب نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ یہ اعتراض محض اس غلط فہمی سے پیدا ہوتا ہے کہ علم لوگ صفات ذات باری کو انسانی صفات پر قیاس کرتے لگ جاتے ہیں حالانکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ سلسلہ کائنات بدیں ہدایت موجودہ ہماری نسبت حادث ہے ورنہ وہ علم ذات باری میں قدیم ہے۔ اس لئے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جبر میں تعزیم اپنی قدرت کاملہ کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری قدرت کاملہ مقتضایہ نہیں کہ اس کے لغو میں اعتناع یا توقف پیدا ہو یا کسی چیز کی امداد یا کسی آلہ کی اختراع مرسوس ہو معلوم ہوا کہ لغو کن سے متعلق علیہ کو مرسوس وجود میں لانا مقصود ہے۔ اور صرف جبر میں تفہیم اس لفظ کا استعمل کیا گیا ہے۔

مسئلہ صفات میں غلط فہمی کی وجہ سے | علم کلام میں جو مقدمات اسلامیہ کی تصحیح کے لئے علماء اسلام نے وضع کیا تھا مسئلہ جابر مختلف العقائد فرماتے پیدا ہو گئے

اس مسئلہ کے متعلق جب قدر بے اعتدالیاں لوگوں نے کیں اسی قدر فرقہ بندیوں زیادہ ہوتی رہیں مگر جابر مشہور گروہ اس مسئلہ کے اختلاف سے حسب ذیل مشہور ہیں۔
(۱) اقل وہ گروہ ہے جو ذات باری سبحانہ کے لئے قدرت و حکمت کی نفی کرتے

ہیں۔ ان کے نزدیک ذات باری نہ صاحب قدرت ہے اور اسی طرح نہ صاحب حکمت بلکہ عالم کا وجود اس ذات سے اضطراری طور پر واقع ہوا ہے یعنی ظہور عالم میں اس کا کچھ اختیار نہیں تھا اور کائنات عالم میں ان مصلحتات کو جو نظر کرتے ہیں ان سے قدرت حکمت کا ثبوت ملتا ہے (غایت الہیہ کہ دیا کرتے ہیں۔ الغرض ارادہ حکمت کوئی چیز نہیں یہ گروہ جہاں تمام انبیاء علیہم السلام اور کتب ہادیہ کی مخالفت کرتا ہے قتل سلیم کی شہادت کا بھی انکار کرتا ہے۔ اور ذات باری سبحانہ کی سمجھ لمانہ اور متعین کرتا ہے۔ چھکریہ لوگ صفات ذات باری کا انکار کرتے ہیں اس لئے بے بنیاد پرستوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔

(د) دو سو وہ گروہ ہے جو قدرت ذات باری کے تو قائل ہیں مگر اس کی صفات حکمت کا انکار کرتے ہیں یعنی عالم و مافیہا کے متعلق کسی غایت یا نتیجہ عموماً کے قائل نہیں چنانچہ یہ ایک سلسلہ اسباب اور قوائے فطریہ کو نہیں مانتے جن پر خاص خاص مصلحت اور منافع مرتب ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید میں کہیں نام علت کو تسلیم نہیں کرتے یہ لوگ بھی صراطِ مستقیم سے دور ہیں اور عدولت کے دریا میں غرق۔

(ج) سو سو وہ گروہ ہے جو صفت حکمت کے قائل ہیں مگر اس سلسلہ اسباب اور عالم و مافیہا کے کسی غایت کے لئے موجود ہونے کو تسلیم کرتے ہیں مگر مکمل قدرت کی نفی کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی یا نیک کا یا نیک ہونا اور متقی کا متقی ہونا اس کے عالم قدرت سے خارج ہے۔ بلکہ افعال عباد و اختیار و مشیت ذات باری بندوں سے صادر ہوتا ہے۔ یہ گروہ بھی دائرہ ایمان سے باہر ہے۔

(د) چار سو وہ گروہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت محمد پر ایمان رکھتا ہے اس گروہ کے لوگ حق نور باطل کو علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں اور مذکورہ بالا فوائد سے گناہ سے مخاف ہیں۔ وہ آیہ الا لا الہ الا اللہ کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کیونکہ اس آیت شریفہ

میں منقطع خلق اور امارت سے قوت باری عز اسمہ کا صاحب قدرت و حکمت ہونا صاف ثابت ہوتا
 ہے۔ اس لئے لوگ اس کی صفت خلق اور امارت پر ایمان لے کر رہے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ کوئی
 ایک قدرہ موجودات کا بھی اللہ تعالیٰ کے علم انہماک سے خارج نہیں۔ کیونکہ وہ قدرہ مخلوق ہے اور
 صفت خلق کے لئے خالق کا صاحب علم ہوتا ضروری ہے۔ سو جس چیز سے اس کا علم متعلق
 ہے وہ چیز اس کے احاطہ قدرت میں بھی داخل ہے اور یہ صفت قدرت مضطرری نہیں
 بلکہ ارادی ہے۔ یعنی اس کے ارادہ سے انشاء پاتی ہے اور یوں ہی اتفاقیہ نہیں بلکہ اس میں
 کوئی نہ کوئی مصلحت اور نیت مد نظر ہے پس وہ کامل العلم اور کامل القدرۃ اور کامل الحکمت
 ہے۔ مع تقدیر یہ بھی مانتے ہیں کہ اس ذات وحدہ لا شریک نے بذریعہ اسباب لمبیہ اور
 بدست انبیاء عظیمہ عالم کے اہل ظلم پر تمام محبت کر دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں انصائیہ امر
 مذکور ہے پس گردہ تمام اہل السموات والارض کو معرض عذاب میں سے آئے تو یہ عین مل
 رہا اس میں ہرگز ظلم نہیں سمجھایا گیا۔ بلکہ عین حکمت ہو گا۔ اس گردہ کے لوگ نہ تو جبر یہ ہیں نہ
 مشیت قدرت باری کے تو قائل ہیں مگر سب و حکمت کی نفی کرتے ہیں اور قضاء و قدر کو
 اپنی بدعلیوں کے لئے آڑ بنا لیتے ہیں اور نہ قدر یہ جو اس کی صفت قدرت کی نفی کرتے
 ہیں اور انسان کو صرف نیک و بد کا خالق قرار دیتے ہیں اور ذات باری کے ارادہ و قدرہ
 کو افعال علیاد پر محیط نہیں مانتے۔ بلکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے
 علم کامل کے مطابق طاعت و عبادت کی توفیق عطا فرماتا ہے اور معصیت اور گناہ کا مش
 نفس انسانی ہے اور وہی محیطیت و گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور ذات باری کی طرف
 گناہ کی نسبت نہیں ہوتی۔ اس یہ مانتے ہیں کہ مشیت ذات باری جمیع کے اعمال
 قیصر پر اسی طرح حاوی ہے جس طرح اس کا علم۔ اور اگر اس کی مشیت اس کے پر خلاف ہوئی
 تو نفس گناہ کا ارتکاب نہ کرتے۔ و نیک اعمال سے راضی ہوتا ہے اور بد اعمال سے
 ناخوش۔ یہ فرقہ اہل السنۃ والجماعہ کے عقائد میں ہے اور یہی وہ عقائد تھے جن کا

ایماندار کو مستند ہونا چاہئے پس مسئلہ جبر و اختیار میں اصل مسئلہ ہر دو (جبر و اختیار) کے دو پہلوں ہے یعنی وہ نہ تو انسان کو محض مجبور خیال کرتے ہیں کیونکہ یہ خیال انزال کتب اور بہشت انہما علیہم السلام کو عبث قرار دینے پر مبنی ہے۔ یا یوں کہو کہ انسانی رستی اور جادوی رستی کو تیسرا پائے پر تقسیم کرنا ہے جو صراحتاً انسانی عقل ہے اور وہ نہ ہی اس کو ایسا مطلق انسان قرار دیتے ہیں کہ وہ کسی بالاتر ارادہ کا محکوم نہیں اور وہ اپنے افعال و اعمال کا خود ہی خالق و مالک ہے کیونکہ یہ خیال کہ صفات خداوندی میں انسان کو شریک ٹھہرانا یا ذات باری کو معطل قرار دینے پر مبنی ہے۔ مگر عقل سلیم جس طرح محض جبر کو باطل بلور کرتی ہے اس طرح انسان کے حنا و مطلق ہونے کو بھی غلط سمجھتی ہے۔ اور ہر وہ مذہب کا بطلان آیات قرآنیہ اور آثارِ صحیحہ میں جا بجا مذکور ہے اس نازک اور دقیق مسئلہ میں حق دہی ہے جو ہم نے پورے لکھ دیا یہی وہ مذہب ہے جو انسان کو اس امر کے مرکز الہیان پر کھڑا کر دیتا ہے اور اس کو صراطِ مستقیم شریعت سے منحرف ہونے کا موقع نہیں دیتا۔ اسی وہ مذہب ہے جس پر تمام اکابر دین اور سلف صالحین کا اتفاق رہا ہے اور اس کے قرآن و سنت سے کسی اور مذہب کا اخذ کرنا مصداق ہے۔ آیہ ما افجد الحق الا الضلال کا یہ
وہذا الحق لیس بـ خفاء۔ خدا عن نبیائنا الطہرین

اس میں کچھ شک نہیں کہ خصم کے سامنے اثبات و دعویٰ کے فرض سے ہندنیہ دلیل ناقطعہ سبکی پیش ہونا نہایت ہی دشوار امر ہے۔ مگر طالب حق کے سامنے مشکل یہ نہیں استدلال کا میدان استعد و سنج ہے کہ ہر ایک شخص کو اثبات میں کچھ نہ کچھ بات قدم پاؤں مار لینے کا موقع مل ہی جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ فضول کجواں میں گرفتار کر کے اور دوسادس اور اہام کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں مسئلہ جبر و اختیار میں لوگوں نے اس قدر غامض فرسائی کی ہے کہ عمل ہے کہ کسی طالب حق کے لئے اس غمناک و مہم کوئی مفید بات نظر آئے۔ اور یہاں تک کہ جس نے آیاتِ حق کو

محبت گردانا اور آیات قدر کی تاویل کر لی۔ اور قدریہ نے آیات قدر کو حجت ٹھہرایا اور
 آیات جبر میں تاویل کر کے اپنے دعویٰ کے مطابق بنالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو آئیں تک باہم
 دست و گریبان ہیں بہت فرقہ حق اہل السنۃ والجماعت نے باتباع حضرت نبوی حق کو
 سمجھ لیا۔ اور خوب سمجھا۔ اس مسئلہ کی نظیر مسئلہ صفات ذات باری ہے جس میں اہل تشبیہ
 نے بخیال خود آیات تشبیہ کو حجت گردانا اور آیات تنزیہ میں تاویل کر لی۔ اہل اہل
 تنزیہ نے آیات تنزیہ کو حجت قرار دیا اور آیات تشبیہ میں اپنے مطلب کے مطابق
 تاویل کر لی مگر اہل السنۃ والجماعت نے یہاں بھی مسکات استلال کو اختیار کیا کہ مذہب
 تشبیہ مع التنزیہ اور تنزیہ مع التشبیہ کو مقرب کیا۔ جو معتقدائے آیات و آثار صحیحہ ہے۔
 اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعت کے مذہب کی حجت

اثبات ہبل حق

شروع آیات قرآن مجید سے ثابت ہے ایہ ایاٹ نصیحت و
 ایاٹ نصیحتیں۔ نہایت وضاحت کے ساتھ ہر وہ مذہب باطلہ و جبر یہ قدریہ اکارو
 کر رہی ہے کیونکہ جملہ ایاٹ نصیحت میں جبر یہ کا اور جملہ ایاٹ نصیحتیں میں قدریہ کا رد
 ہے۔ یہ تاو اور نفیس استدلال صرف قرآن مجید ہی سے مخصوص ہے۔ ورنہ انسانی فطرت
 کے نہایت عینیت اور غفی معقنات کو مد نظر رکھ کر کوئی انسانی عقل ایسا جامع اور مکمل استدلال
 تجویز نہیں کر سکتی جس کو ہر ایک سلیم الطبع آدمی تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائے تبصیل اس

بقیہ ماضیہ سالہ وہ حق ہے جس کی تمام کائناتیں سو مجھے اور ہر گھٹکہ غریبوں پر چلنے سے ملتا ہے کہ
 دیکھو کہ ہر وہ سلیم کو نہیں چھڑا جاتا کہ وہ اہل تشبیہ و لوگ ہیں جو افراط و تفریط میں غیر فکرات عقلی
 کے لئے انسانی وجہ یہ میں پر قیاس کہتے ہیں اہل تنزیہ و نفیاد یہ کہتے ہیں کہ فناء بطور اعتقاد کے
 جگہ گئے ہیں وہ نہایت باسی کیلئے نہ تو وجہ ہے نہ ہیہ میں اہل حق کا مسک یہ ہے کہ یہ اس وقت باسی کیلئے نہ ہے
 اور کہ نکوجہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ان کا مطلق کیا ہے تو ہم ان کی نفی نہیں کر سکتے ہیں اس کی

اہل کی یہ ہے کہ کمال انسانی کا آخری مقام وہ ہے کہ جس کو کمال عبودیت سے قسیر کیا جاتا
 ہے۔ اس کمال عبودیت موقوف ہے۔ کمال عبودیت پر اس کمال عبودیت موقوف ہے اور اس
 مقامی شریعت کی پابندی پر اور اور اس شریعت کا مانع کرنا اس امر کی ضرورت پر مبنی
 ہے کہ انسان مکلف ہونے کی قابلیت رکھتا ہے کیونکہ ہم بالعبادت مکلفیت میں کہ وہ چند
 ایک قوی فطریہ کے ذریعہ سے حسب ضرورت جسی متصرف ہو سکتا ہے اور یہی ایک امر
 اس کو دیگر یاد دہانی کی پستی سے امتیاز بخشا ہے چونکہ جملہ ایالت انسانی نسبت
 من انسان اپنی ذات کی طرف مائل ہے اس لئے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی اپنی کو چند
 فرض کی حیثیت سے معرض میں آتا ہے گویا اس نسبت فعل سے وہ اپنے تئیں جوابدہ
 قرار دیتا ہے اور اس کا اپنے تئیں جوابدہ قرار دینا ثابت کر رہا ہے کہ وہ اپنے تئیں خاص
 جبر کو محکوم نہیں سمجھتا۔ اس جملہ ایالت نسقین میں خاص جبر کا رد نہایت زور کے
 ساتھ کیا گیا ہے۔ اب غور کرو کہ جملہ ایالت نسقین کی حقیقت میں جو باطنی بلکہ فطریہ
 کا بطلان ثابت کر رہا ہے۔ کیونکہ استقامت کی حقیقت جبر اس کے اور کچھ نہیں کہ انسان
 بلا کہ ضرورت و بالضرورت سے اپنے مقاصد کے من انظار کے لئے طالب عمل ہو اور
 جب میں اسی وقت مقصود ہے جیکہ اپنے وقت فطریہ کو کسی امر مقصود کی طرف متوجہ
 کر دیتا ہے۔ مگر قوی کا معنی متوجہ ہونا اس کے مقصد کی سر انجام دہی کے لئے کافی
 نہیں ہو سکتا جب تک خارجی اسباب کی تائید عمل قوی کو باہر سے نہ رکھ سکے اور انہیں
 اسباب ضروریہ خارجیہ کا متیا ہونا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حصول عمل کو ظاہر
 کر رہا ہے اور اسی کا نام کو قوی کہی ہے چونکہ اس جملہ میں انسان اپنے فرائض کے انظار
 کو قوی خلت باہر سے موقوف رکھتا ہے لہذا انسان کی خود مختاری کا مسئلہ باطل ہو گیا۔
 پھر یہ وہ جملہ کے ماننے سے جو صریح مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان
 نہ کہ محض جبر کا مانع ہے اور نہ علی الاطلاق متاثر +

سعادت و شقاوت کی انہل میں مقدم ہونا
حرکت عمل اور ترک چہاؤ کا مستلزم نہیں

بہت سے لوگوں کو یہ دھوکا لگ رہا ہے
کہ جب شیت آہی انہل میں انسان کی شقاوت
وسعت پر جیسی ہو چکی ہے تو پھر انسان کا

عمل کے لئے چہاؤ دسی کرنا یا اس کا ترک دنیا برابر میں اس بارہ میں بعض اچھے اچھے
سمجھدار عمل غم کو بھی نہایت مترشح کر دیکھا گیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ مذکورہ بالا خیال کی تائید
کتاب اللہ اور آثارِ صالحہ سے نہیں ہو سکتی۔ اور نہ یہ امر توحید ذاتِ ہدیٰ کی تکمیل کے لئے
کافی ہو سکتا ہے۔ اس سوال کا فیصلہ خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا۔ جب کہ
بعض صحابہ نے عرض کیا کہ جب ہر ایک شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا انہل میں مقدم ہو چکا ہے
اور اس کے سید اور شقی ہونے کا فیصلہ بھی ہو گیا ہے تو کیا ہم اس مقدمہ پر مطمئن ہو کر
عمل اور کوشش کو ترک چھوڑ دیں کیونکہ جو سعید ہو گا وہ خود بخود اہل سعادت کا عمل یا لائق
اور جو شقی ہو گا وہ بھی میرا اہل شقاوت کے عمل پر کاربند ہو گا۔ اس سوال کا جواب حضور علیہ
السلام نے یوں ارشاد فرمایا تھا۔ کہ تم عمل کئے جاؤ۔ کیونکہ ہر ایک شخص کو اس کی تقدیر
انہلی کے مطابق عمل میں آسانی دی گئی ہے۔ اہل سعادت کو اہل سعادت کے عمل کی آسان
اہل شقاوت کو اہل شقاوت کے عمل کی اسی معنی کی ایک حدیث مشہور امام احمد بن حنبل
ہے جب کہ نبی جبریلہ کے ایک شخص نے عرض کیا تھا کہ جب انہل میں ہر ایک شخص کے عمل
اور فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو لوگ پھر کیوں عمل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو
اللہ تعالیٰ نے سعادت یا شقاوت میں سے کسی ایک کے لئے پیدا کیا ہے اس کے
اسباب عمل بھی اس نے ساتھ ہی چھوڑ کر دیئے ہیں (یعنی عمل دسی ضروری ہیں مگر وہ مقدمہ
میں) اس کی تصدیق کتاب اللہ میں خود خدا کے عزوجل نے کر دی ہے حدیث قرآن نفس
و ما سوما قالہما فخورھا و تقوھا اس آیت میں فناء فخورھا و تقوھا میں جو تہک
انسانی مذکور ہے اس امر کا طوطا اشارہ ہے کہ ہر ایک شخص کو فخر اور تقویٰ کا اہتمام ملتا

کی طرف سے ہوتا ہے جو اہل میں اس کے لئے مقدمہ چکا ہے حدیث ذیل میں جو روایت
عبداللہ بن عمر مروی ہے اسی جہتی کی وضاحت کرتی ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول
اللہ! اگر اہل اس چیز پر ہے کیا اس چیز پر جس کا فیصلہ ہو چکا ہے یا اس چیز پر جس کا فیصلہ
ابھی ہوتا ہے جناب پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اہل کا فیصلہ انہی پر ہے۔ مگر
ہر ایک شخص اپنے مقدمہ کے مطابق اہل کی توفیق دیا جاتا ہے۔

الغرض کتاب و سنت میں اس قسم کے عیدوں نظائر موجود ہیں جن سے مذکورہ بالا
خیال کی پوری پوری تائید ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے
مذکورہ بالا حدیث سن کر فرمایا کہ میں اہل میں کوشش کرنے کی رو سے پہلے سے بھی زیادہ
مستبوط ہو گیا ہوں اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی فصاحت اور دقت فہم اور صحت
علم کس پلٹ کی تھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے نہایت لطیف طریقہ پر یہ
ارشاد فرمایا ہے کہ تقدیر انہی عالم دنیا میں بتدیر اسباب کے ظہور پدید ہوتی ہے جس کا مطلب
یہ ہے کہ انسان بتدیر کوشش کے اس امر کو پامیتا ہے جو اہل میں اس کے لئے مقدمہ ہو چکا
ہے اور اس کے کرنے کی اس کو قدرت و ہی گئی ہے جو جس قدر ترتیب اسباب میں انسان
کوشش کرتا ہے اسی قدر حصول مقصد زیادہ کامل طور پر منظور ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اس کے
مقدمہ میں صاحب اولاد ہو تو اہل میں قرار پانچا ہو تو اسباب حصول اولاد میں اس کا سہی کرنا
ضروری ہے علیٰ ہذا دیگر تمام امور میں بھی انسان کا سہی کرنا اسی طرح لازم ہے پس جو شخص اس
ضروری شرط کے نظر انداز کرے کو تو اہل کے نام سے تعبیر کرتا ہے وہ سخت غلطی پر ہے اس
کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص بغیر قدر اندر پانی کے سیری اور سیرانی کی امید کرتا
ہو۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو دینی اور دنیوی امور میں اسباب کا پابند کیا گیا ہے اور اس پابندی
اسباب سے وہ مقدار اہل سے سر متفاوت نہیں کر سکتا۔ یہی معنی ہیں ہمارے اس قول کے
کہ انسان جبر اور اختیار کے دو میدان پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہی صحیح مذہب ہے اور بجز اس کے

اس بزرگ ملک میں تمام راس باطل ہیں جس شخص نے اس امر کو سمجھ لیا اس نے جتنی اور نیوی
مصلح کو پایا۔ اور جس نے اذلت و فقر لیل کی وہ گمراہ ہو گیا۔

بعض بزرگانِ ملت سے یہ سڑی ہے کہ خدا میں اس امر کو دوست نہیں دیکھتا کہ میرا
مسئلہ میرے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہونا میرے ہاتھ میں ہونے کی نسبت
جلا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ سلسلہ اسباب کا مشغل ہے اس لیے تقدیر انسانی انسان
کے لئے اعلیٰ کے خیال نے میں معاون ہے۔ نہ مانع۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ
اللہ علی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح طور پر انسان کی حد اختیار کر کو تہا ویا ہے جس سے نہ
تو نظام توحید میں فرق آسکتا ہے۔ نہ انسان کو مطلق امتنان ماننا لازم آتا ہے +

الکسب والجبر

مسئلہ زیر بحث میں یہ سڑی ہو لفظ استعمال میں آیا کرتے ہیں ان
میں فرق ظاہر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہاں اوقات بعض اصحاب ان
الفاظ کا مفہوم غلط سمجھا کرتے ہیں کسب اصل لغت میں جمع کو بوسے میں جو ہماری صاحب
محل کہتے ہیں ہو طلب الرزق یقال کسبت شیئا واکتسب بمعنی اوزقن مجید
میں ہن لفظ کا استعمال تین طرح پر آیا ہے (۱) عقد القلب وعزمہ کہ لہ تعالیٰ
لا یؤخذ کما لا یؤخذ بالغر فی الیما نکہ وکن یؤخذ کما بہا کسبت قلوبکم اس
آیت میں کسبت بمعنی غرمت ہے (۲) کسب المال من التجارۃ کہ قولہ تعالیٰ یا ایہا
الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتہم (۳) السعی والعل کہ علی تعالیٰ لہا
ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت +

اسی طرح لفظ جبر کا استعمال عربی زبان میں تین طرح پر آیا ہے (۱) ان یغنی الرجل
من فقرہ وجبر عظمہ من کسر یننی منس کے بعد آدمی کا غنی ہو جانا یا ثلوی ہونی ہدی
کا نصت کرنا اس معنی کی رو سے یہ لفظ لازم اور شدی دونوں طرح پر استعمال میں آتا ہے
ایک شاعر نے ہر وہ کو جمع کیا ہے

قدحیر الدین الزلہ فحیر

یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کو کھٹ کر دیا سو وہ ہو گیا (ب) الاکراہ والقرہ اس صورت میں
 یہ لفظ باب افعال سے متعلق ہو گا یعنی احیو و علیہ لولیک زجیرہ علیہ (ج) العز
 و الاستماع یعنی کسی کی دسترس اور سانی سے بالا تر ہونا اسی بے دقت خرم کو جو لوگوں
 کی دسترس سے باہر ہو تو مخلد جبار و لا بہتے ہیں برائیت اخش آیہ ان فیہا قوما
 جبارین سے ایسے لوگ مراد ہیں جو صاحب قوت و عظمت تھے گویا المختل الجبار سے
 اس نے یہ معنی اخذ کئے ہیں والجبار من الناس العانی الذی یجبر الناس علی ما
 یرید یعنی آدمیوں میں سے جبار وہ شخص کہلاتا ہے جو لوگوں کو اپنے امر اور پرہیز کرتا
 ہے۔ اور جب ذات باری کے متعلق اس اسم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کے معنی میں فکر
 کا مفہوم داخل ہوتا ہے۔ قل ابن عباس فی قوله تعالیٰ الجبار المتکبر هو العظیم قل
 محمد بن کعب النخعی الجبار لانہ اجبر الخلق علی ما اراد الخلق اذق مثلاً
 من ان یسوار یسوار الہدیشیم مگر محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ جب لفظ جبار ذات
 یا اطلاق کیا جاتا ہے تو ملک فہر و علویں سے ایک کا مفہوم اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے
 یہی وجہ ہے کہ جب اس لفظ کا استعمال کسی آدمی پر کیا جاتا ہے جو اسی طرح مذہم سمجھا جاتا
 ہے جس طرح لفظ متکبر کا اطلاق۔ قل اللہ تعالیٰ یلیج اللہ علی کل قلب متکبر جبار۔
 مذکورہ بالا تحقیق صرف لغوی تحقیق ہے مگر ذیل میں اس کی تشریح اصطلاحاً ضروری معلوم
 ہوتی ہے۔

اس مضمون کا ہر فقرہ نے حسب ذیل کھلا ہے کہ ہر ایک ذی عقل اس امر کو جانتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے ان اعمال و خواہشات پر ثواب و عقاب مترتب کر گیا جو
 ان کی زندگی میں ان سے ظاہر ہوئے۔ اور یہ بھی مخصوص الطبیعہ سے ثابت ہے کہ اس
 نے اپنی حکمت کاملہ سے انہیں ادا مرد و نواری کی بجا آدمی کی قدرت دی ہے اور وہ نیک

بد اعمال کو اپنی مرضی اور لالچ سے اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ انہیں اس پر قادر و قادر
 بھی کر لیا جن کی اجازت ہی کی اس نے نہیں قدرت ہی ہے۔ اور اس کے برعکس کسی آدمی کو
 قاتل بنانا اور اس کو مستقیم سے انحراف کرنا ہے۔ کیونکہ تمام مصلحت صالحین کا یہی عقیدہ تھا۔ اس مقام
 پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا فضل کا وقوع صرف عباد کی قدرت حادثہ سے وقوع میں آتا
 ہے یا صرف ذات باری کی قدرت سے یا ہر دو سے ؟

پہلی دلیل صحت میں باطل ہیں کیونکہ انسان کا جواہر ہونا، باطل قرار پاتا ہے البتہ
 پہلی صورت کو قائم رکھا جاسکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ عباد کی قدرت حادثہ اللہ تعالیٰ
 کی مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے جاہل آیات میں فعل کی نسبت ذات باری کی طرف کی گئی
 ہے اگرچہ اس نے عباد میں قدرت فعل پیدا کر کے اس کو مختار بنایا ہے۔ مگر ناقص قدرت و
 فعل ہی ہے۔ انسان بذریعہ اسباب معزویہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں اپنے
 میں اختیار اور اس کے اختیار کی وجہ سے مرکب ہو کر جواہر قرار پاتا ہے اس لئے عباد کی شان
 یہ ہے کہ وہ مختار اور موصوفے اور محقق اسباب جس پر جو فعل مترتب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ
 کے ہاتھ میں ہے اس کو تبدیلہ مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ آقا نے ملازم کو کسی سرمایہ کے
 تجارت میں لگانے کا حکم دیا ہے۔ وہ اس کی اجازت پر اس کو تجارت میں لگا کر مال حاصل
 ہے کہ وہ بقیۃ تجارت آقا کرتا ہے اور ملازم اس کی اجازت پر عمل کرتا ہے۔ اور اگر وہ
 اجازت نہ دیتا تو ملازم کا فعل نافذ نہ ہوتا۔ اب اگر وہ بر غلات مرضی آقا کے عمل کیے تو
 اس کا فعل قابل گرفت ہوگا گو یہ مثال بہر وجہ صحیح نہیں مگر اصل مطلب کے سمجھنے میں کسی حد
 تک مفید ہے +

واللہ یعلم من یشاء لیصلہ مستقیم

المقادیہ

واضح ہو کہ مسئلہ قضا و قدر نہایت دقیق اور وسیع مسئلہ ہے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں اکثر لوگ مادی فلسفہ کے مطالعہ سے نعرہ برتتے یا وہریت کے نام میں اگر ایمان حقیقی کی شانہ لو سے گویوں وغیرہ جاپڑتے ہیں اور چونکہ یہ مسئلہ کام حصول و درجہ شریعت کے لئے نہایت اساس کے ہے اس لئے اگر کسی شخص کو قضا و قدر پر ایمان نہیں تو یقیناً وہ مضل برائے نام اسلامی جماعت میں شمار ہوتا ہے۔ وہ نہ حقیقت سے اسلام و اہل اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔ رہنا لا متزعزع قلوبنا۔ امین۔ ذیل میں مقادیہ خمسہ کی تشریح کی جاتی ہے جن کا اسلامی شریعت میں مفصل ذکر آچکا ہے۔ چونکہ ایسے ضروری مسائل سے ہر ایک مسلمان کا تکمیل ایمان کے لئے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ہمیں اس امر کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نامکمل کو جن مسائل کی حقیقت سے بے خبر نہ رہنے دیا جائے مگر چونکہ ہر ایک شخص خود بخود ان کو استنباط نہیں کر سکتا اس لئے ہمارے مقصد ہے کہ اہل اسلام میں ان کی شہادت کریں۔

المقادیہ الاولیٰ | تقدیر اول سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ما رآہ۔ ایک حدیث میں جو صحیح مسلم میں بروایت عبد اللہ بن عمر بن حارثہ مروی ہے میں مذکور ہے کہ کتب اللہ مقادیہ الخلاق قبل ان یخلق السموات والارض بنفسین العت مستقوہ عرشہ علی العالم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے چالیس ہزار سال مخلوقات کی ہر ایک چیز کا اندازہ باندھ دیا اور اس کا نقش پانی پر تھی۔ اور یہ کتابت اس سعادت میں واقع ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے حکم کو

پیدا کیا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے چنانچہ ایک حدیث میں جو مستدام احمد رحمہ اللہ
 میں بروایت عباد بن مسعود مروی ہے یوں وارد ہوا ہے قال دخلت علی عبادۃ
 وهو من اهل النخائل فبذہ الموت فقلت یا اباہ او سنی واجتهد لی فقال ابذلنی
 قلعا اجلسوا قل یا بنی انک لن تنقذ طعمہ الا یملان دن تبلغ حق حقیقۃ
 العلم باللہ تبارک وتعالیٰ حتی تو من بالقدر خیر وشر و قلت یا اباہ
 وکیف لی ان اعلم ما خیر القدر وشرہ قل تعلم ان ما اخطاک لم یمکن
 لی عیبک وما اصابک لم یمکن لی غیظک یا بنی انی سمعت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما خلق اللہ تعالیٰ القلم ثم قل کتب
 نجرہ فی تلک الساعۃ بما ہو کائن الی یوم القیامۃ یا بنی ان مت
 ولدت علی ذلک دخلت النار یعنی میں عبادہ (اپنے باپ) کے پاس گیا
 اور وہ مرض الموت میں پڑے تھے میں نے کہا کہ اے میرا باپ مجھے کچھ وصیت
 فرمائیے کہنے لگے کہ ذرا مجھے اٹھا کر بٹلا دو جب اٹھا کر بٹلا دیئے گئے تو فرمایا کہ بیٹا تجھے
 ایمان کی عبادت اور کما حقہ علم محرفت ذات باری حاصل نہیں ہوئے جب تک تو تقدیر
 الہی کے خیر و شر پر ایمان نہیں لائے گا میں نے کہا کہ اے باپ مجھے تقدیر کے خیر و شر
 کا کچھ مگر علم ہو؟ فرمایا کہ جو چیز تجھ سے مل جائے اس کی نسبت تجھے یقین ہو کہ تقدیر الہی
 میں اس کا مل جاتا کما تھا اور جو چیز تجھ پر وارد ہو اس کی نسبت تجھے یقین ہو کہ اس کا
 نہ ملنا تقدیر الہی میں مفقود تھا۔ بیٹا! میں نے پیغمبر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا تھا کہ پہلے پہل
 اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا اور اسے حکم دیا کہ کہہ۔ بلا خدا یا! کہنا کہوں؟ حکم ہوا کہ کہہ
 امر جو قیامت تک ہونے والا ہے کہہ۔ بیٹا! تجھے اس تقدیر الہی پر اگر ایمان نہیں
 ہوگا تو جہنم میں جائے گا۔

اس حدیث میں مسند طور پر تقدیر خداوند جل و علا کی نسبت ارشاد فرمایا کہ قبل از وہ

کائنات اللہ تعالیٰ نے تمام امور کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک واقع ہو گئے اپنی
 حکمت کاملہ اور قدرت ہائے کمال سے گنودیا تھا اور محدثہ ترقی نے اسی مہزون کی حدیث ذیل کو
 روایت کیا ہے اور اس کو حدیث سنن صحیح لکھا ہے۔ عن عبد اللہ بن حبش قال
 کنت مخلصا لنبی صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقاتلی یا فلام انی اطلبک کلمات
 الحق قال اللہ یحفظک احفظ اللہ محمد و تعالٰہ اذا سلط علی اللہ واذا سئل
 فاستعن باللہ واعلم ان الامۃ لو اجمعت علی ان یتفکروا بشئ لم یفکروا
 الا بشئ قد کتبہ اللہ وان اجتمعوا علی ان یشروا بشئ لم یشروا الا
 بشئ قد کتبہ اللہ علیہ رفعت الامۃ مروءۃ العصف یعنی عبد اللہ
 بن عباس سے مروی ہے کہ میں ایک دن بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا
 آپ نے فرمایا اولیٰ کے ایں تجھے کچھ باتیں سکھانا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے احکام)
 کی حفاظت کر دے تیری حفاظت کر لیا تو اس کی شریعت کی عزت کر تو اسے اپنے
 سامنے پایگا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے گرا و جب تو مدد طلب کرے
 تو اسی سے مدد طلب کر اور اس بات کا یقین کرے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ نفع
 پہنچانا چاہیں تو وہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکیں گے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ سے پیوستہ ہے کچھ
 طلبے اور اگر اسے جمع ہو کر تجھے کچھ ضرر پہنچانا چاہیں تو وہ نہیں پہنچا سکیں گے مگر وہی
 جو اللہ تعالیٰ سے منقطع کر رکھا ہے (مقتاتہ و بروت سے) ظلم و نادانی کھنڈے سے
 نافع ہو چکا ہے اور وقار نہ رکھے جا کر شک ہو چکا ہے البتہ جو کچھ ہوتا تھا پہلے ہی سے
 ہو چکا ہے۔ اور بخاری میں ابویہ سے مروی ہے کہ کیا ابویہ یہ حق و ظلم بابت
 فرق نہیں لے ابویہ یہ جو تیرے پیش آنے والے اس پر اہل میں ظلم خدا ہی کا کہ
 کر شک ہو چکا ہے

و حقیقتہ شکورہ بالامضون کی تعلیق میں آیا ما اعدایک من مصیبت فی

الارض والانی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان یبرأھا موجود ہے اور یہی آیت احادیث مطروحات
بالا کا فائدہ ہے اس پر شریفی میں جو مسئلہ تقدیر کے حل کرنے میں اصل اصول ہے علماء نے
اختلاف کیا ہے کہ غلط نبو اھا میں ضمیر ہا کا مرجع کیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا
کہ معیبتہ - ارض - نفس علیحدہ علیحدہ تینوں مرجع ہو سکتے ہیں مگر محققین نے فیصلہ کیا
ہے کہ تینوں کا مجموعہ اس ضمیر کا مرجع ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ زمین میں اور آسمان سے
انفسوں میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی جو ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے لوح محفوظ
میں ثبت نہ ہو چکی ہو۔ حسن رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں واللہ ان الله
لیتقض العقوبة فی السماء ثم یضرب بها احبلا الله کائن فی یوم یؤکلون اذ کذا فی سماء
کذا او کذا فی النعام اذ العامة حتی ان الرجل لیأخذ العصا ما یأخذها لایقتضام
وقدره قال یا ابا سعید والله لقد اخذتھا وانی سمعنا العقی ثم کلام میر لی سمعھا
قال الحسن او لا تری "

یعنی جبکہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہی امر کا فیصلہ کر کے اس کے لئے ایک ہفت اور ہفت
وقوع اور ساعت وقوع عین کر دیتا ہے وہ امر عام لوگوں سے متعلق ہو یا کسی خاص شخص
سے حتیٰ کہ آدمی اپنی چھڑی کو بھی جس حکم آسمانی الہی کے مطابق ہاتھ میں لیتا ہے۔ راوی
کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اسے جو میدان بخود اک میں چھڑی ہاتھ میں لیتا ہوں حالانکہ
مجھے اس کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہوتی مگر پھر بھی مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا انہوں نے فرمایا
کہ اس سے کیا تجھے حکم تقدیر الہی کا یقین نہیں ہو سکتا ؟

اور حدیث ذیل مذکورہ بالا تشریح کی اور بھی تقویت کرتی ہے ان الله عز وجل
خلق خلقا فی قلمة مشا العی علیہم من نوره فمن اسابہ من نوره یومئذ
اھتدی ومن اخطا مثل فذلک اقول جئت القلم علی علم الله یعنی اللہ
تبارک و تعالیٰ نے اپنی خلقت کو قلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور والا سوجس شخص پر

اس دن وہ تو پہنچ گیا و تو یہ یثرب یا فستہ ہو گیا اور جو اس نور سے علیحدہ رہا وہ گمراہ رہی وہ یہ
 سے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم اتلی پر کلم الہی نہ شک ہو گیا (جو ہونا تھا ہو چکا) *
 تقدیر اول قبل از خلق السموات والارض متی اور تقدیر ثانی بعد از
 تقدیر ثانی | خلق مگر از او عباد کے پیدا ہونے سے پہلے چنانچہ ترمذی میں بروایت
 ابو عبد الرحمن سلمی عن علی بن ابی طالب مروی ہے: بینما نحن مع رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم وهو یکتب فی الارض اذا رفع رأسه الى السماء شہد قال ما منک
 من احد الا قد علیہ قال وکیح الا انک انتب معتد ومن الذناب معتد من الجنة
 تا انک لا تموتک یا رسول اللہ قال لا اعلو اکل میتہ لما خلق لہ یعنی ہم جناب پیغمبر
 علیہ السلام کے ساتھ تھے اور ایک کریدنی سے آپ زمین کو بریہ تھے کہ کیا ایک آپ
 نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر فرمایا کہ کوئی تم میں سے ایسا نہیں کہ جس کا شکلاتا
 جہنم یا جنت میں پہلے سے اچھٹ نہ ہو چکا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا
 اس میں ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ پر سچو سچ نہ کریں آپ نے فرمایا نہیں تم عمل کئے جاؤ گے کہ
 ہر ایک شخص کو اس امر کے سچا لانے میں آسانی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے
 مقدمہ کر دیا ہے۔ اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث بروایت عمر بن حنبلین مروی ہے
 قبل یا رسول اللہ اعلیٰ اهل الجنة من اهل النار قتال لغیر قتل فقیہ یصل
 العاقلون قتل کل میس لما خلق لہ یعنی حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا
 رسول اللہ کیا اہل جنت اہل نامہ سے علیحدہ ہو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ عرض کیا گیا
 اہل کرنے والے کس امر کی بابت عمل کر رہے ہیں (یعنی یہ معاملہ طے ہو چکا ہے تب عمل کرنے
 سکيا فائدہ؟) آپ نے فرمایا کہ ہر ایک شخص اس امر کے لئے جو اس کے لئے مقدمہ ہو چکا
 ہے آسانی دیا گیا ہے۔ اور صحیح حاکم میں بروایت ابی بن کعب ایہ اذا اخذ ربک من
 بنی آدم من ظہورہم ذریۃ تھجد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو اس دن

جمع کر کے جنت جنت بنوایا افسان کو گویا کیا چنانچہ ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور اسے
 بویکھ سے ان سے عہد لیا جس پر انہوں نے کہا "یٰٰیسیٰ ایاں تو ہمارا پروردگار
 ہے اہم تیرے صلح ہر ماہ روزار بند سے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی آدم میں
 نقل ہے اس اقرار پر زمین اور آسمان کو اور تباہی سے باپ آدم علیہ السلام کو گواہ مقرر کیا کہ
 تا کہ لوگ قیامت کے دن یہ دیکھنے لگو کہ میں تیری ربوبیت کا علم نہیں تھا یا ہم اس امر سے
 غافل رہے ہیں۔ سو تیس میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ہوگی اور کسی غیر کو میرے
 ساتھ شریک نہ کرنا ہوگا۔ میں تمہاری ہمارے کے لئے قہری طرف نیکو چہلوں کا جانتا ہوں میرا
 اس وقت کا عہد یاد رکھو کہ میں تیری عبادت کی طرف متوجہ کیا کریں گے اور میں اپنی شریعت اور
 کتابیں تمہارے لئے نازل کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس عہد کے لئے پکے پر حضرت
 ابراہیم کو ان کی اولاد کو کھانی گئی آپ نے اپنی اولاد کو مختلف حالات اور وضع میں
 دیکھا کہ عرض کیا کہ بخدا یا اگر تو ان سب کو یکساں بنا دیتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ تیرے میرے شکر گزار ہوں اگر سب کے حالات یکساں
 رہتے تو عبودیت کا اظہار نہ ہوتا اس لئے میری حکمت کا طے اس اختلاف کی مقتضی ہے
 انہیں لوگوں میں آدم علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا کہ چراغ کی طرح روشن تھے۔
 اور ہر بیت ان میں اس رضی اللہ عنہ آیت "وَاخْلُذْ وَلَدُكَ" الخ کے قول
 میں فرماتے ہیں "ان الله اخذ على ادم ان لا يشرك به احد وكتب رزقه واجلہ وميما
 لشد اخرج من ظلمہ وولدہ كعصيفۃ النّار فاخذ عليهم الی شان انہ ربه
 وكتب رزقهم واجلهم وصعبا قهم" یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے اپنی
 ربوبیت کا اقرار لے کر اس کی رضی اور عتق امر اور مصائب وغیرہ کا اندازہ میں کر دیا پھر
 اس کی پٹھان سے پوچھیں کہ طے اولاد کو نکالا اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لے کر ان
 کی رضی اور عتق امر اور مصائب کا اندازہ لے دیا۔

سلسلہ ہذا آیت شریفہ کے ذیل میں بروایت عبد الرشید بن سعید بن مری ہے کہ جب
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالا تو آپ کی پشت کے دہانے پہلو پر ہاتھ
پھیرا اور اولاد آدم کو جو سفید لون کی طرح حیوانوں کی شکل میں تھا اللہ نہیں کہا کہ تم میری
رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ علیٰ ہذا باہیں پہلو پر ہاتھ پھیر کر سیاہ رنگ کی حیوانی
کی شکل میں ہو لو آدم کو باہر نکالا اور انہیں کہا کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ (جہاں لکھیا ہے بنیاد
میں اصحاب کچھ روا نہیں) یہی وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن شریف میں اصحاب امیین
اور اصحاب الشمال کہا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا
بعض نے منجشی ظلم اور بعض نے کبر استہ خاطر اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ
انہیں کے ملاک نے کہا کہ تم میں امر کے (تہلکے) اس عہد و اقرار کے اہتدایں ہیں۔ کہیں تم
قیامت کو یہ دیکھنے لگو کہ تم تو شرک ذکر کرتے ہو مگر اپنے آباء و اجداد کی تقلید کر کے ایسا
کیا یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم میں بعض تو خاص قبیلہ کے ملک ہیں اور اکثر لوگ اپنے
آباء و اجداد کی تقلید میں گرفتار ہیں اور شرک ہیں۔

اجو ہونا تھا ہر کچھ آیت مسطورہ بالذکر کی تفسیر میں اور بھی بہت سی روایات ہیں مگر بعض دیگر بعض سے کسی قدر مخالفت ہیں۔ چنانچہ بعض سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اولاد آدم کی پیشینوں سے یعنی بعض کو بعض سے نکالا اور بعض روایات میں آدم علیہ السلام کی پیچھے سے نکالنا مذکور ہوا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جس طرح صفی شاق میں دن سے ریلو بیت کا عہد لیا گیا تھا اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ایک ایسی فطرت پر پیدا کر دیا ہے کہ انہیں مخلوق ہونے کے بعد اس کی ریلو بیت سے کچھ نکال نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام تقدیر سابق اوریشاق اول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برخلاف کسی کو نہ تو اب قیامت کو ہی جنت کرنے کا موقع ملے گا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ﷻ الحجۃ الباقیہ کے روز سے سب پر غولہ کوئی مومن ہو یا کافر تمام حجت کر دیا ہے ۴

احتمال آوم موسیٰ علیہ السلام | اس مقام پر اس حدیث کی تشریح نہایت ہی مفید معلوم ہوتی ہے جو بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے اور سند قتادہ کے باب میں ہم بھی گئی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خرج آدم وموسى فقال موسى يا ادم انت الينا نخشينا والخرجننا من الجنة فقال له ادم انت موسى اصطفاك الله بكلامه وخطاك التوراة سيد اكلو مني على امر فقال الله على قبل ان يخلقني بالوحين سنة فقال النبي صلى الله عليه وسلم فخرج آدم وموسى فخرج آدم وموسى ۵

یعنی آدم اور موسیٰ علیہ السلام نے ایک جگہ پر کھڑی موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آدم تو ہی ہمارا باپ ہے تو نے میں جنت سے ناکام رکھا اور میں وہاں سے نکلوا یا آدم علیہ السلام نے فرمایا تو ہی میری ہے جس کو خدا نے ہم کو کلامی کا رہنما اور اپنے راستے سے توجہ نہ کر تجھے مٹا دے گا۔ کیا تو مجھے ایک ایسے لڑکے کی بات ملامت کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے مقدر کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اس جالب پر آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب تھے (یہ جملہ آپسے تین وفد
ایستاد فرمایا) +

واسطیہ کہ یہ حدیث ایک معرکہ اللہ اسکند ہے اور اس کی تفسیر میں علمائے امت نے کثرت
سے اقوال بیان کئے ہیں۔ اور بعض خواجہ نے جو تقدیر اور شیت الہی کے افعال انسانی پر
طاوی ہوئے کے منکر میں اس حدیث کی صلیت سے انکار کیا ہے حالانکہ حدیث اصول
محدثین کے مطابق ثابت ہے اور ہر ایک قرن میں علمائے امت نے اس کو قبول کیا ہے
اور اس امر کی تہاوت دی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی زبان حقانی ترجمان سے اس کا ارشاد
فرمایا ہے اور بعض دیگر نے اس کی بے بسی تاویل کی ہیں مگر دشمنانِ نہ اور مول کا ہمیشہ
سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب کوئی شخص ان کے عقائد کے خلاف پڑا کرتا ہے تو اسی طرح
یہ تو اس سے انکار کر دیا کرتے ہیں یا اس کو غلط مقصود کسی دوسرے مفہوم پر محمول کر دیا
کرتے ہیں۔ اسی قسم کے لوگوں نے دین میں دشمنانِ ایمان پیدا کر کے فرقے قائم کئے اور خدا
خدا خدائی (لیکن اگر منکرین حدیث کے مفہوم اصلی سے آگاہ ہوتے تو کبھی انکار نہ کرتے اور
اس پر تکذیب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام نہ دیتے) +

اس حدیث کی توحید میں علمائے مختلف اقوال بیان کئے ہیں مگر میں یہاں ان سب
تجزیات کا ذکر کرنا ضروری معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کی وہ توحید جو صحیح ہے تاہن کے پیش
کہتے ہیں کہ یہ حدیث باوی اس قدر جزیرہ کی دلیل ہو سکتی ہے جو انسان کے نیک و
اصل کو تقدیر الہی پر حوالہ کر کے انسان کو مطلقاً بے قصور قرار دیتے ہیں اور وہ انہیں الہی بیان
کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اپنے جرم کو تقدیر الہی پر حوالہ کر کے موسیٰ علیہ السلام کے اقراض
و جواب دیا۔ بر خلاف اس کے مشرک تقدیر نے تو حدیث الہی کا انکار کر دیا کیونکہ انہیں کوئی
مذہب جواب اپنے مسلک کے مطابق معلوم نہیں ہوا +

یہ امر مسلم ہے کہ نبی علیہ السلام تو میدانِ باہمی اور اس کے اسما و صفات کی حقیقت

کا کمال علم رکھتے تھے پھر کوئی نکر ہو سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو ایک جرم کی بابت اطلاع کرتے
 بس سے نہ تو یہ کر چکے تھے اور نہ تو یہ قبول بھی ہو سکتی یا یہ کیسے ممکن تھا کہ آدم علیہ السلام
 اپنے جرم پر یہ غور پیش کر کے کہ چونکہ تقدیر سابق میں لیا گیا تھا اس لئے مجھ سے سر نہ ہوا
 کیونکہ ایسا صحیح مانا جائے تو شریعت کے تمام احکام و احادیث کا ابطال لازم آتا ہے +

بلکہ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو دن کے جرم پر
 نصیحت نہیں کی تھی بلکہ یہ علامت اس نصیحت پر تھی جو آدم علیہ السلام کے جرم کی وجہ سے
 نور آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر عام ہوئی۔ اور وہ نصیحت ان کا ہیشتان تھا لا بہا
 مانا تھا جس کا سبب وہی جرم آدم تھا کہ کچھ اور اور جس کی وجہ سے ان کی اولاد بھی محروم
 رہی چنانچہ لفظ آخر حجتاً "اَوَلَمْ نَكُنْ مِنْ جَنَّتِمْ سَعًى فَعَلًا اَوْ لَعْنًا خَبِيرًا" (اوتے ہیں
 محروم رکھا) اسے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے +

گویا آدم علیہ السلام کا جواب یوں تھا کہ اسے موسیٰ تیرا نصیحت پر اطلاع نہ تھی
 کیونکہ یہ نصیحت تو میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی مقدم ہو چکی تھی۔ حال جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ
 السلام کا نصیحت کرنا اس نصیحت کی وجہ سے تھا جو بہ سبب جرم آدم علیہ السلام سب پر
 عام ہوئی۔ اس جرم پر جس کا رد کتاب آدم علیہ السلام نے کیا تھا جس سے جبر و قہر کی دلیل
 قائم ہو سکے +

اور یہ علم ہے کہ گناہ اور نصیحت کے قدر پر تو تقدیر سابق کو پیش نہیں کیا جاسکتا اور
 نصیحت پر پیش کیا جاسکتا ہے یعنی وہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ جس نے جرم اس لئے کیا ہے کہ
 تقدیر میں لیا گیا تھا اور ایل کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ قائل نصیحت کا رد ہونا تقدیر سابق میں
 مقدم تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ نصیحت صحیح جواب ہے جس حدیث میں فرقہ جبر
 کے رد میں دیا جاسکتا ہے +

پیش منائے کتاب و سنت سے ایک اور بھی جواب دیا ہے جو یہاں سے غور و تدبیر سے

ہے کہ جو ہم دھمیت میں تقدیر سابق کو غدی میں پیش کرنا بعض مواقع پر تو نافع ہو سکتا ہے
 ہے اور بعض مواقع پر مضر مثلاً اگر دشمن سے گناہ سر نہ ہو اور کوئی قہی سے تو بکر کے بھڑکائی
 کر گیا تو یہ کہنا ہے جانہ ہو گا کہ تقدیر سابق میں ایسا ہی کسا تھا کیونکہ اس سے بھی لوگ قسم کا
 اثر لے لیتے اور الہا بدویت کا مفہوم پایا جاتا ہے لیکن ایسی حالت میں کہ دوسرا لوگ نہ کر رہا ہے اور
 دوسرے بالکل طے پر ہیں کہ رہا ہے کہ عدلے تعالیٰ نے ایسا ہی کسا تھا تقدیر سابق کو اپنی جیت
 میں پیش کرنا تقدیر گناہ بد و گناہ کا مصداق ہے کیونکہ پہلی صحت میں دوسرا دوا ہی شریعت کا
 عدم ضرورت ثابت نہیں ہوتا اور اس دوسری صحت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نیک و بد اعمال
 سب کچھ خدا کر داتا ہے بندہ کا درمیان کچھ تعلق نہیں مالا کہ یہ جواب شریعت حق کے بطلان
 کا مستلزم ہے پس ایسی صحت میں تقدیر سابق کو غدی میں پیش کرنا مضرب کیونکہ یہ وہی غلط
 طریق ہے جو دشمن نے اختیار کیا تھا اور کیا تو شاء اللہ ما شرکنا ولا اباؤنا زاریں اگر
 اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اہلست اباؤ اجداد شرک نہ کرتے۔ الغرض تو یہ صبح کے بعد غیب گناہ
 میں تقدیر سابق کو پیش کرنا تو صحیح ہے اور قبل از قیام دست نہیں اور اوم علیہ السلام نے بعد از
 قیام ہی ایسا غدی کیا تھا جو ایک گونہ الہا بدویت پر مبنی ہے اس لئے حدیث سلوہ ہا کسی
 طرح عمل اقرار نہیں ہو سکتی *

تقدیر ثالث | یہ وہ مقام ہے جب بچہ رحمہ اللہ میں ہوتا ہے اور اس کی
 سعادت و شقاوت اور عمر و رفق و غیرہ حالات مقدمہ کئے جاتے ہیں
 اسے ثبوت میں مختلف اداویث وارد ہو چکی ہیں۔

برہانیت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ منبر صادق بناب پیغمبر صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا :-

ان احدکم یجمع خلقه فی بطن ائمه اربعین یوما ثم ینکون فی ذلک
 علقۃ مثل ذلک ثم ینکون فی ذلک مضغۃ مثل ذلک ثم یرسل اللہ

الیدہ السلت فینفغ فید الروح ویومر باربع کلمات یکتب الذی
واجله وحملہ ویشقی وسمیع قول الذی لا الہ خیر وان احدا کما یعمل
علی علی اهل الجنة حتی ما یكون بینہ وبنیہا الا ذراع فیسق علیہ
الکتاب فیعمل یس اهل النار فیداخلها وان احدا کما یعمل یعمل اهل
النار حتی ما یكون بینہ وبنیہا الا ذراع فویسق علیہ الکتب فیعمل
یس اهل الجنة فیدخلها مستقی علیہ۔

حاصل یہ ہے کہ رحم ماہرین پائیس بن تک فطہ میں انقلاب ہو کر مقلد انوار ہست
بن جالب ہے۔ پھر پائیس دن میں مقلد اکوٹھت کالوٹھت ابن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک
فرشتہ کو بھیجا ہے جس میں مقرر ہو گیا ہے اور اس کو حکم ہوتا ہے کہ اس میں کی مقلد
میں عمل مساوات و شفاعت کلمہ ہے اسی وعدہ و شریک کی قسم ہے کہ کوئی شخص اہل جنت
کے اعمال ملاحظہ کر رہا ہو تو اسے حتی کہ اس کے جنت میں داخل ہوئے ہیں مرنے تک ہر
فرق رہ جاتا ہے یعنی میت قریب ہو جاتا ہے کہ تقدیر پائی (جو رحم ماہر میں مقعد ہوئی تھی)
اس پر غالب اگر اس کو جہنم میں گرادی ہے اور اسی طرح کوئی شخص اہل جہنم کے اعمال ملاحظہ
کر رہا ہو تو اسے حتی کہ اس کے جہنم میں داخل ہوتے ہیں مرنے تک ایک ہر فرق رہ جاتا ہے کہ
تقدیر پائی اس پر غالب اگر اس کو جنت میں داخل کر دیتی ہے۔

اور صحیح مسلم میں برہانیت غلیظہ بن امیرومی ہے۔ "قل صلی اللہ علیہ وسلم
یدخل الملائکۃ علی النہقۃ بعد ما تستقر فی الرحمہ یارب اربعین او خمسین واربعین
لیات فیقول یارب اشیء امسمید فیکتبان فیقول ای رب اذکر ام انشی
فیکتبان ویکتب عملہ واثرہ واجلہ ووزنہ فلا یزاد فیہا ولا ینقص۔"

یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ملائکہ پندرہ یا پندرہ پائیس دن کے بعد
ہے اور کہتا ہے کہ تم ایسا اس کو نیک بخت نکھڑے یا بد بخت؟ سو جیسا ہو گا جیسا

پھر پوچھتا ہے: خدایا! مگر کیسے یا مژدہ؟ سو یہاں ہو کھانا جاتا ہے بعد ازاں اس کے
حال اور عمر اور روزی کو لکھ لیا جاتا ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی +

اور عبد اللہ بن عمر بن حارث کی روایت میں یہ الفاظ درج ہوئے ہیں: "یشل الملک
عمر ذلک فیقول یا رب اسقط امری ثم فیقین له انہ قد یقول یا رب اولئک لہ
وآخرہ منقطعہ ثم یقول انقطع رزقہ مع خلقہ وبقیۃ منہ ما حیوا فی الدنیا
فمن بعد یبدل ولا ینال الا ما قسم لہ یومئذ اذا اکل رزقہ قبض یعنی چالیس
دن بعد ان کے رقم ہمارے قریب کیسے کہ بعد فرشتہ بازگاہ رب العالمین میں سوال کرتا
ہے کہ خدایا! یہ بچہ اور اس پر کیا ہوگا یا پورا؟ اللہ تعالیٰ اس امر کو بیان فرماتا ہے پھر فرشتہ
کہتا ہے کہ خدایا! ایک ہی ہوگا یا جنت؟ اللہ تعالیٰ اس بات کو بھی بیان فرماتا ہے پھر
کہتا ہے کہ خدایا! اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی روزی کا فیصلہ کر دے چنانچہ
اللہ تعالیٰ ہر دوام کا فیصلہ کر دیتا ہے وعدہ لا فریک کی قسم ہے کہ انسان دی کہ
چلتا ہے جو اس کے لئے اس دن مقدم ہو چکا ہے موجب وہ شخص اپنی روزی کو پورا کر لیتا
ہے تو فوراً اس کی قبض کر لی جاتی ہے یعنی امر جاتا ہے +

اور سند نام احمد بن حنبل بنی احمد بن حنبل سے ہے قال فرج غنہ من قبل لی کل عبد خیر من اجلہ
ورزقہ و مضجعه و اثرہ و شقی امر سیدنا یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کے متعلق پانچ
چیزوں سے قانع ہو چکا ہے۔ مدت عمر۔ روزی۔ جائے دفن۔ اعمال۔ سلامت و
تفاوت۔ بعد روایت ابو یوسف مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: السید من بعد
لی یظن اسہ یعنی سادہ زندگی کا شخص ہے جو اس کے پیٹ ہی میں سدا خیر ہوتا ہے یعنی غنہ
سے ملتا ہوئے تک اللہ تعالیٰ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ بچہ کو سید یا شقی لکھ دے اس
امر کی تصدیق کہ ہم ہمارے بچے کی مذکورہ بالا پانچ چیزوں کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہت سی
اور عادیث بھیجے جاتی ہیں ہم نے خوف طواصت بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا

ہاں ہر روایات کے الفاظ بعض دیگر روایات سے کچھ مختلف ہیں مگر یہ امر قابل ملاحظہ ہے کہ کوشش جو مذکورہ بالا پہنچی چیزوں کو گھستا ہے اصل ہے اور جو فرشتہ تسبیح پڑھتا ہے وہ اصل ہے جو ایک سو بیس دن کے بعد بچہ میں تلخ مدح کرتا ہے یہ امر بہت سے لوگوں پر مبنی رہا ہے اسلئے انہوں نے چاروں احادیث میں دن کے روایات میں تعارض خیال کیا حالانکہ حقیقت یہی نہیں ہے۔

تقدیر رابع

یہ تقدیر لیلۃ القدر میں واقع ہوئی ہے اور اس کی ضرورت پر قرآن مجید مطلق ہے انا انزلنا فی لیلۃ مبارکۃ انا کا منذرین فیما یعقبن کل امر حکیم۔ یعنی ہم نے قرآن مجید کو برکت والی رات میں نازل کیا بیشک ہم عذاب سے ڈالتے ہیں ہر مبارک رات میں ہر ایک امر کی جو عین حکمت پر مبنی ہوتا ہے علوہ علیہ تفصیل کی جاتی ہے یہ امر کہ وہ رات لیلۃ القدر ہی ہے انا انزلنا فی لیلۃ القدر سے ثابت ہے اور جن لوگوں نے نصف شعبان کی رات کو خیال کیا ہے انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ بروایت ابن عباس مروی ہے یتکتب من امر الکتا میں فی لیلۃ القدر ما یکون فی السنۃ من موت و حیوۃ و رزق و مطہر حتی الحجاج۔ یعنی لوح محفوظ سے لیلۃ القدر میں تمام ان حوادث کو مقدّر کیا جاتا ہے جو سال جبر میں ہونے والے ہوں حتیٰ کہ یہ بھی کھایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی کونسی امیر وراثت متاعل مروی ہے یتقدّر اللہ فی لیلۃ القدر لہ السنۃ فی بلادہ و عبادہ الی السنۃ القابلۃ یعنی اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں سال بھر کے امور اپنے شہروں اور بندوں میں اندازہ لگاتا ہے۔

تقدیر خامس

تقدیر خامس کی ضرورت پر بھی قرآن مجید مطلق ہے حیث قال

بھانڈو تعالیٰ کل یوم ہونی شان "حاکم نے اپنی صحیح میں بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
 کیا ہے۔ "ان مداخلن اللہ لوجا محفوظا من درقہ بیضا و فقاہ من یاقوتہ حمرہ
 قلندہ نور و کتابہ نور و نظمہ فید کل یوم ثلاثا و مبین لظہرہ و نقی کل لظہرہ
 منها یحقق و یوزق و یحیی و یمیت و یغنہ و یذل و یعلل عایشا۔ فذل لک قولہ
 کل یوم ہونی شان" یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں لوح محفوظ بھی ہے جو سفید موتی
 سے بنائی گئی ہے جس کے ہر کوئلے سُرخ یا قوت سے ہیں اور اس کا ظلم نود سے اور اس
 کی کتاب بھی نور سے پیدل کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ہر روز تین سو اٹھ و فقاہ اپنی نظر ڈالتا
 ہے اور اس کی ہر ایک نظر میں پیدا کش۔ روزی۔ زندہ کرنا۔ مارنا۔ عزت دینا۔ ذلیل کرنا
 و قتل میں آتا رہتا ہے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول کل یوم ہو
 فی شان کی یہی صحیح تفسیر ہے۔

اور ثمان بن درمی نے کتاب الروطی المرسی میں بروایت عبداللہ بن مسعود نقل کیا ہے
 کہ اللہ تعالیٰ کے اہل بات و زبان نہیں اس نے زمین و آسمان کو اپنے نود سے رکھ رکھا ہے
 اور ہاتھ ہاں کا ایک دن اس کے "باندہ ساعت" کا ہے سو تمام آدمیوں کے اعمال اس میں
 پیش کئے جاتے ہیں۔ گناہوں کو دیکھ کر وہ غضب میں آتا ہے اور پہلے پل لاکھ عاظان
 عرش اس کے غضب سے آگاہ ہوتے ہیں جس پر انہیں اللہ تعالیٰ کا غضب شاق گذرتا ہے
 پھر وہ تسبیح پکارتے ہیں پھر جبریل علیہ السلام ایک کرنا کو پھونکتے ہیں جس پر تمام اشیاء اس کی
 آواز کو سن لیتی ہیں اور تین ساعت تک برابر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی
 رحمت جوش میں آتی ہے اور پھر ساعت تک یہ حالت رہتی ہے پھر تین ساعت تک اللہ تعالیٰ
 ازعام میں نظر کرتا ہے جس کا اشارہ آیہ فوالذی یصورکم فی الارحام میں آچکا ہے
 اس کے بعد ہر ایک روزی میں نظر کی جاتی ہے اور یہ حالت تین ساعت تک رہتی ہے آیہ
 اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر فیہ لیس کی طرف اشارہ ہے اس طرح باندہ ساعت یومی

ہو جاتی ہیں +

جاری گذشتہ تفتیش کا نتیجہ حسب ذیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کا علم
 سے انتظام عالم کو ایک ایسے مضبوط انداز میں قائم کیا ہے کہ کوئی امر یہ
 تک پہنچ نہ سکے جس کی نگرانی میں نہیں چکنا عالم غائبی میں مجموعہ پذیر نہیں ہوتا +
 اور اچاس ہزار سال قبل از خلق السموات والارض اس نے انسان کی ہر ایک چیز کا
 اسناد مقرر کر دیا +

(ب) بعد از خلق السموات والارض پہلے انداز کی تفصیلی صورت قائم ہوئی یہ تقدیر
 رضیہ شائق کو واقع ہوئی +

(ج) پھر ہم ماور میں لطف کے علقہ بنتے وقت دوسری صورت کو عطا فرمایا +

(د) پھر ایلۃ القدر میں سال بھر کے متعلقہ حوادث کو منضبط کیا +

(ه) پھر ہر ایک دن میں واقع ہونے والے حوادث کو معین کیا +

وضع ہو کہ پانچویں تقدیر میں یکے بعد دیگرے اس ترتیب سے رکھی گئی ہیں کہ ہر ایک
 تقدیر اپنے سے پہلی کی تفصیل ہوتی ہے گویا ہر سب سے پہلی تقدیر میں قائم ہوا ہے ہی
 آخر کار عالم میں عبور پذیر ہوتا ہے اس سلسلہ تغیر میں خود کرنے سے اللہ تعالیٰ کے کمال
 علم اور کمال حکمت و قدرت کا پتہ لگتا ہے +

مراتب القضاء والقدر

یہ سلسلہ تعلیم دیگر معتقدات اور اعمال صالحہ کی پابندی کے لئے اصل اصول ہے کیونکہ
 جس شخص کو قضاء و قدر پر ایمان نہیں وہ حقیقتاً مسلمان نہیں جب اس کو یہ ہے کہ اس کا

انہار صفات ذات باری عز و جہت نبوت حشر و نشر وغیرہ اصول دین کے لحاظ کا مستلزم ہے یہی وجہ ہے کہ سلسلہ صحابین خصوصاً اصحاب بدیعی اللہ عنہم کی جلالت کے لوگ منکر قضا و قدر کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس بارہ میں کمال شدت سے کام لیا کرتے تھے۔
 (۱) جامع ہو کر حسب تحقیق علم کے کتاب و سنت قضا و قدر کے چار مراتب حسب ایل ہیں۔
 (۲) اللہ تبارک و تعالیٰ کا اشیائے مخلوقات کی نسبت قبل ان کے پیدا ہونے کے عالم ہونا +

(۳) اللہ تعالیٰ کو اپنے علم سے کشتا +

(۴) اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارادہ کا اشیائے متعلق ہونا +

(۵) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ان اشیاء کو پیدا کرنا +

مختصر ان چار کو قضا و علم و کتابت و مشیت اور خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے قبل از علیہ علیحدہ ہر ایک کی تشریح کی جاتی ہے :-

علم نام نبیاء علیہم السلام اور ائمہ علیہم السلام و صحابہ تابعین و تابعین تابعین و غیرہ کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر متعین ہے کہ اللہ تعالیٰ وجود اشیاء سے پہلے ان کا علم رکھتا تھا۔ اور اشیاء کا مکتوب فی اللوح موافق امر پر مروج طور پر دولت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے ان کا علم رکھتا تھا۔ قول اللہ تعالیٰ
 اَلَمْ نَقُلْ لِّلْاِنْسَانِ اِذَا قُلْنَا وَاٰلِهٰنَ اَنْ قُلُوْا فِیْ کِتٰبِیْ اَنْ قُلُوْا
 عَلٰی اللّٰہِ یَسُوْرَتِیْنِ اِیْنِیْ لَیْ اَسْمٰکَ اَللّٰہُ تَعَالٰی زِیْنِ وَاَسْمٰنِ کِیْ تَعْلَمُ
 چیرہوں کا علم رکھتا ہے بے شک یہ امر لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبل از وجود اشیاء ان کی ذات اور ان کی صفات اور اسم و مقدار شکل و لون و مکان اور غیر تغیرات و انطباعات و غیرہ ہر ایک امر کا علم رکھتا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ کو علم رکھتا ہے تو ان اشیاء کا علم رکھتا ہے۔

یہ امر بالکل بعینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک شے کی ذات اور صفات و غیرہ کو اسی طرح قائل
 اندر وجود علم نسبتاً متساویں طرح بعد از وجود ہمارا علم کسی شے کے متعلق اس شے کے وجود
 پذیر ہونے پر پیدا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم ایسا نہیں بعض نادان لوگ اللہ تعالیٰ کے
 علم کو انسانی علم پر قیاس کرتے ہیں جیسے کہ اس میں وہ ہے کہ باحوادث فن کی زبان
 سے یہ اعتراض مناجاتاً ہے کہ جب اشیا موجود نہیں تو اللہ تعالیٰ کیسے چیز کا عالم تھا کیونکہ
 بغیر وجود کے کسی چیز کا علم نہیں ہو سکتا مگر یہ کم عقل لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ اعتراض
 انسانی علم کے بارے میں تو صحیح ہے مگر ذات باری عزوجل کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس
 کا علم ہر ذی مشیائے ممکنہ میں بلکہ خود اس کی ذات ہی علم اشیا کی مقتضی ہے جو
 اشیا عالم کائنات میں وجود پذیر ہوئی ہیں ان کا علمی وجود ذات باری کے ساتھ قائم
 تھا اسی علمی وجود کے مطابق اشیا کو خارجی طور پر اس نے اپنی قدرت کاملہ سے وجود بخشا
 یہ سوال کہ اس طرح اشیا کو خارجی وجود حاصل ہوا بجز ان مافوق ربانی کے کسی کو نہیں
 ہو سکتا جو تجرید کامل حاصل کر کے غلبہ ملوہ سے ربانی پا جلتے ہیں اور وہ صحت گرد و
 مسلیں ہی ہے اور ان میں بھی ملحد ہیں عقل اس میدان میں تنگ ہے اور مغرور کا نقد
 تنگ انسان کی ایک فطری کمزوری ہے کہ وہ اپنی بساط سے بڑھ کر عقل کو کام میں نہ لانا
 شروع کر دیتا ہے اور محدود معلومات پر صحیح کائنات کے حقائق کو اپنے زور عقل سے
 معلوم کرنا چاہتا ہے اور رفتہ رفتہ ذات باری کے متعلق وسوسوں و شکوک اٹھا کر نسبت
 سے دور باہر ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے توہمات باطل کو حقائق سمجھ کر دھرت پر کھاتا
 ہے اور انسان کی یہ غلط فہمی اس وقت اور بھی ترقی کرتی جاتی ہے جبکہ وہ مادیات میں
 تصدیق کر کے نئے نئے اکتشافات اور ایجادات پر آگاہ ہوتا ہے جن سے اس کو خیال
 پیدا ہوتا ہے کہ ذات باری کے متعلق بھی اور دونوں کرتے سے وہ حقیقت مر پرست
 ہو جائیگا مگر یہ نہیں سمجھتا کہ جب مادیات کے علمبات ہی کا تصور انسان کیلئے ناممکن ہے تو

ذات باری کے متعلق کیا خاک بھیرا اور شیا کے قدس کائنات باری سے وجود پذیر ہونے کی کینیت تو دونوں اس کے شکستہ ہی نہیں ہو سکتی کہ انسان کو تجربہ کامل ہو کر عالم مادیات سے باہر نکل کرے مگر حق تعالیٰ اور یہ امر بدو گروہ مرسلین ہر ایک کے لئے مقصود نہیں انسان کو اپنی حد سے زیادہ نہیں بڑھانا چاہئے۔ مادیات میں غور و تفرق کر کے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے وہ کیا کم ہے ابھی تو اس کا عشر عشر بھی حضرت انسان کو حاصل نہیں ہوا ذات باری کے متعلق عقل سے کام لینا بالآخر منہ کی کھال ہے۔

تو کلہ زمین را نکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی

کتابت

علم ذات باری کے بعد دوسرا درجہ کتابت کا ہے جس پر لغو و سبائیت واحادیث ناملق ہیں۔ آیت ذیل میں غور کرو۔ "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذل کران الامم یرثع اعداوی الصالحون ان فی هذا البلا فالقوم عابدین" یعنی ہم نے زبور میں بعد از ذکر یہ کلمہ دیا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے بے شک اس امر میں پیغام حق ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا کے تعالیٰ کی سچی پرستش کرنے والے ہیں معلوم نہیں عام لوگ اس آیت شریفہ کے کیا معنی سمجھا سکتے ہیں کیونکہ علمائے مغربین نے اس آیت کی تشریح الفاظ پر بہت کچھ اختلاف کیا ہے مگر ہم محقق و متقویٰ مذہب کے مطابق اس کی تفسیر کہتے ہیں۔ اس آیت میں لفظ زبور۔ ذکرہ امراض۔ صالحون قابلِ غور ہیں۔

واضح ہو کہ لفظ زبور سے یہاں صرف وہی کتاب مشہور مراد نہیں جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی بلکہ اس کے مفہوم میں صحیح کتب منزلہ داخل ہیں چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ بابائنا والذہب میں لفظ زبور سے تمام کتب منزلہ مراد ہیں اور لفظ ذکر سے تمام کتب مراد ہے جس کی تصدیق ایک حدیث متفق علیہ سے ہوتی ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اللہ ولدیکن فی غیرہ وکان عمرہ مثلی علی العالم وکتاب فی اللہ ذکرہ"

کل شیئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ موجود تھا اور کوئی چیز اس کے سوا موجود نہ تھی اور اس کی عرش
پانی پر تھی اور اس نے تمام اشیاء کو ذکر نام الکتاب میں لکھا۔ اسی نام الکتاب کو سورج
محفوظ بھی کہا کرتے ہیں چونکہ کتب عالم میں وہی کچھ ہر قوم ہے جو نام الکتاب میں مکتوب ہے
اس لئے نام کتب پر یہ مطلق قرآنی میں لفظ ذکر کرنا مطلق کیا گیا ہے مثلاً واسئلوا
اہل الذکر ان کتبکم لا تعلمون۔ اس آیت میں ذکر سے توحید و توحید مراد ہیں اور
اسی طرح قرآن مجید کو لفظ ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً و انزلنا الیہ الذکر لتبین للناس
ما نزل الیہم۔ یعنی ہم نے تیری طرف ذکر نازل کیا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں سورج محفوظ کو مختلف معانی کے لحاظ سے
مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے مثلاً ایہ ذکر شیئی احصینہ فی امام حسین
میں امام حسین کے لفظ سے وہی نام الکتاب یا لور محفوظ مراد ہے۔ پھر دوسری
جگہ مطلق لفظ کتاب سے تعبیر کیا۔ مثلاً ما فرطنا فی الکتاب من شیئی۔ مگر اس
آیت میں لفظ کتاب سے بقول بعض مفسرین قرآن مجید بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مگر نام الکتاب
ہی اقویٰ اور اصح تفسیر ہے۔

اس کی تائید بعض آثار مجید سے بھی ہوتی ہے چنانچہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "لما قضی اللہ الخلق کتب
فی کتابہ نہو عندہ فوق العرش ان رحمۃ غلبت غضبی"۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ
نے مخلوقات کو مقدر کیا تو اپنی کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے یہ لکھا گیا کہ
رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

اور لفظ "ارض" سے دنیا مراد ہے اور یہی صحیح مذہب بھی ہے اگرچہ بعض مفسرین
نے ارض سے بیت المقدس اور بعض نے جنت آخرت مراد لی ہے۔ اس کی تائید بھی
حدیث "ارزویت لی الارض" سے ہوتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے بطور پیش گوئی

شاہ فرمایا کہ میری امت اہل ذیل کے مشرق و مغرب کی ملک موجود ہے گی ۔
 اسی طرح فقط اہل الجبل و امت محمدیہ مرحومہ مراد ہے نہ کچھ اور اگرچہ بعض نیچر
 نے محض خوشام کے لئے گھریزی قوم مراد لی ہے جو قحط و شرفاً ممنوع ہے کیونکہ صلاح
 و تقویٰ ایمان بالمشاورۃ ایمان بالرسول کی فرع ہیں نہ کفر و شرک کی ۔ اور صالحین کا لفظ تو برا
 سیاسی لفظ ہے جس کو قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام پر اطلاق کیا ہے اگرچہ خاص الایمان
 مسلمان بھی اس میں داخل ہیں مگر مسلمان و تقویٰ کے مراد مختلف ہیں اور یہ یقینہ الہی
 فعلی ہے جیسے آج کل جنوبی ہند کے ایک مغز آگہ نیر غیدہ وار کی بیوی کے سر جانے پر
 ایک مسلمان ایڈیٹر نے بلا سوچے بچھے لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے تاکہ
 کافراں و مشرک بکھڑے نہ ہوں ۔ الایمان مسلمان بھی مطلق صبر کا رتبہ نہیں پاسکتا چہ تبانیکہ صبر جمیل جو
 شیوہ انبیاء علیہم السلام ہے ماسل یہ کیونکہ صبر فرما کر ایمان بالمشاورۃ ایمان بالرسول کی
 وجہ سے ایمان ہی نہیں تو صبر کس چیز کا نام ہے ؟

مذکورہ بالا الفاظ کی تشریح کے مطابق آیت مسطورہ بالا کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے
 لوح محفوظ پر لکھ چکے کے بعد ان اسطیٰ کتابوں میں جو گاہ و بگاہ انبیاء علیہم السلام پر
 متعلق کی گئیں یہ لکھ دیا ہے کہ پہلے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ زمین نیا
 کی ملک ہوگی چنانچہ یہاں آیت بر صحت آیت شریفہ سے اس امر کا قطعی ثبوت متعلق
 ہوگا کہ تمام ہشتائے کائنات کو اللہ تعالیٰ نے سب اپنے علم کامل کے لوح محفوظ
 میں ضبط کیا اور وہاں سے وہ ہشتائے کائنات کے ساتھ پیدا کیا ہے ۔ عالم کائنات میں حسب ارادۃ الہی وجود
 جاری رہتی ہیں ۔

تمام انبیاء علیہم السلام اور کتب منزلہ اور فطرت انسانی اور عقل
 سلیم اور مشائخ کا ذاتی تجربہ و شاہدہ اس امر پر شاہد ہیں کہ عالم کائنات

مشیت

کے تابع ہے حیث قلل سبانه لغزہ "وما تشاؤون" کا ان یشاء اللہ یعنی تم جیسے خود کسی
امر کا ارادہ نہیں کر سکتے جب تک اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ نہ کرے پھر فرمایا "قل لا املک
لنفسی ضلوا ولا نفعا الا ما شاء اللہ" یعنی اس کے پیغمبر انہیں کہ دو گئیں تو اپنی ذات
کے لئے بھی کسی قسم کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں بل صرف اس خیر کا مالک ہوں
جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ ارادہ کرے۔ الغرض قرآن مجید میں سینکڑوں آیات اس معنی
پر بغیر قاطعہ دلائل کے موجود ہیں اور حقیقت جب تک ارادہ ذاتِ باری کو ہر ایک
امر کی علت نہ مانا جائے اور یہ ایمان نہ ہو کہ خلق - تدبیر - عطا - منع - قبض - بسط - موت -
حیوۃ - شلالت - بدایت - سعادت - شقاوت - عزت - ذلت وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ
کے ارادہ سے وجود پذیر ہوئی ہیں اور اگر اس کا ارادہ نہ ہو تو کوئی امر وجود پذیر نہیں ہو سکتا
کسی شخص کو حقیقی تو حید کی طرف راستہ نہیں مل سکتا اس نکتہ کی طرف ایک حدیث میں
جو بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک شخص جناب پیغمبر
علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کسی امر کے متعلق کچھ ذکر رہا تھا کہ اس نے اشارے
کو علم میں کہا "ما شاء اللہ و شئت" یعنی جو اللہ تعالیٰ اور خیر چاہیں جناب پیغمبر علیہ السلام
نے ارادہ فرمایا کہ اس جملہ کے کہنے سے تو نے مجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ برابر کا شریک خیرا
دیلے ایسا مت کہو بلکہ یوں کہو "ما شاء اللہ و بعد" یعنی جو صفت اللہ تعالیٰ چاہے
اور بروایت خلیفہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا لا تقولوا ما شاء
اللہ و شاء فلان ولكن قولوا ما شاء اللہ ثم شاء فلان یعنی یوں مت کہو کہ جو
اللہ تعالیٰ اور تم چاہو (وہ ہوگا) بلکہ یوں کہو کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر تم چاہو (وہ ہوگا)
کیونکہ پہلے جملہ سے اللہ تعالیٰ اور مخالف کے کسی امر میں برابر کے شریک ہونے کا مفہوم پایا
جاتا ہے اور دوسرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی امر کے ہونے نہ ہونے کا معاملہ محض
اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر مبنی ہے اور آدمی کا ارادہ اسی کے ارادہ کا تابع ہے بجائے خود کچھ

بھی نہیں۔ اور اس خیال کی تصریح اور تائید اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے جو صحیح مسلم میں
 بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے: **ثَبِّتَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**
قُلُوبَ الْعِبَادِ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنَ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يَصْرِفُهَا كَيْفَ يَشَاءُ
 یعنی بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان قلب واحد کی طرح ہیں جسے وہ
 چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا کہ بندوں کے دلوں میں ہر ایک
 قسم کا ارادہ کا پیدا ہونا محض اللہ تعالیٰ کی کلمات پر مبنی ہے۔ ایک دوسرے
 طریق سے اس حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: **إِنْ شَاءَ أَقَامَهُ وَإِنْ شَاءَ أَوَّاهَهُ**
 یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بندوں کے دلوں کو سر ہلے مستقیم پر لگا دے اور اگر چاہے تو
 سر ہلے مستقیم سے پھیر دے۔

اسی طرح کی چرچہ کلمے کے لئے جناب پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں
 ابن آدم یا خبیث اللہ ہر فانی اذ اللہ صلا رسولہ الیل والنهار فاذا مشئت بقضتہ
 یعنی آدمی کو نہیں چاہئے کہ کسی حادثہ یا نا کامی پر ایوں کہنے لگے کہ زمانہ کا بُرا ہو گیا کہ
 میں زمانہ ہوں۔ راست اور دن کو عالم دنیا پر پیدا کرتا ہوں اور جب چاہتا ہوں تو نہیں
 سمیٹ لیتا ہوں۔ اس حدیث کا مطلب بموجب تشریح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہے
 کہ ہر حرب کا قاعدہ تھا کہ حوادث وغیرہ کی نسبت زمانہ کی طرف کر کے زمانہ کو اپنے
 ارشاد میں برا صلا کہتے جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا کہنا شرک ہے کیونکہ تمام
 اللہ تعالیٰ کی ارادت پر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ زمانہ تو خود اللہ تعالیٰ کا ایک
 مخلوق ہے اور جس کو تم حوادث کا سبب یا علت سمجھتے ہو وہ درحقیقت علت نہیں
 بلکہ صحت اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر مبنی ہیں جن میں اس کی بے شمار حکمتیں منہر ہوتی ہیں اس لئے
 تمہارا زمانہ کو برا کہنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے کیونکہ جس چیز کو تم زمانہ کی طرف
 منسوب کرتے ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اسی خیال کی تائید

یہ حدیث کرتی ہے "ان اصابت شیء فلا تغفل" ہوائی فحشیت کذا او کذا او لکن قل
 قل لا اللہ وما شاء افضل فان لو تغفل عمل الشیطان یعنی اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو
 بے حسرت کہہ کر دے کہ اسے کاش میں نے یوں کیا ہوتا (کہ ایسا نہ ہوتا) بلکہ میں کہتا کروں
 کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی مقدر کیا تھا اور جو اس نے چاہا کر دیا کیونکہ اسے کاش کا
 لفظ عمل شیطان کے دروازہ کو کھول دیتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فسان مسرت زدہ
 جمع و فرح کرنے لگ جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوئی ایک قسم کی بدفہمیاں پیدا
 ہونے لگتی ہیں جو انسان کے ایمان کو باطل کر دیتی ہیں۔ اسی مضمون کو ایک دوسری
 حدیث میں ارشاد فرمایا ہے جیٹ قال علی اللہ عیدہ وسلم ما انعم علی عبد من
 اهل وولد فیقول ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ فیری فیہ اید وون المہوت
 یعنی بندہ کو جو نعمت زن و فرزند کی قسم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے اگر
 اسے دیکھ کر ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھے تو اس میں خیر و برکت ہوتی ہے ہاں موت
 اہل عمر ہے مطلب یہ اس کے اہل و عیال ہر ایک قسم کی بلا اور مصدمہ سے محفوظ رہتے
 ہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہی جملہ پڑھا کرتے تھے کسی
 شخص نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید میں یہ نہیں پڑھا "اولو لا فوخت
 جنگ قلت ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" یعنی تم نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت
 کیوں جملہ ما شاء اللہ... "نہیں پڑھا اور گھر انسان کے بے بمنزلہ باغ کے ہے
 اس لئے گھر میں داخل ہوتے وقت یہ جملہ پڑھنا ہر ایک قسم کی آفت و گزند سے
 محفوظ رہنے کے لئے ضروری و اہم کام ہے اور ایک دوسری حدیث میں حضرت
 سلیمان علیہ السلام کی نسبت حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ سلیمان علیہ السلام نے نیکیدان
 خلفا اپنے دل میں عہد کر لیا کہ میں اپنی شتر بولیں سے ہم صحبت ہو فہمین سے شتر ہی
 بچے پیدا ہوں گے جو میدان جنگ میں جہاد لڑا کر شیعہ دشمنان کو اپنی طرف سے لے لیا

ہی کیا مگر بجز ایک بیوی کے اور کوئی عاقل نہ ہوئی اور وہ بھی ایک بچہ جنی جو اوصو را تھا جناب غیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہ گراں کرے تو خدا کی قسم سب کے سب ایسے شاہ سوار بہادر پیدا ہوتے کہ جہاں فی سبیل اللہ کرتے +

اس پر بھی تمام انبیاء علیہم السلام اور کتب معلویہ اور فطرت انسانی خلق بالاتفاق شاہد ہیں۔ البتہ قد یہ فرقہ کے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے

اور بندہ دل کو اپنے اپنے افعال کا خالق قرار دیتا ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ کسی گمراہ کو ہدایت یافتہ یا بہتت یافتہ کو گمراہ یا کسی مسلم کو کافر یا کسی کافر کو مسلم بنائے بلکہ لوگ خود ہی بخلاف ارادہ و مشیت الہی اپنے افعال کے خالق ہیں۔ لیکن کل اکثر خیر یہ کامی مذہب ہے انہیں لوگوں کو حدیث میں بحسب اللہ کہہ گیا ہے۔

قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں ان لوگوں کے البطل دعویٰ پر سینکڑوں دلائل موجود ہیں۔ اور اکابر علمائے اسلام نے شروع سے آج تک ان کی سرکونی میں شتر بار بار کتابیں لکھی ہیں۔ سچ ہے کتاب و سنت صحیحہ کے مقابل میں کوئی باطل مذہب قرار

نہیں کر سکتا۔ اس فرقہ باطلہ کا جلیل مقابل فرقہ جبر ہے جو گو دلائل میں قبیح سے کسی قدر قرب الی المصوب ہیں مگر جبر محض کے قائل ہونے کی وجہ سے حق سے دُور جا پڑے ہیں کیونکہ جبر محض کے خیال پر شرائع و دیانات و غیرہ کی ضرورت بالکل باطل ثابت ہوتی ہے اور انسان نیک و بد اعمال کے ارتقا میں ایک لامنی یا کسی حصے کے زیادہ وقت نہیں رکھتا +

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں بڑے بڑے مشاہیر علمائے اسلام کے پاؤں ڈگمگائے ہیں اور کئی ایک مذہب پیدا ہو گئے ہیں +

ایک فرقہ کا خیال ہے کہ ارتکاب فعل میں حرکت کا موجب تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس فعل کا طاعت یا محبت ہونا بندہ کی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ ایک دوسرا فرقہ

اس امر کا قائل ہوا ہے کہ فعل غلوہ طاعت ہو یا معصیت اللہ تعالیٰ اور بندہ ہر دو کے مقتدا
 اور قدرت پر مبنی ہے اور ہر ایک ان میں غلوہ و عطلہ بھی اس فعل کی قدرت رکھتا ہے۔ اور ایک
 تیسرے فرقہ کا خیال ہے کہ فعل کی نسبت ذات باری کی طرف تو بطور متعل کی جاتی ہے اور
 بندہ کی طرف بطور غیر متعل مگر وہ حقیقت میں صرف قدرت ذات باری ہے۔ قدرت باری
 جب قدرت بندہ کے ساتھ مل جاتی ہے تو قدرت بندہ فعل میں موثر ہوتی ہے گویا قدرت
 باری قدرت بندہ کے ساتھ بطور طاعت شامل ہو جاتی ہے۔ اور ایک چوتھے فرقہ کا یہ خیال
 ہے کہ بندہ کا فعل میں فعل ذات باری ہے مگر شرط یہ ہے کہ بندہ کا ارتکاب وقوع فعل کے لئے
 شرط ہے اور ذات باری قائل۔ اور ایک پانچویں فرقہ کا خیال ہے کہ قادر فی الحقیقت
 ذات باری ہے نہ بندہ۔ اور بندہ حرکت و سکون وغیرہ امور میں میری ہے اور انسان کا
 کسنا پر مینا۔ آٹھنا۔ بیٹھنا بیٹھنا ایسا ہی ہے جیسے اس کا مرننا۔ چڑھنا۔ اٹھنا۔ اٹھنا۔ اٹھنا۔
 وغیرہ وغیرہ۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ مذہب بالکل جبر یہ قدر کا مذہب ہے۔
 علیٰ ہذا التیاس اس مسئلے اور بھی کئی ایک مذاہب ہیں مگر ان میں سے ہر ایک فرقہ
 کے مذہب میں حق اور باطل غلو ط ہے اور فالس حق وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت
 کے باہر ہے صحابہ و تابعین ملوث ہے اندوہ یہ ہے کہ قدرت ذات باری ہر ایک چیز کو
 ہر ایک فعل یا مادہ پر عادی ہے اور اس کی مخلوقات میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے اندوہ
 سے یا ہر پاس کے بلکہ اس کا اندوہ۔ علم۔ قدرت ایک ایک ذہن کا نشاں کو شامل ہے اور
 جو وہ مخلوقات سے پہلے اس سے ہر ایک چیز کا اندازہ باندھ دیا تھا۔ اسی کے مطابق
 تمام حوادث۔ افعال۔ حرکات و سکنات و دواعی میں گتے رہتے ہیں۔ انسان کسی امر کا
 ارادہ نہیں کر سکتا جب تک اس کا اندوہ اس امر کے متعلق نہ ہو (ما تشاؤون الا ان
 يشاء الله) جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ اس نے انسان
 تک کی فعل کے ارتکاب اور ترک کی استعداد رکھ دی ہے اور یہ ارتکاب و ترک موافق توحید

ذات باری مقصور ہے نہ بدول اس کے۔ وہ حرکت دیتا ہے اور بندہ حرکت کرتا ہے وہ کھڑا کرتا ہے اور بندہ کھڑا ہوتا ہے وہ ہدایت کرتا ہے بندہ ہدایت پاتا ہے علیٰ اقسام کچھ اس کے لئے
 پر منحصر ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و امانت فعل اور ترک فعل سے ایک اور حیثیت کے
 ساتھ تعلق رکھتی ہے اور بندہ کی امانت و قدرت دوسری حیثیت سے۔ جو اس کی یہ ہے
 کہ فعل اور چیز ہے اور مفعول اور چیز فعل بندہ کی طرف حقیقی نسبت سے محسوب ہے اور
 مفعول ذات باری کی طرف حقیقی نسبت سے اس لئے بدول کے حرکات و افعال
 تو ان کے افعال کہلاتے ہیں مگر یہی چیزیں ذات باری کے لئے مفعول بھی ہوں گی۔ مختصر
 طور پر وہ عقیدہ ہے جس کو اہل سنت و الجماعت کے جمہور نے تسلیم کیا ہے مگر اس میں شک
 نہیں کہ دیگر مذاہب میں اس عقیدہ کا کچھ نہ کچھ فرق ضرور موجود ہے اور اس عقیدہ کو بطور اعتدال
 کے علمائے کتاب و سنت نے استنباط کیا ہے جس میں نہ تو جبر معن ہے اور نہ قدر معن۔
 اور اگر کوئی شخص صرف سورہ فاتحہ کی آیت "ایک انبیا وایک نستعین" پر غور کرے تو
 اسے بخوبی یقین ہو جائیگا کہ مذہب نہایت ہی اعتدال پر مبنی ہے کیونکہ لفظ "انبیا" سے
 نسبت فعل حقیقی طور پر بندہ کی طرف منہوم ہوتی ہے اور لفظ "نستعین" سے امانت و توفیق
 الہی کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے جس کا صاف یہ مطلب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی امانت نہ ہو تو انسان
 کچھ قدرت نہیں رکھتا۔ پھر اسی سورہ مبارکہ میں آیت "اهدنا الصراط المستقیم" میں فرم
 کر رہا ہے "ایمان انسان کو بدول امانت ذات باری کے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔ کامل طور پر
 اُنک لا تقدی من بحسبہ ولکن اللہ یمدہی من یشاء" یعنی اسے بغیر تو ہدایت
 نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دے حالانکہ دوسری جگہ حضور علیہ السلام کی نسبت
 فرمایا "وانزلنا لہدٰی الی صراط مستقیم" یعنی بے شک تو صراط مستقیم کی طرف ہدایت
 کرتا ہے۔ اظہار پر دو آیتیں میں تضاد و تناقض معلوم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت ایسا نہیں کہ
 پہلی آیت میں لفظ ہدایت سے امانت و توفیق مراد ہے جو بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کے ہاتھ

میں نہیں اور دوسری آیت میں لفظ ہدایت سے تبلیغ دینی اور تسلیم الکلام شریعت مراد ہے
 جو دائرہ منصب نبوت ہے۔ بہر صورت خلاصہ بحث یہ ہے کہ الکلام قضا و قدر کا چوتھا حصہ
 ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال و افعال کا خالق ہے کیونکہ وصفت خالقیت سے
 کوئی چیز موصوف نہیں ہو سکتی۔ یہ وصفت معرفت ذات باری ہی سے منحصر ہے۔

ایمان یا المبعث لعدت

مرنے کے بعد پھر حی اسٹانک لیا اسلک ہے جو معرفت مذہب اسلام کے ساتھ
 منصوص ہے۔ نیک و بد اعمال کی جزا و سزا کا عقیدہ تو تقریباً تمام مذاہب میں پایا جاتا
 ہے مگر اس کے وقوع کی کیفیت ہر ایک مذہب میں علیحدہ علیحدہ صورت میں تسلیم کی گئی ہے
 مذہب اسلام میں اس کی صورت اس طرح تسلیم کی گئی ہے کہ انسان از سر نو وہ بارہ جسمانی طور
 پر زندہ ہو کر ناک سے اٹھیں گے۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا پائیں گے
 چنانچہ ہر ایک صحیح العقیدہ مسلمان اس کی تصدیق کرتا ہے مگر مادہ چست لوگ جو سر سے
 حقیقت روح کے قائل نہیں تسلیم نہیں کرتے اور خیر یہ وقت کے لوگ یہ مانتے ہیں کہ جزا و سزا
 کی صورت روحانی طور پر واقع ہوگی جسم مبعوث نہیں ہوگا۔ پہلا فرق تو قطعاً دائرۃ اسلام سے
 خارج ہے اور دوسرا فرق ملحدین کا ہے جن کے عقائد کی بناء عموماً فلسفہ اور طبیعیات کے
 اصول پر مبنی ہے۔ اسلام پاک میں ایسے خرافات عقائد کی کوئی جگہ نہیں۔

واضح ہو کہ صحیح العقیدہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان دوبارہ جسمانی زندگی پا کر اٹھایا
 جائیگا۔ کتاب اللہ میں بابا اس عقیدہ کو صاف اور صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جن میں
 "تو تامل کی گنجائش ہے نہ انکار کی۔" انھار تو جس بے نہیں ہو سکا کہ کتب اللہ جو کلام الہی ہے

نہرینہ وحی ناطق بنی الشک کی معرفت ہم تک پہنچتی ہے۔ وما یفطق عن الہدی الا حو
الادھی یوحی۔ انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ منکر کتاب اللہ اور بنی اللہ ہر دو کی تکذیب کرتا
ہے۔ معذرتاً مذہن ذہک سادہ تاویل کی ضرورت اس لئے پیش نہیں آتی کہ وہ بارہ جہانی
زندگی کا حاصل ہونا کوئی امر متالی حق نہیں بلکہ ایسی زندگی کی ضرورت اور ثبوت میں لائق
قطعہ موجود ہیں۔

واضح ہو کہ کیا یہ ترتیب سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ اکثر اہل عرب ایسے جہانی
کا انکار کرتے تھے جن کو بار بار حقیقت کو ان و فساد اور صفات ذات باری کی طرف توجہ دینی
گئی۔ چنانچہ ایک عرب کہتا ہے

حیوة الاموات ثم دفنہم - حلالہ و خرافة یا امیرہم

شاعر اپنی بیوی ام عمرو کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ زندگی کے بعد موت اور موت کے
بعد پھر جی اٹھنے بے سرو پا باتیں ہیں۔ اور ایک دوسرا شاعر کہتا ہے
و یخبرنا الرسول بان سئی - و کیت حیوة امدا و ہام
یہی پیغمبر نہیں خبر دیتا ہے کہ ہم مغرب پھر جی اٹھیں گے بعد اسدنی اور ہمارا کاپر
زندہ ہونا کیسے ممکن ہے؟

اس انکار کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ یہ خیال رکھتے تھے کہ گلی شری پہلوں سے پھر دیا
انسان کے جسم کا زندہ ہونا ناممکن ہے۔ یہی علل فلسفہ افریقیہات کے اکثر علمائے زمانہ
حال کا ہے جن کا یہ خیال ہے کہ انسان صرف مادہ کا نام نہیں بلکہ مادہ و مع صورت انسانیت
کہلاتا ہے۔ جب موت کے آنے سے صورت باطل ہو جاتی ہے تو اجڑے مادہ یعنی عناصر

سے عرب باوریت اس امر کے قائل تھے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو سر کی کھوپڑی سے ایک چادر
برہنہ کر لیا جاتا ہے جس کو مسنی ادا ہر ہوتے ہیں۔ ۱۲ ص ۱۰۰

عالمہ مٹھو اپنے اہل مرکز کی طوٹ و رجوع کرتے ہیں جس سے ایک مہینہ انسان کی حقیقت
بالکل ہو جاتی ہے مگر ہم یہاں لیں کہ اس مہینہ مادہ میں دوبارہ قوت حیات پیدا ہو جاتی ہے
تو جو صورت اس مادہ پر قائم ہوئی وہ پہلی صورت نہیں ہوگی بلکہ وہ ایک نئی صورت ہوگی جسے
فکر جزا و سزا کا عقیدہ صبح مان لیا جائے تو یہ جزا و سزا ایک نئے شخص پر قائم ہوگی اس
مرنے والے مہینہ شخص پر مگر لاکھ نیک و بد اعمال کا فاعل وہ شخص تھا جس کے ساتھ اس کی
پہلی صورت متعلق تھی۔ یا لیں کہ وہ شخص جو دوبارہ زندہ ہوا ہے وہ پہلا شخص نہیں ہوگا
جو نیک یا بد اعمال کا مرکب تھا اس لئے جو نئے شخص کے ایک غیر مستحق کو جزا و سزا
کا عمل ہونا چاہیگا اور یہ صبح نہیں +

اس کے علاوہ شکرین یہ اعتراف بھی کیا کرتے ہیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان
کو کھاتا ہے تو وہ غذا کو کھانے والے کا جزو بدن ہو جاتا ہے تو بحث کے وقت دو
رہیں ایک انسان کے جسم سے کس طرح مستقل ہو سکتی ہیں؟ اسی طرح زمین کی پیداوار از
قسم حبوب و غلات و فواکہ انسانوں کی غذائی رہتی ہے۔ اور یقیناً یہ پیداوار زمین و فلک
شدہ انسانوں کے جموں سے تیار ہوتی ہے جو بصورت غذا پھر زندہ انسانوں ہی کا جزو
بدن بن جاتی ہے۔ گویا بحث کے وقت ایک ہی مادہ بہت سے انسانوں کی صورتوں کا
مستعمل ہوگا +

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس قسم کے اعترافات صفات ذاتِ باری میں غور نہ
کرنے کا نتیجہ ہیں۔ سو ماقدار و اللہ حق قدس۔ یہ لوگ صفات ذاتِ باری کو نسبت انسان
کی صفات پر قیاس کر کے کئی قسم کی لطیعیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خالق حقیقی کی ہمتی
ملم و قدرت کو وہ انسانی علم و قدرت کی طرح محدود خیال کرتے ہیں +

واضح ہو کہ انسان کے جسم میں دو قسم کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اقل انسانی جملہ
انسان کی یہ پیش سے آخر تک اس کے جسم میں موجود رہتے ہیں۔ دو اجزاء فضیہ

یعنی وہ اجزاء جو بذریعہ غذا جزو بدن بنتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ علم و قدرت خداوندی کے مقابلہ میں اجزائے اصلیہ کا انسان کے بدن میں باقی رہنا کوئی ناممکن امر نہیں اس لئے اگر کوئی انسان بواسطہ غذا کسی دوسرے انسان کا جزو بدن ہو جائے تو ان اجزائے فضلیہ کے اتصال اور تفرق سے اس کے اجزائے اصلیہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اور انہیں اجزائے اصلیہ کے ساتھ روح کو تعلق دیا جائیگا جس سے وہ دوبارہ زمکلی مکمل کرے گا۔ اور اجزائے فضلیہ خواہ وہ پہلے اجزاء ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرے اجزاء اجزائے اصلیہ کے ساتھ منضم کئے جائیں گے اور رنج و خوشی کا احساس صرف رنج اور اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوگا۔ اور یہ امر اعادة حیات ثانیہ سے منافی نہیں اور یہ اعادة اجزائے فضلیہ (یعنی ہول یا غیر) پر موقوف نہیں۔ اس تقریر سے مذکورہ بالا ہر دو اعتراض مسئلہ عقیدہ نبوت پر فائدہ نہیں ہو سکتے کہ رنج و خوشی کا احساس صرف حق مگر ہوگا اور جسم کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ بقصص قرآن اور حدیث سے بالکل مخالف ہے تمام صحیح العقیدہ مسلمان اسی عقیدہ پر متفق ہیں کہ حیات ثانیہ کی تفصیلی کیفیت سے وہ آگاہ نہ ہوں مگر اس سے عقیدہ کی اصلیت میں کسی قسم کا حرج لازم نہیں آتا۔

مذکورہ بالا تحریر کی تائید میں بعض مفسرین نے آیہ وَاِذَا خَلَقْنَا رِبِّیْكَ مِنْ نَارٍ وَنَارٍ مِنْ نَارٍ اور من نور اور من نور علی القہر و من نور علی القہر السبب بریکہ قالوا ابلی شہدنا کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی میٹھی سے ان کی اولاد کو نکالا پھر اولاد کی پیشوں سے ان کی اولاد کو نکالا علیٰ ہذا القیاس تمام اولاد حق کو جو آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہوئی تھیں نخل کران میں نخل و زیتون اور حرکت اور کلام پیدا کئے اور سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار کیا اور پھر سب کو آدم علیہ السلام کی میٹھی میں لوٹا دیا۔ اس تفسیر کے ضمن میں بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس امر کی کیفیت کو خدا نے تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آیا وہ حرکت جن کو صورت انسانی میں لکھ کر ان سے لڑا دیا گیا وہ حق کی صورت میں متغلب ہو گئے یا وہ ذات بہتور قائم رہے۔

مئی ہر جن کے جسم سے انسان پیدا ہوتے ہیں مگر اقرب الی الصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 بنی آدم کے ذلت کو آدم علیہ السلام کے مساوات سے نکالا اور انہوں نے بحالت عقل فہم جو
 حیات کے لئے لازم ہیں اس کی ولایت کا اقرار کیا ایسے منیر حیوانات کا سمیت ذلت میں
 معجز بنالیدہ عقل نہیں انما ذل کے محققین نے خود بن کے ذریعہ سے مشاہدہ کیا ہے کہ ایک
 نکرہ پانی میں کسی لاکھ حیوانات موجود ہوتے ہیں۔ بھلا قدرت الہیہ کا کون احاطہ کر سکتا ہے ؟
 اے شریف میں اعظم قدیہ اشارہ کر رہا ہے کہ وہ ذریت بصورت انسان تھے وہ ذرات
 کا لفظ بولا جاتا ہے لئے احتمال قوی ہے کہ مقام اول میں جو آدم علیہ السلام کی منی کی خلقت
 سے نالی گئی میں ان میں جن کی نڈھیں بھی داخل کی گئیں پھر ان میں ان کی خلقت کے پیٹ کی
 خلقت میں پیدا کیا اور پھر تیسری دفعہ زمین کی خلقت میں زندہ کیا گیا یہی ظلمات ثلاثہ ہیں جن کا
 ذکر قرآن مجید میں آچکا ہے اور اے نصرت فیہ من روحی اسے سات طور پر واضح ہوتا
 ہے کہ لفظ روح کو جو یائے متکلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے آدم علیہ السلام کے شکل منہوی
 کے ساتھ جو خلق دیا گیا تھا وہ بدستور اولاد آدم میں بھی پایا جاتا ہے یعنی اجزائے اصلیہ میں پھر
 حکم خداوندی جب روح کو خلق دیا جائیگا تو اس میں از سر نو حیات عود کرے گی۔ خلاصہ یہ
 ہے کہ انسان مدفع اور اجزائے اصلیہ کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ اجزائے اصلیہ آدم علیہ السلام
 سے آج تک پشت پشت متعلق ہوتے چلے گئے ہیں اہم قیامت کے دن انہیں کا اعادہ کیا
 یعنی مدفع کو ان کے ساتھ تعلق دیا جائیگا اور ان سے انسان از سر نو حیات حاصل کرے گا۔
 انسان جب مہم جاتا ہے تو ان ذرات سے روح کا خلق متعلق ہو جاتا ہے اور ان میں حیات
 باقی نہیں رہتی اور اجزائے فضلیہ کی ترکیب نازل ہو جاتی ہے اور اجزائے اصلیہ بدستور محفوظ
 رہتے ہیں اور وہ کسی صورت میں بھی نازل نہیں ہوتے۔ اور ہر ایک قسم کا تغیر و تبدل اور سلسلہ
 اعتدال بات جو ہم انسانی پر ابتدائے پیدائش سے نہ صرف مرے تک بلکہ مرنے کے بعد بھی رہی
 رہتا ہے اس کا تعلق صرف شکل انسانی کیساتھ ہے جو اجزائے فضلیہ کا مجموعہ ہے ۔

اہم بنانہ پچھتوں سے پوچھتے ہیں کہ تم ایک یہ قطروں مانی میں دکھل ہو کر بڑوں کی تعداد
 میں اجرام صغیرہ کا چوتھے جو بن میں تمام حیوانی لازم موجود ہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ ریکل انسانی
 میں شمار مساوات پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک بالشت مزاج میں عادی ہیں مساوات کا موجود
 ہونا قرار دیتے ہو تو پشت آدم سے نفوس خلاق کے برابر قدرت کا قانع ہونا کیوں پیدا کر ل
 سمجھا جاتا ہے؟ اور پھر ان ذرات کے پشت آدم میں وہاں جانے کی نظیر ہی تباہی تھیں تھیں
 عیدہ میں موجود ہے کیونکہ تم اجرام صغیرہ کا مستند ہی اہل میں ایک جسم سے دوسرے جسم کی حرکت
 منتقل ہونا تسلیم کرتے ہو۔ پھر تم ہی لوگ مادہ بنی ہیں ایسا جرم صغیرہ حیوانیہ کا پتہ دیتے ہو جو موت
 نمود میں کے ذریعہ سے میں جلتے ہیں اور یاد جوہ میں قدر صغیرہ جسم ہونے کے تباہی تھیں ان
 کے اندر حیوانی اعضا کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کے سر کا طویل ایک ذرا
 کے چھ ہزار ہیں حصہ کے برابر ہے اور حرکت کے جسم میں داخل ہو کر سات یا آٹھ دن تک متحرک
 رہتے ہیں بعض نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تیرہ منٹ کے عرصہ میں ایک قیرا بھنا سلسلے کرتے
 ہیں۔ ایسا جرم صغیرہ کے قائل ہوتے ہیں کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ مرد کے اجرام صغیرہ
 حرکت کے مادہ اجرام صغیرہ کے ساتھ مل کر انسان کے اجزاء اصلیت قرار پائیں جن کیساتھ
 بذریعہ غذا اجزاء فضلیہ منظم ہوتے ہوں جس سے کہ ریکل انسانی تیار ہو جاتا ہے اور اسی مادہ بنی
 کے ساتھ وہ ذرات بھی شامل ہوتے ہیں جن کا شمار انسانی ہو سکتا ہے جتنا اس شخص کی
 نسل میں آئندہ اولادیں پیدا ہو سکتی ہیں کیونکہ حقیقت حیات کا مرکز انسان کا قلب ہے اس
 لئے ان ذرات کا مرکز انسان کا قلب ہی ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ حرکت قلب کے بت
 ہو جانے پر انسان کی لغو مر جاتا ہے۔ اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقیقتاً انسان اسی ذرہ
 کا نام ہے جب رُوح کا تعلق اس ذرہ سے منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مر جاتا ہے مادہ
 وہی ذرہ اس خالق حقیقی کے علم و قدرت کے زیر اثر رہ کر قائم رہتا ہے اور وہی خالق
 اعلیٰ انہی کے مطابق روح کو پھر اس کے ساتھ تعلق دے گا جو ایک نسل انسان کی نسل میں

کھڑا کیا جائے گا اور اس میں کوئی بات منافی عقل نہیں۔ بعد ازین نبی جناب پیغمبر علیہ السلام
 کے ساتھ ایک بوسیدہ بڑی کے کرایا اور کہنے لگا کیا تم یہ کہتے ہو کہ تمام انسان دوبارہ زندگی
 حاصل کر گئے بھلا ایسی بوسیدہ بڑیوں کو کون زندہ کرے گا؟ جواب ملا: یحییٰ علیہ السلام
 انشاء اول مرۃ یعنی وہی ذات القدس میں کو دوبارہ زندہ کرے گی جس نے اسے پہلی مرۃ
 زندہ کیا تھا یعنی جس طرح انسان پہلے بے نام و نشان تھا اور اس نے روح کو خلق و مگر
 حیات عطا فرمائی وہی ذات اسے پھر دوبارہ زندہ کرے گی۔ اور آیت لکھا ہے اَلَمْ نَقُودُ
 بِنَاسٍ مِّنْ نَّشْرِہِمْ۔ یہ اشارہ مقصود ہے کہ جس طرح شروع پیدائش میں انسان کو شمس مادہ
 سے بذریعہ روح زندہ کیا دوسری دفعہ بھی وہی ذات زندہ کرے گی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بعثت بعد الموت کی مذکورہ بالا توجیہ پر تمام علماء اُمت نے اتفاق کیا
 ہے یا اس پر اہل انما واجب ہے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہ توجیہ بعثت بعد الموت کے ثبات
 کرنے میں عقل اور شریعت ہر دو کے منافی نہیں ہے۔ ہاں امام رازی۔ ابو الطاہر شہرانی وغیرہم
 کی تصریحات سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اجزائے اصلیہ سے ہم دو ذرات مروا لے سکتے
 ہیں جو آیت "اِذَا خَذَلْنَاهُ مِّنْ بَنِي اٰدَمَ" الخ میں بموجب تفسیر نبوی مذکور ہوئے
 ہیں اور جن کو خدایات آدم کہا گیا ہے اور اجزائے فضلیہ سے مراد اہل انسانی ہے۔ اور انہیں
 مذکورہ تصریحات میں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان حقیقی کا لگانا قلب انسانی ہے اور
 یہ عقل صرف بمنزلہ آل کے انسان کو کام دیتا ہے بہر صورت بعثت بعد الموت کا عقیدہ طاعتی
 کے علم و قدرت کی لامتناہی وسعت کے مقابلہ پر ہرگز منافی عقل نہیں اور نہ علوم جدیدہ اس
 کو باطل ثابت کر سکتے ہیں۔

علامہ فرید قتل سلیم اس امر پر ثابت ہے کہ اگر بعثت بعد الموت کے عقیدہ کو صحیح تسلیم
 کیا جائے تو انسان جس کو ہم اشرف المخلوقات ثابت کر چکے ہیں دیگر حیوانات کی نسبت کسی
 غفلت و شرارت کا متعلق نہیں رہتا بلکہ اس عقیدہ کو ترک کر کے وہ بُرے اعمال سے کجی

نہیں رہ سکتا اور یہ امر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انسان فطری طور پر ہمیشہ ہوم و افکار
 میں زندگی بسر کرتا ہے اور یہ حالت انسان کو کئی ایک کمالات کی طرف متوجہ ہونے سے رک
 دیتی ہے بلکہ اس کو پایہ انسانیت سے گرا دیتی ہے۔ مگر ایسی بد مزہ زندگی اور نگاہ حال کے
 دھوکے کے لئے اس کے پاس کوئی ایسی تدبیر نہ ہو جس سے وہ ان مصائب سے رہائی
 پاسکے تو اس کی زندگی دوسرے حیوانات کی زندگی سے کچھ امتیاز نہیں رکھ سکتی بلکہ ان سے
 بھی بدترین زندگی کا مالک ہوگا۔ کیونکہ کامل انسان ہی ہو سکتا ہے جو حزن اور خوف پرورد
 سے نجات حاصل کر لے جس کو کتاب اللہ نے "فیوۃ طیبہ" (پاک زندگی) سے تعبیر کیا ہے
 "وہ جس کی تفسیر میں دوسری جگہ فرمایا "لا خوف علیہ ولا ھم یحزنون" ایسی پاک فطرت
 کا حامل ہونا کمالات انسانیت کا آخری درجہ ہے مگر کوئی شخص اس درجہ تک ترقی نہیں کر سکتا
 جب تک اس کو ایسی زندگی کے بہترین نتائج کی توقع نہ ہو۔ مگر تجربہ و مشاہدہ اس بات پر شاہد
 کہ ایسی زندگی حاصل کرنے کے لئے کوئی ملکی قانون یا رواج کفایت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا
 اصل ان نفوس قدسیہ کی تعلیم پاک پر منحصر ہے جنہیں خدا نے تعالیٰ نے اہل عالم کی ہدایت
 کے منصب پر ستار فرمایا ہے اور خود فطر تاخیر و سعادت کی طرف مائل اور لذت حیوانی اور
 حظوظ انسانی سے مستقر رہتے ہیں یہ اس طبقہ عالیہ کے لوگ ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام
 کے طبقہ کے نام سے موسوم ہیں کیونکہ عوام الناس حیوانی لذت و شہوات میں مبتلا رہ کر دنیاوی
 سے غافل رہتے ہیں اور طرہ الہیہ کی حقیقت ان کی آنکھوں سے اوچھل جاتی ہے اس لئے
 یہ بزرگوں اور بارگاہ رب العزت سے ایک نچی تعلیم کے شگفتہ ہو کر اہل عالم کو حقائق الہیہ
 سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ وہ حقائق ہیں جن کی نسبت دینی علوم بالکلیت خاموش ہیں۔

لہذا کسی امر پر جب غافل کے متعلق جتنا ہے بڑا نہ مہینے میں داخل تھا اس بارہا اور خوف کسی شے
 اور اس کے متعلق جتنا ہے جس کے لئے مستقبل میں و فورا کا خطرہ ہو۔ ۲۰ منہ +

اگر مرنے کے بعد انسان کے لئے کوئی نئی زندگی نہ ہو تو اس کی دنیوی زندگی دیگر حیوانات
 کی زندگی سے کوئی بہتر زندگی نہیں۔ ہفت انسان ہی ایک ایسا مخلوق ہے جس کے لئے علم معرفت
 کی ترقی کی کوئی حد نہیں۔ دیگر حیوانات کو ان کی معرفت اور منفعت کا علم طبعاً حاصل ہو رہا ہے ہم
 دیکھتے ہیں کہ بکری کا بچہ بچن ارا مر کے کر سے آگاہ کیا جائے جسٹ میرے کی صورت کو دیکھ
 کر ہلک جاتا ہے اور نباتات کو اپنی غذا بتاتا ہے۔ اسی طرح شیر کا بچہ گوشت کے سوانہات کو
 اپنی غذا نہیں جانتا۔ اور وہ بھیڑ۔ بکری۔ ہرن وغیرہ کو اپنی غذا کے لئے تلاش کرتا ہے اور اپنی
 غذا حاصل کرنے میں کسی قسم کی تعلیم کا محتاج نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کا بچہ پیدا ہونے کے بعد ہر ایک
 معرفت و منفعت کے سمجھنے میں اپنے دوسرے ہم جنموں کی تعلیم کا متلج ہوتا ہے۔ جب
 اس کیلئے ہے کہ وہ دیگر حیوانات کو رفع معرفت اور طلب منفعت کے سوا جن کا علم اسے طبعاً حاصل
 ہوتا ہے کسی ذائد علم و معرفت کی تالیف نہ نہیں دی گئی۔ مگر انسان پیدا ہونے کے بعد خواہ وہ
 کتنی طویل عمر حاصل کرے پھر بھی اس کے حقائق و معارف کے حاصل کرنے کا سلسلہ کبھی منقطع
 نہیں ہوتا۔ مگر انسان اور دیگر حیوانات ہر دو کی نسبت یہ خیال کیساں طور پر صحیح تسلیم کیا جائے
 کہ مرنے کے بعد ہر دو بے نام و نشان ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی دوسری زندگی کا حاصل ہونا
 ایک بے بنیاد خیال ہے تو کہیں انسان کو لامتناہی کمالات علم و عمل کی استعداد دی گئی ہے اور
 دیگر حیوانات کو ایک عین حد سے زیادہ ترقی کی استعداد نہیں دی گئی؟ مقل سلیم اس مقام
 پر فتویٰ دیتی ہے کہ جس طرح انسان اور دیگر حیوانات کی دینی زندگی میں نمایاں امتیاز ہے اسی
 طرح ابد الموت بھی وہ نفس کی حالت کیساں نہیں ہو سکتی۔ یہ اہم اور دقیق مسئلہ ہے جس کے
 سمجھنے میں خود عمیق اور فکر دقیق کی ضرورت ہے +

سچ بنیاد ہم دنیا میں جب نور انسانی کی حالت ملی میں خود کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ
 بعض افراد خستہ و غور اور ظلم و قسادی اور غواہشات نفسانی میں اس حد تک متفرق ہیں کہ
 ان کی تمام عمر اسی تباہ حالت میں بسر ہو جاتی ہے اور انہیں اپنے برے فعل کا احساس تک

بھی نہیں پرتا۔ برعکس اس کے بعض افراد ایسے بھی ہیں جو فطری طور پر اعلیٰ صلاح و عبادت اور خلق خدا کی نفع رسانی اور نثار جان و مال میں اپنی عمر بسر کر دیتے ہیں اور اخلاق حسنہ و فضائل و کمالات کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں اور خلق خدا کی نیکی اور پرہیزگاری اور نصیحت پرستی کی عام طور پر شہادت دیتے ہیں۔ کیا کوئی صحیح الفطرۃ انسان ایک آن کے بے بھی تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ دونوں کا انجم ایک ہی ہو گا۔ حاشا وکلا۔ "افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا۔" لایستون۔ "ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک قطعہ نہ صفت مزاج کے لئے کافی ہے۔"

معنی گرفتار نہ فہم سخن گو سر و خشت

ایک عرصہ میں کلام اہل بصیرت کے لئے نہایت دقیق و دقیق ہے ضرورت بحث و تشریح رکھتے ہیں کہ موت اور موت کے بعد بعثت کو مبدا حقیقی یعنی ذات باری کی طرف رجوع کرنے کے لئے ایک گور حرکت کا ابتدا سمجھنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ جسم اوی کشیت کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے چنانچہ یوم بعثت کو یوم قیامت اس لئے کہا گیا ہے کہ مسکن روح اس بدن طبعی سے مستقل ہو کر اپنی ذات میں قائم ہوگی بلکہ اس کو ایک عالم آخرت کا بدن دیا جائیگا جس کا قیام روح کے ساتھ ہو گا۔ یہ حالت حیات دنیوی کی حالت سے بالکل مختلف ہوگی کیونکہ حیات دنیا میں روح بدن کے ساتھ قائم ہے اور اس دنیوی زندگی میں شریعت کے احکام و نواہی کے بحال رہنے کی تعلیمات سے صرف یہ عرض ہے کہ روح کو اس عالم دنیا اور شہوات کی قید اور تنان اور مکان کی لازم سے نجات دہی جائے اور انسان کے ظاہر و باطن میں روحانی آئندہ غالب آجائیں مگر یہ نجات بجز اس فانی زندگی کو عالم آخرت کی باقی زندگی کے ساتھ بدل دینے کے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حیات باقی کی سعادت حاصل کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ انسان کے وجود سے مقصد بالذات صرف یہی امر ہے کہ آیات قرآنیہ میں اللہ نے بعثت بعد الموت کے متعلق دلائل پیش کیے ہیں ان سے اسی بعد الموت کی حیات کی حقیقت پر جو ہمارے عواس سے غائب ہے آگاہ کرنا مقصود ہے چونکہ بعد کی حیات اس دنیا کی

حیات سے ایک ملحد نوعیت رکھتی ہے جس کی ہائیت کا بھننا ایک امر دشوار ہے اس لئے
 بعض لوگوں نے اس کا انکار کر دیا ہے اور اکثر ایسے بھی ہیں جو عالم آخرت کو درخیم حجت کو دنیا
 اور دنیا کی فتنوں پر قیاس کیا کرتے ہیں اور وہ انہیں اخروی نعمتوں کی خاطر عبادت و غیرہ
 بھلا لیتے ہیں مگر مصدق علی اس کے برخلاف ہے +

معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید میں اثبات سواد کے تعلق جس قدر آیات وارد ہوئی
 ہیں ان سے دوام کا اثبات مقصود ہے ایک تو اوجہ و شجر کا ثبوت اس حیثیت سے کہ
 مبداء کے لئے کسی غایت کی ضرورت ہے اس لئے وہ آیات جن میں لفظ ابدان کے عبارت
 نقصان سے کمال کی طرف متغلب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ان سے اس امر کا ثابت کرنا مقصود
 ہے کہ لفظ کے ان تغیرات و انقلابات کے لئے کوئی نہ کوئی غایت ہے جس کا مطلب یہ ہے
 کہ انسان فطراناً کمال اور اپنے مبداء سے قرب حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہذا ان
 کائنات ذاتی اس بات کا مقتضی ہے کہ مکملہ بالاکمال و قرب عالم مادی سے بالاکثریت
 یعنی عالم آخرت میں ہونا چاہیے اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے تمام مارج حیات یہی
 کو اپنا کرے اور مادی اور نباتی اور حیوانی کمالات انسان کو حاصل ہو سکیں اور حیات مادی
 کے آخری کمال کو پہنچ جائے تو وہ کسی دوسرے عالم یعنی آخرت کی طرف متوجہ ہو کر اپنی غایت
 کو پہنچ جائے مگر یہ دیگر حیوانات کے لئے بھی مادی زندگی کے یہ تغیرات و انقلابات پائے جاتے
 ہیں مگر وہ اپنی فطری استعداد کے لئے انسانی درجہ کمالات تک ترقی نہیں کر سکتے +

و تعالیت جن میں زمین و آسمان اور دیگر اجرام عظیمہ کے پیدا کرنے سے عالم آخرت پر استدلال
 کیا گیا ہے جن سے حاصل حاصل حقیقی کے مروج ہونے کا اثبات مقصود ہے چہ کا اکثر لوگ
 یہ گمان کرتے ہیں کہ کوئی شے مادہ جسم کے بدن موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ لاشے سے شے کا
 حصول ناممکن ہے اس لئے عالم آخرت کا وجود میں آنا بھی ناممکن ہے یہیوں کہو کہ وہ اس
 امر کو ثابت نہ کر سکتے ہیں کہ وہ خدا کے تبارک و تعالیٰ کے ہاں موجود نہیں ہے کہ ان کا خدا کا اثبات

کا وجود بطریق انشا ہوگا نہ بطریق تخلیق یعنی عالم آخرت برائے عدم سے وجود میں آیا جائیگا۔ یہ نہیں کہ
 کسی مادی اصل سے جو پہلے سے موجود ہو تیار کیا جائیگا سو ایسی آیات سے وقت پادری نے آلاء
 کیا ہے کہ اس کی شان قافیت ابدی و انشا کی مقتضی ہے نہ مادہ سے کسی چیز کو تیار کرنے کی۔
 یعنی عدم سے وجود میں انسا کی کمال مملکت پر مبنی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ مادہ موجودہ کو مختلف اشیاء
 میں منتقل کرے چنانچہ زمین و آسمان اور دیگر اشیاء کے لاکھات سب کے سب عدم سے وجود
 میں آئے ہیں نہ کہ وہ کسی دوسرے مادہ سے تیار کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جنت و نار اور عالم آخرت
 کے اجسام و غیرہ کا وجود بھی انشا کو آخرت پر مبنی ہے یعنی عدم سے وجود میں لائے جائیگے۔ اس پر
 سے یہ فقرہ میں بھی رفع ہو جاتا ہے کہ عالم آخرت کا وجود کس مادہ سے اور کس جہت اور مکان اور
 کس زمانہ اور وقت میں ظہور پذیر ہوگا جیسا کہ جو کہ حقائق کے سمجھنے سے عاری ہیں وہ عالم آخرت کو
 عالم اجسام پر قیاس کر کے کہا کرتے تھے ”ستی هذا الوجود“ نہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عالم
 آخرت کے مکان و زمان عالم دنیا کے مکان و زمان سے طوری نوعیت سے کہتے ہیں اور نہ وہ یہ
 سمجھتے ہیں کہ حقائق آخرت کا وجود اور اشیاء کی اشیاء کے وجود اور انیسویں سے طوری حقیقت
 رکھتے ہیں مادہ کا عالم آخرت کی حقیقت عالم دنیا کی حقیقت سے کہیں زیادہ قوی اور مستحکم ہے اور
 وہ محض اشیاء ابدیہ اور انشا کے وجود پذیر ہوگا جس طرح یہ ظلم دنیا ابدیہ و انشا کے طور پر وجود
 پذیر ہوا ہے ”کلعب البصائر و هذا اقرب اور ایہ“ انما امرها و اقا اور اشیاء ان یقول نہ کہ
 ”فی کون“ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ ہم پہنچا ہوتا ہے کہ انسان کا دو بارہ بعد الموت معرشت ہو نا بلکہ
 ابدی و انشا کے ہوگا۔ یہ بخاطر صحیح نہیں معلوم ہو تا لیکن خود کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کی
 ترکیب بدنی کے اجزائے اسلیب عالم دنیا میں بقائے دوام کے قابل نہیں تھے اور عالم آخرت
 میں نہیں اجزا کو ایک ہی استعداد ہی جائیگی جو بقائے دوام کے قابل ہوں تو اس صورت میں
 مذکورہ بالا وہم پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس میں دو تین باتیں ملحوظ رہتی ہیں اجزا کا مادہ ابدی

قرآن سے ظاہر ہوتا ہے اور استعداد بقائے دوام جو ایک گناہ ابدی و انشائی بھیجا جاتا ہے۔
 بالضرر من جب حیات آخرت کی نوعیت حیات دنیا کی نوعیت سے بالکل ایک مختلف نوعیت ہے
 تو عام جہاں کے بعض اعتراضات بالکل منقطع ہو جاتے ہیں۔

سلسلہ خیر و شر

یہ ہر دو نقطہ عام طور پر لوگوں کی زبان پر جاری رہتے ہیں کہ بہت کم لوگ ہیں جو ان کی
 حیثیت سے صحیح طور پر واقفیت رکھتے ہیں اور حق یہ ہے کہ بدون معرفت کامل کے دوسرے
 لوگ ان کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ عوام الناس کا دستور ہے کہ جب کسی امر کو اپنی
 خواہش اور غرض کے مطابق واقع ہوتے دیکھتے ہیں تو اسے امر خیر خیال کرتے ہیں نہ تو
 اس کے اگر کسی امر کو اپنی خواہش اور غرض کے منافی پاتے ہیں تو اسے امر شر خیال کرتے ہیں مگر
 یہ خیال سرسبز غلط ہے جس کی وضاحت سنبھل ہے۔

سلسلہ کائنات میں کوئی امر خالق حقیقی کے علم و ارادہ سے خارج ہو کر واقع نہیں ہوتا
 اور خالق حقیقی کے تمام فعل میں مصلحت اور حکمت چھپی ہوتی ہے اس لیے ہر ایک امر کو مخلوق
 ہونے کی حیثیت سے اپنے خالق سے بیک نسبت فی الجہاں ہی نسبت کو ملحوظ رکھ کر مگر ہم
 کسی امر کو اپنی خواہش اور غرض سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ صرف اس امر کا مخلوق
 ہونا اسے خیر یا شر کہلانے کا معیار نہیں بن دیتا۔ بلکہ حقیقت اس کو خیر و شر خیال کرتے ہیں۔

کیونکہ ایک ہی امر جس کو زیادہ حق میں خیر سمجھتا ہے وہی امر کبر کے حق میں شر ہو سکتا ہے
 مگر حقیقت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو امر عالم کائنات میں وجود رکھتا ہے وہ خیر محض ہے اس میں شر کو
 کچھ دخل نہیں۔ جملہ "الہ جو خیر کلہ" کے ہی معنی ہیں اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام اشیا

کائنات حقیقی طور پر خیر محض ہیں۔ ہم جب کسی شے کو شر کہتے ہیں تو صرف اس چیز سے کہ وہ ہادی
 خواہش اور غرض کے منافی ہے لیکن اس کا ہادی خواہش اور غرض کے منافی ہونا اسے
 فی الواقعہ شر نہیں بنادیتا۔ ممکن بلکہ فرضی ہے کہ وہی امر کسی دوسرے شخص کے حق میں خیر و
 مصلحت ہو اس لئے وہ اسے خیر محض کہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مخلوقیت کی حیثیت سے
 دنیا سے شر محدود ہے۔ اس کو مثل کی صورت میں دلیل سمجھو کہ باطن رحمت آسمان سے
 نازل ہو کر تمام جاندار مخلوق کے لئے باعث حیات بجا لیا ہے لیکن اگر کسی شخص کا خاص
 گرجے یا پھل کر اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو کیا یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہادی خواہش کا ہونا
 ایک امر شر ہے۔ اسی طرح سانپ جو خالق حقیقی کی ایک مخلیق ہے دوسرا چھوڑ دے تو
 کیا اس صورت میں بھی اس کا وجود شر کہلا گیا۔ خود کو نے سے معلوم ہوگا کہ کوئی چیز دنیا میں
 ایسی نہیں پائی جاتی جو بعض اشخاص کے اعراض کے موانع اور بعض دیگر اشخاص کے اغراض
 کے منافی نہ ہو۔ دودھ ایک نہیں اور طبیعت غذا ہے مگر کئی ایک طبائع ایسی بھی ہیں
 جن کے حق میں اگر وہ بی لیں تو نہر قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اس لئے ہم نہایت آسانی کے
 ساتھ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ خیر و شر کے انفاذ کا اطلاق محض اضافی طور پر کیا جاتا ہے
 حقیقی طور پر وہ خالق حقیقی کا ایک مخلوق ہے اور چونکہ وہ موجود ہے اس لئے وہ خیر محض ہے
 ہم جب اسے اپنی خواہش اور غرض کے موافق یا مخالف پاتے ہیں تو اسے خیر یا شر کہتے
 ہیں۔ اس خیال کو ہم ایک دوسری صورت میں بیان مابہر کر سکتے ہیں کہ خیر ایک امر وجودی ہے
 اور شر ایک امر عدمی۔ اس لئے سب کائنات بہ حیثیت مخلوق خیر محض ہیں اور اگر ہم کسی
 شے کو شر کہہ سکتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے کمال فطری سے خالی ہے یا کمال
 فطری سے ناقص۔ وجہ پر رکھی گئی ہے مثلاً لیسات ایک امر وجودی ہے اور اس لئے وہ خیر
 محض ہے مگر اندھا پن جس کو ہم شر خیال کرتے ہیں۔ حقیقت عدم لیسات کا نام ہے جسکو
 ہم آنکھ کے فطری کمال سے عاری ہونے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیسات شر کی چیز میں

منوریات اور منافق کے زہر سے کا نام ہے وہ کوئی مخلوق اپنی مخلوقیت کی حیثیت سے شر نہیں کہلا سکتا کیونکہ ناقص یعنی خیر محض ہے اور اس سے شر صادر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بالکل صحیح ہے کہ عالم اسباب میں جب ایک شے دوسری شے کے ساتھ تعلق حاصل کرتی ہے تو دونوں کے اتصال سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ اگرچہ بجائے خود خیر ہے مگر ہم اپنی مصلحت اور عدم مصلحت کے رُو سے اسے خیر و شر کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں اس مقام پر ممکن ہے کہ کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ ایہ "ومن یصل مشقیل خیر ایروہ ومن یصل مشقیل شر ایروہ" میں لفظ خیر و شر چونکہ الگ الگ مستقل مفہوم رکھتے ہیں اس لئے ہر دو کی حقیقت وجودی ہے نہ عدسی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی لفظ شر کا مفہوم عدسی ہے۔ مثلاً جو درخت بھل و مستفاد وغیرہ ہیں مگر جو تو ایک لہر وجودی ہے جس کو کوئی صاحب جو اپنے اختیار سے عمل میں لاتا ہے مگر بھل عدم جو کا نام ہے جس میں کسی امر کی ضرورت داعی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ لفظ خیر ہے دوسرا شر۔

ناموس کو چاہئے کہ مسک خیر و شر میں مزید غور سے کام لیں۔

الفاظ قرآنیہ میں "والخیر میں غور کرو جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امر زلتی باری سے صادر ہوتا ہے وہ خیر محض ہے بھل نہیں فرمایا یہ "والخیر والشر کیونکہ شر عدم محض کا نام ہے۔"

شعادت و شقاوت

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ انسان روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے اس لئے فطرتاً اسکی حالت انسان و مکمل کے رُو سے دو حیثیت کی مستند اور مشتمل ہے۔ مگر وہ اپنی حیثیت و صالی کی

حرف متوجہ ہو کر فضائل و کمالات کا ذخیرہ جمع کرے تو وہ اہل سعادت میں شمار ہوتا ہے اور جیسے سڑک مالکی
کی طرف متوجہ ہو کر ذائل و نقصانات میں متفرق ہو جائے تو زمرہ اہل شقاوت میں داخل ہو جاتا
ہے۔ حیثیت اولیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی صورت میں سب سے پہلے اس کے لئے ضروری
ہے کہ وہ اس امر پر غور کرے کہ انسان کی حقیقت کیا ہے اور اس کے اس عالم جسمانی میں
وجود پذیر ہونے سے کیا غرض ہے؟ جب وہ اس مرحلہ کو طے کر لے گا تو اس کو بلا محاذ یغیل
و امشگیر ہو گا کہ وہ اپنے مبدأ اول کی طرف رجوع کرے اور اس مرحلہ کو طے کرنے کے لئے
اسے اس امر کی ضرورت محسوس ہوگی کہ وہ کوئی ایسا طریق اختیار کرے جس پر عمل کر وہ منزل مقصود
تک پہنچ جائے۔ اگر توفیق انہودی اس کے مشاغل حل ہو جائے تو وہ تعلیم نبوت کی طرف
متوجہ ہو گا کیونکہ بحیرہ تعلیم نبوت کوئی شخص ان آداب سے آگاہ نہیں ہو سکتا جن کی پابندی
سے وہ معرفت قامت ہادی کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ انیس آداب کا نام شریعت حد
ہے جو بذریعہ وحی مطلق نوح انسان تک بواسطہ نبی اللہ پہنچ چکی ہے۔ الشریعۃ
کلھا آداب۔ جو شخص شریعت کا پابند نہیں آداب طریقت کے محروم رہتا ہے اور
مقام سعادت تک اسے رسالی نصیب نہیں ہو سکتی ہے

خلافت پیمبر کے راہ گزید - کہ ہرگز نہ منزل خواہد رسید

اگر حیثیت ثانیہ یعنی حیثیت جسمانی کی طرف متوجہ ہو جائے تو لذات حیوانی میں مبتلا ہو کر وہ
ایک ایسے تعرذ ولایت میں جا گرتا ہے جہاں سے اس کو صبر یا پیرانا و شلہ ہو جاتا ہے اور تمام
حیوانی خصائل جسد فرور - غضب - شہوت - تکبر وغیرہ کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ معاملات
میں وہ اگرچہ شکل انسان زندہ ہوتا ہے مگر فی الحقیقت وہ بہائم کے رجب سے بھی کہیں بڑھ
جا چکا ہے ایسے ہی لوگوں کی شان میں کتاب اللہ مطلق ہے۔ اولئک کا لافہ بل ہم
اصل مبیلا۔ وہ اس کی یہ ہے کہ بہائم اپنی فطرت میں جس رتیبہ پر پیدا کئے گئے ہیں اسی پر
قائم ہیں مگر وہ انسان جو مذکورہ بالا ذائل میں مبتلا ہو جاتا ہے اپنے فطری مقام سے بھی کہیں

نیچے جا کر رہا ہے اور یہی مقام شقاوت ہے۔ اے خدا نالغہ من ذلت۔ اس طرح شریعت میں
اہل مساوت کو اصحاب الیمین اور اہل شقاوت کو اصحاب الشمال سے تعبیر کیا گیا ہے کسی عاقل
نے انسان کی انہیں ہر دو حالت کو مد نظر رکھ کر فرمایا ہے کہ

آدمی زادہ طرفہ معجزیت - کبر خستہ سرشتہ و ذلیل
گر کند قصداں شود باہرین - و رکند سیل ناں شود بدلائل

حکمت مہبوط حضرت ابوبشر آدم علیہ السلام

حضرت ابوبشر علیہ السلام کا جنت سے نکل کر زمین پر آنا قرآن مجید میں کسی دفعہ مذکور
ہوا ہے حتیٰ کہ عوم بن اس بھی اس مشہور واقعہ کی کیفیت سے عام طور پر آگاہ ہیں مگر اس واقعہ کو
بعض ایک تاریخی قصہ کے ذیل میں پر پور نہیں لایا اور تحقیق کے لئے کافی نہیں۔ وہ اکابر علمائے
دین جن کی نظر واقعات کے حقیقی اسرار تک کام کرتی ہے حضرت ابوبشر کے واقعہ کو انسانی
فطرت کی بے شمار صفتوں کا جامع بتواتر ہے۔ اعلیٰ الحقیقت طے کرنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ انسان بڑا غلیظ المخلوق ہے واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کی کسی بڑی حکمت پر مشتمل ہونا چاہئے قرآن
مجید کے تاریخی واقعات کو محض تاریخی حیثیت سے دیکھنا کوئی بڑی خوبی نہیں بلکہ ایسے
واقعات سے جو ہم تناسخ اودان کے عمل حیاتیات ہوتے ہیں مستفاد بالذات ہیں۔ واقعہ مذکور
بالا پر ہم اسی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں اور اپنے ناظرین کو مزید تحقیق سے مستفید کرتے ہیں
یہ امر جاننے والا ایک وسیع مبحث ہے کہ جس جنت سے حضرت ابوبشر نکلے گئے تھے
وہ کہاں تھی؟ اس میں علمائے اسلام نے بہت اختلاف کیا ہے مگر میں اس وقت
اس تحقیق سے کچھ سروکار نہیں۔ ہم صرف بعض اہل حکم و مصلحہ پر غور کرتے ہیں جو آپ کے

جنتِ نعل سے نکل کر اس دارِ فانی میں آباد ہونے سے بدتر نظر تھے :-

(۱) انسانی فطرت کا خام ہے کدہ اشیا کی حقیقت کو بعد ان کے امتداد کی حقیقت پر کلام ہونے کے نہیں سمجھ سکتی۔ ہم قدر کی حقیقت کو کئی طور پر لوٹا کر نہیں کر سکتے جب تک فطرت کی کیفیت سے متاثر نہ ہوں۔ ایک چیز کا علم اس کی ضد کے علم پر مشتمل ہے اسی اصل مسلمہ کی مطابق ضروری تھا کہ حضرت ابو بلشر دار النہیم سے دار دنیا میں آباد ہوئے تاکہ انہیں اوصیان کی اطلاع ملے اور ان کی ہر غلطی کی عیب و غلطی اور آلام و آفات کی کیفیت سے متاثر ہونے کا موقع ملتا۔ اور بعد ان کے دار النہیم کی حقیقی قدر و منزلت کا انہیں علم ہوتا اور اگر وہ پہلے ہی سے دار النہیم میں موجود رہتے تو چونکہ وہ بکلی سچ و عالم اور ہر ایک شے کی تخلیق سے پاک و مبرا ہے اس لیے بنی آدم تخلیق کے بعد راحت کی قدر سے بالکل بے خبر رہتے +

(ب) جنت کو اللہ تعالیٰ نے امر و نہی کا عمل نہیں بنایا یعنی تخلیق شرعیہ ہاں مطلق ہوگی چونکہ اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کو ابتلا و امتحان کے قابل پیدا کیا ہے اس لیے بنی آدم کا اس دار النہیم میں آنا ضروری تھا تاکہ تمام محنت کے بعد ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق مہاجر حاصل ہوں اور اگر حجتِ ظہر ہی میں رہتے تو فطرتِ انسانی کی وہ قابلیت جو بحکم ایدیلو کو کیا ایک احسن عملہ تیس و طریقت کیسی گئی ہے باطل جاتی +

(ج) اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کو اس قابل پیدا کیا ہے کہ وہ علمی و عقلی مدارج میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر سکے۔ ان مدارج میں سے - نبوت - رسالت - حجت - شہادت وغیرہ بانہا اللہ علی قرار دیئے گئے ہیں مگر انسانی فطرت ان مدارج کو دارِ حقیقت میں آئے بغیر دل و دماغ و ریاضت کے حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر بنی آدم کا مسکن داریونیا قرار نہ پاتا تو ان مدارج کا کتابت اور ان کے لہزم کا فہم ہرگز ممکن نہیں تھا +

(د) اللہ تعالیٰ نے کتابِ پاک میں اپنے اسمائے حسنہ کا ذکر فرمایا ہے شفا - غفر - رحیم - غفور - کریم - علیم - حافظ - ملاح - یحی - صمد - وغیرہ اور ان اسمائے مقدسہ کے

آنکرامی عالم میں مظاہر مشہد پر ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ اس کا مقصد ہونا منظور کو چاہتا ہے اور
اور اس کا رحیم ہونا شروع کا مقتضی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اسمائے طیبہ کے آثار مختلف جہات
پر نمایاں ہوتے ہیں اور ہر ایک قصہ کائنات کا اس کے کسی کسی اہم مقصد کا مظہر ہے اس
جسے عالم و مافیہا کمال ذات باری کا شاہد ہے اور اگر آدم علیہ السلام اس عالم خراب آباد کو
آباد نہ کرتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کائنات ذات باری کا اظہار نہ ہو بلکہ وہ کمالات فی
حد ذاتہ اپنے اپنے مظاہر کے مقتضی ہیں +

(۸) عالم فیثا کی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے جو نوعیت میں اس
عالم کی زندگی سے بالکل مختلف ہے حکمت ذات باری عزوجل اس امر کی مقتضی ہے کہ
اس عالم کی زندگی کے بعد اس کا سلسلہ شروع ہو اس لئے ذات باری کے کمال
صفات کا اظہار جس طرح اس عالم کے مظاہر میں ضروری تھا اسی طرح عالم آخرت میں بھی
بدجہتم کمال صفات کا ظہور لازم ہے اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے جیسا کہ اس امر کا
سے قاری الہی کی طرف متقبل ہو +

(۹) اس دارالامکان میں اللہ تعالیٰ نے جس ایمان کی طرف اپنے بندوں کو توجہ دلائی
ہے وہ ایمان بالغیب ہے اور یہی ایمان انسان کے لئے دنیا و آخرت میں مفید ہے کیونکہ
ایمان بالمشاہدات (دیکھ کر ایمان لانا) تو ہر ایک فکر کے لئے بھی ضروری ہے چنانچہ قیامت
کو ہر ایک منکر بھی صاحب ایمان ہوگا مگر بے سود +

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام میں تشریف نہ دیتے تو ایمان بالغیب کے بعد اللہ تعالیٰ
کے فیض خروبوہ کو حاصل کرنے کی لذت کا بھی علم حاصل نہ کر سکتے اور نہ ہی انہیں اس کی کچھ
قدیم ہوتی۔ کیونکہ شروع ہی سے ایک حالت میں رہنے سے کسی اور سری حالت کا علم نہیں
ہو سکتا ہے

نفس دہل نہ اندہ مگر آن سوختہ - کہ پس از دوستی بسیار بایمان بصد

(۲) اعلیٰ حضرت ابو البشر میں مختلف مدارج کے لوگ تھے۔ بعض تو صلح اور صلح تھے جو دارالنعیم میں رہنے کے قابل تھے اور بعض شقی اور دھنکرو دارالنعیم کے مستحق نہ تھے بلکہ جہنم کے مستوجب تھے۔ مگر حضرت ابو البشر دنیا میں تشریف لاتے تو طیب اور خبیث بہ طور دارالنعیم میں رہتے۔ مگر یہ امر حکمت ذات باری کے منافی تھا اس لئے اس نے اپنے علم ازیلی سے ہر ایک کو اس حیات دنیوی کے بہتہ سے اس کے مناسب ممکن اجرت یا جہنم میں لیجانا پایا اور وہ اسی صورت میں مقدر تھا نہ کسی اور صورت میں ۵

(۳) احباب ملائکہ نے حضرت ابو البشر کے زمین میں خلیفہ بنائے جانے میں عجلت پیش کی کیسی مخلوق دنیا میں فتنہ و فساد کا مرکز ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی غیرت بقضائے اللہ العزیز الباعظہ اس امر کی متقاضی ہوئی کہ گروہ ملائکہ کو ان کی جنت میں طرز قرار دیا جائے۔ کیونکہ اسی درجہ الشان ہی میں ایسے بنی آدم بھی تھے جو رسالت۔ نبوت۔ ولایت وغیرہ مدرجہ علیہ کی قابلیت رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو البشر کو اس دنیا میں بھیج کر گروہ ملائکہ کو دکھلادیا کہ ان کا علم حکمت ذات باری پر محیط نہ تھا اور ان کا معترف ہونا ان کی غلطی پر مبنی تھا۔ چنانچہ بالآخر ملائکہ کو معلوم ہو گیا اور ان کا یہ علم امتیاز دنیا پر بالکل کامل ہو جائیگا جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے منصب خلافت کیلئے برگزیدہ کرنا چاہا تھا وہ باوجود ایسے فتنے شہبانیہ اور فضیہ پر مشتمل ہونے کے بھی اپنے مالک حقیقی کا فرمانبردار اور اس کا سچا خلیفہ ہے جو اس کو وصل ذات باری اور قرب خداوندی سے ملنے میں اور گروہ ملائکہ کا شیعہ و تلمذ میں کرنا چندان محل تعجب نہیں کیونکہ وہ قولے مذکورہ کی کثرت کش سے بالکل پاک و صاف ہیں مگر حضرت انسان کا وجود اس قدر موانع کے باوجود اس کے آستانہ جلالت پر سجدہ ہو کر اپنے تئیں محل عبودیت میں لانا واقعی شری قدر قیمت رکھتا ہے۔ مگر حضرت ابو البشر اس عالم میں نزول نہ فرماتے تو ملائکہ پر یہ غیبی شہادت معنی رہتی ۵

معتمد الاسلام کا حضرت ابو البشر پر اور ان کا اولاد سے دشمنی رکھنے کا سبب اس

قد واضح نہ ہوتا میں کا اب مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو اس کے
 قریب اور قلب سے محفوظ رہنا ثابت نہ ہوتا ۛ

(ط) معنات عالیہ میں سیر کرنے کی کیفیت مخفی رہتی یعنی صبر احسان، جہاد و شکر
 توبہ وغیرہ کرامات کا ظہور بدون نزول حضرت ابوالبشر نہیں ہو سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا
 کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا خزانہ ایسی گرامی قدر حقوق پر تقسیم نہ ہوتا مگر اس حکیم مطلق نے
 اپنی حکمت ہائے حق سے ان معنات عالیہ کی کلام پاک میں جاریا حضرت کی جس کو عاشقانِ الہی
 دل و جان سے اپنے لئے لگا کر فرماتے ہیں: "واللہ یختص برحمۃ من یشاء"

(ی) اسباب سے بڑھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ اور اشرف سے اشرف حکمت جو نزولِ اوم
 میں حکیم مطلق کے علم انہی میں ملتی وہ یہ معنی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ سے محال کر
 اولاد و ام کو ایک ایسی بیش بہا نعمت کا عطا فرمانا مقصود تھا جو بعدیتِ داریہم میں رہنے
 کے انہیں بھی حاصل نہ ہوتی اور وہ نعمت وہ عبادِ انہی تھا جس کو اس نے حضرت انسان کے
 لئے حصولِ قرب اور جواریہ نعمت کے واسطے سببِ اول قرار دیا۔ اور اس کی فطرت میں
 قابلیتِ حصولِ ولایت کے بذریعہ تعلیم، نگاہ کر دیا کہ جو شخص اس سبب کی حقیقت کو سمجھ
 کر اس کی معرفت میں کمال پیدا کرے گا وہ ابھی نعمت اور حقیقی مسرت کا ملک و وطن
 بنوایا جائیگا اور جو بعض کرے گا وہ غائب اور غاسر رہے گا۔ یہ مضبوط جہد انسان کے لئے شرط
 مستقیم اور بنا ہے جس کو وہ بدون علم و ارادہ کے ہرگز حاصل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ
 ارادہ ایک بابِ تعلیم ہے جس سے ذاتِ باری کی معرفت توجہ پیدا ہوتی ہے اور علم اس باب
 کی حاملی ہے جس کے بدون ارادت کا باب کسی کمال نہیں سکتا۔ انہی کوئی نشانِ جبر و ارادت
 علم کے معرفت ذاتِ باری کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جس قدر محرومی اور کوتاہی
 انسان کو پیش آتی ہے معرفتِ علم و ارادت ہر دو کے یا ہر دو میں سے کسی ایک کے نہ
 ہونے سے مانع ہو کر کرتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ علم ہو مگر ارادت کی توفیق اور ہر مطلب

رکھتا ہو۔ یا علم سے بے بہرہ ہو اور اس بے کاروں سے بھی اس کے دل میں نہ ہو یا اس شخص
 ہمیشہ ذلت کی لپٹی میں ڈھلا رہتا ہے اور غفلت اور خاموشی کے دام سے کبھی رہائی نہیں
 پاسکتا۔ بر خلاف اس شخص کے جو خود علم سے آراستہ ہو اور طریق طلب میں نہایت سرعت
 کے ساتھ چل رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص بہت جلد منزل مقصود تک پہنچ جائیگا کیونکہ
 جب حقوق طلب غالب آجاتا ہے تو کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہیں رہتی اور کبھی
 ایسے شخص سے ہم صحبت ہوتا ہے جو اس کے خیال کا نہ ہو بلکہ تمام غیر اللہ کو دل میں بُرا
 سمجھنے لگتا ہے اور کوئی چیز اس کو اس کے مقصد کی تکمیل سے مانع نہیں ہو سکتی۔ یہ
 حالت کمال ارادت سے پیدا ہو سکتی ہے اور کمال ارادت کا پیدا ہونا اس امر پر موقوف
 ہے کہ انسان اپنی مادی غفلت اور غفلت کا علم حاصل کیے اور یہ علم کتاب اللہ اور
 سنت رسول صلعم کے صحیح اتباع کا نام ہے نہ کچھ اور۔ کیونکہ حقیقت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے تمام
 راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ السلام کا ایک راستہ باقی
 ہے جو ہر ایک طرح سے یقینی اور اطمینان بخش اور تمام آفات سے محفوظ و امین ہے جو جس
 شخص کو اپنے مالک حقیقی سے سچا تعلق پیدا کرنا ہو اور اس کے بجائے رحمت میں رو کر
 انعامات لامتناہی سے مستفید ہونا ہو اسے چاہیے کہ وہ ان رسول عربی صلعم سے ولایت
 ہو تاکہ دین و دنیا میں ہر ایک قسم کے خطرات و آفات سے محفوظ ہو جائے کیونکہ انسان کی
 زندگی کا مقصد اصلی یہی ہے اور اگر اس سے بے بہرہ رہا تو دین و دنیا میں ناکام رہا۔ غرض
 تمام اویان و مل کے بعد ملت اسلام کا اہل عالم کے سامنے پیش کیا جاتا اس امر کی دلیل
 ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پھر اس دین مقدس کے کسی اور دین کا اتباع ہرگز منظور نہیں۔ اے تو من
 شیخ غیر کہ اسلام دنیا میں قبل منہ کے ہی بھیج معنی ہو سکتے ہیں نہ کچھ اور اس تقریر
 سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوالفضلؓ کا دنیا میں تشریف لانا پیش خیمہ تھا اور جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو کا۔ جو حضور کے واسطے سے نسبت خداوندی کی تکمیل کا جو کل اشارہ
 ایہ "ایوم اکملت لکم دینکم و انعمت علیکم" دینیت کا کہ اسلام دینا
 میں دروغ سے واضح الفاظ میں آپ کا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ سے پہلے میں قدم مذہب عالم
 میں مروج تھے سب کے سب اسلامی تعلیم شریعت کا کوئی ذکر کوئی چیز اپنے اندر رکھتے تھے
 نور میں اسلام نے دنیا میں حقیقت مذہب کا وہ صاف آئینہ تیار کیا جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی
 معاشرتی۔ تمدنی سیاسی جہانی۔ روحانی تربیت اور اصلاح کے کل اصول کا ضبط و نکل
 واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اب کسی غیر مذہب کو مذہب کی حیثیت سے مذہب اسلام کے
 سامنے پیش کرنا گو یا آفتاب کو چرخ و کھنڈا ہے۔

چندال بود کرشمہ و ناز ہی قہل - کا یہ بھوہ سر و مشورہ فراہم ما
 (ک) اللہ تبارک و تعالیٰ کے کمال لائق نہیں ہیں جن کا حصول فی عقل کے اثر
 سے بالاتر ہے مگر بالمقابل کمالات الوہیت کے عبودیت ایک مقام ہے کامل سے
 کامل بشر کا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں آثارِ بشریت باکھل ہو کر آثارِ صفات کاملہ ذات
 باری کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی مقام پر اسرار و معارف مبادی و معاد کا اختلاف کلی ہو جاتا ہے
 اور یہی وجہ ہے کہ ایک صحیح حدیث میں اس مقام کی عظمت کی طرف میں اشارہ دیا ہے کہ
 اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو جناب سرورِ عالم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا اور حکم دیا کہ ہماری طرف سے سادہ کر تک نبی بنا چاہتے
 ہو یا عبد نبی یعنی منصب نبوت کے ساتھ سلطنت دنیوی بھی چاہتے ہو یا خلعت نبوت کے
 ساتھ کامل عبودیت کو پسند رکھتے ہو۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل
 علیہ السلام کی طرف ایسے طور پر دیکھا جیسے کوئی شخص کسی سے کسی امر میں مستصواب کرتا
 ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ بارگاہِ نبوت میں تواضع مطلوب ہے تب حضور
 علیہ السلام نے فرمایا "بل ان اكون عبداً ذلیلاً" یعنی مجھے سلطنت دنیوی ہرگز مطلوب

نہیں میں تو شانِ عبودیت کے ساتھ اس بارگاہِ مقدس میں حاضر ہونا چاہتا ہوں اور یہی میری حقیقت
 حرت ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام نے شانِ عبودیت کو اپنے لئے پسند فرمایا اس لئے وہ تمام
 کمالات جو اس مقامِ عالی سے بہتر نہ لازم کے قرار دئے گئے تھے مجموعی طور پر حضور علیہ السلام
 کو فرائضِ رحمتِ باری سے عطا ہو گئے۔ "ناحمد لله علی ذلک" اور دلیل اس مطلوب
 پر یہ ہے کہ جنابِ باری عز و جل نے حضور علیہ السلام کے اظہارِ کمالات کے موقع پر آپ
 کو لفظ "عبد" سے یاد فرمایا ہے۔ (روایتِ معراج حضور علیہ السلام کے اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات
 کے عطا ہونے کی خبر دیتی ہے فرمایا "سبحن الذی اسرہنی بعبدا" الایۃ۔ اب مقام
 "عبودیت و تبلیغ میں فرمایا "و انہ لما قام عبد اللہ بیدعوی الایۃ۔ (رج) مقامِ تقدس
 میں فرمایا "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثله" الایۃ۔
 یہ ہر مقام انسانی کمالات کے اعلیٰ سے اعلیٰ صفات پر مشتمل ہیں اس لئے بچائے رسول
 یانہی کے عقویدہ کو اختیار کیا گیا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ مطلوب ہے کہ کمالات
 صرف مقامِ عبودیت کے ساتھ لازم ہیں۔ بجلال سلطنت و نبوی کو ان کمالات سے کیا نسبت
 ہو سکتی ہے؟ "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء"

اس دعویٰ کی تصدیق ہم حدیثِ شفاعت سے بخوبی کر سکتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ لوگ
 علیہم علیہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور سب کے سب اپنی جگہ دوسرے کو پیش
 کرنے کی بابت اشارہ کریں گے۔ آخر جب نوبتِ مسج علیہم السلام پر آئے گی تو وہ فرمادیں گے
 "ارہبوا لی محمد عبد غفر اللہ لہ ساتھ مقدمین و عقبہ و ماتاخرین یعنی تم لوگ
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان عبد ہے جس کو
 دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا مشرورہ سنا دیا ہے۔ سو آج کے دن ایسے جلیل القدر
 منصب (شفاعت) پر وہی تہذیب و تربیت کے قابل ہے اس حدیث کے ساتھ علوم
 ہو گیا کہ کمالِ عبودیت میں حضور علیہ السلام کو وہ پایہ نصیب ہوا تھا جو کسی دوسرے کو نہیں

مل سکا۔ اور نیز یہ کہ یہ پایہ صرف کمال و بزرگیت کا نتیجہ ہے۔ کسی اور صفت کا۔ مگر اس انعام اور انعامات عظیمہ کا صرف حضرت ابو البشر کے دنیا میں تشریف لائے پر مرتب ہو سکتا تھا کیونکہ حکمت کاملہ ذات باری اس امر کی متقاضی تھی +

۱۔ مشیت انہی میں یہ حکمت مضمر تھی کہ اپنے مطیع بندوں پر کمال نعمت کا انعام کرے تاکہ وہ اس کی زیادہ محبت حاصل کر کے اس کے اعلیٰ شکر گزار ثابت ہوں۔ اور امتثال نعمت سے زیادہ لذت انہیں اور یہ امر بدن اس کے مفید نہیں تھا کہ بالمقابل اپنے اعدائے لئے انواع و اقسام کے قاب اور سنج کا بھی مشاہدہ کر دیتا کیونکہ کسی نعمت کی لذت اس وقت کامل ہوا کرتی ہے جبکہ اس کی مخالفت حالت کا نہیں علم ہو۔ سو یہ امر حضرت ابو البشر کے زمین میں نزول کرنے کی صورت میں عجیب کیا گیا۔ جس سے نہایت اہم و ماحققہ الحین والا اس کے لایعبد لہ "کی تعمیل میں مد نظر تھی جو دار النہیم میں تاجمن تھی۔ کیونکہ اس کی فطرت اللہ تعالیٰ نے دارالابتلا سے باطل منتفع پیدا کی ہے۔ لہذا بنی آدم کا نشو و نما زمین میں مندرجہ ذیل پایا۔ کیونکہ تکالیف شرعیہ کا اصل صرف دار دنیا ہے نہ دار النہیم۔ نیز چونکہ فطرت انسانی میں یہ قابلیت بھی رکھی گئی تھی کہ بنی آدم اپنے تئیں شیطان بنی ابلیس کے گمراہ و فریب اور جلد سے محنت و کوشش کر کے محفوظ رکھ سکیں اور جب کہیں اس کا غلبہ دیکھیں تو اس کو دفع کریں اس لئے ان کا نزول دار دنیا میں لایا گیا۔ تاکہ قوی اور ضعیف پر اتمام محبت ہو جائے۔ اور اگر یہ امتحان نہ ہوتا تو تمام افراد انسانی ایک ہی حالت میں رہتے جاتے۔ اختلاف استعداد کی ضرورت نہ پڑتی +

اس موقع پر ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا تھا کہ انسانی فطرت میں ایسی قابلیت ہی نہ رکھتا تاکہ دفع ابلیس اور اس کے مقابلہ کی ضرورت ہی نہ عائد ہوتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیشک ممکن تھا اگر انسانی فطرت کی حیثیت علم انہی میں ایسی ہی مقدر ہو جی تھی اس لئے اس کے بغاوت کیونکر دفع میں آتا اور اگر اس کے

برخلاف انسانی فطرت پیدا کی جاتی تو پھر انسان انسان نہ ہوتا بلکہ ملک (فرشتہ) ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو عقل و شہوت ہر دو کے آثار کا منبع قرار دیا اور عقل و شہوت کے نہ ہونے کی صورت میں حضرت انسان بدیں ہیئت موجودہ مخلوق نہ ہوتا۔
گو یا اس اعتراض کی صورت میں ہے کہ انسان انسان کیوں ہے۔ اس لیے حکمت ذات باری پر یہ اعتراض ہرگز قائم نہیں ہو سکتا کہ اس نے انسان کو انسان کیوں بنایا ہے؟

(م) چونکہ اللہ تعالیٰ حمد مطلق کا مالک ہے اس لیے اس کمال کا اظہار ہر دو صورت انعام و انتقام میں قرار پایا تاکہ سلیم ہو جائے کہ جس طرح وہ بصورت فضل و احسان مستحق حمد ہے اسی طرح بصورت عدل و انتقام بھی وہ محمود ہے۔ ویکو اہل سعادت و اہل شقاوت کے بہت و جہنم میں بھیجنے کا ذکر کرنے کے بعد یوں ارشاد ہوا تو جیسی بیسیجہ بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دو صورت فضل و عدل میں کامل حد کا سرور ہے۔

(ن) مسئلہ اسباب کا تقرر عالم اسباب میں حکمت ذات باری کے کمال کی دلیل ہے چونکہ سعادت و شقاوت کے لیے بھی اس دار دنیا میں علیحدہ علیحدہ اسباب موجود ہیں مگر ان اسباب کا دار نعیم میں حاصل ہونا دو مقتضیات امور کے جمع ہونے کا مستلزم تھا مگر دار النعیم کی فطرت ہر ایک قسم کے مخالفت و تضاد سے بری ہے لہذا ضروری تھا کہ مسئلہ اسباب جو حکمت ذات باری عز و جل پر قطعی دلیل ہے اس دار دنیا میں قائم کیا جائے اور سعادت و شقاوت اس کا لازم قرار دیا جائے کیونکہ سعادت و شقاوت کا پائیدار پائیدی اسباب کے حاصل ہونا کسی اعلیٰ سے اعلیٰ حکمت باری کے وجود پر دلالت نہیں کرتا بلکہ محض وصف فضل و عدل و حکمت پر مبنی ہے اس لیے زیادہ مدوح ہے اور وہ صورت نزول دار دنیا کی صورت میں مقصود تھا اور اگر دار نعیم میں بھی یہ پائیدی اسباب مقصود ہوتی تو دار دنیا اور دار نعیم میں کچھ تفاوت نہ تھا۔

اس اقرن مجید فاطمی ہے کہ خلق آدم سے اس عالم میں مقصود یہ تھا کہ آدم کو منصب خلافت آسمانی پر متنازع کیا جائے چنانچہ فرمایا "لن یبطل فی الارض خلیفۃ" اور پھر فرمایا۔

هو الذی جعلکم خلافت فی الارض مگر منصب خلافت بذاتہ کوئی قایت حقیقی بتی بلکہ اس سے اولاد آدم کو جنت خلد میں لے جا کر انہیں جوہر رحمت میں مہیہ کے لئے جگہ دینا مقصود تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازل کے رُوسے انسانی فطرت کے صنعت اور اس کی جلد بازی کو جانتا تھا اس لئے اس نے حضرت ابوالشیر کو جنت خلد کی کیفیت اور وہاں کی

پاک زمیں کے لطافت سے آگاہ کر دیا تاکہ ان کی اولاد کو بھی خوبی معلوم ہو جائے کہ دنیا اور مافیہا بمقابلہ جنت نعیم کے کچھ حقیرت نہیں رکھتی اور اگر میں جنت خلد اور اقصیٰ حضرت ابوالشیر کو پتہ دے دیا جاتا تو ہم بوجہ صنعت فطرت اور محبت کے دنیاوی لذتوں کو چھوڑنا بھی گوارا نہ کرتے اور نہ کسی دلائیم کی طرف میں توجہ ہوتی مگر موجودہ حالت میں منصب خلافت کو دلائیم کی طرف متوجہ ہونے کا فریضہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص کسی پادشاہ اعلیٰ لذت کی حقیقت کا علم رکھتا ہو وہ اس کو چھوڑ کر کسی ادنیٰ اور نامدار پر محذور نہیں رہ سکتا۔ بلکہ عید شاکل

لذتوں کے حصول میں سامی رہتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ مائیکہ سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ خدایا تجھ سے جنت طلب کرتے ہیں۔ پھر انہیں فرماتا ہے کہ میرے

بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ مائیکہ عرض کرتے ہیں کہ خدایا انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ دیکھ پائیں تو کیا کریں۔ مائیکہ عرض کرتے ہیں کہ اس سے

تو بارہ غلب اور شوق ان کے دلوں میں پیدا ہو۔ اس مضمون حدیث سے واضح ہو گیا کہ وہ دنیاوی لذتیں انسان کے لئے مقصود بالذات نہیں بلکہ دنیا و مافیہا حصول جنت

نعیم کے لئے بمنزلہ اسباب کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جن کو جنت نعیم کی حقیقت کا حق یقین ہو جاتا ہے وہ دنیا کی ناپائدار لذتوں سے منہ موڑ دیتے ہیں کیونکہ دنیاوی لذتیں

سب کی سب باتوں کو جیسا حسرت و دلی ثابت ہوتی ہیں اور ایمان صحیح جب قلب و دماغ میں
اپنا گھر کر لیتا ہے پھر کوئی چیز اس کو مرکز ایمان سے نہیں ہٹا سکتی بلکہ ایسا قلب ہمیشہ علم
آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اپنے اصلی ٹھکانے کو کبھی نہیں بھولتا اور اس ارکانی
سے اس کا خلق و حیات طاری ہوتا ہے کما قیل سے

فَلَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ حَيْثُ شِئْتَ مِنَ الْجَوْنِ - مَا الْمَحَبَّ إِلَّا لِلْجَبِيبِ الْأَوَّلِ
کہ منزل فی الاصل یا ائذا الفی - وحیث ائذا الاول منزل
یعنی تم اپنے دل کو جہاں چاہو لگاؤ محبت موت اسی پہلے پیارے سے ہو سکتی ہے
آدھی دنیا میں کبھی ایک عیال میں سکونت اختیار کرتا ہے مگر اس کا شوق ہمیشہ اپنے پہلے
اصلی و وطن کی محبت میں جوش مارا کرتا ہے +

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوالبشر کے دنیا میں آباد ہونے سے مقصود یہ ہے کہ وہ نبی
مسلمہ پر سبب کے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات اور عالم آفاق میں نہایت مضبوط
عوارض قائم کر دیا ہے سفر آخرت کے لئے زاد و مال اپنے ساتھ لے تاکہ وہ اس کی رحمت
کا ملکہ کا استحقاق حاصل کرے ہمیشہ کے لئے اس کے بساط قرب میں جگہ پاوے - مگر
بجز محنت و بجاہد کے یہ مرحلہ ملے نہیں ہو سکتا - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَسَوْفَ يَحْمِلُ
الْعَالَمُ كُلُّهُ بِلَدِّ لَدَ تَكُونُوا بِلَادِ الْبَشَرِ لَا الْفَنَسِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا مقام
ایسی ساریاں پیدا کی ہیں جہاں تمہارے پوجیدار و سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی
ہیں جہاں تم بجز محنت اور تکلیف کے نہیں پہنچ سکتے تھے - غور کرو کہ جب آدمی
سفر کی یہ حالت ہے کہ ہم بدون تیاری سامان و غرائی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے تو
سفر آخرت کی کھٹن منزل بدون سامان سفر کے کیونکر قطع ہوگی! اللہ تعالیٰ روافد و ریم
ہے اور وہ اپنے بندوں کو نہایت مہربانی کے ساتھ اس سفر کو آسان کرنے کے لئے
ہدایت فرماتا ہے "وَتَزِدُّوا ذِقْنًا خَيْرَ الْإِيمَانِ وَالْتَّقْوَىٰ" یعنی زاد و راہ کو اپنے ساتھ لے لو

بہترین زاد و نو تو تقویٰ ہی ہے گو یہ آیت احکام ع کے ساتھ پڑھ کر ہے مگر صاحب ذکر کی
 اگلی کے لئے سفرِ معرفت کو آسان بنانے کے لئے بھی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ سب سے
 اچھا زاد و چہرہ تم اپنے ساتھ لے سکتے ہو وہ تقویٰ ہی ہے۔ سو کیسے ہی زبان کاہ میں وہ
 لگ چو شب و روز غفلت کے حجاب میں ڈھپے ہیں اور باوجودیکہ قرآن مجید پھر پھر کر
 آنے والی اہل اور قائم حالت سے آگاہ کر رہا ہے مگر وہ ایک ناکارہ لغت کے عوض
 و دامی سترت کو اتھتے کھو رہے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ "ان اللہ اشترى من المؤمنین
 انفسهم و اموالہم بان لھم الجنة" یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی
 جانوں اور ان کے مالوں کو بعض جنت کے خرید لیا ہے۔ ہا۔ کسی خوش قسمتی ہے کہ
 اللہ تعالیٰ تو شری بڑا رحم کرنے والا اور روشن ناپا ندار زندگی اور مل نصیب جنت خیمہ پاس
 امروز دہاں کو کشش کہ مینا باشی - حیران حال آں دل آرا باشی
 شہرت آباد کو کلاں بخشید - تاجند در انقطاع بفرستد باشی
 مستند یہ بیٹ یعنی اخراج آدم و زلیہ السلام اس کے متعلق بعض دانشمندان حسب ذیل قلم و ہوا
 ہے جو جہانِ حقوت بارمی اہسا کیا گیا ہے۔

یا اذملا تجزع من قولی ملک انزع منها ثلاث خاتمتھا فانما الختی عنھا
 ومن کل شیئی وانا الجواد الکرم لیس وانا لا اقطع فیھا نافی الطعنه ولا اطعمہ فانما الختی
 لکمید و لکن انزل الی دار البذر و اذ ابذرت فاستوی الشریح علی سوقہ
 و صار حصيد انعیشت فتعال فاستونہ و اخرج ما استت الیہ الجنة ببقا مثالیھا
 لی سبعاۃ منعت الی اسفافات کثیرۃ فان فی اعلیٰ مصلحتک ذلیک و انما الختی انکلیتہ
 یعنی اسے آدم: تم میرے اس قول سے کہ تم جنت سے نکل جاؤ کہچہ ظلم مت کرو کیونکہ جنت
 میں نے تمہاری خاطر پیڈ کیا ہے اور میں اس سے اور ہر ایک چیز سے بے نیاز ہوں بلکہ
 صاحبِ جود و کرم ہوں۔ اور میں خود اس سے شے نہیں ہٹاؤں گا کیونکہ میں دوسروں کو کھانا دیتا

ہوں اور کوئی دوسرا مجھے کھانا نہیں دے سکتا۔ اور میں بے نیاز ہوں اور سب تو وہ صفات ہیں
لیکن تم زمین کی طرف جاؤ جو کہیتی ہو نے کا مقام ہے جو جب تم بیچ زمین میں ڈالو گے اور
کہتی کے منتخل وغیرہ کل جائیں گے اور کھانے کے قابل ہو جائیں گی تو تب تم کو چاہئے کہ تم
اس اپنی حاجت کے لئے کھاتو۔ اور ایک دانہ کے عوض دس دانہ بلکہ سات سو گنا تک
یا اس سے بھی زیادہ حاصل کرو۔ کیونکہ میں تیری صلحت کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں اور
میں خدائے برتر اور صاحب حکمت ہوں +

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا مابنا کئی ایک
مصلحتوں پر مشتمل تھا اور یہ بات ان اسماء الہیہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو عبارت عظیمیہ
میں مذکور ہے مثلاً پہلی حالت سے زیادہ کمال حالت میں دوبارہ جنت میں بھانا اور تدریج
اس باب کمال فطری تک ترقی کرنا اور کمال ذات باری کا اظہار کرنا اور نیکیت بد
پر اتمام حجت کر کے ہر ایک کو اس کے مقام پر پہنچانا وغیرہ ذلک
فجہ یقین ہے کہ جس قدر مسئلہ عنوان بالا کے متعلق لکھا گیا ہے وہ ہر بات سے
شلوک و ابواب کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کوئی صاحب
بھی کئی ایک وجوہ تجویز کر سکیں +

واللہ اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب

موت انسان کیلئے موجب کمال ہے

انسان طبعا موت سے نفرت کرتا ہے اور یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جس میں قریباً
ہر ایک شخص مبتلا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خیال بالعموم انسانی طبیعت میں جاگزیں

ہے کہ موت، اوزم القذرات ہے یعنی دنیا کی لذتوں سے محروم کر دیتی ہے اگر انہیں اس
 بات کا یقین ہو کہ موت صرف روح کے بدن سے قطع تعلق کا نام ہے جس پر انسان صرف
 ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یا عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف
 ہجر کرتا ہے تو وہ اس قدر غافل اور غافل نہ پائے جاتے۔ یہ ماں کے شکم میں ایسی حالت
 میں آیا ممل علی کو پور کرتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا نہیں چاہتا۔ وہاں نہایت
 خوش زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے جب باہر آنے لگتا ہے تو چلا تا ہے کیونکہ اس کے آرام
 میں خلل آتا ہے لیکن ولادت پا کر جب عالم دنیا کے لذتوں سے محروم ہونے لگتا ہے
 تو پھر واپس ماں کے پیٹ میں جانا نہیں چاہتا۔ یہی حال انسان کا عالم دنیا سے موت
 کے وقت عمدہ ہونے پر ہوتا ہے اگر اسے یقین ہو کہ یہ موت عالم آخرت میں اس کی ہم
 ولادت ہے تو قطعاً موت کا خوف اس کے دل میں پیدا نہ ہو۔ ہم پہلے بیان کرتے ہیں
 کہ عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہونا حقیقت روح الی اللہ کرنا ہے۔ اور
 کمال پھر اس کے کہ انسان مادی زندگی سے قطع تعلق کرے قابل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے
 موت ایک عرصہ کی اور ازل لمر ہے اس کی مثال میں سمجھو۔ جیسے بیج یا نعلی جب تک
 زمین میں رہتی رہا ہے۔ اور اس کے اجزاء میں تفرق و انفصال پیدا نہ ہو تب تک اس کا
 ایک بار آور و ذلت ہونا محال ہے۔ اناج کا دانہ جب تک پیسے گوند سے چلتے ہوئے
 گھانے کے سامنے مر رہے ہیں نہیں کر لیتا۔ تب تک ہزار ہزار بدن نہیں بنتا۔ موت اگرچہ دنیا
 میں کمال مافی کے فاسد ہونے کا موجب ہے مگر حقیقت انسان کا اپنے شرف انانیات
 سے انکسار پانا ہے۔ اسی خیال پر بعض اہل تحقیق نے جو حقیقت انسان اور انعام موت
 سے آگاہ ہیں فرمایا ہے۔ الموت بہتر یوم من الحیویۃ الی الحبیب یعنی موت ایک
 دن ہے جو پیار سے کو پیار سے تک پہنچا دیتی ہے ۔

موت کا خوف صرف وہ لوگوں کے مخصوص کو ہو سکتا ہے۔ اول ایسے اشخاص جن کی حالت

سے یہ سمجھیں جیسے ہیں کہ انسان صرف مادی زندگی تک ہی انسان ہے اس کے بعد اس کے لئے اور کوئی زندگی نہیں اس لئے وہ لذات جسمانی سے غلغله ہونا ناگوار خیال کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ہمیشہ زندہ رہیں اور غلو طعنائی سے مستح ہوتے رہیں جیسے گبریاں جو گوہر میں خوش رہتا ہے اور بارغ و بوستان کی لطیف زندگی سے بے خبر ہے ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :-

وَلْيَعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّهُمْ
وَلْيَعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّهُمْ
وَلْيَعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّهُمْ

ایسے لوگ نہایت حسرت اور الم کے ساتھ دنیا سے غلغله ہوتے ہیں۔ وہ مومن و مشرکین جو دنیا پر موت کی زندگی پر ایمان تو رکھتا ہے مگر اپنے گناہوں کی وجہ سے آئے ہوئے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یہ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دل سے رجوع الی اللہ کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی عذاب نہیں +

چونکہ موت انسان کو اپنی حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف اور ایک مفید مقام سے شریف مقام کی طرف پہنچا دینے کا ذریعہ ہے اس لئے قرآن مجید میں ایمانداروں کو مختلف الفاظ میں بشارتیں دی گئی ہیں۔ اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے۔ من احب لقاء الله احب لقاءه یعنی جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے خدا تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ موت جنت کا ایک دروازہ ہے مگر موت نہ ہوتی تو جنت میں داخل ہونا کیونکر ممکن ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے موت کو انہماک انسان کے موقع پر ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا :- الَّذِي

سلف یعنی تم انہیں سب لوگوں سے جدا کر دینی زندگی سے عریض ہانکے اور بعض مشرکین :- چاہتے ہیں۔ کہ وہ ہزار سال جیتے رہیں حالانکہ اگر انہیں اپنی زندگی بھی مل جائے تو یہ امر آج سے عذاب کو کمال نہیں دے سکتا۔ ۱۲ منہ

باب قسم
معاد

ایک سبب از انسان ان لمن یجمع عظامہ علی قاعدۃ علی بن ابی طالب بنی ہاشم
معاذ اللہ جی انہما معتقد اسلام کا ایک اصل عقیدہ ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ تمام وعدہ
و عہد و ثواب و عقاب کی تعلیم ایمان بالمعاد پر موقوف ہے۔ اس مسئلہ میں مختلف مذاہب کے
لوگوں میں بہت اختلاف و رفرق ہوا ہے۔ جبکہ خود اہل اسلام کے مختلف فرقہ و یاں اس مسئلہ کی
توحیدیت کو مختلف طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

یہ بات مسلمہ علی ہے۔ کہ تمام مذاہب عالم میں حقیقت معاد کو اقرار کیا جاتا ہے۔ صرف
خاصہ عیسویین اور صہیہ فرقہ کے لوگ اس کا انکار کرتے ہیں مگر بقایہ تعلیم و وحی و حق باطل
ہے۔ جن جگہوں کی نیچہ والی نہیں گئی۔ وہ اصل ان لوگوں کے انکار کی بنا ہے۔ امر یہ کہ قوت
کہ انسان موت میں نیک جہانی فنا ہے۔ اور اس سے نجات کوئی اور مفہوم لفظ انسان کو
نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ حقیقت روح کا انکار کرتے ہیں۔ اور اگر روح کی اس حقیقت کو تسلیم کریں

اسلام ان مضمون پر اگر مہنگے شیشے کی سفات میں ہے کہ کھلایا پکا ہے گرم ہوتا اس فیصلے سے کہ یہ مکہ مرجعہ
مادی پرستی کی کھلیاں ہیں۔ بہت اہمیت اختیار کیا ہے اس کے متعلق جو تحقیقی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سے
شک کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مکہ اہل نبیوں پر بھی کوئی سنگین اثر نہیں ہے۔ یہ تو صرف ایک ایسا سنگ ہے جس پر

وہ ایک فیہادی چیز ہے۔ جو معائنہ و تحقیق الہیہ حاصل کرنے کی قابلیت رکھتی ہے جس پر وہ ایک عالمی اور سرمدی سعادت کی مالک ہو کر بارہمت آبی میں اپنا مکنا بنا لیتی ہے۔ تو پھر نہیں محاد کا تکرار کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ مگر وہ ایسا نہیں مانتے خود کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ لوگ اس مسئلے کی حقیقت کے افکار کر دینے سے تمام سلسلہ کائنات کے جڑ اور بے سود ہونے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ امر قطعی اور یقینی ہو جاتا ہے جس کی قوانین فطرت اور تعلیم وحی سے تسبیح ہوئے سب ہم فکرت ہیں کہ مسئلہ معاد ان ہر دو مسیار کے روتے کہاں تک قابل تسلیم ہے اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے مراتب ذیل کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ حقیقت معاد و ضرورت معاد۔ سلسلہ کائنات کی ہر ایک چیز کو دیکھو اور ذرات حقیقہ سے اشیاء کی فطرت میں غور کرو۔ آپ کو بخوبی معلوم ہوگا کہ ایک عام انقلاب اور تغیر تمام افراد موجودات میں اپنا عمل کر رہا ہے۔ اشیاء اپنے اپنے طبعی خواص کے مطابق کمال کو حاصل کرنا چاہتی ہیں جس کی قابلیت صلاح ازلی نے ان کی طبعاً ان میں دویت رکھی ہے۔ قانون آبی اپنے عام اور وسیع اثر سے سب کو ان کے ذاتی مقصد کے مطابق اپنا مقہور و مغلوب کرنے پر ہے ہم ایک آن کے لئے بھی اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ اشیاء اپنے نوعی کمال کے حاصل کرنے میں مذکور بالا قانون الہی کی مخالفت بہت پر عمل کرتی ہیں۔ حقیقت افراد موجودات کا اپنے اپنے کمال طبعی کی طرف رجوع کرنا خداوند علیٰ کی تخلیقات صفت کا نتیجہ ہیں کیونکہ خداوند کامل ذات باری کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے مظاہر کو ان کے طبعی کمال تک پہنچیں اس لئے قانون آبی تمام انواع موجودات پر اسی طرح عید ہے کہ ہر ایک نوع کے افراد مقررہ قواعد کے ذیل میں اپنے کمال ذریعہ کے حاصل کرنے کے لئے مستعد ہیں جس عمل کا قدرت نے کسی نوع کو مستحق پیدا کیا ہے اسی کمال کی طرف انکو رجوع ضروری ہے

چونکہ انسانی فطرت بلحاظ استعداد کمال تمام افراد موجودات سے ممتاز ہے چنانچہ اس
 امر کا کسی کو بھی الغاب نہیں ہو سکتا کہ وہ لامتناہی ترقی کی قابیلیت اپنے اندر رکھتا ہے۔
 اور یہ بات نہ صرف بطور امور متعارف مان لی گئی ہے بلکہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق
 ہر ایک شخص بذریعہ دلائل بخوبی کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کی غایت بھی تمام افراد موجود
 کی غایت سے اشرف اور اعلیٰ ہونی چاہئے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں
 کسی ایسے کمال کے نقطہ انتہائی یعنی غایت تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس انسان وہ صرف
 اس غایت کے حاصل کرنے کے لئے کوشش رہتا ہے۔ اور وہ غایت جس کے لئے
 وہ کوشش کرتا ہے مدت العمر دنیا میں اس سے مخفی رہتی ہے اور قانون فطرت اسی امر کا
 مقتضی ہے کہ وہ مخفی رکھی جائے کیونکہ کسی امر کی غایت کا وجود اس غایت کے
 ابتدائی ضروری عمل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نتیجہ عمل نتیجہ سے مقدم ہو
 ہاں اس غایت کا علم اجمالی ہیں فطری طور پر ہوتا ہے جس کی تصدیق میں وحی آسمانی نازل
 ہو کر ہم پر رحمت قائم کرتی ہے۔ مگر ہم اس غایت کے قطعی اور یقینی ہونے کا یقین رکھتے
 ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ایک غایت واحد ظنی کو جس کا علم اور ارادہ اور جس کی حرکت
 اور قدرت ہمارے وجود کا باعث ہوئے ہیں اور جس نے ربنا ما خلقت هذا باطلا
 کے قانون قطعی سے افراد موجودات کے متعلقہ خواص کی طرف ہیں راہ لائی کی ہے کمال استقامت
 تسلیم کرتے ہیں۔ ایسا کرتا تو اس کے عاجز مخلوق یعنی انسان کا کام بھی نہیں۔ سبب وہ خود
 کیوں ایسے عجیب اور عجیب کام کو کرنے لگا تھا۔ افسوس کہ انما خلقتنا لہ عبادا و لکن
 اللہ لا یرجع الیہ۔ سبحان اللہ کیا نامراد عقل میں۔ اور کیسی ناپاک فطرت میں جو
 لہ۔ اشارہ ہے۔ یا ایہا الانسان انک کادرجہ لربک کد حادقا فقیہ کی طرف اشارہ ہے
 اللہ عز و جل نے یہ سلسلہ کائنات بے نیچہ پیدا نہیں کیا۔ ۱۲۷

سچہ کیا تو میں نے یہ سچہ کہا ہے کہ جنت میں بے نیچہ پیدا کیا ہے۔ اور آخر تم لوگوں کو باہمی طرف نہیں آگے اشارہ ہے

حکیم علیہ السلام کے کائنات فطرت کو جبریت قرار دیتے ہیں کیا کوئی دانشور اس کو توہم کر لیا کرتا ہے
 جیسے کہ حقیقت غلو کی کیا فائیت صحت ہے کہ وہ مختلف اندازہ انسانی اور مخلوق حیوانی سے متعلق
 ہو کر باقی مہر کی طرح زیر زمین چھپا جائے اور بعد ازاں اس کے ہر ایک قسم کے افعال حسنیہ
 اعمال قبیحہ کا اسے کوئی نتیجہ نہ ملے جبکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہر ایک نیک و بد کاریاں
 میں کامل نتیجہ نظر نہیں آتا۔ گو بعض اوقات سلسلہ حکومت مکی میں انتظامی معاملات کی اصلاح
 کے لئے بظاہر میں بعض اعلیٰ کے نتائج ظاہر ہوتے نظر آتے ہیں مگر یہ نتائج وہ نہیں ہیں اور
 عیناً وہ نہیں جو فطرت انسانی کے رُو سے بطور قیامت ہم پر عائد ہونگے یہ ایک سجادی
 غلط فہمی ہے کہ ہمارے اس زندگی کے مختلف افعال کے نتائج جو سلسلہ نظام عالم میں وہی
 سمجھے جاتے ہیں ہماری آخری فائیت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان افعال
 کی خوشی کا نتیجہ انسانی فطرت کی اصلاح اور انسانی سوسائٹی کی بہبودی پر مبنی ہے جبکہ
 انسانی فطرت کی حقیقی فائیت نہیں کہ سکتے بلکہ یہ سب حقیقی فائیت کے لئے وسیلہ و سبب
 کی طرح اسباب ہیں +

قرآن مجید کی تعلیم میں وہ مختلف قسم کی سیتوں کا پتہ دیتی ہے جن کو نشائیں کے
 سلسلے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نشا اولیٰ کا اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ وَفَضَّلَ عَلَمَتَهُ
 انشاء الاولیٰ فلولا ان کسروا ان وانشائنا نیا کا اشارہ آیت ذیل میں موجود ہے
 انشاء منشی انشاء الاخرۃ ان اللہ علی کل شیء قَدَّارٌ۔ نشا اولیٰ سے ہمارا
 اس فضلہ عالم میں جلوہ گر ہونا مراد ہے اور انشاء الاخریٰ سے مرنے کے بعد دوسری
 حیات میں انشاء۔ چونکہ یہ خدا کے خالق السموات والارض کا فرمان ہے جس میں شک و شبہ کو

مسلک قرآنی پہلی بار عدم سے وجود میں آنے کو تو جانتے ہو پھر کہیں تم اس کو یاد نہیں کرتے۔ ۱۱ منہ
 خدا پر خدا دوسری پیدائش میں پیدا کر دیا اور وہ سب امتیاز پر قادر ہے +

کی قسم کی گنجائش نہیں۔ اسلئے اصول فطرت کے سیار پر یقیناً دست آنا چاہئے سو
 فطرت انسانی میں کتنا ہوں کہ انہایت زور کے ساتھ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کیونکہ
 ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے فطرت ہمیشہ ہر ایک امر میں انجام دہی کی طرف میلان رکھتی ہے اور
 ہمارے کوئی حرکت و سکون ایسی نہیں کہ جس میں ہم اپنے نتیجہ کو اپنی عقل سے معین نہ کریں
 اور اگر معین نہ کر سکیں تو کم از کم بطور اجال کسی نتیجہ غیر معلوم کو یقیناً اسے دل میں ضرور دھڑ
 ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کی یہ ایک اندہنی شہادت ہے جس پر تمام نظام عالم کا سلسلہ چل
 رہا ہے۔ یہ یقین صرف ہمارے دلوں کی حکایت و سکناات کا ہی محدود نہیں بلکہ ہم نظام
 کائنات کے تمام فطرتی قوی کے عمل میں ایسا ہی یقین رکھتے ہیں۔ یہی یقین انسانی
 اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی اور جہانی ترقیات کا مدد ہے۔ ان فرض انسان کا سادہ کے
 انجام میں غور کرنا اس کا فطری فائدہ ہے۔ اسی عمل پر ہم اپنی موجودگی کی غایت کا
 اجالی یقین رکھتے ہیں جس کی نوعیت ہدیہ وحی معلوم ہے اگر اس فائدہ کی ضرورت کو ہم
 تسلیم نہ کریں تو انسانی فطرت میں اس کا وجود باطل تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ وہی فطرت ہے کہ
 کہ انسان جیسے اشرف المخلوقات خود کو بے غایت تسلیم کیا جاتا ہے۔ صورت جس کو بقا
 عام ایک فیرت ہونے سے تیار کیا کرتے ہیں بلکہ اس کی ترکیب کے نازل ہو جانے کا
 نام ہے۔ حدیثیت معنی کوئی چیز جی نہیں ہو سکتی۔ روح انسانی کا اس عمل جہانی سے
 عائد ہو جانا اس کی حقیقت میں ہرگز عمل غائب نہیں کیونکہ عبادت موجب کمال انسانی
 ہے کیونکہ عبادت و حقائق و اشکات کلی اور تعلقات کی صورت میں نہ ممکن ہے۔
 چنانچہ کہ وہ اس پہل مندرجہ سے ملحدہ ہوتی ہے۔ وہ ایک نیا وجود اختیار کرتی ہے۔
 جس کی نوعیت اس کے اس وجود سے باطل ملحدہ ہوتی ہے۔ اور چونکہ نزاہت اور
 طاقت کے لئے اسے حقائق مجرورہ و عالم ملاکہ دست شمع پیدا ہو رہا ہے۔ جو
 مراقبہ علم میں تمام کائنات سے برتر ہے اسلئے حقیقی مسرت کو حاصل کر کے اپنے مقتضات

فطرت یعنی کمال کی غایت کو پہنچ جاتی ہے۔ موت ہمارے لئے لگو بظاہر موجب فساد ہے مگر
 حقیقت یہی فساد بدن اور تجرور روح ابدی نجات تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتے ہیں جس کی
 سیکڑوں مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جن کو ہم سرسری نگاہ سے ٹال جاتے ہیں۔ مثلاً زمین
 میں بیج چھینکا جاتا ہے جب تک تولد طبعیہ اس میں لگ کر کے اس کے اجزاء میں ایک
 قسم کا تفرق نہ پیدا کریں اس میں نشوونما پیدا نہیں ہوتا۔ اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اودان
 کے اندر سے ایک پودا چھوٹتا چھٹتا ہے جس کا نتیجہ یا عامل پھر وہی ہوتا ہے جو پہلے تھا
 گو یہ مثال بالورے طور پر مطبق نہیں ہو سکتی اور نہ میراث الطبیعت کلی کا ہے۔ مگر اس سے کسی
 چیز کے بظاہر فساد ہو جانے میں ایک حکیم شان مصلحت کا مستعمل ہونا تو ضرور ثابت ہو سکتا ہے
 پس موت جس کو بظاہر عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے حقیقت ہمارے کمال کا موجب ہے مگر
 ہم انسان کی اس غایت حقیقی اور اس کے تدریجی انقلابات سے وہاں تک پہنچنے کا یقین
 نہ رکھیں تو انسان نہ صرف ایک بے سود اور بے معنی مخلوق کا نام ہوگا بلکہ اس سے
 برتر کر تمام موجودات میں بدتر اور کمزور کوئی اور مخلوق نہیں ہوگا۔ اور نہ صرف اسی قدر
 بلکہ خود کرنے سے معلوم ہوگا کہ تمام سلسلہ کائنات ہی جسے اور بے نیچہ تسلیم کرنا چاہیگا
 مگر نہ تو فطرت سلیم اس کی تائید کرتی ہے اور نہ کتب آسمانی سے اس کی تصدیق ہوتی ہو۔
 انہیں معاد کی حقیقت نفس نامہ انسانی کی فطرت کے بچنے پر موقوف ہے اور کوئی
 شخص جب تک نفس انسانی کی سعادت و شقاوت کو جو بطور غایت بعد قطع تعلق بدن
 پیش آئے والی ہیں نہ سمجھے معاد کی ضرورت کا فائل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سادہ کے
 نبوت میں سب سے پہلے مراتب ذیل کا تقصیر سے فیصلہ کر لینا چاہئے۔

(۱) روح انسانی ایک حقیقت مجرد کا نام ہے اور نہ قطع تعلق بدن کے بعد باقی رہتی ہے۔

(۲) اعمال نیک و بد کی غایت مرضی ہے۔

(۳) اس غایت کا وجود قبل از قطع تعلق بدن ممکن نہیں۔

پس جس صورت میں کہ توام بدن بقا بقدرت قدرت باری ممکن ہے۔ اور کتاب سلطانی ارجی لمن
 اس کی تصدیق کرتی ہے تو ہم کسی طرح معاد جسمانی کو محال عقلی تسلیم نہیں کر سکتے۔
 اسے تو اخص اس امر پر ممکن ہے کہ کوئی شخص اس امر میں کہے کہ توام بدین اجزاء مختلف
 سے بواسطہ اسباب ممکن ہے مثلاً انسان کی پیدائش کے لئے نقطہ کاردہم میں قرۃ پاتا
 اور بعد ازیں خلقت سورقوں میں بذریعہ علّی قول کے بیسیجہ منتقل ہونا اور بعد اس سے
 نشو و نما پانا ضروری ہے۔ اس لئے وقت ایسے وجود کا متحقق ہو جانے قرین عقل نہیں اور معاد
 جسمانی کے قائل وقت انسان کے پیدا ہونے کے قائل ہیں۔

جواب۔ تو اللہ تو لودہ و علیہ و علیہ امید ہیں۔ مذکور بالا تقریر سلسلہ توالد کی صورت
 میں درست ہے مگر توالد کی صورت میں درست نہیں کیا ہم وقت اکثر حیوانات کا بلا سلسلہ
 توالد پیدا ہونا مشاہدہ نہیں کرتے۔ حالانکہ علم حیوانات کے علمائے اس بات کو درست
 و اخص سے پایہ ثبوت تک پہنچاویا ہے کہ انسان کی ابتدائی پیدائش یکہ بھی سلسلہ توالد
 و توالد باری نہیں ہوتا تھا تو لدی نمی میں کو جسمانی کہ جس بھی تسلیم کرتی ہیں اسی امر
 کی طرف خداوند تعالیٰ جل و علی ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں۔ انشاء اللہ و اذ آراء
 شیئ ان یقول لہ کن فیکون اور چونکہ مسیبات کے اسباب مجھ نہیں لکھی کسی معلول
 کی علت یا اس کے طریق عمل کو ہم ہرگز محدود نہیں کر سکتے اس لئے بقا بقدرت حکیم
 علی الصلح اس باعث کا امکان بالکل واضح ہے کہ انسان کے وقت جسے جسے سے پہلے
 خواہ فخر ہو اس کے مادہ بدن میں ایسے مادہ پر علی کر جسے جسے کہ وقت میں پر فخران ایزدی
 بالکل تعلق روح کی قابلیت اس میں پیدا ہو جائے اس لئے اس امر کے تسلیم کر لینے میں اگر
 کچھ تاثر ہو سکتا ہے تو صرف اسی قدر کہ ایسا ہونا عید از فضل ہے نہ محال اور متعجب نہیں جب

انھان ثابت ہے۔ اور کتب سماویہ مدق ہیں۔ تو اس کے مان لینے میں شک و شبہ کو کسی قسم کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

دوسرا مذہب معاویہ کے جہانی ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ محض جہانی ہونے کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے اس مذہب کا مرجع بھی قیسرے مذہب کی طرت ہو سکتا ہے۔ یعنی کہ معاویہ جہانی اور روحانی ہر دو ہے۔ یہی مذہب صحیح ہے جسکو تمام اہل سنت والجماعت اور بعض دیگر فرقہ ہائے اسلامی ملتے ہیں۔ کیونکہ عموماً ہر آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے اسی مذہب کی تصدیق ہوتی ہے اور یہی اعتقاد اکثر شیعہ و خلف متکلمین کا ہے۔

دوسری آسمانی ثابت کرتی ہے اور اہل فلسفہ نے اس بات کو تسلیم رکھا ہے کہ پہلے پہل عالم کائنات کا مادہ ذرات کی صورت میں پیدا ہوا تھا۔ خداوند جل شانہ کے ارادہ سے حسب ضرورت ان میں ترکیب پیدا ہوتی تھی۔ جس ترکیب کے ذائق ہو جانے اور پھر ذرات کی صورت میں نمود کرنے کو خداوند عالم کہتے ہیں جس کا اشارہ شریعت الفاظ میں آیات کے اندر پایا جاتا ہے۔ بحکما کثرت ہمارے مشا۔ و شہرت الجبال کثرت سرابا ادا کثرت الارض حکا و کا۔ وغیرہ میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ وقت مقررہ پر پھر دوسری طبعی صورت جو قبل ترکیب بھی موجود ہو جائیگی اور خداوند کریم کی حکمت کاملہ سے نئی زمین اور دنیا آسماں پیدا ہو جائیگی۔ قال اللہ تعالیٰ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات نص ہے مذکورہ بالا دعویٰ کی ثبوت پر۔

جیسے موجودہ زمانہ میں یورپ کے علم ہیت اور طبیات کے علمائے بھی اس کا رخنہ فطرت کے خلاف ہو جانے کو اپنے اصول کے مطابق ثابت کیا ہے۔ ہم اس امر کو باسانی یوں

سے پہاڑ ذرات پر قائم ہو چکے۔ مادہ سٹ پیدا ہونے لگا چکے اور دوسری زمین گروہ کرنا نظر آچکے۔ جو جبکہ زمین غریب کو پانی جاتی تھیں قیامت کو یہ زمین و اسکن دوسری نئی زمین و اسکن سے بدل دیتے جائیگی۔

بھی بھر سکتے ہیں کہ اشیا مادیہ میں یہ قدرتی بات ہے کہ ان کی ترکیب بتدریج زمانہ کے
 طبعی قوتوں کے اثر سے داخل ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم روز بروز اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ
 یہ اثر ایسا عام ہے کہ کوئی مادی جسم انحال ترکیب خواہیسا ہی مضبوط ہو مضمونہ نہیں ہو سکتا۔ پس
 جس صورت میں کہ مختلف اشیاء کے افراد کی یہ حالت ہے تو کل سلسلہ کائنات کے مواد
 سے کوئی امر ملنے ہے۔ کیونکہ جو خاصہ فرداً فرداً اشیا مادیہ کی فطرت میں موجود ہے وہی
 مجموعہ اشیا میں پایا جاتا ہے اور چونکہ گذشتہ اوراق میں ثابت ہو چکا ہے کہ انسان
 میں کہ عالم صغیر کہتے ہیں سلسلہ کائنات یعنی عالم کبیر سے مشابہ ہے اور دونوں ہر ایک
 بات میں کئی مماثلت رکھتے ہیں۔ اس لئے جب ہم انسان کی ترکیب جسمانی کو زائل ہوتے دیکھتے
 ہیں تو اسی پر عالم کبیر یعنی سلسلہ کائنات کے جزا کا وہ ہم برہم ہونا بھی قیاس کر سکتے ہیں۔
 ہاں مدت قیام ہر دو کی طبعیہ علیحدہ ہے بلکہ نہایت فوار کرنے سے معلوم ہو گا کہ
 خداوند کریم نے نہاد کائنات کی حقیقت کے کہنے کے لئے ہماری آنکھوں کے سامنے یہ
 سب نظائر پیدا کر دیئے ہیں جن سے ہمیں کئی عقین حاصل ہو جاتا ہے کہ جن کا الہدیت
 خداوندی پہلی وفد سلسلہ کائنات کو صرف اپنے امداد سے کھڑا کر دکھایا وہی خدا پھر اس کو
 اپنی قدرت کاملہ سے دوسری صورت میں موجود کر دکھایا۔ قال اللہ تعالیٰ فی القرآن
 العجید وهو الذی یبدئ الخلق ثم یعیدہ وہو لکون حلیہ ۴

تفسیر واضح ہو کہ معاد روحانی اور جسمانی دو عالمی یعنی مذکورہ بالا ہر سہ مذہب کی
 ہر اختلاف صرف یہ ہے کہ معاد روحانی کے تاملین لفظ انسان سے صرف نفس مطلقہ
 انسانی یا روح مجرد مراد لیتے ہیں۔ جو نیک و بد اعمال کا کتاب کرتی ہے اس لئے

۱۔ یہی وہ ہے کہ انسان کے مرتبہ کو قیامت مغربی اور عالم کے خدا ہو نیکو قیامت بکری کہتے ہیں۔
 ۲۔ یہی وہ ہے کہ مطلق کریم کہتا ہے پھر اس کے ذریعہ امداد و بات اس پر اس میں ہے صورت ۴

کتاب و کتاب بھی اسی سے منسوب ہے اور حاق جہانی کے قائلین کے نزدیک انسان صرف
اس شکل جہانی سے وارد ہے اور کس ان کے نزدیک صرف صورت ذمیت سے وارد ہے جو
میرنے پر داخل ہو جاتی ہے بشرطہ ہر ہر جسم و جسمی صورت جو جب حیات ہے جسم سے تعلق
پیدا کر لے۔ ان لوگوں کے نزدیک روح کوئی مجرور اور بیدار و قانی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں
ہو لوگ سماج جہانی اور روحانی ہر دو کے قائل ہیں ان کے نزدیک انسان مجبور و روح اور
سبیل جہانی کا نام ہے۔ قرآن و سنت سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہی
اس خاکسار کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ اسی مذہب کی تائید نہایت
عمدہ طریق پر کرتے ہیں جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

بکثرت متحققین جہانی و روحانی کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہر
نفس اور شریعت ہر دو کو آشکار کرنا چاہا ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ
میں میں حضرت ذات باری سے اور اجسام ہر شے مادہ و مناسب سے سعادت حاصل کرتے ہیں
مگر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح جہانی اور جہانی ہر دو سعادت کا کامل طور پر حاصل نہایت
کو اس زندگی میں ممکن نہیں کیونکہ اس موجود زندگی کا نام تو یہ ہے کہ انسان کو معرفت الٰہی
میں زیادہ مستغرق حاصل ہو اور جہانی سعادت اور لذت سے محروم رہ جائے اور اگر
جہانی لذت کی طرف متوجہ ہو جائے تو وہ روحانی لذت سے باطل و بخر رہتا ہے جس شکل
کی وجہ یہ ہے کہ روح جہانی نفس بدن کی حالت میں نہایت کمزور ہوتی ہے۔ اور
جب مرنے کے بعد عالم ارواح سے تعلق پیدا ہو جائے تو وہ قوی ہو جاتی ہے پھر
جب اس کو بدن سے تعلق حاصل ہوگا تو وہ ہر دو قسم کی سعادت یعنی جہانی و روحانی
لذات کو کامل طور پر حاصل کرنے کے قابل ہو جائیگا۔ اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ سے
اعلیٰ سعادت انسان کے لئے اسی صورت میں مقصور ہو سکتی ہے جبکہ وہ ہر دو اقسام
لذت کو حاصل کرے پس اعلیٰ کامل : تو معرفت روحانی لذت میں پایا جاتا ہے نہ صرف

ہمالی لذات میں بلکہ مرد و عورت کے اکٹھا ہونے میں موجود ہے۔ اسی قسم کی تقریر شائع مقاصد
نے بھی کی ہے ۔

یہاں ایک اعتراض کا جواب ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان کا
حشر مہمانی ضروری ہے تو کیا دیگر حیوانات کو بھی حشر ضروری ہے ۔ سو اس کا جواب یہ ہے
کہ تمام عالم کا نباتات کے وجود میں لانے سے مقصود بالذات صرف حضرت انسان کا
وجود و مقاصد حکیم آید۔ لہذا انسان بابا اناست کا تحمل ہوگا۔ دیگر تمام موجودات انسان
کے منہ والی مقصود ملک پہنچنے میں بمنزکہ اسباب کے ہیں ان کا وجود مقصود بالذات نہیں
بلکہ مقصود بالعرض ہے۔ اور بقاعدہ ہے کہ جب مقصود بالذات حاصل ہو جائے دینی
بابا اناست انسان اپنے کمال حقیقی کو پہنچ جائے تو اسباب کی ضرورت باقی نہیں رہتی
اس لئے ان کا حشر ضروری نہیں ۔ بعض آثار میں ان کا حشر اس طرح پر ثابت ہوتا ہے
کہ وہ حشر کے بعد پھر غیبت و نابود ہو جائیں گے ۔ کیونکہ جو ضرورت عالم دنیا میں ان کے
وجود کے متعلق واجب تہمتی عالم آخرت میں باقی نہیں رہیگی ۔ اس لئے ان کے بقائے
دوام کی بھی کچھ ضرورت نہیں ہوگی ۔

حقیقت

دوسرے اور ماوراء پرست لوگوں کا خیال ہے کہ انسان صرف اس جسم حضری کا نام ہے
جو ایک خاص ترکیب اعضا اور نظام عین کے ساتھ قائم ہے ۔ اور ایسی طور پر اس کے
قوتی ۔ اور اعضا و اشخاص خاص افعال کو سر انجام دیتے رہتے ہیں ۔ جس سے اس کا سلسلہ
زندگی قائم رہتا ہے ۔ اور اس سے نپا وہ انسان کی کوئی حقیقت نہیں ۔ یہ وہ خیال

ہے جس سے نہ صرف انسان کا اشرف کائنات ہونا باطل جاتا ہے بلکہ حکمت خداوندی کا بطلان لازم آتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر یہ لوگ خالص حقیقی اور صالح انہی کے وجود کو مع اس کی صفات کا طے کر لیتے۔ تو حقیقتِ روح کے تسلیم کرنے میں ان کو کسی قسم کا مضبوط ہوتا۔ صالح انہی اور اس کے صفات کا طے کے ثبات کے متعلق ہم قبل انہی بحث کر آئے ہیں اس وقت ہمیں یہ بتانا مطلوب ہے کہ انسان صرف اس نیک عنصری کا نام نہیں بلکہ وہ اس صمیم عنصری اور ایک لطیفہ بانیہ یعنی روح ہر دو کے مجموعہ کا نام ہے۔ روح کی حقیقت کے متعلق مختلف لوگوں نے مختلف اقوال پیش کئے ہیں جن کا نقل کرنا پڑے والے کے لئے تشویشِ ذہن کا موجب ہے۔

شروع میں اسلام سے حقیقتِ روح کے متعلق کوئی نفسِ طارہ نہیں ہوئی اسلئے محققین نے اس میں غور و خوض کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ صرف اسی اعتبار پر قائم ہیں کہ قرآن و حدیث سے وجودِ روح کا پالینا کافی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر فرماتا ہے۔ اور اس کے مان لینے میں کوئی امر منافی عقل لازم نہیں آتا۔ اور اس کے غیر محسوس ہونے سے اس کا عدم لازم آتا ہے۔ کیونکہ کئی ایک امور ایسے ہیں کہ وہ تہذیبِ عام میں محسوس نہیں ہوتے۔ مگر ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا مثلاً ایچھر کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ مگر اس کی حیرتِ موجودہ زمانہ کے محققین نے زمین کی ہے یا وہ باہر ماضی جو خور وین کے فریو سے دیکھے جاتے ہیں بر خلاف اسکے بعض محققین نے حقیقتِ روح کے متعلق غور و خوض کیا ہے۔ چنانچہ امام الحرمین عبد الملک جو تہذیبِ اکابر طوائفِ اسلام میں شمار ہوتے ہیں حقیقتِ روح کے متعلق کہتے ہیں :- انھا اجسام لطیف شفاف حیوانات مشبہ بالاجسام و لکثیۃ اشبالہ اللامبالہ بالحوادث الاخصر یعنی نفسِ الثانی (روح) ایک جسم ہے جو لطیف و شفاف اور لذاتِ زندہ ہے اور مادی جسموں کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے جس طرح سر سبز شل غنم

یانی ٹاہنوں پر۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے اس قول کی تائید ہوتی ہے
 اور اسی مذہب کو اکثر محققین نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ لفظ کہ روح کا جسم کے ساتھ کس قسم کا تعلق
 ہے ایک دقیق مسئلہ ہے مگر یہ صحیح ہے کہ قلب یا نفس کے ساتھ اس کا تعلق قریبی ہے اور
 اسی تعلق کی وجہ سے انسان کا سلسلہ حیات قائم ہے۔ دو زبان خون اور تجارت اس کے
 حیات و تصرفات میں کرتے ہیں۔ یہ چیزیں بھلے خود غفلت و غور کے سبب بمنزلہ اقلات کے ہیں
 اور انکے ہیشیا اور معرفت حقائق ان کو کام نہیں۔ کیونکہ یہ سب امور مادی ہیں اور مادہ و علم و
 معرفت سے مادی ہے۔

روح کے جسم سے ایک علیحدہ حقیقت ہونے پر ایک یہ دلیل ہے کہ جسم یا اس
 کے کسی حصہ کو اس کی طوٹ مضاف کر کے بولا کرتے ہیں۔ چنانچہ پوچھتے ہیں میرا جسم دو کتنا
 ہے میری آنکھ کتنی ہے میرے پاؤں چھٹ گئے وغیرہ۔ خود کرو کہ ان چیزوں میں ہم آنکھ
 پاؤں کس چیز کی معرفت اشارہ کرتے ہیں اور وہ کیا چیز ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مضاف اور
 مضاف الیہ دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہوا کرتی ہیں۔ نہ اضافت کے کوئی مسئلہ نہ ہونگے۔

غیر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مادہ امور کھید کا ادراک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امور کھید کا کوئی
 وجود خارج میں نہیں۔ مضافات میں امر کا ادراک کرنا کہ یہ ناطق ہے قوت سامع کا کام ہے مگر
 اس امر کا ادراک کہ تمام انسان ناطق ہیں۔ قوت سامع کا کام نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 اس کا ادراک کسی دوسری چیز کا نام ہے اور وہ چیز وہی ہے جس کو نفس یا سن بولتے ہیں
 نفس یا روح کے ثبوت میں ہماری ایک باطنی شہادت بھی موجود ہے جس سے ہم
 اس کے وجود کا قائل یا یقین رکھتے ہیں۔ اور وہ شہادت یہ ہے کہ انسان ہر ایک چیز کے قائل
 ہو سکتا ہے مگر وہ مانی ہستی سے کہیں زیادہ قائل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر اس کے جسم
 کا کوئی حصہ نکالتا یا جاتے تو پھر بھی اس کو وہی ہستی کا ایسا ہی یقین ہوتا ہے جیسا کہ
 پہلے سے پہلے تھا۔ یہ اندرونی شہادت اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ روح کوئی مادی چیز

نہیں۔ اور وہ آپ اپنی ہستی کی دلیل ہے۔

جو لوگ کثرت و الہام کی حقیقت سے آگاہ ہیں وہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ لوگ جو
 نفوس قدسیہ کے ملک میں بسا اوقات امور غیبیہ پر مطلع ہو کر کہتے ہیں ماوراس کا انکار کرنا
 سراسر حماقت ہے کیونکہ یہ ایک امر واقع ہے ماوریا باطل و واضح ہے کہ نفوس مادہ جو علم و
 اوراک سے بے بہرہ ہے زائد ماضی یا مستقبل کے متعلق کسی قسم کی اطلاع نہیں پاسکتا۔
 غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ انسانی جسم کی ترکیب میں جو قوی اور اعضاء کام کرتے
 ہیں وہ بنا ہوا کسی فعل کا سبب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ بمنزلہ آلات کے ہیں۔ اور ان کے استقلال
 میں لسنے والی کوئی اور حقیقت ہے جو جنھوں اور سے عینہ ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ
 ہمارے طریق عمل میں سلسلہ اسباب کی پابندی ایک خاص نظام کے تحت عمل میں آتی ہے
 ہم ہر ایک فعل کے متعلق پہلے ارادہ کرتے ہیں۔ پھر اسباب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور
 اسباب کے عمل میں لانے اور عمل کے خط یا صیغہ بقوہ کی پہلے سے توقع رکھتے ہیں۔ چنانچہ
 یہ طریق عمل میں امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہمارے قوی و اعضاء کو مناسب طریق پر عمل
 میں لسنے کے لئے ان سے عینہ کوئی اور حقیقت موجود ہے جو متصرف ہوتی ہے اور یہ
 تصرف جو ایک خاص سلسلہ نظام عمل میں دیکھا جاتا ہے۔ نفوس مادہ کا کام نہیں۔ مگر کوئی
 شخص انسان کا ایک کل مضری و صحت یامنی یا لکڑی سے تیار کرے اور اس کے
 اندرون و بیرون میں تمام اعضاء کو قائم کرے جو علم و شریع و ایمان سے آج تک پائے تحقیق
 تک پہنچ چکے ہیں اور ہم کے مختلف حصوں میں تمام گیں اور پٹے اور عیدیں جو دو ملان خون
 اور حرکت کا کام دیتی ہیں اپنی اپنی جگہ پر مکمل کر دے اور کسی ایک کے ذریعہ ہم کے اندرون و بیرون
 اور نفس بھی پیدا کرے۔ غرض جسم انسانی کی کوئی بناءت جو کسی عضو کے لئے مخصوص ہے
 مکمل نہ ہو جائے۔ اور وہ انسان کی ہی طرح ہونے لگے اور نعل و حرکت بھی انسان ہی کی طرح
 کرنے لگے تو کیا کوئی فعل منہ آدمی یا عین کر لیا کہ وہ ایک حقیقی انسان ہے اور اس کا نام

و لوہا اور مسخت ہشیا اور نیک و بد اور منہد و مضرب امتیاز کی قوت بھی پائی جاتی ہے
حاشا و کلا وہ کل ایک نمونہ مادہ سے زیادہ کچھ قوت نہیں رکھتا۔ اور اس سے انسان
کی طرح علوم و فنون کے حاصل کرنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ ہاں بالترجیح اطفال ضرور ہے۔

اہل ایروپ نے مسئلہ تحقیق رُوح میں اثری چنی کا زور لگایا اور لگا ہے ہیں مگر حال
ہمیں کسی صحیح مرکز تک رسائی نصیب نہیں ہوئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی تحقیق کا مد
اصل سائنس پر مبنی ہے جو مادیات سے لگہ کر کسی قسم کی کائنات پر مادی نہیں ہو سکتی بلکہ
وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ یہ چاہیے ایک ایسی بھول جلیاں میں چکر رہے ہیں جہاں سے ان کو چھنا
نصیب نہیں ہو سکا تا وہ فیکہ وہ قرآنی تعلیم کا اتباع و کریں۔ سننے ہیں کہ ان لوگوں میں بھی بعض
ایسے محقق پیدا ہو گئے ہیں جو مادہ کے علاوہ غیر مادی موجودات کے قائل ہوئے ہیں اور تحقیق
مادیات نے ہی انہیں اس اقرار پر مجبور کیا ہے۔ کیونکہ تحقیق مادہ نے ان کو کسی ایک مشکلات
کے حل کرنے میں عاجز ثابت کر دیا ہے جو حقیقت رُوح کے تسلیم کر لینے پر باستانی حل ہو سکتی
ہیں۔ اگر یہ لوگ ترج قرآنی تعلیم کا اتباع کریں تو وہ سہولت تمام اپنے عقیدہ میں کامیاب ہو سکتے
ہیں۔ تعلیم قرآن نے انسان کی روحانی ترقی کا ایک ایسا وسیع میدان دکھایا ہے جس کے
مثال ملے ہوئے یہ انسان کامل حقیقت رُوح کا نہ صرف مائل ہو جاتا ہے بلکہ وہ اس کا مشاہدہ
بھی کر لیتا ہے دیکھو کہیں میرے ان الفاظ کو نہ سرری طبع پر نہ مال و شا۔ کیونکہ یہ ایک پتے
کی بات ہے۔ میں اس موضوع پر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر مخاطب کو دیکھتا ہوں کہ اس
کی نظر مادیات سے آگے تھوڑی نہیں کر سکتی اس لئے اسی قدر کفایت کرنا مناسب خیال
کرتا ہوں۔

وہیں مشہد گویائی مژن دم
نہن را خستم کن و اللہ اعلم

روح انسانی ہر ایک قسم کی موجودہ اور الگ ہو سکتی ہے

روح انسانی دو طیفہ ملحدہ لفظ ہیں جو بعض لوگ نادانیت کی وجہ سے ان ہر دو کی حقیقت بھی طیفہ ملحدہ قرار دیتے ہیں مگر صحیح یہی ہے کہ ہر دو لفظ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور اس کی حقیقت کے دریافت کرنے سے جو بے ثمرے ٹکرائے اور اگاہر محققین بھی زندگ رہ گئے ہیں۔ جو لوگ انسانی زندگی کو صرف ایک مادی طور پر اور تاثرات تک محدود سمجھتے ہیں وہ روح کی حقیقت کو غریب مادی تسلیم نہیں کرتے مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ روح ہریت کا رنگ اساسی ہے۔

روح انسانی ایک انسانی جو ہر ہے جو مادہ اور اس کے لوازم سے بالکل پاک ہے۔ جسم اور اس کے تمام اعضاء اور قویٰ بمنزلہ اس کے تمام کے ہیں جن سے وہ اپنی مصیبت یعنی برہنہ صفت اور وضع مضرت کا کام لیتا ہے۔ اور رنج و خوشی اور دیگر کیفیات سے متاثر ہوتا ہے۔ مگر ہر اس جسم نہ بذات خود۔ کیونکہ بذات خود اس مادی زندگی میں کوئی قسم کا احساس نہیں کر سکتا۔ لذت جسم سے تجر کی حالت میں وہ بڑا واسطہ ہر ایک قسم کی تشبیہ کا رنگ کر سکتا ہے۔ جو انسانی کو یہ بات صرف فیکر کی حالت میں حاصل ہو سکتی ہے اور اس حالت میں بھی اس کی تشائش و لطافت کے اسکاوت کے رکوسے اس کے احوالات مختلف ہوتے ہیں۔ خواہ اس احساس پر بند لیدہ ذکر و عبادت اور مجاہدات و ریاضت طاعت روح غائب ہوتی ہے۔ پتہ اور احکامات میں قول کے جسمانیہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ کیونکہ روح بنیاداً ایک ذاتی حقیقت ہے جس کی مثال مینہ لوگ مسات اور شفاقت آئینہ کی سی ہے جو ہر قسم کے غبار و رنگ اور دیگر کمزورت سے بالکل پاک و صاف ہو رہی ہے۔ جو ہے کہ طہارت خلیہ علیہ السلام اور اولیائے کرام گذشتہ اور آئندہ زمانہ کے متعلق بعض امور

کی خبر بلکہ وکاست دیدیا کرتے ہیں۔ اور یہ امر بروئے واقعات یقیناً صحیح اس قابل تسلیم ہے اور
 اس کا اکثر مصلحتاً اس لیے بھی پر مبنی ہے۔ اگر توحیح بیگائے خود ایک حقیقت مجربہ اور ثابت
 نہ ہوتی۔ تو ہمیں مادی اصول کے رُوسے کوئی صحیح توجیہ اس امر کی نسبت معلوم نہیں ہوتی
 جس پر گذشتہ یا آئندہ واقعات کی خبر دینا صحیح تسلیم کیا جائے۔ ہم منکرین حقیقت رُوسے
 سے توجیہ مذکورہ بالا کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کون سے اصول ہیں جن پر مقدس زہر کون
 طرے نے امور غیبیہ پر اطلاع حاصل کی ہے اور جس کی تصدیق لُپسے طہر پر تمام لوگوں
 نے کی ہے؟ شب معراج کے واقعات کے متعلق کفار کذا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 سے بیت المقدس اور دیگر امور کی بابت سوال کرنا اعداپ کا صحیح صحیح جواب دینا ایک
 ایسا واقعہ ہے جس کی تصدیق خود ان منکرین کفار نے کر دی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 بیت المقدس تشریف لے جانا کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔ اسی طرح نجاشی مشاہدہ حبشہ
 کتب حبش میں وفات پاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ انھو
 اپنے بھائی نجاشی کا جنازہ پڑھو۔ علی ہذا خسر و پر ویزا ایلان میں اپنے بیٹے کے ہاتھ سے
 مقتول ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اس کے من قاصدوں کو جو حضور کی خدمت
 میں حاضر تھے ان کے بادشاہ کے ہاک ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ آج رات غلامی
 نقالی سے اس کا قید مل کر دیا ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات کتب میر و تاریخ میں
 بروایات صحیحہ مذکور ہیں۔ بعد انبیاء علیہم السلام کی شان تو کہیں بہت ہی بلند ہے۔
 امت مرحومہ میں ایسے ہزاروں بزرگمان دین گذر چکے ہیں جنہوں نے امور غیبیہ کی صحیح
 صحیح اطلاع دی جس کی صحیح طہر پر پوری پوری تصدیق ہو گئی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ کا صحیح تاریخ واقعات کے رُاپ نے ساریہ نام اپنے سپہ سالار کو جو نہاد وند
 علاقہ ایران میں چاہا کرد پاشا اشکانیہ علیہ میں ممبر پر پاشا و فرمایا یا ساریہ الجبل اپنی
 لے ساریہ اپناڑ کی جانب جو جاؤ۔ چنانچہ ساریہ یہ آواز سننے ہی پہاڑ کی جانب ہوئے

اور دشمن پر فتح پائی۔ عینہ اصفہانہ اند میں سیکڑوں سیل کا فاصلہ ہے۔

دہلی کے مشہور حکمران رائے پتھوڑا نے جو پرستی راج کے نام سے مشہور ہے حضرت خواجہ ابھیری علیہ الرحمۃ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ آپ نے ایچیویں کو مخاطب ہو کر فرمایا۔
 رائے پتھوڑا امر چھی گویا۔ ہاؤ ازانندہ گرفتہ بدست پادشاہ اسلام سپر ویم چند روزہ
 نگذرنے پائے تھے کہ شہاب الدین غوری کو بہتان مغربی سے اپنا لاؤ شکر لے کر
 دہلی پر چڑھ آیا اور پرستی راج کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

کچھ عرصہ گزرا کہ میں نے مصر کے ایک مشہور رسالہ میں یہ واقعہ پڑھا تھا کہ ایک شخص
 امریکہ میں فوت ہوتا ہے اور مصر میں اپنے بھائی کو خواب کی حالت میں یہ کتاب کہ میں
 مرتا ہوں میرے حساب کتاب کے کاغذات فلاں فلاں جگہ رکھے ہیں یا وہ ان کی تفصیل
 کے لئے بھی فہمائش کر دی۔ پتا چلا وہ کاغذات جن کی تفصیل اس نے اپنے بھائی سے
 سنی تھی اسی طرح پائے گئے۔ بعد میں تحقیق کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ اسی رات اس کی
 موت واقع ہوئی۔

اس قسم کے قصائد کہیں ہزاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں جن کا انکار مرض تعصب
 اصم ہالت پر جی ہے کیا منکرین حقیقت روح کے پاس مادی اصول کے دوسے کوئی
 سبب تو مجاہد ہے مگر میں یقین ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں

اس بیان سے پنجابی واضح ہوتا ہے کہ روح ایک حقیقت نوریہ کا نام ہے جو
 اپنے کمالات کے دوسے عمل اور اہل میں قولے جسمانی کی محتاج نہیں اور اس کا بلا چلنے
 تسلیم کر لینا موجب سادت ہے اور انکار موجب شکوک و شبہات۔

دوستوں میں من مقلدانی

جو ہشتوی سخن اہل دل ملکہ خطا سرت

سخن شناس نہ دل برا خطا انجاست

روح فانی نہیں

جب یہ معلوم ہو چکا کہ روح فانی بدن سے ایک علیحدہ حقیقت کا نام ہے تو یہ بال
 پریدانہ ہوتا ہے کہ آیا بدن کی موت کے ساتھ روح بھی فنا ہو جاتی ہے۔ یا یہ کہ فنا صرف
 بدن کیلئے ہے اور روح باقی رہتی ہے۔ چہرہ اول اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بدن
 سے قطع تعلق ہو جانے پر روح حسب اعمال خوشی یا سچ کی حالت میں باقی رہتی ہے کیونکہ
 بدن صرف اس کے لئے محل تصرف تھا۔ اس لئے بدن کے مرنے پر صرف اس کا
 محل تصرف فانی ہو جاتا ہے نہ یہ کہ وہ خود فانی ہو جاتی ہے۔ جو لوگ بدن کے مرنے کے
 بعد ہم قریب یا قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا اس بنا پر انکار کرتے ہیں۔ کہ
 روح کا بغیر بدن کے قائم رہنا ناممکن ہے۔ ان کا انکار ایک بے مبنی سی بات ہے کیونکہ روح
 کا بغیر بدن کے باقی رہنا کوئی ناممکن امر نہیں۔ بلکہ اس کا بدن کے ساتھ تعلق حاصل کرنا
 بظاہر غلط عقل معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ روح کو جسم کے ساتھ اس قسم کا تعلق حاصل نہیں جیسے
 حق کو اپنے جوہر کے ساتھ تعلق ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ عرض خیر جوہر کے کوئی وجود نہیں رکھتا
 مثلاً سیاہی جو جسم سے علیحدہ ہو کر نہیں پائی جا سکتی۔ اس لئے روح نہایت قائم ہے
 اور اپنی ذات اور اپنے خالق کا علم رکھتی ہے اور اس علم کے حصول میں وہ خارجی محسوسات
 کی مشاق نہیں ہوتی۔ بلکہ تعلق بدن کی حالت میں بھی وہ تمام محسوسات خارجیہ سے غافل
 ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اپنی ذات اور اپنے خالق کی احتیاج سے کبھی غافل نہیں ہو سکتی اور
 اور اگر خدا اس پر غالب آ جائے اور وہام ذکر کی توفیق حاصل کرے تو تمام اشیائے
 ماسویہ اللہ اس کے ذہن سے اتر جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنی خلقت سے بھی غافل ہو جاتی
 ہے۔ اس مقام پر اس کو کسی محسوس مستقل امر کا شعور تک نہیں ہوتا جتنی کہ اسے یہ بھی

شوہر جس پر کدہ اپنی بہتی کے شعور سے غافل ہے۔ چونکہ اس مقام پر اس کو شعور حق کے
 سوا کسی امر کا شعور نہیں رہتا۔ اور شعور حق تو فی اور آلات بدنہ کا متعلق نہیں اس لئے
 روح اپنی ذات کی رو سے قطعاً بدن کی محتاج نہیں ہے کیونکہ بدن اور اس کے آلات
 کی ضرورت صرف مسوسات غازیہ کے اور گک کے لئے ہو کر کرتی ہے۔ لہذا بدن
 سے قطعاً تعلق کر لینے پر عالم اویسی سے اس کا قطعاً تعلق تو ہو جائیگا مگر حقائق طیرانیہ
 سے قطعاً تعلق نہیں رہ سکتا۔ اگر روح کی اس حقیقت کو کوئی شخص کا حق سمجھ لے تو
 کسے یقین ہو جائیگا کہ بدن سے علیحدہ ہونے پر وہ بذاتہ باقی رہ سکتی ہے۔ رہا یہ امر کہ
 قبر میں یا قیامت کے دن اسے پھر بدن کے ساتھ کس طرح اتصال ہوگا۔ سو اس کا جواب
 یہ ہے کہ روح کے بدن کے ساتھ اتصال کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ روح بدن
 میں مقبوض ہے اور وہ بدن کو اپنا مفر کر سکتی ہے سو جس کے بعد بارادہ اپنی وہ
 بدن کو اپنے تصرف اور تحیر میں لاسکتی ہے اور روح کے اس تصرف و تحیر کا تسلیم
 کرنا کوئی ناممکن بات نہیں کیونکہ ہم بعض اویسی ہشیاء کا اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ
 باوجود ایک شے کے دوسری شے کے ساتھ متصل نہ ہونے کے ایک دوسری کو
 اپنی تحیر و تصرف میں لاسکتی ہے سو روح جو ایک نہایت لطیف اور پاکیزہ غیر مادی
 حقیقت ہے بدجہ اولیٰ ایسے تصرف و تحیر کی مالک ہوتی ہے۔ چنانچہ زمانہ حال میں
 ملک امریکہ کے ایک خاص مزدور میں ایک ایسے شے و غشت کا پتہ لگایا گیا ہے کہ
 حیوانات جس کی غذا ہیں۔ اگر کوئی جاندار چیز اس کے نیچے یا اس کے قریب پہنچ جائے
 تو اپنی برقی کھربانی طاقت سے اسے اپنی طرف مینجھ لیتا ہے اور اس حیوان کے جسم
 سے اجزاء غذائیہ کو جذب کر لیتا ہے اور وہ حیوان مروجہ ہوا تاکہ ایک سیاح نے
 جو اسی عجیب سے مقام کو کربل سے پہنچ نکلا تھا۔ ایک غریب دستار میں اس موقع کو
 قلمبند کیا ہے جو خاکسار مذکور نے خود پر محاسبہ۔ آفتاب ہی کو لو کہ کسی زمین میں کے فاصلہ

مختلف جہوں کے ساتھ متعلق ہو کر ایک قسم کی کثرت کا محل قرار پاتی ہے۔ پھر عالم بندش میں جو عالم مادی اور غیر مادی کے درمیان کی حالت کا نام ہے، انہی دوسری حالت کو مثال کر لیتی ہے یعنی وہ ایک ایسی صورت اعتدال پر مبنی ہے جو اس کی مادی صورت کا ٹکڑی لگائی میں اور جسمانی زندگی میں ہی صورت مجودہ بدن میں اسی طرح سرسبز لگنے ہوئے ہے جیسے سبز شاخ میں پانی اور وہ جسم مردہ میں نہیں لگائی جاتی ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے (جو سوال قید کے نام سے مشہور ہے) امام فقہ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رحمت جب بدن سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اپنی رحمت و تعلقیت کی وجہ سے محسوسات خارجہ کے معانی کا اور ایک بدستور کر لیتی رہتی ہے کہ چونکہ میراث جسمانی سے اس کا باطنیت مجود ہونا ناممکن ہے اور وہ موت کے وقت اپنی موت کا شعور رکھتی ہے اور موت کے بعد اپنے تئیں عالم خیال کی صورت میں مشاہدہ کرتی ہے اور وہ اپنی مادی زندگی میں جو فنا رفتاری تھی ان کا شعور کرتی رہتی ہے اور قبر میں اسے سوال کا شعور بھی ہوتا رہتا ہے۔

شیخ محمد الدین بن عربی فتوحات میں لکھتے ہیں کہ موت دو قسم کی زندگی کے درمیان ایک حالت برزخی کا نام ہے جس میں روح جسم برزخی خیالی اسی طرح حاصل کرتی ہے جس طرح فیض کی حالت میں وہ ایک جسم خیالی کو حاصل کرتی ہے اور یہ خیالی جسم اس موجودہ مادی جسم ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ برزخی حالت بمقابلہ آخرت کی زندگی کے ایسی ہی جیسی گئی ہے جیسے عورت کے پیٹ میں جنین کی حالت مختلف المیوں میں تغیر ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہاں کے پیٹ سے باہر آ جاتا ہے۔ اسی طرح برزخی جسم قیامت کے دن ایک نئی شکل حاصل کر لگتا۔ حیثیت میں جو آیا ہے کہ مرنے والے کی موت پر اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے اس کا مصعب یہی ہے کہ عالم آخرت کے لئے ولادت کے آثار کا شعور شروع ہوتا ہے۔ عالم برزخ کو قیامت کے دن سے وہی نسبت ہے جو ہوں کے پیٹ میں رہنے کی حالت کو دنیاوی زندگی سے۔

پہلے احوال کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی روح کو اس مادی صورت کا مدبر بنایا ہے خواہ وہ دنیا میں موجود ہے یا برزخ یا دلائر آخرت میں۔ سب سے پہلی صورت ہوا سے دی گئی۔ وہ یوم بشاق کی صورت تھی جبکہ اس سے رابہ بیت کا اقرار کیا گیا تھا۔ پھر اس صورت سے ملحدہ ہو کر وہ اس مادی صورت میں منسلک ہوئی۔ جو دنیوی زندگی میں اس کو دی جاتی ہے۔ اور اس کے پیٹ میں چوتھے مہینہ سے شروع ہو کر موت تک اس کو حاصل رہتی ہے۔ پھر جب مر جاتا ہے تو موت کے وقت سے سوال قبر کے وقت اس کو ایک دوسری صورت دی جاتی ہے اور سوال کے وقت سے اس کو تیسری صورت دی جاتی ہے جس پر موت ظہری ہوئی تھی اور اسی صورت کے ساتھ وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ روح کی اس زندگی کو حکمت خداوندی کی بنا پر لوگوں کے نگاہ اور کانچ میں نہیں کرتے۔ البتہ جو جس انسان آگاہ ہوتے ہیں۔ سوال قبر کے بعد عالم برزخ میں ایک اور صورت دی جاتی ہے جو قیامت کے دن تک اس کو حاصل رہتی ہے۔

[(تنبیہ) روح کے مختلف صورتوں میں منتقل ہونے سے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں روح کے لئے تجرذ کیسے ہوا کیونکہ تجرذ سے مراد اس عالم مادی سے تجرذ کا حاصل ہونا ہے۔ ذکر مجمع علوم سے جبکہ اس عالم دنیا کے علاوہ اور بھی بہت سے عالم ہیں جن میں بعض بعض کی نسبت زیادہ لطیف ہیں اور وہ سب کے سب اس عالم مادی سے باطل طیفہ نوعیت کے ہیں]

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ انسانی روحیں ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور اپنی شکل رکھتی ہیں اور بدن سے ملحدہ ہوتے پر باہم متعارف ہوتی ہیں کیونکہ اہل امت اس بات کے قائل ہیں کہ روح ایک ایسی ذات ہے جو بنفسہا قائم ہے اور اپنے اپنے کی طرف آمد و رفت کرتی ہے اور وہ اپنے بدن سے ایک ایسی صورت حاصل کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری روحوں سے متمیز ہوتی ہے۔ کیونکہ روح بدن سے اسی طرح متاثر ہوتی ہے

جس طرح بدن و روح سے ادائیگ کے نیک و بد کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے بلکہ جسم سے
 علیحدہ ہونے پر روح کا متمیز ہونا اور بھی زیادہ واضح ہوتا ہے کیونکہ بدن اکثر آپس میں
 مشتبہ ہو جاتے ہیں اور دوح میں ہشتابہ نہیں ہو سکتا۔ ظاہر و باطن کو روح انسانی کے
 ساتھ ایک خاص مناسبت ہوتی ہے جس پر روح و بدن کی ترکیب کا مدار ہوتا ہے
 یہی وجہ ہے کہ اہل فرستہ ظاہر شکل سے کسی شخص کے باطن کا پتہ لگاتے ہیں اور جب
 چاہتے ہیں کہ جو مادی کیفیات سے عاری ہوتے ہیں باہم متمیز ہیں تو انسانی روح میں کیوں متمیز نہ ہوتی۔
 ابن تیمیہ اور امام غزالی کا علیحدہ علیحدہ خیال شیخ ابن عربی کے خیال سے ہوتا ہے۔
 کی بابت اور یہ بیان ہوا ہے مخالفت معلوم ہوتا ہے لیکن اگر شیخ کے قول کی توجہ جیسے کریں
 کہ مختلف مادیوں کے بننے کے ساتھ جسم مادی کی بہت اداس کا اثر ان مادیوں کے
 ساتھ لازم رہتا ہے جیسا کہ بدن سے علیحدہ ہونے پر روح کو مادی جسم کے ساتھ ایک قسم
 کا تعلق باقی رہتا ہے۔ خواہ وہ برزخ کی کسی حالت میں ہو تو پھر ظاہر کچھ مخالفت نہیں رہتی۔
 واضح ہو کہ ما بعد الموت کے حالات ہو کہ عالم مادی سے عالم برزخ
 کی طرف منتقل ہو جانے کے متعلق ہیں اس لئے ان کے متعلق بہتر
 شائع حوالہ و اسلام کی خبر کے ہمارے پاس کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔ عقل انسانی
 اس سر کے متعلق کچھ تجویز نہیں کر سکتی البتہ اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہاں کے
 پیٹ میں کچھ مختلف قسم کے اطوار میں منقلب ہوتا ہے اسی طرح ہاں کے پیٹ سے علیحدہ
 ہو کر مرنے تک بھی اس کو مختلف اطوار میں منقلب ہونا پڑتا ہے کیونکہ پہلے بیان ہو چکا
 ہے کہ موت کے آنے پر عالم مادی سے علیحدہ ہو کر انسان عالم برزخ میں ایک نئی
 ولادت حاصل کرتا ہے اور پھر قیامت کے دن ایک اور نئی ولادت کا حاصل ہونا
 ضروری ہے تو لابد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ اور قیامت کے دن اس کی ہر دو
 ولادت پر بھی مختلف قسم کے اطوار میں انسان کا منقلب ہونا ضروری ہے چنانچہ

آیہ لعل کہیں بلقان بلق کی ذی تیسری گئی ہے جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ تین مختلف
 طریق احوال میں متعلق ہونا ہوگا۔ اس سے ہم سمجھیں کہ ایک حدیث کی بنا پر سوال قبر کے
 عقیدہ کو صحیح سمجھتے ہیں اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت کو
 قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے متعلقین واپس آجاتے ہیں تو صاحب قبر ان کے جوتوں
 کے بہت کو بھی مستاء ہے تب وہ فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس کو بھلا دیتے ہیں
 اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ اور یہ آدمی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) جو تم میں مبعوث
 ہوا تھا کون ہے۔ اس سوال پر وہ من تو یہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور یہ شخص
 محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو داخل جنت اور بہشت لکیریم میں مبعوث ہوئے
 اور ہم ان پر ایمان لائے اور ان کے پیرو کھلائے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس کی
 کسی غیبی چیز میں سوچا کرو۔ اور منافق یا کافر آدمی (انہ کو رہ بالاسوال کے جواب میں)
 یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا سوں سے بھی کہہ دیا تب وہ
 اسے کہتے ہیں کہ تو نے نہ تو جانا اور نہ پڑھا پھر اسے اپنی گزشتہ باتیں چھپتے ہیں۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف
سوال قبر روح اور بدن ہر دو سے ہوگا

ہر دو سے ہوگا سچی کہ اس شخص سے بھی سوال ہوگا جس کو درندے کھا گئے ہیں یا سے
 دفن نہ کیا گیا ہو۔ ہم اس کی کفایت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے بعض جہال کا
 یہ خیال کہ قبر کو سنے پر ہم اس کیفیت سوال اور جواب و عذاب کی نسبت کچھ سمجھیں نہیں
 کرتے بالکل بے حقیقت اور بے معنی خیال ہے بمثال کے طور پر اسے یوں سمجھنا
 چاہیے کہ وہ شخص سو رہا ہے جس میں سے ایک تو حالت نوم اپنے تئیں راحت و
 خوشی میں پاتا ہوا دوسرا اسی حالت میں اپنے تئیں رنج و عذاب میں دیکھتا ہو
 جو لوگ بیماری کی حالت میں ان کے پاس بیٹھے ہیں انہیں ان دونوں کی حالت کا

کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ نو بیدار ہوتے ہیں۔ تو اپنے اپنے ماحول کو ان کے
 سامنے بیان کرتے ہیں۔ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ کبیر میں لکھتے ہیں کہ
 روح انسانی کو بدن کے ساتھ پہنچ مسم کو قفل و کتابت جن میں سے ہر ایک نوع
 کے احکام عید و عیذ ہیں۔ پس قفل بحالت جنس برتاب۔ و در اولت پرہیز
 زندہ رہتا ہے۔ قبر میں زندہ کی حالت میں جس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ وہ زندہ بھی ہوتا
 ہے اور وہ بھی چہ تمام نے کے بعد عالم برزخ میں کیونکہ اس حالت میں بھی گو بدن
 سے دور ہو چکا ہے۔ مگر باکلیت اس سے عیذ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو بدن کی
 طرف ایک گوندہ اسفات باقی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب قبر کو سلام بھیجا جاتا ہے
 حتیٰ کہ وہ دفن کر کے واپس آنے والوں کے جوتوں کی آہٹ کو بھی سنا ہے اور یہ
 ایک خاص قسم کی حیات ہے ہونیوی حیات سے عیذ ہے۔ پانچواں قیامت کے
 دن جب اجسام زندہ کیے جائیں۔ اور یہ قفل نہایت سنگین اور مضبوط ہے۔
 کیونکہ اس کے بعد پھر اسے موت۔ زندہ یا کسی قسم کا فساد لاحق نہیں ہوگا۔ پھر وہ کئے
 ہیں کہ عالم دنیا کے احکام بدن پر جاری ہوتے ہیں۔ اور بدن روح کے تابع سمجھا جاتا
 ہے اور شر و نشر کے احکام روح اور بدن دونوں پر جاری ہوتے ہیں۔

سکون میت

یہ مسئلہ عام طور پر مسلمانانہ فیہ ہے۔ کہ آیا صاحب قبر سنا
 اور جواب دیتا ہے یا نہیں۔

مندرجہ بالا حدیث سے صاف طور پر واضح ہے کہ اہل قبور سنتے اور جواب دیتے ہیں
 اور ایک دوسری حدیث میں قبر پر گزرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ قبروں کو جیہیں الفاظ

سے جس روح اللہ کا یہ بیان شیخ ابوبکر بن عربی کے بیان سے ایک حصہ سے قنات کے
 ساتھ ساتھ سمجھنا چاہیے۔ جس کا ہم اور ذکر کر چکے ہیں (۱) دلائل علم و اصول ۱۲۷

سلام ہیں۔ السلام علیکم یا اهل القبور لغفر الله لنا ولكم ببقمتونا وانا انشأنا
 بکم الاحقون۔ اگر اہل قبور سماع نہیں رکھتے تو انہیں مطالب بنانے کے کیا معنی ہیں
 مع بدعا غزوہ بدر کے موقع پر جن کفار کے سروں کو گویں میں ڈال دیا گیا تھا۔ حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان سے خطاب کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال
 پر کہ یا رسول اللہ کیا یہ سنتیں آپ کا یہ فرمانا کہ ہاں سنت میں مگر جواب نہیں دے سکتے
 سماع میت کے متعلق قطعی حجت ہے۔ نیز حضرت ابن عباس کی اس حدیث میں
 لیو یقبو اخیہ المؤمن الذی کان یجراتہ فی الدنیا ضیلہ علیہ الامرقہ ودر
 علیہ السلام یعنی کوئی شخص جب اپنے کسی مؤمن بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جسے وہ دنیا
 میں بچا تھا تھا۔ اور اسے سلام کہتا ہے۔ تو صاحب قبر اس کو بچا تھا ہے اور اس کے
 سلام کا جواب دیتا ہے۔ سماع میت کے دعویٰ کی پوری تصدیق کرتی ہے۔ ان
 احادیث کے برخلاف جو توہیات رکیکہ کی جاتی ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کی طرف کچھ
 التفات کیا جائے۔ البتہ شکرین سماع موتی حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے
 انبار سماع کو حجت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب آپ سے سماع موتی کی بابت
 پوچھا گیا تو آپ نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا۔ انٹ لا تسمع موتی
 اور آیت وما انت بمسمع من فی القبور مگر ایک محقق جو اصول تفسیر سے آگاہ ہے
 جانتا ہے کہ ان ہر دو آیات کا حکم عام بقاعدہ مامن مام الا وقد خصی مند البعض
 اپنے عموم پر مبنی نہیں رہا بلکہ مذکورہ بالا احادیث اس کی تفصیل کرتی ہیں۔ مع ہذا اس
 میں سماع کی نفی ہے نہ کہ سماع کی چنانچہ آیت کا اٹھا کر والله یسمع من یشاء وهو
 علی کل شیء قدیدر اس دعویٰ کی تائید کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ نے اپنے
 ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ جو شخص سماع موتی کا انکار کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی صحیح حدیث کا انکار کرتا ہے اور سچ رکھتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین کا اپنا

مجتہد ان خیال کا اور چونکہ اس وقت تک احادیث کی تدوین و ترتیب نہیں ہوئی تھی اس لئے انہیں احادیث مجیدہ موصول نہیں ہوئیں۔ اب جبکہ احادیث پر جمع و تحصیل ہو کر فیض ہو چکا ہے اس سوئی کا انکار محض ہٹا دھری ہے حافظ ابن قیم نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب جو کتاب المربع کے نام سے منسوب ہے لکھ کر پوری شیعہ کی بے سوال تفریق کے متعلق یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب میت سے سوال ہوتا ہے تو لا محالہ اسے زندہ ماننا پڑے گا۔ سو اس کے متعلق حافظ ابن قیم نے نہایت عمدہ جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا کی مجبوءہ حیات نہیں ہے جس میں مریض بدن کے ساتھ ایسا تعلق رکھتی ہے کہ وہ جلن کی مشغول و مدبر ہوتی ہے (کیونکہ تصرف و تدبیر کے لئے قوی ہر نیکی ضرورت ہے جو مرکب و مصل ہو چکی ہیں) البتہ بدن کو ایک دوسری قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے جس سے انسان سوال کے جواب دینے پر لذت پاتا ہے اور اس حیات کی مثال جینیہ ایسی ہے جیسے ایک سونے والا شمشیر جو نہ تو مردہ ہوتا ہے نہ زندہ ہی وجہ ہے کہ خیمہ کی نسبت النور ماخ الموت وارو ہو ہے (سونے والا زندہ ہی ہے کیونکہ وہ مرد نہیں اور مرد ہی ہے کیونکہ اس کے حواس و اعضا مصل ہوئے ہیں۔ یہی حیات قبر کا حال ہے وہ موت اور حیات کے مابین ایک حالت کا نام ہے۔

عذاب قبر کے متعلق آیه النار احرى منون علیہا اعدوا و عذاب اخر صریح ہے یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں کو صبح و شام جہنم کے سامنے لایا جاتا ہے اور چونکہ آیت کے لگے حصے میں عذاب قیامت کا اشد العذاب کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے یقیناً صبح و شام کے عذاب سے عالم برزخ ہی کا عذاب مراد

سے خلک مولود کو بھی حافظ ابن قیم کے جواب کا مطالعہ کرنے سے پہلے اپنے دل میں یہی جانے چاہئے تھا۔

ہے اور اسی کا نام عذاب قبر ہے صحیح مسلم میں بروایت ابن جریج رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ
 ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی کہ خدا یا مجھے میرے زوج (رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے باپ (الہدیٰ بن ابی طالب) اور میرے بھائی (معاویہ) سے متفرق
 نہ کرے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کے مہینہ بہشتوں
 اور عہدہ (۱۰۰) ایام اور مقنومہ روزیوں کی بابت سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں ہرگز
 پس پیش ذکر کیا۔ اگر تو نے عذاب جہنم اور عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی ہوئی
 یہ سب سے بہتر بات تھی۔

کتاب اللہ اور سنت صحیحہ عالم برزخ میں مومنین
 عامہ مومنین اور شہداء کے لئے نعمت و راحت کے حصول پر شاہدین چنانچہ

سورہ واقعہ کی آیت فاما ان کان من المقبرین ضررک ورجحان و جنت البقیع
 میں خود کرو کہ صریحاً جو لفظ روح پر واقع ہوا ہے صاف پتہ دے رہا ہے کہ جہ
 عنقریب سے علیحدہ ہوتے ہی مرنے والی روح ان اعمال کو حاصل کرتی ہے اور
 اسی طرح کفار کے لئے بھی موت کے ساتھ ہی کھوٹتے ہوئے گرم پانی اور آتش
 و ذرغ کی خبر سنائی جس آیت کی تفسیر کے لئے اس حدیث میں خود کرو و القبور
 اما و ذرغ من ریاض الجنة او حفرة من حفرة النار یعنی قبر یا تو جنت کا ایک
 باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا ہے۔ مگر شہداء کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے حیث قال
 ولا تحبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون
 اس آیت شریفہ میں شہداء کی جس حیات کا ذکر آیا ہے اس کی نسبت اہل حقیت کا یہ مذہب
 ہے کہ شہداء قبر میں روح مع البدن کی حالت میں زندہ رہتے ہیں چنانچہ امیر معاویہ کی
 نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے قبور شہداء پر ایک چھتہ جاری کرنا چاہا۔ حکم دیا کہ جس شخص
 کا کوئی رشتہ دار اس جگہ مدفون ہے وہ اسے قبر سے نکل لے۔ چنانچہ فرمائیں کہ ہم

نے جب شہد اکو کھلا تو ان کے بدن بدستور تازہ تھے چنانچہ ایک شہید کی پٹلی پر
 لکھو تھے وقت کمال لگ گئی تو اس سے خون بہنے لگا فضائل شہداء میں بہت سی صلوٰۃ
 دار چھپ چکی ہیں جن کا ایراد یہاں ہم نہیں خیال کیا جاتا +

عذاب قبر

عذاب القبر قرآن و سنت صحیحہ سے ثابت ہے جو امور عالم برزخ یا عالم آخرت یا
 مابین الموت و الحیات سے تعلق رکھتے ہیں ان میں علوم عقیدہ سے ہم کوئی استدلال نہیں
 کر سکتے۔ ان کی نسبت خبر صادق نے بقدر عقل و وحی قطعی جو کچھ بیان کیا وہ یہ ہے وہی ہمارا
 ایمان ہے۔ عذاب القبر منجھد ایسے امور کے ہے جو علم برزخ سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے
 کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے گو ہم بذریعہ حواس اس کی کیفیت
 کا احساس نہیں کر سکتے۔ مقتدر علی بن عمر و فطفاقی اور بعض خواجہ عذاب القبر کا
 افکار کرتے ہیں وکیل ان کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں (وَابْعَثْ كُلَّ نَفْسٍ إِلَىٰ
 أَجْلِئِهَا أَشْتَوٰتٍ) (خدا یا تو نے نہیں دیکھا اور وہ وقت مارا اور وہ وقت زندہ کیا) یعنی پہلے
 عدم میں تھے جو بمنزلہ موت کے ہے پھر پیدا ہوئے۔ بعد ازاں موت آئی اور مر گئے۔
 پھر قیامت کو زندہ ہو گئے۔ گویا وہ وقت موت اور وہ وقت زندگی کا مرحلہ طے کرنا
 پڑا۔ اگر عذاب القبر کو تسلیم کیا جائے تو تین وقت زندہ ہونا لازم آئے گا۔ اسی طرح یہ
 لوگ اِیَّ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰلِهٰتِکُمْ اَمْوَاکُمْ اَنَا فَاَحْیَاکُمْ..... الخ کو
 بھی بطور وکیل پیش کرنے میں اور وہ وقت موت اور وہ وقت زندگی کا مفہوم پیدا
 کر کے عذاب القبر کو انکار کر دیتے ہیں +

واضح ہو کہ مذکور بالا دلیل قائلین عذاب القبر کے مخالف صرف اسی صورت میں
 صحیح ہو سکتی ہے جبکہ قائلین قبر میں جہنم مع روح کا زندہ ہونا تسلیم کرتے ہوں لیکن کتاب
 و سنت سے قبر میں جہنم عصری زندہ ہونا کہاں ثابت نہیں ہوتا۔ کہو مگر مجید عصری بارہ
 زندہ ہونا صرف قیامت کے دن ہوگا۔ عذاب قبر صرف نوع انسانی سے مخصوص ہے
 اور وہ قیامت کے عذاب کے لئے پیش خیمہ ہے۔ قرآن مجید میں ل فرعون کی بابت
 یوں وارد ہے۔ اَلَّذِیْ یُعْرِضُ عَنْ عَلَیْقَہٗ وَ اَوْعَیْثِیْہٗا وَ یَوْمَ لَعْنُوْہِ السَّاعِدُ الْخَیْطُ
 اَلْفِرْعَوْنِیْ اَسْخَدَ الْعَذَابِ اِیَّہٗ۔ یعنی وہ لوگ صبح و شام آگ کا عذاب دیئے جاتے
 ہیں اور جب قیامت کا دن ہوگا تو کچھ ہوگا کہ فرعون نبی کو سخت سے سخت عذاب میں مل
 دو۔ اس آیت سے صریح طور پر واضح ہے کہ قبل از قیامت عذاب کا ہونا متعقّب ہے۔
 پھر دوسری جگہ یوں وارد ہے۔ وَلَوْ تَرَى اِذَا الْقُلُوبُیْنَ فِیْ عُثْمٰتٍ اَلْعُثُوْثِ الْمَلٰٓئِکَۃُ
 بِالْبَطُوْاۤئِبِ اَیُّہٗا اٰخِرُ حَیٰوٰہٗ اُنْفُسُکُمْ۔ یعنی اگر تم اس حالت کو مشاہدہ کرتے جبکہ
 ظالم لوگ موت کے شہائد میں مبتلا ہوتے ہیں اور طائفہ جو ارواح قبض کرتے ہیں ان
 کے سروں پر ہاتھ پھیلاتے یہ کہ سب ہوتے ہیں کہ اپنی روحوں کو باہر نکالو۔ آج تم اپنی
 سرشتیں کے غوص ذلت کا عذاب دیئے جاؤ گے۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت قبل از قیامت
 واقع ہوگی۔ قیامت کے دن۔ کہ نہ کہ اَلْاٰفَاقُ الْیَوْمَ مَرْتَجَہٗ وَنَ عَذَابُ الْعٰوْنِ۔ میں
 لَقَطُ الْاٰیٰتِ مَرَّ مَرَّہٗ کا دن مراد ہے نہ قیامت کا۔ پھر فرمایا۔ اِنْسَا تَوْفِیْقُوْنَ لِحٰوْرَہٗ
 یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ یعنی تم قیامت کے دن پوری پاؤں گل دیئے جاؤ گے۔ من اَلْاَفَاقِ مَرَّ
 مَرَّہٗ معلوم ہو رہا ہے کہ قبل از قیامت بھی حسب احوال نیک و بد کچھ نہ کچھ ثواب و عذاب
 جاری رہتا ہے۔ صبح و شام وہ لوگ جو کشت و الہام کا تہہ برکتے ہیں اپنے ذاتی مشاہدات سے
 عذاب القبر کی خبر دیتے ہیں اور احوال صحیحہ میں عذاب القبر کی نسبت پوری پوری گھبرا
 کر رہی گئی ہے۔ اور عقلی طور پر بھی ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ انسان مرنیکے بعد

داخل ہوا اس ہو کر پہنچے اس حالت کو پہنچا تھا جس میں شرعی طور پر اسے نیک و بد کا جواب نہ ہوتا فردوسی پہنچا ہے اسی طرح دارالجزائر میں بھی بتدیج سچ موقت حساب تک لایا جائیگا جہاں اسے اپنے اہل کانیک و بد متوجہ و کمینا ہو گا یعنی جس طرح دنیا میں آتے ہی پتہ بتدیج سچ فردوسی حرکات و سکنات میں مشغول ہوئے گئے ہیں اور ایک خاص مدت پر اس کے حرکات و سکنات قابل مواخذہ ہو جاتے ہیں اسی طرح مرنے پر مواضع اعمال کی دنیا نیک و بد کے آشادش آئے گئے ہیں اور بتدیج سچ موقت حساب تک لایا جاتا ہے کیونکہ جس طرح دنیا میں آتا ایک نئی زندگی اختیار کرتا سمجھا جاتا ہے اسی طرح دنیا سے علیحدہ ہونے پر عالم آخرت کی ذرات کا وقت ہوتا ہے اسی وقت اعمال کی جوابدہی کا عذاب قبر سے مراد صرف وہ عذاب ہے جو مرنے کے بعد معامرنے والے پر عائد ہوتا ہے جو یہاں روح کا ٹھکانا ہو گا وہیں اسے عذاب و ثواب کا متحمل ہونا پڑے گا۔

عذاب عذاب کو قبر کی طرف محض اغلب و اکثر حالات کے خیال سے مضاف کیا گیا ہے خواہ مرنے والا جہنم کے پیش میں پہنچ جائے یا میدان جنگ میں پہنچ جائے خدا تعالیٰ کی رحمت سے لاکھ رحمت یا لاکھ عذاب جہنم آمو جو ہوتے ہیں کیونکہ جو چیز عذاب و ثواب کا سبب بنتی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مرتے والے کا جسم کسی خاص صورت میں تیار زمین مدفون ہو۔

آپاریجہ میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کی نسبت یہاں مذکور ہے کہ اس نے خود عذاب سے اپنے پس ماندوں کو وصیت کی کہ اس کو دیرہ ریزہ کر کے جلا دیں اور اس کی خاک کو دریائیں بہا دیں جب وہ مرتا تو مقام سوال و جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے سوال کیا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تعالیٰ تیرے عذاب سے ڈر کر مجھ کو اس شخص کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ہمارے عذاب سے ڈرتا ہے اس سے اس کا میں اپنا مالک اور اللہ تعالیٰ کو ناپا پایا جاتا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ عذاب کے

کے زیر خاک دفن ہونا شرط نہیں ہے۔

اہم ابن حزم غامری کہتے ہیں کہ میت فلا بد لہ من فتنة وسؤال و بعد ذلک سرور و تکیہ الی یوم القیامة فیوفون جنتہ اجور و بعد
 و یقبلون الی الجنة و النار۔۔۔۔۔ و کل مکان لمستقرات فیہ الناس
 انزلہ و جہا من الجہنم فہو قبر لہا الی یوم القیامة یعنی ہر ایک کے
 لئے کے لئے اسقلان اور سوال و جواب کا ہونا ضروری ہے جس کے بعد وہ قیامت
 تک یا تو سرور کی حالت میں رہیگا یا سختی میں رہیگا اور قیامت کے دن ہر ایک شخص کو
 اس کے اعمال کی پوری پوری پاداش دی جائیگی۔ پھر جنت یا جہنم کی طرف متوجہ ہوئے
 اور دوسرے کے جسم سے نکلنے کے بعد جہاں وہ خیر یا ہی جہد قیامت تک
 اس کی قبر پر رہے خیال کرے و لا شخص قبر میں بسینہ اسی طرح زندہ رہتا ہے جس طرح
 بعد دنیا میں زندہ تھا بالکل غلط ہے۔ اس کا قرآن و حدیث صحیح میں کہیں بھی ذکر نہیں ایسا
 لفظ ہونا صرف قیامت کو ہوگا۔ اِنَّ اللہ یتوفی الائنس حین موقتا۔۔۔۔۔ الی
 اجل مستثنیٰ میں غور کرو جس سے عارفانہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد وقت
 سین سے پہلے کوئی شخص زندہ نہیں ہوگا اور وہ وقت زمین یوم القیامة ہے۔
 ایک حدیث میں جو منہال بن عمرو سے مروی ہے اور وح کا اجسام میں ہر وقت سہل
 و جواب قبر میں لڑایا جاتا نہ کہ نہوا ہے مگر علمائے حدیث نے اس کو صحیح نہیں رکھا بلکہ
 صحیح صحابہ کا اتفاق اس امر پر ثابت ہوا ہے کہ اجسام زیر خاک فٹے ہو جاتے ہیں۔
 چنانچہ حدیث ابن عمرو میں وارد ہے بعدہ الجحش لیست ابشی و ان الارواح

سے بعض خبر مر کر زندہ ہوتے ہیں و غل نہیں کیونکہ قرآن مجید اس قسم کے کلمہ ہر ایک بنایت زندہ
 کیا نہ ہو سکتا ہے جسے جو کلمات کمر کے بعد قبل قیامت کوئی زندہ نہیں ہو سکتا اور ان کے بعد ہی ہے

عند اللہ یعنی یہ اجسام کچھ بھی نہیں اور وہیں مکے ۱۲ لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔
 نیز حدیث معراج میں حضور علیہ السلام کا سامن اول پڑا دم علیہ السلام کو اس حال
 میں دیکھتا کہ اہل سعادت کی دُوس ان کے دائیں جانب ہیں اہل شقاوت کی دُوس
 ان کے بائیں جانب ہیں یقینی دلیل ہے ہا سے مذکورہ بالا دُوس پر نیز غزوہ بدر پر
 حضور علیہ السلام کا مشرکین کی لاشوں کو خطاب کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا سوال کرنا کہ
 آیا وہ لوگ سنتے ہیں اور آپ کا یہ جواب دینا کہ تم لوگ میری بات کان سے زیادہ
 نہیں سنتے صاف دلیل ہے کہ مرنے والوں کی صورت دُوس میں سنتی ہیں ورنہ اجسام تو
 بالکل بے حس و حرکت ہوتے ہیں ۴۰

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر قرآن و سنت سے ثابت
 ہے اور وہ صرف رُوح کے تعلق رکھتا ہے اور رُوح ایک جم لیبٹ ہے جو لینے
 ہمارے اس کیفیت جسم کی شکل اور وضع رکھتا ہے۔ ہندو لوگ اُسے سوکھ شرم شریر بولتے
 ہیں ۴۱

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور
 یا بہشت کی چھوڑیوں میں سے ایک چھوڑی ہے۔ اس صحیح اور یقینی خبر پر بعض مشرکین
 نے جنہیں حیوانی خدوس کے سوانا وہ کوئی مہم نصیب نہیں ہوئی یہ اعتراض کیا کہ یہ کیونکر
 ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ہم قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں تو اس میں بجز خاک و استخوان کے کچھ بھی
 نظر نہیں آتا اور نہ ہمیں کوئی کچھ اور سانپ ہوتے ہیں اور نہ منتہائے لگاؤ تک قبر وسیع
 نظر آتی ہے اور نہ وہ انگلیوں کے درمیانی فاصلہ کے برابر تنگ جیسا کہ آنادیں وارد
 ہوا ہے۔ نیز ایک مصلوب شخص کو جو مدت تک یوں ہی پڑا خشک ہوتا ہے کبھی حرکت یا

لے چکا معلوم نہیں اور کوہدیت آلیا ہے اس لئے خیال تھا ہے کہ کبھی ہادی ہوگی مگر بنال صحیح نہیں ۴۲

دیکھ کر تے یا لگ میں جتنے یا رسول و جواب کرتے ہیں دیکھا گیا اسی طرح جن لوگوں کو ہندسے
جمل میں کہا جاتے ہیں یا جن کے اجزائے جسمیہ مختلف ہاؤروں کے پٹوں میں باور داخل
ہوتے ہیں ان کی نسبت کثیرین کا سوال و جواب کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ علیٰ ہذا طریقہ
تمام وہ امور جن کی نسبت احادیث میں ذکر آچکا ہے کہ نہ کمیر میا ر عقل پر صحیح تسلیم کئے
جاسکتے ہیں؛ واضح ہو کہ یہ سب شہادت و شکوک قلم علم اور علم نبوت سے باواقعیت
پر مبنی ہیں اور محض ایک عامیہ خیالات کا نتیجہ ہیں وہ جس شخص نے علوم نبوت کے مطالعہ
میں کچھ حصہ علم حاصل کیا ہوگا یقیناً ایسی بے سرو پا باتیں منہ سے نہیں نکالے گا کہ ہم اپنے
روحانی کے اثبات اور منکر کے لطیفان کے لئے ذیل میں چند ایک امور کا ذکر کرتے ہیں
جن میں غور کرنے سے پس امید ہے کہ مسکند عذاب القبر باطل سمجھنے کے قابل ہو جائیگا۔
حقیق کو چاہیے کہ ہر ایک امر میں تحقیق کا حق ادا کرے اور قبل از تحقیق کبھی نئی و اثبات
و حرات نہ کرے۔ مع ہذا انسان کو عام اور پشلی مزلج ہونے سے ہمیشہ بچنا چاہیے
کہ چونکہ بات بات میں خود وطن کا عادی ہونا انسان کو بسا اوقات یقینیات کے ان لینے
کے روک دیتا ہے جو موجب ہلاکت ہے۔

(۱) یقین چھپا پائے کہ نبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کسی امر محال عقلی کی خبر نہیں
دی تھی کسی ایسے امر کی انہوں نے امت کو تعلیم نہیں دی جس کو فراع انسان کی عقل ناممکن
سمجھ کرے۔ بلکہ ان حضرات کے اخبار کی موتیں ہی اول جن کی شہادت عقل انسانی
باطلعت انسانی میں موجود ہو۔ دوم جنہیں عقل انسانی محض اپنی ذاتی استعداد سے اولک نہیں
کوتی بلکہ تمام وہ امور غیب جو بائے حواس کی دسترس سے بالاتر ہیں اور جن کی اقلیت
شک نہیں ہو سکتا۔ سو جب کبھی ایسے امور کی نسبت یہ خیال پیدا ہو کہ عقل انسانی ان
تصدیق نہیں کرتی تو شک نہیں کہ یا تو ان امور کی نسبت نبیاء علیہم السلام پر کسی نے
خبر کیا ہوگا یا اگر صحیح ہوئے تو شخص معترض کی اپنی کم فہمی اور کوتاہی عقل کا نشیہ ہوگا۔

اور قرآن مجید میں جو امور ثابت ہوئے۔ وہ اس کی یہ ہے کہ تعلیم قرآن میں جو بجا نہ لیا دیا گیا ہے
 اس کی اطلاع دینے کو اہل ایمان کے لئے موجب فرح و مسرور قرار دیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ
 الَّذِينَ اتَّخَذُوا كِتَابَ الْيَسْرَةِ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ الْآيَةَ - یعنی جن لوگوں کو
 ہم نے کتاب دی وہ خوش ہوتے ہیں اس تعلیم وحی پر جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اور اسی طرح
 دوسری جگہ فرمایا قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ فَلْيُفْرِحُوا "پس اس نزول قرآن پر چاہئے کہ خوشی منائیں
 علیٰ نہا قرآن مجید کی تعلیم دیا جاتا تھا۔ رحمت - ہدایت - فضل وغیرہ الفاظ سے یاد کیا
 گیا ہے۔ اور یہ امر ناممکن ہے کہ کسی محال امر کے غیر بننے پر لوگوں کو اظہار فرح و مسرور
 کا موقع ملے۔ یا ناممکن امور لوگوں کے لئے موجب رحمت و شفا ہو سکیں۔ اس سے
 معلوم ہے کہ امتبار وحی سب کے سب بجائے خود اپنے معنی میں قلعہ ثابت و صحیح ہیں۔
 اس نکتہ پر خوب غور کرنا چاہئے +

(ج) اس امر کے متعلق پوری کوشش کرنا چاہئے کہ آیات و احادیث کے وہ
 معانی جو عادات و اہل ایمان اور جو جناب پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمائے ہیں کلام
 سے لفظ لئے جائیں اور ان معانی کے سمجھنے میں لغو و تقصیر یا افراط و تفریط سے احتراز
 ہمیشہ واجب رہنا چاہئے اس اصل تعلیم کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے اسلام میں مت
 و مشابہت کا دروازہ کھل گیا اور سب و فہم نے لوگوں کو کہیں سے کہیں تک پہنچا دیا۔ اور
 اس سبب انہم کے ساتھ لگ بھگ کسی شخص پر چھوٹے نفس بھی غالب آگئی ہو (معاذ اللہ) تو پھر
 اس کا کوئی ٹکڑا نہیں کیا تمام اہل بدعت و ہوا کے فرقے سب و فہم اور سب و فہم اور
 ہولے نفس کا نتیجہ نہیں ہیں؛ اگرچہ تمام فرقوں کے یہ وہ استنباطات اور غلط عقائد
 کی تشریح کی جائے تو ہزاروں صفحات بھی کافی نہیں ہو سکتے قرآن مجید کے اقل سے
 آخر تک لکھا ایک آیت شریفہ کے تفسیر میں غور کر کے دیکھو تمہیں معلوم ہو گا کہ
 کوئی آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس پر ہر ایک نے اپنے اپنے خیال کے مطابق افراط و تفریط

الامامہ اللہ جی کو جس آیت کو ایک شخص کسی خاص مدعا کے اثبات میں پیش کرتا ہے اس کی مخالفت اسی آیت کو اس کی تفسیر کے اثبات میں پیش کرتا ہے۔ وحقیقت بالکل ایسی ہی کا نام ہے۔

(ج) مذکورہ بالا ہر دو اصل کے بعد ملنے پر بحث کی نسبت میں سمجھنا چاہیے کہ تعلیم وحی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے لئے تین دارمقرر کئے ہیں اول دار دنیا میں ہیں ہم اب موجود ہیں اس کو دار اسل بھی کہتے ہیں۔ دوم دار آخرت۔ یہ اس مقام کا نام ہے جس میں انسان مرنے کے بعد سے میدان حشر میں مسووث بنے گا۔ تیسرا دار اقرار یعنی وہ مقام جہاں حشر کے بعد ہمیشہ کے لئے رہنا ہو گا انسان کی فطرت میں ان ہر تہ مذکورہ بالا دار میں رہنے کی قابلیت موجود ہے مگر یہ بھی واضح ہے کہ جو احکام اولیٰ لازم اور ضرورتوں کا وہ اس دار دنیا میں ملتی ہے وہ دار آخرت میں اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ دار آخرت کے احکام و لوازم و ضروریات دار دنیا سے بالکل علیحدہ نوعیت کے ہیں عموماً لوگ اس ضروری امتیاز کے نہ سمجھنے کی وجہ سے انواع و اقسام کے شکوک کی دلیل میں پیش جایا کرتے ہیں حالانکہ ایک مونی ہی بات ہے کہ جب ہر دو عالم کی نوعیت حیات ایک نہیں تو ان کے احکام و لوازم کیونکر ایک ہوسکتے ہیں؟ علیٰ ہذا دار اقرار کی نوعیت حیات دنیا اور دار آخرت کی حیات سی باہم علیحدہ ہے اور اس لئے وہاں کے تعیم و مذاب کی کیفیت بھی ان ہر دو دار سے بالکل مختلف ہے۔

جب ہر تہ دار کے احکام و لوازم حیات کا مختلف ہونا معلوم ہو چکا تو اس امر پر خوب غور کرنا چاہیے کہ دار دنیا میں احکام حیثیت احکام روحانیت پر غالب ہوتے ہیں اور دار آخرت میں اس کے برعکس صورت ہوتی ہے یعنی احکام روحانیت احکام حیثیت پر غالب آجاتے ہیں مگر میں طرح دار دنیا میں ہم صریح کے درمیان ایک نامعلوم سا

تعلق قائم ہوتا ہے اسی طرح دماغ میں بھی ہر دو میں ایک تعلق قائم رہتا ہے جس کی کیفیت
 بالکل برابر ہے اور چونکہ ہر دو میں ایک بنائیت لطیف تعلق قائم رہتا ہے اس لئے ان ہر دو
 میں کسی ایک کو جب کسی قسم کا صدمہ یا کیفیت پہنچتی ہے تو دوسرا بھی اس سے متاثر ہوتا
 ہے یعنی جسم کے عذاب سے دماغ تکلیف پاتی ہے اور دماغ پر خدا کے لئے سے
 جسم پر بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے جس کے ثبات کی کوئی
 ضرورت نہیں۔ بالضررین وارد دنیا میں جسم ظاہر ہے اور دماغ معنی اور دماغ میں روح
 ظاہر اور جسم معنی ہوتا ہے۔ اس لئے جس چیز کے آثار زیادہ ظاہر ہونگے اس کی کیفیت
 خوشی و غم ذاتی ہوگی اور جس کے آثار معنی ہونگے اس کی کیفیت نسیم و ظباب پہلے کے
 نتائج ہوگی اور اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری وقت پیش آسکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ
 نے ہمیں اس کے بچنے کے لئے نام اس لئے والے شخص کو لایا ہے کہ جس کی کیفیت
 کیونکہ مومن والہ خواب کی حالت میں خوشی یا غم وغیرہ کمینیات سے برابر متاثر ہوتا ہے
 ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ اس شخص کی روح پر گزرتا ہے اور جسم روح کے تابع ہو کر بعض اوقات
 ایسے ہی متاثر ہوتا ہے جیسے خود بلا واسطہ کسی ضرب یا صدمہ سے متاثر ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ
 ایسا اوقات بیدار ہونے پر جسم پر نشان ضرب موجود ہوتے ہیں اور خواب میں کسی عذر و
 یا لایہ کھانے کا اثر بیداری کی حالت میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس کے متعلق بہت
 سے نظائر و قصص موجود ہیں اور ہر ایک شخص اپنے ذاتی تجربہ سے بھی اس کی تصدیق کر سکتا
 ہے۔ سو جب اس دماغ دنیا میں یہ کیفیت ہوتی ہے شاید وہ اگر میں مطمئن کر سکتی ہے تو
 اس کیفیت کا دماغ میں اس کے روح پر تجر و غالب آ جاتا ہے اور اس کو اپنے جسم
 سے کیا یہ امر کم تعجب نہیں کہ وہ شخص ایک ہی بستر پر سوتے ہیں ایک تو بوجہ خواب غلبہ میں جاتا ہے
 اور جب بیدار ہوتا ہے تو اس کا لاشعور بھی پاتا ہے اور دوسرا بنائیت خوشی اور غم سے اس کی حالت میں ہوتا ہے اور
 بیدار ہو کر اس خوشی کا اثر محسوس کرتا ہے بالکل یہ کہ ایک کو دوسرے کے حال سے متاثر کرنا نہیں ہوتا۔

سے ایک غیبی مہم تعلق باقی رہتا ہے کیونکہ انکار ہو سکتا ہے؟ اور چونکہ مشرکوں کی روح ہر دور
 ہم میں پھرتی رہتی ہے اس لیے ہمیں وہ غیب کا احساس روح اور ہم ہر دور کے
 لیے بدرجہ اتم ہوگا۔ اس مقام میں پورے غور سے کلام لینے سے معلوم ہوگا کہ مسند مذاہب
 کے متعلق جو کچھ شائع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور جس کو منکر سونہم کی وجہ سے ایک
 عجیبہ اور مشکل امر سمجھا جاتا ہے بالکل صحیح اور ثابت فی نفس الامر ہے۔

وَكَم مِّنْ حَاطَبٍ قَوْلًا صَحِيحًا - وَافْتَتَاهُ مِنَ الْغَيْبِ الشَّقِيهِ

(د) حکیم مطلق کی حکمت کا مہل کا نتیجہ ہے کہ اس نے دار دنیا کے رہنے والوں سے
 ہر برحق اور جنت و نار و لہر کو مخفی رکھا ہے کیونکہ ایمان بالغیب کی حکمت اسی مصدق
 کی مقتضی تھی۔ کہ ان امور کو انسان کے محکمت بالا اہمال ہونے تک پر وہ غیب میں کہا جائے
 بس مختصر لوگ جو نزع کی حالت میں ہوں) بسا اوقات ملائکہ کے وجود کی بدینہ اسی طریق
 پر خبر دیا کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ کسی ایک مختصر حال بزرگان نے
 بتایا کہ اسلام ملائکہ کے سلام کے جواب میں کہا ہے اور لوگوں نے سننا ہے بعض نے
 حضور و وصی کو نماز ادا کرنے کی مہلت مانگی ہے چنانچہ حضور و وصی کے بعد ان کی روح کو
 ملائکہ نے قبض کیا ہے خلیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جب نزع کی حالت میں تھے
 تو ملائکہ کھیل کر اوروں کو دیکھتے تھے۔ حاضرین نے کہا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں فرمایا
 کہ وہ لوگ آ موجود ہونے کے جوہر کو انسان میں نہ چن۔ بعد ازاں ان کی روح قبض کی گئی جیکہ
 لا الہ الا اللہ ان کی زبان پر جیسا ہی مقدم اسی بہت سی نظیریں بزرگان دین اور صلحا
 کی کہتے ہیں مضمون بے سؤ و فیل ہو جاتا اسی امر کی طرف آیت ذیل میں اشارہ ہے
 فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْمَخْلُوقُ مَرَاتِمَ حِينُهَا مَتَّظِرُونَ وَبِخَنِ اقْرَابِ إِلَيْهِ حَتَّىٰ
 وَلَكِنْ لَا يَتَّبِعُونَ شَيْئًا مِّنْهُ يَمُرُّونَ بِهِ كَنُجُومٍ مَّارِجَةٍ يَّتَخَفُونَ لَوِ لَاحَظَهُ رَبُّكَ
 لَأَبْلَقَهُ السَّمَاءُ بِهَا وَلَأُقَنَطْنَ أَجْزَاؤُهَا وَلَئِنْ سَأَلْتَهُ لَنَنصُرَهُ وَنُلَاقِيهِ فِي يَوْمٍ أَكْثَرُ

قریب مجھے ہیں مگر تمہیں حققت قرب یا اس حالت کو جو اس پر گزند ملی ہے اولک نہیں کر سکتے
 اس نیت میں سخن اصراف علیہ سے ملو یہ ہے کہ ہوتے حالکہ حاضر ہو کر اس کو ہادی بازگو میں
 لانے کے لئے اس کے ساتھ و ملکہ کرتے ہیں جس کا وہ حق ہوتا ہے مگر یہ تمام کیفیت
 حاضرین کی آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے کیونکہ اس کا انکشاف منافی حکمت ایمان بالاسباب
 ہے۔ نیز یہی منزل ہوتی ہے جس نے فائے کوٹے کرنا چڑھتی ہے۔ ملک الموت اپنا ہاتھ
 بڑھا کر کس کو قبض کر لیتا ہے اور اسے وہی خطاب کرتا ہے جس کا وہ باذن اللہ مامور
 ہوتا ہے۔ حاضرین سب پاس موجود ہوتے ہیں مگر وہ نہ تو اس حالت کو دیکھ سکتے ہیں نہ
 اس خطاب کو سن سکتے ہیں۔ اس لئے خوش کو سو گناہ سکتے ہیں جہاں ایمان کے لئے حالکہ
 اپنے کفن میں استقلال کو لے کر ہیں پھر ملائکہ دو صفوں کے وہ میان ہو کر اس کو عزت کے ساتھ
 لے جاتے ہیں۔ پھر روح قریب قریب اور مجتہد و تکفین کی حالت کو دیکھتی ہے اور جب جنازہ لے
 جاتے ہیں تو کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو؟ یہ سب کچھ نیست فی الواقعہ وقوع پذیر ہوتی
 ہے مگر حاضرین میں سے کسی کو اس کا علم و احکام نہیں ہوتا۔ پھر جب امدیں میت کو رکھا جاتا ہے
 اور اس پر مٹی دفن کر قبر کو سطح کیا جاتا ہے تو ملائکہ کو قبر میں جاتے سے کوئی چیز مانع نہیں آتی
 کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملائکہ کو ایسا طیف جم ہوتا ہے کہ اگر حقیر کو کسو کر میت کو
 اس کے اندر رکھا جائے اور اسے قلمی اور سیلے خوب بند کر دیا جائے تب بھی ملائکہ کا
 وہاں پہنچ جانا کوئی دشوار امر نہیں۔ وہ ایسا کم ہمتہ ہیں اسی طرح آ جاتے ہیں جس طرح ان سے
 فائے واقعہ ہو اس آئینے چھو گئے۔ بعد ازاں قبر کا سہیلے بصر تک وسیع ہوتا ہے
 دعا گویوں کے وسیلے فاصلت دنیا وہ تنگ ہوتا بالاعتدال صرح کے لئے ہوتا ہے اور
 جان اس کے تابع رہتا ہے اور غلطہ قبر یعنی قبر کا میت کو پہنچنا جس سے کہ اس کی پالیہ
 چھوٹے ہو جائیں حتیٰ کہ میں کوئی شک نہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ قبر کو کسو نے
 پرہیزت پرستوں نے لگائی ہے تو اس سے اس کیفیت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی

حکمت کا طرے صلوات بندھان کے لئے میت کو ویسا ہی دکھاتا ہے جیسا انہوں نے
اس کو قبر میں رکھا تھا کیونکہ ہم اوپر کچھ آئے ہیں کہ دار برزخ کے احکام دار دنیا سے
بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے تکذیب ان امور حقیقی جتنی خبر صادق سے خبر دی ہے
اور جن کو اہل کفر نے بسا اوقات مشاہدہ کیا ہے سراسر حماقت و حماقت ہے۔
(۷) یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ دار برزخ کی آگ دار دنیا کی آگ سے بالکل
بلند و نوعیت کی ہے اہل دنیا اس کا احساس نہیں کر سکتے کیونکہ اس آگ کی
حرارت دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ سخت ہے امید امر موجب حیرت ہے کہ وہ شخص
پسو و پہلو عقول ہوئے ہیں اور ایک آگ کے گرستے میں پڑا ہوتا ہے اور دوسری میں
بلاحت میں سادہ ایک پر دوسرے کی حالت کا کچھ اثر نہیں پڑتا جیسا کہ ہم نے اوپر
ایک بستر پر دو سوئے والوں کی مثال بیان کی ہے۔ علمائے اسلام میں سے
ایک صاحب نے بھی فرمایا اِنَّ اللہَ لَمِّنْ اٰیَاتِہٖ قَدْرِہٖ فِی حٰثِیَةِ الدُّلَاۃِ
اَعْجَبُ مِنْ ذٰلِکَ بَکَیْثُوۡرٍ وَّلٰکِنْ النُّفُوۡسُ مَوْلَعَةٌ بِالْمُکَذِّبِ بِمَا لَمْ یُحْطِیْہِ عِلْمًا
اِلَّا مِّنْ وَفْقَةِ اللّٰہِ وَعَصْفِہٖ "یعنی اللہ بزرگ و تعالیٰ نے ہمیں دار دنیا ہی میں بہت
سے اپنے آیات قدرت دکھائے ہیں جو مذاب القبر کی کیفیات سے کہیں بڑھ کر خوب
ہیں۔ لیکن عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جن امور کا انہیں خود علم نہیں ہوتا ان کی تکذیب کرنے
پر آمادہ ہو جاتا کرتے ہیں لا ماشاء اللہ (لہذا ان کا ذکر کرنا بے سود ہے)۔

مذاب القبر کا عام نام ہے احساس و ادراک سے محنتی رکھا جاتا ہے جس سے
انسانی ہے لوگاریا نہ ہوتا تو تخلیف اعلیٰ کی حکمت بالکل جاتی اور لوگ ایک دوسرے
کو دفن نہ کرتے چنانچہ حدیث صحیحین میں وارد ہے "لَوْ لَا اَنْ تَدْفِنُوْا الدَّعْوٰتِ اللّٰہِ
اَنْ یَسْعٰکُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَا یَسْبِغُ" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام
کہ مذاب قبر کی وہ کیفیت نظر آتی تھی جو دوسرے لوگوں کی نظروں سے مخفی تھی گئی

ہے اور یہی ہی چاہئے تھا کیونکہ اگر عامہ الناس اس کیفیت سے آگاہ ہو جائیں تو عمر بھر
 کبھی کسی کام کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ انہیں اپنی زندگی خوش معلوم ہو بلکہ تمام دنیا کے
 کاروبار بھڑکتے جائیں اور سلسلہ انکظام و ہم پریم ہو جائے۔ اسی امر کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام نے ایک حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں اگر تم لوگ دیکھ
 پاتے تو کچھ بھی نہ بنتے اور ہمیشہ دیا کرتے۔ چونکہ جان و دل اور بہائم کے لئے تعقیف
 اعمال کی حکمت مد نظر نہ تھی اس لئے یہاں اوقات انہیں عذاب القبر کا احساس ہو جاتا
 ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کا چہرہ ایک دفعہ ایک قبر کے پاس سے جس کے منہ قبر والا
 عذاب یار ہا تھا ڈر کر بے اختیار بھاگ نکلا۔ اور قریب تھا کہ حضور علیہ السلام کو گرا دے
 حافظ بن قسیم کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ محمد بن رزیز حرانی نے میرے پاس بیان کیا کہ میں
 شہر آمد رطابہ شام اسے باہر عصر کے وقت ایک بستل کی طرف جانا نکلا۔ آفتاب
 بالکل غروب ہوئے کو تھا کہ میں ایک گورستان میں جا با و اخل ہوا۔ گیا دیکھتا ہوں کہ ایک
 قبر میں سے ایک شعلہ آتش نکل رہا تھا جیسے کوئی آگینہ کا مدور کوزہ ہوتا ہے اور میت
 اس آگ کے اندر پڑی ہوئی تھی۔ میں یہ کیفیت دیکھ کر گنگ رہ گیا اور اس خیال پر
 اپنی آنکھیں ملنے لگا کہ کہیں یہ معاملہ خواب کا نہ ہو۔ پھر میں نے ادھر ادھر شہر اور دیگر
 نشانات کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں جاگتا ہوں سوتا نہیں۔ یہی کیفیت مشاہدہ کرتا ہوں
 میں اپنے گھر کو چلا۔ مگر میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہ تھے گھر والوں نے کھانا
 سامنے رکھا مگر میں نہ کھا سکا۔ اٹھا اور اس قبرستان کا شہر میں پہنچا گانا شروع کیا
 آخر معلوم ہوا کہ وہ ایک محصل کی قبر تھی جو لوگوں پر سخت ظلم اوتھ شہداء کیا کرتا تھا اور
 وہ اسی دن مرا تھا۔ مگر ایک منکر و بخری سے فاسقوں کو سکنا ہے۔

۱۰ واضح ہو کہ اس قسم کا مشاہدہ عام نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جیسا چاہتا ہے کبھی کبھی
 بعض الناس پر صلتا مشکوٰۃ کر دیتا ہے چنانچہ جن و ملائکہ کی بھی یہی کیفیت ہے

کہا ہے گھبت لوگوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں شخصی سے راوی
ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں غزوہ
بدر کے میدان میں جا رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص زمین سے باہر نکلتا ہے
اور دوسرا اس کو لوہے کی گرز سے مارتا ہے اور پھر وہ زمین میں دھس جاتا ہے۔

علیٰ ہدیوں ہی یہ مسئلہ جاری رہا اور میں چلا آیا۔ حضور پر نورؐ نے فرمایا کہ وہ اوہل
بن ہشام ہے جو قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔ ابن ابی الدنیا بروایت ہشام
بن عروہ عن ابیہ راوی ہیں کہ ایک شخص گھڑے پر سوار کہ اوسدینہ کے پاس سفر
کر رہا تھا کہ اتفاقاً ایک عورتستان پر اس کا گزند ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک قبر سے
جس سے شعاعے آتش نور سے نکل رہے تھے ایک شخص زنجیروں کے اندر جکڑا
ہوا نکلا۔ اور باواز بلند کیا کہ او مرد خدا! تجھ پر پانی ڈال۔ ایک دوسرا شخص
اس کے پیچھے لگا ہوا یہ کہتا تھا کہ دیکھنا ہرگز اس پر پانی نہ ڈالنا۔ وہ سوار یہ
کیفیت دیکھ کر فرش کھا گیا۔ اور اس کی ساری اس کو کسی دوسری طرف لے گئی
جب جھج ہوئی تو اس کے تمام بال باسے خوں کے سفید ہو گئے تھے۔ جب حضرت
عثمانؓ کے پاس اس واقعہ کی خبر پہنچائی گئی تو آپؐ نے فرمایا کسی شخص کو اکیلے
سفر نہیں کرنا چاہئے۔ اس واقعہ کے سنکر اہل واقعات مجھ معتر وایات سے
مروئی ہیں مگر ہم نے بلیہ تمثیل چند ایک کا ذکر کر دیا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم
ہو جائے کہ عذاب القبر کے متعلق جو کچھ خبر صادق نے فرمایا ہے حق ہے جس

لے میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مجھے ایک قبر کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا
میری ہر دو پٹیلیں کو کسی سخت طاقت محسوس ہوئی جیسے آگ کے اندر سے گزرا ہوں دیکھا تو ہر دو پٹیلیں
کے بال جل گئے آگ لاش تر تھوڑا دیر گزرتی ہی کہیں لاش کا پورا اٹھا ہوا تھا مٹھا ہوا نہ

میں شک کی ہرگز گنجائش نہیں +

روا شکرین خطاب القبر اگر اس مسئلہ میں غلط سے کام لیتے تو ہمیں ہرگز انکار کا موقع نہ ملتا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی دلدنیہ میں کئی ایک امور کو عام لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھا ہے حالانکہ ان کی حقیقت سے انکار کرنا معنی سمجھنا اور جہالت ہے۔ دیکھو جبرئیل علیہ السلام جناب پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آتے اور آپ سے ہم کلام ہوتے مگر آپ اس واسطے نہ تو انہیں دیکھ سکتے نہ ان کا کلام سن سکتے بعض حضرات میں مانگنے کا کفار کو تازیانوں سے یا اداوان کی گروہیں قلعہ کیں مگر مسلمان چہادیوں کو ہلاک نہ نظر نہیں آتے تھے۔ ہاں ان کے کائے ہونے سر زمین پر گرتے دیکھتے تھے۔ + جب اس کی تفسیر ہے کہ تمام انسانی مہلک ہلاک کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتیں +

ایہ۔ و ان من شی الا یسبح بحمدہ و لکن لا تفہمون فی حقہ۔
میں فہم کرو کہ کس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر ایک شے کی نسبت تسبیح پکڑنا فرمایا ہے مگر کیا ہم مشیاء کی تسبیح کا ادراک کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس آیت میں خبر دینے طبیعتوں کا یہ کہنا کہ تسبیح سے مراد ہر ایک شے کا اپنے سالن کے وجود پر ولایت کرنا مقصود ہے بالکل غلط اور بے معنی بات ہے کیونکہ اس صورت میں لا تفہمون کا لفظ باطل ضائع جاتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک شے کے اپنے سالن پر ولایت کرنے کو تمام مائل جانتے ہیں۔ پھر لا تفہمون کا کیا مطلب ہوا؟ پھر دوسری جگہ فرمایا انا سخرنا الجبال صفا یسبحن بالحق والاشواق۔ یعنی ولولہ علیہ السلام

سے تمام اشیائے کائنات ذات باری عزائمہ کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ پڑھ رہی ہیں مگر تمام ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ ۱۲ منہ +

کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو سطح کر دیا جو دن کے پہلے اور چھپنے حصہ میں دن کے ساتھ تسلیج
 لگا کر رہتے۔ کیا اس آیت میں پہاڑوں کے تسلیج بچاؤ کے یہ مراد ہے کہ ان کا وجود
 اپنے صانع حقیقی کی دلیل ہے؟ ہرگز نہیں۔ بجا ولادت علی الصانع کی تخصیص کے دو
 مخصوص وقتوں کے کیا معنی؟ پھر فرمایا۔ "یا حبال اوتی معہ" اس آیت میں بھی
 ہی عنصر من الذمہ آتے ہیں یعنی ولادت علی الصانع کے بے سمیت کی کیا ضرورت ہے؟
 بعض متکبرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں تا دیب سے مراد آواز کی گونج کا
 پہاڑوں سے کالوں میں مستانی دینا ہے مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام جب تسلیج بچا رہے
 تو پہاڑ کی گونج سے ویسی ہی آواز سننے والوں تک پہنچی ایسی پہاڑوں کا تسلیج کرنا
 خاصہ محمد بن قتل کے اندھوں سے کوئی یہ تو بچہ کہ یہ کیفیت ہر ایک شخص کی آواز کے
 لئے ہے یا داؤد علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھی؟ اگر ہر ایک کے لئے ہے تو پھر
 داؤد علیہ السلام کے لئے اس امر کو کیوں بطور اہتمام کے مخصوص کر دیا؟

پھر دوسری جگہ ارشاد فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
 فِی الْاَرْضِ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ وَالدَّابُّ وَکَثِیْرٌ مِّنْ اَنْسَامٍ
 یعنی تمام اشیائے عارضی و مادی اور جاندار و روح اور نباتات اور پہاڑ اور وحشت اور
 چوپائے اور اکثر انسان اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرسجود ہیں مگر اس بیت میں سجدہ
 ولادت علی وجود الصانع مراد ہے تو اکثر آدمیوں کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی یا چونکہ
 ہر ایک آدمی یہ حیثیت ملوق ربی کے لئے خالق کی سبقت پر شاہد ہے اس لئے
 مزبور ہے کہ مجھ سے حقیقی سجدہ مراد جو جس کی کیفیت کا ہر ایک شے کی نسبت ہم لوگ
 نہیں کر سکتے پھر فرمایا "اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاَنْجِلُ
 مَا قَامَتْ لَکِن قَدْ عَلِمَ صَدَقَہٗ وَتَبَیَّہٗ" یعنی آسمانی اور زمینی کائنات اللہ تعالیٰ
 کی تسبیح بجا رہتی ہے اور پرستے ہر اس قطار و قطار کرتے ہوئے تسبیح پکارتے ہیں

ہر ایک چیز اپنی اپنی نماز اور تسبیح کو جو اس سے مخصوص ہے جانتی ہے (اور سب جانتی ہے)۔
 اس نماز و تسبیح کی حقیقت کا گوہر اداک نہیں کر سکتے مگر اس کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا
 پھر فرمایا کہ بعض تجر غنیت اپنی کئی وجہ سے اپنے مقام سے گر پڑتے ہیں۔ علیٰ ہذا زمین و
 آسمان کی نسبت "اتینا طائینین" مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ کلام کہتے ہیں جس
 کی نوعیت کا اداک محض اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کیوں وہ جلتے ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم لیا
 اوقات اس کھانے سے جو مائے رکھا جاتا تسبیح سننا کرتے۔ یسوعن حنا کا قصہ جو
 جناب پیغمبر علیہ السلام کے فرق میں رقتا تھا مشہور ہے۔ ان نظائر صریح کے وجود پر کسی
 شخص کا مذاق اقبیر سے محض اس لئے انکار کرنا کہ ہم کو اس کا احساس نہیں ہوتا محض حیات
 ہے جبکہ مذکورہ بالا بے جان اشیاء میں اللہ تعالیٰ نے احساس و شعور کا مادہ و ولایت رکھا
 ہے تو مرتبہ اولیٰ کے اعلیٰ کے جسمیہ کا مذاق پانا جنہیں پہلے شعور و ادراک سے تعلق
 تھا بعد کو نسی عجیب بات ہے؟ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ روح کو جسم سے موت کے بعد
 بہت دور ایک تعلق نامعلوم رہتا ہے اور روح کو تمام امور نیک و بد کا ادراک ہوتا ہے بلکہ
 اس سے زیادہ واضح نظائر قرآن مجید میں اس وعدی کے اثبات کے لئے موجود ہیں
 مثلاً کہی ہزار آدمیوں کا سمیت کے قد سے شہر کو چھوڑ جانا اور دن کا مریا اللہ اللہ تعالیٰ
 کا انہیں پھر زندہ کرنا یا مثلاً وہ شخص جو ایک بستی پر گنہگار ہو جائے دیار ہو چکی مٹی دیکھ کر
 کہنے لگے کہ یہ لوگ کیوں مگر زندہ ہو گئے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کو موت دی اور تسو سال کے
 بعد زندہ ہوا تو کہنے لگا دن یا دن کا کوئی حصہ وقفہ گذرا ہے حالانکہ اس مرتے پہلے
 تسو سال ہو چکے تھے۔ یا مثلاً بنی اسرائیل کو مقتول جس کے قتل میں اختلاف ہوا یا
 مثلاً وہ لوگ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھنے کی استدعا
 کی سب کے سب مکرر دوبارہ زندہ ہوئے۔ یا مثلاً اصحاب کعبہ جو انہاں ہر مرتے تھے
 مگر زندہ ہی تھے۔ یا مثلاً ابوہریرہ علیہ السلام کا چار جانوروں کو ذبح کیے ہر ایک کو بلانا

اور ان کا زندہ ہو جانا۔ یہ ایسے قضا کر رہیں جن سے بجز ایک محمد کے جو تکوینات باطلہ کا عادی ہو کوئی شخص نکلا نہیں کر سکتا۔ کیا ان عجائبات کے مقابلہ میں قبر کے اندر میت کا زندہ ہو کر مذاب پانا زیادہ عجیب آگیز ہے گو ہمیں اس کی کیفیت کا احساس نہ ہو۔

از ناظرین کو یہ امر بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مذاب و نعیم سے خارج ہونے کے مذاب نے نعیم ملا وہیں۔ اور یہ خارج ہونے وہی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ساتھ جس کی طرف قرآن مجید میں الفاظ اشارہ کر رہا ہے۔ وَمَنْ ذُو الْأَيْمَنِ بِرَبِّهِمْ أَلَىٰ يَوْمِهِمْ يَبْعَثُونَهُ فِي دَارٍ مُّزْنٍ میں جو فطرت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ درد دنیا کی فطرت سے نیا و لطیف و نلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص سولی پر چڑھایا جائے یا ڈوب جائے یا جل کر خاک ہو جائے یا کوئی زندہ اسے پھاڑ کر کھا جائے تو ان سب صورتوں میں مرنے والے شخص کو دار ہرنے کی زندگی ضرورتاً حاصل ہوتی ہے اور جہاں جہاں کسی مرنے والے کے اجزائے جسمیہ ہوتے ان سے جسم ہرنے کی تیار ہو کر مرد و عذاب و نعیم ہو جائیگا۔ سو اگر کسی شخص صلح کو تنور میں پھینک دیا جائے اور وہ جل کر مر جائے تو نعیم جنت اور ہر ایک طرح کی آسائش اس کے لئے ہیں جتنی ہوتے اور اگر کسی غاسق یا کافر کو کسی باغ و بوستان میں دفن کیا جائے تو مذاب مذاب اس کو وہیں جلائیگی۔ پھر صورت اللہ تعالیٰ کے عذاب و نعیم کے لئے کئی ایک طریق ہیں۔ کیونکہ خدا مہر عالم اور جملہ اشیاء اس کی مخلوق اور مطیع ہیں۔ اور وہ ان میں حسب ارادہ تصرف کر سکتا ہے اور اس کی حکمت کے مطابق عل و مظاہر کا کسی انسان سے حصہ نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث صحیح میں وارد ہے کہ انبیائے سلطنت کی امتوں میں ایک شخص نے مرتے وقت اپنے اقارب کو وصیت کر دی تھی کہ مجھے جلا کر میری ہاتھ کچھ تو ہوا میں اڑا دینا اور کچھ دریا میں بہا دینا۔ پناپہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کچھ اور ہاتھ کچھ بر کو اس کے اجزائے جسمیہ کے جمع کر کے حکم دیا۔ پناپہ اس شخص کے اجزائے جسمیہ سے جسم تیار ہو گیا تو اس میں

روح ہر وی اور اس سے سولی کیا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے
 تیرے غلاب سے پچنے کے لئے میں نے ایسا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی غرت کی
 حالت پر اس کو مغرت دے دی۔ اس بیان سے آنا تو معلوم ہو گیا کہ ایسا ہی جہنم کا منظر
 ہونا غلاب بنسرخ سے ملنے نہیں ہو سکتا۔

(ح) یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ موت مساوی ہے اور اسی کو بعثت اول بھی
 کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے دو معاہدہ مقرر کئے ہیں جن میں جزا و سزا
 پہنچتی ہے بعثت اول تو وہ ہے جبکہ روح کو اس کی کل معصی سے مغفرت ملتی ہے
 اور بدنامی کی طرف منتقل ہو کر حسب اعمال غلاب و نسیم کا موروثی ہے مگر طبعاً
 میں پورا غلاب و نسیم نہیں جوتا بلکہ پورا غلاب و نسیم بعثت ثانی کے وقت ہوگا اور وہ اس
 وقت ہوگی جبکہ پھر روح کو جہنم سے احوال دیکر حساب و کتاب لیا جائیگا ایسی
 بعثت ثانی ہے جس پر ایمان نہ آیا ہر ایک انسان کے لئے فرض ہے اور اس کا منکر کافر۔
 اس امر کا ثبوت کہ پورا غلاب و نسیم بعثت ثانی کے وقت بعد از حساب ہوگا آیہ ۳۰
 نفس ذائقة الموت و انھا قونون لبعور کما یومر القیامۃ سے ثابت ہے۔ ان
 ہر دو بعثت اول و بعثت ثانی کو قرآن مجید میں جایجا ذکر کیا گیا ہے اور اصطلاح مذکور
 میں ان کو قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ قیامت صغریٰ
 کا ذکر سورہ مؤمنین سورہ واقعہ سورہ قیامت سورہ مطففین سورہ فجر وغیرہ میں
 آیا ہے اور قیامت کبریٰ کا ذکر تو شروع سے آخر تک موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت
 کا طریقہ یہ ہے کہ اعمال حسہ اور اعمال شیعہ کی جزا و سزا اسی وقت سے شروع ہو جاتی
 ہے جبکہ نعرہ اس کی کل معصی سے عائد ہوئے لگتی ہے۔ اس لحاظ سے دار بعثت

گو یا ہذا الجہاں ہے اویسی مذہب نعیم قبر کا موقع ہے جس کی نسبت جناب پیغمبر علیہ السلام نے
 ارشاد فرمایا سفینۃ فی الباطن الی الجنة فیاتیہ من روحھا ونعیمھا یعنی مومن
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جہنم کے وہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو ایک روزانہ جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے
 جہاں سے اس کو جنت کی راحت و نعمت پہنچتی رہتی ہے اور فرشتہ حق کی نسبت فرمایا سفینۃ
 الذباب الی النار فیاتیہ من حرھا وسمومھا یعنی ہر روز قہر و عذاب قبر میں رکھا
 جاتا ہے تو جہنم کی طرف سے اس کے لئے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے جہاں سے
 اس کو دوزخ کی حرارت اور سخت گرمی پہنچتی رہتی ہے۔ اور اس نعیم و عذاب میں روع
 اور جسم ہر دو شریک ہوتے ہیں جب اس کی یہ ہے کہ گناہ یا نیکی کرتے وقت بھی دونوں
 شریک رہتے۔ پھر عیب قیامت کبریٰ کا دن ہوگا تو انہیں صولوں کے راستہ سے وہ
 اپنے اپنے ٹھکانے پر جا کھڑے ہوں گے۔ اہل باطن جن کے قلوب شوائع و نیلے
 باطل پاک میں ملن ہر دو کینیاں کو دار و دنیا ہی میں محسوس کر لیتے ہیں۔ ہاں مرنے پر
 یہ احساس زیادہ قوی ہونے لگتا ہے اور قیامت کبریٰ کے دن کھلم کھلا نمایاں ہو کر
 یکساں ظہور فرمادینا ہوگا۔

(ط) بعض فاضلین کا خیال ہے کہ مذہب القبر کو قرآن مجید میں صراحتاً بیان نہیں
 کیا گیا بلکہ اس پر ایمان لانے والے ہی سے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 جناب پیغمبر علیہ السلام کو تمام ضروریات دین اور متعلقات حق کی بندہ دینی مطلق
 تعلیم دی اور حضور نے بلا کم و کاست امت مرحومہ تک اس کی تبلیغ کر دی۔ اور
 یہ ایک درجہ عظیم ہے جس پر تمام شریعت اسلامی کا مدار ہے اور ہی مسلمان کو اس میں شک
 کی گنجائش باقی نہیں۔ حضور علیہ السلام قرآن شریف کے مفسر حقیقی ہیں۔ پس جو کچھ مذہب القبر
 کی آیات، مجملہ کے متعلق احادیث صحیحہ میں مفصلاً مذکور ہوئے ہیں حق ہے اور اسی پر ایمان لانا
 واجب ہے۔ نہایت حضور علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ اُوتِیتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ

یہی بھلا ان شریف رجوعی نامق ہے) کے ساتھ سنت صحیحہ (جو وحی نفعی ہے) اور جو
 عمل اعتدالیں احکام قرآنیہ کے ساتھ ہی محدود ہے وہی گئی ہے پس احادیث صحیحہ آیات
 قرآنیہ کی تفسیر ہیں اور جن مفسرین کے قول پر ایمان واجب۔ ذیل میں ہم ان آیات کو قلمبند
 کرتے ہیں جن میں عذاب القبر کا ذکر آچکا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْقُلُوبُ نَافِثَاتٍ
 فِي غَمَرَاتٍ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ صُدُّوا عَنْكُمْ يَوْمَ تَخْرُجُ الْفُتُكَةُ الْيَوْمَ تَخْرُجُونَ
 مِنْهَا أَبْهَتُونَ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غِيَرًا لَّحِقَ الْوَكَافِرُونَ" (آیات مشکوٰۃ)
 اس آیت شریف سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب ظالم لوگ شدید موت میں گرفتار ہونگے
 اور ملائکہ عذاب قبض میں لے کر آئے ہونگے تو ان کے سروں پر کھڑکے ہونگے تو
 انہیں کہیں گے کہ کیا اب تم لوگوں (جہنم) کو بچنے و بچانے کی تم قوت کا عذاب دینے جاؤ گے
 بعد ان بطل امور کے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا کرتے اور اس کی بات سے
 بُری اگر کے ساتھ نہ پھیر کر چل دیا کرتے تھے۔ اس آیت میں الفاظ "اليوم تخرجون" سے
 وہی دن مراد ہے جس دن ایمان کی نجات قبض کی جائیگی اور یہی عذاب القبر کے کچھ
 قیامت کی نرنی کی نسبت جو بھی واقعہ نہیں ہوئی "اليوم" کہنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ پس
 کہاں کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ عذاب القبر کا ذکر قرآن مجید میں مرقا مذکور نہیں ہے۔ پھر
 دوسری جگہ فرمایا "فَوَقَّاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ سَامِكًا" اور حلق بال فرعون "سَوَّاهُ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ساری برائیوں کو مٹا دیا اور فرعون کی برائیوں کو بھلا کر دیا)
 کو بدترین عذاب سے آگیا اور پھر فرمایا: "فَتَنَادَىٰ بِرَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ أُوْصِيَا" (یوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب)۔ یعنی فرعون کو سزا
 صبح و شام آگ کے سامنے لایا جاتا ہے اور جب قیامت کبریٰ کا دن ہوگا تو حکم

ہوگا کہ فرغیوں کو جہنم کے سخت عذاب میں داخل کرو وائے آیت میں الفاظ توبہ و تقوہ
 الساعۃ نے فیصلہ کر دیا کہ قیامت کے دن سے پہلے بھی فرغیوں کو صبح و شام عذاب
 کیا جاتا ہے۔ ہم ہذا بعد بھی آیات اس بحث کے لئے موجود ہیں۔ اختصاراً اسی پر کفایت
 کی گئی +

دسی : اس امر کا واضح کر دینا ضروری ہے کہ وہ کون سے ایسے اسباب ہیں جن پر
 عذاب قبر ہوتا ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدم معرفت اور اس کے
 احکام و لوہی کے توڑنے پر عذاب و ماحزوری ہے اور خصلتوں سے کہ احادیث صحیحہ
 سے مشتق ہے کہ چٹلی کھانے۔ نجاست بول سے طہارت نہ کرنے۔ بلا طہارت نماز
 پڑھنے۔ عجم شریعت سے آگاہ ہو کر اس پر عامل نہ ہونے۔ غازیہ میں تاخیر کرنے۔ نکاح
 اولاد کرنے مجلس میں تصنع اور تکلف سے تقریر کرنے۔ سوکھانے۔ مال یتیمی کو
 چھانڑ ملو پر مضحک کرتے۔ زنا کرنے۔ بغیبت کرنے۔ کسی کی عزت و آبرو میں طعن کرنے
 مال غنیمت میں خیانت کرنے۔ عجم سے کسی کا مال اڑا لینے۔ رشوت کھانے۔ جھوٹ
 بولنے۔ بیجوبی شہادت دینے کسی شخص کو تہمت زنا لگانے۔ لواطت کرنے۔ چوری
 کرنے۔ جہر و مکر و خیانت کرنے۔ حلال کھانے اور کھولنے۔ فرائض کے محو کرنے مسلمان
 کو اذیت پہنچانے مسلمان کی عیب بولی کرنے۔ خلاف شریعت حکم نافذ کرنے نفیس معصوم
 کو ہلاک کرنے۔ صفات و ذات باری کے متعلق عقائد باطلہ کی شناخت کرنے میت
 پر نوحہ کرنے۔ ناچ رنگ کی مجلس میں شامل ہونے قبور پر ساجد بنائے اور چار رخ
 جھڑنے۔ کم تو لے یا لمپے صفت مسابین پر زبان بھنڈ کر کے۔ کابن و عجم سے
 غیب و یافت کرنے اور اس کی تصدیق کرنے۔ آیات اللہ کی تذکیر پر مٹا ہی سے

باز نہ آئے قرآن مجید پر انقرض کرنے۔ جب کوئی قسم کھائے شریعت کا خوف دل
سے اٹھا دینے۔ بخش گئے۔ قدرتِ حق پر راجع اعادہ کرنے۔ حلال و حرام میں امتیاز
نہ کرنے۔ قلعہ گم کرنے۔ میسین و عجم پر رحم نہ کرنے۔ کیا کرنے۔ عتوق و اذن کرنے
امر و نہی سے روکنے پر عذاب و عجز و رسی ہے۔ چونکہ اکثر لوگ منجملہ مذکورہ بلا گناہوں کے
کسی دیکھی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے عام طور پر تمام لوگوں کے لئے حکم و عتاب
عذابِ قبر ہوتا ہے۔ اگرچہ بظاہر قبر کو نہایت متبرک و مطہر کا بنا دیا گیا ہے لیکن اگر صاحبِ قبر
بلا و برہم رہے تو وہ عذابِ قبر بھگتے گا۔

۱۔ (ک) بالآخر ہم یہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ عذابِ قبر سے بچنے کے لیے ہر شب سونے
سے پہلے عاصیہ نفس کرنا چاہئے اور دن بھر گئے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنی
چاہئے۔ اور یہ نیت کرنا چاہئے کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ توبہ کے بعد
ذکر تسبیح و تحمید و تہلیل کیسے ادا کرنا شروع کر دے۔ ہر شب سونے سے
پہلے سورہ کلمہ کا پڑھنا عذابِ قبر سے امان کا موجب ہے جیسا کہ احادیث میں وارد
ہے۔ ہر صوبہ توبہ پس کوئی عمدہ و اعلیٰ نیت و نیت خیر عذاب سے بچنے کے لئے
مستحب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو توفیق دے۔ آمین!

منہج الاسرار

نہایت قدیم سے حکماء اس مسئلہ پر بحث کرتے چلے آئے ہیں کہ انسان کے سر جانے
پر اس کی روح ایک بدن سے کسی دوسرے بدن کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ حکماء یہ بیان
میں بھی بعض لوگ متنازعہ کے قائل تھے اور بعض دوسرے کے سب آدمیوں کے قائل ہیں۔ مگر

صحیح یہ ہے کہ اس دعویٰ کے ثبوت میں جو باطل مشائخ جلتے ہیں وہ منہ غلیات کی حد تک
محدود ہیں۔ کوئی جنسی دلیل کج نمک اس دعویٰ کے متعلق پیش نہیں کی گئی۔ خود کرنے سے معلوم
ہو گا کہ مسند تلخیص اور مآخذ کے مسلمانوں نے انسانی ہر دو کا مآخذ مسند قدم عالم ہے اسلام
پاک میں مسند کی کوئی اصل نہیں۔

تائید تلخیص نے تلخیص کی مختلف صورتیں قائم کی ہیں بعض تو اس بات کے قائل ہیں
کہ جب منافی مع اپنے کلمات کے تمام دلائل کو طے کر رہتی ہے تو پھر آگاہوں سے حدیث کیلئے
نجات پالیتی ہے اور کلمات میں ناقص ہونے کی صورت میں وہ ایک منافی میں سے صحت
منافی میں کی طرف منتقل ہو رہتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کمال تک پہنچ جاتی ہے۔
اس کو ان کی اصطلاح میں نسخ کہتے ہیں۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر روح اپنے کلمات
میں ناقص اور اخلاق ذمہ میں مبتلا ہے۔ تو انسانی وجہ سے تو گر کسی ایسے جہل کے
بین سے تعلق حاصل کرتی ہے جس کو ان اخلاق ذمہ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے مثلاً
بزرگی کی روح خروگوش کے جسم میں اور بھکاری کی روح لومڑی کے جسم میں اور بھکاری کی روح شیر کے
جسم میں وغیرہ نکال کر اس سے متعلق کو ان کی اصطلاح میں نسخ بولتے ہیں اور اگر باقی اجسام کی
طرف روح منتقل ہو تو اسے اصطلاحاً نسخ کہتے ہیں۔ اور اگر باقی اجسام کی طرف منتقل ہوں
تو اسے نسخ بولتے ہیں۔ تلخیص کی ان چاروں صورتوں کا حکائے اسلام نے اپنی کتابوں
میں ذکر کیا ہے۔ ان چار غائب شہرہ کے علاوہ بعض لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ کلمات
کے فیض کا پہلا منظر نباتات ہے۔ اس لئے روح سب سے پہلے نباتاتی جسم میں ظاہر ہوتی
ہے۔ پھر نباتات سے منتقل ہو کر حیوانی جسم میں اور پھر حیوانی جسم سے منتقل ہو کر انسانی جسم میں
پھر انسانی کلمات کے ناقص دلائل کو تجدید طے کر کے بالآخر اصلی کلمات کے انسانی جسم
میں منتقل ہو کر آئندہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر رہتی ہے۔ اگر وہ ان روح معبرہ کا قائل
ہوتا۔ تو یہ صورت باطل اس کے نظریہ کا مشی ہے۔ غالباً مآخذ نے اسی خیال کو ایک

مفسر اختلاف کے ساتھ اپنا مذہب ضروری اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں متبوعی
 کا اپنا مذہب نہیں اس مسئلہ میں ایک یہ مذہب بھی ہے کہ بعض روحیں انسانی جسم سے علیحدہ ہو کر
 ابداً سماویہ یعنی لوگوں کے ساتھ تعلق حاصل کر لیتی ہیں۔ مگر مذکورہ بالا مذہب سب کے
 سب اسلامی شریعت کے برخلاف ہیں اہل حق تعالیٰ کی توحید و استغفار پر مبنی تھیں۔ یہ لوگ
 سب سے بڑی حجت پر پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم انفرادی تعلق کے حالات میں جب نظر کرتے
 ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ امیر اور مرفہ الحال ہیں۔ جو ہر طرح میں عشرت میں زندگی
 بسر کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں جو تنگ دستی اور محبت اور مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا
 ہیں ایسے اختلاف احوال صحت اس امر کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنی اس زندگی سے پہلے نیک عمل
 کر کے موجودہ زندگی میں آرام پاتے ہیں۔ یا پہلی زندگی میں بد اعمال کے مرتکب ہو کر اس
 زندگی میں رنج اور کھٹا پاتے ہیں۔ ہنہ اس اختلاف احوال کی اور کوئی وجہ نظر نہیں
 آتی۔ مگر ایک عاقل جو اصول استدلال سے آگاہ ہے اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ دلیل
 کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ اثبات دلیل کی مستلزم ہو۔ یا یوں کہو کہ دلیل و دلائل میں دلیل
 لازم کا مقرر ہونا ضروری ہے۔ مثلاً مذکور میں غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس سے نتیجہ
 مطلوبہ یعنی اثبات تسخیر ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اختلاف احوال نیکیت بہ
 اعمال کا نتیجہ نہیں بلکہ حکمت خداوندی اس بات کی مقتضی ہے کہ موجودات عالم کے احوال
 میں یکسانیت اور مساوات نہ پائی جائے۔ کیونکہ اس کے برعکس سلسلہ نظام عالم ایک
 دین بھی قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صفات ذات باری میں غور کرو۔ کہ کس طرح متنوع و دفع
 ہوئے ہیں۔ اور یہی اس ذات کمالات لامتناہی کی دلیل ہے کیونکہ یہ امر مسلم ہو چکا ہے
 کہ جس قدر کوئی موجود صفات متشابهہ یا سہ ہونگا۔ اسی قدر وہ زیادہ نقصت بہمال ہوگا۔
 ذات باری کی صفات میں مکمل و غیر متماثل و باسطہ ظاہر و باطن اول و آخر۔ یا دی۔
 متصل و غیر ذلک اس میں تشابہ و کاپہ سے بے بہرہ ہیں۔ ان اساتے حشر کا غور موجودات عالم

میں عاویجا تقرر رہا ہے۔ مطلب ہے کہ کبریا کی جبل نے اس مخلوق کو تسخیر پر مجبور کر دیا
جب علت اختلاف وہ صہری جو ہم نے بیان کی تو اب مدعی کا فرض ہے کہ وہ ثابت
کرے کہ علت انکسوف صفات ذات بدی نہیں بلکہ پہلے جنم کے احوال کا نتیجہ ہے مگر
یہ ثابت کرنا تو ہے کہ پہنچنا ہے +

اور یہ خیال کہ بعض حیوانات کے حرکات و سکنات اور علامات اور تمیز معانات و
موافق و غیر ایسے قرائن موجود ہیں۔ سچ مستغنی تسخیر کے مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ بعض
ایک تلمیذ خاص ہے جس کی میزان محبت میں کوئی وقت نہیں۔ حیوانات خدا تعالیٰ کی
عبادت و خلاق ہے اگر ان میں ایسے صفات موجود نہیں۔ تو وہ زندہ کیسے رہ سکیں۔ ان
کے ایسے صفات کو تسخیر اس طرح کی تفسیر قرار دینا حکمت خداوندی سے انکار کرتا ہے۔ ہم
نے آج تک قائلین تسخیر کے جس قدر عقل کا مطالعہ کیا ہے کوئی بات ان میں قابل
اعتماد نظر نہیں آئی بلکہ ظن فاسد سے یہ لوگ اس کے قائل ٹھہرے ہیں جس کی بنا بعض
قانون تشابہ پر قائم کی گئی ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسانی زندگی کے مختلف مراحل
میں ایک مرحلہ دنیوی زندگی کا بھی ہے جو اس کو اس عالم مہمانی کی صورت میں طے کرنا پڑتا
ہے۔ بعض طرح ایک مرحلہ کے طے ہونے پر وہ اس سے پہلے مرحلہ کی طرف واپس نہیں
جاسکتا مثلاً شباب سے عقلی کی طرف اس کا عود کرنا محال ہے اسی طرح دنیوی زندگی
کے مرحلہ کے طے ہو جانے پر پھر وہ دنیوی زندگی کا مرحلہ دوبارہ طے نہیں کر سکتا بلکہ اس
سے اگلے مرحلہ کی طرف اسے متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے پہلے پاس کوئی یقینی دلیل
ہے جس سے جہانی زندگی کی طرف عود کرنا ثابت ہو پائی نہیں جاتی +



حیوانات کا قتل و ذبح

ہیں اس مسئلہ پر بحث کرنے کی کچھ ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اس کا عقائد اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ہندو مذہب کے بعض فرقوں کا یہ عقیدہ ہے چونکہ بعض ناواقف لوگ مسلمانوں میں بھی ایسے پائے گئے ہیں جو اس عقیدہ کے موید ہیں لہذا مختصراً اس کے متعلق چند سطروں کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

یہ خیال کہ حیوانات کا قتل و ذبح ایک قسم کی بے رحمی اور سنگدل پرہیزی ہے جس سے انسان کا اپنے حفظ نفس کی خاطر غم کرنا پایا جاتا ہے۔ ایک نہایت جاہلانہ خیال ہے جو حکمت خداوندی کے سرسری سنائی ہے اسی خیال کے رُو سے بعض اقوام عالم کچھ عقیدہ ہے کہ صلح ایک نہیں بلکہ دو ہیں ایک تو خیر کا خالق ہے اور دوسرا شر کا اور حیوانات کا ذبح و قتل خالق شر کے متعلق ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حیوانات کا ذبح و قتل کسی سببی جنم کی عقوبت پر مبنی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو متلاخ ادواح کے قائل ہیں اور بعض لوگ اس کی علت کے دریافت کرنے سے اپنے تئیں عاجز تسلیم کرتے ہیں مگر یہ سب باتیں قانونِ الہی کی حکمت اور مصلحت سے ناواقف ہونے کا نتیجہ ہیں۔ عقائد اسلام میں ان کو کوئی جگہ نہیں اگر یہ لوگ اس امر میں غور کرتے کہ حکمِ ربّیٰ ربا ما خلقت هذا ابلاہ علم الحشرات میں کوئی ایک شے بھی ایسی نہیں نظر آتی جو مخلوق خدا کی منفعت عامہ کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات اسی مائدہ مصلحت میں جزئی ضرر بھی پایا جاتا ہے۔ اور ایسا ہونا عالمِ مادیات کی فطرت کے لئے ایک لازم ہے۔ مثلاً بابرین رحمت کے مفید مام ہونے میں کسی کو کلام نہیں مگر کون کر سکتا ہے کہ اس کے ساتھ جزئی ضرر شامل نہیں ہوتا۔ ایک مانند بڑھیا کا عبور و اتباہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک سہل کر باغ و پارک

تو درمیتا ہے۔ آمد و رفت مسافروں میں تعلیم کا پیش آنا اور بے اوقات مل و متاع کی
 تباہی ایسے وقتوں میں جن کا شاہد ہر ایک شخص کر سکتا ہے۔ مگر کسی کسی عقل مند
 بھصا کی زبان سے یہ نہیں سنا گیا کہ نزول بابائے نزول غلاب ہے تو کبھی ہون کے
 ایسے لغو عقیدہ اور بے منہ خیال کی تائید کا موقع نہ ملتا۔ کیونکہ ذبح و قتل حیوانات
 میں بے شک بظاہر ایک سید روانہ سلوک پایا جاتا ہے مگر اس کے ضمن میں جو بشیار
 مصالح مضمر ہیں وہ عین حکمت خداوندی کا نتیجہ ہیں۔ قانون تنازع البقا کی اصلیت پر
 غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ذبح و قتل حیوانات سے مقصود بالذات ظلم و سیرحمی نہیں
 بلکہ صالح حیاتی نے عالم کائنات میں ایک ناقص مخلوق کو کسی دوسرے کامل مخلوق کی
 بقا کا سبب بنایا ہے اور اودنی درجہ کے موجودات کو اعلیٰ درجہ کے موجودات کے
 بے ملج و مسخر کر دیا ہے کیا نباتات میں موع نباتی نہیں ہے پھر کیوں اسے حیوان
 کی غذا بنایا گیا کہ یہ ظلم نہیں ہے؟ اسی طرح ناقص درجہ کے حیوانات کو کامل درجہ کے
 حیوانات کا مادہ غذا بنایا گیا ہے۔ اور قانون تنازع البقا کا جس کی عزت اور تائید
 میں آج کل محققین نے جیسے مباحث حلیہ قلم بند کئے ہیں یہی منشا ہے کہ اودنی موجودات
 اعلیٰ اور شرف موجودات کی بقا کے لئے مادہ غذائے سچا پئے۔ قانون فطرت کے ایسے اہم
 نتائج کے مقابل میں دو صالح خیر و شر کا ماتا یا کسی سپے جنم کی عقوبت کا قائل ہونا محض
 ایک نابطلہ اور سینہا خیال ہے۔ مگر نباتات حیوانات کی غذا نہ ہوتی اور اودنی
 حیوانات اعلیٰ حیوانات کے لئے مادہ غذائہ ہم نہ بنائیں تو اس کا خدو سی نتیجہ یہ ہوتا
 کہ نباتات اور حیوانات مردہ ہو کر شر جاتے اور عفونت کے عام ہو جانے پر اس قدر
 و بائے عام اور مختلف قسم کی بیماریاں دنیا میں پھیل جاتیں کہ انسان کی ہلاکت تک تو بہت سچ
 جاتی۔ تنازع البقا صرف نباتات اور حلی کے حیوانات تک ہی محدود نہیں بلکہ
 وسیع سمندوں میں بھی یہی کیفیت مشاہدہ کی جاتی ہے۔ چھوٹے مچھلیاں بڑے مچھلیوں کی

کے لئے مامور لڑائی میں پہنچاتے ہیں۔ مخالف حقیقی سے انسان کو شرف کائنات پیدا کیا ہے اس کے لئے خالق نے مافی السواض جمیعاً اور میں سرخوان بچایا ہے پھر کہہ کیسے کوئی قلعہ آدمی جو انسانی دولت مادی کی حکمت سے آگاہ ہو حیوانات کے ذریعہ قتل کے جزئی ضرر کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا کرنا ظلم اور ہیروئی پر مبنی ہے۔ اگر یہ لوگ غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انسان کے اس فعل میں صرف اس کی اپنی ذاتی منفعت ہی نہیں بلکہ خود ان حیوانات کے حق میں بھی مفید ہے۔ کیونکہ یہ تو یقیناً معلوم ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں رہیں گے اس لئے جو اس کے کدنیوں میں ان کی کثرت اس وجہ تک پہنچ جائے کہ میدانوں اور جنگوں میں ان کی گنجائش نہ ہو سکے تو خود انہیں کے ساتھ ایک سرخوایا ہو جائے۔ اور یہی موت مر رہی اور انسان کو بھی ساتھ لے مر رہی۔ اسلام پاک نے ذبح و قتل حیوانات کی اجازت عام عطا فرما کر قانون تبارک و تعالیٰ کی تصدیق کر دی۔ اسی قسم کے حکم اور مصالح کو دیکھ کر کہ کر جو احکام شریعت میں مضمر ہیں ہم نہایت تقدس کے ساتھ یہ کہا کرتے ہیں کہ دنیا کا آئندہ ذریعہ موت اسلام پاک ہی ہوگا۔

کون کہتا ہے کہ انسان کا مقاصد کے طور پر قتل کئے جانے اس کے لئے ضرر نہیں بلکہ اصول تمدن معاشرت و سیاسیات اس امر کے متفق ہیں کہ ایسا کیا جائے۔ ورنہ مخالفین کے خیال کے مطابق ضروری ہے کہ اگر کوئی طرح کی ایسی ہتک بیدی میں مبتلا ہو جس پر اگر کوئی عمل جراحی کرنا ضروری ہے تو ممکن نہیں کہ اس سے کوئی نقص ہوگی بل جراحی سے روک دیا جائے۔

ہمیں قتل و دہشت بیاد کر سیت

اس قسم کے عقائد عموماً نام مذاہب بالہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کے قلع و قمع کے لئے صرف قرآنی تعلیم ہی منکفل ہے۔

عالم رنخ

چونکہ عالم رنخ کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے چنانچہ فرمایا: *وَمِنْ دَرَجَاتِهِمُ الْمَرْتَدُّ* یعنی ان کے آگے برنخ ہے جہاں انہیں قیامت تک رہنا ہو گا اس لیے ضروری نظر آتا ہے کہ اس کے مطلق مناسب تشریح کی جائے جو معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کو پیدا ہونے کے بعد جن عالم سے گذر کر اپنی انتہائی منزل تک پہنچنا ہے۔ اول عالم حس میں جو عالم شہادت بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جو اس کے قریب مشاہدہ میں آتا ہے اور وہ بھی حیات طبعی کا عالم ہے جو امتداد میں رہ کر پوری کرتا ہے۔ اس عالم کا مظہر جو اس قسم کا ظاہری ہے۔ وہ عالم خیال میں جو عالم مثال اور عالم غیب بھی کہتے ہیں اس عالم میں انسان حیات روحانی حاصل کرتا ہے اور اس کا مظہر جو اس باطنی میں اور جو اس باطنی اس عالم میں وہی کام دیتے ہیں جو جو اس ظاہری عالم شہادت میں۔ وہ اس کی یہ ہے کہ روح کا جب تک بدن سے تعلق رہتا ہے وہ اشیائے خارجیہ کا احساس کرتی ہے اور تبدیلی جو اس ظاہری وہ عمل احساس کو سر انجام دیتی ہے مگر جب روح بدن سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ تو عالم شہادت یعنی اشیائے خارجیہ سے منقطع ہوتا ہے اور عالم خیال میں پہنچ جاتی ہے اس وقت اس کی قوت خیال کا عمل قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عالم شہادت میں لازم ہدایات کے عامل ہونے کی وجہ سے اس کا عمل بہت ضعیف اور خفی رہتا ہے۔ مگر بعد الموت عالم خیال میں یہ عمل قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب اسے اپنے مبدئ کے کسی قدر قرب حاصل ہو جاتا ہے تو روح بذاتہا اکرات و اس جمالی کی مدد کے بغیر اپنا عمل سر انجام دینے لگتی ہے۔ چنانچہ جن اشیائے اکوان ظاہری ہادی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھی انہیں باطنی جو اس کے قریب مشاہدہ کرنے

لگتی ہے اور بعد الموت کے حقائق کو بالعمیان دیکھتی ہے اور اس کے اعلیٰ نیک و بد
 کے مناسب اس پر مختلف قسم کی صورتوں کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ وہ جو اس باطنی
 کے ذریعہ لذتیں چیزیں کو چکھتی اور خوشبودار چیزوں کو سونگھتی اور دلکش اور نعل کو سنہتی
 اور لذت و الم کا اور کھ کرتی ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعد الموت کی صورتوں کا
 وجود عن اشیا کے وجود کی طرح ہے جو خواب کی حالت میں محسوس ہوتی ہیں لیکن ذات
 اور حقیقت میں ہر دو کی صورتیں ایک نہیں ہوتیں۔ بلکہ بعد الموت کی صورتیں ان صورتوں
 کی نسبت اپنی حقیقت اور اصلیت میں کہیں زیادہ قوی اور شدید ہوتی ہیں جن کو انسان
 عالم شہادت میں محسوس کرتا ہے کیونکہ ما بعد الموت کی صورتوں کے لیے جہت مکان مان
 اور دیگر لوازم مادہ کی ضرورت داعی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مشاہدہ سے لذت
 اور الم یا رنج و خوشی کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ یوں سمجھو کہ بعد الموت کی حیات کو حیات
 دنیا سے وہی نسبت ہے جو انسان کی بیداری کی حالت کو خواب کی حالت سے
 ہوتی ہے حدیث التامس نیامر افا ما نوا انتہوا (لوگ سوئے ہوئے ہیں مگر
 جاگ اٹھیں گے) میں مذکورہ بالا حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ حدیث
 و حقیقت آیہ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم والحدید سے ماخوذ ہے۔
 سوم عالم عقل خالص یہ وہ حیات ہے جو انسان کو قیامت کے دن حاصل ہوگی
 جس کا منظر ہر روح انسانی ہے۔ اس عالم میں روضہ کو اپنے مبداء ذات باری سے
 اور سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ کیونکہ وہ ملبغا اپنے مبداء کی طرف کھینچی جا رہی ہے۔
 آیہ وان الی ربک المنتقی اس پر شاہد ہے۔

انسان کو مذکورہ بالا ہر سہ عالم میں ہو کر گذرنا ہے یعنی پہلے عالم محسوسات اور پھر
 عالم محسوسات مجروحہ اور پھر عالم عقل با عقل میں حکم آیہ لیرکبن طبعاً عن طبق سے
 اپنے مختلف مابین حیات کو پورا کرنا ضروری ہے اور جب تک وہ بدحواس اپنی بنیادی

پہلے دیکھیں دوسرے دہر کی لودھ صبر سے جب میں میرے دہر کی حقیقت کو
 نہیں سمجھ سکتا اس کی مثال یعنی انسان کی طفولیت میں شباب اور پیری کے ہمہ مدارج زندگی
 کی سی ہے۔ طفولیت میں شباب کی کیفیت اور شباب میں پیری کی کیفیت کا بعد کیونکر
 اور کب ہو سکتا ہے۔ انہی میں ہر ایک شخص کے مختلف مدارج زندگی کی سی کائنات کا آخر
 ذات یا کسی کی طرف ہوگا۔ جہاں سے اس کا آغاز ہو اٹھتا۔ یا مثال کے طور پر میں سمجھ
 کہ اس کی مختلف قسم و انواع زندگی کا نقطہ ابتدا اس کے نقطہ انتہا پر منطبق ہو رہا تھا۔ کیا
 دن مستحکم لاچار رہا میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اہل تحقیق نے لکھا ہے۔ کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی حیات دنیوی کا خاتمہ
 ہو کر روح عالم برزخ میں مل جاتی ہے اور اس کو قبر میں اپنے بدن سے ایک گونہ تعلق
 رہتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا میں کی قبر سے آسمان کی طرف ایک لذائی ستون کا
 دیکھا جانا غالباً اسی تعلق پر مبنی ہے۔ عالم برزخ میں سورج کا وجود ایک جوہر مثالی کی
 صورت میں جو روایات سے علیحدہ ہو کر ادراک کرتا ہے قائم رہتا ہے اور وہ ایک حقیقت
 متعینہ مشخصہ کا نام ہے جس کو تمام لازم ادراک حاصل ہوتے ہیں۔ برزخ کے لئے ایک
 ایسی چیز کے ہیں۔ جو وہ چیزوں کے درمیان مائل ہو۔ چونکہ قبر کی حالت دنیا اور آخرت
 کے مابین مائل ہے اس لئے اسے برزخ کہا گیا۔ عالم برزخ کی مدت موت سے
 قیامت تک اور اس کی جگہ قبر سے علین تک مابین کے لئے اور عین تک کفار
 اور فجار کے لئے تحقیق کی گئی ہے۔ عالم برزخ میں ایمانداروں کی روح کی تین صورتیں
 ہیں۔ اول ارواح انبیاء جن کی جگہ جنت ہے دوم ارواح شہداء جن کی جگہ
 ایک سبز خیمہ میں ہے۔ جو جنت کے صحنہ پر لگایا ہے اور جہاں ان کو صبح و شام جنت
 کی روزی دی جاتی ہے۔ سوم عامہ اہل ایمان کی روحیں جس کی نسبت بعض حدیث
 میں آیا ہے کہ انہیں آسمان اول پر آرام علیہ السلام کے دائیں بائیں جگہ دی جاتی ہے

اور بعض عالم نے لکھا ہے کہ ساتویں آسمان پر ملک گھر ہے جہاں ایات اللہ کی رو میں قرار
پکڑتی ہیں جب کسی ایات اللہ کی روح مرنے کے بعد وہاں پہنچائی جاتی ہے تو وہاں کی
رو میں اس کے لئے پر خوش ہوتی ہیں اور اس سے دنیا کے حالات پوچھتی ہیں۔

اے کفار اور کفار کی رو میں بھی ہیں پہنچائی جاتی ہیں۔ یہ عالم برزخ کا وہ مقام
ہے جو برزخ کے تمام مقامات کی نسبت سب سے نیچے تجویز کیا گیا ہے اور سب سے
اوپر کا مقام اعلیٰ علیین کہلاتا ہے اور یہ سب مقامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو شیب معراج میں دکھلائے گئے تھے۔ چنانچہ بعض رو میں سر پرندوں کی شکل میں جنت
میں آمد و رفت کرتی ہیں اور بعض کسی دنیا کے قرضہ کے ذمہ میں جنت سے رو کی جاتی
ہیں بعض عرش کے نیچے قنادیل میں رکھی جاتی ہیں اور بعض زمین پر ہی روکے جاتی
ہیں اور بعض میکاں کے حوالہ کی جاتی ہیں اور بعض آدم علیہ السلام کی کفالت میں اور
بعض زانیوں کے تنہ میں اور بعض خون کی نہر میں جگہ پاتی ہیں۔ اور ان سب کو اپنے جہنم
سے ایک قسم کا اتصال ہوتا ہے۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق خیم اور عذاب کو
حاصل کرتی ہیں۔ اور بعض تحقیق نے لکھا ہے کہ رو میں ہر جہد کے دن اپنی قبر میں
کی زیارت کرتی ہیں۔

ظلمتِ برزخ کے مذکورہ بالا کیفیات صرف تعلیم وحی سے اخذ کئے گئے ہیں۔ چونکہ عالم مادی کے
اصول پر ان کا مؤلفہ نہیں کیا جاسکتا اس لیے ہم نہیں بے چوں و چیرا میں یسائی ضروری ہے

ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب ایک ایسا شوق علیہ منکب ہے کہ عامل اہل اسلام اس کے قائل ہیں۔ اے

تمام عقائد کی کتابیں میں اس کی کبھی شکی گئی ہے اور عقائد میں اسے داخل کیا گیا ہے ایسی حالت میں اس سے الگ کرنا محض نادانی اور کچھ بھی ہے سوائے معتزلہ کے مسلمانوں کے تمام فرقے (شیعہ و سنی) ایصال ثواب کے معتقد ہیں۔ معتزلہ کے انکار اور ان کے اس استدلال پر کہ خدا نے نہیں انسان لاعلمی فرمایا ہے۔ علمائے اہل سنت محدثین و فقہاء و صوفیہ وغیرہم نے بڑی جہت و جدوجہد اور تردید کی ہے۔

۱۔ اگر آپ شریفیہ لیس انسان الاحسان کے واقعی معنی لئے جائیں اور اس کا یہی مطلب ہو کہ انسان کو صرف وہی ملے گا جس کے لئے وہ نبیات خود کو مقرر کر رہا ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے تو مسلمانوں کو بہت سے متفق علیہ عقائد غلط اور لغو ہو جائیں گے۔ اور خود قرآن مجید کی بہت سی آیات اس ایک آیت کی معائنہ و مخالفت ثابت ہونگی۔

شفاست جس کی مسلمانوں کو اس ہے اور قرآن پاک سے ثابت ہے امر فصول اور لغو ہو جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور قبول ہونا غلط ہو جائیگا۔ اور ہر عمل کام سمجھا جائیگا۔ مالا لکہ خود قرآن مجید میں ہے ولولا انفسہم اذ ظلموا انفسہم جاورث فاستغفروا للذات واستغفر لہم الرسول لوجہ و ابناہ ثوابا رحیماً۔

اسی طرح نماز جنازہ اور دو و دو سلام اور والدین کے لئے دعائے مغفرت اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنی ذریت کے لئے دعا مانگنا اور وہ نبین اور سابقین کے حق میں استغفار وغیرہ ذلک سب باتیں لغو اور بیکار ہو جائیں گی۔ مالا لکہ ان سب امور

سے گروہ لوگ اپنے نفسوں پر ہم رکے تیرے پاس آئے ہوتے اور خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگی ہوتی اور اصل خدا جس ان کے لئے مغفرت ملتی تو کب تک وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔

کا ثبوت نص قطعی سے ہے عیاناً نہ باشد اور خدا نے اپنی پاک کلام میں وعدہ فرمایا ہے
 کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور ایمان کی نصیحت بھی ان کی متبع ہوگی۔ تو لو ان کی اولاد و نصرت
 ان کے دہرہ و جد کی نہ ہو لیکن ہمیں گے پس غلط ہے ان کی نصیحت کو کسی جنت میں داخل
 کر دینے۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر یہ الحاق جائز و درست نہیں ہے بلکہ ایسا تو یہ غلطی کی سی
 کو ترجیح ہے۔ چونکہ آیت کے تفسیر میں کچھ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں اس وجہ سے حکمران
 کو دھوکا ہوا اور مستندہ سے نفی ایصال ثواب ثابت ہی نہیں ہوتی۔

مفسرین میں اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے لیکن اکثر اس آیت میں انسان
 الامانی کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ آیت سے مراد دوسرے کی سہی سے نفع پہنچنے
 کی نفی نہیں ثابت ہوتی۔ کیونکہ ایصال ثواب سے منتفع ہونا اس سے مراد کے اپنے
 ہی عمل و سعی ایمان کا نتیجہ ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو انسان کو کسی امر کا نفع نہ پہنچے۔ تو بتایا
 ایمان ان تمام خیرات کا باعث ہوا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو کسی امر کو کسی کی
 سہی کا نفع نہ پہنچا جب تک کہ وہ اپنے نفع کے لئے کوشش نہ کرے اور اپنے لئے خوشی نہ کرے
 یعنی بندہ سون نہ ہوئے۔

اور اکثر علماء مفسرین انسان میں لام تمکیک کا مکتبہ ہیں۔ اور آیت کے یہ معنی
 لیتے ہیں کہ انسان اپنی سہی ہی کا مالک ہوتا ہے۔ نہ دوسرے کی سہی کا۔ ہاں غیر اگر اپنی سہی کو
 دہرہ دہرہ کرے تو اس سے وہ منتفع ہو سکتا ہے چنانچہ روح المعانی میں ایسی ہی تفسیر و تعلق
 کی تفسیر (جو کئی جلدوں میں بیست مرتبہ تفسیر ہے) میں اس معنی کو بھی لکھا ہے اور لام تمکیک
 کا بیان کیا ہے اور تفسیر جامع البیان میں اسی آیت کی تفسیر کو یوں بیان کیا گیا ہے اور معنی
 لا یبدل شیئاً غیر ذلک وان کان قد یحصل له افضل عند ربہ والآخر وصدقہ
 لا نفع لک حولہ ملک ذلک (جامع البیان ہمارے ہاں ہے)

ان تفسیر کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اکثر علماء نے اس آیت میں لام تمکیک کا

ایسا ہے انکھوت الساقہ الثقیین شرح اچھا معلوم میں علامہ زبیدی محدث رحمہ اللہ تحریر فرماتے
 اتفق اہل السنۃ علی کون الاموات یثابرون من سبی الاھیاء یعنی اہل سنت
 متفق ہیں کہ مرنے والوں کی سب سے منتفع ہوتے ہیں۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ وہ بڑے
 بعض اہل البدع من اہل الکلام مالی عدم وصول ثبوتی البتہ لا الامام
 ولا غیرہ و قوله مروود بالکتاب و اسناد کافہ بقوله تعالیٰ و ان لیس الاثر
 الا ما سبی مدفع و بانہ لہدینف انتفاع الجہل سبی غیرہ و انما نفی ملک غیر
 سعیدہ و اما سبی غیرہ فہو ملک لسا عیدہ ذلک ما من یبدلہ و ان شامہ من یبدلہ
 لنفسہ و ہو جہانہ لہ لیل لا یشغ الا بما سبی الاقریبا ایسا ہی علی قریب موت
 حقی شرح فقہ اکبر میں اپنی تفسیر کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اور جب بڑی بات تو یہ ہے کہ
 علامہ ابن تیمیہ محدث بھی کتاب الروضہ ص ۲۶۶ میں ایسا ہی لکھتے ہیں۔ القرآن لہ
 یبغنا انتفاع الجہل سبی غیرہ الخ یعنی قرآن مجید نے غیر شخص کی کوشش سے فائدہ
 اٹھانے کی نفی نہیں کی۔ غلام یہ ہے کہ بعض اہل بدعت نے جو ایصال ثواب سے انکار
 اور اس آیت سے استدلال کیا ہے مروود مدفع ہے۔ کیونکہ اس آیت سے انتفاع
 کی نفی نہیں نکلتی۔ بلکہ ملک کی نفی ہے۔ مگر کوئی اپنی سب سے کسی میرٹ کو ہدیہ دے کر دے تو اس
 سے اس کے منتفع ہونے کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں و کان
 مشیخنا یختار ہذا الطریق و یجتہا۔ کہ ہمارے شیخ علامہ لابن تیمیہ مرحوم ائمہ

میں اہل بدعت مشیخو مشرک و غیرہ کا یہ خیال ہے کہ مرے بڑے کوئی دوسرے لوگوں کی دعا صدقہ وغیرہ
 سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ حالانکہ قرآن سنت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے اور ان لوگوں کو آیت
 لیس لا منان الا ما سبی سے استدلال کرنا بھی نہیں کیونکہ کلام تبارک کا یہی کہ مطلب یہ ہے
 کہ منان غیر کی سب سے مانگ نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ کہ اس سے فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ سو منہ

اسی تفسیر کو اختیار کرتے اور ترجیح دیتے تھے *

دیکھو علامہ ملا علی قاری منہج الارزہ شرح فقہ اکبر میں امتناع پر اسی نیت لیس لاشع
ازہما سنی سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اس نیت سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص
دعا و استغفار و سبقت و غیرات و قرأت قرآن یا اور کا غیر کسی نیت کے لئے کرے
اور اس کی سہی یہ ہو کہ نیت کو اس کا ثواب پہنچے تو بعد و اس کی سہی پوری ہوگی اور نیت
منتفع ہوگی کیونکہ انسان جو اس کی سہی کر لگا۔ اس کو وہی ملے گا۔ اس لئے لیس لاشع
اکلاہما سنی۔ بر خلاف حکمین ہائے دعویٰ کی مثبت ہے و مطلق *

یہاں تک تو صرف قرآن مجید و تفاسیر وغیرہ سے ایسا ہی ثواب پر بحث کی گئی اب
بقیہ احادیث کی طرف توجہ کیجئے۔ احادیث صحیحہ اسی کی سہی سے اموات کو نص پہنچنے کے لئے
میں اس کثرت سے مروی ہیں کہ اگر سب طرق طوع سے جائیں تو مشہور کیا مسنی حد تو اکثر
کو پہنچ جائیں جیسا کہ علامہ ابن جہلم نے فتح المقدیر باب الجمع من الخیر میں لکھا ہے
احادیث سے تو صاف صاف ثابت ہے کہ مردے کو مالی خیرات۔ بدنی خیرات
دعا۔ درود۔ نماز۔ روزہ۔ قرآن سب کا نص پہنچتا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے
کہ انہوں نے جناب سرور عالم صلعم سے پوچھا۔ انا لنقدیق عن موتانا و نخرج ہم
وندعولہم فعل ایمل ذلک ایہم یعنی ہم اپنے اموات کی طرف سے سنت و خیرات
اور حج اور ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں تو کیا یہ ان تک پہنچتا ہے۔ فرمایا۔ کہ ہاں
پہنچتا ہے اور وہ اس سے اس طرح خوش اور مسرور ہوتے ہیں جیسے کوئی کسی کو عہدہ اور
مغرب ہدیہ و تحفہ بھیجے اور وہ اس سے خوش ہوا۔ باب الجمع من الخیر میں صحاح و سنن جیسا
نیت کی طرف سے منع کرنے اور مردے کو اس کا ثواب بھیجنے کے لئے میں بہتیری
حدیثیں موجود ہیں۔ آنحضرت کا دو مینڈھے ذبح کرنا ایک اپنے اور اپنے خیال کی
طرف سے دوسرا اپنی تمام اہل کی طرف سے کتب احادیث میں مشہور و معروف ہے *

ایک شخص نے حضرت صلعم سے وہابین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان و
سلوک کرنے کی ہدایت پوچھا۔ فرمایا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ احسان و سلوک یہ ہے
کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کی طرف سے نماز پڑھو اور اسی طرح ان کی طرف سے ہفتے رکھو
ایصال ثواب کی دو صورتیں ہیں۔ ایک نیا بڑ یعنی مرنے کی طرف سے کوئی کار خیر
کرتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کار خیر کو ثواب اس کی طرف ہدیہ اور اسے پہنچا کر
اصل الذکر کو بالکل متفق علیہ ہے۔ لیکن ایصال ثواب اور ہدیہ میں بعض نے اختلاف کیا ہے
اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہدیہ تملیک و قبضہ شرط ہے اور اس صورت میں ہدیہ کرنا
اس پر قابض ہی نہیں ہوتا۔ پھر یہ کیونکر درست ہوگا لیکن انصاف یہ ہے کہ تملیک و
قبضہ محسوسات میں ہوتا ہے اور ایصال ثواب کوئی محسوس امر نہیں اور نہ کیا انسان اپنے
بے ہوش محسوسات و خیالات و سعی کرتا ہے۔ اس کی اسے تملیک حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ
اس پر قابض ہوتا ہے؛ کتاب المروء میں علامہ ابن قیم نے مختلف جگہوں میں پیش کی ہیں
اور اسے ثابت کیا ہے۔ ایک جگہ میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی مدیون مر جائے اور کوئی
شخص اس کا دین اپنے پاس سے ادا کرے اور میت کی طرف سے دین کو اس کا
دین دیدے تو شخص میت اس سے مستفیع ہوتا ہے۔ اور اس کے سر سے دین
کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔ تو یہ اور ہدیہ سے وہ کیوں نہ مستفیع ہوگا اور ان دونوں میں فرق
یہی کیا ہے جس طرح سے کہ میت کا دین ادا اور پورا کر دینے اور اس کو بری الذمہ کر دینے
سے دبا براہ و ادا میت تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ بری ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص
اگر ثواب مل اس کو ہفتے گا اور ہدیہ کرے گا۔ تو وہ ہدیہ اس تک پہنچے گا۔ اور بعد ازاں ہی اس
کو شافعیہ کو شافعیہ ہے۔ جس کے بموجب ایک ذمہ داری موقوفہ کرے تو میت
مستفیع ہوتا ہے اور ہدیہ اور ہدیہ سے نہیں۔ شرح الصدور اور شرح القدر وغیرہ میں
یہ حدیث منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ جو شخص مغیرہ کی طرف سے

گذشتے اور گیارہ بار سورہ انفلاں پڑھ کر اس کا اپنا اموات کو یہ یہ کرے (اجتہاد سے) تو اسے ان اموات کے عدد کے حساب سے ثواب ملے گا (خرید اور بیعہ سمیت) مرنے والی مرنے والی میں جلتے اور سورہ فاتحہ اور سورہ انفلاں اور مقابر (الانکس) پڑھ کر ثواب سمیت کو بخشے اور کہے کہ خدایا میں نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب ان اہل مقابر کو پہنچے تو وہ مجھ سے قبل کے یہاں اس کے مفاد میں ہونے (شرح الصدور)

العیال ثواب بجزق بدیعہ کے مجوزہ قائل برے بڑے بھگوان علامہ ابن مثلاً امام احمد بن حنبل۔ حافظ شمس الدین بن عبدالواحد المقدسی۔ علامہ ابو محمد عبدالحق ابی محمد سمرقندی۔ امام غزالی۔ حافظ بن حجر عسقلانی۔ ابو القاسم سعد بن حنبل۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ علامہ جلال الدین سیوطی۔ علامہ زبیدی رحمہ اللہ۔ امام عبد الوہاب شرانی۔ علاء الدین قاری۔ علامہ ابن کاسم۔ علامہ بدیع الدین عینی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث۔ حضرت شیخ عبدالحق مولانا شاہ عبدالغفر رحمہ اللہ۔ اور علامہ مرقا ماضی شوقانی و دیگر اکابر علم امت۔ امامت اہل اہل حدیث (و غیرہ) من العلماء والفقہاء والفقہاء والمحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

علامہ ابن قیم کتاب الروح میں جہور ملت اور خاص کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن میں نیز امام احمد نے فرمایا کہ تین بار آیت الکرسی اور سورہ انفلاں پڑھ کر مرد کو بخش دے (شرح قصہ) اور میں نے کہ امام غزالی کی اسیا اور علامہ عبدالحق کی الحاقہ میں امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ جب تم مقبروں میں جاؤ۔ تو سورہ فاتحہ اور سورہ تین اور انفلاں پڑھ کر اموات کو بخشو ان کو ثواب پہنچا ہے (البیان)

علامہ عسقلانی کے اسے قرآنی کہنے کا سبب یہ ہے کہ بعض تکفیر میں صلے میں ہے اور حجت کام میں ہے

باب الحج عن الخیر ہے اصل فی هذا ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله
لغيره الى قوله عند صل السنة والجماعة۔

کامنی شوکانی مرحوم میل اللطاف کی جلد دوم میں لکھتے ہیں وقد اختلفت فی غیر
الصدقة من اعمال البرجل لصل الى الميت فذهب المعنونة الى انه لا يصل
شیء ولست لوالدوم الیة وقل فی شرح المغنونة للانسان ان يجعل ثواب
عمله لغيره الى قوله ویصل ذلك الى الميت ویستفده عند اهل السنة۔

امام عبد الوہاب شہرانی کثرت انہم من فرستے ہیں قال ابن عباس عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یحب علی قدام الصدقة والقربی الیہما ذلک لئلا یسوا
من قاربہما ولخوا انہم ویقول ذلک کلامہ بینہم۔ دیکھئے یہ حدیث حضرت ابن
عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت سلم لوگوں کو اپنی اموات کی طرف صدقات خیرات
کے ہدیہ کیے کی ترغیب دیتے تھے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
میں فرماتے ہیں کہ اسے زیادت فی جود تبرک بقبور صالحین واداء ایشان بادیہ ثواب
فتلاوت قرآن ووعای خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر حسن و ثواب است بہ اہل ع
اکثر محدثین و علماء شیعہ نوے سے اس کے قائل ہیں۔ نازنگ کے ہدیہ پر
مجموعہ مبیثت میں (النبیۃ المنصوح) کا مسئلہ ۱۰۳۱ و ۱۰۳۲ و ۱۰۳۳ ملاحظہ ہو طوالت کی وجہ
سے وجع نہیں کرتا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم مسک الختام میں فرماتے ہیں شیخ در تہمت
گفتہ ودا نامقولات فاتحہ الکتاب و صوفیوں و قل رہا خدا و اگر دانیلن ثواب بجائے
اہل متاخر آمد دست۔

المنقرض الیال ثواب و طریقے سے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک درست
و جائز و مستحسن ہے۔ شیخ مولانا احمد علی سے تو بحث نہیں ہاں اکثر غیر مقلدین کا

اس سے انکار کرنا باوجودیکہ وہ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں سخت تعجب کی بات ہے حالانکہ
اگلے محدثین و مستدیان اہل حدیث اس کے قائل اور مجوز تھے۔

یہاں تک ہمارے ایک فاضل دوست نے غیبتی کی ہے اس سے آگے نکلا
اپنی تحقیق یہ نالین کرنا ہے۔

مسئلہ مذکور بالا کی مزید تحقیق

یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان اپنے ان تمام
اعمال سے جو اس نے خود اپنی زندگی میں کئے ہوں

فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کا کوئی عمل خواہ کچھ لو کہیسا ہی مختصر ہو مگر غرض ضائع نہیں ہو سکتا
اس دعویٰ پر قرآن مجید ناظر ہے۔ اور احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مگر

ہمیں اس وقت اس مسئلہ پر بحث کرنا مقصود ہے کہ آیا مرنے کے بعد روح کسی زندہ
شخص کے اس عمل سے جو بغیر ایصال ثواب کیا جاتا ہے کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھا

سکتی ہے یا نہیں اسلام میں صرف اہل کلام کا مشہور فرقہ معتزلہ اس امر کا قائل ہے
کہ مرنے والا روحوں کے عمل سے کسی طرح بھی مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور وہ قرآن مجید کی

آیت لیس اللہ انسان کا ماسخ کو اپنے دعویٰ پر دلیل گردانتے ہیں جس کا صحیح مفہوم یہ ہے
کہ انسان فقط اپنی سعی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ غیر کامل اس کے حق میں کچھ مفید

نہیں ہوتا۔ واضح ہو کہ چہرہ اہل اسلام فقہاء و محدثین و مفسرین بالاتفاق اس امر کے قائل
ہیں کہ مردہ کو زندہ کے عمل کا فائدہ پہنچتا ہے اور آیہ مسطورہ بالا سے اس خیال کی

دفعی نہیں ہو سکتی چنانچہ آگے چل کر ہم انشاء اللہ اس آیت کے صحیح معنی کی تحقیق کریں گے۔
جس عمل کا ثواب مرنے والے کو مرنے

ایصال ثواب کی دو صورتیں ہیں | کے بعد پہنچ سکتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں

(۱) اول اس عمل کا ثواب جس کا باعث مرنے والا اپنی زندگی میں خود بنا تھا (ثواب)

دوم اس عمل کا ثواب زندہ مرنے والے کے بعد بغیر ایصال ثواب پہنچا لے گا

مرنے والے کے حق میں دے کر تا اور اس کے لئے مستغفار اور صدقات و فیر کا دینا۔ ان
 ہر دو صورت میں کسی مسلمان کا مرنے والے کو ثواب پہنچانا صحیح ہے۔ البتہ علمائے ائمہ اربعہ
 میں اختلاف صرف یہ ہے کہ آیا مردہ کو عمل صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے یا صدقہ صرف کرنے
 کا ثواب؟ کچھ ہواصال ثواب عند الجمع حتمی ہے۔ قسم اہل کے ثواب پر دو حدیث
 ولادت کرتی ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا
 ہے اذ مات الانسان لقطع عنه عمله الا من ثلث من صدقة حباریة
 او علم شفع بہ او ولد صالح یولد عولہ یعنی انسان جیب مہربان ہے تو اس کا عمل
 اس سے ترک جاتا ہے مگر تین احوال ایسے ہیں میں کا ثواب بعد از مرگ بھی اس کو پہنچتا
 رہتا ہے۔ اول صدقہ جلیہ مثلاً مسجد یا کنوئیں یا مہل سزا وغیرہ۔ دوم علم شریعت کی
 مشاعت جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔ سوم اولاد صالح جو والدین کے حق میں ملے
 معتبر کرتے ہیں۔ احسن ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے
 انما یلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علما علیہ ورضیہ وولدا
 صالحا ترکہ او معصنا ورثہ او مسجدا بناوا ویتا الامم السبیل بنا و نورا کوہ
 او صدقة اخر حیا من صالحہ فی صحۃ و حیاتہ تلحقہ من بعد موته۔ یعنی
 ایمان آدمی مرنے کے بعد اپنے اعمال اور حسنات کو پاتا ہے۔ خواہ کوئی علم ہو جو دوسرے
 کو پڑھایا ہو۔ یا پھیلا یا ہو یا فرزند صالح جو اس سے نیچے چھڑا ہو یا قرآن مجید جو کسی
 دوسرے کا ملک کر دیا ہو یا مسجد جس کو اس نے تعمیر کیا ہو یا کوئی جہان سزا یا نہر
 جو اس نے کھدوائی ہو۔ یا صدقہ جو اس نے اپنے مال سے اپنی بھت کی حالت میں
 فی سبیل اللہ نکالا ہو۔ اور صحیح مسلم میں بروایت جریر بن عبد اللہ مروی ہے قتال سول اللہ
 علی اللہ علیہ وسلم من فی الاسلام منۃ حسنة فذلہ اجرہا و اخرہ من عمل
 بہا من بعد و من غیر ان یفقد من اجرہ شیء و من من فی الاسلام منۃ

کان علیہ وزرہا ووزر من علی بہا من بعدہ من فیوان منفق من اوزارہم شیئا
یعنی جو شخص اسلام میں کسی نیک طریق یا رسم کی بنیاد رکھے۔ تو اس کو اس کا اجر دوس پر
آئندہ زمانہ میں مل کرے والوں کا اجر ملتا ہے۔ بدول اس کے کہ عمل کرنے والوں کے
اجر سے کچھ کم کیا جائے۔ اسی طرح جو شخص اسلام میں کسی بکے طریق یا بڑی رسم کا بانی
ہوتا ہے۔ تو اس کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ اس شخص کو پہنچا رہیگا۔
بدول اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہ سے کچھ کم کر دیا جائے۔ اور سنا امام احمد
میں بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ قال سئل سبیل علی عہد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسک القوم ثم ان رجلا اعطاه فاعطى القوم
فقال انبی صلی اللہ علیہ وسلم من من خیر افا من بہ کان لہ اجر من
اجد من تبعہ غیر منفق من اوزارہم شیئا یعنی ایک شخص نے جناب پیغمبر
علیہ السلام کے زمانے میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا کسی نے کچھ دیا۔ پھر ایک شخص نے
سائل کو کچھ دیا۔ اسے دیکھ کر دوسروں نے بھی کچھ دیا۔ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا
کہ جو شخص کسی ایک رسم کی بنیاد رکھے۔ اور دوسرے اس پر چلتے گتے ہیں۔ تو اس کو اپنا
امان لوگوں کا اجر ملتا ہے۔ جو اس پر چلتے ہیں بدول اس کے کہ ان لوگوں کے اجر
سے۔ کچھ کم کیا جائے۔

اسی معنی

میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے لا تقتل نفسا ظلم الا کان علی ابن آدم الاول
کف من دمہا لا من الاول من من القتل یعنی کوئی شخص جب ظلم سے قتل کیا جاتا
ہے۔ تو آدم علیہ السلام کے پیسے بیٹے (قابیل) کو اس گناہ سے لیکر دیا جاتا ہے
کیونکہ وہی پہلے پہل رسم قتل کا بانی ہوا۔ جبکہ اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔
ایصال ثواب کی قسم ثانی پر بھی دلائل قطعیہ موجود ہیں قل اللہ تعالیٰ والذین

جہاں آدم بقولوں دینا اعظم لہذا لاخواتنا الذین سبقونا بالایمان یعنی وہ لوگ
 جو ان کے بعد آئے ہیں۔ وہ بلاگناہ سب الغزت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ خدایا تو ہمیں اہل
 بیت سے ان جانیوں کو جو ہم سے انیلانے میں معیت کر گئے ہیں بخش دے ۴

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے پیٹے جانیوں کے حق میں دُعا کے استغفار کرنے
 پر اہل ایمان کی حق فرمائی ہے۔ جس سے صاف ظہور پر عیاں ہے کہ مرنے والے اپنے بعد
 کے اہل ایمان کی دُعا کے استغفار سے مستفید ہوتے ہیں اور اس استفادہ پر تمام علماء
 امت متفق العقلمیں نماز بنام علی حقیقت اس دعویٰ پر واضح دلیل ہے ایک حدیث میں
 بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ یوں وارد ہوا ہے۔ اذ اصابنا علی
 لمیت فخلصوا له الدعاء یعنی جب تم کسی میت پر نماز جنازہ ادا کرو تو اس کیلئے
 دعا کرو خالص کرو۔ اور صحیح مسلم میں بروایت عروث بن ملک مروی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جنازہ پر نماز ادا کی میں نے آپ سے یہ دعا ضبط کر لی
 اللهم اعظم له وارحمه وعافه واعف عنه واکرم ترله وادمع مدخله
 وادخله بالہاء والفتح والبرق ونقم من الخطاء کما فیقت الثوب الابيض من
 الدنس وابدله دار الخیر امن دارہ واهد الخیر امن اہلہ وزوجا خیر امن
 زوجہ وادخلہ الحبۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار یعنی خدایا اس
 کے گناہ کو بخش دے۔ اور اس پر رحم فرما اور اسے عافیت بخش اور اس سے دنگندہ فرما
 اور اس کے حق جہانی کی عزت فرما۔ اور اسے وسیع جگہ پر مار اور مردمانی اور ہرگز سے
 اسے پاک کر دے اور گناہ سے اسے دسا پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل کپیل سے
 صاف ہوتا ہے۔ اور اس گھر سے بہتر گھر اویسیاں کے اہل و عیال سے بہتر اہل و عیال
 اور یہاں کے نفع سے بہتر نفع عطا فرما۔ اور اسے جنت میں داخل کر اور عذاب
 قبر اور عذاب جہنم سے اسے پناہ دے اور حسن میں بروایت واہد بن مریم مروی ہے کہ

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کا جنازہ پڑھا۔ تو آپ نے دعا فرمائی۔

اللهم انزل من فلان فی ذمتک وحبل جولوک فقه من لھتہ القبر وعذاب النار وانت اھل العرفا والمحق فاغفرلہ وارحمہ انک انت عفوہم الرحیم۔

یعنی خدایا فلان بن فلان تیرے عہد اور ہمایکت میں آیا ہے تو اسے قبر اور جہنم کے عذاب سے بچالے تو وفاتے عہد حق کا مالک ہے۔ تو اسے بخش دے اور اس پر رحم فرما۔

کیونکہ تو بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے اور بروایت ابن عقیان رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ حضرت علیہ السلام دفن میت کے بعد تھکے ہوئے ہوتے۔ اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے

حق میں دُعا کے مغفرت اور اللہ تعالیٰ سے اس کے سوا اور جواب قبر کے وقت ثابت قدم بیٹھنے کی استدعا کرو۔ کیونکہ اب اس کے امتنان کا وقت ہے۔ اسی طرح زیارت

قبر کے موقع پر یہ دعا پڑھنی حدیث میں مروی ہے السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمصلین وانما ان شاء اللہ بکمال حقون نسل اللہ انکم

العافیۃ۔ یعنی اے ایثار وادب سے مالاں جہاں گھروں میں ممکن ہو تم پر سلام ہو۔ ہم بھی انشاء اللہ تم لوگوں سے آٹھنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی استدعا کرتے ہیں۔

علیٰ بن القیس اس حدیث اور آثار میں مرنے والوں کے حق میں دُعا کے مغفرت کا

فکر اس کثرت سے موجود ہے کہ صلا کسی کو محال نکھار نہیں۔ اور خود تازہ جنازہ دُعا کے مغفرت ہے۔ اگر اس دُعا کا اثر نہ ہوتا۔ تو شیعہ علیہ السلام فضو اور قیاس اس دُعا کے

ساتھ تاکید شغرتے۔ اور بعد میں صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی حاجت عصر بعد صبح اس پر غافل نہ ہوتی۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے طریق

کو جنت میں بلند کر لیا۔ وہ شمس پر چھٹکا کہ یہ انعام مجھے کس عمل کے عوض ہے۔ اس کو کہا ہاں کیا کثیرے بیٹے۔ تیرے حق میں دُعا کے خیر کی ہمتی۔

ایصال تو اصدقہ

ایصال تو اب صدقہ
اس کے بارے میں بھی احادیث صحیحہ موجود ہیں اور زمانہ
نبوی میں اصغیر ہمد کے جماعت اہل سنت میں اس پر برابر اعلان آمد
ہوتا چلا آیا ہے۔ احمد جہور علمائے امت اس پر متفق ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں جو صحیحین میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں مر گئی۔ اور کچھ وصیت نہ کرنے پانی افہ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بول سکتی تو صدقہ کئی کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کریں تو اس کا اجر اسے ملے گا؟

حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں بیٹا۔ اور یہ صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں وفات پا گئی۔ اور وہ موت کے وقت اس کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے جناب پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ماں میری غیر حاضری میں وفات پا گئی کیا اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو اسے مفید ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں مفید ہوگا۔ اس پر انہوں نے ایک باغ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ اور صحیح مسلم میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمت جناب پیغمبر علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا باپ کچھ مال چھوڑا ہے۔ اور کچھ وصیت نہیں کی۔ کیا میرا اس کی طرف سے صدقہ کرنا اس کے لئے کچھ مفید ہوگا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مفید ہوگا۔

نیز سنن احمد میں امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ ام سعد کے مرنے پر انہوں نے پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا کہ میری ماں کے لئے کوئی مسند افضل ہے آپ نے فرمایا کہ پانی کا وقت کرنا۔ انہوں نے ایک کو ذوال کعدہ گرامی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ علی بن ابی قیس اس باب میں اور بھی احادیث مروی ہیں بشیروں دھوی

ایصال ثواب صوم و حج

صحیحین میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ من مات و علیہ صیام صابر عنہ و صیاد۔ یعنی جو شخص مر جائے اور روزے اس کے زمرہ باقی ہوں۔ تو بعد میں مرنے والے کا ولی اس کی طرف سے ادا کر سکتا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں مر گئی اور اس کے ذمے کچھ روزے رہ گئے ہیں۔ جو اس نے نذر مان رکھے تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے وہ روزے ادا کروں یا حضور نے فرمایا اگر اس کے ذمہ کچھ قرض ہوتا اور تو ادا کرتی تو کیا ادا ہو جاتا۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ فرمایا کہ تو اپنی ماں کی طرف سے روزے ادا کر دے۔ اور سنن ابوداؤد میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے اذام من الرجل فی رمضان ولم یصلح الطعام عنہ ولم یکن عنہ قضاء وان تذر قضی عنہ دلالتہ یعنی جب کوئی شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے اور روزہ نہ رکھا ہو تو اس کی طرف سے ایک سکن کو ہر روزہ کے بدلے رکھنا دیا جائے اور قضاء کی جائے۔ اور روزہ نذر اس کے ذمہ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے قضا دے سکتا ہے اسی طرح تو بصرہ کے بابے میں بھی بخاری میں وارد ہوا ہے کہ بنی جہینہ کی ایک عورت نے خدمت جناب پیغمبر علیہ السلام میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ماں نے حج نذر مان رکھا تھا اور بچہ اولائے حج مر گئی کیا میں اس کی طرف سے ادا کر سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں تو اس کی طرف سے حج ادا کر دے کیا اگر اس پر کوئی قرض ہوتا تو اسے ادا کرتی۔ سو اللہ تعالیٰ لا حق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اولائے حقوق کا زیادہ مستحق ہے۔ اور نیز بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ ان امراء سالک ابنی صلی اللہ علیہ وسلم عن ابنہا حالت ولید یحج قال حجی عن ابنہ یعنی ایک

عورت نے جناب پیغمبر ﷺ سے سوال کیا کہ میرا بیٹا بلا حج ادا کئے مر گیا ہے۔ اپنے
قریباً کہ اپنے بیٹے کی طرف سے حج ادا کرے۔

ناطقین قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحیح اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ کسی شخص کی طرف
سے قرضہ کا ادا کرنا خواہ ادا کرنے والا کوئی اجنبی شخص ہو اور خواہ مرنے والے کے ترکہ سے نہ
ادا کیا جائے مرنے والے مدیون پر سے قرضہ کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور ابو قتادہ والی
حدیث اس دعویٰ پر صحیح دلیل ہے جبکہ وہ کسی میت کی طرف سے دو دینار قرضہ
کے ادا کرنے کے متعلق ہوئے تھے۔ اور جب ادا کر دیئے تو حضرت نے فرمایا کہ اب مرنے
والے کی جلد بے غلاب نہ رہے۔ اشدھی ہو گئی۔ اور اس امر پر بھی اہل اسلام کا اتفاق ہے
کہ جب کسی زندہ شخص کا کسی میت پر قرضہ ہو اور وہ زندہ شخص میت کو صلوات کرے تو
میت پر سے قرضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے مستغید ہوتا ہے۔ یعنی اسی طرح
جس طرح کسی زندہ مدیون پر سے ساقط ہو جاتا ہے یا انکہ زندگی کی نسبت امکان ادا
کا احتمال ہوتا ہے اور اگرچہ کسی غیر کے ادا کرنے پر راضی بھی نہ ہو بلکہ اگر وہ بھی کرے
تو وہ زندہ قرضہ سے بری ہو جاتا ہے۔ تو میت جس کی نسبت امکان ادا کا احتمال
نہیں ہو تا کیونکہ ادا نہیں ہو گا۔ اور جب غیر کے بری کرنے یا قرضہ ساقط کرنے سے
مدیون قاعدہ اٹھا سکتا ہے۔ تو یہ اور ہدیہ کرنے سے کوئی کیوں مستغید و منتفع نہ ہو گا
کیونکہ عمل کا ثواب تو ہدیہ کرنے والے یا یہ کرنے والے کا حق ہوتا ہے موجب و خودی
دوسرے نہ۔ مدیون سے قرضہ ساقط یا اسے یہ کہہ کر سکتا ہے تو مرنے والے پر سے کیوں
ساقط نہ ہو گا۔ کیونکہ کوئی شخص یا قیاس یا قاعدہ شرعی ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ زندہ
پیسے تو ساقط ہو جاتا ہے۔ اور مرنے والے پر سے ساقط نہیں ہوتا۔ زندہ واحد مردہ
میں اس مسئلہ میں کوئی امتیاز نہیں۔ اور فقہیں ایصال ثواب الی المیت اس قدر قوی ہیں
کہ ان سے یہ مسئلہ بلا شک و شبہ صاف ہو جاتا ہے اور حدیث کے دوسرے جب

روزہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ روزہ محض نیت قلب پر منحصر ہے جس میں کوئی عمل خارجی نہیں کرتا پڑتا۔ تو جس فعل میں نیت اور عمل خارجی ہر دو شامل ہیں مثلاً قرائت قرآن کا ثواب بدرجہ اولیٰ میت کو اس کا ثواب پہنچے گا۔ گویا روزہ کے کا ثواب میت کو پہنچانے میں یہ اشارہ ہے کہ باقی دیگر اعمال کا ثواب بلا شک میت کو پہنچتا ہے کیونکہ باقی سب میں نیت اور عمل خارجی موجود ہے۔ بہر حال روزہ کے کہ اس میں صرف نیت بلا عمل خارجی ہوتی ہے +

عبادت مالی و بدنی کی بابت حکم دینے میں گویا اشارہ کر دیا ہے کہ تمام عبادات مال یا بدنی کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور ثواب روزہ کے پہنچنے کی بابت حکم دینے میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ دیگر تمام عبادات بدنیہ کا ثواب بھی میت کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح کی نسبت جو مالی اور بدنی ہر دو عبادات پر مشتمل ہے فرمایا کہ میت کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ اہل ان ہر سب کی بابت مخصوص احادیث اور اجماع العقیاس صحیحہ موجود ہیں و بالذات تو فیقہ مانعین و موصول ثواب مفصل ذیل انصوص اپنے دعوئے پر پیش کیا کرتے ہیں :-

مانعین موصول ثواب کے دلائل

(۱) ابن ابی شیبہ (رحمہ اللہ) نے کہا: (ما اکتسبت و علیہا ما اکتسبت) (وہ مال جو میں نے کمایا ہے اور اس پر جو میں نے کمایا ہے) (۲) قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم: (اذا مات العبد انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جاریہ علیہ و اولاد صالحین علیہ او علم یشفع بہ من بعدہ)۔

ان انصوص سے مانعین نے استدلال کیا ہے کہ مرنے والا صرف اس مال کا مالک ہوتا ہے جو اس نے کمایا ہو اور نقص حدیث مذکورہ سے صرف صدقہ جاریہ اور اولاد صالحین اور علم یشفع بہ من بعدہ کا بعد از مرگ ثواب میت کو پہنچتا ہے اسی طرح حدیث من رضى الله عنه

میں صرف سات اشیا کے ثواب کا میت کو پہنچا مذکور ہے۔ علم جس سے دوسرے لوگ مستفیع ہو سکیں۔ کنوئیں سے یا نہر سے کھدوانا۔ درخت کا لگانا۔ مسجد کا تعمیر کرنا کسی غیر کو قرآن مجید کا مالک بنانا۔ ولد صالح جو دعا منفرت کرتا ہے ۴

اس سے معلوم ہوا کہ بدوں اس کے اور کسی عمل کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اور نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی چیز کا بدیدہ بھینا ایک قسم کا حوالہ ہے اور حوالہ کسی حق واجب کے واسطے ہوا کرتا ہے۔ اہل اعمال سے ثواب واجب نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ثواب حسن مثل خداوند ہی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ایک ایسے امر کو جو واجب نہیں کیونکہ کسی دوسرے کی طرف حوالہ کیا جا سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ اعمال پر ثواب دے یا نہ دے اور اگر کوئی شخص کسی غیر کی طرف سے کوئی عبادت مالی یا بدنی بجالائے اور اس کو خدا تعالیٰ پر حوالہ کرے کہ وہ کسی مرتے والے کو اس کا ثواب عطا فرمائے تو اس کی فیکر بعینہ ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص کسی فقیر کو کسی ایسے شخص کی طرف حوالہ کرے جس کی نسبت اسے امید ہے کہ وہ خیرات کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسی غیر متعین چیز کا سہ یا بدیدہ کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اور نیز جب عبادات میں کسی چیز کو اپنے اوپر ترجیح دینا مکروہ ہے تو غایت عبادت یعنی ثواب میں کیونکر ترجیح دینا جائز ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ نے اس امر کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص خود جماعت کی پہلی صف سے پیچھے ہٹ آئے اور کسی غیر کو ادب کی وجہ سے آگے کرے کیونکہ اس حرکت سے ایک ایسے امر سے اعراض لازم آتا ہے جو حصول ثواب کا وسیلہ ہے چنانچہ آپ سے فتویٰ یہ آیا کہ باپ کو کوئی شخص اپنی جگہ ادب سے الگی مست میں دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ باپ سے احسان بہتے کے اور میرے طریق ہیں۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میت کی طرف کسی عمل کے ثواب کا مسئلہ کرنا صحیح ہوتا تو نہ کی طرف بھی ہو سکتا تھا۔ نیز اگر یہ خیال صحیح ہوتا۔ تو ثواب کا نصت اصل پر بھی

منتقل ہو سکتا نیز اگر یہ صحیح ہوتا تو کوئی شخص عمل کو اپنی ذات کے لئے بجا کر عید میں
 دوسرے کی طرف منتقل کر دیتا حالانکہ عہدین کہتے ہیں کہ میرٹ کو ثواب پہنچانے کے
 عمل کی حالت میں نیت ایصال کرنی چاہیے۔ اور نیز اگر یہ صحیح ہوتا تو جس طرح توہل
 کا بدیہ کرنا یا سبہ کرنا جائز تھا۔ اسی طرح واجبات کا بھی جائز ہوتا۔ نیز تمام عبادات
 یا تقاضات شرعیہ ایک گونہ استکمال اور امتحان پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان میں جملہ بعض
 کبھی جائز نہیں کیونکہ شخص تکلف بذاتہ و سواد ہے۔ وہ کسی کو اپنا قائم مقام نہیں
 بنا سکتا۔ مثلاً بعض انا مرض کے لئے بذاتہ محتاج ہے کہ دوائی استعمال کرے
 اور بھوکا اور پیاسا بذاتہ محتاج ہے کہ دوائی کھائے یا پانی پئے۔ نہ یہ کہ کوئی دوسرا
 شخص اس کا قائم مقام ہو۔ نیز اگر غیر کا عمل کسی دوسرے کے حق میں مفید ہوتا۔ تو
 غیر کا اس کی طرف سے تو بہ کرنا بھی مفید ہو سکتا۔ مگر یہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما فرما
 ہر ایک شخص سے اسلام کا سوال کر لگایا۔ کسی ایک کا مسلمان ہونا دوسرے کے حق
 میں مفید نہ ہو گا۔ علیٰ ہذا نماز کا حال ہے۔ سو جب اصول میں ایک کا دوسرے کی
 طرف سے نائب ہونا جائز نہیں تو فروعات میں کیسے جائز ہو گا؟

رہا یہ معاملہ لفظوں میں ہیں وہاں منفرت کا فکر آیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے
 کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رحمت کا طے سے میرٹ کے گناہوں
 سے درگزر کرے۔

بعض اصحاب اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ عبادات وہ قسم کی ہیں ایک قسم ہیں
 تو قائم مقامی ہو سکتی ہے۔ مثلاً اولے امانت۔ اولے دین احوال۔ صدقہ و دیگر
 کا ثواب تو میت کو پہنچتا ہے۔ اور دوسری قسم میں قائم مقامی نہیں ہو سکتی مثلاً اسلام
 لانا۔ نماز ادا کرنا۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ روزہ یہ ایسے عبادات ہیں جو خود قائل
 کی ذات سے مخصوص ہیں کسی دوسرے کے کرنے سے میرٹ کو ان کا ثواب نہیں پہنچتا۔

بہاوت مذکورہ بالا کلام میں ہیں میت کی طرف سے دفعہ رکعت کا ذکر نہایت بوجہ
 جواب کئی ایک وجہ سے ہو سکتا ہے۔ (۱) موطا امام مالک میں کسابت الایصوم
 احد من احد قال وهو امر مجمع علیہ عندنا الا خوف غیب، یعنی کوئی شخص
 کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اور ہمارے نزدیک یہ امر متفق علیہ
 ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (ب) مع ہذا حدیث من اللہ کے استوار میں
 اختلاف ہے (ج) یہ حدیث آیہ وان لیس للامان الاما سنی کے منافی ہے
 (د) نیز یہ حدیث اس حدیث کے منافی ہے جس کو نسائی نے بروایت ابن عباس
 نقل کیا ہے۔ لا یصلی احد من احد ولا یصوم من احد وکن یطعم عند
 مکان کل یوم مدامن خطبۃ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نہ تو
 نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ دفعہ رکھ سکتا ہے۔ بلکہ ہر ایک ان کے عوض میں ایک رکعت
 گندم کا صدقہ کرنا چاہیے (مذہب اہل بیت و کعبہ دست میں کو پنجابی میں ایک ہوتے
 ہیں) (۶) یہ حدیث قیاس علی کے منافی ہے۔ کیا کہ جب نماز اسلام تو ہر ایک کی
 کسی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ تو روزہ میں کیسے ہو سکتا ہے ؟

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ ایک گروہ تو مطلقاً کسی قسم کی عبادت میں
 قائم مقامی کو جائز نہیں رکھتا۔ اور دوسرا گروہ بعض عبادات مثلاً صدقہ و حج و افائے
 قرضہ و امانت وغیرہ میں جائز رکھتا ہے۔ مگر مذہب صحیح ہی ہے جو ہم نے پہلے بیان
 کر دیا ہے۔ چنانچہ مجوزین کی طرف سے ماضین کے مذکورہ بالا دلائل کا رد و جواب یہ ہے
 رد دلائل ماضین | واضح ہو کہ ماضین کے دلائل میں کوئی دلیل ایسی نہیں

جو صحیح طور پر ان کے دعویٰ میں پیش ہو سکے۔ سب سے پہلی
 آیت وان لیس للامان الاما سنی پیش کی گئی ہے۔ مگر اس آیت کے مفہوم میں
 مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ فقط انسان سے مراد

اس آیت میں کافر ہے نہ مومن کیونکہ مومن اپنی سعی اور غیر کی سعی سے جو اس کی طرف سے
 کی جائے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ پہلے احادیث میں اس کا ذکر نہ کیا ہے۔ مگر حق
 یہ ہے کہ کافر کی تخصیص صحیح نہیں۔ بلکہ فقط انسان کافر اور مسلم ہر دو کو شامل ہے۔ کیونکہ
 سیاق آیات سے عموماً ہی مفہوم ہوتا ہے اور اس کے نظام بکثرت قرآن شریف میں
 موجود ہیں۔ مثلاً۔ یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک الایہ۔ انسان الانسان
 یعنی خسر اور ان الانسان لریبہ لکنود اور ان الانسان خلق ہلوا جاود
 ان الانسان لیطغی اور ان الانسان لظلوم کفار۔

بعض مفسرین نے ان آیات میں الجہل اور ولید بن مخیرہ اور عقبہ بن ابی معیط
 وغیرہ کفار سے مراد لی ہے مگر محققین کے نزدیک ان آیات میں عام طور پر انسانی
 فطرت کی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے تخصیص صحیح نہیں۔

ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ آیہ مذکورہ بالا سابقہ شریعتوں کے متعلق ہے
 امت مرحومہ محمدیہ کے متعلق نہیں۔ کیونکہ اس امت کے لوگ اپنی اور غیر کی سعی سے
 فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر یہ خیال پہلے خیال سے بھی زیادہ ضعیف ہے کیونکہ کوئی
 قرینہ اس امر پر وال نہیں کہ امت محمدیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے بلکہ حکم کی تقریر مقصود ہے
 نہ الباطل اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ انسان میں حرف لام یعنی حرف علی کے مستقل
 ہوا ہے مگر یہ خیال گزشتہ ہر دو معنی سے زیادہ ضعیف بلکہ باطل ہے۔ کیونکہ اس میں ثلاثیہ
 منت مضمون کلام کو معنی مند میں استعمال کرنا لازم آتا ہے۔ ایک اور گروہ نے یہ کہا ہے
 کہ اصل میں کلام کی تفسیر یوں ہے کہ ان ایس للانسان الا ما سعی او سعی لہ یعنی
 انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ خود سعی کرے یا اس کے لئے کوئی دوسرا سعی کرے
 مگر یہ حدیث باقرینہ کے ہرگز صحیح نہیں۔ بلکہ بلا حجت کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے
 اور بس کا خیال ہے کہ آیہ مذکورہ بالا منسوخ ہے اور اس کی تائید یہ آیت ہے۔ والذین

امنوا واتبعتہم ذریرتہم باید ان الحق باہم ذریرتہم۔ یہ قول بھی جہاس معنی ہندہ عدا
 سے مروی ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ مرنے کی قبل کی بنا پر کسی آیت کا حکم منسوخ
 نہیں ہو سکتا۔ مع ہذا مانع و منسوخ میں یہ مروی ہے کہ ہر دو کا مفہوم اکٹھا نہ ہو سکے
 بلکہ وہ ہر دو ایک دوسری کی نفی یا منہوا کرتے ہیں۔ مگر ان ہر دو آیات کے مفہوم
 کو با تعلق جمع کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد آخرت
 میں اپنے آبا کے تابع ہونگی جس طرح کے دنیا میں وہ اپنے آبا کے تابع تھے۔ اور
 اولاد کا آخرت میں جہاسی بلحاظ وجہ کے اپنے آبا سے ملنے ہونا حقیقت ان کے
 آبا کی خوشی اور سرت کے لئے ہے نہ اولاد کے لئے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی
 ہے کہ بلا سچی کسی آدمی کو اعلیٰ حد پر پہنچا دے۔ اس میں پہلی آیت کیساتھ کیا منافات ہے
 ان فرض مذکورہ بالا توضیحات بالکل ناقابل اعتبار ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ آیت ان کا تعلق
 و آخرتہ و ذریرتہم آخری کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھا سکتا یعنی ہر ایک اپنے
 اپنے اعمال کا جواب دے گا اور آیت وان لیس الا انسان علیہ علیہ آیات
 ممکنہ ثابتہ حکم میں اور ہر دو اللہ تعالیٰ کے کمال عدل و انصاف کی حکمت کا طرہ پر مبنی
 ہیں۔ کیونکہ پہلی آیت کا اقتضا یہ ہے کہ کوئی کسی دوسرے کے جرم میں مافوق نہیں ہوگا
 اور دوسری کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی کسی دوسرے کے اعمال سے مستغفار ہی نہیں پاسکتا
 خود کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ ہر دو آیات میں فطرت الہی کا نودہ ہیں۔ جن سے دو علیحدہ
 علیحدہ باطل خیالات کا رد ہوتا ہے۔ کیونکہ سلاطین کا اکثر قاعدہ مشاکرہ مجرم کے متعلقین
 کو اس کے جرم کے عوض مافوق کر لیا کرتے تھے۔ پہلی آیت سے اللہ تعالیٰ نے
 نشان کو تسلی دیدی ہے کہ ہمارے اس میں نہیں ہوگا۔ دوسری آیت نے واضح کر دیا
 کہ اپنے آبا و اجداد و غیرہ کے افعال اتنا مانا اور ان سے امید رکھنا نجات کی جیسا کہ
 بعض جاہل مشرک زادہ خیال کرتے ہیں بالکل فضول ہے +

ابو الوفاء بن عقیلؒ آئید مذکورہ بالا کے متعلق کہتے ہیں کہ ستر چالیس آیات کی تفسیر میں
 یہ ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی خوش اعمال اور حسن معاشرت سے دوست ادا دلہم پہنچاتا ہے
 اور لوگوں سے خیر و مروت کے ساتھ پیش آتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس پر رحم کرتے ہیں
 اور اس کے لئے عبادت کا ثواب بھیجتے ہیں سو اس صورت میں وہ اعمال اس کی سعی
 کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود اپنے اعمال سے ایسے احباب و اقارب کے ہمراہ پہنچانے
 کا سبب بناتا تھا۔ اس لئے گو بظاہر عمل کسی غیر کا ہے مگر وہ حقیقت اس کا موجب وہ خود
 ہے جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوئی ہے ان اطلب ما اکل المجل من کسبه و ان
 ولد ما من کسبه یعنی اپنی کمائی کا مال سبکا اچھا ہے اور انسان کا فرزند بھی اس
 کی کمائی میں داخل ہے۔ چنانچہ ولد و صلح والی حدیث اور مذکور ہو چکی ہے۔ اور یہ مسلم ہے
 کہ آدمی شرعی اعمال میں اپنے بھائیوں کی امداد سے متعلق ہوتا ہے و کیسے کہ
 کی نماز کیلی جرتی ہے۔ اور یہ وہ دوسرے نمازیوں سے مل کر پڑھتا ہے تو اس
 کی نماز کا ثواب سوائس گنا زیادہ پڑھ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر کا عمل کسی
 دوسرے کے عمل کے لئے زیادتی ثواب کا سبب ہو جاتا ہے چنانچہ جہاد اور حج اور
 امر بالمعروف اور نہی من المنکر وغیرہ امور میں کثرت عاملین کی وجہ سے ثواب زیادہ ہو جاتا
 ہے اور حدیث المؤمن المؤمن کا الثبانیان شید بعضہ بعضا و شبک بین اصابعہ
 یعنی ایسا تار ایسا تار کے ساتھ مل کر مثل ایک عمل کی ہے جس کا ایک جزو دوسرے
 جزو کی تقویت کرتا ہے۔ اس امر کو جناب منیر علیہم السلام نے انھیں میں انھیں مل کر دیکھا
 کہ ایسا ایک دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک ایسا جزو دوسرے
 ایسا تار سے مل کر وصول نفع کا سبب ہوتا ہے۔ خواہ دوسرے کی حیات میں رسول نفع
 کا سبب ہو یا بعد از موت سے ہذا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ لاکھ سالان
 عرش اور جس کے گردا گرد ہیں ایسا تاروں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے رہتے

ہیں اسی طرح بعض نبیا علیہم السلام کی وعاشرت کا ذکر قرآن مجید میں آچکا ہے گویا کسی ایسا فرد
کا ایسا مذکور ہونا سبب ہے وصولِ ثواب کا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا ذکر کا ایمان لانا اس کی ذاتی
سی کا نتیجہ ہے اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ جو ثواب غیر کی طرف سے پہنچایا جاتا ہے وہ
و حقیقت اس کے اپنے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دیکھو جناب غیر علیہ السلام نے عمر و بن
عاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اگر تیرا باپ ایمان لایا ہوتا تو اس کی موت کے بعد تیرا
اس کی طرف سے عظام آزاد کرنا اس کے لئے مفید ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان
جوشان کی ذاتی سی ہے موجب وصولِ ثواب ہے۔

بعض علماء اسلام نے آیہ وان یس الما منان الا ما سنی کے متعلق یہ تفسیر
کی ہے کہ قرآن مجید نے اس امر کی نفی نہیں کی کہ ایک شخص کسی غیر کی سی سے منتفع ہو
سکتا ہے۔ بلکہ اس امر کی نفی کی ہے کہ کوئی شخص کسی غیر کی سی کا مالک ہو سکتا ہے
اگر کسی غیر کی سی سے منتفع ہوتے یا غیر کی سی کا مالک ہوتے ہیں بڑا فرق ہے سو اللہ تعالیٰ
نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ انسان صرف اپنی ہی سی کا مالک ہو سکتا ہے۔ غیر کی
سی غیر کا اپنا ملک ہے اگر وہ چاہے تو کسی دوسرے کے لئے صرف کر دے یا اپنی
فات کے لئے محفوظ رکھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انسان غیر
کی سی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ صرف یہ فرمایا ہے کہ غیر کی سی کا مالک نہیں ہو سکتا۔
اس تفسیر کو بعض ائمہ علمائے امت نے مقبول رکھا ہے اور حقیقت پرشکی با ہے۔
اب یہی مائنین کی دوسری پیش کردہ آیات یعنی آیہ لھا ما کسبت وعلیھا
ما کسبت و آیہ ولا تجزون الا ما کنتم تعملون۔ سوان ہر دو آیات کے سیاق سے
 واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ان ہر دو کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیر کے جرم میں
عقوبت کا مستوجب نہ ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرمایا ہے فالیوم لا قسط لکم
فمن ثنی اول ولا تجزون الا ما کنتم تعملون یعنی آج قیامت کے دن کسی شخص پر کوئی ظلم

نہیں ہوگا۔ اور ہم لوگ صرف اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ کسی شخص پر اس کے گناہوں سے زیادہ سزا مانگنا ہوگی اور نہ اس کی نیکیوں پر سے کچھ کم کیا جائے گا۔ اور کوئی غیر کے جرم میں یا خود ہوگا۔ اور اگر وہ اس آیت میں کہیں اس امر کا اشارہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیر سے بر طریق بہ یا بدیہ کے بھی مستغنی ہوگا۔ بلکہ یہ سب وہی اور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک شخص کو کسی دوسرے کے لئے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ اس کے حق میں کسی عمل نیک کو بطور بدیہ یا بدیہ کے پیش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے یہاں عرض و ملاحظہ کا ذکر کہاں *

اور حدیث افادات العبد الفطرح علیہ الخ کا استدلال میں پیش کرنا سب سے بھی صحیح نہیں یہ نہ عمل کے منقطع ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ استقلال بھی منقطع ہو جائے استقلال عمل تو مرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ مگر کسی شخص کا بطور بدیہ یا بدیہ کے ثواب عمل کا غیر کو پیش کرنا بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث سے استدلال کرتے وقت گویا استدلال نے پیش بھیجا کہ منقطع اور پختہ (عمل) اور غیر منقطع اور غیر (ثواب عمل غیر اللہ) مخالفت کا ایک نکتہ اس قسم کا بدیہ ایک قسم کا حوالہ ہے اور جو حق واجب کی بابت ہو اگر تائید اس کا جواب یہ ہے کہ تبار یا خیال اس حوالہ کی بابت ہے جو ایک مخلوق دوسرے مخلوق پر کرے لیکن مخلوق کا خالق پر حوالہ کرنا منہد بات ہے جس کو مخلوق کے مخلوق پر حوالہ کرنے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ایسا خیال باطل باطل ہے مع ہذا است کا اطلاق جو چلچلا ہے کہ کسی شخص کے کسی غیر کی طرف سے اداسے مرض سے دیون بری اللہم برطمان ہے۔ اور تمام صدقات اور حج کا ثواب کسی غیر کے لئے بدیہ کیا جاسکتا ہے علی ہذا اثوابیہ بھی۔ علی الخصوص شریعہ کے مقابلہ میں ان قیاسات فاسدہ کی کیا حیثیت ہے اور انہیں کا یہ خیال ہے کہ مبادت میں کسی کو اپنے پر ترجیح دینا صحیح نہیں کیونکہ امر غیر سے امر اول لازم ہے

سوس کا جواب یہ ہے کہ زندہ کو واقعی اپنے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اس خیال پر کہ اس
 زندہ کے خاتمہ بلا ایمان کا ہیں علم نہیں اگر اس کو اپنے پر ترجیح میں تو ایک نابل کو امر خیر
 میں ترجیح دینا لازم آئیگا کیسے جو شخص مر چکا ہے اس پر ناز جنازہ نبیل خاتمہ بلا ایمان وا
 کی جاتی ہے۔ اسی طرح نبیل اس کے صبح ایمان ہونے کے اس کو عبادت میں ترجیح دیکر
 ثواب عبادت کا ہدیہ یا سبب اس کے حق میں کیا جا سکتا ہے۔ مع ہذا عبادت میں جسے
 کو ترجیح دینے اور ثواب کے ہدیہ کرنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ عبادت میں ترجیح دینے سے
 ایک کو بدستی اور کسالت کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ اور عمل کا ثواب ہدیہ کرنے سے یہ معلوم
 ہوتا ہے۔ کہ وہ دوسرے کو نفع پہنچاتا ہے یا خود نفع اٹھانا چاہتا ہے۔

نیز عبادت میں دوسرے کو اپنے پر ترجیح دینا مقصود عبودیت کے منافی ہے۔ کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نے بندہ کو حکم دیا ہے کہ وہ انہار عبودیت کرے۔ جب اس نے خود ترک کر کے
 غیر کو اپنے پر ترجیح دی تو گو حکم خداوندی کو ترک کیا لیکن ایک عمل خیر کا خود بھلا کر اس کا ثواب
 دوسرے کو پہنچانا ایک یلغہ بات ہے۔ بلکہ یہ ایک عمل خیر کی طرف سبقت کرنا ہے جو
 حکم آیہ فاستبقوا الخیرات بال عمل جائز بلکہ ضروری ہے اور اس ہدیہ یا سبب ثواب کو ہرگز
 سبقت الی الخیر کا منافی نہیں کہا جا سکتا۔

اور مائین کے اس قول کا جواب کہ اگر ہدیہ ثواب میت کے لئے جائز ہوتا تو زندہ
 کے لئے بھی جائز تھا۔ سوس کا جواب یہ ہے کہ بعض فقہاء کے اقوال میں زندہ اور مردہ
 میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ ہر دو کو یکساں طور پر ہدیہ ثواب کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ مگر
 بعض فقہائے کہتے ہیں کہ زندہ اور مردہ کی حالت میں بہت فرق ہے کیونکہ زندہ اس قدر
 محتاج نہیں ہے جس قدر مردہ۔ مردہ کو زندہ کے لئے بھی دوسرے کے عمل کا ثواب ہدیہ کیا
 جا سکتا تو عبادت و فرائض وغیرہ کو لوگ خود ہی کرتے بلکہ دوسروں سے بطور ہدیہ یا بطور
 اجرت کے حاصل کر لیا کرتے۔ اور ہر ایک قسم کی طاعت و عبادت ایک قسم کا عوض و ثواب

ہو جاتی اس لئے یہ ہرگز صحیح نہیں کہ زندہ ہدیہ ثواب کا منہج چھوڑ پائے۔ ہر ایک زندہ شخص کی طرف سے دوسرے شخص کو زندہ اور زامیہ شریعتاً ثابت ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآنہ حقوق العباد میں سے ہے جس میں کوئی ایک شخص دوسرے کی طرف سے ذمہ داری کر سکتا ہے۔ خواہ جیلوں کی بندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد اور مانعین کے اس قول کا جواب کہ اگر ہدیہ ثواب جائز ہوتا تو اس کا نصف اور ربع بھی جائز ہوتا۔ یہ ہے کہ بعض مجتہدین اس امر کے قائل ہیں کہ ثواب عمل مال کا ملک ہے اور اس کو اختیار ہے کہ عمل یا نصف یا ربع کسی دوسرے کی طرف منتقل کرے چنانچہ جس فقہانی میں وارث ثواب ہے کہ اگر ایک عمل خیر کا ثواب پانچ شخصوں کو پہنچانا چاہے تو ہر ایک کو اس ثواب کا ربع پہنچا سکتا ہے۔

اور مانعین کے اس قول کا جواب کہ اگر ایصال ثواب صحیح رہتا تو یہ بھی صحیح رہتا کہ شخص عامل پہلے عمل کو اپنی ذات کے لئے بجا لاتا اور پھر بعد میں اس کا ثواب دوسرے کی طرف منتقل کر دیتا۔ حالانکہ تم مہضین اس بابت کے قائل ہو کہ ایصال ثواب تب ہی ہوتا ہے کہ عمل کرتے وقت عامل ہدیہ یا ہبہ کی نیت پر کرے ورنہ ایصال ثواب نہیں ہوتا۔ یوں ہے کہ کلام سلف میں اسی شرط نظر نہیں آتی۔ البتہ بعض متاخرین نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی عمل از مہم نہاد۔ روح۔ حرکات قرآن بجا کر اس کا ثواب کسی مرد مسلمان کو پہنچائے تو وہ اس کو پہنچ جاتا ہے بغیر ایک عمل سے پہلے یا اتنا ہی عمل میں اس کی نیت کر لی ہو۔ اور ابو عبد اللہ بن حمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی حق شریعی واجب میں قائم مقام ہو سکتی ہے کسی کی طرف سے اور اگر وہ اس کا اجر اس کو پہنچ جاتا ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ نیت عامل کے عمل سے پہلے یا عمل کے وقت ہدیہ یا ہبہ کی ہونی چاہئے۔ اور غالباً یہ خیال سنت نبوی سے ماخوذ ہے کیونکہ جن لوگوں نے ایصال ثواب کی بابت جناب پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ ان کا یہ سوال نہیں تھا

کہ عمل کر چکنے کے بعد بھی ہم اس کو کبھی مروت کی طرف منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں بلکہ ان کا سوال یہ تھا کہ ہم میت کی طرف سے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں عمل اولائیت کی نیت پر کیا جائیگا۔ نہ کر چکنے کے بعد اس کا ثواب منتقل ہو گا۔ فی الحقیقت اس غلطی کا سبب آثار صحیحہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے اسلم طریق ہی سے کما فیصلہ ثواب کی نیت سے قبل اصل کرے مگر بصورت نہ کرنے کے بھی انتقال ثواب ہو سکتا ہے۔ علمائے اُمت اس کے قائل ہو چکے ہیں۔

اور ماضی کے اس قول کا جواب اگر کما فیصلہ ثواب صحیح ہوتا تو فرض واجبہات کا ثواب بھی انتقال کیا جاسکتا۔ یہ ہے کہ یہ اعتراض اس شخص کے مدعی پر مگر وارد نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے لئے قبل از عمل نیت انتقال کو فرضی قرار دیتا ہے کیونکہ عامل پر تو واجب نہیں ہوا۔ پھر کسی کی طرف سے کیے اور کر سکتا ہے۔ اس جو شخص عمل کر چکنے کے بعد بھی ایصال و انتقال کا قائل ہے۔ اس پر یہ اعتراض مزید قائم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت علمائے اُمت سے منقول ہے کہ وہ اپنے فرض و ثواب کا ثواب بل مسلم کی طرف سے منتقل کر دینا جائز رکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ عمل عامل کا ملک ہے جب نہ نیت میں اس کی ممانعت نہیں تو اس کا اعتبار ہے کہ غیر کی طرف منتقل کر دے۔

اور ماضی کے اس قول کا جواب کہ تقایید یا عبادات شرعیہ ایک قسم کا امتحان و ابتلا ہیں ان کا غیر کے لئے بدلہ و صحت صحیح نہیں۔ کیونکہ تکلیف شرعی سے عامل کی ذات کا عمل کو خود کیا یا نہ مقصود ہے یہ ہے کہ یہ خیال اس امر کا مانع نہیں کہ شارع علیہ السلام کسی مسلمان کو اجازت دیں کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے عمل سے نفع پہنچائے۔ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور اس کا کامل احسان پہنچانا چاہئے چنانچہ اس نے لوگوں اور عالمین عرش کو اہل ایمان کی مغفرت پر لگا رکھا ہے۔ اور جناب پیغمبر علیہ السلام کو اہل ایمان کے حق

میں دھڑے ستھار کا حکم دیا اور قیامت کو نہ مرنے شفاعت مقام محمود میں مبعوث فرمایا تجویز کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے قبور پر کھڑے ہو کر ان کے حق میں دعا فرمایا کرتے علی ہذا کسی خاص شخص پر عمل کا واجب ہوتا اس امر کا مانع نہیں کہ غیر اس کے لئے ایصال ثواب کرے۔

اور داعین کا یہ کہنا کہ عبادت تقیم کی ہیں۔ ایک قسم میں تو دوسرے کی طرف سے قائم مقامی ہو سکتی ہے اور دوسری میں نہیں۔ بعض اہل خیال یہ کہتے ہیں کہ تو کتاب اللہ اور سنت محمدیہ اور نہ کوئی قیاس بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ نقل عبادت میں تو کسی غیر کی طرف سے قائم مقامی ہو سکتی ہے اور نقل میں نہیں۔ دیکھو روئے میں قائم مقامی نہیں ہو سکتی۔ مگر حیض میں غیر کی طرف سے روزہ ادا کرنا وارد ہو چکا ہے۔ بلکہ شریعت نے فرض کفایہ میں بھی قائم مقامی کو جائز رکھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایک بھی اس کو ادا کرے تو دوسروں پر سے ساقط ہو جائے اور طفل نابالغ جو بھی فعل کے درجہ کو نہ پہنچا ہو اس کی طرف سے اس کا تقیم یعنی سرپرست حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ اور تمام مناسک حج ادا کر سکتا ہے۔ امام مہم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس امر کو جائز رکھا ہے کہ ایسے شخص کی طرف سے جو بے ہوش پڑا ہو۔ یا اس پر غشی طاری ہو گئی ہو۔ اس کے ساتھی احرام باندھ سکتے ہیں۔ اور شریعت علیہ السلام نے والدین کے اسلام کو انتقال بخیرہ کا اسلام قرار دیا ہے۔ علی ہذا شریعت حقہ اسلامیہ میں اس قسم کی قائم مقامی کے اور بھی بہت سے تفارہ موجود ہیں بلکہ اگر کوئی شخص نہایت عہد سے کام لے تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ شریعت اسلامی کا میں مطلق یہی ہے کہ ایصال نفع کسی غیر تک کیا جائے۔ بلکہ شریعت کی نہ مگر کسی ایسے عمل تک کہ کوئی نہ ہو جس سے ایک شخص اپنے والدین یا اپنے مسلمان بھائیوں سے احسان و معرفت یا کسی قسم کی نیکی پیدا کرے۔ جبکہ مرنے کے بعد لوگ عتق دہی متورہی نیکی کے

بھی متعلق ہو سکتی ہیں۔ یہ سہولت اسلام میں ہر ایک مسلم کے عمل کا ثواب بلکہ کسی قسم کی شرط کے ہر ایک مسلمان مردہ کو پہنچ سکتا ہے۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔

مخبر ہذا اس امر کی تصدیق میں اہل ایمان کے ہر ایک ایسے روایات صادقہ (خواب) موجود ہیں جس میں ثواب پہنچانے والوں کو مرنے والوں نے کہا کہ تمہارے فعلوں کے ثواب ہدیہ کرنے سے ہم پر سے مذہب کی تخفیف ہو گئی اور اس قسم کے روایات درجہ تو اتر تک پہنچ چکے ہیں جس کی وجہ سے نابل تک باقی نہیں رہی اور انکی بے شمار ہی آٹھ ہے جو حدیث صحیح میں وارد ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے رسول اللہ! کہ تو طاعت علی النہانی العشر الاواخر یعنی میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تم سب کی روایا خواب اس امر میں باہم متعلق ہیں کہ لیلۃ القدر رحمتان شریفہ کے شروع و آخر میں ہے۔ جو جس طرح، ولایت حدیث میں ایک کثیر تعداد کے ایہوں کا ایک ہی حدیث کو روایت کرنا اس کو درجہ تو اتر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی طرح کثیر تعداد اہل ایمان کے روایا بھی درجہ تو اتر تک پہنچ جایا کرتے ہیں۔ اور مسئلہ ممتازہ میں ایک جم غفیر کے روایا اس بارے میں ثابت ہیں جو باہم متعلق ہیں۔

اور ماضی کا ذکر وہ بالا حدیث مولانا امام مالک رحمہ اللہ کا پیش کرنا کہ کوئی شخص کسی غیر کی طرف سے رخصت نہ کرے اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس میں اختلاف نہیں۔ صحیح نہیں کیونکہ امام صاحب نے عندنا سے حدیث اہل مدینہ کا مذہب پیش کیا ہے اور ان کو دیگر تمام بلاد کے علمائے اہل سنت کے اختلاف پر اطلاق نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ روایت سعید بن جبیر بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے قتادہ سے رمضان کی بابت فتویٰ دیا کہ مرنے والے کی طرف سے لو کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حدیث مولانا کے راوی ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ ان سے زیادہ سے زیادہ یہ فتویٰ آتا ہے کہ ایک اسمانی نے اپنی ایک دوسری روایت کے

برخلاف فتویٰ دیا۔ ماس سے ان کی تعلیمات میں کچھ عجیب لائق نہیں ہوتا۔ اور ممکن ہے کہ اس حدیث سے انہیں تسلی ہو گیا ہو۔ یا تاویل کر لی ہو یا راجع بنیاد روایت معارض سے اٹھ کر لیا ہو کیونکہ حدیث امام غزالی میں عاقلہ و بار و جوار الیصال ثواب رخصہ نزدیک صحیح اور مضبوط ہے۔

معنا القول علمائے سلف اس امر میں موجود ہیں کہ میت کی طرف سے روزہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اشکوف یہ ہے کہ بعض تو اس امر کی طرف گئے ہیں کہ قرمق اور نذر ہر دو قسم کے روزہ کو کوئی فیریت کی طرف سے ادا کر سکتا ہے اور بعض یہ کہ یہ مذہب ہے کہ مرد کی طرف سے رمضان کے روزہ کا تو کھا نا کھلائے اور نذر کا روزہ میت کی طرف سے ادا کیے۔

کیا ایصال ثواب کے لئے تلفظ ضروری ہے

عام طور پر لوگوں کا دستور ہے کہ کسی عمل کا ثواب کسی دوسرے کی

طرف منتقل کرتے وقت منہ سے الفاظ بھی بولتے ہیں جن میں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس صدقہ یا قرأت یا کسی دوسری عبادت کا ثواب فلاں بن فلاں کے ملک کرتا ہوں۔ اور خدا سے اس ثواب کے شخص مراد کے نام مقبول فرمائیے کی اتماس کرتے ہیں۔ گو اس میں کوئی جرح نہیں بلکہ ایک گونا گونا حکام عمل پر دلالت کرتا ہے مگر سلف صالحین میں اس طریق کی پابندی پر کوئی دلیل نہیں بلکہ صرف نیت غیر بر عمل یا دانا ہی کافی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے لیکن اس صورت میں کہ عمل کو کوئی شخص اپنی وفات کے لئے بچالائے اور بعد ازاں اس کا ثواب کسی غیر کی طرف منتقل کرنا چاہے تو صرف نیت کافی نہیں بلکہ الفاظ میں غیر کی طرف ایصال ثواب کی دستہ ماکرنا ضروری ہے جسے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ خدا یا تو نے اگر میرا عمل قبول فرمایا ہے تو اس کا ثواب فلاں بن فلاں کے نام منتقل کر دے یا اس کے نام اعمال میں نکر دے ایسے شرعاً

کی کچھ ضرورت نہیں لہذا ان میں کچھ فائدہ ہے کیونکہ مشروط کئے بغیر یہی اللہ تعالیٰ لیا کرتا ہے۔ اس اگر شرط نہ لگا دینے سے اللہ تعالیٰ عامل کی نیت کے بغیر کچھ اچھڑا کر دیکر تا تو شرط کا فائدہ ہو سکتا تھا مگر یہاں نہیں ہے۔

بدیہ یا بدیہ کیلئے کونسا عمل افضل ہے؟
میں ہی عمل افضل ہو گا جس کا نفع زیادہ ہو۔

مگر صدقہ سیت کے لئے اس کی طرف سے وقفہ رکھنے سے زیادہ نفع ہے اور بہترین صدقہ وہ ہے جو مستحق علیہ جس کو صدقہ دیا جاتا ہے اس کی حاجت کو ادا کرے اور جس سے ہمیشہ اپنی حاجت میں فائدہ اٹھاتا ہے اسی خیال پر ایک حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ افضل الصدقاتہ سقی المدا یعنی بہترین صدقہ پانی کا پلانا ہے مگر واضح ہو کہ یہ وہیں ہو گا جہاں پانی کی قلت ہو یا بجز شوری و ستیاب ہو تا ہو۔ وندلب دیا کیلئے کنوئل کھدانا ایک سو گئے کو کھانا کھلانے سے کیے افضل ہو سکتا ہے۔ علی ہذا سیت کیلئے وعات مغفرت جبکہ نہایت خلوص اور تضرع کے ساتھ کی جائے اس کی طرف سے صدقہ کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ بہر صورت ایصال ثواب صدقہ وعات مغفرت حج و غیرہ اعمال کی نسبت افضل ہے۔ علی ہذا الغنیاس۔ تلاوت قرآن مجید کا ثواب بھی میت کے لئے بہت مفید ہے کیونکہ یہ عمل بھی صدقہ میام و حج و غیرہ اعمال کی طرح میت کو پہنچ جاتا ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ اس بعض سے یہی لکھا ہے کہ تلاوت قرآن مجید پر سلف میں مرقع نہ ملتی۔ کچھ زمانہ بعد امت میں اس کا رواج ہوا۔ مگر یہ اس کے متعلق شکی کی یہ روایت دل گئی ہے جس کو حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کات الانصاف انصافات لہذا صیت اختلاف الی قبر و یضرون فقرات یعنی انصاف کا قاعدہ تھا کہ جب جن کا کوئی قری مر جاتا۔ تو اس کی قبر پر جاتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ بدیہ ثواب کا جنہو جتا فی غیر طری السلام اس سر میں اختلاف ہے کہ آیا بدیہ ثواب

بعضہ علی اللہ علیہ وسلم بائز ہے یا نہیں بعض علماء ہمت نے اس کو مستحب قرار دیا ہے
اور بعض نے فرمایا ہے کہ تمام صحابہ میں ایسا نہیں تھا مگر میں اس میں ایک دعائیت سے
شائبہ ہوا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر قربانی اپنی طرف سے اور نیز بددست پیغمبر
علیہ السلام کے آپ کی طرف سے بھی ادا فرمایا کرتے تھے اس لئے کچھ حرج نہیں بلکہ
موجب فرزند محبت ہے مع ذلک اکابر حضرات علماء مشائخ ایسا کرتے چلے آئے ہیں یہ یہی
واقعہ ہو کہ امت کا ہر ایک فرد بشر کو کسی مل جنس کو کیا لانا ہے اس کا ثواب اس عامل کے
ملاوہ جناب پیغمبر علیہ السلام کو بھی پہنچتا ہے کیونکہ منصوصہ ہی حقیقت اس کے رہا ہوتا
اور دانی سے اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا اس لئے جناب پیغمبر علیہ السلام کا ثواب
اعمال تمام امت کے ثواب اعلیٰ سے گنتا ہی بڑھا ہوا ہے نا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

استحباب دعا

یہ نہایت اہم اور دلچسپ مسئلہ ہے اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ دعا کی حقیقت اور اس
کی استحباب کے متعلق جو تعلیم اسلام پاک میں دی گئی ہے کسی دوسرے مذہب میں
اسکی نظیر نہیں مل سکتی اس مسئلہ کو بالتفصیل بیان کرنے کے لئے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت
ہے۔ مگر ہم بعینہ اللہ تعالیٰ بقدر ضرورت اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں یہ پتہ
ملایا کہ کوئی مذہب ہے کہ نہ نہایت قدر سے اس کا مطالعہ کریں نظریہ سہولت ہم اس مضمون
کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں

۱۔ مذہب اسلام میں کوئی ایسی تعلیم نہیں پائی جاتی
۲۔ مذہب کی بہتیت

تعمنائے قدرت کی روش سے پابند کے اسباب پر مجبور ہیں خود انسان کی جسمی بناوٹ اس کی تائید کرتی ہے۔ اور عالم خلیج میں ہم سلسلہ کائنات میں ہر شے کا رابطہ سبب و مسبب کے ساتھ وابستہ ہونا دیکھتے ہیں اس عالم گیر قانون کے روش سے ہم اس کی صداقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ہر ایک حادثہ کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے سلسلہ اسباب کی ضرورت سے انکار کرنا گویا نظرت ہند کی مخالفت کرنا ہے۔ کتاب اللہ میں اوامر و نواہی اور مختلف قوموں کے تاریخی واقعات کا جائزہ ذکر ہوا ہے۔ اور یہ سب کچھ سبب و مسبب کی ضرورت پر مبنی ہے چونکہ اس امر کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہیں آتی لہذا اس کی توضیح کی چند ضرورت نہیں کتاب اللہ کا حکم لیں لا انسان الا ماسنی اس دعویٰ پر حجت قطعی ہے۔

دعا کی ضرورت انسان کو جب کبھی کوئی حاجت پیش آتی ہے یا کہ کسی

محسب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے رفع کرنے کے لئے وہ مناسب اسباب کی تلاش کرتا ہے اور ایسا کرنا اس کا تعمائے قدرت ہے۔ اسباب کی پابندی سے اگرچہ اسے کامیابی کا یقین کا لٹن ہوتا مگر اس کا سلسلہ امید کبھی منقطع نہیں ہوتا وہ زندگی کے ہر ایک مرحلے میں اپنی کامیابی کی امید پر کوشش کا سلسلہ لگاتا۔ عادی رکھتا ہے تو یکایک اس کے دل میں اسباب کے غیر موثر ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اسباب کے غیر موثر ہونے کی وجہ کوئی ایسا امر ہے جو انسان کے احاطہ قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ اگر اسباب بدلتا موثر ہوتے تو نتیجہ مطلوبہ کے پیدا ہونے میں کچھ شک نہیں تھا۔ یہ امر ہر ایک شخص کے اپنے تجربہ پر موقوف ہے کہ گزر گیا ہوتا ہے کہ اسباب مناسب کی رعایت پورے طور پر ملحوظ رکھی جاتی ہے اور بظاہر کوئی دقیقہ فرگشت نہیں کیا جاتا۔ مگر بائینہ نتیجہ مطلوبہ پیدا نہیں ہوتا اس موقع پر اس کو اپنے عجز اور بے چارگی کا یقین ہو جاتا ہے۔

اور اسباب سے بہت کر اپنے خالق حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو سبب اسباب ہے
 اور تمام سلسلہ کائنات کا تمام اس کے علم اور ارادہ اور قدرت کے ماتحت چل رہا ہے اور
 جیسا اس کے وقت ہی صفات کا یقین ہو جاتا ہے تو ایسی چشم بصیرت سے دیکھ لیتا ہے
 کہ موجودات عالم کا ایک ایک فرد اس خالق حقیقی کے جلال و ہرودت کے زیر اثر متوجہ
 و مغلوب ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اشیائے کائنات میں تصرف کرتا ہے اور ایسے تصرف
 صرف اسی کا حق ہے اس مرحلے پر پہنچ کر اس کی کسج و نرمی کے بعد اس کے
 سامنے عرض حاجت کرنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ مدد گاہی کا دیا جوش میں آتا ہے اور
 از خود ایسے اسباب پیش آتے ہیں کہ طالب اپنے گھر پر مطلوب کو پالیتا ہے +

شرط استجابت دعا

کتاب اللہ میں احادیث و روایات ہے۔ امن و بحیب المضطر

از دعاء بھلا کون سے جو ایک بے چارہ کی بے چارگی کی حالت
 میں پکار رہا ہے اس آیت شریفہ میں لفظ مضطر
 سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حاجت دعا کے لئے مضطر شرط ہے
 و نہ مضطر کی جگہ داعی کا لفظ کام دے سکتا تھا۔ جیسے آئے اجیب دعوة الداع
 اذا دعان میں یہ لفظ موجود ہے۔ مضطر کے معنی بے بسی اور بے چارگی کے ہیں۔
 یعنی بھلائی و عابدہ کی حالت بے چارگی اس حد تک پہنچ جائے کہ غیر اللہ کی طرف
 سے خواہ کوئی ہو۔ یا اس گلی کا یقین ہو جائے۔ اور تمام حیلوں اور چاروں جو یوں سے
 دست بردار ہو کر صرف معبود حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور بالیقین جان لے کہ
 اس کے سوا اور کوئی متولی نہیں۔ اور میں ایک بے دست و پا عاجز مخلوق ہوں۔ اور
 اس کے قلب کی کششگی اس حد تک پہنچ جائے کہ مسطوت و جلال الہی کی ہمیت اس کے
 ظاہر و باطن پر غالب آکر اس کی آنائیت کو معدوم کر دے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ذات بھی
 فراموش ہو جائے۔ چنانچہ بعض ائمہ میں وارد ہوا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک

دعا کے جواب میں یہ بشارت دی گئی۔ انا عند المنکسرة قلوبہم لا عجبی۔ یعنی ارشاد ہوتا ہے کہ میں ان دلوں کے ساتھ رہتا ہوں جو میری سطوت و جلال کی سمیت کی وجہ سے شکستہ ہوتے ہیں۔ یہی طویر ہاتھوں کا اٹھانا اور زبان سے الفاظ بولنا جیسا کہ عام لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں کسی قسم کی حرکت پیدا نہیں ہوتی اور زبان کی توجہ میں استقامت ہوتی ہے کچھ مفید نہیں۔ اس امر کی طرف ایک حدیث شریف میں اشارہ ہے۔ ارجو اللہ وانتم موقنون بالاحیاء و علموان اللہ لا یجیب دعا من قلب غافل لای یعنی اسی حالت میں اللہ تبارک تعالیٰ کو پکارو کہ تمہیں یقین ہو کہ وہ سنتا ہے اور جان لو کہ وہ غافل اور غیر متوجہ دل کی دعا کو نہیں سنتا۔

حق تو یہ ہے کہ شنگلی بدوں بچاؤ کی کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور انسان کو اپنی بچاؤ کا علم اس وقت ہوتا ہے جبکہ تمام خارجی اسباب کی طرف سے پاس کلی ہو جاتی ہے جب تک کہ غیر اللہ کی نسبت کچھ بھی خیال باقی رہتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ ابھی پوسے طرہ پر جمع اللہ کے مقام تک اس کو رسلی حاصل نہیں ہوتی۔ مگر ایسی حالت کا پیدا ہونا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں جب آلام و مصائب چاروں طرف سے انسان کو آواز دیتے ہیں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سچی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے جس کی حکمت یہ ہے کہ بے اختیارانہ حالت میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور آنسوؤں کا جاری ہونا پروردگار کے نزول رحمت کا نشان ہے۔ انرض منہ کا تضرع اپنی بے جا حالت کی بے گزشتہ استجابت دعا کے بے ضروری شرط ہے صاحب شہوسی فرماتے ہیں۔

اے کہ خواہی اند بلا جاں آخری جان خود را در تضرع آدمی
کہ میں تضرع یا میری حق قدم است وہاں یہاں کا بجا است آدمی کی بجا است

دعا اور اسباب

بعض ناواقف لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دعا اور اسباب کی پابندی ایک دوسرے کے منافی ہیں مگر یہ خیال قطعاً غلط ہے کیونکہ دعا بھی منجملہ اسباب کے ایک سبب ہے۔ ہاں مجبورہ اسباب سے اس کی نوعیت علیحدہ ہے۔ مگر کرنے سے معلوم ہوگا کہ دعا کی استجابت کا مجبورہ اسباب کی پابندی کی صورت میں بڑا کرتا ہے۔ اسباب مناسب کا پیدا ہونا استجابت دعا کا نتیجہ ہے۔ اِذَا ارَادَ اللّٰهُ اَمْرًا حَتّٰی اَسْبَابُ اَمْرِ اَمْرٍ مِنْ حِکْمَتِ خَدَّائِهِ پر مبنی ہے۔ اگر عداۃ اللہ اس بات پر جاری ہوتی۔ کہ بظاہر پابندی اسباب انسان اپنے مطلوب کو پالیا کرے تو ہم اس کی قدرت کا طے کے سلسلے اس امر کو ناممکن نہیں سمجھتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں اس کی صفت حکمت کا محض ہونا لازم آتا ہے۔ اور حکمت اسی سلسلہ سبب و مسبب کا نام ہے اس لئے اس کی قدرت کا طے کا مجبورہ حکمت کے ذیل میں اور اس کی حکمت بالظہر کا مجبورہ قدرت کے ذیل میں ہو کر رہتا ہے۔ اور یہی طریق ایک ایماندار کے لئے صحت جواب ہے کیونکہ اس میں ذاتِ باری کی ہر دو صفات قدرت و حکمت کو یکساں طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حکمت بے قدرت اور قدرت بے حکمت کہیں پائی نہیں جاتی۔ کیونکہ دنیا کی فطرت ہی اسی قانون پر جاری ہے اس تقریر سے معلوم ہوگا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ حصول اسباب کے لئے کوشش کریں یا نہ کریں۔ وہی ہوگا جو مقدمہ ہے سر اسر باطل ہے کیونکہ اس خیال کے لوگ صفت قدرت کو تو ملحوظ رکھتے ہیں مگر صفت حکمت کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اسباب کی پابندی بہر صورت ضروری ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ تمام امور کا سرانجام اور حوادث کا وقوع مشیتِ انہی پر ہو قوت ہے۔ مگر مشیت اسباب ہی کے ذیل میں جاری ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ہماری طرف سے کوئی کوشش صادر نہیں ہوتی اور خود بخود اسباب

مناسب پیدا ہو جاتے ہیں جن سے ہمارا مطلب حاصل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ہم
 اپنی کوشش سے اسباب مناسب کو ہم پہنچاتے ہیں اور اپنے مطلوب کو پا لیتے ہیں۔ مگر
 اسباب کی ضرورت ہر حال میں اسی ہے۔ چونکہ ہمیں آمد کے واقعات کا علم نہیں دیا
 اس لئے ہمیں یہ علم نہیں ہوتا کہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہونگے یا نا کامیاب لہذا
 ہم کو امید کامیابی پر اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا ہے۔ معترض کہے گا کہ اگر
 مطلوب کا ہونا مقدر ہے تو ہو کر رہ گیا اس لئے کوشش کرنا اور نہ کرنا یکساں ہے
 درست نہیں۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر وہ اپنے تندرست
 ہونے پر ہو کر رہ گیا بلکہ یا ڈاکٹر کا معالجہ کریں یا نہ کریں یکساں ہے۔ یہ عجیب خیال ہے۔
 صحیح تو ہے مگر لوگ اس کے عمل سے متحمل نہ ہوتے۔ اس لئے دعا بہر صورت انسان کا
 فرض ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ میں ہونا مقدر ہے یا نہ ہونا کیا یہ امر ارادہ الہی
 میں داخل نہیں ہو سکتا کہ ہمارا مطلوب اللہ تعالیٰ نے مجھے جمع الی اللہ پری ہر قوت
 رکھا ہو۔ اس نکتہ میں خوب غور سے کام لینا چاہیے۔ اور قدرت اور حکمت (سلسلہ)
 سبب و مسبب ابھرو کو موثر رکھنا چاہیے۔

استجابت کی مختلف صورتیں | اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ استجابت دعا
 کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو اس کا مطلوب
 حاصل ہو مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ انسان یہ واقعات اپنے خیال کے مطابق کسی مطلوب
 اپنے حق میں مفید سمجھتا ہے مگر ذاتِ باری عزوجل کے علم میں اس کا حصول
 اس کے حق میں ضرر ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ مطلوب اسے نہیں دیا جاتا۔
 اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے ایک ناہن بچہ لٹے ڈاکٹر کسی غامض قسم کی غذا اسے
 دے کر بخیر بخیر کہتا ہے اور بچہ اپنے والدین سے اس کے حاصل کرنے میں مند کرتا ہے
 مراد اسے نہیں دیتے کیونکہ انہیں علم ہے کہ اس غذا میں بچہ کی ہلاکت ہے اس لئے

وہ اسے کوئی مناسب فدا دے کر روک دیتے ہیں۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ وہ عین اس
 غذا کے دینے میں منجھ سے نکل کرتے ہیں؟ یہی حال دُعا کا سمجھو کہ دُعا کنندہ کو
 اس کا مطلوب نہیں دیا جاتا کیونکہ وہ اس کے حق میں معذور ہوتا ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ
 حکم لا یشیع علی عامل منکم کسی کے عمل کو منسلق نہیں رہنے دیتا اس لئے اس دُعا
 کے نتیجہ کو مختلف صورتوں میں استجاب کا درجہ دیا جاتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں
 آیا ہے۔ "مَا عَلَى الْكَافِرِ مُسْلِمٌ يَدْعُو اللَّهَ يَدْعُوهُ إِلَّا أَنَا وَاللَّهُ آيَاهَا
 أَوْسَرَتْ فَتَدْعُو مِنَ الشَّيْءِ مِثْلَهَا مَا لَهُ يَدْعُو بِأَشْمِئِزُّ قَطِيعَةٍ بِرَحْمَةٍ
 جِسْرٍ كَامِلٍ يَسْأَلُ كَيْسِي مُسْلِمٌ دُعا کنندہ کو یا تو اس کا مطلوب دیا جاتا ہے یا کوئی ایسے
 والی معیبت اس کے عوض میں شامل کی جاتی ہے بشرطیکہ کسی امر گناہ یا قطع رحم کے
 لئے وہ دُعا نہ کرتا ہو اور بعض آثار سے ثابت ہے کہ اگر داعی کو اس کا مطلوب نہ دیا
 جائے تو وہ دُعا بطور ایک حسد کے اس کے نامہ اہل میں کہی جاتی ہے جس کا ثواب
 قیامت کے دن اسے دیا جائیگا ایک حدیث میں وارد ہوا ہے۔ یستجاب لکھد کہ
 ماله یصل یقولہ قد دعوت فلم یستجب لی" یعنی داعی کی دُعا کو مستجاب
 رکھا جاتا ہے جب تک وہ گھبرا کر یہ نہ کہنے لگے کہ میں بہت دُعاں کر چکا ہوں مگر
 مستجاب نہیں ہوتیں۔ یہ جملہ اکثر لوگوں کی زبان سے سنا جاتا ہے مگر وہ اس امر سے
 ناواقف ہوتے ہیں کہ استجاب میں توقف کا واقع ہونا حکمتِ خداوندی پر مبنی ہوتا ہے
 وقتِ معین سے پہلے کبھی کوئی امر واقع نہیں ہو سکتا۔

تفسیر ملک میں آیا "اجیب دعوة الذی اذاع ان" کے ذیل میں لکھا
 ہے۔ "اجابة الدعاء وعد صدق من الله لا خلف فيه غير ان اجابة
 الدعوة تختلف فاجابة الدعوة ان يقول البذل يا رب
 فيقول الله بئيك عيسى وهذا امر موعود موعود لكل مؤمن وفداً

عطاء المہار و ذلک قلہ کیوں ناجو اوردن کیوں اہل صلہ و قد کیوں فی الاخرۃ
 و قد تہکون المغیرۃ لہ فی خیر یعنی اہلبیت دعا خلت قتالہ کی طرف سے ایک سپاہ
 و عہد ہے جس میں غلت کو کچھ غل نہیں۔ ہاں اہلبیت دعا اہلبیت کو پیر اگر خیریت کا نام نہیں
 کہیے گندہ اہلبیت دعا کے تو یہ معنی میں کہ بندہ "یارب" کہہ کے طلب سے اور دعائے تعالیٰ اس
 کے پکارے نہ تو شک ہے اسی پر ہر حالت میں ہر ایک مومن کے لئے موعود ہے
 اور حاجت کے پورا کرنے کا مہم جو یہ ہے کہ داعی کو اس کا مطلوب دیا جائے اور مطلوب
 کا دیا جائے گی تو فی الفور وقوع میں آتا ہے اور کبھی کچھ مدت سکے بعد اور کبھی آخرت
 کے ثواب میں داخل کر دیا جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطلوب کے علاوہ
 کوئی اور شے مناسب اس کو دینی جاتی ہے +

دعا کی فضیلت اور اس کی رغیب | دعا کی فضیلت اور اس کی رغیب کی بابت

اسی ایک اہادیث و اسو میں چنانچہ ایک حدیث
 میں فرمایا: "من ہر تہکم حتیٰ کسر یہ لیستی من مبدیٰ اذا سرفع السیدہ یدایہ ان
 یزد عمامہ الخائستین" یعنی نہ لے تعالیٰ صاحب حیا و کرم ہے اور وہ اس
 بابت سے شرماتا ہے کہ بندہ اس کی باب گاہ میں ہاتھ نہ لائے اور وہ نہیں غالی اور
 ناکام رہنے سے۔ پھر فرمایا: "میں شیئی اکسر علی اللہ من الدعاء یعنی قدرے
 تعالیٰ کے ہاں دعا سے زیادہ بڑھ کر کسی چیز کی عزت نہیں۔ اور پھر فرمایا: "الدعاء
 فتح العبادۃ" یعنی دعا عبادت کا مفتاح ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں یوں آیا
 ہے۔ "من فتح لہ باب من الدعاء ففتح لہ ابواب الرحمة وما سئل اللہ
 شیئاً احب الیہ من ان یسئل العافیۃ وان الدعاء یتفتح مقامزل و منما
 لم یمنزل" یعنی میں شخص کے لئے دعا کا دہنہ کھول دیا جاتا ہے تو سمجھ لو کہ اس
 کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے اور عافیت و این سے بڑھ کر نعمائے تعالیٰ

کو کوئی چیز زیادہ بڑی نہیں جو اس سے طلب کی جائے اور دعا کے لئے نماز اور غیر نماز ہر دو کے لئے یکساں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہیں بھی وروہو ہے لا یوق التقتان ولا یلتصمان
یعنی دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جو قضاء و حقیق کو روک سکتی ہے ۷

آداب دعا

جب آدمی کو کسی قسم کی ضرورت یا مہم پیش آئے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اسے لازم ہے کہ جہل تک ہو سکے کثرت دعا سے کام لے جب دعا کے لئے تیار ہو تو چاہے کہ پہلے مخفی طور پر کچھ صدقہ کرے اور کسی ایسی جگہ جہل کوئی غیر نہ ہو پہلے وضو کرے اور تہیۃ الوضوء ادا کرنے کے بعد دو رکعت بنیت قضا کے حاجت اس طریق پر پڑھ لائے جو کتاب احادیث میں مذکور ہے بعد فراغت دعا کے ماثورہ نہایت اخلاص اور تضرع کے ساتھ پڑھے اور بار بار اسی کو دہرائے کیونکہ دعا کے قائل و مایں اہل رب کرنے کو دوست و کتابت مکر اہل قدر و درود شریعت کو لازم سمجھے اور حصول مطلوب تک اس عمل کو بدستور جاری رکھے انشاء اللہ
تقلاً دعا یعنی اپنے مطلوب کو پا لیکھا۔ اور جہل تک ہو سکے تضرع افلاہی سے کام لے یہ ایک ایسا عمل ہے جو مومن کے لئے حصول مطلوب کا موجب ہے۔ اور جو بار بار تہجد میں پڑھتا ہے۔ گویا بجز ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے وہ سزا آدمی فائدہ نہیں اٹھا سکتا
وَمَا دَعَاكَ الْكَافِرُ يَنْفَعُ الْكَافِرَ فِي عَمَلِهِ ۷

سنت و کائنات کے بعد جو دعا کے مالک وہ کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

لا الہ الا اللہ الحمد للہ العزیز سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین استلث موجبات مرحمت و عزائم مخیر قل والغیمۃ من کل یوم وسلامۃ من کل اللہ لا یتبع لی ذنب الا انقرضت ولا ہما الا فرجۃ ولا حلیۃ من حوالہ الدنیا والآخرۃ ہی شریۃ لا یغنیہ الا حسنہ الی احسنہ ۷

یہ بھی ضروری ہے کہ دعا الفاظ کا اثر میں ہونی چاہئے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں دعاؤں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اور ہر ایک دعا کے الفاظ میں شکر، حمد و ثناء اور شانِ عبودیت ہر وہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ آپے تجاوز نہ کرو۔ الفاظ میں ممکن ہے کہ پاس ادب نہ ہے۔ کثرتِ استغفار اور حمد و ثناء استیجاب دعا کے لئے نہایت ضروری ہیں بلکہ غور کرو تو معلوم ہو گا کہ یہی چیزیں دینی حقیقت و حجاب ہے۔ قرآن مجید میں مختلف حضرت انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں غور کرو تو ان میں بجز حمد و ثناء و استغفار کے اور کچھ نہ پائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا میں خداوندی عظمت و جلال کا اظہار اور اپنی عبودیت کا اقرار جو غایتِ تضرع و ابتهال پر مبنی ہو مقصود بالذات ہے یہی وجہ ہے کہ دعا کرتے وقت ہمتا سنان کی طرف اشارے ہاتھ ہاتھ ہیں کیونکہ سنان عمل نزولِ رحمت ہے اور قرآن مجید میں صریح اشارہ موجود ہے "وَلَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّهُ يَرْحَمُ الْغَافِلِينَ" (قرآن مجید) کا پہلے ذکر آچکا ہے اس لئے ہر ایک ایسا نہ کر کہ لازم ہے کہ وہ اوقات مخصوصہ میں دعا کو اپنا شعار بنائے بالخصوص کسی آئے وقت میں کیونکہ رفعِ مصائب کے لئے توبہ، انابت، استغفار، صدقاتِ خفیہ اور دعا کے برابر کوئی

اور عید کا گرنہیں ہو سکتا کسی صاحبِ دل نے کیا خوب کہا ہے

سر نوشتِ دہانہ گویا رمانِ گریبانہ نیازِ فقرش ملکوں گویا از سجدہ میگردد و دست

محققین نے بالافتقار اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ دعا کے وقت آسمان کی طرف

باتحاد اٹھانے میں خاص عبودیت کا اظہار مقصود ہے نیز کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔

کیونکہ خدا نے تعالیٰ کے لئے کسی مکان کی تخصیص کرنا جائز نہیں۔ اور آیت "الْمَلٰئِكَةُ رَافِعَاتُ الْعَرْشِ" (الحشر: ۴)

کافی فیصلہ ہے کہ ایسے آیات کے ظاہر الفاظ پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور تاویل کرنا

صحیح نہیں اسان کی سبب پر بحث کرنا نہیں چاہئے۔ خدا نے تعالیٰ بہتر مانتا ہے +

ایمانت و عبادت و حقیقت میں متعلق کا نتیجہ ہے جو مخلوق کو اپنے خالق سے حاصل ہے
 یہ تعلق ایسا مضبوط و قائم ہے کہ جب تک خالق خالق اور مخلوق مخلوق ہے کسی مقطع نہیں
 ہو سکتا۔ جب عاجز مخلوق بے بس ہو جاتا ہے اور انانیت کے تمام لوازم ٹھٹھکتے ہیں
 اور بطل و جبروت انہی کی محبت و مہلت غالب جاتی ہے تو آنکھ رست کا شور مچنے
 لگتا ہے۔ مغرب کی کمال عبودیت کے مقام میں استیجاب و عبادت کی یقینی امر ہے مگر اعتقاد
 صحیح جو دلوں و شکوک سے پاک ہو شرط استیجاب ہے۔ یہ قبول ان بارگاہ تو بہر وقت و مقام
 عبودیت میں ہوتے ہیں اس لئے انہیں بارگاہ رب العزت میں عرض حاجت کی ضرورت
 نہیں پڑتی۔ کیونکہ مقام مشاہدہ میں الفاظ و من حاجت کرنا ایک اعزایہ ہے وہ ہو
 یہ توفیق الصالحین کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو یہ مقام حاصل نہیں
 انہیں مذکورہ بالا طریق پر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ یہ صورت کثرت
 دعا یا تعلق جمیع علما و محققوں مطلوب کی مشیر ہی ہے۔ ہر ایک ایسا بندہ کو لازم ہے کہ وہ
 روزی حلال کا پابند رہے اور جہت و غیرہ سے اپنی زبان کو آلودہ نہ ہونے دے
 ایسا شخص یقیناً کبھی انعام رحمت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ واللہ ولی التوفیق۔

آسیب نظر حق ہے

ماوراء پرستوں کا قاعدہ ہے کہ وہ موصوفاتِ مادیہ کے آثار کی علت صرف مادی
 اشیاء تک محدود سمجھتے ہیں یا یوں سمجھو کہ انسان اور حیوان کے مسکات میں کوئی علیہ العبادت
 قائم نہیں کیونکہ اور مذہب عالی تاثرات کو تسلیم نہیں کرتے۔ عنوان مذکورہ بالا کے متعلق
 بھی یہ لوگ ایسا کہتا ہیں کہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک ایک جسم

دوسرے جسم سے منہ نہ کرے دوسرے جسم میں کسی قسم کا تھیر چلا نہیں رہ سکتا لیکن ان کا یہ
 خیال بالکل باطل ہے کیونکہ کثرتِ انسانی میں کئی ایک امور عیب کی قدامت موجود ہے مگر
 ایسے امور عیب صرف ان لوگوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو یہ صفت و جماعت کے مقام
 میں استقامت حاصل کر چکے ہوں۔ تمام لوگ ان کی اہمیت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں
 یہ ایک امر واقع ہے کسی چیز کا علم نہ ہونے سے اس کا سدوم ہونا کسی کوئی عقلمند تجویز
 نہیں کر سکتا۔ اور عیب کی بات ہے کہ یہ لوگ مادہ کی تحقیقات میں انرجی کی حیثیت تو
 بلا حجت مان لیں مگر عیبی پہلو میں اگر بد حالی تاثیر کا عقیدہ پیش کیا جائے تو منہ بنا کر
 انکار کریں۔ مسخر برم کھڑا کرتے تو امانا و مدد تھنا ادا کر آسید نظر کا کوئی ذکر کرنے
 تو اسے وہم پستی کہتے ہیں مغرب کی طرف سے گونہ شر کی بوسے بدھن لوگوں کے
 خلق تک پہنچ جائے تو ان کے بے مشک و عنبر کی بوسے خوش۔ سکھیں نہ وہ
 نشہ انگیز ثابت ہوتی ہے۔

ہم میں بالخصوص غور کرنا چاہئے کہ جس روح انسانی کے زیر اثر پناہ مل گئے ہیں
 خوش الحانی کی تاثیر کا ہر ایک شخص قائل ہے حالانکہ یہ قوتِ ناطقہ کا ایک فعل ہے جس کا اثر
 قوتِ سامع پر ہوتا ہے جس کا نتیجہ اوقات یہ ہوتا ہے کہ مینے ملاخود کو کہنے بھوش و
 حواس کھو بیٹھتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو گالیاں دیتا ہے تو گالیاں کھاتے
 وئے شخص کی طبیعت میں جو اثر اشتعال پیدا ہوتا ہے اسے سب لوگ جانتے ہیں۔ جب
 قوتِ ناطقہ اور سامع میں تاثیر و اثر کا یہ رابطہ قائم ہے تو قوتِ باصرہ اور اشیاءِ صغیرات
 میں انکار کر سکتی کیا وجہ ہے؟ قوتِ باصرہ انرجی کے قدر کسی مبصر چیز پر ایسے غیر مبصر
 الیکٹرونز کا اگر ہیرا کئی ہو تو یہ کیا اہل تعجب ہے؟ علاوہ ان میں ہم صرف اس امکان
 عقلی کو وہ مجاز قرار نہیں دیتے بلکہ ہر ایک لوگوں کے تجربہ و مشاہدہ کو بطور تائید حجت میں
 پیش کر سکتے ہیں۔ بعد ہر ایک شخص کا ذاتی تجربہ بابا آسید نظر کا قائل ہونے کے لئے

کافی ہے۔ قرآن مجید میں آیہ "وَلَا يَكْفُرُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا بِالْبَصَارِ هُدًى لِّمَا
 سَمِعُوا وَالَّذِينَ كَفَرُوا" کی ذیل میں بعض مفسرین نے آسیب نظر کو تسلیم کیا ہے۔ اور ایک حدیث
 میں وارد ہے "الْعَيْنُ حَقٌّ وَالتَّحْنِیُّ سَبَبُ تَقَرُّقٍ" ہے۔ اور پھر فرمایا "الْعَيْنُ تَدْخُلُ الْحِجْلَ
 الْقَبْرَ وَالْحِجْلَ الْقَلْبَ" یعنی نظر بد آدمی کو قبر تک اور موت کو بند یا تک پہنچا دیتی ہے۔
 اس پر باطل صحیح ہے کہ یہ خاصیت ہر ایک انسانی رؤس میں موجود نہیں ہوتی بلکہ فاس
 خاص لوگوں کی ترکیب مزاج ایسی ہوتی ہے کہ ان کی نظریں یہ تاثیر پانی جاتی ہے۔
 کیونکہ بعض انسانی کو مزاج انسانی کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہوتی ہے۔ عام طور پر
 یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو تعجب و حیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو
 اس کا اثر اس دھرمی چیز میں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک ایسی ہی علامت نے آسیب نظر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک کیفیت انسانیہ
 ہے جو کسی شے کو دیکھ کر تعجب کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اظہار بھی بالکل کرتے
 ہیں جو روحانی تاثیرات کے قابل نہیں اور صرف ادنیٰ تاثیرات کو تسلیم کرتے ہیں مگر چونکہ
 آسیب نظر کا اظہار ناممکن ہے اس لئے منکرین اپنی تسلی کے لئے اس کی کچھ نہ کچھ توجہ
 کر دیتے ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ دیکھنے والے کے قلب سے ایک نفس خارج ہو کر
 تیر کی طرح جاگتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی ہی حالت ہے جس میں متناہس سے
 بنائیت یا ایک تاثیر عمل کر رہے سے جاستی ہیں اور اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور
 بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک کیفیت مرسلہ ہوتی ہے جیسے کہ آگ کو جسم عید کے گرم
 کرنے سے پہلے مرسلہ ہی ہے کہ ہر ایک کو گرم کرے۔ مگر محقق نکلوان سب توجہات
 کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک آسیب نظر کی علت نفس کی ایک قوت مسمومہ
 ہے جس سے وہ اشیائے خارجیہ میں تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مگر وہ نفس
 پاک ہوگا تو وہ نفس نبی یا ولی کہلاتا ہے جس کے ہاتھ پر خواص ظاہر ہوتے ہیں اور اگر

جنت ہو گا تو اسے معاشرے میں۔ لہذا وہ تولد و بقا کی توفیق حاصل ہوئے
 ہیں معجزہ یا کرامت یا سحر کہہ دیتے ہیں۔ اعداد و قول منصرف کے اشارے ظاہر ہوں مثلاً
 کائنات میں مقناطیس تو انہیں غیر نفات بولتے ہیں اعداد و اجرام سماویہ کی تاثیر سے ظاہر
 ہوں تو انہیں علامات کہتے ہیں۔ غیر متعلق لوگ جو متعلق علوم میں مہارت نہیں رکھتے
 ایسے خوارق امور کا انکار کر دیا کرتے ہیں جس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اہم الناس
 کے سامنے ایسے امور کا انکار کر کے اپنے آپ کو محقق ثابت کریں۔ مگر ایسی چیز کے انکار
 کا انکار جو دلیل سے ثابت ہو اس چیز کے اعتراف سے جس کا ثبوت کسی دلیل سے
 ممکن نہ ہو ہم اسے حاکمیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ تو اہل فلسفہ کی توہمات ہیں مگر ہمیں جس امر کی صداقت کتاب و سنت سے پائی
 ثبوت تک پہنچ جائے اس کے متعلق ہم غرضی استدلال کو ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ وہ غرضی
 ہے اور یہ غرضی اور یقین بقا و بقا زیادہ قابل محبت ہے۔

جنت و جہنم

اکثر اہل حقہ میں بات کے قائل ہیں کہ جنت و جہنم کی حقیقت تو بجائے خود مسلم ہے
 مگر اس کی کیفیت جہانی کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ثواب و عذاب ایک قسم کی
 روحانی خوشی اور رنج کا نام ہے۔ اور کتاب سماویہ میں ثواب و عذاب کے متعلق جو
 کچھ آچکا ہے۔ ان سے وہی چیزیں مراد نہیں بلکہ ان کی تشبیہ صورت دکھائی گئی ہے
 اور یہ خیال مصنف حشر جہانی کے انکار کا نتیجہ ہے۔ مگر نفوس آیات و احادیث اس
 خیال کو بطل ثابت کرتے ہیں کیونکہ ان نفوس میں بظاہر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی۔

بعد قرآن اید کے الفاظ اذ ابغضنا فی القیور بعد علی قادیان علی ان مستوی
 پڑھنے اور من بھی اعظم وہی دوسرے قیل یحبھا الذی المنشاء حاد اول مرۃ وہو
 نکل خلق حلیمہ وغیرہ ذلک میں کہنی کیا تاویل کر سکتا ہے۔ سوچ مشر جہانی کا
 انکار کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا تو جنت و جہنم کے صحیح ہونے میں کیا شک باقی رہا
 ہے البتہ ہم یہ بیان سکتے ہیں کہ عالم آخرت میں انسانی جسم دنیا کے کیفیت جسم سے مختلف
 نوعیت کا ہو گا۔ اور اسکی کیفیت ثواب و عذاب کی کیفیت جی و دنیوی خوشی و غم کی
 صورتوں سے مختلف ہوگی مگر وہی میں ثواب و عذاب کے لئے ایسے ایسے الفاظ
 استعمال کئے گئے ہیں جن سے کوئی فہم لوگوں کو دنیاوی دہانہ کی کیفیت پر حمل
 کرنے کا دھوکا گنا ہے مگر عالم آخرت کی کیفیات خوشی و غم بیشک جہانی تو ہو گئے
 مگر چونکہ میں جسم کی فعلیت دنیوی جسم کی فعلیت نہیں ہوگی اس لئے وہ کیفیات جی و دنیوی
 کیفیات سے بالکل مختلف نوعیت کی ہوگی اس لئے جنت و جہنم کی کیفیات کے متعلق
 جو کچھ کلام وہی میں آچاہے بالکل صحیح اور درست ہے۔ ہم ان کیفیات کو انہیں الفاظ
 میں بیان کر سکتے ہیں جو ہمارے لئے اقرب الی الفہم ہیں اسی بنا پر بعض متعین کے نکاحات
 کہ عالم آخرت کے ثواب و عذاب کی کیفیات کا علم آیات تشابہات کا سنا ہے جن کی
 حقیقی صورت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر ہم ان پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہیں
 واضح ہو کہ جو لوگ مسند صفات ذات باری کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہاں اوقات
 جہالت کی وجہ سے جنت و جہنم کے ثواب و عذاب کو اس عالم مادی کی حقیقت پر حمل
 کر کے کسی قسم کی گتہ چینیوں کیا کرتے ہیں مگر انہیں معلوم نہیں کہ جنت و جہنم کی کیفیات
 ایسے حقائق ہیں جو انسان کے اعمال ہی کی ایک مناسب صورت میں محسوس ہوگی یعنی
 انسان کے اعمال کو ایک جہانی صورت میں منتقل کیا جائیگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں
 وارد ہوا ہے۔ انما اھی اعدا لکم تروا لیک یعنی جنت و جہنم کا ثواب و عذاب جہان کے اعمال

ہی میں باوقار ہیں۔ آئیے اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوئے۔ ان ارض الجنة قطبان
مواضعاً سبحان الله والمحمد والمطہرین جنات کی زمین وسیع میدان ہیں جس کے پورے شجر
وحد ذات باری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا طے بندوں کے اعلان نیک و بد
کے مطابق ثواب و عذاب کی اسی صورتیں مقرر کر دی ہیں جو قیامت کے دن تقسیم ہو کر ہر ایک
سامنے آئیں گے۔ ان کی جہانیت کی نوعیت کچھ ہر ہو مگر میں ان کے جہانی ہونے میں انکار
نہیں ہو سکتا۔

میں لوگوں کی طبیعت میں انکار کا مادہ و ذلت رکھا ہوتا ہے۔ وہی حشر جہانی کے
منکر ہیں۔ اور ان کل کے نیا پرہ نے بھی یہ خیال نہیں سے اٹھایا ہے۔ بن اہل فسد
کو اہل عقل بولا کرتے ہیں۔ لیکن ان خیال نیا پرہ نے ہمیں کج نگاہ اس امر کا پتہ نہیں دیا
کہ عقائد قرآن مجید کو دیکھ کر بنا پرہ بن کے مقصود و مصلیٰ سے بچ کر اپنے فرضی مصلیٰ کی
طرف لے جاتے ہیں۔ فردہ اپنی ناقص عقل کی رو سے حشر جہانی کو محال باور کرتے
ہوں تو یہ امر کسی طرح دوسروں کے لئے محبت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ حقیقت قدرت
بارہی ان کے دائر عقل میں محدود ہو سکتی ہے اور اگر لفاظ قرآن کے معنی حقیقی کو
ترک کر کے وہ اپنا مذہب قائم کرتے ہیں تو انہیں کوئی دلیل قطعی پیش کرنی چاہئے
تعب یہ کہ عالم دنیا میں ہر ایک قسم کی لذت مشابہ کا فاعل تو دولت باری کو تسلیم
کیا جائے اور عالم آخرت میں اس کی کمی کر دی جائے۔ اس مسئلہ میں حق تو یہ ہے
کہ عالم آخرت کے متعلق کوئی شخص اپنی عقل کے روتے کوئی ایسے قائم نہیں کر سکتا۔
اور اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو شائع عینہ اسلام کی بدست غیر ضروری تھی مابعد کی زندگی
کے متعلق بجز تعلیم حق کے کسی اور لہر کو محبت تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بالکل حق ہے۔ کہ اگر
حشر جہانی ثابت ہو جائے۔ تو عذاب و ثواب سب جہانی تسلیم کیے نہ گئے۔ مگر لفاظ
قرآنہ حشر جہانی کو بڑے زور و شور سے ثابت کرتے ہیں۔ لہذا عذاب و ثواب سب

جہاں بشیاء ہو گئی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں پر قیاس نہیں کیجا
سکتیں۔ کیونکہ وہ صرف نام میں دنیا کی نعمتوں سے ملتی جلتی ہیں ورنہ ان کی نوعیت ان سے
بالکل مختلف گئی چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت کی نعمتوں سے جیسے پاس دنیا میں کچھ ملتا
ہوگا وہ دنیا کی نعمتوں پر گزرتا ہے جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکایت فرمائی کہ میں نے
جہاں میں جی میں ہوش لوگ نہیں پائی جو جہنم کی نعمتوں کی پیمائش کے اٹھا کر دیا کرتے ہیں۔ مگر حق یہ
ہے کہ اگر کوئی شخص ان نعمتوں کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے تو اسے چاہئے کہ ان پر ایمان لے لے
سے انکار نہ کرے اور تاویلات و اسید سے پرہیز کرے اور ان کی کفر و عین کی
کجیوں پر کان نہ لگائے کیونکہ بیچ الحیدر ہونا روحانی ترقی کی پہلی سیڑھی ہے۔

مسئلہ حشر ربانی یہ ہم اس سے پہلے دوسرے باب میں ایک طویل بحث کھینچ چکے ہیں
مگر فکر و بصاحت اس کے متعلق کچھ مزید بحث کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ جیسے جو جہنم
مسلمانوں میں پیدا ہو وہ ہریت کے خیالات عام طور پر شائع ہو رہے ہیں۔ افسوس لوگ جو تعلیم
وحی سے ناواقف ہیں عموماً شکوک و وسوسوں کی دلدل میں پھنسے نظر آتے ہیں۔

اہل تحصیل کہتے ہیں کہ نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ضرور دی جائیگی۔ مگر چہ پس سزا کی
حالت سوائے تشیل کے ہم نہیں سمجھ سکتے فطرت اللہ اس کی مقتضی ہے کہ جن جرائم کی
سزا کسی کوئی قانون نہیں دے سکتا۔ ان کی باز پرس ہو بہر بہت سے جرائم ایسے ہیں
کہ ان کی سزا دنیا میں ملتی ہے۔ اور بہت سے جرائم ایسے ہیں جو ظالم ہو سکتے ہیں نہ ان
کی سزا کوئی قانون تجویز کر سکتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ انسان کا بند مرتبہ اس امر کو مستثنیٰ
ہے کہ وہ ایک پائیدار زندگی کا مالک ہو۔ یہ عقل قبول نہیں کرتی۔ کہ اپنی اقسام کے جانداروں
کی طرح یہ بھی چند ہی عرصہ کی زندگی بسر کر کے پھر نیست و نابود ہو جائے۔ ان کا یہ بھی خیال
ہے کہ قرآن مجید میں جہنم و جنت کا ذکر آیا ہے۔ اس سے حقیقی معنی سمجھ لینا
یہ خیال کر لینا کہ کچھ بیان ہو رہا ہے وہ میں حقیقت سے سخت غلطی ہے۔

العقود جنت و جہنم کو۔ نوب حرت روحانی خوشی و سرخ خیال کہے ہوئے ہیں۔ بعد ازاں
کی طرح کی نعمتوں کو نعمت تشبیل کی صورت میں مانتے ہیں۔ جو انسانی فطرت پر خوف اور
جاکو پیدا کرنے کے واسطے تجویز کی گئی ہیں۔

جنت و دوزخ کا جو نقشہ ان لوگوں نے کھینچا ہے۔ وہ بڑا بہتر قرآن اور حدیث صحیح
کے مطابق ہے۔ مگر اخیر پر ان مختلف مشاکو حقیقت پر مہمل کرنے سے باطل ماری میں وہ
کہتے ہیں کہ اگر بنی فطرت انہوں اور خداؤں کی مثالیں عددی جاتیں اور صرف اس قدر بتویا
جائیں کہ فیکوں کو خداوند تعالیٰ کی حضور میں دوامی راحت ہوگی۔ اور بدکاروں کو خداوند
تعالیٰ کی مہجوری پر دوامی حسرت ہوگی تو بہت کم لیا سہ اس کو سمجھ سکتیں یا سہل نہ ہوں
بات پر اور اوایان سے فخر ہے کہ خدا نے جنت و دوزخ کو ایسے رنگ میں پیش کیا۔ کہ وہ اس
اس دین کے صلہ بگوش ہوئے۔

معاذ اللہ خدا تعالیٰ بھی لہ و پیٹ دیئے کا یہاں کر کے اپنی طرف انسانوں کو بچا دیتا
ہے اور بتاتا اور دوزخ سے ڈرا کر بڑے کامیں سے ہٹا دیتا ہے جس خدا تعالیٰ نے انسان
کو بوجہ فضل ملنے کے نیک اور بد افعال کا دوسرا نظریہ اور دنیا کی چند ذرہ ذرہ کی یہ تبارک
نعمتیں اس کے سامنے رکھ دیں وہ دار آخرت کی دوامی زندگی میں ایسا غلی ہاتھ ہو سکتا
ہے۔ کہ وہاں جب انسان جاگتے۔ تو ان کو یہ کہہ دیا کہ دنیا میں جو کچھ تم نے عجز سے لینا
تھا۔ میرے پاس بہت اسی قدر تھا۔ یہاں تو محض خشک روحانی تنگی ہی ہے تم
مہر کو دیکھو میں تم کو دیکھا کروں۔ لینے دینے کا نام دلوں میں نے تو صرف آبا جہان کی طرح
مستحافی اور بتوں کے نام سے ایک مقصد نکالنا تھا۔ بعد اس جہان میں بھی یہ چیزیں
ہو کر رہی ہیں۔ محبت اولیٰ چیز ہے۔ لینے دینے کے سر پر قہار والو سبحان اللہ وہ خداوند
تعالیٰ جو انسان کو تو یہ حکم دے کہ وہ مخالفی سے ڈر و اس کی باز پرس ضرور ہوگی۔ آپ ہی
میں نہایت قاصر ہو قرآن شریف میں بار بار یقین دلانے کی خاطر وعد اللہ حقا۔ و اللہ

ایچلت للیعا کی منادی سنا لے پھر عین وقت پر ان وعدہ کرنے چہلوں کے اپنے
 سے انھدی ہو جائے۔ گویا انسان سے جی بھول کر رہا۔ اب اس طرح سے توفیق و مہول
 کی عظمت پر جو وہبت گنتا ہے اس کا خیال شکرین کو ہرگز نہ آیا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا
 کہ دنیا میں اس قدر نعمتیں اور تحفے ہیں جو ہیں وہ کہاں سے ظہور پذیر ہو گئیں مگر اصل نہیں
 تو فرغ کہاں سے آئیگا۔ ہاں دنیا عالم ناسوت کثافت آلود ہے۔ یہاں کی برکت یا بھی
 دیکھ لیں اسفانی میں اور عالم آخرت چونکہ جاودانی اور نہایت لطیف ہے اس کی
 اشیاء بھی اعلیٰ درجہ کی لطیف ہیں اور لطافت کے ایسے اعلیٰ درجہ پر جتنی ہوتی ہیں کہ
 نہ کافوں نے سمجھا نہ احمقوں نے دیکھا اور نہ دل پر اس کی پہلی کیفیت مل سکتی ہے
 وہاں نہ ہل نہ ہل نہ رہیت وغیرہ اگر ایک روح مال جنت کا دنیا میں لایا جائے تو
 آفتاب کی رگشتی اس کے سامنے اندھیر جائے شراب ایسی جس سے نہ سرمی وہ
 پیدا ہو نہ کبواس نکلے حل کو سرور کرے والی راحت پہنچائے والی۔ مگر دیدار نہ لفظ
 تعالیٰ میں سب سے زیادہ نعمت روحانی ہے اس کے حصول کی کیفیت سرور
 بیان سے باہر ہے۔ اب بہشت اور دوزخ میں جہانی اور روحانی دونوں طرح کی
 نعمتیں اور عذاب ہیں۔ مگر لطافت کے اعلیٰ درجہ ہیں۔ جیسا نیوں کے بہشت
 کی طرح محض روحانی ہی نہیں بلکہ اس میں حسب احوال طرح طرح کی لطیف نعمتیں بھی ہیں
 اگر شکرین خدا تعالیٰ کی عیسیٰ نظرت کا مطالعہ کرتے تو ان کو قہر یقین آجاتا کہ آخرت
 میں بھی قرآنی نعمتوں اور عذابوں کا انہیں سوا توں میں ہونا ہرگز محال اور غیر ممکن نہیں
 جن کا بیان قرآن اور احادیث میں موجود ہے کیونکہ جب حشر اجداد کا مسئلہ مسلم احمد
 یقینی ہے تو کوشی ذیل یا فلسفہ اس امر کا نفع ہو سکتا ہے کہ یہی اور جہی کی سزا
 و جزا میں اور جہم وہوں شرابک ہیں۔ یہی اور جہی نور و جہم وہوں علی کر
 کریں۔ مگر سزا و جزا کے وقت جہم کے معنوی اور مقصدیات کو بالکل نظر انداز کر دیا

یہ خدا تعالیٰ کے انصاف اور قانون کے بر غلاف ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کے انصاف کی
 اعلیٰ دلیل ہے کہ قیامت میں جمع اور ہم دو قول حاضر ہو کر اپنا ثمرہ پائیں یہی جس طرح
 نیکی اور بدی میں دونوں شامل ہے یہی اسی طرح جزا اور سزا میں بھی دونوں شریک ہوں۔
 جس طرح اسلام اور نور میں فضیلت رکھتا ہے۔ اسی طرح جنت اور دوزخ کی کیفیت کو
 جو سابقہ ادیان میں داخل ہم اور تاریکی میں تھی صاف ظاہر کرتا ہے حضرت مسیح
 علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے صرف اس قدر فرمایا کہ تم میرے ساتھ جنت میں
 انگور کا غنیمت چاہیے۔ زیادہ کیفیت شاید ان کے شاگردوں کے عقول کو بتلائی نہ
 معلوم نہ ہوئی۔ اب عیسائی محض۔ روحانی بہشت بنائیں تو ان کی اپنی مرضی۔ انگور
 کا شیر و چینیاقوں کے بل بھی ثابت ہو چکا ہے اور دوزخ ایسی چیزیں نہیں پیا کرتی
 بلکہ جسم۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ جنت و دوزخ کا فلسفہ یوں ملے ہوتا ہے یا
 جس طرح مشکین محض یعنی نہ دیر سے بنائے بیٹھے ہیں۔ اور معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو
 آخرت میں محض غلی لا تہ سمجھ جاتے ہیں۔ محض اصحاب و کاسد انہوں نے غور سے مطالعہ
 نہیں کیا۔ اور نہ اس کے عمیق فلسفہ پر عقل فرح کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کو محض جنت اور دوزخ کی کیفیت کا اللہ تعالیٰ نے معائنہ کرایا اور صحیح احادیث
 میں مفصل کیفیت درج ہے اور پارہ ۱۵ رکوع اول میں بھی اس کی کیفیت بآل
 طور پر مذکور ہے (التوبہ من آیاتنا) یعنی اس کو اپنی نشانیں اور قدروں کو دکھانے
 کے واسطے حجاج کرایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل اہل کائنات پرشت و دوزخ دیکھ کر
 کیا اصحاب کے رو پر و معاذ اللہ غلاظت واقعہ کہہ دیا کہ میں نے پرشت میں غلاظتوں
 پر نہ دیکھی اور دوزخ میں غلاظتوں نہ دیکھی محض روحانی پرشت اور دوزخ اور
 بتلا دیا کچھ کا کچھ۔ اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں کی تکفیر کر کے محض روحانی پرشت اور دوزخ
 کا قائل ہونا ایک مسلمان کی شان ایمان سے ہمیدہ ہے وہ آیات پھر کیا کریں جس

معانہ معنی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم المرسلین کو معراج کرائی اس امت کے اکثر
 بزرگوں نے بھی اس کی کشف کے دوسے خبر دی معانہ وضع اور پشت کا کیا جیسا بہتر
 سیر کی کتب میں مذکور ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے ایک وفد خواب میں ایک
 ایسا محل کھایا جس کی جلالت اور شہرہ دوسرے دن شام تک میرے بھونے اور دماغ
 میں قائم رہی۔ حالانکہ رات کو کوئی اس قسم کی چیز بوقت بیداری نہ کہیں نہ کھائی تھی۔ اور
 اس کی خوشبو اور جلالت کو کسی دنیا کی چیز سے میں تشبیہ نہیں دے سکتا۔ اب وہ خوشبو تو
 سیب سے طبعی جلتی تھی مگر بدبو جیسا غالب اور فائق۔ جلالت شہد کی سی تھی مگر اعلیٰ
 مدجہ کی لطیف۔ چنانچہ بید بیداری کے میرے ہونٹ اس جلالت کا ذائقہ لیکر بل بل
 مارتے تھے اس امر میں میرا وہ خدا تعالیٰ گواہ ہے۔ جس نے کاذب کے واسطے لعنت
 فرمائی ہے۔ عالم خواب میں بھی عالم آخرت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ ہم خواب میں
 روحانی رنج اور راحت دونوں محسوس کرتے ہیں اور بوجہ جہانی ہیئت میں ایک اور
 لطیف جسم پست چہر تا بولت و کیفیتا سب طرح رنج و راحت محسوس کرتا ہے۔ اگر ان سب
 لذتیں سطور پر غور کیا جائے تو مزہ و ناظرین کو یقین آجائے گا کہ وفد اور پشت خالی
 روحانی رنج و راحت ہی کا نام نہیں بلکہ حقیقت میں بھی طرح طرح کی نہایت لطیف نعمتیں
 اور عذاب آخرت میں موجود ہیں جن کی لہذا تعالیٰ نے قرآن میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 احادیث میں خبر دی ہے۔ سو لگہ فیہا ما تشہی انفسکم اور پشت میں جو تہذیب و دل
 چاہے موجود ہے اس نیت نے تو قطعی فیصلہ ہی کر دیا کہ ہر چیز میں کی خواہش ہو جنت
 میں ہو بود پاؤں کے ۔



میزان

مجموعہ عقائد اسلام کے ایمان بالمیزان بھی ہے جس سے لوگوں کے اعمال نیکیت بد کا اندازہ لگایا جائیگا۔ ہر ایک عالم آخرت کے تمام امور ہائے حق کی دسترس سے بااثر ہیں اور ہائے علم و ادب کی تجربات مشاہدات ان امور کی حقیقت کے ادراک کے لئے مبادی قرار نہیں پاسکتے اس لئے ہم بجز تعلیم و وحی کی طرف رجوع کرنے کے کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے اہل علم اور اصوب طریق یہ ہے کہ عقائد کے بارے میں بجز تعلیم و وحی کے کسی شخص کی تحقیق کو عقائد کا سیار قرار نہ دیا جائے کیونکہ عقائد اہل علم و تحقیق کا تذکرہ ہے۔ میزان کے بارے میں بعض ملاحظہ فلاسفہ نے تو باطل الفکر کر دیا ہے اور بعض نے اس کو عقلی ایک تشکیلی صورت میں پیش کیا ہے اور بعض نے اسے مروجہ عالم دنیا کی میزائوں پر قیاس کر کے یہ کہا ہے کہ عالم آخرت کی میزان و تہمی اور دو طرفوں پر کُل ہوگی اور سونے سے بنی ہوگی مگر ہر تہ فریق اپنی اپنی سائے اور قیاس سے کہتے ہیں اور اس لئے قیادی مخالفت حق ہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے ہرگز ہٹ کر کچھ نہیں ملتا۔ اور جو بات کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں دوبارہ عقائد مذکور نہیں ہم اسے مانتا تو وہ کتنا مستحاجی گوارا نہیں کرتے۔ قتل الحرصون یعنی مکمل سے بات کہنے والے ہاک ہو گئے۔

میزان کے بارے میں احادیث صحیحہ میں جہاں تک اس تحقیق ہوئی ہے کوئی ایسی تفصیل نہیں دی گئی جس سے اس کی حقیقت اور کیفیت کا پتہ لگ سکے۔ اور حق یہ ہے کہ ایسے عقائد کے بارے میں جن کی حقیقت کا انحصار مابعدی زندگی پر ہوتا ہے شیعہ علیہ السلام کی طرف سے اجمال ہی کافی ہے کیونکہ ایمان کے لئے ہی قدر کافی ہے۔ البتہ قرآن مجید میں

جایماندن اعمال کا ذکر تکلیف ہے۔ آیات و دل میں لکھ کرنا چاہئے۔

لَا تَوَلُّوْا زِيُوْا مَن دِيَارِ الْحَقِّ سُنِّي عِيَا مَسْت کے : بن اعلیٰ کا مولانا امر حق ہے جس میں
کمپوشک نہیں •

رب اَوْ تَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ سُنِّي قِيَامَت کے دن ہم عمل کے
بے میزانس قائم کرینگے •

وَجِآءَ مَا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَضَوْنِي عِشْمَةً رَاضِيَةً وَأَمَّا مَن خَفَتْ
مَوَازِينُهُ فَأَمَّا هَآؤُلَآءِ سُنِّي عِشْمَةٍ جس شخص کے اعمال انیک کا پتہ جاری ہوگا وہ ایک
عمدہ زندگی بسر کرگیا اور جس کے اعمال انیک کا پتہ ہلکا ہوگا وہ جہنم میں ہوگا •

وَمَن خَفَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ
خَالِدُونَ یعنی جن لوگوں کے اعمال کا پتہ ہلکا ہوگا سو وہ بھی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے
تئیں تریاں میں ڈالا اور جو جہنم کے لیے جہنم میں پڑے رہینگے •

ان آیات سے صاف اور واضح طور پر میر جن کے وجود کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے
جس میں کسی کو کلام نہیں مگر گنگناہ ہے کہ حقیقت میں کیا ہے : اس سوال کے جواب میں

ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تجربہ صادق نے اللہ تعالیٰ سے قلبی طور پر مطلع ہو کر جس
اطلاع ویدی تو ہیں اس پر ایمان لانا واجب ہو گیا اور اس کی حقیقت کے متعلق ہم اپنی

طوٹ سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ عالم آخرت کے تمام مہیش آئے والے اور پر کوئی شخص
بجز تعلیم وحی کے مطلع نہیں ہو سکتا اور مصلحت بھی اسی میں ہے اور یہی حق ہے۔ اہم

ابن حزم ظاہری اس مقام پر لکھتے ہیں : وَتَقَطَّ عَلَى أَنَّ تِلْكَ الْمَوَازِينَ أَشْيَاءُ
يَبْتَدِئُ اللَّهُ بِهَا عَمَلَهُمْ مَّقَادِيرَ الْعَالَمِ مِنَ حَيَاةٍ وَبَدَنٍ مِّنْ مَّقَادِرِ

الَّذِي لَا تَقْدِرُ عَلَى تِلْكَ الْمَوَازِينِ أَشْيَاءُ مِّنْ مَّقَادِرِ الْعَالَمِ مِّنْ حَيَاةٍ وَبَدَنٍ مِّنْ مَّقَادِرِ
الْمَوَازِينِ إِلَّا أَنَّا نَدْرِي أَنَّهَا مَجْمُوعَاتُ الْمَوَازِينِ الدُّنْيَا سُنِّي ہم یقین رکھتے

ہیں کہ میزان لکھتے ہی شے ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے نیکی و بد اعمالی کی مقدار
ان پر تقاضہ کر دے گا اور خفیہ سے غنیمت مقدار بھی مخفی نہ رہے گی۔ مگر ہم اس میزان کی کنیت
سے باطل بے خبر ہیں یہاں یہ جانتے ہیں کہ وہ دنیا کی مردہ چیزوں کے باطل پر قیامت
ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ امر کو ہم کیفیت سے باطل بے خبر ہیں صرف میزان ہی سے
مخصوص نہیں بلکہ عالم عقلی کی ہر ایک شے کے متعلق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہم ان کی کنیت
سے ناواقف ہیں۔ سو چونکہ معاد جسمانی یعنی قیامت کو مردوں کا زندہ ہونا مانتے ہیں
ان پر مشیاء کو جسمانی تسلیم کرتے ہیں اور جو معاد جسمانی کے قائل نہیں بلکہ صرف روحانی ثواب
و ثواب کو مانتے ہیں وہ عالم آخرت کی ہر ایک شے کو صرف عقلی جوہر تسلیم کرتے ہیں
مگر یہ خیال نہ تو آیات قرآنیہ سے ثابت ہو سکتا ہے نہ احادیث صحیحہ سے بلکہ اس کے
ماننے والا بدیہ تاولی باطل نفوس کا شکر ہے کیونکہ عجایب آیات و احادیث شریعہ جانی
پر ناظر ہیں۔ سو شکر جب تک شارع کے قول سے اپنی باطل تاولی کو ثابت نہ کرے
اس کا قول ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ مع ذہال عرب و دہارہ مردوں کے جی اُسٹے کا انکار
کرتے تھے نہ روحانی یا عقلی اور پر زندہ ہونے کا اس لئے ضروری تھا کہ کیا احادیث
میں ان کے اسی خیال کا اعلان ثابت کیا جاتا یعنی جسمانی حشر کا ثبوت دیا جاتا۔ چنانچہ
ان کے اشعار سے جاسوس شریعہ جانی کا انکار ثابت ہوتا ہے مثلاً
حَيَوَاتُكُمْ مَوْتٌ لَّكُمْ نَشْرٌ خَدَائِثُ خُرَافَةٍ يَا أُمَّ عَمْرٍو
ایک اور شعر ہے
يُخْبِرُنَا الرَّسُولُ بِأَنْ نَسْفِي وَكَلِمَتُ حَيَوَاتٍ اَصْدَاءُ دُعَاءِ

یہ زندگی کے بھوت اور موت کے بد پھر ہی ضمایب باتیں ہے ام مرو خرافات ہیں جو ماننے کے
قابل نہیں۔ اس سے ظہور ہے کہ یہ خبریں ہم پھر ہی اٹھائیں۔ جہاں ہم مودہ کی مری کی زبان

الفرض قرآن مجید سے حشر جہانی کا ثبوت مناسب ہے اور یہی تمام اہل اسلام کا ایمان ہے
 سید صاحب نے پرچہ تہذیب العلاقات عبریہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ء میں بعنوان کتابۃ
 الاحصال والمیزان والموازنة ایک مضمون لکھا ہے جس میں امام غزالی علیہ الرحمۃ
 کی کتاب التتمۃ بین الاسلۃ والنہد فقہ سے ایک حوالہ بلا نقل عبارت پیش
 کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وجود کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی۔ (۲) حسی۔ (۳)
 (۴) خیالی (۵) عقلی۔ (۶) شہی۔ جو جس شخص نے شائع کے اقوال کی ان قسموں میں سے
 کسی قسم کو تسلیم کر لیا تو وہ شائع کے اقوال کی تصدیق کرنے والا ہے و نگذیب کرنے والا۔
 سید صاحب نے امام موصوف کے اس قول سے اس لئے استنباط کیا ہے کہ انہیں
 میزین و مراط و غیرہ امور کا معرفت و جو مثالی تسلیم کرنے میں تقویت ہو جائے مگر انہوں نے
 یہ کہ امام صاحب کا یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ میزان و مراط و غیرہ امور صرف بطور مثال
 بیان کئے گئے ہیں بلکہ انہوں نے اشیائے وجود کی قسم کی ہے اور لکھا ہے کہ ہر ایک
 شے کے اس وجود پر ایمان لانا ضروری جو اس کو حاصل ہے غلام مذکورہ بالا میں سے کوئی وجود
 اس کو حاصل ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک چیز کو جس طرح چاہو مان لو۔ یہ سید صاحب کی
 متا الصوبی ہے جس سے بہت کم لوگ واقف ہو سکتے ہیں اور اگر باقر بن امام صاحب
 کا وہی مطلب ہے سید صاحب نے سمجھا ہے تو ہم کہیں گے کہ مذکورہ بالا اقسام کا کتب و سنت
 میں کہیں فکر کیا ہے علم امام صاحب نے کیونکر معلوم کیا کہ کوئی شخص خواہ کسی وجود میں کسی
 کسی شے پر ایمان لے آئے تو وہ صحیح ہو گا۔ اور اگر ہم ابو شریعہ کے متعلق ہی قسم کی
 منوالہ لچر تاویلات سے کام لیتے ہیں تو ایمان اٹھ جائیگی۔ اور کسی چیز کی حقیقت و اقصیہ

غیر ماضیہ کیونکر نشہ ہو گئے۔ - ملاحظہ فرمائیے کہ مذکورہ فاضل ہیں جس کی پینٹال و بلیز
 ننگی کھینچتے تھے کہ کٹر لکھنوی لکھی ہوئی سے ایکٹو نہیں جانتے تھے کہ حدیث میں لکھا گیا ہے کہ

مسلم نہیں ہوگی بجز ممکن ہے کہ حقائق اور حقیقتیں فرضی اشیاء قرار پائیں۔ اس کے بعد آپ کہتے ہیں کہ صاحبِ اوسدوی لوگ کہتی ہیں ان پر ایمان رکھتے تھے اور انہیں زیادہ تفصیل کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر اب جبکہ علوم جدید نے ترقی کر لی ہے اور ہر ایک کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور تمام اشیاء اس کا علم محیط ہے اور وہ نیل سے پاک ہے تو کرنا کاتبین کے کیا معنی؟ انتہی مختصر ہے۔

یہ بات میں کو سید صاحب نے علوم جدیدہ کا پتہ قرار دیا ہے کوئی ایسی بات نہیں جو اہل عرب کو معلوم نہ تھی۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ اس بات کا علم علوم جدیدہ پر کیوں متوی تھا؟ اصولِ سائنس وغیرہ کو بظاہر اس سے کوئی تعلق نہیں۔ علمِ کلام کی کتابوں میں ایسے ہزاروں اعتراضات موجود ہیں جن کے جواب بھی علمائے نے دیے ہیں۔ ثانیہ سید صاحب کے علم میں علمائے سلف کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ جب اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے تو کرنا کاتبین کے کیا معنی؟ سچ پوچھو تو یہ اسی قسم کی تقریر ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کو خود میدے رہتا ہے پھر چلا سکتا تھا تو جنتِ انبیا علیہم السلام کی کیا ضرورت پڑی؟ جو جواب اس لغو اعتراض کا جو جواب ہی سید صاحب کے مذکورہ بالا فرضی اعتراض کا سمجھنا چاہیے۔ سید صاحب سبب و سبب کے سلسلہ کے اس قدر پابند ہو کر رہے کہ ان کاتبین کی علت کے سمجھنے سے منع ہے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اللہ تعالیٰ نے صفحہ لغرض اتمامِ حجت کتابتِ اعمال کے لئے ملائکہ کو مامور فرما رکھا ہے۔ گو اس کی نوعیت کچھ ہی ہو مگر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم سید صاحب کی طرح یہ نہیں مانتے کہ صفحہ الجود مثیلِ لون امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ سید صاحب اپنے خیال کی تائید میں آیت "و یضرب اللہ الامثال لمن" کو پیش کرتے ہیں مگر واضح ہے کہ یہ آیت ان مقدمات کی بابت نہیں جو عالم آخرت سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ احکام شرعیہ یا ظاہرِ قدرت کی حقیقت ظاہر کرنے کے متعلق یہ آیت مذکور ہے۔

سید صاحب نے میزان کی حقیقت بیان کرنے میں امام غزالی کی کتاب مقنن
بدا علی غیر اہلۃ سے ایک لمبی عبارت نقل کی ہے جس کا ایک کڑہ یہ ہے۔

”فالصیران الحقیقی اذا ضلہ اللہ عز وجل للحواس مثله ابدانہ من هذه
الامثلة او غیرها فحقیقة المیزان وحده موجود فی جمیع ذلک وهو ما
یعرف بہ التریدۃ من المقیمان وصورۃ لیكون مقتدر علی الخلق عند تشکیل
والتشکیل۔“ اس کا ترجمہ آپ یوں کہتے ہیں: پس خدا کو اختیار ہے کہ اعمال کے اقدار
کے طریق کو مثال کیسے جس سے زیادتی و کمی اعمال کی معلوم ہوا وہ اس کی صورت میں
موجود ہو۔ یا صرف خیال میں مثال ہوا۔ خدا کو معلوم ہے کہ وہ اس کی جیسی صورت پیدا کرے گا
جو محسوس ہو یا ایسی پیدا کرے گا جو تشیل خیالی ہو۔

عربی دان جانتے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے یا تو سید صاحب نے عبارت کا مطلب
نہ سمجھا اھیا اھیا اے صاحب کے مطابق الفاظ کو موڑ توڑ دیا ہے جو ان کی عادت
ہے۔ عرض آپ کی یہ ہے کہ امام مصوف کے کلام سے اپنے دعویٰ کی تائید کی جائے
تاکہ عوام الناس کو معلوم ہو کہ صرف سید صاحب ہی اس دعویٰ کو پیش نہیں کرتے بلکہ بعض
اکابر اسلام نے بھی اس کو مانا ہے۔ مگر انہیں کہ امام صاحب کی ایک دوسری عبارت
آپ کے دعویٰ کا کافی رد کر رہی ہے جس کو سید صاحب نے امام صاحب کے ابتدائی
مستندات پر بھول کر کے مان دیا ہے۔ امام صاحب اپنی کتاب الاقتصاد فی الامتداد
میں کہتے ہیں ”قد سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هذا اقل من
یوزن صحائف الامم علی فان کراما کاتبین یکتبون الاعمال فی معائنات من
اجسادہ فاذا وضعت فی المیزان خلق اللہ تعالیٰ فی کفیتھا حیلًا بقدر درجة
الطاعات وهو علی ما یشاء وقد یؤثر۔“ یعنی آنحضرت معظم نے فرمایا کہ عمل کے کلمے
پسے تولے جائیں گے کیونکہ کرام کاتبین ہر ایک انسان کے اعمال کا چٹھا کہتے ہیں اھ

یہ تمام چیزیں ہیں جو چاہیں کہ میزان کے پٹے میں رکھ دینگے تو اللہ تعالیٰ اس کے
پلڑوں میں بٹکانا یا بھاری پن اعلیٰ کے رتبہ کے مطابق پیدا کر دینگا اور وہ
ہر چیز پر قادر ہے ۔

سید صاحب نے اہم صاحب کے اس خیال کو ان کا ابتدائی اعتقاد کہ کر غیر
معتبر قرار دیا ہے اور مذکورہ بالا دوسرے قول کو ان کا صحیح مذہب قرار دیا ہے اور جب
ذیل نتیجہ نکلا ہے کہ :-

اس آخر میں میں اہم صاحب نے میزان کے وجود کو حقیقی تسلیم نہیں کیا کچھ بڑے
مثالی یعنی خیالی یا عقلی یا شبہی کو تسلیم کیا ہے اور جبکہ میزان کا وجود حقیقی ان کے
نزدیک نہیں رہا تو موازنہ اعلیٰ کا وجود بھی مثالی ہوا اور حقیقی نہ رہا اور جب اعلیٰ کا وجود
حقیقی نہ رہا تو کرنا کا تبیین کا کھنسا بھی حقیقی نہ رہا اور اس لئے جو کچھ ان آیتوں میں
مذکور ہے وہ سب مثالی ہو گیا ۔

آپ کو اہم صاحب کے کلام سے اپنا مطلب لگنے میں اس قدر تھکیت کی
کیا ضرورت تھی کہ چونکہ اہم صاحب کا قول خدا اور خدا کے رسول کا قول تو ہے ہی
نہیں کہ کسی غیر کے نے محبت ہو اور اگر آپ ان کے قول کو حجت ہی تسلیم کرتے ہیں تو
یہی حجت ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے اہم صاحب پر انتہام کیا ہے کہ وہ میزان
مثالی کے قائل ہیں ۔ دیکھئے احیاء العلوم جلد اول جہاں کی آخری اور سب سے
مشہور و مشہور کتاب ہے ۔ "الینہارون وهو حق قال الله تعالى ووضح الموازين
القسط لیوم القیامۃ وقال تعالیٰ لمن ثقلت موازینہ ناولک ہم المفلطون
ومن خفت موازینہ الا لایۃ ووجه ان الله تعالیٰ یحدث فی معائن
الاعمال وزناً بحسب درجات الاعمال عند الله تعالیٰ فقیر مقادیر
اعمال العباد معلومۃ العباد حتی یظہر لہم العدل فی العقاب او الفضل

فی الحساب و لتقصیعت الثواب۔ اس عبارت سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحیفہ اعمال میں اعمال کی قدر و منزلت کے مطابق وزن پیدا کرے گا جس سے لوگوں کو اعمال کی مقدار کا پتہ لگ جائیگا۔ اس عبارت سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میزان اور صحیفہ اعمال وغیرہ اللہ تعالیٰ جہانِ نہ ہونگے۔ ہاں ایسے ہی ہونگے جیسے ان کی نوعیت کا کچھ علم نہیں اور نہ ہیں اس کی ضرورت ہے۔ ہمارے بڑے شائع شدہ صحیفہ اسلام کا کلام عجب ناموفق ہے جس کے مقابلہ میں آپ کی فلاسفی کی کوئی عزت و وقعت نہیں کیونکہ مترجم لوگ آپ سے پہلے ایسی ایسی باتیں کر گئے ہیں آپ بھی انہیں کے چمٹے سمجھتی ہیں جیسے آپ نے امام صاحب کے کلام کو یہ نتیجہ اخذ کیا ہے (جو اگر درحقیقت ہے) کہ مخالفینِ اعلیٰ و میزبان وغیرہ کا وجود مثالی ہے اسی طرح امام صاحب کی عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ امام صاحب حشر جہانی کے قائل ہیں چنانچہ جابجا ان کی کتابوں میں مذکور ہے اس لئے جو شخص حشر جہانی کا قائل ہوگا وہ تمام ہشیائے عالم آخری کو جہانی تسلیم کرے گا پس ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب عالم آخری کی ہشیا کو جہانی تسلیم کرتے ہیں اور اس لئے وہ میزانِ امورِ اعلیٰ کے جہانی ہونے کو بھی بلا تاویل مانتے ہیں۔ سو جب تک آپ قرآن و حدیثِ صحیحہ سے حشر جہانی کی نفی کر کے حشر مثالی یا عقلی ثابت نہ کریں آپ

نہ کسی چیز کے اعتقاد کو تسلیم نہ کر سکتے۔ مختلف قسم کے طبع دنیا میں ہیں اس لئے ہر ایک چیز کے وزن کیسے میزان کی حقیقت بھی ایک ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم عروض و شمر کا وزن عقلی و قیاسی بنیاد پر لکھتے ہیں کیا یہ ہے کہ اس کے غلط یا صحیح ہونے کا اعتقاد عروض کے قواعد سے لکھا جاتا ہے۔ فعلِ اندون اور میزان کے اعتقاد تو ہم استعمال میں آتے ہیں مگر کیا ان کی حقیقت کسی شخص کے ترانو اور بات کی سی ہے؟ اسی طرح ہم عالم آخرت کی میزان کو میزان کو تسلیم کرتے ہیں اس کی نوعیت اس دنیا کی میزان کی سی نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الامور

کہ وہی قابلِ سماعت نہیں ہو ورنہ خراط الفناء

صراط

صراط الیک ایسی حقیقت ہے جس کی کیفیت ایک حدیث میں بالفاظِ احق میں شمر
و لحد من التبیات بیان کی گئی ہے یعنی بال سے زیادہ باریک اور تکرار سے زیادہ
تیز ہوگی یہ لفظ محض لغوی تفہیم دار درجہ نہیں بلکہ اس کی حقیقت سے ہم ویسے
اسی خبریں جیسے عالم آخرت کے دیگر حقائق سے۔ اور صراط کی اس وقت اہمیت
بیان کرنے سے مقصود ہے کہ چونکہ اعمال و اخلاق و عقائد میں افراد و قوط اور اعتدالی
حقیقی کی نگہداشت انسان کے لئے ایک امر ضروری ہے اس لئے صراط کو بھی ایسا ہی
دستور گزارا گیا۔ چونکہ ان کے اعمال و عقائد میں قدر مائل الی الحق ہونے اسی
قدس کے صراط پر سے گذرنا آسان ہوگا۔ برعکس اس کے بولگہ عقائد و اعمال میں
افراط و تفریط کی طرف مائل ہونے ماسی قدر ان کے لئے صراط پر سے گذرنا دشوار
ہوگا۔ گویا صراط و حقیقت انسان کے عقائد و اعمال کی ہی ایک جماعتی صورت ہوگی
نہ کچھ اور +

مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ میزان و صراط وغیرہ ایسی ہی
مثالی صورتیں ہونگی جنہیں انسان خواب میں محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے وجود محض عالم خیال
میں ہوتا ہے نہ غائب میں۔ ہم عالم آخرت کی تمام کینیات کو ماضی و موجود سے خارج
بجائے خود متحقق الوجود تسلیم کرتے ہیں اور یہی جمہور اہل اسلام کا مذہب ہے +

اسلامی توبہ و عفو

ہر شخص جانتا ہے کہ توبہ اور عفو اس وقت ممکن ہے جب تک کہ اس کی صورت میں ہو جو اس
 سے اصلی آسمانی کتب میں جو ہوسکتی اور عیسائی علیہا السلام میں نازل ہوئی تھیں یہ ہر وہ کتب کہ
 انبیاء کے بعد تیار کی گئیں جیسا کہ خود خدا نے اس کے حقوق بھی تسلیم کرے ہیں۔ یہاں جو اس قدر تحریر
 و تبدیل کے ہر دو میں جو تعلیم و حج ہے اس سے توبہ اور احوال صالحہ کے ذریعہ انسان کو
 نجات کا راستہ بتلایا جاتا ہے جو نئی ثابت ہو رہا ہے۔ توبہ کے حق احکام میں عفو
 اور کفارہ کا اصطلاحاً ذکر نہ کیا گیا۔ توبہ میں ہر نبی کی تعلیم میں یہ لکھا ہے کہ توبہ اور احوال
 صالحہ کی تعلیم کا سراغ اس سے پہلے سے بار بار انجیل میں توبہ اور احوال صالحہ کی طرف
 توبہ دہائی ہے۔ اکثر باتیں انجیل سے ثابت ہوتی ہیں کہ مسیح نے کسی تو بعض بات
 کو خدا کی محبت میں خرچ کر دینا موجب نجات بتلایا ہے اور کسی دل کی غریبی سے ہی
 آسمانی بادشاہی کا مل جانا تعلیم کیا ہے۔ کبھی شہر بھر میں کو آسمانی بادشاہی کی وراثت
 سے محروم کر دیا ہے۔ لہذا اس قسم کی تعلیم کا ثبوت انجیل میں اس کثرت سے ملتا
 ہے کہ کفارہ اور عفو کی پوری تعلیم کی اس کے آگے کوئی وقت نہیں رہتی۔
 فطرت میں کفارہ کا ثبوت نہیں مل سکتا نہ انسانی عقل اس کی صداقت کو قبول کرنے
 کے لئے تیار ہے۔ سرکار کو تو بیکر کو بڑا اور نیک کے سر پر چڑھنے سے وہ مدد چاہتا
 ہو جائے۔ ایسے اصول کی قانون قدرت ہرگز تائید نہیں کرتا بلکہ جس کے سر میں صبر
 پر وہی غلام کوٹے تو وہ اس کے دھوکے کی اُسید ہو سکتی ہے۔ اس اصول کو عقل اور
 قانون درست ہر وہ قبول کرتے ہیں۔ جس کو گناہ کا مرض لاحق ہو وہی اپنا علاج
 کر لے تو قاعدہ ہے۔ ایک شخص نے کسی وقت زہر کھالی اب و لکھ کر کیا ایک اور

بے زہر کھلے نشان کو قتل کر دے تاکہ وہ شخص صحت یاب ہو جائے جس سے زہر کھائی ہے !
 ہرگز نہیں جب تک ایک دگر بھری سی ہفت استادانی کا علاج پسند نہیں کرتا تو خدا سے قتالی جو
 سب سے بڑھ کر دانا ہے بھلا کیونکر پسند کر سکتا ہے کہ ایک بے گناہ کو پکڑ کر چاقو سے پٹکا
 دیوے تاکہ گنہگار بھیج جائے جو قصور کرے وہی سزا پائے تو عدل قائم رہ سکتا ہے ورنہ
 عدل سکھاتا ہی عدل کہلائیگا۔ توبہ گناہ کے زہر سے بچنے کے لئے علاج تو ہے
 بشرطیکہ گناہ روح پر مستند غالب نہ ہو گیا ہو کہ پاکت کے آثار نمایاں ہو رہے ہوں تو ہے
 ہوں۔ ایک شخص نے زہر کھالی اگر محبت پٹ تدریک ہو گیا تو بچنے کی امید ہو سکتی ہے
 ورنہ جوں جوں توقت ہوگا مرض کی موت یقینی ہوتی جائیگی۔ اسی طرح توبہ بھی ہوشیاری
 کی قانچی میں مغیرہ ہوتی ہے نزع کے وقت بے سود ہے۔ اسلام نے توبہ زبان سے
 نہیں فرمائی بلکہ توبہ سچے دل سے فرمائی ہے میں اس آئندہ ہمیشہ کیونکر اسلئے گناہ سے
 نفرت کرنے کا دہرہ ہو۔ اور سابقہ بدکرداری کا فسوس ہمیشہ دل میں قائم ہے جو اس
 کو آئندہ گناہ کرنے سے روک رکھے غافلین کا اسلامی توبہ پراعتراض منس غلط فہمی پر
 مبنی ہے چنانچہ سورہ تحریم پارہ ۲۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے ایمان والو ! اللہ
 کی طرف خالص توبہ کرو ممکن ہے کہ اللہ تمہاری برائیاں دور کر دیگا وغیرہ۔۔۔۔۔) پھر
 چوتھے پارہ کے اخیر میں فرمایا (ایسے لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں
 حتیٰ کہ موت آجاتی ہے تو پھر وہ شخص کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور ان لوگوں کی
 توبہ قابل پذیرائی ہے جو کفر کی حالت میں مرتباتے ہیں) اب اس قسم کی توبہ سے چونکہ
 کوئی اصلاح ظہور میں نہیں آسکتی اور نہ اس میں آئندہ اصلاح کا دعویٰ عہد قائم ہو سکتا
 ہے اس لئے ایسی توبہ کو اسلام نے مردود اور باطل قرار دیا ہے۔ اب توبہ کی امید پر
 گناہ میں دلیر ہونے کا اعتراض صاف اُڑ جاتا ہے۔ خالص توبہ اسلام میں وہی ہے
 جو بے قانچی خوش دھام ہو اور جس میں آئندہ ہمیشہ کے لئے اصلاح کا عہد قائم ہو اور

جب تک انسان زندہ ہے اپنے گزشتہ گناہوں کو یاد کر کے نادم اور شرمندہ ہے اور
 تعالیٰ نجات کیا کرے جو ایک قسم کی روحانی سزا ہے۔ اب بد فعل کی قسم کی سزا کے خدا تعالیٰ
 معافی نہیں دیتا۔ کیونکہ اس کا عدل قائم نہیں رہتا۔ کیا یہ کم سزا ہے کہ ساری آئندہ عمر میں
 گزشتہ اعمال بد کا انوس اور رنج انسان سے ایک لمحہ تک بھی جدا نہ ہو؟ اب ہاں اس
 اعتراض کا جواب کہ محد و وثیک اعمال سے غیر محد وود وقت تک نجات کاملنا انسان کے
 خلاف ہے سو اس کا جواب میں انصاف اور قانونِ قدرت آپس کے اصول کے مطابق
 بیان کیا جاتا ہے جس کو مخالفین تعصب کے باعث سمجھنے سے محروم رہے ہیں۔ اقل
 توجب تو یہ ہیں واقعی اصلاح کا عہد شامل ہے تو اعمال محدود نہ ہے کیونکہ دوامی عہد
 یہی معنی لکھتا ہے کہ اگر تائب کو غیر محدود زندگی مل جائے تو وہ بھی اس عہد پر محدود
 کرنے کا پختہ ارادہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ دوم قانونِ قدرت میں صاف ثابت ہو رہا
 ہے کہ زمیندار محدود بیج سے غیر محدود پھل بطور نتیجہ کے حاصل کر سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ
 کا صل بھی بدستور قائم رہتا ہے اور اس غیر محدود عطیہ سے خدائے تعالیٰ کا جید رحم
 ثابت ہوتا ہے جس نے محدود سے غیر محدود پھل عنایت کر دیا۔ اگر ضعیف انسان کی
 محدود کوشش سے اس طرح پر بے حد جہد مانی کرنے کا ثبوت فطرت میں خدا پیش کرتا
 تو بدستور محترم کو احقر میں کی گنجائش ہوتی مگر اب یہ معاملہ صاف طور پر قرآن مجید کی صحت
 پر اعلیٰ شہادت ہے کیونکہ فطرت خدا کا افضل ہے اور قرآن مجید خدا کا کلام ہے۔ جب فہل
 مطابق کلام کے ثابت ہو گیا تو مخالفین کے پاس سوائے شرمندگی کے اور کچھ باقی نہ رہا
 اسی باریک حکمت کو نہ سمجھنے کے باعث جو میں انصاف اور فطرت کے مطابق ہے
 بعض نے نجات کو دوامی تسلیم نہیں کیا۔ اور تنازع کے پکاریں نجات یافتہ ذبح کو بھی
 بار بار پیشا دیا ہے۔ اسی باریک حکمت کو نہ سمجھنے سے پولیس کو کفارہ کا مسئلہ گھڑنا پڑا
 ہے۔ جب ہم انسان کے اعلیٰ قرین رتبہ پر غور کرتے ہیں تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب

خدا اس پر ایک قدر راضی ہو کر اس کو متقی نجات قرار دے چکے تو شان خداوندی سے بہت
 امید ہے کہ سپر میں کو آرام کی مقصد جگہ (مکتی غنا یا بہشت) سے نکل کر دنیا جیسے جہنم
 مکان میں واپس بیچ دے۔ اور ایک دفعہ نہیں بلکہ ہمیشہ اس سے ایسا ہی سلوک جاری
 رکھے۔ اگر نسلے تعالیٰ بھی ایسے ہی مدد و اور شگسل سے انعام و اکرام دیا کرے تو کس امید
 پر کوئی اس کی عبادت کیا کرے۔ اور جب خدا نے تعالیٰ صادق توبہ سے بھی جس کی تشریح
 ہو چکی شان سے راضی نہ ہو تو خدا اور بندہ کے درمیان سچی محبت کا سلسلہ کیونکر قائم ہو
 سکتا ہے؟ ایسے فاسد عقیدہ سے صادق محبت اکشش کا کوئی سلسلہ یا الطاف انسانی رُوح
 میں پیدا نہیں ہو سکتا جیسے حسن اور ربی سے کسی عوامی عطیہ کی امید ہی نہیں تو وہ حقیقی
 محسن اور مرقی ہی نہیں۔ دنیاوی بادشاہ بھی مدد و خدمت سے خوش ہو کر اپنے ماتحت
 کو دوامی جاگیر عطا کر دیتا ہے تو کیا خدا کے تعالیٰ اس سے بڑھ کر قدر دان شاہنشاہ
 نہیں ہے؟ ایسے فاسد عقیدہ والوں کو خدا نے تعالیٰ کی معرفت میں عبادی مقابلہ ہوا
 ہے۔ مگر خدا نے تعالیٰ بدو سچی توبہ کے معافی دید تیا توبے شک اس صحت میں اس
 کا عدل ثبوت ثابت لیکن اگر وہ سچی توبہ سے بھی معافی نہیں دیتا تو سزاؤ اللہ واقعی نہایت
 بے رحم خدا ہے اور یہ لہر شان خدا کی کے معافی ہے۔ جب مستیاد خدا پر کاش کے صلا و خلا
 میں مخالفت تسلیم کرتا ہے کہ نیک عمل دوسرے گناہ کا عوض اور کفارہ ہو سکتا ہے تو صادق
 توبہ اور نیک عمل سے گزشتہ گناہوں کی معافی اسلام میں کیوں ناممکن ہے؟ قدرت نے
 صنعت اور نیسان حرفت واسطے انسان میں ولایت کر رکھا ہے کہ وہ اپنے ملک اور
 نافع کے حصہ میں ہمیشہ تائب رہے اور سر جو دہو کر عبودیت کے رنگ سے رنگین
 ہو۔ جو انسان خدا کو مان کر خدا گناہ کرتا ہے وہ خدا کی معرفت میں بھی ناقص ہے۔ جو
 خدا نے تعالیٰ حقوق اسباب کے بارہ میں تجاوز کرنے پر مجبور معافی نہیں دیتا بلکہ فرماتا
 ہے کہ مومن وہ ہے جس کو خدا نے تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا کے عار سے گریز کرنے میں

عمر آؤتے۔ وہ خدا اپنے حق میں تباہ کرنے پر اس سے سخت گرفت کر سکتا ہے ایسے عامل خدا کے سامنے گنہگار کی صورت ہی شخص جرات کر سکتا ہے جس کو اس کی معرفت کا علم نہیں ہم شاہد اور تجربہ سے معلوم کر رہے ہیں کہ جنہوں نے کفارہ کو دوزخ کے قطب سے نجات کا پڑاؤ خیال کر رکھا ہے وہ اس دنیا میں مرج طوح کی تیاریوں اور دھکوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اور کفارہ کی بدولت جب دنیا میں ان سے کوئی رعایت نہیں کی جاتی تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ دوسری زندگی میں ان سے رعایت کی کیا گئی! اپنی اسلحہ کئے غیر انسان نہ پاک ہو سکتا ہے نہ خالق کو راضی کر سکتا ہے۔ یہ ہے اسلامی توبہ اور معافی کا فلسفہ۔ اگر کوئی اسے دوبارہ و سہ بارہ مطالعہ کرے تو امید ہے کہ فاسد عقائد سے نجات پائے۔

مسئلہ شفاعت

مسئلہ شفاعت کے متعلق قدیم پیام سے اہل اسلام کے دو فرق چلے آتے ہیں۔ مسرت اور توحید تو مطلقاً انکار کرتے ہیں اور اہل سنت والجماعہ اور اکثر امامیہ اس کے قائل ہیں۔ اور یہی حق ہے۔ مسئلہ مذکور چونکہ عقائد اسلام میں داخل ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس کو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے پورے طور پر واضح کر کے آجکل کے نوجوان اور دیگر علماء کے اس باطل عقیدہ کا رد کیا جائے۔ کیونکہ نوجوان تعلیم یافتہ صحابہ کو قرآن مجید کے مختلف آیات اور احادیث صحیحہ میں مطابقت پیدا کرنے کی استعداد نہیں ملتی اور نہ ہی انہیں علماء سے استفسار کا موقع ملتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عقائد

صبح سے محروم رہا ہوتا ہے اور دنگریں کی باتوں پر مطمئن ہو کر انہیں اپنے لئے کافی سمجھ لیتے
 ہیں اور یہ ایک سخت خطرناک غلطی ہے جس کا ازالہ ہر ایک طرح پر واجب ہے *
 جب ہم نبی اللہ کی جو بیحد شریعت کے لئے خدا نے تمنا کی طرف سے مبعوث
 ہوئے ہیں تسلیم کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ رابطہ محبت قائم کرنا چاہتے ہیں
 تو ہمیں نبی اللہ کے ساتھ ایک نسبت حاصل ہوجاتی ہے جس کے رُوسے میں کمالات
 روحانیہ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور یہ نسبت جب قدر زیادہ مستحکم ہوتی ہے اسی قدر کمالات
 روحانیہ کا اضافہ زیادہ ہوتا ہے چنانچہ اسی نسبت کے قوت و ضعف پر کمال بالنبی
 کا انحصار ہے اور یہ نسبت موقوف ہے کمال اتباع نبی اللہ پر۔ یہ اتباع مراتب علمی
 و عملی ہر دو میں مزوری ہے۔ اسی علمی اور عملی اتباع پر حقیقت قرآنیہ کا انگشت انمکشا
 ہے۔ جس قدر کسی شخص پر حقیقت قرآنیہ کا احشاش زیادہ ہوگا اسی قدر وہ دوسروں کی
 نسبت زیادہ صاحب کمال ہوگا۔ اور چونکہ علمی اور عملی مراتب تک بروہ کمال بہت کم
 افراد ترقی کر سکتے ہیں (بلکہ اکثر تو کچھ سبب نہیں کرتے صرف ایک نسبت بیدہ ہو جو تصدیق
 نبوت کے انہیں حاصل ہوتی ہے) اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لائتا نبی نعیم آخری
 کے استحقاق کے لئے ان کی کمی کو پورا کیا جائے کیونکہ بل جنت صرف وہی ملک ہوئے
 جو ہر ایک طرح سے پاک و صاف اور کامل و مکمل ہوں پس تو نہایت جو بواسطہ انگشت انمکشا جنت
 قرآنی ہے مذکورہ بالا نسبت کے رُوسے علی اختلاف الاستعداد ہر ایک انتہی پر تہا ہاں
 ہوگا اور اسی نور کے تاباں ہونے پر بحضور رب العالمین اسے استحقاق مقبولیت پیدا
 ہوگا۔ یہ استحقاق صرف نسبت مذکورہ بالا پر مبنی ہے اور یہی مقبولیت جو بواسطہ جناب
 پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام باذن حضرت رب العزت ہر ایک عاصی کو حاصل ہوگی اصطلاح
 شریعت میں شفاعت کہلاتی ہے۔ اس کو تھپہر کوئی شخص یہ اعتراف نہیں کر سکتا کہ
 قرآن مجید میں لیس لسان اکلاما سنی "اور وہ چاہے اور شفاعت اس کے اپنے

اعمال میں داخل نہیں پھر اس کو شفاعت کا کوئی حرق حاصل ہو سکتا ہے! ظاہر ہے کہ یہ امر من
بالکل سرسری نظر میں غائب ہوتا ہے ورنہ اس کی تہ میں کچھ بھی نہیں رکھا کیونکہ یہ کہنا کہ شفاعت
انسان کے اپنے اعمال میں داخل نہیں ہو سکتا ہر صحیح ہے مگر حقیقتاً غلط ہے۔ جو اس کی یہ ہے
کہ وہ نسبت جو اس سے تصدیق نبوت سے اپنے اور نبی اللہ کے درمیان قائم کی ہے۔
انسان کے اعمال کا جزو اعظم ہے جس پر استحقاق شفاعت مرتب ہے۔ یہ امر
مرت منکرین شفاعت کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے *

مخاضین انھار شفاعت میں ریات ذیل کو پیش کیا کرتے ہیں :-

(۱) انما تنفعہم شفاعۃ الشافعیین یعنی انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت

مفید نہ ہوگی *

(۲) لیوم لا تملک نفس نفس شیئاً والامر یومذ للہ یعنی تیار مت
کے دن کوئی نفس کسی دوسرے نفس کے لئے کسی چیز کا مالک نہ ہوگا۔ اور اس دن حکم
صرف اللہ تعالیٰ کا ہوگا *

رجاع الی لا املک لک منہ او لا رشداً۔ یعنی اے پیغمبر! اس کو دو
کہیں تباہی کے لئے نقصان اور رشد یعنی راہ کا مالک نہیں ہیں *

(۳) والتموا الیوم لا تجزی نفس من نفس شیئاً ولا یقبل منہا شفاعۃ
یعنی تم اس دن سے جس میں کوئی نفس کسی دوسرے نفس کے لئے کچھ کفایت نہیں
کرے گا اور نہ ہی اس سے شفاعت قبول کی جائیگی *

(۴) لا یبع منہ ولا خلة ولا شفاعۃ یعنی اس دن سے پہلے جس میں خرید
فروخت اور دوستی اور شفاعت نہیں ہوگی *

(۵) قد انما من شافعیین نہیں ہیں ہمارے لئے کوئی شفاعت کرے یا نہ ہوگی *
رنا ولا تفضلہا شفاعۃ یعنی اس کو شفاعت مومنہ نہ ہوگی *

مذکورہ بالا آیات ایسے ہیں جو منافقین کی طرف سے انکار شفاعت کے متعلق پیش کئے جاتے ہیں مگر حقیقت ہے کہ ان آیات سے نفی شفاعت کا مفہوم اخذ کرنا محض حماقت ہے قرآن مجید کے آیات نمٹنے کو جب تک بالمقابل نہ دیکھا جائے اور مطلق و مقید اور عام اور خاص کو علیحدہ علیحدہ اصول کے رُوسے موازنہ نہ کیا جائے مکمل صحیح کا اخذ کرنا ناممکن ہے۔ جب ہم ذیل میں ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جو اثبات شفاعت میں پیش کئے جاتے ہیں، ہر دو قسم کے آیات کو مقبض کرنے کے بعد ناظرین کے لئے صحیح حکم کا اخذ کر لینا آسان ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ جن آیات میں نفی شفاعت کا ذکر ہے وہ ان آیات سے جو اثبات شفاعت پر دلالت کرتے ہیں برسرِ گزشتہ متعارف نہیں بلکہ نفی کا موردِ اثبات کے مورد سے علیحدہ ہے۔

(۱) لَا يَهْدِيهِمُ الشَّعَاعَةُ إِلَّا مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عِمْدًا "یعنی شفاعت کے اکابر نہیں ہونگے مگر وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس اس بارہ میں عید لے لیا ہے۔" (ب) "يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ شَفَاعَةُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ" "یعنی اس کوئی شفاعت سودمند نہ ہوگی مگر اس شخص کی شفاعت جس کو اللہ تعالیٰ حکم دے گا۔" (ج) "وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ" "یعنی اس شخص کی شفاعت سودمند ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ حکم دے گا۔"

(د) "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ إِلَّا بِإِذْنِهِ" "یعنی کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس بجز اس کے اذن کے شفاعت کرے؟"

(هـ) "وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُفَعِّلُ شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ" "یَا اَرْوَنَ اللہ لمن یثبأ ویرضأ" "یعنی آسمانوں میں کئی ایک ایسے ملائکہ ہیں جن کی شفاعت کچھ مفید نہیں ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے بعد جس کے لئے وہ چاہتے ہیں اور جس سے راضی ہو۔"

اور اولیائے الدین بدعونوں میں دعوت و انتفاع لے کر ان سے شہداء باحق
 و ہمراہیوں یعنی بنی کولہ کے سوا کچھ نہیں یا بن کی مبادت کرتے ہیں دعوت کی
 شفاعت کے واسطے نہیں ہونے لگے۔ مگر وہ لوگ جو حق کی شہادت دیتے ہیں ہماری وہ جانتے ہیں
 کہ ان میں شفیعیۃ الامن بعد از مہلہ کوئی شفیعیۃ نہیں ہوگا مگر اللہ تعالیٰ کے اور کچھ
 ان آیات سے صاف طور پر بلا کسی قسم کی تاویل کے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قیامت
 کے روز شفاعت ہوگی مگر وہی لوگ شفاعت کرینگے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت
 حاصل ہوگی اور انہیں لوگوں کی نسبت ہوگی بن کی بابت حکم دیا جائیگا۔ چونکہ دلائل قیل و نقل
 سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا گردہ تمام بنی آدم سے افضل ہے جن میں جناب
 پیغمبر محمد صلوٰۃ والسلام سب سے افضل مانے گئے ہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام
 اللہ تعالیٰ سے عاصیان امت کے لئے اجازت شفاعت حاصل کرینگے اور یہی حق ہے
 مذکورہ بالا نفوس کا نکال بھجور یک معاند کچھ نظرت کے کوئی نہیں کر سکتا۔ بہت سے امر و
 ماننا لابد ہے کہ ہر دو قسم کے آیات میں جو لفظ ہر منافق نظر آتا ہے کیونکر دور کیا جاسکتا
 ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیات نفی شفاعت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے
 بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کفار کے لئے شفاعت کی نفی کی گئی
 ہے جو مکہ فی النار ہیں اور کفر ہی پر مہر ہے۔ وہ اس کی یہ ہے کہ کافر تصدیق نبوت
 سے اپنے لئے بنی اللہ کے ساتھ وہ نسبت قائم نہیں کرتا جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا
 ہے اور جس سے اسحق شفاعت پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ کفار غیر اللہ کی پیش کرتے
 اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے محبوب و قیامت کے دن ان کی شفاعت کرینگے
 اور انہیں و فریح کی آگ سے بچا لینگے اس لئے ان کے اس بطل خیال کا رد کیا گیا۔
 کہ ان کو ہرگز کسی کی بھی شفاعت مفید نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کوئی ان کے لئے شفاعت
 کر سکیگا۔ آیات نفی شفاعت سے مطلق شفاعت کی نفی کرنا محال ہے اس کے ثبات کے

مستحق مذکورہ بالا آیات مراد تانگوہ میں سخت کی قسمی ہے مسئلہ شفاعت منجملہ حقیقت اسلام
 کے ایک مذہب پر دست مسلک ہے جس پر ایمان لانا ایک صحیح ایمان آدمی کا فرض ہے اور اس
 سے انکار کرنا موجب خسارِ آخرت ہے۔ واللہ یهدی من یشاء لی ہدایہ مستقیمہ
 آثارِ صبر سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت صرف انبیاء تک ہی محدود نہیں بلکہ خاص
 خاص اہل ایمان کو بھی بعض تعلقاتِ دینی کی بنا پر یہ منصب عطا ہو گا کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ
 نے مومن کی شانِ بہت بلند فرمائی ہے۔ قل اللہ تعالیٰ اولہا سولہ وطمینین
 اتباع بنی اللہ سے نسبت مذکورہ جو کسی متبع کو حاصل ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک قسم کا
 عہد و پیمان ہے جو کسی امتی اور بنی اللہ میں قائم ہوتا ہے آیۃ ان الذین یمان یعوننا انہما
 یمان یعون اللہ ید اللہ فوق یدہمہ کے معانی و حقائق پر غور کرو ہمیں مسئلہ شفاعت
 کی حقیقت کا یقین حاصل ہو جائیگا اور یہی عہد و پیمان سلسلہ وار حضورؐ سے لے کر رسالت
 کاملین اُمتِ آج تک جاری ہے اور جاری رہیگا۔

ہنوز کمالِ برکت و نشانِ است سے سے غافل باہر و نشانِ است

علاماتِ قربِ قیامت

بیانِ شرائطِ اسقامت میں حکمت | واضح ہو کہ علاماتِ قربِ قیامت کچھ تو

قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں اور کچھ احادیث
 اور آثارِ نبویہ میں امداد ہر دو اقسامِ شرائط میں بڑی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو رجوع الی اللہ
 کا موقع دیا جائے اور غافلین کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا جائے۔ دیکھو قرآن مجید میں
 اللہ تعالیٰ نے بار بار وقوعِ قیامت کے بھل کی خبر دی ہے چنانچہ فرمایا اقتراب

انہیں حسابہم وھم فی عقلة معصنون۔ چونکہ وقوع قیامت کے وقت کا پتہ
سات سات الفاظ میں نہیں دیا گیا بلکہ اس کے امارات و علامات کی تفصیل وارد ہوئی ہے
چونکہ تبلیغ ایمان باغیب کے مقصدی کو ظاہر کرتی ہے اس لئے خود جناب پیغمبر
اور حضرات علمائے کرام ہر ایک زمانہ میں عامہ الناس کو تخریر و تحویل کرتے چلے آئے ہیں
کیونکہ جب یہ معلوم نہیں کہ وہ آئے والا ازل وقت کب آئے گا اس لئے ہر ایک مومن
بالآخرہ کا فرض ہے کہ اس وقت کے آنے کے لئے ہر آن مشغول رہے اور توبہ کر کے
قبل از موت نرم و عباد صالحین میں داخل ہو جائے قال اللہ تعالیٰ فہل یظہرون
الا الساعة ان یتنبہم بنبۃ فتسجاء اشراطھا یعنی لوگ اب اس نے اعلیٰ
ساعت کے منظر ہیں جو ناگہاں آجائگی کیونکہ اس کے امارات اور علامات نمودار ہو چکے
ہیں ۹

اشراط الساعۃ کے اقسام

اشراط الساعۃ کے مختلف اقسام ہیں ازل وہ
اشراط جو امارات صغری کہلاتے ہیں یہ تو گذر

ہئے۔ دوم وہ اشراط جو امارات متوسطہ کہلاتے ہیں جو کچھ تو گذر گئے اور کچھ پیدا ہو رہے
ہیں۔ سوم وہ اشراط جو امارات کبری کہلاتے ہیں اور جو منقریب پیدا ہونے والے ہیں
عوام الناس ایسی باتوں کو سرسری سمجھ کر توجہ نہیں دیا کرتے حالانکہ علوم نبوت کا ایک
مستند حصہ ان اشراط ساعۃ کی حقیقت کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے
کہ آیات و احادیث میں بعض امارات تو بالمتفرق بتلائے گئے ہیں اور بعض دیگر میں اہمال
اور اشتہار کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس کی وجہ وہ لوگ جو علوم وحی کی خصوصیات کا
علم رکھتے ہیں بخوبی جانتے ہیں مجتہدین کتاب و سنت سے فیصلہ کر دیا ہے کہ حضور
علیہ السلام نے قیامت کے آنے والے نام ٹپے ٹپے امور عظیمانہ و اعلیٰ کی خبر
دے دی ہے جن میں اکثر تو ہوشیے اور اکثر کا وقت آلیا ہے۔ اس موضوع کے لئے

ابن حجر مستدنی اور حافظ بدول الدین سیوطی کے تصانیف مثلاً فتح الباری شرح صحیح بخاری۔
 و غیر مشہور۔ خصائص کبریٰ۔ مجمع الجوامع۔ دلائل شریعت نور الدین علی سہروردی کی تالیف مدنیہ
 اور ابوالعقدین اور محقق علی نقی کی کتابیں قابل مطالعہ ہیں۔ اور تخریج المسانید حافظ
 مثلاًبی اور المسانید حافظ غازی میں بھی اس موضوع پر کچھ بحث موجود ہے۔ اور ان
 سب مباحث مختلفہ سے مستنبط اصلی صورت غلطوں کو تنبیہ کرنا ہے کیونکہ ہر ایک شخص
 کے لئے توبہ کی ضرورت ہے اور ساعت مقررہ کے وقوع پر توبہ قبول نہیں ہوگی۔

واضح ہو کہ امارات صغریٰ زمانہ رسالت سے شروع ہو چکے تھے اور تہذیب و فروع پذیر
 ہوتے ہیچے چمکہ وہ گذر چکے ہیں اس لئے تاہن کو ان سے کوئی زیادہ دیکھنی نہیں ہوگی
 اس لئے ہم صرف بطریق اختصار ان کا ذکر کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ غیر
 صادق علیہ السلام نے جس طرح ارشاد فرمایا بعینہ وقوع میں آیا۔ بالادب امارات متوسطة
 بھی شروع ہو کر ختم ہو رہے ہیں اور امارات کبریٰ کا وقت قریب آگیا ہے جس پر تمام
 سلسلہ اخبار باغیب کی تکمیل ہو رہے گی۔

امارات صغریٰ (۱) حضور علیہ السلام کی رحلت منہ امارت قیامت کے بعد
 آگئی ہے کیونکہ یہ ایک وہ مصیبت ظہنی تھی جس کے برابر

اسلام میں کوئی اور مصیبت شمار نہیں کی گئی چنانچہ ابن سعد بروایت عطاء بن ابی رباح اور
 بروایت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "اذا
 أصیب احدکم بمصیبة فلیذکر مصیبتہ لی فانہا اعظم المصائب" یعنی جب تم
 میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے پائے کہ میری رحلت کی مصیبت کو یاد کرے
 جو سب مصائب سے بڑی مصیبت ہے۔ اور عورت بن مالک مرفوعاً مروی ہیں کہ
 حضور علیہ السلام نے فرمایا "اعدا وستانین ید فی الساعۃ موتی ثم فتم بیت المقدس
 علی اضر الخدیث" یعنی قیامت کے آنے سے پہلے چھ حوادث وقوع پذیر ہونگے

حنن میں میری رحمت پیدا عاوض ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کی رحمت سے ان اختلافات کا
 وہ دوازہ مکمل کیا تھا جو آج تک ترقی کر رہے ہیں اور جو اسلام کے حق میں بنائے ہوئے شراب
 ہوئے ہیں۔

۱۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابوہریرہؓ کی غیبت کے ہاتھوں قتل ہونا جس کی تفصیل
 کتب سیر و تواریخ میں کی گئی ہے۔ آپ کا واقعہ قتل بھی اسلام کے حق میں بنائے ہوئے
 ثابت ہوا۔ اسی خیال پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو قتل القعدہ بہت دیا جس میں یہ
 اشارہ ہے کہ آپ کا وجود مختلف قسم کے غصوں کو روکنے کے لئے تھا جو بنی آپ کی رحمت
 ہو گئی فتنہ و فساد کا دوازہ مکمل کیا۔ قتلائی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ حضرت عمرؓ
 کی وفات پر خلافت عالم میں تاریکی چھا گئی اور آفتاب سیاہ ہو گیا۔

۱۲) واقعہ قتل عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک نہایت درناک واقعہ ہے
 اور جس کی خبر حضور علیہ السلام نے پہلے ہی دیدی تھی۔ چنانچہ فرمایا: ستکون فتنۃ و
 اختلاف قتلتانی تا یا میر رسول اللہ قال علیکم بالامیر و اصحابہ و اشار الی عثمان
 (رداء الحکم) یعنی عنقریب فتنے اور اختلافات پیدا ہونگے ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 مسلم آپ ہیں کیا اشارہ فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ تمہیں لازم ہے کہ اپنے امیر اور اس کے ساتھیوں کو
 نہ چھوڑو تا یہ نہ فرماتے ہوئے آپ نے حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

۱۳) واقعہ بھل جس میں طرفین بظاہر صحابہ اہل حق کی اولاد ہیں تھیں۔ ایک جانب تو علیؓ
 اور دوسری طرف ام المومنین عائشہؓ اور زبیر رضی اللہ عنہم اجماع تھے۔ اس درمیان
 کی خبر بھی جناب پیغمبر علیہ السلام نے دیدی تھی چنانچہ ابن ابی شیبہ اور بزار ابن عباس
 اور محدث عالم تھیں بن ابی حازم سے راوی ہیں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 قال یسأله ائیک صاحبۃ الجمل الا ذی یسیر او تخرج حتی تنجھوا الجمل بالحواب

یُشَلُّ مِنْ يَمِينِهِمَا وَهَنْ شَبَاهَا كَثِيرَةٌ وَتَحُولُ عِدَّةُ مَا كَانَتْ "یعنی حضور علیہ السلام نے
 انجن سطرات کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون صاحبہ اجل (اوت طلی)
 ہے جو شتر سوار ہو کر بھیگی تھی کہ مقام خواب کے کتے (اس کی سواری کو دیکھ کر) اجمو ٹھیکے
 اور اس کے دائیں بائیں بہت سے مقتول ہونگے۔ اور نجات پانچ بائیں بدنوں کو نجات
 نہ پانے کے قریب پہنچ جائیگی۔ چنانچہ ہم المؤمنین نے غرور کیا اور حضور علیہ السلام
 کی ہر گولہ حوت بہ حوت پوسی ہو گئی اس واقعہ کا جو اثر مسلمانوں پر پڑا وہ واقفان تاریخ
 پر مخفی نہیں +

(۵) واقعہ حنین - یہ وہ واقعہ ہے جس کے ضمن میں ہزاروں قتل و شاد کی تاریخ
 کھسکی پڑتی ہے۔ اور سچ پوچھو تو اسلام کی فوج بندی کا پہلا یہی واقعہ تھا اس کی خبر بھی
 حضور علیہ السلام نے پہلے دیدی تھی - چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے لَاقُوا لِلْإِسَاءَةِ
 حَتَّى تَقَاتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ يَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ دَعَا هُمَا وَاحِدَةً
 یعنی قیامت نہیں ہوگی جب تک دو ٹوٹے گروہ (مسلمانوں کے) نہیں لڑیں گے۔
 جن کا دعویٰ (خلافت) ایک ہی ہوگا۔ بلانی روایت شداد بن اویس راوی ہیں کہ
 حضور علیہ السلام نے فرمایا "إِذَا رَأَيْتُمَا مَحْلُوبَةً وَعَمْرُؤَ عَاصٍ جَمِيعًا مَفْزُوعًا بَيْنَهُمَا"
 یعنی جب تم معاویہ اور عمرو بن عاص کو ایک باہمیٹھے پاؤ تو ہر دو میں تفریق کر دو۔ چنانچہ
 شداد جب کسی ان ہر دو حضرت کو کیا بیٹھے دیکھتے تو آپ ان ہر دو کے درمیان ہر بیٹھے
 حضور علیہ السلام کے الفاظ میں نہایت باریک اشارہ ہے ان ہر دو صاحب کے اس
 اتفاق کی طرف جو خلافت علی رضی اللہ عنہ میں ہر دو نے ان کے برخلاف کر لیا تھا
 واضح ہو کہ جنگ حنین میں جو علیؑ اور معاویہؓ کے درمیان واقع ہوئی تھی ہزار مسلمان
 غرضتے تھے ہوئے +

امامین مساکر روایت عمرو بن مروم راوی ہیں کہ ایک عراقی حضور علیہ السلام کے

ہاں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں۔ معاویہ پاس بیٹھے تھے کہنے لگے کہ میں تجھ سے کشتی لڑتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: لا یغلب معاویۃ ابداً۔ یعنی معاویہ کبھی بھی غلبہ نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ معاویہ اعرابی مذکورہ سے کشتی لڑے اور اعرابی کو پھانسی دیا۔ جنگ صفین کے ختم ہونے پر علیؑ نے یہ حدیث سن کر فرمایا کہ اگر مجھے اس حدیث کا علم ہوتا تو میں کبھی معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔

(۶) واقعہ نہروان۔ یہ وہ مشہور واقعہ ہے جو علیؑ اور خولسجہؑ میں واقع ہوا۔ اور جس سے سینکڑوں قسم کے فتوات دینی اور دنیوی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حضور علیہ السلام نے اس واقعہ کی بھی خبر دی تھی۔ چنانچہ حضرت بن سلیم سے مروی ہے کہ کم ابو ایوب انصاریؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ جناب رسول اکرم صلیم کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑتے تھے ہے مگر آپ مسلمانوں سے بھی لڑتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے ساتھ ہو کر آپ نے فرمایا کہ میں جناب خیر علیہ السلام نے تین گروہوں کے ساتھ لڑے گا: عجم و یاتھنا۔ ناکثین یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے عہد بیعت کو توڑا۔ قاسطین یعنی ان لوگوں سے جنہوں نے جور و ظلم کیا۔ مارقین یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو دین سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ سو میں ناکثین اور قاسطین سے تو لڑ چکا ہوں مگر ابھی مارقین سے لڑنا باقی ہے ان ہر سلفا سے علیحدہ علیحدہ جنگ بل۔ جنگ صفین اور جنگ نہروان میں لڑیں۔ چنانچہ ابو عبد اللہ بن عمر مروی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ینزع ناس من المشرق فی یوم القتل لا یتجاوز اقصیٰ۔ یعنی مشرق سے ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن مجید پر بیٹھے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ چنانچہ خولسجہؑ نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان کی تصدیق کر دی۔

(۷) امام حسن بن علیؑ کا امیر معاویہ سے دوبارہ خلافت سمجھوتہ کر کے علیحدہ ہو جانا۔ یہ واقعہ آئندہ کئی ایک مفاسد کا مبداء ثابت ہوا ہے اور اس کی خبر بھی جناب خیر علیہ السلام

نے دیدی تھی چنانچہ دہلی امام حسن بن علی سے راوی میں کہ علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے
 کریں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا۔ کہ تاذہب الا یا مراء اللہ یا حتی یملک معاویہ
 یعنی بہت زیادہ نہیں گزرے گا کہ معاویہ (خلافت کے) ملک ہو جائے گا۔

(۸) امام حسینؑ کا مظلوم ہو کر میدانِ کربلا میں شہید ہونا جس نے اسلامی تاریخ کے
 اوراقِ کوفن سے رنگین کر دیا۔ اور جس کے نتائج اسلامی شیرازہ جمعیت کے فشر کرنے
 کے سوا کچھ نہ تھے۔ اس واقعہ کی خبر بھی حضور علیہ السلام نے پہلے ہی دیدی تھی۔
 چنانچہ محدثِ حاکم نے مختلف طریق سے روایت کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضور صلعم
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ قتلِ حسینؑ کی خبر دی اور اس زمین کی مٹی آپ
 کو دکھائی جہاں وہ مقتول ہوں گے۔ وہ مٹی حضور علیہ السلام ام المؤمنین ہم سلمہ
 کے خوالہ کر دی اور فرمایا یقول وصا۔ "یسی حسینؑ کے قتل پر یہ خاک خون بن جائیگی
 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۹) واقعہ قرہ۔ یہ وہ واقعہ ہے جو یزید بن معاویہ کے زمانہ میں پیش آیا جس میں
 ہزار ہا صالحین کے خونِ مدینہ منورہ کی گلیوں میں بہا دیے گئے۔ اس واقعہ کی خبر بھی
 جناب رسول اکرم صلعم نے دیدی تھی۔ چنانچہ بروایت ابوب بن بشیر مروی ہے
 کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "لینقل فی ہذا الحرقۃ خیازا فتنی بعدا معالی" یعنی اس حرہ
 کے حد میں میری امت میں سے صحابہ کی جماعت سے بعد میں آنے والے صالحین
 مقتول ہونگے۔ چنانچہ سات سو ارب قریش اور دس ہزار دیگر اہل اسلام زندہ مرد
 بے ترتیب ہو گئے۔ اور ہزاروں پاپہ زنجیر ہوئے اور ستوریت کی بے حرستی اور قزوی
 کی گئی اور مسجد نبویؐ میں ستونوں کے گھڑے باندھے گئے جہاں لپدا اور پیشاب
 کی وجہ سے تین دن تک اذان۔ صلوٰۃ منقطع رہی۔ اور بیت اللہ کو آگ لگائی گئی۔
 لہذا حجاج بن یوسف جیسے ظالم کا بیت اللہ کا منہم کرنا اور ایک کھنڈ میں ہزار

مسلمانوں کا بیدار قتل کرنا اور چار ہزار آدمی کو گینگناہ مرواؤ انا اور صحابہ کی ایک جماعت کی امانت تھیں۔ اس واقعہ کی خبر بھی آثار میں وارد ہو چکی تھی چنانچہ حدیث میں بئیر بنی ثقیف بنی ثقیف کا ہلاک کنندہ کے لفظ سے تھاج بن یوسف ثقفی ہی مراد ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک حدیث میں جس کو یہ تھی نے حبیب بن ابی ثابت سے روایت کیا ہے اس ظالم ثقفی کا زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر آچکا ہے ۔

(۱۱) زمانہ حکومت بنی عباس میں بعض حوادث کا ظہور مثلاً محمد بن قیس عوفی اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ اور سادات کی ایک جماعت کثیرہ کا قتل۔ منصف عباسی کے زمانہ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا محبوب ہونا اور زمانہ رشیدیہ عباسی میں امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ میں رسلت کرنا اور فلسطہ یونان کا اسلام میں داخل ہو کر مختلف عقاید بدعیہ کا رواج پذیر ہونا اور زمانہ مملوک میں معتزلہ کا زور پکڑنا اور خلق قرآن پر بڑے بڑے علماء کا مانا جانا۔ غیر قلیل من الحوادث۔ ان متفرق حوادث کے متعلق بھی آثار اور اخبار موجود ہیں جن کو یہ نظر قصصاً قلبیند نہیں کیا جاتا ۔

(۱۲) خلفائے فاطمیہ کا مصر پر غالب آنا اور حدود شریعہ کو چھو کرنا اور حلال و حرام شرعی کا امتیاز اٹھا لینا وغیرہ ۔

(۱۳) ترکوں کا غالب آنا اور انواع و اقسام کے ظلم و ستم کا رواج دینا اس واقعہ کی خبر بھی آثار میں وارد ہو چکی ہے چنانچہ بخاری راوی ہیں کہ آنکہ وہاں اساعہ حتی انتالوا و خذو لکم ما من قوما من الامجاد حرا لوجہ السوان عظمت کے ساتھ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں پیدا ہو کر اپنے کرنا سے منور تاریخ پر چھو گئے جن پر لوگ آج تک لعنت بھیجتے ہیں۔ ترکوں کے بار میں اللہ بھی بہت سی روایات ہیں جنکو مجموعاً دیکھنے

سے حضور علیہ السلام کی تسبیح و ثناء کی جا سکتی ہے چنانچہ نووی کہتے ہیں
 ہذا کلام حدیث کثیرا معجزۃ لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تہنئة للمسلمون
 مراد ہے۔ یعنی یہ سب احادیث حضور علیہ السلام کی تسبیح و ثناء کی ہیں کیونکہ بینہ
 وہی حال ترکوں کے شاہد ہیں آئے جو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرماتے
 تھے تاج سبکی طبقات میں لکھتے ہیں کہ تاج تاج سے بڑھ کر دنیا میں کوئی پُر ثواب
 واقعہ شریعہ آفرینش سے تاج تک نہیں ہوا ہوگا جس میں مسجدیں برپا ہو گھر تباہ اور
 قرآن مجید جلا دئے گئے اور بڑے بڑے علمائے اسلام قتل و تیغ اور ہر عمل یکتاہ قتل
 و مقید ہو گئے +

(۳۴) تاج حجاز یہ وہ آگ ہے جس کی جبر محل قبول علیہ السلام نے پہلے ہی دیدی
 تھی۔ چنانچہ بخاری اور حاکم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ لکنو و ساعۃ
 حتی تخرج نار من ارض الحجاز لقتل افاق کلابہا بصری یعنی قیامت نہیں گی
 جب تک کہ ایک آگ سرزمین حجاز سے نہ نکلے گی جس سے بصری (علاقہ شام) میں
 اونٹوں کی گردنیں رہنمائی ہو جائیگی اس واقعہ کے متعلق اور بھی احادیث وارد ہیں جنکو
 بہ نظر اعتقاد قلمبند نہیں کیا جاتا۔ یہ آگ عشتہ جس ظاہر ہو چکی ہے چنانچہ نور الدین
 سیوطی مسعودی تاریخ مدینہ میں لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا آگ مدینہ میں ظاہر ہو چکی ہے اور
 دہر و روز ملک ملک اس کا شہر ہو گیا۔ اس آگ سے پہلے بیت سے خطر ناک نکلے
 آئے ہے جن سے اہل مدینہ سخت گھبرائے اور جمع ہو کر وضعہ مسطہ و جناب نبوی کے
 سامنے تشرع و استہلال کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوئے۔ عید کے
 دن نصف النہار کے وقت ایک حمیت ناک دھواں اٹھا جو تمام آفاق پر محیط ہو گیا
 رات کے وقت آگ کے شعلے قرطبہ میں حدود و خزہ میں سر فٹک ہو کر نظر آنے لگے
 اور یہ آگ حرکت کرتی تھی اور جس راستہ پیارا یا دخت پر سے گزرتی تھی سب کے ناک

سیاہ کر جاتی تھی۔ اور سرخ نیلگوئی شعلے ایک سخت ہیریب۔ ورنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قریب پہنچتے تھے مگر باہر ہمدینہ میں نسیم بارہو جاتی تھو جس ہوتی تھی بعض روایات میں کہلاتے کہ مقام بصری کے پہاڑوں تک اس کی روشنی پہنچ گئی۔ امیر مدینہ فخر الدین صاحب مدینہ کے سجد نبوی میں ہفتہ کی رات عجز و زاری میں مقنزل رہا اور حجرہ شریفہ نبوی کی حالت متوجہ ہو کر توبہ استغفار کرتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس گ کو باہر جان بے تعل کر دیا۔ میں کو اہل مدینہ تین ماہ برابر دیکھا گئے۔ اس گ کے متعلق اور بھی واقعات ہیں جن کو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔ اس گ کے بعد خلافت بغداد کی تباہی ترکوں کے ہاتھ سے ایک ایسا بولڈاک منظر ہے جس کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی کتب خانے ہلا دیے گئے۔ مساجد ویران کر دی گئیں اور ایک امام و ہاتھی جس سے بدلو بڑا دیا رہ گیا اور بنی عباس کی خلافت کا پرانہ ہمیشہ کیلئے منقطع ہو گیا۔

۱۵۱) ابوداؤد افضل جنہوں نے سب و شتم اور لعن و لعن کا ایک عام دروازہ کھول دیا۔ ان لوگوں نے سنت نبویہ کے آثار کے ٹھوکرے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر کھا نہیں تھا۔ اہل بدر بھی جناب پیغمبر علیہ السلام نے پہلے ہی دیدی تھی۔ چنانچہ دائر قلعہ بروایت فضیل بن مرزوق عن زینب بنت علی بن ابی طالب عن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے علی کرم اللہ وجہہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوالحسن! تو اودیہ سے پیردان کو جنت میں ہونگے اور وہ لوگ جو تجھ سے محبت کو دھوئی کر گئے وہ اسلام کی اہانت کر گئے۔ اور وہ اسلام سے الگ تھک جائیں گے جس طرح تیرے لڑکے کو لگ کر اس سے پاہ بوجاتا ہے۔ اور وہ رافضیہ کے عقب سے مشہور ہونگے۔ اگر تو انہیں پائے قتل کچھ کیونکہ وہ مشرک ہونگے۔ اور ایک دوسری حدیث میں جوامام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کیا ہے کہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کن کی علامت کیا ہوگی؟ فرمایا کہ وہ لوگ جدا جدا جماعت میں خیر کیا نہیں ہونگے اور

سلطت سامعین کے حق میں لحن کیا کرینگے۔ اسی مضمون میں اہمیت سے روایات ہیں جو
بالقرائن اشارہ نظر انداز کی گئیں۔

(۱۶) خروج و قیامین۔ یعنی مہوئے حرمیان نبوت کا پیدا ہونا۔ چنانچہ میں کے متعلق
بھی حضور علیہ السلام نے صاف سے صاف الفاظ میں خبر دی ہے چنانچہ ابو داؤد
ترمذی ابن حبان بروایت ثوبان راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "سیکون لی
امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعمون انہ نبی وانا انا محمد النبیون لا نبی بعدی" اور
بخاری کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: "وہو حق بیعت دجالون قرہیب من ثلاثین
یترجمہ اندر رسول اللہ۔ اور شدہ امام العادری ابو علی اس روایت محمد بن عمرو یہ
الفاظ ہیں: "بین یدی الساعة ثلاثون دجالا کذابا علی ہذا من ہو منوع میں
اور بھی احادیث انہیں معنی میں بتلیر الفاظ داروہوئی ہیں اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ
قرب قیامت میں تیس جوئے۔ حرمیان نبوت پیدا ہونگے اور ہر ایک ان میں سے نبی اللہ
یا رسول اللہ کے بلا تکا حاکم نبوت اور رسالت مجبور پر ظہر ہوگی۔ اور ایک حدیث میں یہ
الفاظ ہیں: "فاذا اسر ایتھو حید فاجتنبو حدیثی جب تم انہیں پاؤ تو ان سے الگ
ہو جاؤ۔ چنانچہ سودوسی (عقار) میں اور سلیمہ کذاب علاقہ یمامہ میں ظہیر بنی اسد میں
مختار رشتہ یام عبد الملک ہیں اور یہ وہ ایام مستعد باشند ہیں اور یحییٰ بن زکریا قرطبی ایام
مکتنی باشند ہیں اور اس کے بعد اس کا بھائی حسین ایام مستعد باشند ہیں ابو طاہر قرطبی
ایام رشتہ باشند ہیں محمد بن علی سمعانی المعروف بابن ابی العراق مستعد باشند ہیں ایک
مختص شخص نے اپنا نام کا مقرر کیا دعویٰ کیا کہ لا نبی بعدی سے میری نبوت
کی طرف اشارہ ہے اور تھاروی سار کا ماحدہ (اندلس) میں اور علی محمد باب کا ایران میں
پیدا ہونا مذکورہ بالا فرقہ غوی کی تصدیق کرتا ہے بعض محققین نے سائنس مدعیان
نبوت کو ہم بنام گشت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ملک شدہ حرمیان میں بھی سب ہم

لوگ آخر زمانہ میں بھٹے مٹی نبوت پیدا ہو کر دہیان کذاب کے مسئلہ پر مٹ کر گئے تھے ہیں اور
 مسیح عیسیٰ السلام کے اس قول کی تصدیق کر گئے ہیں کہ میرے بعد میرے نام پر جو بھی
 نبی آئیگا۔ ان لوگوں نے سینکڑوں پیشگوئیاں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک میں انہیں
 جھوٹا ثابت کر کے ال دھنس کو ان کے دہل و فریب سے آگاہ کر دیا۔ ان کے علاوہ
 اور دہیان مہدویت جو ان تک پہنچا ہوا ہے اس شامہ جھوٹے غایب میں۔

(۱۷) بیت المقدس کا فتح ہونا جس کی بابت ایک حدیث مرفوعہ میں بڑا بیت عود
 میں ملک میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے پچھ
 اور واقع ہونگے۔ ان چھ میں حضور علیہ السلام نے فتح بیت المقدس کا ذکر بھی فرمایا چنانچہ
 حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہو کر مدقوں مسلمانوں کے زیر حکومت رہا بعد ازاں کچھ عرصہ
 کے لئے نصاریٰ اس پر غالب آ گئے مگر پھر مشہور فاتح اسلام صلاح الدین ایوبیؒ نے نصاریٰ
 سے نصاریٰ سے واپس لے لیا۔ مگر پھر نصاریٰ کچھ عرصہ تک غالب آئے مگر اس کے
 پوتے داؤد ملک ناصر نے پھر واپس لیا جو آج سے کچھ عرصہ پہلے تک دائرہ حکومت
 اسلام میں داخل تھا مگر بد قسمتی سے اب اس پر فرانسیسی حکومت کا تصرف ہو چکا ہے۔
 (۱۸) فتح نہ اُن حضور علیہ السلام نے اس کی خبر بھی دیدی تھی۔ چنانچہ بروایت
 صدی بن حاتم مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں نبیؐ کی جگہ
 بعض جو ملین میں ہے مفتوح نہ ہو جائے۔ چنانچہ زمانہ خلافت عمرؓ تک قادیسیہ میں
 ملین مفتوح ہو کر اسلامی حکومت کا ایک صوبہ قرار پایا۔

(۱۹) اہل عرب کی ہلاکت اپنی زوال سلطنت۔ محدث ترمذی بروایت طلحہ بن مالک
 مروی میں کہ قرب قیامت کی علامات میں سے اہل عرب کا ہلاک ہونا ہے چنانچہ بنی عباس
 کے زوال حکومت پر اہل عرب کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری اہل عجم کی حکومتیں

قرآن و روایات

۱۰۰) اکثریت مال میں امر کی نسبت بھی صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ مروی ہے کہ قیامت نہیں ہوگی حتیٰ کہ مال سقہ نہ پڑھ جائے کہ مدت قیامت سینے کا کوئی مستحق نہیں دیکھا یہ امر بھی بزبان عثمان بن پوزامو گیا۔ اور بعد سال عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں یہ حال تھا کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ سقہ سے تو وہ کہتا کہ مجھے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں +

(۲۱) پہلے مال کا اپنی جگہ سے حرکت کرتا۔ اس کے متعلق طبرانی نے بروایت عمرو بن حنبل بھی روایت کیا ہے کہ قیامت نہیں ہوگی حتیٰ کہ پہلے اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ متوکل عباسی کے زمانہ میں علاقہ یمن میں ایک پہاڑ جس پر کچھ زراعت بھی تھی اپنی جگہ سے متحرک ہو کر ایک میدان حاصل ہو جائیگا۔ اور یہ واقعہ ثلاثہ مہجری کا ہے۔ اسی کے قریب قریب ایک واقعہ مقتدر عباسی کے زمانہ میں بھی ہوا +

(۲۲) واقعہ خسوف ثلوث۔ چنانچہ بروایت طبرانی ام سلمہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد تین خسوف واقعہ ہوں گے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں عرض کیا گیا کہ آیا صالحین کے ہوتے ہوئے بھی خسوف ہو گا۔ فرمایا کہ ہاں جب نبیٹ زیادہ ہو جائیگا اور ان خسوف ثلوث کا ذکر ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے جو ضیف بن امیث سے مروی ہے۔ مؤمنین کے ان ہر خسوف کے واقعہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سیاح بن عبد الملک اموی کے زمانہ میں بہن ہیرہ نے خیفہ کی طرف میں قلع نکاس کی کہ شہر بخارا میں بمبلی رات کے وقت ایک سخت عیب کرکٹ سنی گئی جس سے حاملہ عورتوں کے حمل وضع ہو گئے اور آسمان میں ایک وسیع شگفتہ نظر آیا۔ اور نہایت ہیبت ناک اشتغال کے آدمی نازل ہوتے دیکھتے گئے جب صبح ہوئی تو زمین کا ایک وسیع حصہ ایسا اندر کو دھس گیا کہ اس کی تہ کا کچھ تہ نہیں گھٹا

معاذ خداں سے ایک جڑواں، ایک نظر آتا تھا۔ تاہم ہی بیمار سے چالیس مہینے شفا کی شہادت ثبت کر کے اس قدر کو قلمبند کر لیا۔ اور شہادت میں سترہ مہینے میں ایک حضرت خواجہ میں تیرہ ہستیل زمین میں غرق ہو گئیں اور شہادت سحری میں غرق ہو گئیں۔ ایک عظیم الشان زلزلہ آیا جس سے بہت سے جادو و اسرار کو نقصان پہنچا۔ اور شہادت سحری میں ایک ایسا زلزلہ آیا جس میں شہر طاعن کے سب لوگ ہلاک ہو گئے اور صرف تین آدمی بچے اور ایک بچہ چار سال کا جادو و اسرار زمین میں گئے۔ اور اس زلزلہ کا اثر شہر طاعن تک پہنچا جو زمین گھٹنے میں کہ قہر کے اند سے ہڈیاں باہر نکل پڑیں اور ایک پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔ اور ایک سچی کا یہ حال ہوا کہ قریب دو سو دن تک غلام میں معلق رہ کر سرنگوں گزری گئی اور دو دور دور تک زمین میں بڑے بڑے شگاف پیدا ہو گئے جس سے دھواں، آگ، آتش نظر آتا تھا۔ ان واقعات کو سید علی نے جزمی سے نقل کیا ہے۔ تاریخ میں اس بھی کسی ایک ہولناک ختم نہ کہہیں جن کو ہم بنظر احتیاط نقل نہ کرنے پر مجبور ہیں +

(۲۴) کثرت نقل۔ اس کے متعلق صحیح بخاری میں ایک حدیث بروایت ابوہریرہ مروی ہے جس میں الفاظ تکرر الشہادۃ "اور میں نے اس کو بار بار روایت فرمادہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت میں ایک زلزلہ آئے گا جس میں دس ہزار آدمی ہلاک ہوں گے۔ اس زلزلہ کو اللہ تعالیٰ متیقن کے لئے ثبت اور مومنین کے لئے رحمت اور کفار کے لئے موجب عذاب بنایا گا۔ چنانچہ یہ خوفناک زلزلہ متوکل عباسی کے زمانہ عتقہ سحری میں واقع ہوا جس سے شہر دمشق تباہ ہوا۔ مکانات گر گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے۔ اس زلزلہ کا اثر شہر طاعن اور واصل تک محسوس ہوا۔ مومنین کیسے ہیں کہ صرف اہل واصل میں سے پچاس ہزار جانیں تلف ہو گئیں۔ اور شہر طاعن سے لیکر خراسان اور بلخستان واقعہ ایشیا تک ایک ہولناک زلزلہ آیا جس

سے بعض پہاڑ بچت گئے اہل زمین میں بابا جی شاکت آگئے شکت بھجری اس قدر ذلت گئے
 کہ مختلف جاؤں میں کچھ دشمنوں کو ان سے بہت سی جائیں ملت ہوئیں غلیظ معتمد کے
 ناز میں شکت بھجری میں ایک ایسا زور آ یا جس سے کئی ایک شہر پر بندھا گیا ہوئے۔
 اور پھر شکت لکھ کے قریب مردہ آویروں کی لاشیں دی ہوئی نکلی تھیں۔ اور شکت بھجری
 میں شہر میں ایک ہولناک زور آ یا جس سے وہ شہر تباہ ہو گیا اور پانی زمین کے اندر
 سے جوش مار کر سطح زمین پر پھیل گیا اور پتھریں سزا دی جاگ ہوئے اور شکت کا پانی اپنے
 ساحل سے ایک دن بھر کے فاصلہ پر دوڑ چکا گیا لوگ سندھ کی تہ سے اشیاء بہن
 سب سے کہ سندھ کا پانی آمد کر دیا پس آگیا اور ان لوگوں کو فحشیت من الیہ ما
 غنیہ کا مصداق کر دیا بعد میں نے کئی ایک اور بڑے بڑے زلزلوں کا بھی ذکر کیا
 ہے مگر ہم نے بطور تخیل صرف چند ایک کا ذکر کر دیا ہے جن سے زمین نبوی کی تہوں کی
 تصدیق ہوجاتی ہے +

(۷۴) مسخ و قذت و قذت۔ اہم حدیث ابن مسعودؓ مرفوعاً مادی میں "یکون
 فی امتی خست و قذت" یعنی میری امت میں خست و قذت ہوگا اس حدیث کو
 مسلم اور حاکم بھی روایت کرتے ہیں اور ابن ماجہ بروایت ابن مسعود مادی میں "بین
 یدین الساعۃ مسخ و خست و قذت" خست کی مثالیں نو اور (۷۵) مذکور ہوئیں
 مسخ کے متعلق بروایت صحیح مادی ہے کہ خلفائے فاطمیہ مصر کے زمانہ میں لوگ عاشورا
 کے دن میدان میں گئے قبیل میں محبوکہ حضرت شہین اور دیگر صحابہ کے حق میں تہنم
 کیا کرتے تھے۔ ایک سال سے حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت کا نہاں کیا اور کچھ کھانے
 کو انکھا۔ ایک بوتھا ہا ہا آیا اور اس سال کو اپنے ساتھ لے کر آیا۔ اس ناچار پر اس نے
 اس سائل کی زبان کاٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور کہا جاو تمہیں اب بکریہ کن
 محبت کا اثر مل گیا۔ وہ پہاڑ بھستہ زندہ ہو کر مسجد نبوی میں آیا اور صفناک حالت

میں روضہ مطہر و جناب نبوی کے سامنے گھر ہو کر حضور علیہ السلام اور شخص کی
 خدمت میں سلام عرض کیا۔ اور بادل درود مند و دروازہ مسجد پر آسمیہا۔ اور اس پر نشانی
 کی حالت میں اسے نیندا آئی۔ خواہ میں حضور علیہ السلام مع صدیق اکبر تشریف
 لائے حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمہاری محبت میں
 اس شخص کی زبان کٹ گئی اس کی زبان واپس کرو۔ صدیق اکبر نے اس شخص کے ہاتھ
 سے زبان لیکر اس کے منہ میں رکھ دی جب وہ شخص بیدار ہوا تو وہ بالکل صحیح لسان
 تھا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ اپنے شہر کو چل دیا اور کسی کو اس واقعہ پر مطلع نہ کیا۔ اس
 کے بعد آئندہ سال کو عاشورا کے دن جب وہ شخص پھر قہر عباس میں ہجر مائل ہوا
 تو ایک نوجوان پاہر آیا اور اس شخص کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ لوہاں کے ساتھ نہایت
 عزت و احترام سے پیش آیا۔ سال یہ دیکھ کر کہ یہ وہی گھر ہے جس میں اس کی زبان
 کٹا تھا وہی گئی تھی حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ اس سلوک کی کیا وجہ ہے اس نوجوان نے
 سالہا جرایان کیا اور کہا کہ میرا باپ صبح ہو کر بند کی شکل میں منقلب ہو گیا ہے۔ چنانچہ
 گھر کی ایک جانب اسے ایک بند رکھا یا جو بندھا ہوا تھا۔ اور کہا کہ میں نے تو
 اسی وقت سے توبہ کر لی ہے۔ تم اس واقعہ کا کسی کے سامنے انہار نہ کرنا کیونکہ
 اس میں میری ہتک ہے۔ اس واقعہ کو سید علی و ابی بن حجر قسطنطینی جیسے معتبر علمائے
 نقل کیا ہے۔ نیز ابن حجر نجاہر میں لکھتے ہیں کہ حلب میں ایک شخص حضرات شیخین
 کو سب و شتم کیا کرتا تھا جب اسے قبر میں رکھا گیا تو اس کا چہرہ خنر ہو گیا۔
 لوگوں نے اسے قبر سے نکال کر مڑ دیا۔ سید علی تاریخ الفلک میں لکھتے ہیں کہ مشہور
 میں نہایت مشہور عباسی ایک شخص نے نام ناز کے ساتھ تھانہ کی حالت میں کئی ناشائستہ
 حرکت کی۔ مگر نام نے تھانہ کو نہ توڑا جب نام ختم ہو چکی تو لوگوں نے دیکھا کہ شخص مذکور
 کا چہرہ خنر ہو گیا اس واقعہ کو طائریہ کے مخطوط سے لکھ دیا گیا تاکہ پڑھنے والوں کے

لئے عبرت ہو +

قدت کے متعلق اہل تاریخ نے کئی ایک واقعات کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہی تاریخ اختلافات کہتے ہیں کہ مشنہ جہری میں بصرہ میں سیامہ اور حید پتھروں کی بادشاہت ہوئی اور مشنہ حید میں قرہ سید پتھروں کی بادشاہت ہوئی اور پستی جہا ہو گئی۔ ہر ایک پتھر کا قدن قریباً پانچ سیر کے برابر تھا۔ مشنہ کے قریب واقع کردستان میں پتھروں کی بادشاہت ہوئی۔ اس میں باکل صاف تھا اور کوئی آٹما مر نہیں دیکھتے +

۱۲۵۱ھ (سرخ آندھی یا سخت تندہوا) - ترمذی بروایت علی بن ابی طالب و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب ائمہ دین کی خاطر حاصل نہیں کیا جا سکا اور حجازی بیوی کی اطاعت کرنے لگے گا اور اولاد میں باپ کی ناسپاسی کرے گی اور دوست دوست کو قتل پھانسیگا اور باپ کو قتل کیا جا سکا اور بعد میں لوگ آواز دے رہے ہوں گے اور فاسق و فاجر دین میں بائیں گے اور لوگ اُمر کی بُرائی سے بچنے کے خیال پر ان کی تعظیم کرنے لگ جائیں گے اور تاج اور تہنک اور بلند اور سانگی کی مجلس قائم ہو جائے گی اور شر و خورشی جاری ہو جائے گی اور اُن کے مالی انیس گزشتہ زمانہ پر نسبت صحیح کر دیں گے تو اس وقت ایک سخت آندھی اور زلزلہ اور سخت اور سخت واقع ہوئے اور ابو لؤہ اور محدث حاکم بردایت عبداللہ بن عوالہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تم بیت المقدس میں خلافت کو نازل ہوتے دیکھو گے تو زلزلے اور جوارت اور غلیظ واقع ہوئے اور قیامت اس وقت اس قدر قریب ہوگی جس قدر میرا ہاتھ تھیلے سے قریب ہے۔ موصوفین کہتے ہیں کہ خلافت متوکل کے زمانہ میں ایک ایسی تیز بھڑکی

۱۲۵۱ھ سے ۱۲۵۲ھ کی خلافت ہے تو وہ گزشتہ دور کی خلافت جہری مراد ہے تو بھی اسکا اختلاف ہے اور صحیح ہے کہ خلافت جہری مراد ہے کیونکہ اُن کی خلافت نہ تھی بلکہ سلطنت + ۱۲۵۲ھ

ہو چلی جس سے کوفہ و بصرہ بغداد کی زندامیں جل گئیں اور راد حلتے مسافرن ہاک ہو گئے یہ
 ہوا یکا جس دن تک برابر چلائی اور اس کا بعد ان موصل استجار تک اٹھ پہنچ گیا اور لوگ کا روبرو
 سے ٹک گئے اور ششہ کے ماہ شوال میں جرمانہ خلافت مستعد دنیا ایک سخت سیاہ
 اندھیری سے تاریک ہو گئی اور ویرانہ طواف عالم پر محیط ہوئی اور بعد میں ایک سخت زلزلہ آیا۔
 اور ششہ میں ایک نہر قائم ہوئی جو بعد میں سبز اور پھر سیاہ ہو گئی اور دور و دور دشت
 و بلاد تک پھیل گئی اور خلافت مقتدیہ میں ایک ایسی آمد ہوئی جس سے لوگوں کو قیامت
 کا گمان ہو گیا۔ کتب تواریخ میں بھی ایک اور دلیل شدیدہ کا ذکر ہے جن کو بظہر اقتضای نظر خط
 کر دیا گیا ہے ۔

(۲۶) دفع ہجر اسود۔ انقطاع مرقی حج + محدث حاکم بروایت ابو سیدہ راوی میں کہ
 حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لا تقوم الساعة حتی لا یجی البیت یعنی قیامت نہیں ہوگی
 جب تک حج کے راستے لوگوں پر سدو نہ ہو جائے۔ اور بروایت ابن عمرؓ مروی ہے۔
 لا تقوم الساعة حتی یرفع المہر کن یعنی قیامت سے پہلے ہجر اسود اپنی جگہ سے اٹھایا
 جائیگا۔ فارغ ہو کر یہ ہر وہ واقعات وقوع میں آچکے ہیں چنانچہ سنہ ۱۰ ہجری سے ششہ
 تک فتنہ قرامطی کے وجہ سے بغداد و غیرہ بلاد کے لوگ حج نہیں کر سکتے تھے اور ششہ
 میں یوسلم نے اہل مصر و غیرہ پر حج کا دستہ روک دیا اور حجاجؓ قنات ہو کر جنوں میں ہلک
 ہو گئے۔ سنہ ۱۱۰ھ میں ابو بلال نے حجاجؓ کا لیک قتل عام کیا۔ اور ہجر محدود سے چند کے
 کسی کو حج کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ علامہ سیوطی نے حسن الامامہ میں سال بسال ایسے
 واقعات کا شمار کیا ہے جس کو تفصیل منقولہ ہو تو کتاب مذکور کا مطالعہ کرے ۔

دفع ہجر کے متعلق مؤرخین نے کہا ہے کہ مقتدر عباسی کے زمانہ میں ابو طاہر مطی نے
 جو بالنیر فرقہ کا محدث نہ بنی تھا مسجد حرام میں حجاجؓ کا قتل عام کیا اور مقتولین کو چاہہ زمزم
 میں پھینک دیا اور ہجر اسود کو اپنی گرز کی ضرب سے تڑا اور اس کو اس کی جگہ سے اکھاڑ لیا اور

(۱۶۹) کثرت موت۔ صحیح بخاری میں بروایت عون بن مالک مروی ہے کہ
 مَوْتَانَا كَقِطَاعِ الْمُسْمِيَّةِ یعنی ایک عام مرا مری ہوگی جیسے بکریوں کو قحاص (ایک
 یا دو سی ہے) ہلاک کر ڈالتی ہے۔ طاعون عموماً اس میں ایک عام مرا مری بڑا بڑا خلوت
 حضرت عمرؓ واقع ہو چکی ہے۔ مدائنی لکھتے ہیں کہ اسلام میں پانچ مشہور طاعونیں واقع
 ہوئی ہیں۔ طاعون شیرازیہ۔ طاعون عموماً۔ طاعون حارثیہ۔ طاعون الثیبات۔
 طاعون الاقراوت۔ طاعون عمارت کی سبب مونس بن کثیر لکھتے ہیں کہ نصرہ میں
 پہلے دن ستر ہزار اور دوسرے دن کچھ ترہزار اور تیسرے دن تھتر ہزار لوگ مرے
 اور چوتھے دن شہر میں بجز مدد دے چند آدمیوں کے کوئی زندہ نہ رہا۔ والی البصرہ
 کی والدہ مر گئی اور کسی نے اس کا جنازہ تک نہیں اٹھایا سان پانچوں طاعون کا
 ذکر حافظ ابن کثیر کی کتاب تاریخ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے
 اعاذنا اللہ منها ۔

امارات متوسطہ واضح ہو کہ امارات متوسطہ مذکورہ بالا میں ہیں اور امارات
 کبریٰ سے قریب ہو گئی ہیں۔ قیل میں ہم ان امارات
 کا ذکر کرتے ہیں جن میں ان کا ذکر آچکا ہے ۔

۱۱۱ احمد و قرشی بروایت حدیث عن علیؓ کرم اللہ وجہہؓ راوی ہیں کہ لا تقوم
 الساعة حتی یکون اسعد الناس کلج بن کلج یعنی قیامت سے پہلے فروایہ اولیئم
 لوگ رؤسا ہونگے ۔

(۱۷۰) ترقی پر روایت انسؓ راوی ہیں : یا قتی علی الناس زمان الصابر علی
 دینہ کا قابض علی الجہم یعنی ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ دین پر جابر ہے والا اس شخص

کی طرح ہوگا چو آگ کا چنگاڑا ہاتھ میں دبائے ہوتا ہے مطلب یہ کہ دین کا کوئی شخص مامی
و مددگار نہیں ہوگا اور دین پر قائم رہنا سخت دشوار ہو جائیگا +

(۳) الباقیم ہر عالم بروایت اسن راوی ہیں "یکون فی الخزانہ مان عباد جہال
وقرأ فسقة" یعنی قرب قیامت میں ایسے لوگ عبادت کیا کریں گے جو جاہل مطلق ہوں گے
اور قاری لوگ فاسق ہوں گے +

(۴) احمد ادا بودا و ادیان مابہ ادیان جان بروایت اسن راوی ہیں لا تتور
الساعة حتی یتباہی الناس فی المساجد یعنی قیامت سے پہلے لوگ مسجد میں نماز
و سبابت کیا کریں گے +

(۵) طبرانی بروایت اسن راوی میں "من اشتراط الساعة الغش والتغش و
قلیعة البرہم و تخوین الامین و اشتقان الخائف" یعنی قرب قیامت میں غش اور
قطع رحم اور امانت سپا کرنا و امانت سپا رہنا نامم ہو جائیگا +

(۶) طبرانی ابن مسعود اور اسن سے راوی ہیں "من اقتراب الساعة امتلأ الارض
یعنی قرب قیامت میں ہلال (پہلی رات کا چاند) ایسے نظر آیا کریں گے جیسے دوسری یا تیسری
رات کا ہوتا ہے +

(۷) من اقتراب الساعة كثرة القطر و قلة النبات و كثرة القمام و قلة العقباء
و كثرة الاہل اسقطة الائمة یعنی قرب قیامت میں بارشیں بہت ہونگی اور ہنری کم اور
جاہل مابد بڑھ جائیں گے اور اہل فقہ کم ہو جائیں گے اور اکثر لوگ مال و دولت و لے ہونگے
مگر امانت سپا نہایت کم ہونگے +

(۸) احمد و بخاری بروایت مروان سلمی راوی ہیں "یذهب الصالحون الاول
فالاول و یبقی خثالة كخثالة الشعیر و الائمة" یعنی یکے بعد دیگرے صالحین ختم ہو جائیں گے
اور مینا پھوس رہی یعنی جاہلان فرومایہ باقی رہ جائیں گے +

(۹) البصیر علیہ میں برہانیت ابوہریرہ راوی ہیں لا تقوا الساعة حتی یكون المزدحم
رعاية والوسع لتصلوا یعنی قرب قیامت میں زہد صرف نہ پائی روایات تک محدود
ہوگا اور پرہیزگاری محض بناوٹ پر مبنی ہوگی ۔

(۱۰) طبرانی برہانیت ابن مسعود راوی ہیں ان من اعلام الساعة واشترطها ان
یکون الولد غیظاً وان یموت المطر قبضاً وان تفسخ الاشجار فیظا یعنی عدا
قرب میں ہے یہ بھی ہے کہ اولاد اپنے والدین کے حق میں موجب غصہ یعنی نابلہ ناپس
ہوگی اور موسم گرما میں بارش ہو کر نیکی اگر سبزی بہت کم ہو کر نیکی اور سبذات لوگ
خبر نہ جائیگے ۔

(۱۱) طبرانی برہانیت ابن مسعود راوی ہیں ان من اعلام الساعة واشترطها ان
یصلق الکاذب وان یکذب الصادق یعنی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مجھوٹے کو
سچا اور سچے کو مجھوٹا بنایا جائیگا ۔

(۱۲) طبرانی برہانیت ابن مسعود راوی ہیں ان من اعلام الساعة واشترطها
ان یموت المؤمن فی القبیلۃ اقل من النمل یعنی منجمہ علامات قیامت کے یہ
ہے کہ مؤمن قبیلہ میں کبریٰ سے زیادہ ذلیل سمجھا جائیگا ۔

(۱۳) طبرانی راوی ہیں ان من اعلام الساعة واشترطها ان تزحف
الحاریب وان تحرب مقلوب یعنی منجمہ علامات قیامت کے یہ ہے کہ محارب
مزمین و منقش کی جابگی اور مقلوب فاسد ہوئے ۔

(۱۴) طبرانی راوی ہیں ان من اعلام الساعة واشترطها ان یکفی الرجال
بالرجال والنساء بالنساء یعنی منجمہ علامات قیامت کے یہ بھی ہے کہ مردوں میں
بولہت پھیل جائیگی اور عورتیں مساحت کیا کر نیکی ۔

۱۔ مساحت۔ عورتوں میں یکساں مصنوعی طور پر مردوں کی دوسری سے جماعت کرنا۔ ۱۳۔

(۱۵۱) طبرانی اس ابن مسکراوی ہیں ان من اعلام الساعۃ واشهر اهلها ان یوم حزن اب
الانیا و یخرب عمرہا بقولہ یعنی مجملہ علامات قیامت کے یہ بھی ہے کہ مجرئی جگہ آباد اور
آباد جگہ آبرو اور آبادی جانیگی +

(۱۵۲) طبرانی راوی ہیں ان من اعلام الساعۃ واشهر اهلها ان تکلم المعلنون وقتہرب
المنورۃ یعنی مجملہ علامات قیامت کے یہ بھی ہے کہ وقت (اوقات موسمی) عام ہو جائیگی
اور شرانجی بڑھ جائیگی +

(۱۵۳) طبرانی بروایت ابن مسعود راوی ہیں ان من اعلام الساعۃ واشهر اهلها ان
تکثر الشرط والعمالون وان تکثر اولاد النبی یعنی مجملہ علامات قیامت
کے یہ بھی ہے کہ دایاں عالم کے معارف اور عیب چینیوں اور چلی کھانے والوں اور
برآمدہ اولاد کی تعداد بڑھ جائیگی +

(۱۵۴) احمد و بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود راوی ہیں ان من اعلام الساعۃ فتن
النجارۃ حتی تمین المرأة زوجہا علی التجارۃ و قطع الارحام و فتشوا القلوب و ظہور شہاد
النہور و کتمان شہادۃ الحق یعنی مجملہ علامات قیامت کے یہ بھی ہے کہ تجارت عام
طور پر چلی جائیگی حتیٰ کہ یہی اپنے خاوند کی تجارت میں اعانت کریگی اور رشتہ داری کے
ملاقات قطع ہو جائیگی اور دفن کتابت عام ہو جائیگی اور جوئی شہادت کا اہم بارادہ بھی شہادت
اور خدا کیا جائیگا +

شہادین نے لکھا ہے کہ فن کتابت کے عام ہو جانے پر علماء حق کا شمار بھی کم ہو
جائیگا۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں یہ سب باتیں مشاہدہ میں آچکی ہیں +

(۱۵۵) ابویسئلہ مذکورہ بالا وارد ہوا ہے کہ مسلمان زمین کا نام کے کر شراب کو
بازی بنائیں اور بیع و تجارت کی صورت میں سود خوری کے جواز کے لئے جیسے ترقی
ہوئے اور رشتہ کو بدیہ کے نام پر قبل کیا جائیگا اور کوفہ میں کوئی منصف نہ ہوگی +

(۲۰) طبرانی اور حاکم بروایت ابو ذر غفاری عن ابي بن کاسم یہ ہے کہ
لوگ کہتے پائینگے۔ بڑوں کا ادب اُس طرح جائیگا۔ چوٹوں پر مسکت نہیں ہوگی ماضی مرام
اولادیں بڑھ جائیں گی اور حکم کھلا راستوں پر نہا ہوگا۔ لوگ بظاہر مستوا منع اور اندر سے
خفا ہو جائیں گے۔

(۲۱) احمد و ابن ماجہ بروایت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ بڑوں میں زنا پھیل جائیگا اور
چھوٹے حکومت کے مالک ہو جائیں گے اور فرمایا توں اہل علم ہونگے اور خوشامد پرستی
عام ہو جائیگی جو شبہ نفاق ہے

(۲۲) بخاری و مسلم بروایت عمر راوی ہیں کہ قرب قیامت میں لوگ ویکھا دیکھی
امارات عالیہ تعمیر کرنے لگیں گی بس کی خیر میں نکھاسے کہ مال و دولت کے بڑھ جانے
سے لوگوں کی توجہ علم و عبادت و جہاد کی طرف سے بہت کمزور ہو جائے گی
(۲۳) احمد و ابو داؤد بروایت سلامہ بن عبد الرحمن راوی ہیں کہ قرب قیامت میں
اہل مسجد کو پیش امام نہیں لینگا۔

(۲۴) طبرانی ابی نعیم سے راوی ہیں کہ قرب قیامت میں چھوٹے درجہ کے اہل علم
بڑا کر فیکے مطلب یہ کہ بڑے لوگ دنیا طلبی کے پیچھے لگ جائیں گے اور ان لوگ اہل علم
ہونگے اور ہی فتویٰ دیا کر گئیے۔

(۲۵) حاکم بروایت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ قرب قیامت میں ایک بھائی اپنے بھائی
کو بلا وجہ قتل کر لینگا۔

(۲۶) دیلمی بروایت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ قرب قیامت میں منبروں
پر خطیب (کچھارا) بہت ہو جائیں گے اور علماء و اہل ایمان حکومت کی طرف جھٹک پڑیں گے۔
اور عدل کو ظلم اور حرام کو حلال قرار دینگے یعنی امر کی خواہش کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ دیا کریں گے۔
(۲۷) بروایت مذکورہ بالا وار ہے کہ قرب قیامت میں علماء و عہدہ دینار کی خاطر

علم کیا کرینگے اور قرآن مجید سے تفسیر کی جائیگی یعنی قرآن مجید پر ہجرت لی جائیگی +
 (۲۸) نیز سلسلہ مذکورہ بالا میں ہر دہے کے قریب قیامت میں لوگ فروایہ اور مالدار
 عملوں سے نکاح کیا کرینگے اور اپنی چھوڑاؤں کی سے بوجہ اس کی مٹائی کے باز رہینگے نیز
 اہل قرابت سے عزت نہیں کرینگے اور سائلین کو محروم رکھا جائیگا +

(۲۹) ابن ابی الدنیا اور بطرانی اور ابوالنضر بخاری اور ابن ہشام کہ برائیت ابو موسیٰ سند
 صحیح کے ساتھ راوی ہیں کہ قریب قیامت میں کتاب اللہ سے علم ہوگی۔ اس وقت کس پر کس
 ہو جائیگا۔ دلوں میں نفی و عداوت قائم ہوگا۔ علم اُٹھ جائیگا۔ عیسٰی کھم جائیگی۔ سال بیت
 مبلد گذر جائیگے۔ پیداوار کم ہو جائیگی۔ امین خائن اور خائن امین بنائے جائیگے اور کاذب کو
 صادق اور صادق کو کاذب قرار دیا جائیگا۔ اور کشت و خون زیادہ ہوگا۔ عمارات عالیہ تعمیر
 ہوئی تھیں کھس کر ہوئی اور عداوت و حسد و بخل بڑھ جائیگا۔ جھوٹ پھیل جائیگا۔ سچ
 بھٹا تا پدید ہوگا خود کش نفس کی پیروی ہوگی۔ ظن باطل پر فیصلہ دیا جائیگا۔ بارشیر بہت
 اور پھل کم ہونگے۔ خلیفہ (کمپور) جھوٹ سنا ئیگے +

(۳۰) احمد و فرافطی بروایت سعید بن ابی وقاص راوی ہیں کہ قریب قیامت میں
 ایسے لوگ پیدا ہونگے جو زبانوں کے ساتھ کھایا کرینگے جیسے گائے زبان سے کھاتی ہے
 اس کی خراج میں کہتے ہیں کہ تلف و خوشامداد ہجرت سے مذہبی پیدا کیا کرینگے +

(۳۱) عالم بروایت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ کھلم کھلا راستوں پر عورتوں سے مجاہدت
 کی جائیگی اور بڑے سے بڑا صاحب حیا وہ ہوگا جو یہ کہے گا کفر ایک طرف ہو کر نسل کرو
 اور ملاہیں اپنے والدین کے دین کو چھوڑو گئی +

(۳۲) ابی ہریرہ راوی ہیں کہ تین چیزیں نایاب ہو جائیگی۔ در شہم محل
 علم دین۔ الحب للہ +

(۳۳) جریر بروایت حضرت علی کریم اللہ وجہ راوی ہیں کہ ایمان حکومت ظالم ہونگے

اور نجوم کی تصدیق اور تقدیر کی تکذیب کی جاہلی اور جب کہی کسی عجم میں بیت یا بیت سے
تباہ لوگ جمع ہونگے تو ان میں ایک کے دل میں بھی خدا کا خوف نہیں ہوگا اور مسجد سے
ہو کر گزر جائیگے مگر تحفۃ السجداء انہیں کرئیے *

(۳۳) قرب تیا مت میں لوگ بیوی سے دُبر میں مجاہدت کیا کرئیے حالانکہ اللہ
اور اس کے رسول نے اس کو حرام کیا ہے اور وہ موجب غضب الہی ہے اور صرف جہنم
پر بیان والوں سے لوگ سلام کہا کرئیے اور لوگوں پر ایک ایسا وقت بھی آئیگا کہ کوئی شخص
محبس سے بدیں خوف اُٹھ کر جانا پسند نہیں کرے گا کہ اس کے چلے جانے پر اہل محبس اس
کی غیرت اور عیب جوئی کرئیے *

اور حقیقی مسئلہ ناوہی میں کہ لوگ مساجد میں معاملات دنیا کے متعلق گفتگو کیا کرئیے
اور مومن اس طرح مخفی رہیگا جیسے تم (صحابہ) بن منافق *

(۳۵) سلمیٰ بروایت علیؑ ناوہی میں کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئیگا کہ وہ حکم چری
اور مال و مشرق کی نگرین متفرق رہا کرئیے اور عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے یا حد و ہرم
و دینداران کلاہیں ہوگا یہی وہ لوگ ہونگے جو بدترین فحشاء ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں
ان کے لئے کچھ حصہ نہیں ہوگا *

(۳۶) ولیمیٰ اور ابن عساکر بروایت علیؑ ناوہی میں کہ ایک وقت ایسا بھی ہوگا
کہ علماء مکتوں کی طرح ذبح کئے جائیگے۔ اے کاش! کہ علماء ایسے وقت میں دیدہ و دانست
عالم بن جائیں *

(۳۷) پھر فرمایا کہ بید نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن مجید پوشیدہ ہو جائیگا جس
طرح کثیر اُڑانا ہو جائے گا اور ونوی اشیاء پر دلدادہ ہونگے۔ ملح غالب آجائے گی۔ اور
حقوق اللہ میں تقصیر کرنے پر دلوں میں خوف نہیں آئیگا بلکہ منوعات پر بے باکانہ
جرات کیا کرئیے *

(۳۸) اور ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ سلامِ معرفت نام کو رہ جائیگا۔
قرآن مجید کو مطلقاً کیا جائیگا اور لوٹے منہروں پر خلیب (کچھ اور) ہونگے مسجد میں منقش کی
جائیگی۔ ایک ہی صف میں نماز پڑھیں گے مگر ان کے منسوب میں نفاق ہوگا اور ایسی عورتوں
سے خطاب کیا جائیگا اور سوتے سوتے جسموں کے لوگ ہونگے اور بہت سی صفوں نماز
قائم ہو اگر کبھی دیکھم ہے کہ سبھی صف کو پورا کر کے پھر دوسری قائم کی جائے مگر آج کل
عام طور پر خیال یہی ہے کہ سبھی صف کو مکمل چھو کر دوسری صف قائم کر لیتے ہیں اور اسی طرح دوسری
کو مکمل چھو کر تیسری قائم کر لیتے ہیں۔ یہ ساری باتیں کثرتِ صفوں سے (اور طلاق
زوجہ ایک سہولی بات سمجھی جائیگی اور طلاق کی لوگ قائم کیا کرینگے۔ حدود شرعیہ معطل
چھڑ دی جائیگی یعنی زانی سابق و غیرہ پر حد نہیں لگائی جائیگی۔ خلیفہ ثانی (کچھ اسی) کی
ہوس عام ہو جائیگی اور اس کے ذریعہ سے شہرت و نامہوسی حاصل کی جائیگی۔ نمازین شائع
کی جائیگی اور آلاتِ موسیقی عام ہو کر ہر فرقہ ہو جائیگے علوم شرعیہ سے کنارہ کشی کی جائیگی اور کئی شریع
میں کھاپے کہ علوم فلسفہ و فنون کیمیا پر لوگ زیادہ جھک پڑیں گے اور کتاب سنت سے جاہل رہ جائیں گے۔
(۳۹) مسند امام احمد میں کھاپے کہ غیر قوموں کے لوگوں سے تمہاری ہیبت و شرم
آٹھ جائیگی۔ تم کمزور ہو جاؤ گے۔ اور غیر تم پر اس طرح جنگ پڑے گی جیسے ایک دسترخوان
پر کئی ہاتھ۔ صحابہ سے سوال کیا کیا رسول اللہؐ اکیلا ہم تعداد میں کم ہو جائیگے؟ فرمایا نہیں تعداد
میں آج سے زیادہ ہو گئے مگر میں تمہارے اندر نہیں رہیگا۔

مذکورہ بالا آثار میں غور کرنے سے صفتِ سلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں فرمانِ نبویؐ
کے قیام و احوالِ خدا ہو چکے ہیں ابن کاؤکر بطور چیلکونی کے ان آثار میں آچکا ہے جن سے
ان ایمان قرب قیامت کا بیج استدلال اور غافضین اسلام حضور معلوم کی صداقت کا صحیح حازہ نہ
کر سکتے ہیں۔ کیونکہ کسی مذہب میں کسی پیشوا نے ایسے سادہ اور صریح الفاظ میں کلمہ کے
واقعات کو گواہ و بیگاہ بیان نہیں کیا۔ غمزدہ کہ کس جاہلیت سے اور وضاحت کے ساتھ کہنے

۱۱) واقعات کو حضور علیہ السلام ارشاد فرمایا تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے وقت
 کا نقشہ حضور علیہ السلام کی نظر میں جلوہ گر تھا۔ اللہ جل علی محمد وعلی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 اب امارات کبریٰ (بڑے بڑے علامات) کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا وقت آپ نبی ہے
 اور اب کوئی بعید حالت منتظرہ باقی نہیں رہ گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

امارات کبریٰ | اقرب قیامت کے بڑے بڑے علامات بعض تو قرآن مجید
 میں اور بعض دیگر احادیث صحیحہ میں وارد ہو چکے ہیں بہم قبل
 میں بطور اختصار ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ طے بند کرتے ہیں:-

۱) ظہور مہدی علیہ السلام۔ مہدی علیہ السلام کا ظہور سب سے مشہور نشان ہے جو
 قرب قیامت میں ہوگا۔ اہل اسلام کے ہر ذوق سنی اور شیعہ ظہور مہدی کے منتظر
 ہیں گو ان میں بوجہ چند اختلاف ہے۔ خبیہ لوگ کہتے ہیں کہ مہدی پیدا ہو کر قاضی
 ہو چکے ہیں اور مشرمن رائے (علامہ شام) کی فاریں مستویں اہل السنۃ والجماعۃ
 اس امر کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک وہ ابھی پیدا ہونگے اور پانچ سال کی
 عمر میں ہیک عرب یا سرزمین مغرب سے ظاہر ہونگے۔ یہیں یہاں ہر ذوق فریق کے وکیل
 سے کوئی غرض نہیں کیونکہ ان کے ظہور میں ہر ذوق متفق ہیں اور میں صرف اسی قدر
 یہاں بحث کرنا مقصود ہے۔ ظہور مہدی کے احادیث اس قدر میں اختلاف وارد
 ہوئے ہیں کہ ان میں تحقیق بہت مشکل ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی
 مخالفت کے زمانہ میں اہل غرض لوگوں نے اصلی و فقہ پر ہدیت کچھ جوشی چڑھائے
 اور معتزہ رفتہ ان روایات میں ایسا غلط ہوا کہ کچھ علمائے محدثین کے دوسروں کیلئے
 ان کی تنقید محال ہے۔ اسی کثرت اختلاف کی وجہ سے مؤرخ ابن خلدون نے اپنے
 مقدمہ تاریخ میں ظہور مہدی کے احادیث کو مجروح قرار دے کر ان کے ظہور سے انکار
 کر دیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ انہی صحیح نہیں کیونکہ معتبر علمائے حدیث نے صرف بعض

احادیث کو نقل کیا ہے جو مہدی پر رحمت قاطعہ ہیں :

اِس میں کچھ شک نہیں کہ اِس اختلافِ عظیم سے ہر ایک زمانہ میں بعض ہونک لگوں کو یہ موقع ملتا رہا ہے کہ وہ مہدی موعودین کو جانوں کو اپنے پیچھے لگاتے رہے ہیں مگر تا حال میں قدر لوگ اس منصب کے مدعی آئے ہیں وہ سب کے سب کا وہ تھے کیونکہ وہ ان علامات کے ساتھ ہرگز ظاہر نہیں ہوئے جو اخبارِ زمانہ میں وارد ہیں۔ چنانچہ آئندہ مسطور سے واضح ہو گا۔ علامہ ابنِ خلدون نے مہدی فاطمی کے متعلق اکثر احادیث و اخبار کو نقل کر کے ان پر حرج کی ہے مگر محمد بن حسن اسنوی اپنی کتاب منقب شافعی میں لکھتے ہیں : "قد تواترت الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذکر المہدی واند من اهل بیتہ صلعم استخفی" یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بذریعہ تواتر ثابت ہو چکا ہے کہ مہدی ظاہر ہونگے اور وہ خاندانِ نبوت میں سے ہونگے :

مہدی موعود کا نسب
و ولادت وغیرہ

اکثر روایات میں وارد ہوا ہے کہ آپ کا اصلی نام محمد بنوگا اور بعض روایات میں احمد بھی آیا ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ کے باپ کا نام عبد اللہ بنوگا

اور آپ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراءؑ کی اولاد میں ہونگے۔ اسی پر اقرطبی اور قسری ہے اس کا خوف کسی صورت میں جائز نہیں بلکہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر المؤمنین علیؑ کی چست پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کی پشت سے مہدی موعودؑ کی اولاد سے ہونگے۔ اس سے تمام جھوٹے مدعیانِ مہدیت کے دعویٰ باطل ہو جاتے ہیں اس امر میں علمائے اختلاف کیا ہے کہ مہدی امام حسینؑ کی اولاد میں ہونگے یا امام حسنؑ کی ؟ مگر فیج یہی ہے کہ آپ امام حسینؑ کی اولاد میں ہونگے۔ تذکرہ قسری میں لکھا ہے کہ آپ سرزمینِ مغرب سے اگر عرب میں ملے ہر ہونگے

اور کہ معتقد ہیں آپ لوگوں سے سمیت لیٹے اور بیت المقدس کی طرف ہجرت کر گئے
 آپ کے خلیہ میں لکھا ہے کہ گندم گون۔ بدن کے پیر سے۔ میاں قد کشیدہ پشانی
 بلند بینی کشیدہ ابرو۔ سر بگین چشم۔ درخشاں دندان۔ خلل بر عارض راست۔ روغن مر
 گنجان ریش۔ زراں عجم۔ فقیل اللسان۔ متواضع اور شکستہ لہجہ ہونگے ماموں آپ کی
 عمر پانچ سال سے کم ہوگی یا پندرہ سی چالیس۔ دوسفید چادر میں آپ پہنے ہونگے
 اور اس وقت موت سے متصون ہونگے۔

امام ہمدانی کیا کچھ کرینگے؟ | آپ کے ظہور پر ظلم و ستم موقوف ہو جائیگا اور غریبی
 مسدود ہو جائیگی۔ ترک سنت پر آپ جنگ

کرینگے چنانچہ ہر ایک قسم کی بدعت کا قلع و قمع کر دینگے۔ اودین کو آخر زمانہ میں غیب
 رونق دینگے اور بیعت وہی نقشہ دین کا ہو جائیگا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک
 میں تھا۔ دنیا کے اطراف مالک پر آپ قابض ہونگے اور مسیح علیہ السلام کی طرح صلیب
 کو توڑ دینگے اور خضر علیہ السلام کو ہلاک کر دینگے۔ اہل ایمان میں محبت و الفت پیدا کرینگے اور
 فخر حاصل سے دنیا محروم ہو جائیگی اور مل و دولت بڑھ جائیگی اور تمام لوگ آپ سے
 خوش ہونگے حتیٰ کہ جنگل کے وحشی اھدیا کی مھچیاں اور اڑنے والے جانور بھی آپ
 کے ظہور کے خیرات و برکات کو محسوس کرینگے۔ اور ہر ایک قسم کی خیرات و برکات اس
 قدر کشمیر پر جائیگی کہ اس کی نظیر دنیا میں ناپید ہوگی یعنی زمین و آسمان ہر دوسرے
 رحمت کے آثار نمایاں ہونگے۔ تمام لوگ آپ کی طرف آکرینا دینگے جیسے شہد
 کی کھیاں شاہ گمشدہ کے گرد جمع ہو جاتی ہیں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر آ کر بیٹھتے

سنتہ ان الفاظ کے یہی ظاہری معنی مراد ہیں اور خضر علیہ السلام کا ہلاک کرنا بیحد اہم ہے جس سے حضور کا سایہ کشمیر
 مراد لے کر حکم دینا بعض معجزین نے ان الفاظ سے مراد لی ہے کہ کوکھ کے آثار کو بنیاد و اصل مطہر کر دینگے

اور انسان پر ایچ پوچھوں سے بازی کر گئے اور وہ انہیں کچھ خبر نہیں دینگے۔ سو وہ نواری
شرانجوری، زندا ناری اور بابا ویاہری آپ کے زمانہ میں مرتفع ہو جائیگی۔ امانت
سپاری اور دیانت طری کی گرم باز ناری جو جائیگی اور شریہ ملاک ہو جائیگی۔ اور
کتاب انبیاء علیہم السلام میں لکھا ہے کہ آپ کے حکم میں ظلم اور عیب نہیں ہوگا۔

علامات و امارات ظہور مہدی

بعض آثار میں وارو ہوا ہے کہ جب آپ آئیں ہونگے
تو آپ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا

قیمض پنے ہونگے اور آپ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار اور عظم بھی ہوگا
اور اس علم پر لکھا ہوگا: البیعة للہ۔ آپ کے سر پر حاتم ہوگا اور ایک عام آدمی اور سنی
جائیگی کہ یہ جہدتی خلیفۃ اللہ ہیں ان کا اتباع کرو۔ اگر آپ سے معجزہ یا کوئی نشان طلب
کیا جائیگا تو آپ نشان دکھائیگی چنانچہ اڑتے جانور کو اشارہ کریں گے تو وہ آپ کے
ہاتھ پر آجھکیگا۔ منافقین کا ایک لشکر کہ اور مدینہ کے وہ میں آپ کی دعائے زمین
میں دھس جائیگا بیت اللہ کا مدفون خزانہ نکلا جائیگا اور آپ اسے فی سبیل اللہ
تقسیم کریں گے۔ تابوت مکینہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے فارا نکلیے یا ہجرۃ طبریہ
سے براہ ہوگا اور بیت المقدس میں آپ کے سامنے رکھا جائیگا۔ تب ابھی آپ پر ایمان
لائیگی اور آپ کے لئے الخلق بھر ہوگا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا تھا۔
آپ مسیح علیہ السلام سے واقعات کریں گے اور مسیح علیہ السلام آپ کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔
آپ کے زمانہ ظہور کے قرب میں صدیائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ
نمودار ہوگا اور ما و حضان کی پہلی تاریخ کو ہلال میں صورت ظاہر ہوگا اور وسط اور

سے بعض جاننے والے اس اثر کو حدیث نبوی قرار دیا ہے جو صریح غلط ہے کیونکہ کسی حدیث کی کتاب میں
اس قول کو حدیث نبوی نہیں کہا گیا۔ بلکہ یہ امام محمد بن علی باقر کا قول ہے۔

میں آفتاب کو کھونٹ گیا گا اور یہ ہر دو مجموعی نشان شروع عالم سے کبھی وقوع میں نہیں آئے۔
بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ ماہ رمضان میں قمر و دوغہ مستقیم ہو گا۔ ایک قسم کی آگ کا
ظہور شرق میں ہو گا اور علاقہ شام میں ایک سستی زمین میں صحرایہ آگلی اور آپ کے ظہور سے پہلے
بہت جنگ و جہل شروع ہو جائیگی +

ایک حدیث میں وارد ہے "اذا سمعتمہ بآیات سورۃ لقبت من خواص قاتلواھا
ولو جہش قتل القلیع" یعنی جب تم سنو کہ قرآن سے سیل جھنڈے آ رہے ہیں تو تم ان سے
مل جاؤ اگرچہ برہنہ پر گھنٹوں کے بل تیس ملنا ہو +

اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے "ثاق فیہا خلیفۃ اللہ المہدی" یعنی ان
جھنڈوں میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مہدی ہو گا یعنی وہ آپ کی پادشاہت ہوگی ورنہ وہ خود تو اس
وقت کہ منظر میں ہونگے۔ امام حسین سے مروی ہے کہ صاحب اللہ یعنی مہدی آخر ان
ظاہر ہو کر کچھ عرصہ تک بے نام و نشان ہو جائیگی سچی کہ لوگ یہ خیال کرنے لگیں گے
کہ آپ رحلت کر گئے +

آپ کے سبب شروع میں لوگ بلا امیر مایہ ج کر گئے اور تمام منی میں لڑائی ہوئی
اور عمرہ و عقبہ پر کشت و خون ہو گا اور اطراف ممالک کے ساتھ علماء و مہتممین جمع ہو کر
یہ کہیں گے کہ ہم ایسے شخص کی تلاش میں آئے ہیں جن کے ہاتھ پر تمام قتلہ و منا و دور ہو جائیں گے
اور جو قتلہ و کونج کر گئے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کو تلاش کریں گے اور آپ کو پہچانیں گے مگر
آپ مدینہ منورہ کو پہنچے اور پھر مکہ مطہرہ کو واپس ہو گئے۔ اور لوگ آپ کو کن کے
پاس پائی گئے اور آپ سے التجا کر گئے کہ حج دین اور مال کا بوجہ آپ کے فتر ہے چنانچہ
لوگ آپ سے بیعت کر گئے اور نماز عشاء کے وقت آپ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی قیض و
سیعت کے ساتھ ظاہر ہو گئے اور تمام اہل ایم میں دو گنا ادا کر کے منبر پر کھڑے ہو گئے
اور ایک طویل خطبہ کہیں گے جس میں احیائے امت اور امانت بدعت پر لوگوں کو متوجہ کر گئے۔

پھر آپ عقیقہ شام کے ابدال اور کارہ رات اور میان مصر کی ایک طاقت کے ساتھ بن کی
تھا و تین سو تیرہ ہنگی مدینہ کی طاعت خروج کر گئے اور مخالفین سے جنگ کر کے مدینہ کو
ان کے ہاتھ سے چھڑا لیتے اس کے بعد بیت سے جنگ و جدل ہوئے جن میں سلمان
بازا خرمنچا لیتے اور مہدی تمام ممالک دنیا پر قابض ہو جاتے۔ پھر خروج و قبال ہوگا
اور پھر مسیح آسمان پر سے نازل فرما لیتے ۴

اس حدیث کو طویل الفاظ میں یہودی نے جامع کبیر میں نقل فرمایا ہے۔ جب مہدی قیامت
کی طویل جنگ سے فارغ ہو کر بیت المقدس میں تشریف لائے تو وہاں پہنچ کر دجال کے
اعتقاد میں خروج کرنے کی خبر سن لیتے۔ اور اسی شناس میں صحابہ کہتے ہیں آپ کی ۱۰۰ ہجرت
آپ سے لیتے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کن لوگوں کے اب تک بحالت خواب ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ باقا فروہ مہدی کے ساتھ ہو کر اُمت مہدی میں داخل ہوئے کا شرف
حاصل کر لیں۔ ترک غم و مہدی سے پہلے روتہ اکبر کی (اعلیٰ) دلوں سے صلح کر کے
ہونے اور مہدی سب سے پہلے ترکوں کو پیغام کرے اور وہ آپ سے لیتے۔
ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ صحرائے عظیم اور قسطنطنیہ اور خروج و قبال بیست
۱۰۰ ہجرت سال کا عرصہ ہوگا۔ آپ کی امت مملکت میں بہت اختلاف ہے مگر اقوام
یہ ہے کہ آپ پچاس سال تک حکومت کریں۔ اور اس عرصہ میں آپ مملکت حصہ دینا
میں ساجد تعمیر کریں اور بیت المقدس کو رونق دیتے۔ فتح ممالک میں بلاؤں و شہر
کا ہونا و فکرا یا ہے۔ بعض روایات میں مدت مملکت سات یا نو سال بھی آئی
ہے اس کی توجہ یوں کی گئی ہے کہ یہ عرصہ آپ کی فتوحات کا ہوگا ۵

شیخ اکبر صاحب فتوحات کی
باب ۳۶۶ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا ایک نذیر
مبعوث فرمایا جیکہ دنیا جو کسم اور شرک و مہیت

سے پڑھو چکی ہوگی امداد کے ہتھ پڑیں واصل سے دنیا کو بھرو گئے۔ وہ بالکل بنناج مقبول مسلم
 کے قدم بقدم چلیا۔ یعنی شیعیت کی ثابت امدادوں کی منیافت اور دین کی اشاعت میں
 کامل الاتباع ہو گیا اور وہ اسلام میں از سر نو رواج ڈال دیا۔ چنانچہ اس کے برکات عام سے
 طحا سہو جانیئے۔ وہ کفار پر جبریت لگایا اور اپنی قوت و شوکت سے انہیں اپنا جو شخص اس کے
 مقابلہ پر آئیگا ذلیل ہو گا۔ تمام اختلافات دور ہو جائیں گے اور فقط دین خاص باقی رہ جائیگا
 بعض علماء جب اپنے عربی کو اس کے عربی سے مناسبت پائیئے تو اختلاف کریئے مگر اس کی
 حدود و سطرت کے خوف سے باقرا لغات قبول کر لیں گے اور اگر وہ سلطنت و مملکت کو مانگ لیا
 تو علماء اس کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ وہ سب سے نیک و دوس کے ہم خیال تھے
 اور بڑے بڑے ادیبائے کرام اس کی ہیئت میں داخل ہوئے اور اس کے ناصر و وزیر بن جائیئے
 امدان کی تعداد تو ہوگی اور وہ صحابہ کبار کی روش پر چلیئے اور وہ سب بھی ہوئے عربی ملک
 بھی نہ ہوگا مگر ان کی زبان عربی ہوگی اور ایک شخص جو بال معصوم ہوگا اور جو پاکباز سی اور
 امانت سپاری میں بے نظیر ہوگا اور مذکورہ بالا نوے الگ ہو گا ان سب کا سرور ہوگا
 عینی علیہ السلام سے مراد ہے اور وہ اخلاص و فدا ہوا جائیگا۔ اس موقع پر شیخ محمد رشید
 نے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں

الا ان ختمہ الا و دنیا شہید	وعین امداد العالمین فتید
هو اسید المہدی من آل احمد	هو السارم المہند می جین یئید
هو الشس محیل کل فحہ قلوقہ	هو الوابل الوسی جین یجود

یعنی جہدی آخر الزمان جو ختم الا و دنیا میں شہید اور جناب امام العالمین (رسول مقبول مسلم)
 کے قدم بقدم چلے گا بے غل علم ہونگے۔ اور وہ سرور میں جو خاندان نبوت میں سے
 ہونگے اور ہندی حوالہ کی طرح امدادوں کو ہلاک کر دیئے۔ وہ آفتاب کی طرح ظلمت کو مٹا
 دیئے اور بادلان بہار کی طرح فیاض ہونگے۔

اس کے بعد کہتے ہیں کہ ہم ہر حق باغیوں کی نہایت کو مبالغہ ہوگا اوصاف کے انوار علم جن
 دانش تک پہنچ جائیگے۔ اور اس کے ذمہ آیہ اَوْبَالِ عَدُوِّ مَا عَاهَدُوا لِلّٰہِ عَلَیْہِ اَنَّا
 مَصْلُوقٌ ہوتے۔ اور صیغہ مطوت کے ساتھ اپنے مخالفین کو اس آیت کی نصیحت
 کرا دیئے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ ہمدی مفضلہ ذیل اور میں امتیاز کلی درجیت ہے۔
 اِنْفُوذِ اَبْصَرِ حَقِّ وَ عَوۡۃِ اللّٰہِ عَلٰی وَجۡہِ اَبْصِرَہٗ کرئیے۔ قال اللہ تعالیٰ "علیٰ مدیرۃ
 اِنَّا وَاَمِنَ اَتَّبِعَ حَقِّیْ" پھر نکتہ حسنہ لیلیٰ سلام و عودت الی الحق میں صاحب بصیرت کا ملہ میرا
 اس ہے آپ کا متبع بھی بیسی ہی ہوگا۔

معرفت خطاب الہی یعنی اقار ربانی کی شناخت۔ قال اللہ تعالیٰ "لَمَّا كَانَ یَہُیَیٰ
 یُخَاطَبُ اللّٰہُ اَلَا وِیَیَا اَوۡسَمَ وَاَیُّہَا اَبۡسَرُ"۔

عم آکر بہت من اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے خطاب کو بصورت الفاظ بعیر کرنا۔

ربیت فی الغیب یعنی حدود و تقریرات شرعیہ میں کسی دوسرے امر میں۔

علم اذفاق یعنی تربیت اجسام و امور۔

علم تامل امور یعنی علوم میں مہارت و تحقیق کو تفق اور مہارت میں مہارت و اشیا کا جاننا۔

تیین المراتب یعنی ہر ایک والی امر کو اس کے استحقاق کے مطابق مصالح و اہل اسلام
 کے لئے مقرر کرنا۔

فتیاء و فتوح یعنی مصالح و عباد و امور کی حاجت روائی میں پوری کوشش کرنا۔

المنع پر مہیات۔ یعنی بل از وقت حواث پر مطلع ہونا۔ اس صورت میں امام برحق

بہت علم و عقل خیر شاگرد ہوتے اور بصورت الطریق نزول فرماتے دیکھنا کیا کرئیے امدان

کی دعوات خطاب مل کرئیے۔

اس کے بعد صاحب انعامات کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا فرماتے مجموعی اور پرہیزگار

علیٰ سلام کے بھابہ تکرار ہمدی کے کسی حیثیت اللہ کے لئے ثابت نہیں ہوئے پھر

کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام مسجد دمشق کے مشرقی منارہ بیٹھا پر تانل ہو گئے اور لوگ مہدی
 کے ساتھ نمازیں ہونگے۔ مہدی علیہ السلام مسجد تھمود کے تزل کی خبر سن کر صعب
 شہدیان میں آیا ہوا ہے تاکہ مسیح علیہ السلام امام ہو کر نماز ادا کریں مگر مسیح اٹھا سے
 نہیں چپے آئے سے روک دیئے اور خود مقتدی ہو کر آپ کے پیچھے نماز ادا کر گئے۔
 علمائے اہل سنت و الجماعہ اس امر پر متفق ہیں کہ خروج مہدی آخر الزمان کا جو
 حضرت سیدہ فاطمہؑ کی اولاد میں ہونگے حد تو آخر منوی تک پہنچ چکا ہے یعنی انفاطیہ
 کے مختلف ہیں مگر مئی سب کے ایک ہی ہیں۔ اس لئے کسی صورت میں انکار جائز نہیں
 ہو کہ اسکا فوائداً الاخبار میں ایک روایت یوں لائے ہیں۔ "من کذب بالرجال
 فقد کذب عن مہدی فقد کفر" یعنی منکر و کذاب منکر خراج مہدی کا فر ہے۔
 بعض آثار میں یوں مذکور ہے۔ "انہ لا مہدی الا سی بنی بن
 مرثدہ۔ یعنی مہدی ہجرت عیسیٰ بن مریم کے کوئی شخص علیحدہ نہیں
 ہونگے اس اثر پر بعض علماء نے بعض مدعیان کے دعویٰ مہدویت و حقیقت کو ثابت
 کرنا چاہا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے یہ استدلال تو بجائے خورد
 دیگر دینیوں عداوت و امارت ایسے موجود ہیں جو ایسے مدعی کے دعویٰ کو بے بنیاد
 ثابت کر رہے ہیں کیونکہ اگر ہم ان بھی ہیں کہ یہ استدلال صحیح ہے تو ایسے شخص کے لئے
 ضروری ہے کہ ان نشانات و علامات کے ساتھ ظاہر ہو جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور
 اس میں وہ سب اوصاف موجود ہوں جو اس منصب جلیل القدر کے لئے ضروری ہیں اور
 جن کی تصریح آثار مضمومہ میں وارد ہو چکی ہے مگر ثابت ہے کہ کسی مدعی کو کوئی
 ایک ہی ایسی بات حاصل دیتی جس سے انکا منصب مہدویت و حقیقت پر مبنی ہونا
 تسلیم کیا جاسکے۔ سب سے اہل ادب و ایمان یہ ہے کہ اسلام میں جو فرقہ بندیوں ہو رہی
 ہیں مہدی پر دھوکہ ہو جائیگی مگر یہاں زوال فی الطبیعہ کا معاملہ ہے اور اختلافات کی

کوئی حد نہیں ہے۔ دوم ایسے شخص کے لئے فردوسی ہے کہ وہ صاحب سلطنت ہو اور
 اپنی مملکت و دولت سے کفار کو مغلوب کرے جس پر وہ یا تو اسلام لے آئیں یا بغیر قبول
 کریں کیونکہ حضور علیہ السلام کا یہی شیوہ تھا مگر ظاہر ہے کہ مدعیان کو اس پر بھی ہم
 عاری دیتے ہیں۔ صاحب سلطنت ہو کر استیلا علی الکفار تو دیکھنا کسی غیر مذہب
 کا ایک شخص بھی ان مدعیان کی تقسیم سے مشرف بہ اسلام نہ ہوا۔ اگر قلعی قوت پر کفار
 کو مغلوب کرنا مراد ہو تو یہ لوگ بھی بتلائیں کہ کس قدر غیر مذہب کے لوگوں نے اسلامی
 صداقت کے دلائل کو اس طرح قبول کر لیا یا مدعیان کے متبعین اس الزام کے جواب
 میں یہ کہتے رہے ہیں کہ کوئی جہدی اہل کو جہدی نہیں آئیگا۔ اس کے جواب میں ہم
 یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی عیسائی اھد بے شرعی کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ جس سے
 یوں میں مسیحین کے خیال کے مطابق جناب پیغمبر علیہ السلام کا جی (معاذ اللہ) غولی
 اور نفاق کو ہونا لازم آتا ہے جی کہ صریح طور پر آثار صحیحہ سے آئو اے جہدی صاحب سلطنت
 ہونا ضروری ہے تو ہم کیونکر اس قسم کی لغو گوئی پر توجہ کر سکتے ہیں۔ سوم جہدی کہے
 ضروری ہے کہ وہ حضرت سیدہ کی اولاد سے ہو اسیہ امرجد تو ترجمہ دینی تنگ منہ چکا
 ہے۔ چوتھی اور شدید ہر دو اس امر کو بالائتلاف تسلیم کرتے ہیں کہ مذہب مدعیان اس زمانہ
 سے بھی بے بہرہ ہیں ایک دفعہ کسی مدعی نے یہی ایک شخص ہیں اس طر من کا جواب
 یہ دیا تھا کہ اس کے بزرگوں میں سے بعض نے سیدنا دلوں سے نکل کر لیا تھا اس لحاظ
 سے میں جی تید ہیں مگر اقل تو اس امر کی تقدیر کیا ہو تھا کون کر سکتا ہے بائنیہ
 نسب تو مسئلہ پوری کے رُود سے مستبر آتا ہے نہ کہ مسئلہ ماوی کے رُود سے؛ مسئلہ
 ماوی کے رُود سے آج تک کسی قوم نے نسب کو معتبر نہیں رکھا بہر حال علم الاہل
 من قریش بھی ضروری ہے کہ جہدی عربی الاصل ہو۔ چہاں ہم۔ جہدی کا بیت اللہ نہیں
 ظاہر ہونا اور غامضہ اہل اسلام کا اس کی معیت کرنا۔ اس صفت سے جی سب مدعیان حاضر و غائب

لوگوں کے لئے ابر رحمت سے کم نہیں بالخصوص جبکہ عوامہ لغتاً زانی سے بھی شرح مفسر
کے اخیر میں اس سے استدلال کیے خروج مہدی کی کو مفسرین قرآن و آیات مگر یہ لوگ گوش
ہوش سے سن لیں کہ ماہرین حدیث نے اس حدیث کو کیا پایہ بختی ہے :-

”قال الحافظ ابن القيم في المختار حديث كاهلدي الكاهلدي بن مريه زوايه ابن
مسلمة من حلق محمد بن خالد الجندی عن ابان بن صالح عن الحسن بن عثمان
بن مالك بن النبی بنعم وهو ميم النسي وبه عن محمد بن خالد هذا غير معروف
عند اهل الصلابة من اهل العلم والعقل وقد تواترت الاخبار من رسول الله صلى الله عليه وسلم
بذلك كاهلدي وانا من اهل بيتهم وقال ابيعتي تغزو به محمد بن خالد
هذا وقد قال الحاكم ابو عبد الله هو مجهول وقد اختلفت عليه في استاده
فروى عنه عن ابان بن ابی عياش عن الحسن بن النبی صاحب قال فرج الحديث
الى رواية محمد بن خالد وهو مجهول عن ابان بن ابی عياش وهو مشرك
عن الحسن وهو منقطع والاخبار في الدالة على خروج المهدی اتفق استناداً
كحديث ابن مسعود لولم يبق من الدنيا الا يوم يقول الله ذلك اليوم
حتى يبعث رجل من اهل بيتي الحديث رواه ابو داود والترمذي
وقال حسن صحيح وفي الباب عن علي وابي سعيد وام سلمة والي هريرة ثم
روى حديث ابی هريرة وقال صحيح، انتهى - وقال ابن القيم وفي الباب عن
حذيفة بن يمان والي امامة ابي ابي و عبد الرحمن بن عوف وعبد الله
بن عمر وابن عباس وثوبان وابن مسعود و جابر بن عياش وغيرهم
انتهى - والله اعلم

ہم ان باطل پرستوں کی طرح ہرگز بائز نہیں کہتے کہ بلا استناد اور بقرینہ حدیث
کو عقل کر کے لوگوں کو دھوکا دیں کیونکہ عوام الناس حدیث کی جرح و تعدیل سے بے خبر

ہوتے ہیں جہاں حدیث کا نام مستاحضت مان لیا کہ ہاں یوں ہی ہوگا۔ مگر گورہ بالا طویل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار محمد بن خالد پر ہے جو ثقافہ ابن حدیث کے نزدیک مجہول ہے اور چونکہ اسناد حدیث میں اختلاف ہے اور ابن عباس دوسرے اسناد میں داخل ہے اور وہ محدثین کے نزدیک مترکک الحدیث قرار دیا گیا ہے اس لئے یہ حدیث نہ صرف ضعیف بلکہ اصنف ہے اور دوسرے اسناد میں حسن تا لمبی تک پہنچ کر حدیث منقطع ہو جاتی ہے اس لئے اس کا وجہ اصنف سے بھی کہیں زیادہ بچا ہے۔ خود کرو کہ ایک تو راوی مجہول ہے دوسرے مترکک الحدیث اور تیسرے منقطع۔ پھر یہ لوگ کس بہتے پر اس حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں؟ اور تعجب یہ ہے کہ صحیح سے صحیح اور قوی سے قوی حدیث کو تو مخالف مدعا ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں جانتے مگر سہارا لینے کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف قول کو بھی آیت قرآنی سے گم نہیں جانتے چنانچہ کسوت و خوف والے قول کو جو درحقیقت ان کی تکذیب کا نشان ہے یہ لوگ ہدایت نہ دے کر سے پیش کیا کرتے ہیں۔

اور مفصلہ ذیل روایت میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے یوں وارد ہوا ہے کہ جب کفار نے والد آسمان سے یوں پکارا تھا "ان الحق فی آل محمد" تو اس وقت اہل جہنم ہی ہوگا۔ اور وہ ان لوگوں کے دلوں میں مجبور سمجھے جائینگے اور یحزان کے کسی کا ذکر نہیں کرینگے ردہ ابوالفہم اصرہر انہیں کی روایت سے مروی ہے کہ جب ماورقہ بن ابی شیبہ کو آفا زستانی دی گئی تو اس نے اس کی اطاعت کر دی۔ اور اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب ایسا قندہ برپا ہوا کہ لوگ اس میں ہلاک ہو گئے تو آسمان سے ایک آواز آئی "علیکم بغلان" (ردہ ابوالفہم)۔ ناظرین خود قیاس کر سکتے ہیں کہ خروج جہنمی حیلالت مہم کا مسئلہ عقلی نہیں بلکہ نقل

صبح پر مبنی ہے۔ لہذا اس قتل صبح سے سرگرفتہ نہ ہو کر ناپا ہے اور علامہ اہل
بدعت و ہوائے کجیہ کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان لوگوں کو یقین چکا
ہے کہ جب ہمارے دعاوی سراسر باطل اور منافی اسلام ہیں تو قتل صبح کے رُوسے ہم
کبھی معی عہد ہر نہیں ہو سکتے۔ اس بے عقلی و عکس العمل اور ہوکہ بازیوں سے
ہم لینا ان کا معمولی شیوہ ہے۔

فَتَحَذَّرُوا مِنَ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَقَطَعَ اللَّهُ دَابِرَ صَدْرِهِمْ إِذَا قَامَ عَذَابُ الْيَوْمِ
اللَّهُ تَعَالَى انہیں دنیا و آخرت میں قتل کرے اور ان کی ہڈیاں و سوراخیں ٹکٹ اب چکھائے
”وَيَرْحَمُ اللَّهُ حَيْدَ أَقْبَلْنَا“

اور جو شخص ہماری ہوس دعا پر آمین کہے۔ خدا تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ آمین۔
فتنہ و قتال | بعد آیات قیامت کے خروج و قتال کا فتنہ ہے جس کے متعلق
کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور سب اس فقرہ کے انیسے حجت میں جن نمائے
اس موضوع پر نقل کتابیں مسمیٰ ہیں صحیح مسلم میں بروایت ثمران بن جحین ہے نہیں مابین
خلق اور علی قیام الساعة اسرا اکبر من الدجال یعنی آدم علیہ السلام سے بیکر قیامت
کتاب کے زمانہ میں کوئی واقف فتنہ و قتال سے زیادہ ہم نہیں۔

اور ترمذی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ثلاث اذا خرج من الدجاء فضا ایسا ایسا
لہذا کن اسنت من قبل الدجال والدابة وطلوع الشمس من مغربها یعنی ان
تین چیزوں کا جب ظہور ہوگا تو کسی شخص کو جو پیسے ایمان نہ دیا ہوگا ایمان منہ نہ ہوگا۔ قتال
جائے آفتاب لا مغرب سے طلوع کرنا۔ اور حضور علیہ السلام کی گواہی مانورہ میں وارد
ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اعوذ بک من فتنۃ امیج الدجال اور ترمذی اور ابو داؤد
میں بروایت ابو عبیدہ وکوفہ ہے۔ لہذا لیکن بن جراح الا وقد انذرت قومہ
الدجال یعنی فوج علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کو قتال

سے مڑاتے چلے آتے ہیں ۔

دجال کون ہے ! | دجال مسموم ہے دجل سے جس کے معنی غلط ، گھس ،
 ندرع ، افریب اور دھوکا کے ہیں چونکہ وہ شخص دین میں

مقتدہ عظیم کا باعث ہوگا اس لئے اس کو دجال کہا گیا اور اس کا لقب مسیح ہوگا اور اس
 کے دس لقب کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کے چہرہ کی ایک جانب مردانہ کے معنوی معنی
 بے نشان ہوگی اور پایہ کہ وہ حد و زمین کو قطع کرے گا۔ چونکہ مسیح علیہ السلام کا لقب بھی مسیح
 ہے اس لئے بعض تفریق حضور علیہ السلام سے فرمایا الدجال مسیح الضلالة یعنی لوگوں
 کو گمراہ کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح علیہ السلام مسیح الهدایہ ہونگے اور آپ کے
 اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ آپ جس باریہ کو مسیح قرار دے تہمت مست ہو جاتا۔ بعض نے اور
 وجہ بھی ظہیرہ کئے ہیں ۔

بعض لوگوں نے بن مہدیہ کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں متحد دجال
 قرار دیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ غلط ہے۔ حافظ بن محمد عسقلانی سے فتح الباری شرح
 صحیح بخاری میں اس موضوع پر خوب بحث کی ہے اور مذکورہ بالا دلائل کو غلط قرار دیا ہے
 چنانچہ کہتے ہیں کہ بن مہدیہ کے دجال ہونے پر وہ حدیث و روایات کرتی ہے جو ضریح
 جابر بن عبد اللہ بن مسعود میں آچکی ہے چنانچہ وہ علف کے ساتھ فرمایا کرتے کہ بن مہدیہ وہی دجال
 ہے اور اس کی وجہ یہ بتلایا کرتے کہ میں نے عمرؓ کو حضور علیہ السلام کے سامنے حلفاً فرماتے
 سنا کہ بن مہدیہ دجال ہے اور حضور علیہ السلام نے عمرؓ کے قول پر انکار نہیں فرمایا۔ اس
 کے بعد آپ نے حدیث ابن عمرؓ کا ذکر کیا ہے جس میں ابن مہدیہ سے ان کی ملاقات کرتے
 کا ذکر کیا ہے۔ پھر اس حدیث مسلم کا ذکر کیا ہے جس میں ابن مہدیہ اور ابوسید خدریؓ کا
 قصہ مذکور ہے اور ان احادیث کے بعد کہتے ہیں کہ بن مہدیہ میں کوئی شخص نہیں کہ
 بن مہدیہ دجال تھا کیونکہ حضور علیہ السلام نے بطور و کے فرمایا "ان یکن هو"۔

(اگر بن صلیا وہی مقابل ہے تو۔۔۔۔۔) اور بعد بھی احوال محبت میں تھا۔ بعد میں تمیم داری نے اپنے واقعہ کی خبر دی کہ انہوں نے اسے فہل جزیرہ میں مجوس دیکھا ہے تو آپ نے ان کی خبر کی تصدیق فرمائی۔ رہا حضرت عمرؓ کا خطاب بیان کرنا سو یہ محض ان کا اپنا اجتہاد تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کے سکوت سے انہیں یہ خیال ہو گیا کہ واقعی ابن صلیا وہی ہے اور جابرؓ کا خطاب بیان کرنا حضرت عمرؓ کی حلف پر مبنی تھا۔ رہا ابو سعید خدریؓ کی حدیث کا واقعہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن صلیا وہی محمدؐ ایسے لوگوں کے تھا جو مقابل کی سی روش رکھتے ہیں (چنانچہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جو جمال سے کسی حدت میں کم نہیں) اور ابو داؤد کی حدیث پر بروایت ابو کبیر شروی ہے جس میں لکھا ہے کہ وہ جمال کے والدین تیس سال تک بے اولاد رہ گئے۔ پھر ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جو یکے پھر ہو گا چنانچہ ہم نے یہودیوں میں ایک ایسے بچے کے پیدا ہونے کی خبر سنی اور تصدیق کی۔ سو اس کی نسبت صحیحی کہتے ہیں کہ عمرؓ علی بن زید کی روایت سے مروی ہے اور قوی نہیں۔ اور بیعتی حدیث جابرؓ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس میں بجز سکوت جناب ہر خبر مسلم کے کوئی محبت نہیں مگر آپ کا سکوت اوہل میں تھا۔ بعد میں تمیم داری کے واقعہ کو سن کر آپ کا تردد جان لیا۔ اس کے بعد ملاحظہ فرمائیے جو حدیث تمیم داری کی تھی کہ مختلف طریق سے کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ حدیث اس طرح پر مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام کے منادی نے نماز کے شے ندا کی جب نماز ہو چکی تو حضور علیہ السلام پر میرے تشریف آئے اور فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ تمہارے میں کیا اللہ و اللہ کا رسول میرے جانتے میں آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں کسی ترغیب ترہیب کے لئے جمع نہیں کیا بلکہ اس امر پر آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں داری ایک مسیانی شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ اس نے مجھے ایک ایسا واقعہ سنایا ہے جس کی بابت میں تمہیں خبر دینا چاہتا ہوں (صحیح و مقابل کا واقعہ) چنانچہ اس نے ذکر کیا کہ میں نے تمہیں اور

جی چدام کے تیس آدمیوں کے ساتھ چار پر سواریاں سمندر کی موہیں ایک چھتہ بھر تک
 جہاز کو اودھرائے اور رہا جاتی تھیں۔ آخر یہ لوگ ایک جزیرہ کی طرف غروب آفتاب کے قریب
 پہنچ گئے اور چھوٹی نشیبوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ میں داخل ہوئے۔ وہاں انہیں ایک
 واہرہ (جھیل) نظر آیا جس کے بال بڑے موٹے اور گتے گتے انہوں نے اس سے
 پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں جتنا سہ ہوں (عبداللہ بن عمر کی سدایت میں
 واقعہ ہوا ہے کہ یہی واہرہ الامن ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور قریب قیامت
 میں خرد و اندک لگا اور لوگوں سے ہم سلاطین ہوگا) تب اس نے کہا کہ آؤ اس شخص کی طرف
 جو ڈیر میں بیٹھا ہے چلیں کیونکہ وہ تمہارے حالات دریافت کرنا چاہتا ہے۔ یہاں اس
 نے اس آدمی کا ذکر کیا تو یہ لوگ ڈر گئے کہ عباد اور واہرہ (کوئی شیطان ہو۔ آخر یہ لوگ
 بہت جلد اس کے ساتھ ڈیر کی طرف گئے۔ وہاں انہوں نے ایک بڑا مشہور آدمی
 دیکھا جس کے ساتھ گردن کی طرف نہ بنیروں میں جھلکے ہوئے تھے یہم نے اسے
 پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں تم سے خبر دو کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا کہ
 ہم اہل عرب ہیں جہاز میں سواری ہو کر یہاں پہنچے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ تمہارا نام
 میں ایک بستی ہے (کہا کیا حال ہے؟ کیا وہ پھل دیتا ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے
 کہا کہ غنقریب وہ پھل نہیں دے گا۔ پھر اس نے پوچھا کہ بحیرہ طبرہ کا کیا حال ہے؟ آیا اس میں
 پانی موجود ہے؟ پھر غور ہی کیا کہ غنقریب اس میں پانی نہیں ملے گا۔ پھر اس نے رخصت
 کا نام ہے (کی بابت پوچھا کہ وہاں زراعت ہوتی ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں نہایت اچھی
 طرح سے۔ پھر اس نے پوچھا کہ نبی امی کی بابت خبر دو اس کا ظہور ہو گیا ہے یا نہیں؟
 ہم نے کہا ہاں کہ میں تمہارے ہو گیا اور اب وہ شرب (مہینہ) میں ہے۔ پھر اس نے پوچھا
 کہ آیا اہل عرب اس سے لڑتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں وہ گرد و فواج کے فہاکل پر غالب
 آیا ہے۔ تب اس نے کہا کہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے کہ اس کی اطاعت کر لیں اور

میں تیس خبریں تھیں کہ میں مسیح (قبیل) اہل اور مغرب مجھے خروج کا حکم دیا اور میں بخیر
 مکہ مدینہ کے تمام بلاد میں پھر جاؤ گا کیونکہ ان میں داخل ہونے سے خدا تعالیٰ کا ملک
 مجھے ملے گا ہو گا۔ جب حضور علیہ السلام یہ فرما چکے تو آپ نے چھڑی سے اشارہ فرمایا
 کہ یہ ہے غیب (مدینہ) اور میں تیس پہلے ہی خبر سنا چکا ہوں۔ حاضرین نے عرض کیا کہ
 ہم آپ سے یہ خبر پہلے ہی سنا چکے ہیں۔

محدث یعنی فراتے ہیں کہ قبیل اکبر جو آخر زمانہ میں خروج کرے گا وہ ابن صیاد نہیں بلکہ
 ابن صیاد بنیاد و قبیل کے ایک و قبیل تھا حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ابن صیاد
 کو قبیل گمان کیا ہے انہیں تسمیہ داری کی حدیث جو پیشتر مذکور ہو چکی نہیں تھی۔ درمیان
 صیاد والی اور تسمیہ داری والی حدیث میں تطبیق و شواہد ہے۔ ایک حدیث میں بروایت
 انس و وارث کہ قبیل صنیان کے قریہ یہودیہ سے خروج کرے گا۔ حافظ ابن حجر
 کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیل مجہود ابن صیاد کے علاوہ ہے اور ابن صیاد کے
 و قبیل ہونے کے احادیث انص صریح نہیں بلکہ تسمیہ داری والی حدیث سے جس سے
 کا قبیل ہونا زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث تسمیہ ابن صیاد کے فقرے سے متاخر ہے لہذا
 تسمیہ والی حدیث ابن صیاد والی حدیث کی تاریخ ہوگی جس سے صاف ظاہر ہے کہ
 ابن صیاد قبیل اکبر نہیں ہو سکتا۔ مع نہ اصح حدیث میں وارد ہوئے کہ عیسیٰ علیہ السلام
 و قبیل کو قتل کرے۔ یہ خیال کہ قبیل انسان ہو گا یا شیطان علماء اسلام میں
 مختلف فیہ ہے۔

اکثر علماء کا خیال ہے کہ قبیل شیطان ہو گا جو انواع و اقسام کے خرق عادت
 سے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ یہ خیال بھی اس امر کا موید ہے کہ ابن صیاد و قبیل نہیں بلکہ
 اسے صرف الحاد اور بیدینی کی وجہ سے قبیل کہا گیا ہے۔ چونکہ وہ ربوبیت یا
 نبوت کا مدعی ہوا تھا اس لئے باوجود اس کے اسلام لانے کے اسے و قبیل لقب

دیگیا جس طرح بعد کے بعض لوگوں کو بوجہ انکار کے ونبال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
 نزول مسیح علیہ السلام | اہل اسلام میں نزول مسیح کا مسئلہ کتب عقائد میں داخل
 ہے۔ چونکہ آپ سیاحی جمہ غفری کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں اس لیے جسم غفری کے ساتھ
 ہی آسمان سے نازل ہونگے اس مسلم اور مسیح علیہ السلام کا انکار انا وہ ہے بے لغت و خلعت
 میں کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ ہاں گمراہ مسیح اسلامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ
 بعض مدعیان نبوت نے تمام محبین و مجتہدین اور اکابر علمائے اسلام کی مخالفت کی مگر
 بجز غل غبارہ اور بے سود جنگ و جدل کے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ فقہ اکبر میں
 جو علم عقائد میں علمائے اہل اہلسنت والجماعت کی بنائیت متبرک کتاب ہے حضرت امام ہمام
 ابو حنیفہ فرماتے ہیں "و نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء و سائر علاماتہ و الیامہ
 علی ما درودت بہ الاخبار اصحیقہ حق کائنات"۔ اس عبارت میں لفظ من السماء سے
 صاف ظہور معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد غفری آسمان سے نازل ہونگے۔ چونکہ امام ہمام
 کے عقائد میں قرآن و سنت پر مبنی تھے اور آپ صحابہ کی روشنی سے سر منور و جاوہ
 جابر زین کھتے تھے اس لیے مسیح علیہ السلام کے نزول مجتہد غفری کا عقیدہ جمیع
 اہل اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ مسیح ہذا قرآن مجید کی بعض آیات آپ کے نزول
 مجتہد غفری پر وال ہیں۔ قل انہ و انتہ علیہ السلام (کو نزول)
 مجتہد علاؤت قرب قیامت کے ہے اس آیت میں ضمیر اندہ کا معنی مرجع بلحاظ حقیق
 و سابق کے مسیح علیہ السلام ہیں اور اس ضمیر کے مرجع کی تفسیر آیہ و ان من علی
 الکتاب الالہی و منقہ بہ قبل موتہ سے بھی ہو ہی ہے۔ اس کی شرح میں علامہ
 علی قاری لکھتے ہیں "اسی قبل موت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزولہ
 عند قیامہ الساعة"۔ یہ الفاظ صاف طور پر اس امر پر وال ہیں کہ اسی مسیح فوت
 نہیں ہوئے اور قرب قیامت میں وہ نازل ہونگے۔ اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں

فانه يذوب كالمخ في الماء عند نزول عليه السلام من السماء فيجتمع
 عيسى عليه السلام مراً بالمهدي رضي الله عنه وقد اقيمت الصلوة فيشير
 المهدي لجيشي بالتقدم - يعني وقال لك كل طرح يخلص جانيكاً جيبك آسمان
 پر سے نازل ہونگے اور مسیح علیہ السلام مہدی علیہ السلام کے پیچھے مقتدی ہو کر
 نماز ادا کریں گے۔ ان الفاظ سے صاف صاف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مسیح علیہ السلام
 ابھی تک زندہ ہیں اور وہ آسمان پر سے نازل ہونگے اور عیسیٰ نصری نازل ہونگے
 اور مسیح اور مہدی دو علیحدہ شخص ہیں۔ مدعی کا الفاظ قرآن مجید "انی متوفیت" اور
 قلما توفیتی سے وفات مسیح علیہ السلام کا استدلال کرنا عوام الناس کو جوہر کا
 دینا ہے کیونکہ لفظ توفی لغت میں قبض روح اور قبض جسم اور قبض روح معالجہ ہر
 معنی میں مستعمل ہوا ہے پھر یہ کسی خاص غلطی ہے کہ معانی لغت کو بلا تفسیر محمد و کیا
 جاتا ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو آیات میں قبض روح مع الجسم پر یہ لفظ بولا گیا ہے نہ صرف
 قبض روح پر آیا "ان من اهل الكتاب المليونين يذوقون الموت" میں الفاظ
 قبل موتہ "پر غم کرو کیونکہ صیغہ موکد بلام وزن ثقیلہ صاف امور پر شہادت
 دے ہے میں کہ ہر ایک اہل کتاب کا مسیح پر ایمان لانا زمانہ مستقبل میں واقع ہوگا
 کیونکہ اگر یہ امر زمانہ ماضی میں واقع ہو چکا ہوتا تو صیغہ ماضی کا استعمال کیا جاتا
 اور ہر ایک اہل کتاب مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا ہوتا چکے۔ امر واقعہ نہیں
 ہوا لہذا بالضرور میں فاکل ہونا پڑتا ہے کہ مسیح یعنی خود عیسیٰ علیہ السلام بن مریم
 قریب قیامت میں تشریف لائیں گے۔ یہ کہنا کہ عیسیٰ بن مریم خود نہیں آئیں گے بلکہ کوئی
 اور شخص ہوگا۔ آیات و احادیث میں تحریف کرنا ہے۔ کیونکہ عیسیٰ بن مریم کا لفظ ظہر
 ہے جس سے بحر ذات معین کے اور کوئی شخص مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ ظہر کو جب مذکورہ
 کیا جاتا ہے تو بحر قرینہ صاف مذکور کے معنی تکلیف غیر مقصود ہیں۔ متکین سے ہمایہ ہوا

ہے کہ لفظ عیسیٰ ابن مریم کو جو قرآن و حدیث میں ایک خاص شخص کے لئے معین ملے
پر متکمل کیا گیا ہے متنی معین سے بشکریہ دوسرے متنی کی طرف متوجہ ہونے پر کوئی تفریق
دل ہے اگر بلا قرینہ صاف عیسیٰ ابن مریم سے کوئی اور شخص مراد ہے تو کیوں ہم ذیہ
سے بکر مراد نہیں لے سکتے ؟

بخاری اور مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ وارد ہوا ہے *وَالَّذِي بَعَثَ مَعَهُ ابْنُ مَرْيَمَ*
ابْنُ بَنِي فَاكِهٍ مَرَّيْدُ حَكْمًا عَدَلًا نَكِيلًا صَلِيبًا وَنَقِيلًا الْخُزَيْنَةَ وَنَقِيلًا
الْجَنَابَةَ یعنی بخدا کہ بہت جلد تم میں بن مریم نازل ہونگے۔ الخ۔ اس
صحیح حدیث میں جس سے کسی انکار نہیں ہو سکتا۔ بن مریم سے ہی مسیح مراد ہے جسکو عیسیٰ
ابن مریم کہا جاتا ہے اور جن کا ذکر بقابلہ یہود بار بار قرآن مجید میں آیا ہے۔ کوئی دوسرا
شخص مراد نہیں کیونکہ قرینہ لفظی یا مستوی ایسا موجود نہیں جس سے اصلی معنی سے
انحراف کیا جاسکے۔ اور اگر کوئی جاہل محمدیوں کہنے لگے کہ اس حدیث میں حضرت بن
مریم مذکور ہے نہ کہ عیسیٰ ابن مریم تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث جاہل نہیں یہ الفاظ
آئے ہیں۔ *لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ*

قَالَ بَنِي إِسْرَءِيلَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رِءُوسًا مَّسْمُومًا کیا اب بھی کسی مدعی کو یہ جرات ہے کہ
آئے والے سچ سے کوئی اور شخص مراد ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی صحیح ایمان مسلمان
کو ہرگز ہمارے مذکورہ بالا دلیل کی صداقت سے ہلکا کاموقع نہیں ہو سکتا۔ ہاں کثرت
اور شقاوت کا کوئی چارہ نہیں اور عمل غلطہ کرنے کا میدان بہت وسیع ہے۔

یہ لوگ عوام الناس کو جو علوم عربیہ اور قرآن و سنت سے بیخبر محض ہوتے ہیں
قرآن مجید کے الفاظ متوفیلٹ اور توفیتی سن کر مدعی کی حدیث کا ثبوت دیا
کرتے ہیں مگر ایک حقیقت علوم ان کے دام تزیور میں کسی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اول تو
ان ہر فرد الفاظ کے وہ معنی نہیں جو یہ لوگ پیش کرتے ہیں۔ دوم اگر بالفرض ہم

منج کی وفات کا اقرار کر بھی نہیں ہی دوسرے شخص کا منج ہو سکتا مگر ثابت ہوا؟
 تمام انسان کو نہ تو استدلال کی خبر یعنی بت اور نہ دماغی و باطن میں امتیاز کرنا جانتے
 ہیں اس لئے چٹنی چٹری تحریروں اور غصیانہ لکچروں کے چند ہی جملہ جو کر
 ایمان مناج کر بیٹھے ہیں۔ خسرا الدنیا والآخرۃ۔

بہر صورت منج علیہ السلام کا مجسمہ عرصی نازل ہونا منسوس شرعیہ سے ثابت ہے
 اور مجدد علامات قرب قیامت ہے اور اس کا منکر صبح الایمان میں۔

عیسیٰ کا علیہ السلام | حدیث بخاری میں بروایت قتیل ابن خالد مروی ہے کہ گزیم
 اگون سرفخی مائل میاں قد۔ مسیح السید ہونے اور ان

کے بال کھلے چھوڑے ہوئے۔ پانی کے قطرات ان کے سر پر سے پگھلے ہوئے جیسے
 کوئی شخص ہمام سے غمنا ہے۔ وہ دوزخ و رنج کی چابوتیں پہنے ہوئے۔ ان کے
 انعام قدسیہ سے کا فر جا بھٹکے اور وہ صلیب کو توڑ دیئے اور شہزادوں کو ہلاک کر دیئے
 اور جو اسلام کے کسی دین کو قبول نہیں کرے۔ اور خلیفہ و مددہ لاشربیک کے سپرد
 کسی کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ ملحق بہت ہو گا۔ اور لوگ مدتات کے محتاج نہیں
 رہیں گے۔ خزائن خفیہ ظاہر ہونگے اور جنس و عبادت مرفح ہو جائیں گے۔ ہر ایک ہر
 عالم کا زہر و دہ ہو جائیگا اور زمین بہت سی پیداوار نکالیگی۔

آپ کے نزول کا وقت و محل | آپ شہد دمشق کے مشرقی جانب میں منارہ بیچند
 کے پاس جو آج تک موجود ہے اس محل میں نازل ہوئے

کہ دوزخ و شہن کے بازوؤں پر آپ ہاتھ رکھے ہوئے اور ان سے چھ ساعت گزر
 جائے نہ آپ کا نزول ہو گا۔ پھر آپ مسجد دمشق میں تشریف لگا کر منبر پر بیٹھ افروز
 ہونگے اور اہل اسلام اور یہود و نصاریٰ کا جم غفیر آپ کے پاس جمع ہو گا اور مسلمانوں
 کا مژدن اور یہود کا صاحب بوق اور نصاریٰ کا صاحب ناقوس و مازندانی کر دیئے۔

اور اہل اسلام کے موفقیں کے نام قرعہ ڈر لگا اور وہ افغان کہیں گے۔ افغان بن کر یہ وہ نصاریٰ مسجد سے نکل جائیں گے تب آپ پناہوں کے ساتھ قتل کر نماز عشاء ادا کریں گے۔ اور پھر آپ اہل جنت کے ساتھ وہاں کی تلاش میں نکلیں گے۔ کفار ہلاک ہونے لگیں گے اور آپ بیت المقدس میں وارد ہوئے اور نماز صبح ادا کریں گے۔

آپ کا عرصہ قیام اور وفات | طبرانی اور ابن عساکر برہایت البہرہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا یسریٰ عیسیٰ

بن مریمہ فیلسفہ فی الناس اربعین سنۃ یعنی عیسیٰ بن مریم نازل ہوئے اور اہل دنیا میں چالیس سال تک ٹھہریں گے اور طبرانی کی ایک دوسری روایت میں یوں لکھا ہے کہ وہ قتل کے عروج کرنے پر عیسیٰ بن مریم نازل ہوئے اور وہ قتل کر گئے پھر وہ چالیس سال تک امام عادل ہو کر دنیا میں ٹھہریں گے اور ان ابی شیبہ اور احمد اور ابوداؤد و ابی جریر اور ابن حبان بروایت البہرہ راوی ہیں کہ عیسیٰ بن مریم چالیس سال تک قیام کر کے وفات پائیں گے اور اہل اسلام آپ کا جنازہ پڑھیں گے اور جناب پیغمبر صلیم کے متصل آپ کو دفن کریں گے اور محدث احمد الزہدیٰ میں بروایت البہرہ راوی ہیں کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر چالیس سال تک قیام کریں گے۔ اگر وہ کسی پانی کے نالہ کو پھینکے کہ شہد ہو کر تپل تو وہ شہد بن کر چلیں گے اور احمد ابن جریر و ابن عساکر بروایت البہرہ راوی ہیں کہ حضور صلیم نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہو کر خنزیر کو قتل اور صلیب کو بے نشان کریں گے۔ ان کے بے صلوة جمع کی جائیگی اور وہ مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی قبول نہیں کریں گے اور خراج اٹھا دیں اور وہاں میں نازل ہونے پھر وہاں کریں گے یا عمرہ بجا لیں گے یا ہر دو کو اکٹھا کریں گے۔ اور سلم کی روایت

میں وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ بن مریم مقام روحانی میں حج یا عمرہ بجالاتے ہوئے اہلال کر گئے
 یعنی بتیک لپکا گئے اور حاکم و ابن عسکر کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ بن مریم
 علیہ السلام میری قبر پر آکر مجھے سلام کہیں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ اور
 حاکم بروایت ابن راوی ہیں کہ حضور مسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص عیسیٰ کو اپنے
 وہ میری طرف سے اسے سلام کہے اور میرے بعض آئینوں میں وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ بن مریم
 نازل ہونے کے بعد نکاح کر گئے اور ان کے ہاں اولاد بھی ہوگی اور پھر وہ مدینہ میں
 فوت ہونگے۔ غالباً حج یا زیارت قبر حضور مسلم کے وقت ایسا ہو گا ورنہ نازل کے بعد
 آپ کا بیت المقدس میں قیام کرنا ثابت ہے +

ابن عسکر بروایت عبد اللہ بن سلام راوی ہیں کہ تو رات میں حضور مسلم کی قرین
 میں مرقوم ہے کہ عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ قبر میں دفن ہونگے۔ نیز بخاری تاریخ
 میں ابوہریرہ راوی ہیں کہ عیسیٰ بن مریم جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 ساتھ ایک ہی جگہ دفن ہونگے اس طرح آپ کی قبر سے حضرت یحییٰ کی قبروں کے
 چوتھی قبر ہوگی۔ اس موضوع پر ابھی کئی روایات صحیحہ وارد ہوئی ہیں مگر ہم نے مختصراً
 انہیں چند روایات پر اکتفا لازم سمجھا ہے +

کیا کوئی فکر مدعی مذکورہ بالا احادیث کو اپنی نسبت منطبق کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔
 خروج یا جوج یا جوج | بقولہما فی حقہ کے جو میں قرب قیامت میں
 وقوع پذیر ہونگے یا جوج و ما جوج کا خروج ہے۔ اور یہ قوم بھی ظاہر ہونے کے
 بعد جوج عظیم کا موجب ہوگی۔ قرآن مجید میں ان کے تہود کا اشارہ کیا گیا ہے جیت قاتلاً
 عز وجل قالوا یاذا للقرنین ان یا جوج و ما جوج معندون فی الارض اعدوا سری
 جگہ رشتہ فرمایا ہے حتی اذا فقت یا جوج و ما جوج و ہمد من کل حدیب یسلون +
 ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ لا تقوم الساعة حتی یکون عشاء آیات الطلوع الشمس

من مضاہلہا والدشان والد اہلۃ ویا جوج ویا جوج ویزول صیسی بن مرہید وشلہ
خسہ فانت ونا رتخج من قفر عدلہ "رواہ ابن ماجہ -

یہ لوگ کون ہونگے؟ اکثر متاخرین مجتہدین کا خیال ہے کہ یا جوج ویا جوج بنی آدم

ہیں اور یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ترکوں کی ایک قوم کا نام ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یا جوج ویا جوج آدم کی اولاد ہیں مگر حق علیہ السلام کے پیٹ سے نہیں۔ عاقلاً بن عمرؓ کہتے ہیں بجز کعبہ لاہد کے کسی ملت سے یہ نہ سب مروی نہیں اور ایک حدیث مرفوعہ اس کے رسوم موجود ہے جس میں جبریلؑ نکلتے ہیں کہ یا جوج ویا جوج نوحؑ کی اولاد ہیں سے ہیں اور نوحؑ اس اولاد کے سلسلہ میں پیدا ہوئے تھے جو حواء علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ہر عدوت بعض اور بھی آتا ایسے وہ وہ ہونگے میں بن سے یا جوج ویا جوج کا ترکوں میں سے ہونا ثابت ہے۔ ہاں یہ بھی ثابت ہے کہ یہ مفہوم علامہ شمالی سے اُسٹھ کر دینا کے مصلحت حصص میں فتنہ و فساد برپا کر لگی اور اطراف عالم کو تباہ کر دیگی قرآن مجید کے الفاظ میں کل حدیب سے بھی ایک نیت سا اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ یہ قوم شمالی علاقوں سے اُسٹھ کر اچھڑ کر ہوتا میں پیل جا لگی اور نقد مفید دن سے ثابت ہے کہ وہ عالم کو تباہ کر لگی +

اس قوم کی صورت اور سیرت | بروایت ابن ابی عاتم مروی ہے کہ یا جوج ویا جوج

تین قسم کے لوگ ہونگے اول تو بڑے درخت کے مشابہ ہونگے مینی بڑے بڑے قد اور قومی ایکل۔ دوم وہ لوگ جو بڑے چوڑے پکے ہونگے اور تہا ہا تہا ہا کا عرض ہوگا۔ غالباً اس سے ان کا جیم ہونا مراد ہے۔ سوم ایک وحشی نسل کے لوگ ہونگے جن کے کان اور دانت ایسے ہی ہونگے اور قتا وہ سے مروی ہے کہ یا جوج ویا جوج بائیس فرقوں پر منقسم ہیں جن میں سے ایکس فرقہ

کو فدا کرتے تھے ایک خاص حد میں محدود کر دیا اللہ ایک فرد اس حد سے خارج رہا۔
 کیونکہ وہ لوگ کہیں اپنے عود سے باہر جنگ میں گئے ہوتے تھے۔ اور ہندی سے
 مروی ہے کہ یا جوج، ماجوج، ترکوں کا ایک لشکر ہے۔ اور احمد و طبرانی خصال
 بن عبد اللہ بن حرمہ اپنی خالہ سے مرقوماً ماری ہیں کہ تم ہمیشہ دشمنوں سے لڑتے
 رہو گے جن کے ساتھ ہو گئے جیسے دشمن ہیں۔ انہیں بائیک اور تنگ سرخ ہو گا اور
 جنت نشینوں پر سے اُتھر کر دنیا میں پھیل جائیں گے۔

نسائی عمرو بن ادس سے ماری ہیں کہ یا جوج و ماجوج بلا مہابا عورتوں سے
 جماع کیا کرتے ہیں۔ اور جب ان سے کوئی مر جاتا ہے تو ہڈیاں تفرنگ اپنی
 خدایت باقی چھوڑ جاتا ہے۔ ان کا لباس سے ان کے کثیر لڑنا ہونے کی طرف اشارہ
 ہے ایسی معنی ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ کی روایت میں وارد ہوئے ہیں۔ بعض
 روایات میں وارد ہوا ہے کہ یا جوج و ماجوج تین گروہ پر منقسم ہیں۔ اولوں کے
 نام حسب ذیل میں۔ تناول۔ طائیس۔ معنک اور ابن ابی حاتم بروایت عبد اللہ
 بن عمرو ماری ہیں کہ دیگر انسان بتقابل یا جوج و ماجوج کے قتلا میں دسویں
 حصہ کے برابر ہو سکتے ہیں۔ بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ یا جوج و ماجوج اپنے
 نچلے کے لئے ہیضہ و لیڈ کو کھوتے پیتے ہیں مگر تاحال کامیاب نہیں ہوئے
 جب اللہ تعالیٰ چاہیگا تو وہ دیوار کو چھڑ کر دنیا میں پھیل جائیں گے۔

محدث مسلم بروایت یونس بن سحان ذکر و قتال کے۔ یونس روایت کرتے ہیں
 کہ اللہ تعالیٰ یا جوج و ماجوج کو مبعوث کرے گا۔ یہ لوگ دنیا میں پھیل جائیں گے اور لوگ
 ان سے ڈر کر پوشیدہ ہو جائیں گے۔ دیباؤں کے پانی کو جذب کر لیں گے اور بعض روایات
 میں یوں وارد ہوا ہے کہ یا جوج و ماجوج یوں کھینچے کہ ہم سے اہل زمین کو تو قتل
 کر ڈالتا ہے اب آؤ آسمان کے باشندوں کو قتل کریں تب اپنا حرم آسمان کی

طرف چھینکیں گے اور وہ خون کو وہاں کی طرف گر گیا جو لوگوں کے لیے موجب فتنہ ہو گا۔
 مسیح علیہ السلام مع اہل ایمان یہ حال دیکھ کر فتنہ نقالی کی طرف رجوع کرینگے
 اور اس فتنہ کے مشاویس کی بابت ہاتھ اکٹھا کیے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں
 میں ایک تسم کا کڑا پیدا کر دیا جس سے وہ ہلاک ہونے لگیں گے جب اہل ایمان دیکھ
 گئے کہ یہ قوم ہلک ہو چکی تو ان دعاغیت کے ساتھ اپنے کاروبار میں پھر مشغول
 ہو گئے۔ مسیح علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے ان لوگوں کی نعشوں سے زمین
 کو پُر دیکھیں گے جن کی بدبو لوگوں کو پریشان کر رہی ہوگی۔ اہل ایمان دعا کر گئے
 جس سے یمن کی جانب سے ایک ہوا چلی اور تین دن تک ان نعشوں کو سمندر
 میں ڈال دیا اور زمین باطل صاف ہو جائیگی۔

نزول مسیح پر پیش ضروری امور امداد و امداد اور حاکم ابن حوالہ سے ملو
 ہیں کہ جب تم خلافت کو بیت المقدس میں
 پاؤ گے تو اس وقت بہت سے زلزلے اور دیگر امور عظیمہ ظہور پزیر ہونگے۔ اس عہد
 کے روسے اگر اسلامی حکومت ہی کو خلافت قرار دیا جائے تو وہ بنی امیہ کے زمانہ
 میں ہے مگر صحیح یہ ہے کہ خلافت کا نقطہ بنی امیہ کی حکومت پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا
 اس لئے خلافت سے مکمل خلافت یعنی بن مریم اور مہدی مراد ہے اور امور عظیمہ سے
 مراد دایۃ الارض طلوع الشمس من مغربہا۔ خراج النار وغیرہ ہونگے۔
 یہ روایت ثنائین مروی ہے کہ قبل از قیامت مال اس قدر کثیر ہو جائیگا کہ زکوٰۃ کو قبول
 کرنے والا کوئی نہیں ملے گا اور سرزمین عرب سرسبز و شاداب ہو جائیگی اور نہریں
 بکثرت جاری ہونگی۔ آپ کے زمانہ میں بیل کی قیمت گراں ہو جائیگی نابا
 اس سے یہ اشارہ ہے کہ زمین بہت جوتی جائیگی اور مویشی کم ہوں گے۔ قرب
 قیامت سے چالیس سال پہلے مدینہ منورہ دیران ہو جائیگا اور لوگ شہر کو چھوڑ کر

جنگ جانیگ بیت المقدس کی آجی اور دلق بڑھ جائیگی۔ ابن زبائر ابن جبار
 ہر دوسرے روایت کیا ہے کہ حضور مسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے میری اس مسجد
 پر کتے بیٹھیں گے۔ گھر بگڑ غالب آجائیں گے۔ شخص مسلم گدے دے دے وقت اس میں نماز پڑھتا
 چاہیگا مگر نہیں پڑھ سکیگا +

اور بروایت ابو ہریرہ مروی ہے کہ قیامت سے پہلے منبر نبوی پر پلو مری آکر
 بیٹھیں گی اور اسے کوئی نہیں اٹھا سکیگا۔ مدینہ منورہ کی حرابی کی توجیہ بعض شامیہ نے
 یوں کی ہے کہ اہل ایمان سب جہاد پر بیت المقدس کی فوج ہجرت کر جائیں گے اور شہر
 خالی رہ جائیگا۔ چنانچہ بعض آثار میں وارد ہوا ہے تسکون حجاز بعد ہجرت "سوا ایک
 ہجرت تو ہر ایک کی دوسری باقی ہے +

مرعانی بروایت جابر بن مرد عادی ہیں کہ حضور مسلم نے فرمایا کہ دین آخر کار
 مدینہ میں رہ جائیگا اور جس طرح یہاں سے اسکا آغاز ہوا اسی طرح یہیں اس کا
 خاتمہ ہوگا +

انسانی بروایت ابو ہریرہ مروی ہیں کہ اسلامی شہروں میں سب سے آخر
 شہر مدینہ ویران ہوگا +

ترمذی نے بھی اس موضوع پر ایک حدیث کو نقل کیا ہے اور ایک دوسری
 حدیث میں وارد ہوا ہے کہ دین مدینہ کی طرف ستر گرا جائیگا جس طرح سانپ اپنے
 بل میں آگستا ہے۔ ان روایات اور سابق روایات میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے
 کہ جب فتنہ و فساد تمام اطراف عالم میں پھیل جائیگا تو اس وقت مہدی نمود
 کریں گے اور اہل مدینہ آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور دین مدینہ کی طرف ستر
 آئیگا کیونکہ اس وقت بھی اہل مدینہ خلیفۃ اللہ مہدی کے نامزد ہیں
 اور یہی امام وقت کی تائید کریں گے اور عقلمندانہ عقین ہونگے اس سے اسی طرح

یا ہر بوجہ سے جس طرح آگ سے بسنی میں لوہے کی سیل کیل دھڑ بھاتی ہے اور صرف اہل ایمان باقی رہ جائیں گے مگر بیت المقدس میں ہر ایک مذہب کے لوگ ہونگے کیونکہ وہ صرف نزول عیسیٰ بن مریم پر ایمان لائیں گے یہ تو حدیث جابر کا مفہوم ہے ۔
 بعد ازاں ایک ہوا ملک شام یا ملک یمن کی طرف سے آئی جس سے تمام اہل ایمان مرنے لگیں گے اور سب سے اخیر اہل حدیث ہوا کہ ہونٹے اعلان وقت حدیث میں صرف اہل ایمان ہونگے کیونکہ زمانہ و جہاں میں وہ غیر دس سے پاک و صاف ہو چکا ہوگا ۔ اہل حدیث کی موت پر باقی دنیا آباد ہو سکی مگر وہ خالص ایمان نہیں ہونگے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی ۔ یہ تو جہ حدیث ابو ہریرہ کے مطابق ہے ۔

